3
قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں
المصباح فی زجاجۃ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
تفسیر مصباحین
ترجمہ و شرح
تفسیر جلالین
تصنیف
امام جلال الدین محلی شافعی
امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم و شارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی
شبیر برادرز
اردو بازار لاہور
سورۃ الانفال تا سورۃ الحجر

click link for more books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب ——— (نمبر 3) ——— تفسیر مصباحین تفسیر جلالین

تصنیف ——— امام جلال الدین محلی شافعی / امام جلال الدین سیوطی شافعی

مترجم ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی

کمپوزنگ ——— ورڈز میکر

باہتمام ——— ملک شبیر حسین

سن اشاعت ——— مارچ 2014ء

سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0322-7202212

طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ہدیہ ——— روپے

شبیر برادرز ® زبیدہ سنٹر 40، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

shabbirborther786@gmail.com

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

السورة التوبة

سورہ یونس

سورہ ھود

سورۃ یوسف

السورة الرعد

سورة ابراهيم

السورة الحجر

مقدمہ تفسیر مصباحین

قرآن مجید فرقان حمید اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب جو برکت والی اہل تقویٰ کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء راسخین اور صلحائے سالکین کو اس کے ظاہری و باطنی علوم عطاء فرمائے ہیں۔ اور قرآن مجید کی تفسیر کا سب سے بڑا ماخذ احادیث رسول ﷺ ہے۔ اور احادیث کے بعد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے وحی کے نزول کا مشاہدہ کیا۔ اور ان آیات کے پس منظر احوال کو عملی نظروں کے ساتھ دیکھا ہے یقیناً ان علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشاہدہ بصر اور علم وفہم تفسیر قرآن کے بہت قریب تھا۔ جس بہت زیادہ تعلق علم تفسیر سے ہے۔ اصول تفسیر کی زبان میں اس کو شانِ نزول یا اسبابِ نزول یا مضامین نزول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو روایات آیات کے اسبابِ نزول یا شانِ نزول سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہیں ان سے متعلق بعض تفسیری اصول ہم اس مقدمہ میں ذکر کر رہے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

آیات قرآنی کے اسبابِ نزول سے متعلق اصول تفاسیر کا بیان

یقیناً قرآن پاک درجہ بہ درجہ حسب ضرورت نازل ہوا ہے۔ قرآن کا اکثر حصہ تو وہ ہے جو ابتداء موعظت وعبرت یا اصولِ دین اور احکامِ تشریع کے بیان میں نازل ہوا ہے لیکن قرآن کا کچھ حصہ وہ ہے جو کسی حادثہ یا سوال کے جواب میں اُترا ہے۔ علماء نے ان حوادث سوالات کو اَسباب سے تعبیر کیا ہے۔

اسبابِ نزول کے علم سے چونکہ آیت کا پس منظر سمجھ آتا ہے اور آیت کے سبب سے جہالت بسا اوقات حیرت کا موجب بنتی ہے، اس لئے اسبابِ نزول کی معرفت کو علم تفسیر میں خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور علماء نے علومِ قرآن پر جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں اسبابِ نزول کے عنوان کو مستقل طور پر ذکر کیا ہے بلکہ خالصتاً اسبابِ نزول پر بھی کتابیں مرتب کی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں کہ علمانے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تالیف کی ہیں اور اس باب میں سب سے پہلی تصنیف علی بن مدینی کی ہے جو امام بخاری کے شیخ ہیں۔

اسی طرح سیوطی نے اس سلسلہ کی تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے ابوالحسین علی بن احمد واحدی 468ھ کی تالیف کو مشہور ترین قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی کہ اس میں کچھ مشکلات ہیں، کہہ کر اس پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ کہ اس موضوع پر میری بھی ایک یگانہ روزگار تالیف ہے جس کا نام میں نے لباب النقول فی اسباب النزول رکھا ہے۔

بہرحال اسبابِ نزول کی اہمیت کے پیش نظر علمانے اس کو مستقل فن کی حیثیت دی ہے اور اس پر کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔

مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اسباب کے بیان کا اہتمام کیا ہے۔شاہ ولی اللہ 1762 نے اپنے رسالہ الفوز الکبیر میں اس کی معرفت کو المواضع الصعبۃ (مشکل مقامات) سے شمار کیا ہے اور اس فن کے مباحث کو منقح کرنے کی سعی مشکور فرمائی ہے لہٰذا جن علماء نے اس کی افادیت اور تاریخی حیثیت کو لا طائل (بے فائدہ) کہا ہے، ان کا موقف سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے اور دیگر بعض علماء نے اس میں غلو کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اسباب نزول کی معرفت کے بغیر تفسیر قرآن نہیں ہوسکتی۔ سیوطی؟ اس فن کی معرفت کے بغیر تفسیر قرآن پر اقدام کو حرام قرار دیتے ہیں، تاہم یہ دونوں گروہ افراط وتفریط میں مبتلا ہیں۔ اصل اور صحیح موقف ان کے بین بین ہے جیسا کہ ابن دقیق العید 702ھ اور ابوالفتح قشیری نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اس فن کی معرفت فی الجملہ معاون ہوسکتی ہے ورنہ تفسیر قرآن صرف اس پر موقوف نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ یا تابعین نے جو اسباب نزول بیان فرمائے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: اول وہ جن کی طرف خود آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً مغازی یا دیگر واقعات کہ جب تک ان واقعات کی تفصیل سامنے نہ ہو متعلقہ آیت میں مذکورہ جزئیات ذہن نشین نہیں ہوسکتیں۔ اس قسم کے اسباب نزول کے متعلق تو واقعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک مفسر قرآن کے لئے ان پر عبور لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے تاریخ جاہلیت اور مغازی کی معرفت کو قرآن فہمی کے لئے لازمی قرار دیا ہے کیونکہ متعلقہ آیات میں ان کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم کے اسباب وہ ہیں جنہیں صحابہ یا تابعین کسی آیت کے تحت نزلت اُو اُنزل اللہ فی کذا کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

پہلی قسم کے اسباب کے بیان میں چونکہ صحابہ کرام کے اجتہاد کو دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ سراسر روایت وسماع پر مبنی ہوتا ہے۔ اس بنا پر علماء نے بلا اختلاف اس کو حدیث مسند کا درجہ دیا ہے۔ کہ صحابی جب کسی آیت کے سبب نزول میں اس کے مابعد یہ آیت نازل ہوئی جیسے الفاظ استعمال کرے تو اس طرح کی روایات حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں، کیونکہ اس طرح کی بات فقط رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔

اور دوسری قسم (یعنی جب کوئی صحابی نزلت فی کذا کے الفاظ استعمال کرے) میں اختلاف ہے کہ کیا یہ بھی قسم اول کی طرح مسند حدیث کے حکم میں ہے یا اس کی بنیاد صحابی کے اجتہاد ورائے پر ہے؟

امام جلال الدین سیوطی امام حاکم کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی جو نزول وحی/آیت کے وقت موجود تھا، قرآن کی کسی آیت کے بارے میں خبر دے کہ یہ آیت فلاں واقعہ میں نازل ہوئی تو یہ بھی حدیث مرفوع ہے، یہی رائے ابن صلاح وغیرہ کی بھی ہے۔

امام زرکشی لکھتے ہیں کہ صحابہ وتابعین کی یہ معروف عادت ہے کہ جب وہ یہ آیت فلاں مسئلے میں نازل ہوئی کہیں تو اس سے ان کی یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ آیت اس حکم کو شامل ہے نہ کہ فلاں واقعہ اس آیت کا سبب نزول ہے۔ پس صحابہ کا یہ کہنا آیت سے کسی حکم کے بارے میں استدلال کرنے کی قبیل سے ہوتا ہے نہ کہ واقعہ کی خبر نقل کرنے کی جنس سے، اس قسم کے واقعات کو ایک مناسبت کی

بناء پر آیت کے تحت ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ آیت کے مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے لئے ان کی معرفت لازمی نہیں ہے شاہ ولی اللہ رقمطراز ہیں۔ کہ بسا اوقات مفسرین آیت کے تحت کوئی واقعہ اس مقصد سے ذکر کر دیتے ہیں کہ اس آیت سے مناسبت رکھنے والے واقعات جمع ہو جائیں یا جس امر کی عموم تصدیق کر رہا ہو اس کی وضاحت ان کا مقصود ہوتی ہے۔ یہ قسم ضروری اسبابِ نزول سے نہیں ہے۔ اس سے ان کا مقصد اس امر کی تصویر کشی کرنا ہوتا ہے جس پر آیت صادق آ سکتی ہے۔

سید شریف علی جرجانی 816ھ فرماتے ہیں کہ تفسیر صحابی موقوف ہے۔ اور جو قول شانِ نزول کی قسم سے ہو جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ یہودی کہتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے فلاں آیت اُتاری اور مثل اس کی مرفوع ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں بیان کیا ہے کہ حدیث کے بعد تفسیر میں قولِ صحابی کا درجہ ہے کیونکہ صحابی کی تفسیر ان کے نزدیک بمنزلہ مرفوع کے ہے جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں کہا ہے۔ اور ابوالخطاب حنبلی کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تفسیر صحابی کی طرف رجوع نہ کیا جائے جب ہم یہ کہیں کہ قول صحابی حجت نہیں مگر صحیح بات اس کا حجت ہونا ہے کیونکہ تفسیر صحابی روایت کی قسم سے ہے نہ کہ رائے کی قسم سے۔ میں (صاحب اتقان) وہی کہتا ہوں جو حاکم نے کہا ہے کہ تفسیر صحابی مرفوع ہے۔ ابن صلاح وغیرہ نے اس کا خلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ شانِ نزول وغیرہ کے ساتھ خاص ہے جس میں رائے کا دخل نہیں پھر میں نے خود حاکم کو دیکھا کہ انہوں نے علوم حدیث میں اس کی تصریح کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ موقوفات سے مراد تفسیر صحابہ ہے اور جو مرفوع کہتا ہے وہ شانِ نزول کی بابت کہتا ہے، پس حاکم نے علوم حدیث میں خاص کر دیا اور مستدرک میں عام چھوڑ دیا۔

علامہ ابن الصلاح 643ھ فرماتے ہیں یہ جو کہا گیا ہے تفسیر صحابی مرفوع ہے تو یہ شانِ نزول وغیرہ کی بابت ہے۔ حاکم نے جو مستدرک میں کہا ہے کہ تفسیر صحابی جس نے وحی کا مشاہدہ کیا ہے حکماً مرفوع ہے تو اس سے مراد وہ تفسیر ہے جو ایسی بات پر مشتمل ہو جس میں رائے کا دخل نہ ہو اور بغیر سماع کے معلوم نہ ہو سکتی ہو۔

شانِ نزول کا مرفوع کے حکم میں ہونا باعتبارِ ظاہر کے ہے کیونکہ ممکن ہے کہ صحابی کا شانِ نزول کو بیان کرنا ظاہر حال دیکھ کر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے سننے کی ضرورت نہ پڑی ہو۔

اسی طرح راویوں کی جرح وتعدیل میں بہت اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح محدثین کی اصطلاحات صحت وضعف کے متعلق اور راویوں کی جرح وتعدیل کے متعلق الگ الگ ہیں مثلاً امام احمد 241ھ وغیرہ کے نزدیک حسن اور صحیح میں کچھ فرق ہی نہیں۔ امام ترمذی 279ھ کے نزدیک حسن کے اور معنی ہیں۔ امام نسائی 303ھ کا خیال تھا کہ جب تک کسی راوی کی روایت کے ترک پر محدثین جمع نہ ہوں اس کی روایت کو لے لیا جائے۔ ابن حبان 354ھ بھی بہت متساہل تھے، اسی طرح کسی راوی کو منکر الحدیث وغیرہ کہنا مختلف معنی رکھتا ہے کسی محدث کے نزدیک کچھ، کسی محدث کے نزدیک کچھ مثلاً کسی کے نزدیک منکر الحدیث وہ راوی ہے جو ضعیف ہو کر ثقہ کی مخالفت کرے اور کسی کے نزدیک کم ثقہ زیادہ ثقہ کی مخالفت کرنے والا بھی اس میں داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب محدثین اور مفسرین کے اصول سے یہ بات طے ہوگئی کہ شانِ نزول مرفوع کے حکم میں ہے تو جیسے

احادیث کا فیصلہ ہوتا ہے ویسے ہی اس کا فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اس کے فیصلہ کی صورت یہی ہے کہ جس حدیث میں اختلاف نہیں ہو وہ تو سر آنکھوں پر، اور جس میں اختلاف ہوتا ہے وہاں راجح قول اختیار کیا جاتا ہے اس طرح جس شانِ نزول کو دیکھا کہ اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا وہ بے چوں چرا تسلیم کرنا چاہئے اور جس میں اختلاف ہو وہاں راجح مرجوح کو دیکھنا چاہئے۔

چنانچہ امام واحدی لکھتے ہیں کہ کتاب اللہ کے اسبابِ نزول کے بارے میں کچھ کہنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انہی صحابہ کی روایت اور سماع معتبر ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور وہ اس کے اسباب سے واقف تھے اور اسی کے جاننے کے لئے بحث و کرید میں لگے رہتے تھے۔

اس بناء پر سلف صالحین اسبابِ نزول کے سلسلہ میں روایت قبول کرنے میں تشدد سے کام لیتے اور جب تک کسی صحابی سے صحت سند کے ساتھ اس کا مروی ہونا ثابت نہ ہو جاتا وہ اسے قابل التفات نہ سمجھتے۔

شانِ نزول یا سبب نزول بیان کرنے میں تقویٰ سے کام لینے کا بیان

امام ابن سیرین 110ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور کھری بات کہو، وہ لوگ چلے گئے جو جانتے تھے کہ قرآن کس بارے میں نازل ہوا؟

یہاں پر یہ بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ کوئی آیت اپنے نفس الامری مفہوم اور عموم کے اعتبار سے سبب نزول کے ساتھ مقید و مختص نہیں ہوتی بلکہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے اس آیت کو عموم پر ہی محمول کرنا ضروری ہے۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ اَصح یہ ہے کہ نظم قرآن کو اس کے عموم پر محمول کیا جائے اور اسبابِ خاصہ کا اعتبار نہ کیا جائے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش آمدہ واقعات کی توضیح میں آیات کے عموم سے استدلال کرتے رہے ہیں، گو ان کے اسبابِ نزول خاص تھے۔

(الجامع لأحكام القرآن(2) الاتقان: 1 / 34(3)التبيان في علوم القرآن: ص 17 ؛ (8) البرهان: 31 (9) الفوز الكبير ص73 (11) الإتقان: 2 / 505، 506 (12) مقدمة ابن الصلاح: ص 23 (17) أسباب نزول القرآن: ص 5 (18) تفسير القرآن العظيم: 1 / 12)

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت انفال ہے

سورہ انفال کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ الْاَنْفَال (مَدَنِیَّۃٌ اِلَّا مِنْ اٰیَۃ 30 اِلٰی غَایَۃ 36 فَمَکِّیَّۃٌ وَ اٰیَاتُھَا 75 اَوْ 77 نَزَلَتْ بَعْدَ الْبَقَرَۃ)
یہ سورت مدنی ہے سوائے سات آیتوں کے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور (وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللہُ وَاللہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ، الانفال:30) سے شروع ہوتی ہیں۔اس میں پچھتر آیات اور ایک ہزار پچھتر کلمے اور پانچ ہزار اسی حرف ہیں۔

سورہ انفال کی وجہ تسمیہ کا بیان

اَنْفَال، نَفَلٌ کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں، یہ مال واسباب کو کہا جاتا ہے، جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے، جسے غنیمت بھی کہا جاتا ہے اس کو نفل (زیادہ) اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے۔اس سورت مبارکہ میں نفل سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں اسی سبب سے اس کا نام سورہ انفال رکھا گیا ہے۔

سورہ انفال کے شانِ نزول کا بیان

حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورت انفال کا شانِ نزول کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ سورت جنگ بدر میں نازل ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1828)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئیں ایک دفعہ میں نے تلوار لی اور اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رکھ دو پھر جب میں کھڑا ہوا تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تلوار تم نے جہاں سے لی اسے وہیں رکھ دو تو میں کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیں کیا میں اس آدمی کی طرح ہو جاؤں گا کہ جس کا اس کے بغیر گزارہ نہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جہاں سے تم نے یہ تلوار لی ہے اسے وہیں رکھ دو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھئے کہ انفال اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 60)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
وہ آپ سے غنائم کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیں کہ غنائم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

غنائم سے متعلق احکام شرعیہ کا بیان

لَمَّا اخْتَلَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فِیْ غَنَائِمِ بَدْرٍ فَقَالَ الشُّبَّانُ: هِیَ لَنَا لِاَنَّا بَاشَرْنَا الْقِتَالَ وَقَالَ الشُّيُوْخُ: كُنَّا رِدْءًا لَّكُمْ تَحْتَ الرَّايَاتِ وَلَوْ انْكَشَفْتُمْ لَفِئْتُمْ اِلَيْنَا فَلَا تَسْتَأْثِرُوْا بِهَا فَنَزَلَ:

"يَسْأَلُوْنَكَ" يَا مُحَمَّدُ "عَنِ الْاَنْفَالِ" الْغَنَائِمِ لِمَنْ هِیَ "قُلْ" لَهُمْ "الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ" يَجْعَلُهَا حَيْثُ شَاءَ "وَالرَّسُوْلِ" يَقْسِمُهَا بِاَمْرِ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ "فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ" اَیْ حَقِيْقَةَ مَا بَيْنَكُمْ بِالْمَوَدَّةِ وَتَرْكِ النِّزَاعِ "وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" حَقًّا،

جب مسلمانوں میں بدر کی غنائم کے بارے میں اختلاف ہوا تو نوجوانوں نے کہا کہ غنائم ہمارے لئے ہیں کیونکہ ہم نے براہ راست جہاد کیا ہے۔ اور بوڑھے لوگوں نے کہا کہ ہم تمہارے پیچھے پرچم بلند کیے ہوئے تھے۔ اگر تمہیں شکست ہوتی تو کیا تم واپس پلٹ کر آتے۔ تو تب یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ یا محمد ﷺ وہ آپ سے غنائم کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو اس موقع پر موجود ہیں آپ ان سے فرمادیں فرمادیں کہ غنائم اللہ کے لئے ہیں اس نے جس کے لئے چاہا رکھیں ہیں۔ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں وہ اللہ کے حکم سے ان کو تقسیم کریں گے پس نبی کریم ﷺ نے غنائم کو ان کے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ اس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور باہمی معاملات کی اصلاح کرو یعنی حقیقت میں تمہارے درمیان محبت ہونی چاہے اور جھگڑا ختم ہونا چاہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم یقیناً ایمان رکھتے ہو۔

نفل اور انفال کے لغوی مفاہیم کا بیان

الانفال۔ مال غنیمت نفل کی جمع جس کے معنی زیادتی کے ہیں۔ اسی لئے زائد نماز کو نافلہ کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: من اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک، اور بعض حصہ شب میں بیدار ہو کر تہجد کی نماز پڑھا کر یہ تمہارے لئے نفل ہے۔

اسی اعتبار سے اولاد کی اولاد کو نافلہ کہتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ووھبنا لہ اسحق و یعقوب نافلۃ، اور ہم نے اس کو (حضرت ابراہیم کو) اسحٰق عطا کی اور مزید برآں یعقوب بھی۔ پھر عطیہ اور بخشش کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کیونکہ بخشش بھی بغیر

استحقاق ایک شئی مزید ہے۔

بعض کے نزدیک نفل اور غنیمت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ان میں صرف اعتباری فرق ہے وہ مال جو فتح کے بعد چھینا ہوا ہوتا ہے اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے اور اس لحاظ سے فتح کا لازمی نتیجہ مال حاصل ہونا نہیں بلکہ محض ایک عطاء غیر لازم ہے لہٰذا مال مستزاد یا نفل کہلاتا ہے۔

بعض کے نزدیک ان میں نسبت عموم وخصوص مطلق ہے یعنی غنیمت عام ہے اور ہر اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو لوٹ سے حاصل ہو خواہ مشقت سے یا بغیر مشقت کے۔فتح سے قبل حاصل ہو یا بعد میں۔استحقاق سے حاصل ہو یا بلا استحقاق۔اور نفل خاص کر اس مال کو کہتے ہیں جو مال غنیمت سے قبل از تقسیم حاصل ہوا ہو۔

بعض کے نزدیک نفل وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائے۔اور اسے فئے بھی کہتے ہیں۔اور بعض نے کہا ہے کہ جو سامان وغیرہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد بانٹا جاتا ہے اسے نفل کہتے ہیں۔عام استعمال میں ہر دو نفل اور غنیمت ایک ہی معنی میں لئے جاتے ہیں۔

سورہ انفال آیت ا کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے موقعہ پر فرمایا جو شخص یہ یہ کام کرے گا اس کو یہ یہ انعام ملے گا۔تو جو جوان تھے وہ آگے بڑھے اور بوڑھے لوگ جھنڈوں کے پاس کھڑے ہوئے اور وہیں جم گئے جب اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمادی تو بوڑھوں نے کہا ہم تمہارے مددگار اور پشت پناہ تھے اگر تم کو شکست ہوتی تو ہماری ہی طرف پلٹ کر آتے لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ مالِ غنیمت سارا کا سارا تم ہی لے لو اور ہمیں کچھ نہ ملے لیکن جوانوں نے یہ بات نہ مانی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انعام صرف ہمارے لئے ہی مقرر فرمایا ہے۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمد! یہ لوگ تم سے انفال کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو ان کو بتا دیجئے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے تم کو حق کے ساتھ تمہارے گھر سے نکالا اور مومنین کی ایک جماعت اس کو (یعنی مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کو) ناپسند کرتی تھی لیکن اللہ کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر تھا اور ایسا ہی ہو کر رہا لہٰذا تم میرا کہا مانو کیونکہ تمہاری بہ نسبت میں اس کے انجام سے زیادہ واقف ہوں۔(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 971)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب بدر کا دن تھا تو میرے بھائی عمیر شہید ہو گئے اور سعید بن عاص کو قتل کر دیا گیا تو میں نے ان کی تلوار پکڑی اس کا نام ذوالکتیفہ تھا میں وہ تلوار نبی کے پاس لایا اور آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اسے مال غنیمت میں ڈال دو آپ کہتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ مجھے میرے بھائی شہید ہو جانے اور میرا ساز وسامان چھن جانے کی وجہ سے جو تکلیف تھی اسے اللہ ہی جانتا تھا میں واپس لوٹا ابھی تھوڑا ہی دور چلا تھا کہ سورہ انفال نازل ہوئی تو رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ جا کر اپنی تلوار پکڑ لو۔(مسند احمد 3۔78،طبری 9۔117)

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ جب غزوہ بدر میں دشمن کو شکست ہوئی تو اور مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کو قتل کرنے کے لیے پیچھا کیا اور ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیے رکھا اور ایک جماعت مال غنیمت جمع کرنے پر مامور ہوگئی جب اللہ نے دشمن کو بھگا دیا اور ان کا تعاقب کرنے والے واپس آ گئے تو انہوں نے کہا کہ دشمن کا اچھا تعاقب کرنے کی وجہ سے زائد انعام ملنا چاہیے ہماری وجہ سے دشمن بھاگا اسے شکست ہوئی اور جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے رکھا انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہم تم سے زیادہ حق دار ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لیے رکھا کہ دشمن موقع پر کار آپ تک پہنچ نہ جائے لہٰذا وہ ہمیں ملنا چاہیے اور لوگ جو مال غنیمت جمع کرتے رہے انہوں نے کہا اللہ کی قسم تم ہم سے زیادہ اس کے حق دار نہیں ہو سکتے ہم ہی نے اسے دشمن کے ہاتھوں سے چھینا ہے اور اس پر قابض ہوئے ہیں لہٰذا وہ ہمیں ملنا چاہیے۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ يَسْــــــئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ) تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کو سب میں برابر تقسیم کر دیا۔ (نیسابوری 193، سیوطی 125، ابن کثیر 2۔283، اقرطبی 7۔360)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ
زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝
ایمان والے صرف وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات
تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

وقت تلاوت اہل ایمان کے احوال کا بیان

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ" الْكَامِلُوْنَ الْاِيْمَان "الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ " اَىْ وَعِيده "وَجِلَتْ" خَافَتْ "قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا" تَصْدِيْقًا "وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ" بِهٖ يَثِقُوْنَ لَا بِغَيْرِهٖ،

بے شک کامل ایمان صرف وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر یعنی اس کی وعید کو بیان کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان یعنی تصدیق میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں یعنی اسی ذات پر پختہ یقین رکھتے ہیں اس کے سوا کی طرف کسی جانب نہیں دیکھتے۔

آیات الٰہی کے سبب ایمان میں اضافہ ہونے کا بیان

سدی فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے جی میں ظلم کرنے کی یا گناہ کرنے کی آتی ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ ہیں ان کا دل کانپنے لگتا ہے، ام درداء فرماتی ہیں کہ دل اللہ کے خوف سے حرکت کرنے لگتے ہیں ایسے وقت انسان کو اللہ عزوجل سے دعا مانگنی چاہئے۔ ایمانی حالت بھی ان کی روز بروز زیادتی میں رہتی ہے ادھر قرآنی آیات سنیں اور ایمان بڑھا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ جب کوئی سورت اترتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا؟ بات یہ ہے کہ

ایمان والوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ خوش ہو جاتے ہیں، اس آیت سے اور اس جیسی اور آیتوں سے حضرت امام الائمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کی زیادتی سے مراد ہے کہ دلوں میں ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اللہ پر توکل کرنا ہی پورا ایمان ہے۔ ان مومنوں کے ایمان اور اعتقاد کی حالت بیان فرما کر اب ان کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نمازوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کی، وضو کی، رکوع کی، سجدے کی، کامل پاکیزگی کی، قرآن کی تلاوت، تشہد، درود، سب چیزوں کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ اللہ کے اس حق کی ادائیگی کے ساتھ ہی بندوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ واجب خرچ یعنی زکوٰۃ مستحب خرچ یعنی للہ فی اللہ خیرات برابر دیتے ہیں چونکہ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اس لئے اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق کی سب سے زیادہ خدمت کرے اللہ کے دیئے ہوئے کو اللہ کی راہ میں دیتے رہو یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے بہت جلد تم اسے چھوڑ کر رخصت ہونے والے ہو، پھر فرماتا ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں وہ سچے مومن ہیں۔

طبرانی میں ہے کہ حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں۔ آپ نے فرمایا کہ سمجھ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے۔ جانتے ہو حقیقت ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی خواہشات کو دنیا سے الگ کر لیا راتیں یاد اللہ میں جاگ کر دن اللہ کی راہ میں بھوکے پیاسے رہ کر گذراتا ہوں۔ گویا میں اللہ کے عرش کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے مل جل رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دوزخ میں جل بھن رہے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا حارثہ تو نے حقیقت جان لی پس اس حال پر ہمیشہ قائم رہنا۔ تین مرتبہ یہی فرمایا پس آیت میں بالکل محاورہ عرب کے مطابق ہے جیسے وہ کہا کرتے ہیں کہ گو فلاں قوم میں سردار بہت سے ہیں لیکن صحیح معنی میں سردار فلاں ہے یا فلاں قبیلے میں تاجر بہت ہیں لیکن صحیح طور پر تاجر فلاں ہے۔ فلاں لوگوں میں شاعر ہیں لیکن سچا شاعر فلاں ہے۔ ان کے مرتبے اللہ کے ہاں بڑے بڑے ہیں اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے وہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے گا ان کی نیکیوں کی قدر دانی کرے گا۔ گو یہ درجے اونچے نیچے ہوں گے لیکن کسی بلند مرتبہ شخص کے دل میں یہ خیال نہ ہوگا کہ میں فلاں سے اعلیٰ ہوں اور نہ کسی ادنیٰ درجے والوں کو یہ خیال ہوگا کہ میں فلاں سے کم ہوں۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ علیین والوں کو نیچے کے درجے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہ نے پوچھا یہ مرتبے تو انبیاء کے ہونگے؟ کوئی اور تو اس مرتبے پر نہ پہنچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ بھی جو اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں کو سچ جانیں اہل سنن کی حدیث میں ہے کہ اہل جنت بلند درجہ جنتیوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں کے چمکیلے ستاروں کو دیکھا

کرتے ہو یقیناً ابوبکر اور عمر انہی میں ہیں اور بہت اچھے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال، بیروت)

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝
وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو ان کو ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

قیام صلوٰۃ وانفاق مال کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ" يَأْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" اَعْطَيْنَاهُمْ "يُنْفِقُوْنَ" فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ،

وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی اس کے حقوق کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں۔ اور جو ان کو ہم نے رزق دیا یعنی عطا کیا ہے اس میں سے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔

نماز چوری کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ نماز کی وہ کیسے چوری کرتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ اپنی نماز کے رکوع کو مکمل نہیں ادا کرتا ہے، اور نہ ہی سجدہ صحیح ادا کرتا ہے۔ (احمد 5/310، صحیح الجامع الصغیر 799)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی بابت پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کی چوری ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے کر لیتا ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 722)

خرچ کرنے والے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک فرشتہ تو سخی کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے دے یا آخرت میں اجر و ثواب عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ بخیل کے لئے بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کو تلف یعنی نقصان دے۔

اور یعنی جو شخص مال و دولت جمع کرتا ہے اور جائز جگہ خرچ نہیں کرتا بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے تو اس کا مال تلف و ضائع کر دے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 358)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝
یہی لوگ یقیناً مؤمن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور بخشش اور عزت والا رزق ہے۔

ایمان والوں کے لئے بخشش وعزت والا رزق ہونے کا بیان

"اُولٰٓئِكَ" الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذَكَرَ "هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" صِدْقًا بِلَا شَكٍّ "لَهُمْ دَرَجَاتٌ" مَنَازِلُ فِيْ

الْجَنَّةَ "عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ" فِي الْجَنَّةِ

یہی لوگ یقیناً مؤمن ہیں یعنی جن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اور حقا سے مراد یہ ہے کہ وہ بغیر کسی شک وشبہ کے تصدیق کرنے والے ہیں۔ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں یعنی جنت میں مراتب ہیں اور بخشش اور جن میں عزت والا رزق ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ دولتمند لوگ تو درجات اور نعمتوں میں بڑھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیونکر، انہوں نے کہا کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور اپنا بچا ہوا مال بھی خرچ کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس مال نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جس کے ذریعہ تم ان کے برابر ہو جاؤ، جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور ان سے بڑھ جاؤ، جو تمہارے بعد آئیں اور کوئی شخص تمہارے برابر نہیں ہوگا، مگر وہ جس اس کو پڑھ لے، ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہو، عبیدہ اللہ بن عمر نے سمی سے اور ابن عجلان نے سمی اور رجاء بن حیوہ سے اس کی متابعت میں روایت کی اور جریر نے عبدالعزیز بن رفیع سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے ابوالدرداء سے روایت کی اور اس کو سہیل نے اپنے والد سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1279)

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝
جس طرح آپ کا رب آپ کو آپ کے گھر سے حق کے کے ساتھ (جہاد کے لئے) باہر نکال لایا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔

کفار کے تجارتی قافلہ کے استیصال کے لئے اخراج کا بیان

"كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِاَخْرَجَ "وَاِنَّ فَرِيْقًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ" الْخُرُوج وَالْجُمْلَة حَال مِنْ كَاف اَخْرَجَك وَكَمَا خَبَر مُبْتَدَأ مَحْذُوْف اَیْ هٰذِهِ الْحَال فِيْ كَرَاهَتهمْ لَهَا مِثْل اِخْرَاجك فِيْ حَال كَرَاهَتهمْ وَقَدْ كَانَ خَيْرًا لَّهُمْ فَكَذٰلِكَ اَيْضًا وَّذٰلِكَ اَنَّ اَبَا سُفْيَان قَدِمَ بِعِيرٍ مِّنْ الشَّام فَخَرَجَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابه لِيَغْنَمُوْهَا فَعَلِمَتْ قُرَيْش فَخَرَجَ اَبُو جَهْل وَمُقَاتِلُو مَكَّة لِيَذُبُّوا عَنْهَا وَهُمْ النَّفِير وَاَخَذَ اَبُو سُفْيَان بِالْعِيرِ طَرِيْق السَّاحِل فَنَجَتْ فَقِيْلَ لِاَبِي جَهْل ارْجِعْ فَاَبٰى وَسَارَ اِلٰى بَدْر فَشَاوَرَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَابه وَقَالَ اِنَّ اللّٰه وَعَدَنِيْ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ فَوَافَقُوْهُ عَلٰى قِتَال النَّفِير وَكَرِهَ بَعْضهمْ ذٰلِكَ وَقَالُوْا لَمْ نَسْتَعِدّ لَهُ كَمَا قَالَ تَعَالٰى:

جس طرح آپ کا رب آپ کو آپ کے گھر سے حق کے کے ساتھ جہاد کے لئے باہر نکال لایا یہاں پر حق اخرج سے متعلق ہے حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا۔یہ جملہ اخرجک کے کاف سے حال ہے۔اور کما یہ مبتداء محذوف جو ھذہ ہے اس کی خبر ہے یعنی یہ ناپسندیدگی کی حالت ایسی ہی ہے جس طرح آپ کے خروج کے وقت ان کی حالت تھی۔حالانکہ یہ ان کے لئے بہتر تھا۔کیونکہ جب ابوسفیان تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے روانہ ہوا تو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ان کی جانب خروج کیا تاکہ مال

غنیمت حاصل کریں، جب قریش کو اس کا پتہ چلا تو ابوجہل مکہ کے جنگجوؤں کے ساتھ مقابلے کے لئے آیا اور وہ ایک لشکر تھا۔ تو ابو سفیان نے قافلے کو ساحل کے راستے کرلیا پس وہ بچ گئے۔ تو ابوجہل سے کہا گیا کہ اب واپس لوٹ جاتے ہیں تو اس نے انکار کیا اور چلے آئے حتیٰ کہ میدان بدر میں آگئے۔ تو اس وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا لوگوں نے اس لشکر کے ساتھ قتال کرنے میں موافقت کی جبکہ بعض نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ ہم اس کے لئے کیسے تیار ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا۔

سورہ انفال آیت ۵ کے شانِ نزول کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ بدر کی جانب چلتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روحا میں پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ ہاں ہمیں بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ فلاں فلاں جگہ ہیں۔ آپ نے پھر خطبہ دیا اور یہی فرمایا اب کی مرتبہ حضرت عمر فاروق نے یہی جواب دیا آپ نے پھر تیسرے خطبے میں یہی فرمایا اس پر حضرت سعد بن معاذ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہم سے دریافت فرما رہے ہیں؟ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو عزت و بزرگی عنایت فرمائی ہے اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے نہ میں ان راستوں میں کبھی چلا ہوں اور نہ مجھے اس لشکر کا علم ہے ہاں اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ برک الغماد تک بھی چڑھائی کریں تو واللہ ہم آپ کی رکاب تھامے آپ کے پیچھے ہوں گے ہم ان کی طرح نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہدیا تھا کہ تو اپنے ساتھ اپنے پروردگار کو لے کر چلا جا اور تم دونوں ان سے لڑلو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ چلئے اللہ آپ کا ساتھ دے ہم تو آپ کے زیر حکم کفار سے جہاد کے لئے صدق دل سے تیار ہیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گو آپ کسی کام کو زیر نظر رکھ رکھ نکلے ہوں لیکن اس وقت کوئی اور نیا کام پیش نگاہ ہو تو بسم اللہ کیجئے، ہم تابعداری سے منہ پھیرنے والے نہیں۔ آپ جس سے چاہیں ناطہ توڑ لیجئے اور جس سے چاہیں جوڑ لیجئے جس سے چاہیں عداوت کیجئے اور جس سے چاہیں محبت کیجئے ہم اسی میں آپ کے ساتھ ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ ہماری جانوں کے ساتھ ہمارے مال بھی حاضر ہیں، آپ کو جس قدر ضرورت ہو لیجئے اور کام میں لگائیے۔ پس حضرت سعد کے اس فرمان پر قرآن کی یہ آیتیں اتری ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ انفال، بیروت)

نبی کریم ﷺ کا دشمنان اسلام کے گرنے کی جگہ کے مشاہدے کا بیان

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مختصر واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان کے ملک شام سے ایک قافلہ ساتھ آنے کی خبر پاکر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ انکے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، مکہ مکرمہ سے ابوجہل قریش کا ایک لشکر گراں لے کر قافلہ امداد کے لئے روانہ ہوا۔ ابوسفیان تو رستہ سے کترا کر مع اپنے قافلہ کے ساحلِ بحر کی راہ چل پڑے اور ابوجہل سے اس کے رفیقوں نے کہا کہ قافلہ تو بچ گیا اب مکہ مکرمہ واپس چل تو اس نے انکار کردیا اور وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے قصد سے بدر کی طرف چل پڑا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دونوں گروہوں میں سے ایک پر مسلمان کو فتح مند کرے گا خواہ قافلہ ہو یا قریش کا لشکر۔ صحابہ نے اس میں موافقت کی مگر بعض کو یہ عذر رہا کہ ہم اس تیاری سے نہیں چلے تھے اور نہ ہماری تعداد اتنی ہے، نہ ہمارے پاس کافی سامان اسلحہ ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گراں گزرا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قافلہ تو ساحل کی طرف نکل گیا اور ابو جہل سامنے آ رہا ہے۔ اس پر ان لوگوں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم قافلے ہی کا تعاقب کیجئے اور لشکرِ دشمن کو چھوڑ دیجئے، یہ بات ناگوارِ خاطرِ اقدس ہوئی تو حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر اپنے اخلاص و فرمانبرداری، رضاجوئی و جاں نثاری کا اظہار کیا اور بڑی قوت و استحکام کے ساتھ عرض کی کہ وہ کسی طرح مرضی مبارک کے خلاف سستی کرنے والے نہیں ہیں پھر اور صحابہ نے بھی عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو جو امر فرمایا اس کے مطابق تشریف لے چلیں ہم ساتھ ہیں، کبھی تخلّف نہ کریں گے، ہم آپ پر ایمان لائے، ہم نے آپ کی تصدیق کی، ہم نے آپ کے اتباع کے عہد کئے، ہمیں آپ کی اتباع میں سمندر کے اندر کود جانے سے بھی عذر نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو اللہ کی برکت پر بھروسہ کر واس نے مجھے وعدہ دیا ہے میں تمہیں بشارت دیتا ہوں، مجھے دشمنوں کے گرنے کی جگہ نظر آ رہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مرنے اور گرنے کی جگہ نام بنام بتا دیں اور ایک ایک کی جگہ پر نشانات لگا دیئے اور یہ معجزہ دیکھا گیا کہ ان میں سے جو مر کر گرا اسی نشان پر گرا اس سے خطا نہ کی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ انفال، لاہور)

امام ابوحیان پر حالت خواب میں محذوف کے اظہار کا بیان

امام تفسیر ابوحیان اندلسی نے اس طرح کے پندرہ اقوال نقل کئے ان میں زیادہ قرب تین احتمال ہیں۔ اول یہ کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غزوہ بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صحابہ کرام کے آپس میں کچھ اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ پھر حکم خداوندی کے تحت سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اس کی برکات اور اچھے نتائج کا ظہور سامنے آ گیا۔ اسی طرح اس جہاد کے شروع میں کچھ لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا پھر حکم ربانی کے ماتحت سب نے اطاعت کی اور اس کے مفید نتائج اور اعلیٰ ثمرات کا مشاہدہ ہو گیا۔ یہ توجیہ فراء اور مبرد کی طرف منسوب ہے (بحر محیط)

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں سچے مومنین کے لئے آخرت میں درجات عالیہ اور مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان آیات میں اس وعدہ کے یقینی ہونے کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ آخرت کا وعدہ اگرچہ ابھی آنکھوں کے سامنے نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ نصرت و فتح غزوہ بدر میں آنکھوں کے سامنے آ چکا ہے اس سے عبرت پکڑو اور یقین کرو کہ جس طرح یہ وعدہ دنیا ہی میں پورا ہو چکا ہے اسی طرح آخرت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا۔ (تفسیر قرطبی، بحوالہ نحاس)

تیسرا احتمال وہ ہے جس کو ابوحیان نے مفسرین کے پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے ان میں سے کسی قول پر اطمینان نہیں تھا۔ ایک روز میں اسی آیت پر غور و فکر کرتے ہوئے سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ جا رہا ہوں اور ایک شخص میرے ساتھ ہے میں اسی آیت کے متعلق اس سے بحث کر رہا ہوں اور یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کبھی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جیسی اس

آیت کے الفاظ میں پیش آئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے۔

پھر ایک خواب ہی میں میرے دل میں پڑا کہ یہاں لفظ نصرک محذوف ہے اس کو خود میں نے بھی پسند کیا اور جس شخص سے بحث کر رہا تھا اس نے بھی پسند کیا۔ بیدار ہونے کے بعد اس پر غور کیا تو میرا اشکال ختم ہو گیا کیونکہ اس صورت میں لفظ کما تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ بیان سبب کے لئے استعمال ہوا ہے اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ غزوہ بدر میں اللہ جل شانہ کی طرف سے جو خاص نصرت وامداد آپ کی ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس جہاد میں آپ نے جو کچھ کیا کسی اپنی خواہش اور رائے سے نہیں بلکہ خالص امر ربی اور حکم خداوندی کے تابع کیا۔ اسی کے حکم پر آپ اپنے گھر سے نکلے۔ اور اطاعت حق کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے اور یہی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد ونصرت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ انفال، بیروت)

اخراج جہاد کے باب میں یہاں کاف کا بہ طور تعلیل ہونے کا بیان

كَمَآ اَخْرَجَكَ الخ کے کاف، کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لیے نہیں لیا، بلکہ ابوحیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ میں علماء نے تصریح کی ہے اور اخرجك ربك من بيتك الیٰ آخر الآیات کے مضمون کو میں نے اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ابوحیان کی طرح "اعزک اللہ" وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ میں صرف آنِ خروج من البیت مراد نہیں بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝
وہ تجھ سے حق میں جھگڑتے تھے، اس کے بعد کہ وہ صاف ظاہر ہو چکا تھا، جیسے انہیں موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

قتال کے بارے میں بحث کرنے کا بیان

"يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ" الْقِتَال "بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ" ظَهَرَ لَهُمْ "كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ" اِلَيْهِ عِيَانًا فِيْ كَرَاهَتِهِمْ لَهُ،

وہ آپ سے حق یعنی قتال کے بارے میں جھگڑتے تھے، اس کے بعد کہ وہ صاف ظاہر ہو چکا تھا، جیسے انہیں موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے اور وہ اس کے لئے ناپسندیدگی کو دیکھ رہے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

يجادلونك في الحق بعد ماتبين ۔ اس تصادم کو حق بجانب سمجھتے ہوئے بھی وہ آپ سے چوں وچرا کر رہے تھے حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ آپ سے مجادلہ کر رہے تھے۔

كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون ۔ وہ یوں محسوس کر رہے تھے گویا وہ موت کو سامنے اپنی آنکھوں سے دیکھتے

ہوئے بھی اس کے منہ میں ہانکے جارہے تھے۔

سورہ انفال آیت ۶ کے شانِ نزول کا بیان

جس وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت وعدہ کیا ہے۔لہٰذا لوگوں نے اس لشکر کے ساتھ قتال کرنے میں موافقت کی جبکہ بعض نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ ہم اس کے لئے کیسے تیار ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن سے بدر میں جنگ کرنے کی بابت صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور حضور نے مجاہدین کو کمر بندی کا حکم دے دیا اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ ذرا گراں گذرا اس پر یہ آیتیں اتریں۔پس حق میں جھگڑنے سے مراد جہاد میں اختلاف کرنا ہے اور مشرکوں کے لشکر سے مڈبھیڑ ہونے اور ان کی طرف چلنے کو ناپسند کرنا ہے۔اس کے بعد ان کے لئے واضح ہو گیا یعنی یہ امر کہ حضور بغیر حکم رب العزت کے کوئی حکم نہیں دیتے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ
لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○
اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے
جس میں ذرہ برابر بھی نقصان نہ ہو اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

قافلہ شام یا لشکر کفار میں سے ایک کی ہزیمت کا بیان

"و" اُذْكُرْ "اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ" الْعِير اَوْ النَّفِير "اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ" تُرِيْدُوْنَ "اَنَّ غَيْر ذَات الشَّوْكَة" اَيْ الْبَاْس وَالسِّلَاح وَهِيَ الْعِير "تَكُوْن لَكُمْ" لِقِلَّةِ عَدَدهَا وَمَدَدهَا بِخِلَافِ النَّفِير "وَيُرِيْد اللّٰه اَنْ يُحِقّ الْحَق" يُظْهِرهُ "بِكَلِمَاتِهِ" السَّابِقَة بِظُهُوْرِ الْاِسْلَام "وَيَقْطَع دَابِر الْكَافِرِيْنَ" اٰخِرهمْ بِالِاسْتِئْصَالِ فَاَمَرَكُمْ بِقِتَالِ النَّفِير،

اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں یعنی ایک قافلہ اور دوسرا جنگی لشکر میں ایک تمہارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے یعنی تم ارادہ رکھتے تھے کہ تمہیں وہ جماعت ملے،جس کی تعداد کم اسلحہ کم تھا اور وہ تجارتی قافلہ تھا۔جبکہ جنگی لشکر میں ایسا نہیں تھا۔جس میں ذرہ برابر بھی نقصان نہ ہو اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے یعنی اپنے کلام سابق یعنی ظہور اسلام کے ذریعے ظاہر فرمادے۔اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔یعنی ان کا استیصال کر دے لہٰذا اسی لئے اس نے تمہیں جنگی لشکر سے قتال کرنے کا حکم دیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

واذ۔ جب۔ اس سے قبل اذکر محذوف ہے (یاد کرو) یعنی اذکر اذ، یاد کرو جب۔ یعدکم ۔ وعد یعد (ضرب) وہ وعدہ کرتا ہے۔ مضارع واحد مذکر غائب کم ضمیر مفعول۔ جمع مذکر حاضر۔ یہاں مضارع بمعنی ماضی استعمال ہوا ہے۔ جب اس نے تم سے (دو گروہوں میں سے ایک کا) وعدہ کیا تھا۔

احدی الطائفتین ۔ دو گروہوں میں سے ایک۔ یعد کا مفعول ثانی ہے۔ انھا لکم ۔ کہ وہ تمہارے لئے ہے۔ احدی الطائفتین کا بدل ہے۔ یہاں طائفتان (دو گروہ) سے مراد۔ ایک تو وہ قافلہ جو شام سے سامان تجارت لئے جا رہا تھا۔ اور دوسرا وہ مسلح لشکر جو ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان دونوں میں سے ایک پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا جسے تم منتخب کرو گے۔

تو دون ۔ تم چاہتے ہو۔ ود سے مضارع جمع مذکر حاضر۔ باب سمع۔ مودۃ مصدر ودود صیغہ مبالغہ۔ بہت چاہنے والا۔ بہت کرنے والا۔ ثواب دینے والا۔ الشوکۃ ۔ کانٹا۔ مجازاً ہتھیار اور سختی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ غیر ذات الشوکۃ ۔ جو قافلہ بغیر ہتھیاروں کے تھا۔ (یہاں مراد تجارتی قافلہ جو شام سے آیا تھا)۔

یحق ۔ مضارع واحد مذکر غائب۔ منصوب بوجہ عمل ان احقاق مصدر۔ سچ کو سچ کر دکھائے حق کو قائم کر دے۔ حق کو ثابت کر دے۔ (باب افعال)۔ بکلمتہ ۔ بایاتہ اور بامرہ اپنی نشانیوں سے (یعنی عین لڑائی کے دوران فرشتوں کا مومنوں کی امداد کے لئے نزول اور کفار کے دلوں میں رعب کا چھا جانا۔ یا اپنے ارشاد و حکم کے ذریعہ سے۔ کہ لڑنے کا حکم دے کر باوجود کمی اسلحہ و قلت تعداد کے بانجام مسلمانوں کو فتح عطا کرنا۔ یقطع ۔ مضارع واحد مذکر غائب منصوب بوجہ عمل ان قطع مصدر۔ تاکہ کاٹ دے۔ تاکہ ہلاک کر دے۔ (باب فتح) دابر۔ جڑ۔ بیج۔ بنیاد۔ پچھاڑی۔ پیچھا۔ دبور سے جس کے معنی پشت پھیرنے کے ہیں۔ اسم فاعل واحد مذکر۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝
تا کہ وہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو جھوٹا کر دے، خواہ مجرم ناپسند ہی کریں۔

حق کے ثابت ہونے اور کفر کے مٹ جانے کا بیان

"لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِل" يَمْحَق "الْبَاطِل" الْكُفْر "وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ" الْمُشْرِكُوْنَ ذٰلِكَ،

تا کہ وہ حق کو سچا کر دے اور باطل یعنی کفر کو جھوٹا کر دے، خواہ مجرم یعنی مشرک اس کو ناپسند ہی کریں۔

غزوہ بدر کے موقع پر جہاد کے لئے جذبات صحابہ کا بیان

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے نکل جانے کی اطلاع ملی تو آپ نے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کی تو آپ نے اعراض فرمایا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بات کی تو بھی آپ نے اعراض کیا۔ پھر سیّدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا اشارہ شاید ہماری طرف ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کود جائیں گے اور اگر آپ ہمیں برک الغماد تک گھوڑے دوڑا دوڑا کر ہلاک کر ڈالنے کا حکم دیں تو ہم تعمیل کریں گے۔ (مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوہ بدر)

اور مقداد بن اسود نے کہا کہ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ تم اور تمہارا پروردگار دونوں جا کر لڑو، ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی۔" عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمکنے لگا اور ان کے اس قول نے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری۔ کتاب المغازی)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ٥
جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار پے در پے آنے والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا بیان

اُذْكُرْ "اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ" تَطْلُبُوْنَ مِنْهُ الْغَوْث بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ "فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّى" اَىْ بِاَنِّى "مُمِدُّكُمْ" مُعِيْنُكُمْ "بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَة مُرْدِفِيْنَ" مُتَتَابِعِيْنَ يُرْدِف بَعْضهمْ بَعْضًا وَّعَدَهُمْ بِهَا اَوَّلًا ثُمَّ صَارَتْ ثَلَاثَة آلَاف ثُمَّ خَمْسَة كَمَا فِىْ آل عِمْرَان وَقُرِءَ بِاَلُف كَاَفْلُس جَمْع،

وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے کفار پر کامیابی پانے کے لئے مدد کے لئے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد قبول فرمائی اور فرمایا کہ میں ایک ہزار پے در پے آنے والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔ مردفین کا معنی یہ ہے فرشتوں کا نزول مسلسل ہو یعنی ایک دوسرے کے بعد وہ آئے۔ اور یہ ان کی ابتدائی تعداد ہے جو اس کے بعد تین اور اس کے بعد پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ جس طرح سورہ آل عمران میں الف کو اُلُف کہا گیا ہے جس طرح فلس کی جمع افلس ہے۔ یعنی لام کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تستغیثون۔ تم فریاد کرتے ہو۔ تم فریاد چاہتے ہو۔ استغاثہ (استفعال) سے کسی کو مدد کے لئے پکارنا۔ فاستغاثه الذى من شيعته على الذى من عدوه، تو جو شخص ان کی قوم سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلہ میں جو موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔

غیث مدد مانگنا اور پانی مانگنا بھی ہوسکتا ہے۔غیث بمعنی بارش۔جیسے کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ، جیسے بارش کہ اس سے کھیتی اُگتی اور کسانوں کو بھلی لگتی ہے۔ استجاب۔اس نے قبول کیا۔اس نے مانا۔ استجابۃ (استفعال) سے مصدر جس کے معنی قبول کرنے اور ماننے کے ہیں۔صیغہ واحد مذکر غائب ماضی معروف۔ممدکم۔مضاف مضاف الیہ۔ممد اسم فاعل واحد مذکر امداد (افعال) مصدر۔مدد دینے والا۔مردفین،الردف۔تابع۔یعنی ہر وہ چیز جو دوسرے کے پیچھے ہو۔لگاتار۔پے در پے۔ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔

غزوہ بدر کی دعا کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے دن مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تین سو انیس تھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ فرما کر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا؛ ورا پنے رب سے پکار پکار کر دعا مانگنا شروع کر دی اے اللہ! میرے لئے اپنے کئے ہوئے وعدہ کو پورا فرمایا اے اللہ! اپنے وعدہ کے مطابق عطا فرما اے اللہ! اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنے رب سے ہاتھ دراز کئے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ سے گر پڑی پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو اٹھایا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر ڈالا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ کی اپنے رب سے دعا کافی ہو چکی عنقریب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرے گا۔

اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ)8۔الانفال:9) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی کہ میں تمہاری مدد ایک ہزار لگاتار فرشتوں سے کروں گا پس اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرشتوں کے ذریعہ امداد فرمائی حضرت ابوزمیل نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث اس دن بیان کی جب مسلمانوں میں ایک آدمی مشرکین میں سے آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا اچانک اس نے اوپر سے ایک کوڑے کی ضرب لگنے کی آواز سنی اور یہ بھی سنا کہ کوئی گھوڑ سوار یہ کہہ رہا ہے، اے حیزوم! آگے بڑھ پس اس نے اپنے آگے مشرک کی طرف دیکھا کہ وہ چت گرا پڑا ہے جب اس کی طرف غور سے دیکھا تو اس کا ناک زخم زدہ تھا اور اس کا چہرہ پھٹ چکا تھا، کوڑے کی ضرب کی طرح اور اس کا پورا جسم بند ہو چکا تھا۔پس اس پھٹ چکا تھا پس اس انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے سچ کہا یہ مدد تیسرے آسمان سے آئی تھی پس اس دن ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے ابوزمیل نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جب قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو حضرت ابوبکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہمارے چچا زاد اور خاندان
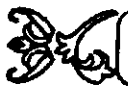
کے لوگ ہیں میری رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فدیہ وصول کرلیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف طاقت حاصل ہو جائے گی اور ہوسکتا ہے کہ اللہ انہیں اسلام لانے کی ہدایت عطا فرمادیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول میری وہ رائے نہیں جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہمارے سپرد کردیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑادیں عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کریں، وہ اس کی گردن اڑائیں اور فلاں آدمی میرے سپرد کردیں۔ اپنے رشتہ داروں میں سے ایک کا نام لیا تاکہ میں اس کی گردن ماردوں کیونکہ یہ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف مائل ہوئے اور میری رائے کی طرف مائل نہ ہوئے۔

جب آئندہ روز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے بتائیں تو سہی کس چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست کو رلا دیا پس اگر میں رو سکا تو میں بھی روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی صورت ہی اختیار کرلوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں جو مجھے تمہارے ساتھیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے پیش آیا ہے تحقیق مجھ پر ان کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی درخت سے بھی اور اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ) "یہ بات نبی کی شان کے مناسب نہیں ہے کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں (کافروں کو قتل کرکے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہائے"۔ سے اللہ عزوجل کے قول "پس کھاؤ جو مال غنیمت تمہیں ملا ہے (کہ وہ تمہارے لئے) حلال طیب (ہے)۔" پس اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے غنیمت حلال کردی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 91)

مدد کے لئے اترنے والے فرشتوں کے مشاہدے کا بیان

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک کافر کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اسے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز آئی اور سوار کی بھی آواز آئی، وہ سوار کہہ رہا تھا کہ حیزوم (غالباً اس کے گھوڑے کا نام تھا) آگے بڑھ۔ اتنے میں اس مسلمان نے دیکھا کہ وہ کافر اس کے سامنے چت پڑا ہے۔ اس کی ناک پر نشان تھا اور اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ گویا کسی نے اسے کوڑا مارا ہے۔ پھر اس کا سارا جسم سبز ہوگیا۔ وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ یہ فرشتے تیسرے آسمان سے مدد کے لیے آئے تھے۔ (مسلم، کتاب الجہاد)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: 'یہ جبریل امین ہیں اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے اور ان پر لڑائی کے ہتھیار ہیں۔ (بخاری، کتاب المغازی)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اللہ نے اسے نہیں بنایا مگر ایک خوش خبری اور تا کہ اس کے ساتھ تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد نہیں ہے مگر اللہ کے پاس سے۔

بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

اللہ کی مدد کا اہل ایمان کے لئے خوشخبری ہونے کا بیان

"وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ" اَیْ الْاِمْدَادَ، اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

اور اللہ نے اسے یعنی اس امداد کو نہیں بنایا مگر ایک خوش خبری اور تا کہ اس کے ساتھ تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد نہیں ہے مگر اللہ کے پاس سے۔ بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

فرشتوں کی مدد کا اہل ایمان کے لئے اطمینان قلب ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر پر حملہ کرنے کے لئے اس کا تعاقت کر رہا تھا کہ اچانک ایک کوڑا مانگنے کی آواز اور ساتھ ہی ایک گھوڑ سوار کی آواز آئی کہ اے خیروم آگے بڑھ وہیں دیکھا کہ وہ مشرک چت گرا ہوا ہے اس کا منہ کوڑے کے لگنے سے بگڑ گیا ہے اور ہڈیاں پسلیاں چور چور ہوگئی ہیں اس انصاری صحابی نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تو سچا ہے یہ تیری آسمانی مدد تھی پس اس دن ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ "بدر والے دن فرشتوں کا اترنا" پھر حدیث لائے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام حضور کے پاس آئے اور پوچھا کہ بدری صحابہ کا درجہ آپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اور مسلمانوں سے بہت افضل۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا اسی طرح بدر میں آنے والے فرشتے بھی اور فرشتوں میں افضل گنے جاتے ہیں۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب حضرت عمر نے حضرت حاطب بن ابوبلتعہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو آپ نے فرمایا وہ تو بدری صحابی ہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالی نے بدریوں پر نظر ڈالی اور فرمایا تم جو چاہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ پھر فرماتا ہے کہ فرشتوں کا بھیجنا اور تمہیں اس کی خوشخبری دینا صرف تمہاری خوشی اور اطمینان دل کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالی ان کو بھیجے بغیر بھی اس پر قادر ہے جس کی چاہے مدد کرے اور اسے غالب کر دے۔ بغیر نصرت پروردگار کے کوئی فتح پا نہیں سکتا اللہ ہی کی طرف سے مدد ہوتی ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ

عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

جب اس نے تم پر راحت وسکون کو طاری کیا تھا، اپنی طرف سے خوف دور کرنے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی اتارتا تھا،
تا کہ اس کے ساتھ تمہیں پاک کردے اور تم سے شیطان کی نجاست دور کرے اور تاکہ تمہارے دلوں پر مضبوط گرہ باندھے
اور اس کے ساتھ قدموں کو جمادے۔

شیطان کا اہل ایمان کوسواس دلوانے کا بیان

"اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاس اَمَنَة" اَمْنًا مِمَّا حَصَلَ لَكُمْ مِنَ الْخَوْف "مِنْهُ" تَعَالٰى "وَيُنَزِّل عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاء مَاء لِيُطَهِّر كُمْ بِهِ" مِنَ الْاَحْدَاث وَالْجَنَابَات "وَيُذْهِب عَنْكُمْ رِجْز الشَّيْطَان" وَسْوَسَته اِلَيْكُمْ بِاَنَّكُمْ لَوْ كُنْتُمْ عَلَى الْحَقّ مَا كُنْتُمْ ظَمَاى مُحْدِثِيْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ عَلَى الْمَاء "وَلِيَرْبِط" يَحْبِس "عَلٰى قُلُوْبكُمْ" بِالْيَقِيْنِ وَالصَّبْر "وَيُثَبِّت بِهِ الْاَقْدَام" اَنْ تَسُوخ فِي الرَّمْل،

جب اس نے تم پر راحت وسکون کو طاری کیا تھا، اپنی طرف سے خوف دور کرنے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی اتارتا تھا، تا کہ اس کے ساتھ تمہیں احداث وجنابات سے پاک کردے اور تم سے شیطان کی نجاست یعنی جو اس کے تمہاری طرف وسواس ہیں ان کو دور کرے یعنی شیطان یہ وسواس ڈالتا ہے کہ اگر تم حق پر ہوتے تو اس طرح پیاسے اور بے وضو نہ ہوتے اور مشرکین پانی پر قابض نہ ہوتے۔ انہی وسواس کو دور کرے۔ اور تا کہ تمہارے دلوں پر یقین اور صبر کے ساتھ مضبوط گرہ باندھے اور اس کے ساتھ قدموں کو جمادے۔ کہ وہ ریت کے سبب پھسل نہ سکیں۔

غزوہ بدر میں اہل ایمان کے دلوں سے خوف دور ہونے کا بیان

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد والے دن اونگھ غالب آ گئی تھی اس وقت میں نیند میں جھوم رہا تھا میری تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی تھی اور میں اٹھاتا تھا میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھونکے لے رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر والے دن ہمارے پورے لشکر میں گھوڑ سوار صرف ایک ہی حضرت مقداد تھے میں نے نگاہ بھر کر دیکھا کہ سارا لشکر نیند میں مست ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ رہے تھے آپ ایک درخت تلے نماز میں مشغول تھے روتے جاتے تھے اور نماز پڑھتے جاتے تھے صبح تک آپ اسی طرح مناجات میں مشغول رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن کا ملنا ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے، اونگھ صرف آنکھوں میں ہی ہوتی ہے اور نیند کا تعلق دل سے ہے۔ یہ یاد رہے کہ اونگھ آنے کا مشہور واقعہ تو جنگ احد کا ہے لیکن اس آیت میں جو بدر کے واقعہ کے قصے کے بیان میں اونگھ کا اترنا موجود ہے پس سخت لڑائی کے وقت یہ واقعہ ہوا اور مومنوں کے دل اللہ کے عطا کردہ امن سے مطمئن ہو گئے یہ بھی مومنوں پر اللہ کا فضل وکرم اور اس کا لطف ورحم تھا سچ ہے سختی کے بعد آسانی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھپر تلے دعا میں مشغول تھے جو حضور اونگھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں جاگے اور تبسم فرما کر حضرت صدیق اکبر سے فرمایا خوش ہو یہ ہیں جبرائیل علیہ السلام گرد آلود پھر آیت قرآنی (سیھزم الجمع ویولون الدبر) پڑھتے ہوئے جھونپڑی کے دروازے سے باہر تشریف لائے۔ یعنی ابھی ابھی یہ لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔ دوسرا احسان اس جنگ کے موقعہ پر یہ ہوا کہ بارش برس گئی۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو اپنے تئیں اللہ والے سمجھتے ہو اور اللہ کے رسول کو اپنے میں موجود مانتے ہو اور حالت یہ ہے کہ پانی تک تمہارے قبضہ میں نہیں مشرکین کے ہاتھ میں پانی ہے تم نماز بھی جنبی ہونے کی حالت میں پڑھ رہے ہو ایسے وقت آسمان سے مینہ برسنا شروع ہوا اور پانی کی ریل پیل ہو گئی۔ مسلمانوں نے پانی پیا بھی، پلایا بھی، نہا دھو کر پاکی بھی حاصل کر لی اور پانی بھر بھی لیا اور شیطانی وسوسہ بھی زائل ہو گیا اور جو چکنی مٹی پانی کے راستے میں تھی ڈھل کر وہاں کی سخت زمین نکل آئی اور ریت جم گئی کہ اس پر آمد و رفت آسان ہو گئی اور فرشتوں کی امداد آسمان سے آ گئی پانچ سو فرشتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ماتحتی میں اور پانچ سو حضرت میکائیل کی ماتحتی میں۔

مشہور یہ ہے کہ آپ جب بدر کی طرف تشریف لے چلے تو سب سے پہلے جو پانی تھا وہاں ٹھہرے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کو اللہ کا حکم یہاں پڑاؤ کرنے کا ہوا تب تو خیر اور اگر جنگی مصلحت کے ساتھ پڑاؤ یہاں کیا ہو تو آپ اور آگے چلئے آخری پانی پر قبضہ کیجئے وہیں حوض بنا کر یہاں کے سب پانی وہاں جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی بغیر رہ جائے گا اور آپ نے یہی کیا بھی۔

مغازی اموی میں ہے کہ اس رائے کے بعد جبرائیل کی موجودگی میں ایک فرشتے نے آ کر آپ کو سلام پہنچایا اور اللہ کا حکم بھی کہ یہی رائے ٹھیک ہے۔ آپ نے اس وقت حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ آپ انہیں جانتے ہیں؟ حضرت جبرائیل نے فرمایا میں آسمان کے تمام فرشتوں سے واقف نہیں ہوں ہاں ہیں یہ فرشتے شیطان نہیں۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مشرکین ڈھلوان کی طرف تھے اور مسلمان اونچائی کی طرف تھے بارش ہونے سے مسلمانوں کی طرف تو زمین ڈھل کر صاف ہو گئی اور پانی سے انہیں نفع پہنچا لیکن مشرکین کی طرف پانی کھڑا ہو گیا۔ کیچڑ اور پھسلن ہو گئی کہ انہیں چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا بارش اس سے پہلے ہوئی تھی غبار جم گیا تھا زمین سخت ہو گئی تھی دلوں میں خوشی پیدا ہو گئی تھی ثابت قدمی میسر ہو چکی تھی اب اونگھ آنے لگی اور مسلمان تازہ دم ہو گئے۔ صبح لڑائی ہونے والی ہے رات کو ہلکی سی بارش ہو گئی ہم درختوں تلے جا چھپے حضور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تمہیں پاک کر دے وضو بھی کر لو اور غسل بھی اس ظاہری پاکی کے ساتھ ہی باطنی پاکیزگی بھی حاصل ہوئی شیطانی وسوسے بھی دور ہو گئے دل مطمئن ہو گئے جیسے کہ جنتیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ آیت (عالیھم ثیاب سندس خضر الخ)، ان کے بدن پر نہیں اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگھن پہنائے جائیں

گے اور انہیں ان کا رب پاک اور پاک کرنے والا شربت پلائے گا پس لباس اور زیور تو ظاہری زینت کی چیز ہوئی اور پاک کرنے والا پانی جس سے دلوں کی پاکیزگی اور حسد وبغض کی دوری ہو جائے ۔ یہ تھی باطنی زینت ۔ پھر فرماتا ہے کہ اس سے مقصود دلوں کی مضبوطی بھی تھی کہ صبر و برداشت پیدا ہو شجاعت و بہادری ہو دل بڑھ جائے ثابت قدمی ظاہر ہو جائے اور حملے میں استقامت پیدا ہو جائے ۔ (تفسیر محمدی، سورہ انفال، بیروت)

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ
الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ
جب آپ کے رب نے فرشتوں کو پیغام بھیجا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں، سوتم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، میں
ابھی کافروں کے دلوں میں (لشکرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) رعب وہیبت ڈالے دیتا ہوں سوتم گردنوں کے اوپر سے
ضرب لگانا اوران کے ایک ایک جوڑ کر توڑ دینا۔

تلوار مؤمن سے پہلے مشرک کی گردن جدا ہونے کا بیان

"اِذْ یُوْحِی رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَة" اَلَّذِیْنَ اَمَدَّ بِهِمُ الْمُسْلِمِیْنَ "اَنِّی" اَیْ بِاَنِّی "مَعَكُمْ" بِالْعَوْنِ وَالنَّصْر "فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا" بِالْاِعَانَةِ وَالتَّبْشِیْر "سَاُلْقِی فِیْ قُلُوْب الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْب" اَلْخَوْف "فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاق" اَیْ الرُّءُوس "وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلّ بَنَان" اَیْ اَطْرَاف الْیَدَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ فَكَانَ الرَّجُل یَقْصِد ضَرْب رَقَبَة الْكَافِر فَتَسْقُط قَبْل اَنْ یَصِل اِلَیْهِ سَیْفه وَرَمَاهُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْضَةٍ مِّنْ الْحَصَى فَلَمْ یَبْقَ مُشْرِك اِلَّا دَخَلَ فِیْ عَیْنَیْهِ مِنْهَا شَیْء فَهُزِمُوا،

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو پیغام بھیجا کہ جو مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے ۔ میں بھی مدد وتعاون میں تمہارے ساتھ ہوں، سوتم بشارت ونصرت کے ذریعے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی کافروں کے دلوں میں لشکرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رعب وہیبت ڈالے دیتا ہوں سوتم کافروں کی گردنوں کے اوپر سے یعنی ان کے سروں سے اوپر ضرب لگانا اوران کے ہاتھوں ،، پاؤں کے ایک ایک جوڑ کو توڑ دینا۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان کسی کافر کی گردن مارنے کی کوشش کرتا تو اس کی تلوار سے پہلے وہ کافر کرا ہوا مل جاتا۔ اور نبی کریم ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کی ان پر ڈالی جو ہر ایک مشرک تک پہنچی اوراس کی آنکھوں میں داخل ہوئی۔ پس ان کو شکست ہوئی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

انی معکم ۔ یوحی کا مفعول ہے۔ اور کم ضمیر جمع مذکر حاضر۔ ملائکہ کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ضمیر المومنین کے لئے ہے۔ فثبتوا ۔ تم ثابت قدم رکھو۔ تم استوار کرو۔ تم قائم رکھو۔ امر جمع مذکر حاضر۔ (خطاب ملائکہ سے ہے) سالقی ۔ القاء سے۔

مضارع واحد متکلم۔ میں ڈال دوں گا۔ فوق الاعناق۔ گردنوں پر۔ گردنوں کے اوپر کے حصوں پر۔ بنان۔ بنانۃ کی جمع ہے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے پوردے اور بدن کے جوڑوں کو بھی بنان کہتے ہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ سے یہاں مراد ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے پوردے ہیں اور حضرت ضحاک کہتے ہیں۔ تمام جوڑوں کو بنان کہتے ہیں

یہاں فوق الاعناق سر ہوتا ہے جو سب سے اہم حصہ جسم ہے۔ اور بنان انگلیوں کے پوردے۔ سب سے چھوٹے حصہ جسم ہیں۔ ان دونوں کو بیان کر کے تمام حصص جسم کو مراد لیا ہے یعنی جسم کے کسی حصہ کو نہ چھوڑو۔ (مارو۔ مارو۔ خوب مارو۔ کسی حصہ جسم کو نہ چھوڑو)۔ اوپر **انی معکم** کے تحت بیان ہوا کہ کم کی ضمیر جمع مذکر حاضر المومنین کی طرف راجع ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ **انی معکم** کے متعلق دو قول ہیں:۔ (اول) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ وہ ان کے ساتھ ہے۔ یعنی فرشتوں کے ساتھ ہے کہ اس نے ان کو مسلمین کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ (دوم) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہے پس تم (یعنی فرشتے) ان کی (مسلمانوں کی) مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھو۔ یہی سب سے بہتر ہے کیونکہ اس کلام سے (یعنی **انی معکم** سے) مقصود خوف وردع کا ازالہ کرنا تھا اور کفار سے خوف وخطر مسلمانوں کو تھا نہ کہ فرشتوں کو۔

میدان بدر میں اہل ایمان کی مدد کے لئے فرشتوں کے نازل ہونے کا بیان

اس کے بعد اپنی ایک باطنی نعمت کا اظہار فرما رہا ہے تا کہ مسلمان اس پر بھی اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتقدس وتمجد نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم جاؤ مسلمانوں کی مدد ونصرت کرو، ان کے ساتھ مل کر ہمارے دشمنوں کو نیچا دکھاؤ۔ ان کی گنتی گھٹاؤ اور ہمارے دوستوں کی تعداد بڑھاؤ۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بددلی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں ٹک سکتے ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب ہر ایک دوسرے سے کہتا دوسرا تیسرے سے پھر صحابہ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت وقوت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ تم اے فرشتوں اس کام میں لگو ادھر میں مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دوں گا میں ان کے دلوں میں ذلت اور حقارت ڈال دوں گا میرے حکم کے نہ ماننے والوں کا میرے رسول کے منکروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر تم ان کے سروں پر وار لگا کر دماغ نکال دو، گردنوں پر تلوار مار کے سر اور دھڑ میں جدائی کر دو۔ ہاتھ پاؤں اور جوڑ جوڑ پور پور کو تاک تاک کر زخم لگاؤ۔ پس گردنوں کے اوپر سے بعض کے نزدیک مراد تو سر ہیں اور بعض کے نزدیک خود گردن مراد ہے چنانچہ اور جگہ ہے آیت (فضرب الرقاب) گردنیں مارو۔ حضور فرماتے ہیں میں قدرتی عذابوں سے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ گردن مارنے اور قید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ گردن پر اور سر پر وار کرنے کا استدلال اس سے ہوسکتا ہے۔ مغازی اموی میں ہے کہ مقتولین بدر

کے پاس سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو ایک شعر کا ابتدائی ٹکڑا آپ نے پڑھ دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا شعر پڑھ دیا۔ آپ کو نہ شعر یاد تھے نہ آپ کے لائق۔ اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ ظالم اور باغی تھے اور آج تک غلبے اور شوکت سے تھے آج ان کے سر ٹوٹے ہوئے اور ان کے دماغ بکھرے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو مشرک لوگ فرشتوں کے ہاتھ قتل ہوئے تھے انہیں مسلمان اس طرح پہچان لیتے تھے کہ ان کی گردنوں کے اوپر اور ہاتھ پیروں کے جوڑ ایسے زخم زدہ تھے جیسے آگ سے جلے ہونے کے نشانات۔ بنان جمع ہے بنانۃ کی۔ عربی شعروں میں بنانہ کا استعمال موجود ہے پس ہر جوڑ اور ہر حصے کو بنان کہتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں منہ پر آنکھ پر آگ کے کوڑے برساؤ وہاں جب انہیں گرفتار کرلو پھر نہ مارنا۔ ابوجہل ملعون نے کہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو زندہ گرفتار کرلو تا کہ ہم انہیں اس بات کا مزہ زیادہ دیر تک چکھائیں کہ وہ ہمارے دین کو برا کہتے تھے، ہمارے دین سے ہٹ گئے تھے، لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ بیٹھے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور فرشتوں کو یہ حکم دیا۔ چنانچہ جو ستر آدمی ان کافروں کے قتل ہوئے ان میں ایک یہ پاجی بھی تھا اور جو ستر آدمی قید ہوئے ان میں ایک عقبہ بن ابی معیط بھی تھا لعنہ اللہ تعالیٰ، اس کو قید میں ہی قتل کیا گیا اور اس سمیت مقتولین مشرکین کی تعداد ستر ہی تھی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے کے لئے سخت عذاب ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" الْعَذَاب الْوَاقِع بِهِمْ "بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا" خَالَفُوْا "اللّٰه وَرَسُوْله وَمَنْ يُّشَاقِقْ اللّٰه وَرَسُوْله فَاِنَّ اللّٰه شَدِيْد الْعِقَاب" لَهُ،

یہ عذاب ان پر واقع اس لیے ہوا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بیشک اس کے لئے اللہ کا عذاب سخت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے چند دوست بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم میں سے کوئی شخص فلاں قبیلہ کی اونٹنی کی اوجھری لے آئے اور اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پر، جب وہ سجدہ مین جائیں، رکھ دے، پس سب سے زیادہ بدبخت عقبہ اٹھا اور وہ لے آیا اور دیکھتا رہا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں گئے، فوراً ہی اس نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان میں رکھ دیا، میں یہ حال دیکھ رہا تھا، مگر کچھ نہ کرسکتا تھا، کاش میرے ہمراہ کچھ لوگ ہوتے (تو میں کیوں یہ حالت دیکھتا) عبداللہ کہتے ہیں، پھر وہ لوگ ہنسنے لگے اور ایک دوسرے پر (مارے ہنسی کے) گرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے، اپنا سر نہ اٹھا سکتے تھے، یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ سے پھینکا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ یا اللہ قریش کی ہلاکت یقینی فرمادے، تین مرتبہ فرمایا: یہ ان پر شاق ہوا کیونکہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعائے ضرر دی، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ جانتے تھے کہ اس شہر (مکہ) میں دعا قبول ہوتی ہے، پھر آپ نے (ہر ایک کے) نام لئے کہ اے اللہ ابو جہل کی ہلاکت یقینی فرما اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ اور عقبہ بن ابی معیط کی ہلاکت یقینی فرما اور ساتویں کو گنایا، مگر اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے ان لوگوں (کی لاشوں) کو، جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا، کنویں میں (بدر کے کنویں میں) گرا ہوا دیکھا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 241)

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

یہ ہے سو تم اسے چکھ لو اور بیشک کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب بھی ہے۔

کفار کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب ہونے کا بیان

"ذٰلِكُمْ" الْعَذَاب "فَذُوْقُوْهُ" اَيُّهَا الْكُفَّار فِي الدُّنْيَا "وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ" فِي الْاٰخِرَة،

یہ عذاب ہے سو اے کافرو! تم اسے دنیا ہی میں چکھ لو اور بیشک کافروں کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب بھی ہے۔ جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں متمثل ہو کر ابو جہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبرائیل و میکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں ہم شکل ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے اُدھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جنی و انسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہ ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے مقابلہ کرو خواہ وہ لشکرِ گراں ہو پھر بھی انہیں پیٹھ مت دکھانا۔

حالت جہاد میں پشت پھیر کر واپس پلٹنے کی ممانعت کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا" اَيْ مُجْتَمِعِيْنَ كَاَنَّهُمْ لِكَثْرَتِهِمْ يَزْحَفُوْنَ "فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَار" مُنْهَزِمِيْنَ،

اے ایمان والو! جب تم میدانِ جنگ میں کافروں سے مقابلہ کرو خواہ وہ لشکرِ گراں ہو یعنی وہ سب جمع ہو جائیں اور ان کی کثرت ہو پھر بھی انہیں پیٹھ مت دکھانا۔ یعنی بہ طور ہزیمت تم انہیں پشت نہ دیکھانا۔

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا میں بھی اس میں ہی تھا لوگوں میں بھگدڑ مچی میں بھی بھاگا ہم لوگ بہت ہی نادم ہوئے کہ ہم اللہ کی راہ سے بھاگے ہیں اللہ کا غضب ہم پر ہے ہم اب مدینے جائیں اور وہاں رات گذار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں اگر ہماری توبہ کی کوئی صورت نکل آئے تو خیر ورنہ ہم جنگوں میں نکل جائیں۔ چنانچہ نماز فجر سے پہلے ہم جا کر بیٹھ گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا بھاگنے والے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو میں تمہاری جماعت ہوں اور میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں ہم نے بے ساختہ آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ چوم لئے۔ ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

جوانمردی کے ساتھ جہاد کرنے کا بیان

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد آپ کا اس آیت کا تلاوت کرنا بھی مذکور ہے۔ حضرت ابو عبیدہ جنگ فارس میں ایک پل پر گھیر لئے گئے مجوسیوں کے ٹڈی دل لشکروں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا موقعہ تھا کہ آپ ان میں سے بچ کر نکل آتے لیکن آپ نے مردانہ وار اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ وہاں سے میرے پاس چلے آتے تو ان کے لئے جائز تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی جماعت ہوں مجھ سے مل جانے میں کوئی حرج نہیں اور روایت میں ہے میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں۔

اور روایت میں ہے کہ تم اس آیت کا غلط مطلب نہ لینا یہ واقعہ بدر کے متعلق ہے۔ اب تمام مسلمانوں کے لئے وہ فءتہ جس کی طرف پناہ لینے کے لئے واپس مڑنا جائز ہے، میں ہوں۔ ابن عمر سے نافع نے سوال کیا کہ ہم لوگ دشمن کی لڑائی کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فئۃ سے مراد امام لشکر ہے یا مسلمانوں کو جنگی مرکز آپ نے فرمایا فئۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری ہے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔

ضحاک فرماتے ہیں لشکر کفار سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے پاس پناہ لے اس کے لئے جائز ہے۔ آج بھی امیر اور سالار لشکر کے پاس یا اپنے مرکز میں جو بھی آئے اس کے لئے یہی حکم ہے۔ ہاں اس صورت کے سوا نامردی اور بزدلی کے طور پر لشکر گاہ سے جو بھاگ کھڑا ہو لڑائی میں پشت دکھائے وہ جہنمی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے وہ حرمت کے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے سات گناہوں سے جو مہلک ہیں بچتے رہو پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، کسی کو ناحق مار ڈالنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہونا، ایماندار پاک دامن بے عیب عورتوں پر تہمت لگانا۔ فرمان ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ لے کر لوٹتا ہے اس کی لوٹنے اور رہنے سہنے کی جگہ جہنم

ہے جو بہت ہی بدتر ہے۔

بشیر بن معبد کہتے ہیں میں حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا تو آپ نے شرط بیان کی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، شہادت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت ورسالت کی شہادت دوں پانچوں وقت کی نماز قائم رکھوں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور حج مطابق اسلام بجالاؤں اور رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے دو کام میرے بس کے نہیں ایک تو جہاد دوسرے زکوٰۃ میں نے تو سنا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھانے والا اللہ کے غضب میں آجاتا ہے مجھے تو ڈر ہے کہ موت کا بھیانک سماں کہیں کسی وقت میرا منہ نہ پھیر دے اور مال غنیمت اور عشر ہی میرے پاس ہوتا ہے وہ ہی میرے بچوں اور گھر والوں کا اثاثہ ہے سواری لیں اور دودھ پئیں اسے میں کسی کو کیسے دے دوں؟ آپ نے اپنا ہاتھ ہلا کر فرمایا جب جہاد بھی نہ ہوا اور صدقہ بھی نہ ہو تو جنت کیسے مل جائے؟ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ ﷺ سب شرطیں منظور ہیں چنانچہ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال، بیروت)

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○
اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے، ماسوائے اس کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو، یا کسی جماعت کی طرف
جگہ لینے والا ہو تو یقیناً وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

جنگی حربے کے طور پر یا طلب مدد کے لئے پشت پھیر کر آنے کا بیان

"وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ " اَیْ یَوْمِ لِقَائِهِمْ "دُبُرَه اِلَّا مُتَحَرِّفًا " مُنْعَطِفًا "لِقِتَالٍ" بِاَنْ يُّرِيْهِمُ الْفَرَّةَ مَكِيْدَةً وَهُوَ يُرِيْدُ الْكَرَّةَ "اَوْ مُتَحَيِّزًا" مُنْضَمًّا "اِلٰى فِئَةٍ" جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَسْتَنْجِدُ بِهَا "فَقَدْ بَاءَ " رَجَعَ "بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ " الْمَرْجِعُ هِيَ وَهٰذَا مَخْصُوْصٌ بِمَا اِذَا لَمْ يَزِدِ الْكُفَّارُ عَلَى الضِّعْفِ

اور جو کوئی اس دن یعنی جنگ کی ملاقات کے دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے، ماسوائے اس کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو، یعنی جنگ کے حربے کے طور پر ان کو فرار دیکھائے اور پھر اچانک ان پر حملہ کر دے۔ تو اس کے لئے فرار مباح ہے۔ یا کسی جماعت کی طرف جگہ لینے والا ہو یعنی وہ مسلمانوں کی جماعت سے مدد لینے کے لئے آئے۔ تب بھی اس کے لئے مباح ہے۔ ورنہ یقیناً وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ یہ حکم اس صورت مسئلہ کے ساتھ خاص ہے کہ جب کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنا سے زیادہ نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگا نہیں ہاں جو دو آدمیوں کے

مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ (تفسیر روح البیان، سورہ انفال، بیروت)

اب یہی حکم قیامت تک باقی ہے جمہور امت اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حکم شرعی یہی ہے کہ جب تک فریق مخالف کی تعداد دوگنی سے زائد نہ ہو اس وقت تک میدان جنگ سے بھاگنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۤءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اس لیے کہ
مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے، بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کفار کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کا بیان

"فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ" بِبَدْرٍ بِقُوَّتِكُمْ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ" بِنَصْرِهِ اِيَّاكُمْ "وَمَا رَمَيْتَ" يَا مُحَمَّدُ اَعْيُنَ الْقَوْمِ "اِذْ رَمَيْتَ" بِالْحَصَى لِاَنَّ كَفًّا مِنَ الْحَصَى لَا يَمْلَأُ عُيُوْنَ الْجَيْشِ الْكَثِيْرِ بِرَمْيَةِ بَشَرٍ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" بِاِيْصَالِ ذٰلِكَ اِلَيْهِمْ فَعَلَ لِيُقْهِرَ الْكَافِرِيْنَ "وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً" عَطَاءً "حَسَنًا" هُوَ الْغَنِيْمَةُ "اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ" لِاَقْوَالِهِمْ "عَلِيْمٌ" بِاَحْوَالِهِمْ،

تو تم نے انہیں بدر میں اپنی طاقت کے ساتھ قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، یعنی اللہ نے تمہاری مدد فرما کر ان کو قتل کر دیا اور یا محمد ﷺ وہ خاک قوم کی آنکھوں میں جو تم نے پھینکی تھی یعنی ایک ہتھیلی میں آنے والی خاک کا لشکر جرار کی آنکھوں کو بھرنا ممکن نہ تھا بلکہ اللہ نے پھینکی یعنی وہ خاک اللہ نے ان تک پہنچائی تا کہ وہ کافروں کو مغلوب کرے اور اس لیے کہ مسلمانوں کو آزمائش پر اس سے اچھا انعام یعنی مال غنیمت عطا فرمائے، بیشک اللہ ان کے اقوال کو سنتا، ان کے حالات کو جانتا ہے۔

سورہ انفال آیت ۱۷ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (کافروں سے جہاد کے لئے) غزوہ حنین میں شریک تھے چنانچہ (اس غزوہ میں) جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دشمن کے سامنے سے بھاگنے لگے اور کافروں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے اترے اور زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھائی (جس میں کنکریاں بھی تھیں) پھر اس خاک (اور کنکریوں) کو کافروں کے منہ کے سامنے پھینک مارا اور فرمایا: خراب ہوئے ان کے منہ (یا یہ کہ "خراب ہوں ان کے منہ") چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی ایسا انسان پیدا نہیں کیا تھا (یعنی اس وقت دشمنوں میں ایسا کوئی شخص نہیں تھا) جس کی دونوں آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے اس ایک مٹھی خاک سے بھر نہ دیا ہو، پھر تو سارے کافر بھاگ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال کو (جو

بطور غنیمت ہاتھ لگا) مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 478)

اس حدیث میں گویا تین معجزوں کا ذکر ہے، ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک مٹھی مٹی کافروں کے منہ کی طرف، پھینک ماری وہ ان سب کی آنکھوں تک پہنچ گئی، دوسرے یہ کہ اتنی تھوڑی مٹی سے ان سب لوگوں کی آنکھیں بھر گئیں جن کی تعداد چار ہزار تھی اور تیسرے یہ کہ ظاہری طاقت کے بغیر محض اس مٹی اور کنکریوں کے ذریعہ اتنے بڑے لشکر کو شکست ہو گئی۔

یہاں مٹی کی اس مٹھی کا ذکر ہو رہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف پھینکی تھی پہلے تو آپ نے اپنی جھونپڑی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ روئے، گڑگڑائے اور منجات کر کے باہر نکلے اور کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے بگڑ جائیں، ان کے منہ پھر جائیں ساتھ ہی صحابہ کو حکم دیا کہ فوراً عام حملہ کر دو۔ ادھر حملہ ہوا ادھر سے وہ کنکریاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کافروں کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ وہ سب اپنی آنکھیں مل ہی رہ تھے جو لشکر اسلام ان کے کلے پر پہنچ گیا۔ پس فرماتا ہے کہ وہ مٹھی تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی یعنی پھینکی تو حضور نے لیکن ان کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں شکست دینے والا اللہ تعالیٰ ہی تھا۔

ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جس میں یہ بھی کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت زمین پر نہ کی جائے گی اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ آپ ایک مٹھی زمین سے مٹی کی بھر لیں اور ان کے منہ کی طرف پھینک دیں آپ نے یہی کیا پس مشرکین کے سارے لشکر کے منہ اور آنکھ اور نتھنوں میں وہ مٹی گھس گئی اور انہیں پیٹھ پھیرتے ہی بنی۔

سدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں حضرت علی سے فرمایا کنکریوں کی ایک مٹھی زمین سے بھر کر مجھے دو حضرت علی نے مٹھی بھر دی جس میں کنکریاں تھیں اور مٹی بھی۔ آپ نے مشرکوں کی طرف وہ مٹھی پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ ادھر سے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور قتل کرنا اور قیمہ کرنا شروع کر دیا اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ یہ تیرے بس کی بات نہ تھی بلکہ یہ اللہ کے بس کی چیز تھی۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ۝
یہ آزمائش ہے اور بے شک اللہ کافروں کے مکروفریب کو کمزور کرنے والا ہے۔

کفار کی شکست کے سبب کمزوری کا بیان

"ذٰلِكُمْ" الْإِبْلَاء حَق "وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ" مُضْعِف،

یہ ایک آزمائش برحق ہے اور یہ کہ اللہ کافروں کے مکروفریب کو کمزور کرنے والا ہے۔

اس میں بھی ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ آپ نے بدر کے روز ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی جس کے ریزے سب کی آنکھوں میں جا گرگرے اور انکو شکست ہوئی مٹھی خاک پھینکنے کا قصہ کئی بار ہوا بدر میں احد میں حنین میں لیکن یہاں

سیاق وسباق کلام سے بدر کا مراد لینا راجح ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ
وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آ چکا اور اگر باز آ ؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر نہ دیں
گے اور تمہاری جماعت تمہیں کچھ کام نہ دے گی چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

کفار کے مطلوبہ فیصلے کا ان کے پاس پہنچ جانے کا بیان

"اِنْ تَسْتَفْتِحُوا" اَيُّهَا الْكُفَّار اِنْ تَطْلُبُوا الْفَتْح اَیْ الْقَضَاء حَيْثُ قَالَ اَبُو جَهْل مِنْكُمْ: اَللّٰهُمَّ اَيُّنَا كَانَ اَقْطَع لِلرَّحْمٰنِ وَآتَانَا بِمَا لَا نَعْرِف فَاَحِنْهُ الْغَدَاة اَیْ اَهْلِكْهُ "فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْح" الْقَضَاء بِهَلَاكِ مَنْ هُوَ كَذٰلِكَ وَهُوَ اَبُو جَهْل وَمَنْ قُتِلَ مَعَهُ دُوْن النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ "وَاِنْ تَنْتَهُوا" عَنْ الْكُفْر وَالْحَرْب "فَهُوَ خَيْر لَكُمْ وَاِنْ تَعُودُوا" لِقِتَالِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَعُدْ" لِنَصْرِهِ عَلَيْكُمْ "وَلَنْ تُغْنِي" تَدْفَع "عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ" جَمَاعَاتكُمْ "شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰه مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ" بِكَسْرِ اِنْ اسْتِئْنَافًا وَّفَتْحهَا عَلٰى تَقْدِير اللَّام،

اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو یعنی تم میں سے ابوجہل نے یہ کہا تھا کہ اے اللہ! جو ہم میں سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے وہ ہمارے لئے وہ چیز لایا ہے جس کو ہم نہیں پہچانتے لہٰذا تو کل ہی اس کو ہلاک کردے۔ تو یہ فیصلہ تم پر آ چکا یعنی اسی فیصلے کے مطابق ابو جہل اور کے ساتھ قتل ہو گئے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کا قتل نہ ہوا۔ اور اگر اب بھی کفر اور جنگ سے باز آ ؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر نبی کریم ﷺ سے قتال کی شرارت کرو گے تو ہم بھی دوبارہ تمہارے خلاف ان کی مدد کریں گے۔ اور تمہاری جماعت تم سے جنگ دور کرنے میں کچھ کام نہ دے گی اگرچہ وہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہاں پر اِن کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے لہٰذا اس صورت میں نیا جملہ ہوگا۔ اور لام کے مقدر ہونے کے سبب فتح کے ساتھ آیا ہے۔

سورہ انفال آیت ١٩ کے شانِ نزول کا بیان

سدی اور کلبی کہتے ہیں کہ مشرکین جب مکہ سے نبی کی طرف نکلنے لگے تو انہوں نے کعبہ کا غلاف پکڑ کر یہ دعا کی اے اللہ دونوں میں سے بلند لشکر زیادہ ہدایت یافتہ جامعت، زیادہ مکرم گروہ اور افضل دین کی مدد و نصرت فرما تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ مشرکین نے کہا اے اللہ جو محمد ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں ہم اسے نہیں پہچانتے لہٰذا تو ہمارے اور ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ) (کافرو) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آ پہنچا ہے۔

عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر کہتے ہیں کہ فتح طلب کرنے والا ابوجہل تھا جب یہ قوم سے ملا تو اس نے دعا کی اے اللہ ہم میں سے جو زیادہ قطع تعلق کرنے والا ہے اور ہمارے پاس ایسی چیز لایا ہے جس کو ہم نہیں پہچانتے تو کل کے دن اس کا فیصلہ فرما۔ اور یہ اس کا فتح طلب کرنا تھا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ کُمُ الْفَتْحُ) الی آخرہ ۔

(کافرو) اگر تم محمد پر فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آچکا دیکھو اگر تم (اپنے افعال سے باز آجاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر (نافرمانی) کرو گے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) کریں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ کام نہ آئے گی اور خدا مومنوں کے ساتھ ہے۔ (نیسابوری 196، سیوطی 127، زادالمسیر 3۔235)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝
اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ تم سن رہے ہو۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کے حکم کا بیان

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَلَا تَوَلَّوْا" تُعْرِضُوْا "عَنْهُ" بِمُخَالَفَةِ اَمْرِه "وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ" الْقُرْاٰن وَالْمَوْعِظَة.

اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور ان کے حکم کی مخالفت کر کے اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ قرآن اور نصیحت کو تم سن رہے ہو۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے تھے، فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ سوئے ہوئے تھے، بعض نے کہا وہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے اور قلب بیدار ہے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ان کی ایک مثال ہے وہ مثال تو بیان کرو، بعض نے کہا وہ سوئے ہوئے ہیں بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے اور دل بیدار ہے، چنانچہ ان لوگوں نے کہا کہ ان کے لئے ایک دستر خوان بچھایا اور ایک شخص بلانے والے کو بھیجا جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی تو وہ گھر میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھایا اور جس نے بلانے والے کی دعوت قبول نہ کی وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی دستر خوان سے کھایا، ان لوگوں نے کہا کہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے اور قلب بیدار ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ گھر تو جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، چنانچہ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اور اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان جدا کرنے والے ہیں، قتیبہ نے لیث، بواسطہ خالد، سعید بن ابی ہلال جابر اس کی متابعت میں روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2185)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ۝

اوران لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا ہے، حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

حق کو نہ سننے والوں کی طرح ہونے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ" سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ وَهُمُ الْمُنَافِقُونَ أَوِ الْمُشْرِكُونَ،

اوران لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا ہے حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ یہاں سماع سے مراد غور وفکر کر کے نصیحت حاصل کرنا ہے۔ اور وہ منافقین یا مشرکین تھے۔

اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے اور مخالفت سے اور کافروں جیسا ہونے سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اطاعت کو نہ چھوڑو، تابع داری سے منہ نہ موڑو۔ جن کاموں سے اللہ اور اس کا رسول روک دے رک جایا کرو، سن کر ان سنی نہ کر دیا کرو، مشرکوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ سنا نہیں اور کہہ دیا کہ سن لیا، نہ منافقوں کی طرح بنو کہ بظاہر ماننے والا ظاہر کر دیا اور در حقیقت یہ بات نہیں۔ بدترین مخلوق جانوروں، کیڑے مکوڑوں سے بھی برے اللہ کے نزدیک ایسے ہی لوگ ہیں جو حق باتوں سے اپنے کان بہرے کر لیں اور حق کے سمجھنے سے گونگے بن جائیں، بے عقلی سے کام لیں۔ اس لئے کہ تمام جانور بھی اللہ قادر کل کے زیر فرمان ہیں جو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اس میں مشغول ہے مگر یہ ہیں کہ پیدا کئے گئے عبادت کے لئے لیکن کفر کرتے ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں انہیں جانوروں سے تشبیہ دی گئی۔ فرمان ہے آیت (وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ، البقرۃ:171) کافروں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی انہیں آواز دے تو سوائے پکارا اور ندا کے کچھ نہ سنیں اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے اور غافل۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اس سے بنا عبدالدار کے قریشی ہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں مراد اس سے منافق ہیں۔ بات یہ ہے کہ مشرک منافق دونوں ہی مراد ہیں دونوں ہی مراد ہیں دونوں میں صحیح فہم اور سلامتی والی عقل نہیں ہوتی نہ ہی عمل صالح کی انہیں توفیق ہوتی ہے۔ اگر ان میں بھلائی ہوتی تو اللہ انہیں سنا دیتا لیکن نہ ان میں بھلائی نہ توفیق۔ اللہ کو علم ہے کہ انہیں سنایا بھی سمجھایا بھی تو بھی یہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اور اکڑ کر بھاگ جائیں گے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۝

بیشک اللہ کے نزدیک جانداروں میں سب سے بدتر وہی بہرے، گونگے ہیں جو سمجھتے بھی نہیں ہیں۔

حق کو نہ سمجھنے والوں کا جانوروں سے بدتر ہونے کا بیان

"اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمّ" عَنْ سَمَاعِ الْحَقّ "الْبُكْم" عَنْ النُّطْق بِهِ "الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ" اَلَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَهُ،

بیشک اللہ کے نزدیک جانداروں میں سب سے بدتر وہی جو حق کو سننے سے بہرے، حق بولنے سے گونگے ہیں جو سمجھتے بھی نہیں ہیں۔یعنی ان کو کچھ بھی عقل نہیں ہے۔

سورہ انفال آیت ۲۲ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ اس آیت (اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ، الانفال:22) کو اللہ تعالیٰ نے بنی عبدالدار کے ایک گروہ کے بارے میں اتارا اور مراد اس سے بدکردار لوگ ہیں۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1829)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہے کہ انسان اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے سب جانوروں سے افضل و اعلیٰ ہے اور فرشتوں سے کم درجہ رکھتا ہے۔لیکن جب وہ اپنے سعی و عمل اور اطاعت حق میں جدوجہد کرتا ہے۔

تو فرشتوں سے بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے اطاعت حق سے روگردانی کی تو پھر وہ اسفل سافلین میں جاتا ہے اور جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے۔(تفسیر روح البیان، سورہ انفال، بیروت)

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○
اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا اور اگر وہ انہیں سنوا دیتا تو بھی وہ منہ پھیر جاتے،
اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہوتے۔

حق سے گونگے بہرے لوگوں کے لئے بھلائی نہ ہونے کا بیان

"وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا" صَلَاحًا بِسَمَاعِ الْحَقّ "لَاَسْمَعَهُمْ" سَمَاع تَفَهُّم "وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ" فَرْضًا وَّقَدْ عَلِمَ اَنْ لَّا خَيْر فِيْهِمْ "لَتَوَلَّوْا" عَنْهُ "وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ" عَنْ قَبُوله عِنَادًا وَّجُحُودًا،

اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا یعنی ان کو حق سننے کی صلاحیت دے دیتا لہٰذا وہ اس کو سن لیتے اور سنے ہوئے سمجھ لیتے اور اگر وہ بالفرض انہیں سنوا دیتا تو وہی جانتا ہے ہے ان کے لئے اس میں بھی کوئی بھلائی نہیں ہے۔کیونکہ وہ تو پھر بھی منہ پھیر جاتے، اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہوتے۔یعنی اس سے عناد و انکار کے سبب قبول کرنے سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق

کی سچی تڑپ اور نور ہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو۔ جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبولِ حق کی لیاقت و استعداد بھی نہیں رہتی۔ اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبولِ خیر و ہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی۔ اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سنا کر سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا
اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی
اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر ہر حال میں حاضر ہونے کا بیان

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ" بِالطَّاعَةِ "اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ" مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ لِاَنَّهٗ سَبَبُ الْحَیَاةِ الْاَبَدِیَّةِ "وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" فَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّؤْمِنَ اَوْ یَكْفُرَ اِلَّا بِاِرَادَتِهٖ "وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ" فَیُجَازِیْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ،

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر طاعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤ جب رسول تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔ یہی دینی حکم ہے کیونکہ یہ حیات ابدی کا سبب ہے۔ اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے لہٰذا وہ اس کو ماننے یا اس کے انکار کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر اسی کے ارادے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے۔ پس وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید بن معلّٰی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ نماز ادا کر رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو پکارا میں بدستور نماز پڑھتا رہا فارغ ہو کر میں خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو میرے پاس آنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ (یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ) تم کو معلوم نہیں ہے کہ جس وقت تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکاریں یا بلائیں تو تم فوراً ان کا حکم قبول کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تم کو ایک عمدہ سورت بتاؤں گا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے عرض کیا اور یاد دلایا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سورت الحمد ہے اور اس کو سبع مثانی بھی کہا جاتا ہے۔ایک دوسری سند میں حضرت ابو سعید کا نام بھی اس حدیث کے سامعین میں ملتا ہے۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1830)

حالت نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی کریم ﷺ کا دیدار کرنا

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ (مرض وصال میں) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن باہر نہیں نکلے ایک دن نماز کی اقامت ہوئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے لگے، اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ کو پکڑا اور ان کو اٹھا دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ نظر آتے ہی ہمارے سامنے ایسا خوش کن منظر آ گیا کہ اس سے زیادہ کبھی میسر نہ آیا تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ آگے بڑھ جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ گرا دیا پھر آپ کو قدرت نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 653)

زیارت نبوی ﷺ کی خاطر نماز توڑنے کے قصد کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مسلمان نماز فجر میں مشغول تھے کہ یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے۔آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کی طرف دیکھا، اس وقت وہ صف بستہ تھے پس آپ مسرت کے سبب سے مسکرانے لگے، ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے پچھلے پیروں ہٹنے لگے، تاکہ آپ کے لئے (امامت کی جگہ خالی کر دیں) اور خود صف میں شامل ہو جائیں، کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ باہر تشریف لانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے خوشی کے باعث یہ قصد کیا کہ اپنی نمازوں کو توڑ دیں۔مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اپنی نمازوں کو پورا کر لو اور آپ نے پردہ ڈال دیا اور اسی دن کے آخر میں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 725)

مکتبہ فکر دیوبند و غیر مقلدین اہل حدیث کا نماز میں نبی کریم ﷺ کے خیال سے متعلق عقیدہ

حضرات علماء دیوبند کے نزدیک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک دل میں لانا بیل اور گدھے کے تصور میں غرق ہو جانے سے بدر جہا بدتر ہے دیکھئے، از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بهتر است و صرف همت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاؤ خر خود است ۔(علماء دیوبند کی مسلمہ و مصدقہ کتاب صراط المستقیم مطبوعہ مکتبہ السلفیہ، لاہور)

ہم نے کتاب صراط مستقیم جو مکتبہ فکر دیوبند اور غیر مقلدین اہل حدیث کے متفقہ امام کی ہے جن کا نام اسماعیل دہلوی ہے۔ان کی کتاب کی اصل فارسی عبارت نقل اس لئے کی ہے کہ یہ لوگ ترجمہ کے اندر تحریف کر کے لوگوں سے فریب کرتے ہیں جو ان کی قدیمی عادت ہے۔لہٰذا قارئین خود اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں۔لیکن صد افسوس! کہ ان کا وہی حال ہے جو حیران و پریشان منافقین کا حال تھا کہ انہیں دین کی سمجھ نہیں آئی۔ان کو بھی صدی سے زیادہ عرصہ لگ گیا ہے لیکن منافقت کو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو چھپا سکتے ہیں۔البتہ ہر آنے والے وقت میں لفظی تحریف کر کے نت نیا راستے بناتے رہتے ہیں اور اپنے ذہنوں کو وہی تسلیاں دیتے

رہتے ہیں جو منافقین دیتے تھے۔
اہل سنت کے مسلک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک تکمیل نماز کا موقوف علیہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ کو دل میں حاضر کرنا مقصد عبادت کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ عظمٰی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک دل میں لانے کو گائے بیل کے تصور میں غرق ہو جانے سے بدتر کہنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توہین شدید ہے جس کے تصور سے مومن کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اہل سنت ایسا کہنے والے کو جہنمی اور ملعون تصور کرتے ہیں۔

اللہ کے حکم کا انسانی دل کے درمیان حائل ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کی درمیان اس طرح ہیں جیسے ایک انسان کا دل ہے اور وہ (اپنی انگلیوں سے) جس طرح چاہتا ہے قلوب کو گردش میں لاتا ہے "اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے طور پر یہ فرمایا۔ "اے دلوں کو گردش میں لانے والے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔" (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 86)

اس حدیث سے اللہ کے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے اور سب پر متصرف ہے یہاں تک کہ قلوب کے رخ اور دل کی دھڑکنیں تک بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا استعمال یہاں مجازا ہوا ہے کیونکہ اس کی پاک وصاف ذات مادیات اور اجسام کی ثقالت سے پاک ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام قلوب اللہ کے قبضہ وتصرف میں ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے کسی قلب کو گناہ ومعصیت اور بدکاری کی طرف مائل کر دینا بھی اسی کی صفت ہے اور کسی قلب کو عصیان وسرکشی کے جال سے نکال کر اطاعت وفرمانبرداری اور نیکوکاری کے راستہ پر بھی اسی کا کام ہے وہ جس طرح چاہتا ہے گمراہی وضلالت کے اندھیرے میں پھینک دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت وراستی کے مرغزاروں میں چھوڑ دیتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○
اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اپنے آپ کو فتنے سے بچانے کا بیان

"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً" اِنْ اَصَابَتْكُمْ "لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً" بَلْ تَعُمّهُمْ وَغَيْرهمْ وَاتِّقَاؤُهَا بِاِنْكَارِ مُوجِبهَا مِنْ الْمُنْكَر "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَاب" لِمَنْ خَالَفَهُ،

اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا بلکہ ان کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی پہنچے گا جس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ برائی کے سبب سے بھی انکار کر دے اور جان لو کہ اللہ کا عذاب اس کے لئے سخت ہے۔ جو اس کی مخالفت کرے۔

مسلمانوں کو آپس میں لڑنے کی ممانعت کا بیان

بلکہ اگر تم اس سے نہ ڈرے اور اس کے اسباب یعنی ممنوعات کو ترک نہ کیا اور وہ فتنہ نازل ہوا تو یہ نہ ہوگا کہ اس میں خاص ظالم اور بدکار ہی مبتلا ہوں بلکہ وہ نیک اور بدسب کو پہنچ جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے درمیان ممنوعات نہ ہونے دیں یعنی اپنے مقدور تک برائیوں کو روکیں اور گناہ کرنے والوں کو گناہ سے منع کریں اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو عذاب ان سب کو عام ہوگا، خطا کار اور غیر خطا کار سب کو پہنچے گا۔

حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخصوص لوگوں کے عمل پر عذاب عام نہیں کرتا جب تک کہ عام طور پر لوگ ایسا نہ کریں کہ ممنوعات کو اپنے درمیان ہوتا دیکھتے رہیں اور اس کے روکنے اور منع کرنے پر قادر ہوں باوجود اس کے نہ روکیں نہ منع کریں جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عذاب میں عام وخاص سب کو مبتلا کرتا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی قوم میں سرگرمِ معاصی ہو اور وہ لوگ باوجود قدرت کے اس کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم نہی عنِ المنکر ترک کرتی ہے اور لوگوں کو گناہوں سے نہیں روکتی وہ اپنے اس ترک فرض کی شامت میں مبتلائے عذاب ہوتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ انفال، بیروت)

حضرت زبیر سے لوگوں نے کہا کہ اے ابوعبداللہ تمہیں کونسی چیز لائی ہے؟ تم نے مقتول خلیفہ کو دھوکہ دیا پھر اس کے خون کے بدلے کی جستجو میں تم آئے اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس آیت (واتقوا الخ)، کو پڑھتے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں یہاں تک کہ یہ واقعات رونما ہوئے اور روایت میں ہے کہ عہد نبوی میں ہی ہم اس آیت سے ڈرا دیئے گئے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ سدی کہتے ہیں یہ آیت خاصتاً اہل بدر کے بارے میں اتری ہے کہ وہ جنگ جمل میں آپس میں خوب لڑے بھڑے۔ ابن عباس فرماتے ہیں مراد اس سے خاص اصحاب رسول ہیں۔ فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو حکم فرما رہا کہ وہ آپس میں کسی خلاف شرع کام کو باقی اور جاری نہ رہنے دیں۔ ورنہ اللہ کے عام عذاب میں سب پکڑ لئے جائیں گے۔ یہ تفسیر نہایت عمدہ ہے مجاہد کہتے ہیں یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں تم میں سے ہر شخص فتنے میں مشغول ہے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ
فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○
اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں نہایت کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے تو اس نے
تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد کے ساتھ تمہیں قوت بخشی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

مدینہ منورہ کو اہل ایمان کے لئے مسکن بنانے کا بیان

"وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ" اَرْض مَكَّة "تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ" يَاْخُذكُمْ الْكُفَّار بِسُرْعَةٍ "فَاٰوٰكُمْ" اِلَى الْمَدِيْنَة "وَاَيَّدَكُمْ" قَوَّاكُمْ "بِنَصْرِهٖ" يَوْم بَدْر بِالْمَلَائِكَةِ "وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ" الْغَنَائِم "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" نِعَمه،

اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں یعنی مکہ میں نہایت کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے یعنی کافر تم پر جلدی سے حملہ کریں گے تو اس نے تمہیں مدینہ منورہ میں جگہ دی اور اپنی مدد کے ساتھ یعنی بدر کے دن فرشتوں کے ساتھ تمہیں قوت بخشی اور تمہیں پاکیزہ چیزوں یعنی غنائم سے رزق دیا، تاکہ تم اس کی نعمت کے شکر گزار بن جاؤ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا بیان

سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں غفار قبیلے کا ایک شخص تھا مجھے خبر ملی کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو اپنے تیئں پیغمبر کہتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ مکہ جا کر اس شخص سے ملو۔ بات چیت کرو اور اس کا حال مجھے آ کر بتلاؤ۔ وہ آپ سے مل کر واپس میرے پاس آیا اور کہا 'واللہ! وہ اچھی بات کا حکم کرتا اور بری بات سے منع کرتا ہے۔' اس جواب سے میری تسلی نہ ہوئی اور خود مکہ آ گیا۔ یہاں میں کسی کو پہچانتا نہیں تھا۔ نہ مجھے کسی سے آپ کا حال پوچھنا مناسب معلوم ہوا۔ میں زمزم کا پانی پیتا رہا اور مسجد میں بیٹھ رہا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ میرے سامنے سے گزرے اور پوچھا: 'تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔' میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے کہا۔ تو میرے گھر چلو۔ میں ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ ہی میں نے کوئی بات کی۔ صبح پھر میں مسجد میں آ گیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ کسی سے نبی کے متعلق کچھ پوچھوں، مگر مجھے کوئی ایسا آدمی نہ ملا۔ دوسرے دن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پھر میرے پاس سے گزرے اور پوچھا تجھے ابھی تک کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔' میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا' تو میرے ساتھ چلو اور بتلاؤ تمہارا کیا کام ہے؟ یہاں کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا: اگر تم کسی کو بتلاؤ نہیں تو میں آپ کو بتلاتا ہوں۔' سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے۔' تب میں نے انہیں اپنے بھائی کو بھیجنے کا واقعہ سنایا اور کہا کہ میں اس نبی کو ملنا چاہتا ہوں۔' سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تمہارے لیے بہت اچھا اتفاق ہوا کہ میں بھی اسی نبی کے پاس جا رہا ہوں، تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ جہاں میں داخل ہوا تم بھی داخل ہو جانا اور اگر کوئی خطرہ کی بات ہوئی تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا جیسے اپنا جوتا صاف کرنے لگا ہوں (اور ایک روایت میں ہے جیسے پیشاب کرنے لگا ہوں) تم وہاں سے آگے نکل جانا۔' اس طرح ہم ایک مکان میں داخل ہوئے۔ جہاں آپ موجود تھے۔ میں نے عرض کی کہ آپ مجھے اسلام سکھلائیے۔ پھر میں اسی وقت مسلمان ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ابوذر! اپنے ایمان کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔ جب تمہیں ہمارے غلبہ کی خبر پہنچے تو چلے آنا۔' میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! میں اسلام کا کلمہ کافروں کے سامنے بانگ دہل پکاروں گا۔' پھر میں مسجد میں آیا اور پکارا: قریشیو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ کہنے لگے 'اٹھو اس بے دین کی

خبر لو۔' پھر انہوں نے مجھے خوب مارا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ لیا اور آ کر مجھ پر جھک گئے اور کہا' تمہاری خرابی! تم ایک غفاری کو مار رہے ہو، جبکہ تمہارا تجارتی راستہ اسی قوم پر سے گزرتا ہے' یہ سن کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ دوسرے دن صبح پھر میں مسجد میں آ گیا اور وہی کلمہ کہا جو کل کہا تھا قریشیوں نے پھر وہی بات کہی کہ اٹھو اور اس کی خبر لو۔ چنانچہ مجھے مار پڑنے لگی۔ اتنے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ آن پہنچے، وہ مجھ پر جھک گئے اور وہی بات کہی جو کل کہی تھی تو انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

(بخاری، کتاب المناقب، باب قصہ زمزم)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥
اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت
کیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ اَبِيْ لُبَابَةَ مَرْوَان بْن عَبْد الْمُنْذِر وَقَدْ بَعَثَهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَنِيْ قُرَيْظَة لِيَنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمه فَاسْتَشَارُوْهُ فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ اَنَّهُ الذَّبْح لِاَنَّ عِيَاله وَمَاله فِيْهِمْ "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰه وَالرَّسُوْل وَ" لَا "تَخُوْنُوْا اَمَانَاتكُمْ" مَا ائْتُمِنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الدِّيْن وَغَيْره، وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ،

یہ آیت مبارکہ ابولبابہ مروان بن عبدالمنذر رکے بارے میں نازل ہوئی کہ جب نبی کریم ﷺ نے انہیں بنوقریظہ کی طرف بھیجا کہ وہ صلح کر لیں تا کہ وہ قلعہ سے اتر آئیں، تو انہوں نے ابولبابہ سے مشورہ لیا تو انہوں نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ ان کا انجام ذبح ہے۔ اس اشارے کا سبب یہ تھا کہ ابولبابہ کے اہل و عیال اور مال ان کے قبضے میں تھا۔

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو یعنی جو امانات دینی معاملات وغیر دینی معاملات کی سپرد کر دی جائیں۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔

سورہ انفال آیت ۲۷ کے شانِ نزول کا بیان

یہ آیت کریمہ ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری کے متعلق نازل ہوئی وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود قریظہ کو اکیس دن محاصرے میں رکھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم سے بھی اسی پر صلح کر لیں جس پر ہمارے بھائیوں بنونضیر سے کی ہے کہ ہم اپنے شام کی سرزمین میں اذرعات اور اریحا میں اپنے بھائیوں کے پاس چلے جائیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ درخواست مسترد کر دی اور سعد بن معاذ کے فیصلے پر اترنے کو کہا انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ ہماری طرف ابولبابہ کو بھیج دیجیے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کا مال اور اہل عیال انہی کے ہاں تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیج دیا اور وہ ان کے پاس آ گئے تو انہوں نے کہا اے ابولبابہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم سعد بن معاذ کے فیصلے پر اتر جائیں تو ابولبابہ نے

اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی وہ ذبح کا فیصلہ دے گا لہٰذا تم ایسا نہ کرو ابولبابہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ابھی میرے قدم اپنی جگہ سے جدا نہیں ہوئے تھے کہ مجھے اس بات کی تنبیہ ہوگئی کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی ہے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا اللہ کی قسم میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ میری توبہ قبول کر لے چنانچہ سات دن یہ اسی حالت میں رہے کہ انہوں نے کچھ نہ کھایا پیا حتی کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی انہیں بتایا گیا کہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے تو انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا جب تک رسول اللہ مجھے خود نہ کھولیں گے میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا چنانچہ آپ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھول دیا اس کے بعد ابولبابہ نے کہا کہ میری توبہ تمام اس وقت ہوگی جب کہ میں اپنی قوم کی سرزمین کو جس میں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے چھوڑ نہ دوں اور اپنے مال سے دستبردار ہو جاؤں تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تمہارا ایک تہائی مال صدقہ کرنا کافی ہے۔ (طبری 9-146، زاد المسیر 3-343، قرطبی 7-394)

حضرت ابولبابہ کا توبہ کے لئے سات دن مسجد کے ستون کے ساتھ بندھے رہنے کا بیان

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری تمام وکمال توبہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا گھر چھوڑ دوں جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ کہ میں اپنے تمام مال کو خیرات کرنے کے لئے اس سے دست کش ہو جاؤں آپ ﷺ نے فرمایا، تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے کافی ہے۔ (رزین، مشکوٰۃ شریف، جلد سوم: حدیث، 611)

حضرت ابولبابہ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا عجیب، سبق آموز اور عدیم المثال واقعہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ تو بنو قریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے صحابی ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تا کہ ہم اپنے بارے میں ان سے مشورہ کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغام کو منظور فرما لیا اور ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا، جب بنو قریظہ نے ابولبابہ کو دیکھا تو ان کے مرد وعورت اور بچے بوڑھے سب ہی ان کے آگے رونے اور گڑگڑانے لگے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ابولبابہ کا دل پسیج گیا، پھر انہوں نے ابولبابہ سے پوچھا کہ اگر ہم حکم محمدی کو مان لیں اور اپنے آپ کو ان کے حوالہ کریں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ اس کے جواب میں ابولبابہ نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔ ابولبابہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات کہی اور ہنوز وہاں سے قدم نہیں اٹھایا تھا کہ میں متنبہ ہوا اور اس بات پر سخت نادم ہوا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں خیانت کی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ) 8۔الانفال 27) اے ایمان والو نہ تو اللہ اور رسول کی امانت (یعنی ان کے پیغام واحکام) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔" پھر کیا تھا، ایسا لگا جیسے احساس ندامت وشرمندگی نے ابولبابہ کے قلب وشعور پر بجلی گرا دی ہو، وہ بے تاب ہو گئے اور دیوانہ وار مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک میں توبہ نہ کرلوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے!

جب نماز کا وقت آتا تو ان کے بیٹے آتے اور ان کو کھول دیتے پھر جب وہ نماز پڑھ لیتے ان کے ہاتھ باندھ دیتے لوگ ان کے پاس آتے تو کھولنے کے لئے کہتے تو انکار کر دیتے اور فرماتے کہ جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود آ کر نہ کھولیں گے میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا، چنانچہ مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے یہاں تک کہ غش کھا کر گر پڑے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔اب تو اپنے آپ کو کھول ڈالو، انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے میں خود اپنے آپ کو ہر گز نہیں کھولوں گا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھولا اسی موقع پر حضرت ابولبابہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی توبہ کو کامل کرنے کے لئے میں یہ محسوس کرتا ہوں مجھے اپنے سارے اثاثہ سے دست کش ہونا چاہئے چنانچہ اول تو میں اپنا وہ آبائی اور قومی گھر چھوڑتا ہوں جو بنی قریظہ کے قبیلہ میں واقع ہے اور دوسرے میں اپنا وہ تمام مال و اسباب اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا چاہتا ہوں۔گھر چھوڑنے کے لئے ابولبابہ نے اس لئے کہا کہ وہ اس جگہ سے دور ہو جائیں جہاں شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو گناہ میں مبتلا کیا اور اس گناہ کا ظاہری سبب بنو قریظہ کے تئیں ان کا جذبہ ہمدردی تھا اور اس جذبہ ہمدردی کا اظہار انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کے اہل وعیال اور مال و اسباب سب کچھ بنو قریظہ کے قبضہ میں تھا۔گھر چھوڑنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے، بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ابولبابہ کا گھر چھوڑ دینا طاعت کی قسم سے تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا، البتہ صدقہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سارا مال خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سارے مال کا تہائی حصہ خیرات کرنا حصول مقصد کے لئے کافی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝
اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو بس فتنہ ہی ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔

اموال اور اولاد کے فتنہ ہونے کا بیان

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ " لَكُمْ صَادَّةٌ عَنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ "وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَه اَجْرٌ عَظِيْمٌ " فَلَا تُفَوِّتُوْا . بِمُرَاعَاةِ الْاَمْوَال وَالْاَوْلَاد وَالْخِيَانَةِ لِاَجْلِهِمْ وَنَزَلَ فِيْ تَوْبَته ،

اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو بس فتنہ ہی ہیں یعنی یہ تمہیں آخرت کے امور سے روکتے ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔لہٰذا تم ان اموال واولاد اور خیانت کے سبب انہیں ہاتھ نہ جانے دو اور یہ آیت بھی ان کی توبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ فرمانے لگے کہ فتنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم میں سے کسی کو یاد ہے؟ میں نے عرض کیا، مجھے (بالکل) اسی طرح یاد ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے اس جرأت کی امید بیشک ہوسکتی ہے، میں نے کہا کہ آدمی کا وہ فتنہ جو اس کی بیوی اور اس کے مال اور اولاد میں ہوتا ہے، اس کو نماز اور روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر مٹا دیتا ہے، عمر نے کہا کہ میں یہ نہیں (پوچھنا) چاہتا، بلکہ وہ فتنہ جو دریا کی طرح جوش زن ہوگا، حذیفہ نے کہا کہ اے امیر المومنین اس فتنہ سے آپ کو کچھ خوف نہیں، کیوں کہ آپ اور اس کے درمیان بند دروازہ ہے، عمر نے کہا اچھا وہ بند دروازہ توڑ ڈالا جائے گا یا کھول ڈالا جائے گا؟ حذیفہ نے کہا توڑ ڈالا جائے گا۔

حضرت عمر نے کہا تو پھر کبھی بند نہ ہوگا، ہم لوگوں نے (حذیفہ سے کہا) کیا عمر رضی اللہ عنہ دروازہ کو جانتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں! (اس طرح جانتے تھے) جیسے (تم) کل کے بعد رات ہو جانے کو جانتے ہو، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی، جو غلط نہ تھی، دروازہ کے متعلق ہم لوگوں کو حضرت حذیفہ سے دریافت کرنے میں خوف معلوم ہوا، لیکن مسروق سے کہا، انہوں نے حذیفہ سے پوچھا کہ دروازہ کون تھا، حذیفہ نے کہا دروازہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 505)

دنیا میں مختلف اشیاء کا فتنے کا سبب بننے کا بیان

عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (جو بنی عامر کے حلیف تھے) کہ آپ نے فرمایا: 'اللہ کی قسم! میں تمہارے محتاج ہونے سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی۔ پھر تم اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگ جاؤ، تو وہ تمہیں اس طرح ہلاک کردے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔ (بخاری، کتاب المغازی)

۲۔ آپ نے فرمایا: ہر امت کی ایک آزمائش ہے اور میری امت کی آزمائش مال ہے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

۳۔ سیّدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ کہتے سنا ہے۔ محتاج مہاجرین دولت مند مہاجرین سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (ترمذی، ابواب الزہد)

۴۔ سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا تو دیکھا کہ وہاں ان لوگوں کی کثرت ہے جو دنیا میں محتاج تھے۔ (بخاری، کتاب الرقاق)

۵۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ (خطبہ ارشاد فرمانے) منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اپنے بعد میں جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ زمین کی برکتیں تم پر کھول دی جائیں گی۔ (تم مالدار ہو جاؤ گے) پھر آپ نے دنیا کی آرائش کا بیان شروع کیا، پہلے ایک بات بیان کی، پھر دوسری۔ اس دوران ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ 'یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بھلائی سے برائی پیدا ہوگی؟ یہ سن کر آپ خاموش ہوگئے ہم سمجھے کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اور لوگ ایسے خاموش بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پھر آپ نے اپنے منہ سے پسینہ پونچھا (وحی بند ہوئی) تو آپ نے پوچھا: وہ سائل کہاں ہے جو ابھی پوچھ رہا تھا۔ پھر آپ نے سوال کا جوب دیتے ہوئے تین بار فرمایا: مال و دولت سے بھلائی ہی نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا: بھلائی

سے تو بھلائی ہی پیدا ہوتی ہے مگر بہار کے موسم میں جب ہری ہری گھاس پیدا ہوتی ہے (جو ایک نعمت ہے، اس کا زیادہ کھالینا) جانور کو یا تو مار ڈالتا ہے یا مرنے کے قریب کر دیتا ہے۔ الا یہ کہ جانور اپنی کوکھیں بھرنے کے بعد دھوپ میں جا کھڑا ہو اور پیشاب کرے پھر اس کے ہضم ہو جانے کے بعد) اور گھاس چرے اور یہ مال و دولت بھی ہرا بھرا اور شیریں ہے اور بہتر مسلمان وہ ہے جو اپنے حق کے مطابق ہی لے پھر اس میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرے اور جو شخص اپنے حق پر اکتفا نہ کرے اس کی مثال اس کھانے والے کی سی ہے جس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں اور یہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔'

(بخاری، کتاب الجہاد)

۶۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک روز کھانا رکھا گیا۔ تو کہنے لگے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے ان کے کفن کے لیے ایک چادر ملی اور حمزہ یا کسی اور کا نام لے کر کہا کہ وہ شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بہتر تھے ان کے کفن کو بھی صرف ایک چادر تھی۔ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ عیش و آرام کے سامان ہمیں دنیا میں ہی دے دیئے جائیں، یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا۔ (بخاری، کتاب الجنائز)

۷۔ سیّدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بلاشبہ قیامت کے دن بہت مال و دولت رکھنے والے ہی زیادہ نادار ہوں گے۔ مگر جسے اللہ نے دولت دی اور اس نے اپنے دائیں سے بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے ہر طرف سے دولت کو اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور اس مال سے بھلائی کمائی۔' (بخاری، کتاب الرقاق)

۸۔ آپ نے فرمایا: 'جو شخص اللہ عز و جل سے ڈرتا ہو اس کو دولت مندی کا کوئی خطرہ نہیں۔ (احمد، بحوالہ مشکوۃ)

اولاد کے ذریعہ آزمائش کیسے ہوتی ہے؟

اور اولاد کے ذریعہ انسان کی آزمائش کا دائرہ مال کی آزمائش سے زیادہ وسیع ہے۔ اولاد اگر کسی کے ہاں نہ ہو تو بھی یہ ایک آزمائش ہے۔ ایسی صورت میں انسان اور بالخصوص عورتیں شرک جیسے بدترین گناہ پر آمادہ ہو جاتی ہیں اور پیروں فقیروں کے مزاروں اور مقبروں کے طواف کرتی اور ان کی منتیں مانتی ہیں اور اگر کسی کے ہاں زیادہ ہو تو وہ دوسری طرح آزمائش ہوتی ہے۔ کفار مکہ میں جو قتل اولاد کا دستور عام رائج تھا تو اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ہم انہیں کھلائیں گے کہاں سے؟ گویا اولاد کے رزق کا اپنے آپ کو ٹھیکیدار سمجھنا اور اللہ پر قطعاً توکل نہ کرنا بھی شرک سے ملتا جلتا اور بعض پہلوؤں میں اس سے بڑھ کر کبیرہ گناہ ہے۔ پھر اولاد کی تربیت کا مرحلہ آتا ہے تو یہ بھی انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے کہ آیا وہ اپنی اولاد کو دینی تربیت دیتا اور دین کی راہ پر چلاتا ہے یا محض ان کے لئے دنیا کمانے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ انسان کی زندگی کا ایسا نازک موڑ ہوتا ہے جس کے اچھے یا برے نتائج خود اس کو اس دنیا میں بھگتنا پڑتے ہیں اور آخرت میں تو ان پر سزا و جزا کا مرتب ہونا ایک یقینی بات ہے۔ پھر اس کے بعد اولاد کی آرزوؤں کی تکمیل کا مرحلہ پھر ان کی شادی اور شادی کے سلسلہ میں رشتہ کے انتخاب کا مرحلہ آتا ہے کہ وہ کس قسم کا رشتہ اپنے بیٹے یا بیٹی کے لیے پسند کرتا ہے اور یہ بھی ایسا مرحلہ ہوتا ہے جس کے نتائج انتہائی دور رس ہوتے ہیں اور ایسے ہی مرحلہ سے معلوم ہوتا

ہے کہ کوئی شخص اپنی دینداری کے دعویٰ میں کس حد تک سچا اور مخلص ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول سے کس قدر محبت ہے۔ مختصر یہ کہ اولاد کا فتنہ ایسا فتنہ ہے جس کے ذریعہ انسان کی ہر وقت آزمائش ہوتی رہتی ہے۔

پھر بعض دفعہ مال اور اولاد دونوں کے فتنے ایک فتنہ میں مشترک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض مسلمانوں نے محض مال اور اولاد کی خاطر مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو ان میں ہجرت کرنے کی استطاعت موجود تھی۔ ان پر جائیداد اور اولاد کی محبت غالب آگئی اور انہوں نے کافروں میں رہنا اور ذلت کی زندگی بسر کرنا گوارا کر لیا۔ ایسے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سخت وعید فرمائی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝
اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہارے لئے حق و باطل میں فرق کرنے والی حجت مقرر فرما دے گا
اور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تقویٰ ورحم دلی کے سبب گناہوں کی بخشش کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ" بِالْاِنَابَةِ وَغَيْرِهَا "يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا" بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ مَا تَخَافُوْنَ فَتَنْجُوْنَ "وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ" ذُنُوْبَكُمْ، وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ،

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے یعنی خدا ترسی وغیرہ کرو تو وہ تمہارے درمیان اور جس چیز سے تمہیں خوف ہے اس کے درمیان حق و باطل میں فرق کرنے والی حجت مقرر فرما دے گا تا کہ تم نجات حاصل کرو اور تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

علامہ علی بن احمد بن ابراہیم مہائمی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پچھلے واقعہ میں حضرت ابولبابہ سے جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کی خاطر لغزش ہوگئی تھی وہ اس لئے بھی خطا تھی کہ اہل وعیال کی حفاظت کا بھی صحیح راستہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کو اپنا شعار بنایا جاتا تو سب مال واولاد اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں آجاتے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ فرقان سے مراد اس آیت میں وہ عقل وبصیرت ہے جس کے ذریعہ حق وباطل، کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا سہل ہو جائے تو معنی یہ ہوئے کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ایسی بصیرت اور فراست عطا فرما دیتے ہیں کہ ان کو اچھے برے میں فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ دوسری چیز جو تقویٰ کے صلہ میں عطا ہوتی ہے وہ کفارہ سیئات ہے یعنی جو خطائیں اور لغزشیں اس سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے۔

اس کے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو اس کی سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔ تیسری چیز جو تقویٰ کے صلہ میں

ملتی ہے وہ آخرت کی مغفرت اور سب گناہوں، خطاؤں کی معافی ہے۔ (تفسیر مہائی، سورہ انفال، بیروت)

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۝
اور جب کافر لوگ آپ کے خلاف خفیہ سازشیں کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو (وطن سے) نکال دیں، اور (اِدھر) وہ سازشی منصوبے بنا رہے تھے اور (اُدھر) اللہ (ان کے مکر کے ردّ کے لئے اپنی) تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر مخفی تدبیر فرمانے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے خلاف کفار کی خفیہ تدبیر کا بیان

"و" اُذْكُرْ يَا مُحَمَّدُ "إِذْ يَمْكُر بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوْا" وَقَدْ اجْتَمَعُوا لِلْمُشَاوَرَةِ فِيْ شَأْنك بِدَارِ النَّدْوَة "لِيُثْبِتُوْكَ" يُوثِقُوك وَيَحْبِسُوك "اَوْ يَقْتُلُوْكَ" كُلّهم قِتْلَة رَجُل وَاحِد "اَوْ يُخْرِجُوك" مِنْ مَكَّة "وَيَمْكُرُوْنَ" بِك "وَيَمْكُر اللّٰه" بِهِمْ بِتَدْبِيرِ اَمْرك بِاَنْ اَوْحَى اِلَيْك مَا دَبَّرُوْهُ وَاَمَرَك بِالْخُرُوج "وَاللّٰهُ خَيْر الْمَاكِرِينَ" اَعْلَمهمْ بِهِ،

یا محمد ﷺ آپ یاد کریں جب کافر لوگ آپ کے خلاف خفیہ سازشیں کر رہے تھے یعنی جب وہ دارندوہ میں آپ کے معاملہ کے لئے بہ طور مشاورت جمع ہوئے۔ کہ وہ آپ پر قابو پائیں، وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یعنی سب کا متحد ہو کر قتل کرنا ایک آدمی کے قتل کی طرح ہوگا یا آپ کو مکہ سے نکال دیں، اور اِدھر وہ آپ کے خلاف سازشی منصوبے بنا رہے تھے اور اُدھر اللہ ان کے مکر کے ردّ کے لئے اپنی تدبیر فرما رہا تھا، یعنی کہ وہ آپ کی طرف اس بات کی وحی کرے جو انہوں نے تدبیر کی اور آپ کو خروج کی اجازت دیدے اور اللہ سب سے بہتر مخفی تدبیر فرمانے والا ہے۔ یعنی ان کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

سورہ انفال آیت ۳۰ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ قریش کی ایک جماعت اور ہر قبیلہ کے معزز لوگوں نے دالندوہ میں داخل ہونے پر اتفاق کیا انہیں سامنے سے ابلیس ایک پرشکوہ بزرگ کی صورت میں ملا جب انہوں نے اسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اہل نجد کا ایک عمر رسیدہ آدمی ہوں میں نے تمہارے اجتماع کے متعلق سنا اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا کہ میں تمہاری اس مجلس میں حاضر ہوں اور تمہیں کوئی بہتر رائے دے سکوں اور تمہاری خیر خواہی میں کمی نہ چھوڑوں انہوں نے کہا بہت اچھا تم بھی ہمارے ساتھ آ جاؤ چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ دالندوہ میں داخل ہو گیا اس نے کہا اس شخص (محمد) کے متعلق سوچو کہ اس کا کیا کیا جائے تو کسی نے کہا کہ اسے رسیوں سے باندھ دیا جائے اور پھر زمانے کے حوادثات کا انتظار کرو یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے جیسا کہ اس سے پہلے شعراء زہیر اور نابالغہ کیونکہ یہ بھی ان ہی کی طرح ایک شاعر ہے تو اللہ کے دشمن نجدی شیخ نے کہا اللہ کی قسم یہ کوئی

بہتر رائے نہیں ہے اللہ کی قسم اس کے قید خانہ سے کوئی جاسوس اس کے ساتھیوں کی طرف نکلے گا پھر عنقریب وہ اس کے معاملے میں ثابت قدمی سے کام لیں گے اور اسے تمہارے قبضے سے چھڑا کر اس کی حفاظت کریں گے اور اس کے بعد پھر مجھے تمہارے اس بات پر اطمینان نہیں کہ شاید وہ تمہیں تمہارے اس ملک سے نکال دیں لہٰذا اس کے علاوہ کوئی دوسری سوچ سوچو ایک نے کہا کہ تم اسے اپنے درمیان سے نکال کر جلاوطن کر دو اس طرح تم اس سے راحت پا لو گے کیونکہ جب یہ یہاں سے نکل جائے گا پھر جو بھی کرے تمہیں ہرگز نقصان نہ پہنچے گا نجدی شیخ نے کہا اللہ کی قسم یہ بھی مناسب رائے نہیں کیا تم اس کی بات کی مٹھاس، زبان کی چاشنی، اور اپنی باتوں سے دلوں کو تسخیر نہیں دیکھتے اللہ کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو پھر یہ اپنی بات عرب پر پیش کرے گا وہ سب اس کی بات پر مجتمع ہو جائیں گے اور تمہاری طرف بڑھیں گے یہاں تک کہ تمہیں جلاوطن کر دیں گے اور تمہارے سرداروں کو قتل کر دیں گے انہوں نے کہا اللہ کی قسم اس نے سچ کہا لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ سوچو ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم میں تمہیں ایسی رائے دوں گا کہ میرا گمان ہے کہ تم اس کے بعد کسی نئی رائے کو تلاش نہیں کرو گے اور میں اس سے بہتر کسی چیز کو نہیں سمجھتا انہوں نے کہا وہ کیا ہے اس نے کہا تم لوگ ہر قبیلے میں سے ایک معزز مضبوط نوجوان لے لو پھر ہر نوجوان کے ہاتھ ایک تیز دھار تلوار دے دو اور وہ سب مل کر ایک وار سے اسے (محمد) کو قتل کر دیں جب تم قتل کر دو گے تو اس کا خون تمام قبائل میں متفرق تقسیم ہو جائے گا پھر میرا گمان نہیں بنو ہاشم تمام قریش سے جنگ کر سکیں گے لہٰذا جب وہ یہ دیکھیں گے کہ تو لامحالہ دیت پر رضامند ہو جائیں گے تو اس طرح ہم اس سے راحت پا لیں گے اور خود سے اس مصیبت اور تکلیف کو ختم کر لیں گے اس پر نجدی شیخ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہی رائے بہتر ہے اور وہی بات جو اس نوجوان نے کہی بہتر ہے میری بھی یہی رائے ہے پس وہ اس پر اتفاق کرنے کے بعد واپس ہوئے تو جبرائیل نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو حکم دیا کہ آج کی رات اس بستر پر نہ گزاریں اور آپ کو قوم کے مکر کے متعلق بھی بتلا دیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہ رات اس گھر میں نہ گزاری اور اللہ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور مدینہ پہنچنے کے بعد نعمت کے تذکرہ کے طور پر آپ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 28، زادالمسیر 3۔346، ابن کثیر 2۔302، قرطبی 7۔396)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥
اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو یقیناً
اس جیسا ہم بھی کہہ دیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔

کفار کا قرآن کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کہنے کی گستاخی کا بیان

"وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا" اَلْقُرْاٰن "قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا" قَالَهُ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ لِاَنَّهُ كَانَ يَاْتِي الْحِيرَةَ يَتَّجِر فَيَشْتَرِي كُتُب اَخْبَار الْاَعَاجِم وَيُحَدِّث بِهَا اَهْل مَكَّة "اِنْ" مَا "هٰذَا" الْقُرْاٰن "اِلَّا اَسَاطِير" اَكَاذِيب، الْاَوَّلِيْنَ،

اور جب ان پر ہماری آیاتی یعنی قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم نے سن لیا، یہ نضر بن حارث نے کہا کیونکہ وہی حیرہ آتا اور عجمیوں کے حالات کی کتابیں خریدتا اور ان کو اہل مکہ سے بیان کرتا تھا۔ اگر ہم چاہیں تو یقیناً اس جیسا ہم بھی کہہ دیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیوں یعنی جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

سورہ انفال آیت ۳۱ کے مضمون نزول کا بیان

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث کو باندھ کر قتل کیا حضرت مقداد نے نضر بن حارث کو قید کیا تھا جب اس کے قتل کا حکم دیا گیا تو مقداد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے قیدی کو بھی قتل کیا جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص کتاب اللہ کے بارے میں بکواس کیا کرتا تھا راوی کہتے ہیں کہ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیوطی130، طبری9-152)

کہا گیا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث ملعون تھا۔ یہ خبیث فارس کے ملک گیا تو تھا اور رستم واسفندیار کے قصے یاد کر آیا تھا۔ یہاں حضور کو نبوت مل چکی تھی آپ لوگوں کو کلام اللہ شریف سنا رہے ہوتے جب آپ فارغ ہوتے تو یہ اپنی مجلس جماتا اور فارس کے قصے سناتا، پھر فخراً کہتا کہو میرا بیان اچھا ہے یا محمد کا؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ بدر کے دن قید ہو کر لایا گیا اور حضور کے فرمان سے آپ کے سامنے اس کی گردن ماری گئی فالحمد للہ اسے قید کرنے والے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ قبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، یہ تینوں اسی قید میں قتل کئے گئے۔ حضرت مقداد نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ میرا قیدی؟ آپ نے فرمایا یہ اللہ عزوجل کی کتاب کے بارے میں زبان درازی کرتا تھا۔ انہوں نے بعد از قتل پھر کہا کہ حضور میں جسے باندھ کر لایا ہوں؟ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے فضل سے مقداد کو غنی کر دے۔ آپ خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور یہی میرا مقصد اور مقصود تھا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں طعیمہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام ہے لیکن یہ غلط ہے بدر والے دن وہ تو زندہ ہی نہ تھا بلکہ حضور کا فرمان مروی ہے کہ اگر آج یہ زندہ ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کو طلب کرتا تو میں اسے دے دیتا۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً
مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝
اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے
یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔

کفار کا مطالبہ عذاب کرنے کا بیان

"وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا" الَّذِيْ يَقْرَؤُهُ مُحَمَّدٌ "هُوَ الْحَقَّ" الْمُنَزَّلَ "مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ اَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" مُؤْلِمٍ عَلَى اِنْكَارِهِ قَالَهُ النَّضْر وَغَيْرُهُ اسْتِهْزَاءً وَاِيهَامًا اَنَّهُ

عَلٰی بَصِیرَۃ وَجَزم بِبُطلَانِہ،

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہی قرآن جو حضرت محمد ﷺ پڑھتے ہیں تیری طرف سے حق ہے تو اس کی نافرمانی کے باعث ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ یہ بات نضر وغیرہ نے بہ طور مذاق یا اہانت کے لئے یا یہ بتلانے کے لئے کہ وہ قرآن پر یقین نہیں رکھتا۔

سورہ انفال آیت ۳۲ کے شانِ نزول کا بیان

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی اسی نے کہا تھا کہ اے اللہ اگر محمد ﷺ جو کہتا ہے سچ ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ (طبری 9۔152)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ابوجہل نے کہا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر دردناک عذاب نازل فرما اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ترجمہ۔ اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دے۔ (بخاری 4371، مسلم 2796، زادالمسیر 3۔348، ابن کثیر 2۔304)

قوم شعیب نے کہا تھا کہ اے مدعی نبوت اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کو گرا دے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کہا۔ ابوجہل وغیرہ نے یہ دعا کی تھی جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رسول اللہ کی موجودگی اور انہی میں سے بعض کا استغفار اللہ کے عذاب کی ڈھال ہے۔ نضر بن حارث بن کلدہ نے بھی یہی دعا کی تھی جس کا ذکر سال سائل میں ہے ان کے اسی قول کا ذکر آیت وقالو ربنا عجل لنا الخ، میں ہے اور آیت ولقد جئتمونا فرادی الخ، میں ہے اور آیت سال سائل الخ، میں ہے۔ غرض دس سے اوپر اوپر آیتیں اس بیان میں ہیں۔ عمرو بن عاص جنگ احد میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا دین حق ہے تو مجھے مرے گھورے سمیت زمین میں دھنسادے گو اس امت کے بعض بے وقوفوں نے یہ تمنا کی لیکن اللہ نے اس امت پر رحم فرمایا اور جواب دیا کہ ایک تو پیغمبر کی موجودگی عام عذاب سے مانع ہے دوسرے تم لوگوں کا استغفار۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ مشرک حج میں طواف کے وقت کہتے تھے لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس لیکن وہ پھر کہتے الا شریک ھو لک تملکہ و ما ملک یعنی ہم حاضر ہیں اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ پھر کہتے ہاں وہ شریک جو خود بھی تیری ملکیت میں ہیں اور جن چیزوں کو وہ مالک ہیں ان کا بھی اصل مالک تو ہی ہے اور کہتے غفوانک غفوانک اے اللہ ہم تجھ سے استغفار کرتے ہیں اے اللہ تو ہمیں معاف فرما۔ اسی طلب بخشش کو عذاب کے جلد نہ آنے کا سبب بتایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں ان میں دو سبب تھے ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے استغفار پس آپ تو چل دیئے اور استغفار باقی رہ گیا قریشی آپس میں کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ نے ہم میں سے ہم پر بزرگ بنایا اے اللہ اگر یہ سچا ہے تو تو ہمیں عذاب کر۔ جب ایمان لائے تو اپنے اس قول پر بڑا ہی نادم ہوئے اور استغفار کیا اسی کا بیان دوسری آیت میں ہے۔ پس انبیاء کی موجودگی میں قوموں پر عذاب نہیں آتا ہاں وہ نکل جائیں پھر عذاب برس پڑتے ہیں اور چونکہ ان کی قسمت میں ایمان تھا اور بعد از ایمان وہ استغفار اہل مکہ

کے لئے باعث امن وامان تھا۔ ان دو وجہ امن میں سے ایک تو اب نہ رہا دوسرا اب بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھ پر دو امن میری امت کے لئے اترے ہیں ایک میری موجودگی دوسرے ان کا استغفار پس جب میں چلا جاؤں گا تو استغفار قیامت تک کے لئے ان میں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان نے کہا اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم میں تو جب تک تیرے بندوں کے جسم میں روح ہے انہیں بہکاتا رہوں گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی میری جلالت اور میری بزرگی کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا (مستدرک حاکم)

مسند احمد میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بندہ اللہ کے عذابوں سے امن میں رہتا ہے جب تک وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝
اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب! آپ ان میں تشریف فرما ہو
اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں

نبی مکرم کے وجود مسعود کی برکت سے عذاب کے دور رہنے کا بیان

"وَمَا كَانَ اللّٰه لِيُعَذِّبهُمْ " بِمَا سَاَلُوْهُ "وَاَنْتَ فِيْهِمْ" لِاَنَّ الْعَذَاب اِذَا نَزَلَ عَمَّ وَلَمْ تُعَذَّب اُمَّة اِلَّا بَعْد خُرُوج نَبِيّهَا وَالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهَا "وَمَا كَانَ اللّٰه مُعَذِّبهمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ " حَيْثُ يَقُوْلُوْنَ فِيْ طَوَافهمْ: غُفْرَانك غُفْرَانك وَقِيلَ هُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ الْمُسْتَضْعَفُوْنَ فِيْهِمْ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: "لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا"

جب کفار نے عذاب کا سوال کیا تو حکم نازل ہوا کہ اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں۔ کیونکہ جب عذاب آتا ہے تو وہ عام ہوتا ہے اور کسی امت کو وہاں سے ان کے نبی کے خروج اور اہل ایمان کے خروج کے بغیر عذاب نہیں دیا گیا۔ اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے اپنے طواف میں تیری بخشش تیری بخشش کہا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد کمزور مؤمنین ہیں جو ان میں موجود تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ وہاں سے چلے جاتے تو ہم کفار کو دردناک عذاب دیتے۔

سورہ انفال آیت ۳۳ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لئے دو امن والی آیات اتاریں۔ (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ) 8۔ الانفال: 33) اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے، اور اللہ انہیں عذاب کرنے ولا نہیں ہے حالانکہ وہ بخشش

مانگتے ہوں)۔ پس جب میں (دنیا) سے چلا جاؤں گا تو ان میں استغفار کو قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1024)

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ
اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے گا جبکہ وہ تو مسجد حرام سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں
اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں مگر ان میں اکثر کو علم نہیں۔

کفار مکہ کا مسلمانوں کو طواف بیت اللہ سے روکنے کا بیان

"وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰه" بِالسَّيْفِ بَعْد خُرُوجك وَالْمُسْتَضْعَفِينَ وَعَلَى الْقَوْل الْاَوَّل هِيَ نَاسِخَة لِمَا قَبْلهَا وَقَدْ عَذَّبَهُمُ اللّٰه بِبَدْرٍ وَغَيْرِه "وَهُمْ يَصُدُّونَ" يَمْنَعُونَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمِينَ "عَنْ الْمَسْجِد الْحَرَام" اَنْ يَطُوفُوا بِهِ "وَمَا كَانُوا اَوْلِيَاءَهُ" كَمَا زَعَمُوا "اِنْ" مَا "اَوْلِيَاؤُهُ اِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ" اَنْ لَا وِلَايَة لَهُمْ عَلَيْهِ،

اور انہیں کیا ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے گا یعنی آپ ﷺ اور کمزور مسلمانوں کے خروج کے بعد ان کو تلوار کا عذاب کیوں نہ چکھائے۔ قول اول یہ ماقبل آیت کے لئے ناسخ ہے۔ کیونکہ اہل مکہ کو بدر وغیرہ میں عذاب دیا گیا۔ جبکہ وہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو مسجد حرام کے طواف سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہوا ہے۔ یعنی پرہیز گار صرف اس کے متولی حضرات ہیں۔ مگر ان میں اکثر کو علم نہیں۔ یعنی ان کو اس پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

کفار مکہ کا بیت اللہ پر غاصبانہ قابض ہونے کا بیان

ان لوگوں کے عذاب کے مستحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر ان پر عذاب نہیں آ رہا تو اس کی مندرجہ بالا وجوہ ہیں اور ان کے عذاب کے مستحق ہونے کی بھی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ انہوں نے مسلمانوں پر بیت اللہ میں داخلہ پر پابندی لگا رکھی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے متولی ہیں کیونکہ ہم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حالانکہ متولی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے ہی روک دے۔ نیز یہ کہ تولیت کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہو اور وہ موحد تھے۔ مشرک نہیں تھے۔ یعنی اگر اولاد ابراہیم مشرک ہے تو اس سے تولیت چھین کر اس شخص کو دی جائے گی جو موحد اور پرہیز گار ہو خواہ وہ اولاد ابراہیم سے ہو یا نہ ہو۔ کعبہ کی تولیت کے لیے شرط اول پرہیز گاری اور اللہ کا تقویٰ ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، سو تم عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔

اہانت نماز و بیت اللہ کے سبب عذاب آنے کا بیان

"وَمَا كَانَ صَلَاتهمْ عِنْد الْبَيْت اِلَّا مُكَاء " صَفِيرًا "وَتَصْدِيَة" تَصْفِيقًا اَىْ جَعَلُوْا ذٰلِكَ مَوْضِع صَلَاتهمْ الَّتِي اُمِرُوْا بِهَا "فَذُوقُوا الْعَذَاب" بِبَدْرٍ ،بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ،

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، یعنی انہوں نے اپنی نماز کے قائم مقام سیٹیاں بجانا اختیار کیا ہوا تھا۔ لہٰذا تم اب میدان بدر میں عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔

سورہ انفال آیت ۳۵ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرتے اور اس دوران تالیاں بجاتے آپ نے اپنے ہاتھ سے تالی بجا کر بیان کیا سیٹیاں مارتے، آپ نے ان کی سیٹی کو بھی بیان کیا اور اپنے گال زمین پر رکھتے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

کفار مکہ کے برے اعمال کو عبادت سمجھنے کا بیان

ان مشرک متولیوں کی بیت اللہ کے اندر عبادت کے بھی عجیب اطوار ہیں جو ننگے ہو کر طواف کرتے ہیں اور سیٹیاں اور تالیاں بجا کر جو اپنی تفریح طبع کا سامان کرتے ہیں۔ اس کا نام انہوں نے عبادت رکھ لیا۔ پھر اس پر دعویٰ یہ کہ اگر مسلمانوں کا دین سچا ہے تو ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عذاب صرف آسمان سے پتھروں کی شکل میں یا خوفناک چیخ یا زبردست زلزلہ وغیرہ کی صورت میں ہی آیا کرتا ہے جو خرق عادت کے طور پر واقع ہو۔ حالانکہ غزوہ بدر میں ان کی شکست فاش اللہ کا ایسا عذاب تھا جس نے کفر اور کافروں کی کمر توڑ کے رکھ دی۔ انہوں نے جنگ پر اصرار تو محض اس توقع پر کیا تھا کہ مسلمانوں کی اس قلیل سی جماعت کو لگے ہاتھوں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرتے چلیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ جنگ ہی اللہ کا عذاب بن کر ان پر مسلط ہونے والی ہے یا یہ کہ ان کی دعا کی قبولیت کا وقت اب آ چکا ہے اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہمارے خلاف صادر ہونے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں، تا کہ اللہ کے راستے سے روکیں۔ پس عنقریب وہ انہیں خرچ کریں گے، پھر وہ ان پر افسوس کا باعث ہوں گے، پھر وہ مغلوب ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔

کفار کا جنگ کے لئے خرچ کیے ہوئے مالوں پر حسرت کرنے کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ" فِيْ حَرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ" فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ "عَلَيْهِمْ حَسْرَةً" نَدَامَةً لِفَوَاتِهَا وَفَوَاتِ مَا قَصَدُوْهُ "ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ" فِي الدُّنْيَا "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا" مِنْهُمْ "اِلٰى جَهَنَّمَ" فِي الْاٰخِرَةِ "يُحْشَرُوْنَ" يُسَاقُوْنَ،

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے اپنے مال خرچ کرتے ہیں، تاکہ اللہ کے راستے سے روکیں۔ پس عنقریب وہ انہیں خرچ کریں گے، پھر وہ انجام کے طور ان پر افسوس کا باعث ہوں گے، یعنی مالوں کے ضائع ہونے اور مقصد حاصل نہ ہونے کے سبب ان کو پچھتانا پڑے گا۔ پھر وہ دنیا میں بھی مغلوب ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آخرت میں جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ یعنی جہنم کی طرف چلائے جائیں گے۔

سورہ انفال آیت ۳۶ کے شان نزول کا بیان

مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے دن کھانا کھلانے والوں کے متعلق نازل ہوئی یہ بارہ آدمی تھے، ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، ابوبختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حارث بن عامر بن نوفل، اور عباس بن عبدالمطلب۔ یہ سب قریش میں سے تھے اور ان میں سے ہر ایک ہر روز دس اونٹ کھلاتا تھا۔ (نیسابوری 198، سیوطی 131، زادالمسیر 9۔355)

سعید بن جبیر اور ابن ابزی کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے متعلق نازل ہوئی اس نے احد کے دن دو ہزار جنگجو نبی کریم ﷺ کے خلاف لڑنے کے لیے کرائے پر لیے اور یہ اعراب کے علاوہ تھے جو جنگ میں اس کے ساتھ تیار تھے انہی کے بارے میں کعب بن مالک شاعر کہتا ہے۔

ہم سمندر کے درمیان سے اٹھنے والی موج کی طرف چلے یعنی جنگجو افراد کی طرف جن میں سے بعض ننگے سر اور بعض خود پہنے ہوئے تھے یہ جنگجو تین ہزار تھے اور ہم کچھ تین سو کے ہوں گے یا زیادہ سے زیادہ چار سو۔ (طبری 9۔159)

حکیم بن عتبہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے مشرکین پر یوم احد میں چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (طبری 9۔160)

محمد بن اسحاق اپنے رجال سے (جن سے ان کا روایت کرنا معروف ہے) روایت کرتے ہیں کہ جب قریش کو بدر کے دن بری طرح شکست ہوئی اور شکست خوردہ واپس ہوئے اور ابوسفیان اپنے قافلے کے ساتھ لوٹا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ قریش کے کچھ دوسرے آدمیوں میں جن کے باپ، بیٹے اور رشتہ دار قتل ہوئے تھے چلے اور ابوسفیان اور جن لوگوں کی اس کے قافلہ میں تجارت تھی سے بات کی۔

اور کہا اے قریش کی جماعت بے شک محمد ﷺ نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا اور تمہارے بہترین اشخاص کو قتل کیا تم اس کے

خلاف جنگ کرنے میں ہماری اس بچے ہوئے مال کے ذریعے مدد کرو شاید کہ ہم اپنی شکست کا بدلہ لے لیں تو سب لوگوں نے ان سے اتفاق کیا ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیرت نبویہ لابن ہشام 2-60)

کفار کا مالی اور جانی نقصان پر حسرت کرنے کا بیان

غزوہ بدر کے دوران کافروں کے ایک ہزار لشکر کی خوراک کا خرچہ روزانہ دس اونٹ تھا۔ اور یہ صرف گوشت کا خرچہ تھا۔ دیگر سب اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ پھر ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا سارے کا سارا منافع مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ غرض اس آیت میں جو غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی کافروں کے حق میں ایک ایسی پیشین گوئی کی گئی جو بعد کے ادوار میں حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔ یعنی غزوہ بدر کے بعد بھی کافر خرچ بھی کرتے رہیں گے اور شکست کھا کر پٹتے بھی رہیں گے اور ایک وقت آئے گا جب اسلام دشمنی کی راہ میں ان کا خرچ کیا ہوا مال، خرچ کیا ہوا وقت اور اپنی جسمانی مشقتیں اور جانوں کا نقصان ایک ایک چیز ان کے لیے حسرت کا باعث بن جائے گی۔ پھر اس دنیا میں پٹنے کے علاوہ جو اخروی زندگی میں جہنم کا عذاب ہوگا وہ مستزاد ہے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ
جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو، اس کے بعض کو بعض پر رکھے، پس اسے اکٹھا ڈھیر بنا دے،
پھر اسے جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اللہ مؤمن سے کافر کو دور کر دے گا

"لِيَمِيْزَ" مُتَعَلِّق بِتَكُوْنُ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْد اَیْ يَفْصِل "اللّٰه الْخَبِيث" الْكَافِر "مِنَ الطَّيِّب" الْمُؤْمِن "وَيَجْعَل الْخَبِيث بَعْضه عَلٰى بَعْض فَيَرْكُمهُ جَمِيْعًا" يَجْمَعهُ مُتَرَاكِمًا بَعْضه عَلٰى بَعْض، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ،

یہاں "لِيَمِيْزَ" تخفیف وتشدید کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے اور تکون کے متعلق ہے۔ تا کہ اللہ ناپاک یعنی کافر کو پاک یعنی مؤمن سے جدا کر دے اور ناپاک کو، اس کے بعض کو بعض پر رکھے، یعنی ان کو سب کو جمع کرے گا پس اس اکٹھے ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

انسانوں میں بعض کے طیب اور بعض کے خبیث ہونے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مٹھی (مٹی) سے کی جو ہر جگہ کی زمین سے لی گئی تھی لہٰذا آدم کی اولاد (انہیں) زمین کے موافق پیدا ہوئی چنانچہ

(انسانوں میں) بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے، بعض درمیانہ رنگ کے، بعض نرم مزاج، بعض تند مزاج بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 96)

مؤمن کے طیب ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ہمراہ ہولیا۔ جب آپ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل کر اپنے مکان آیا اور نہا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم کہاں تھے؟" میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اصل واقعہ) ذکر کیا (کہ میں ناپاک تھا اس لئے چلا گیا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" سبحان اللہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔" روایت کے الفاظ صحیح البخاری کے ہیں مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (انہوں نے کہا) چونکہ میں حالت ناپاکی میں تھا اس لئے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھوں جب تک کہ نہا نہ لوں۔" اسی طرح صحیح البخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 424)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، لہٰذا حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

مدینہ طیبہ کے ذریعے خباثت دور کر دینے کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ یہ آیت

(فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا الخ .) 4 . النسآء : 88)

اس وقت نازل ہوئی جب کہ جنگ احد میں کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے اس وقت مسلمانوں کی ان کے متعلق دو رائیں ہو گئیں تھیں ایک فریق تو کہتا تھا کہ انہیں قتل کر دو اور کچھ کہتے تھے کہ نہیں ایسا مت کرو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کا نام طیبہ ہے یہ ناپاکی اور خباثت کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کی میل کو دور کر دیتی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1769)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○

تم کافروں سے فرما دو اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا اور اگر پھر وہی کریں تو اگلوں کا دستور گزر چکا ہے

کفار کو کفر و سرکشی اختیار کرنے سے روکنے کا بیان

"قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا" كَاَبِي سُفْيَان وَاَصْحَابه "اِنْ يَّنْتَهُوا" عَنْ الْكُفْر وَقِتَال النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يُغْفَر لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ" مِنْ اَعْمَالهمْ "وَاِنْ يَّعُودُوا" اِلٰى قِتَاله "فَقَدْ مَضَتْ سُنَّة الْاَوَّلِيْنَ" اَيْ سُنَّتنَا فِيْهِمْ بِالْاِهْلَاكِ فَكَذَا نَفْعَل بِهِمْ،

تم کافروں یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے فرماؤ اگر وہ کفر اور نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے میں باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا یعنی جو ان کے اعمال پہلے ہو گزرے ہیں اور اگر پھر وہی جنگ کریں تو اگلوں کا دستور گزر چکا ہے یعنی ایسا کرنے والوں کو ہلاک کرنے کا ہمارا قانون گزر چکا ہے۔

قبول اسلام کے سبب سابقہ گناہوں کی بخشش ہو جانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم سے ان اعمال پر مواخذہ ہوگا جو ہم سے جاہلیت کے زمانے میں سرزد ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تو اس کا مواخذہ نہیں ہوگا اور جس نے سچے دل سے اسلام قبول نہ کیا بلکہ بظاہر مسلمان اور باطن میں کافر تو اس سے دور جاہلیت اور دور اسلام دونوں کے اعمال کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 318)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
اور اگر ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے، اگر پھر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔

شرک ختم کرنے کے لئے جہاد کرنے کا بیان

"وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْن" تُوجَد "فِتْنَة" شِرْك "وَيَكُوْن الدِّيْن كُلّه لِلّٰهِ" وَحْده وَلَا يُعْبَد غَيْره "فَاِنْ انْتَهَوْا" عَنْ الْكُفْر "فَاِنَّ اللّٰه بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِير" فَيُجَازِيهِمْ بِهِ،

اور اگر ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد یعنی شرک باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے، یعنی اسی ایک کی عبادت ہو اس کے سوا کسی عبادت نہ ہو اگر پھر وہ کفر سے باز رہیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔ پس وہ ان کو اسی جزاء دے گا۔

فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے جہاد کرنے کا بیان

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ (جنگ) میں بھیجا تو ہم صبح صبح جہینہ کے علاقہ میں پہنچ گئے میں نے وہاں ایک آدمی کو پایا اس نے کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، میں نے اسے ہلاک کر دیا پھر میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ میں نے مسلمان کو قتل کیا یا کافر کو؟ تو میں نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نے تو یہ کلمہ تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم میں مسلمان کو قتل نہیں کروں گا جب تک کہ اس کو اسامہ قتل کر دیں ایک آدمی نے کہا کہ کیا اللہ عزوجل نے نہیں فرمایا کافروں سے اس وقت تک قتال کرو جب تک کہ فتنہ نہ رہے اور اللہ کا دین عام ہو جائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم فتنہ مٹانے کے لئے جہاد کر رہے ہیں اور تمہارے ساتھی فتنہ پھیلانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 277)

قرب قیامت کے بعض فتنوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک علم اٹھا نہ لیا جائے گا اور زلزلے کثرت سے ہوں گے اور زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہوگا اور فتنہ وفساد ظاہر ہوگا اور ہرج کی کثرت ہوگی، ہرج سے مراد قتل ہے قتل، یہاں تک کہ تم میں مال بہت زیادہ ہو جائے گا اس طرح کہ بہتا پھرے گا اور لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 996)

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰـكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝
اور اگر وہ اعراض کریں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تمہارا دوست ہے، وہ اچھا دوست اور اچھا مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور دوستی کا بیان

"وَاِنْ تَوَلَّوْا" عَنْ الْاِيْمَان "فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰه مَوْلَاكُمْ" نَاصِركُمْ وَمُتَوَلِّي اُمُوركُمْ "نِعْمَ الْمَوْلَى" هُوَ "وَنِعْمَ النَّصِير" اَيْ النَّاصِر لَكُمْ،

اور اگر وہ ایمان سے اعراض کریں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تمہارا دوست ہے، یعنی تمہاری مدد کرنے والا ہے۔ اور تمہارے امور کا متولی ہے وہ اچھا دوست اور اچھا مددگار ہے۔ یعنی تمہاری مدد کرنے والا ہے۔

اگر یہ لوگ اب بھی نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ یہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے جس طرح اللہ نے غزوہ بدر میں تمہاری سرپرستی اور مدد کی ہے۔ آئندہ بھی ان کے مقابلہ میں کرتا رہے گا۔ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا سرپرست اور مددگار اور کون ہو سکتا ہے؟

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے ہے
اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن
نازل فرمائی وہ دن دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

غنائم کا پانچواں حصہ اللہ ورسول ﷺ کے لئے ہونے کا بیان

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ" اَخَذْتُمْ مِنَ الْكُفَّار قَهْرًا "مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه" يَاْمُر فِيْهِ بِمَا يَشَاء "وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى" قَرَابَة النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِیْ هَاشِم وَبَنِی الْمُطَّلِب "وَالْيَتَامٰى" اَطْفَال الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ هَلَكَ اٰبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاء "وَالْمَسَاكِيْن" ذَوِی الْحَاجَة مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ "وَابْن السَّبِيْل" الْمُنْقَطِع فِیْ سَفَره مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَیْ يَسْتَحِقّهُ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَصْنَاف الْاَرْبَعَة عَلٰى مَا كَانَ يَقْسِمهُ مِنْ اَنَّ لِكُلٍّ خُمُس الْخُمُس وَالْاَخْمَاس الْاَرْبَعَة الْبَاقِيَة لِلْغَانِمِيْنَ "اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ" فَاعْلَمُوْا ذٰلِكَ "وَمَا" عَطْف عَلٰى بِاللّٰهِ "اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدنَا" مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَلَائِكَة وَالْاٰيَات "يَوْم الْفُرْقَان" اَیْ يَوْم بَدْر الْفَارِق بَيْن الْحَقّ وَالْبَاطِل "يَوْم الْتَقَى الْجَمْعَانِ" الْمُسْلِمُوْنَ وَالْكُفَّار "وَاللّٰهُ عَلٰى كُلّ شَیْءٍ قَدِيْر" وَمِنْهُ نَصْرُكُمْ مَعَ قِلَّتكُمْ وَكَثْرَتهمْ،

اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے کفار سے زبردستی پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کے لئے ہے جو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے ہیں۔ اور یتیموں یعنی وہ مسلمانوں میں بچے جن والدین وفات پا گئے ہیں اور وہ فقیر ہیں۔ اور محتاجوں یعنی مسلمانوں میں سے جو ضرورت مند ہیں اور مسافروں یعنی مسلمانوں میں سے سفر کی وجہ سے وطن سے دور ہیں ان کے لئے ہے۔ یعنی جو نبی کریم ﷺ کا حق ہے۔ اور بقیہ چار اقسام کے لئے جو نبی کریم ﷺ تقسیم فرمائیں ان میں ہر ایک کے لئے خمس کا پانچواں حصہ ہے۔ اور بقیہ چاروں اخماس اہل غنیمت کے لئے ہیں اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس کو سمجھ لو۔ یہاں پر وما کا عطف لفظ باللہ پر ہے۔ اور اس وحی پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت محمد ﷺ پر فرشتوں اور آیات کو نازل کیا۔ حق وباطل کے درمیان فیصلے کے دن جو یوم بدر تھا اس دن نازل فرمائی وہ دن جب میدان بدر میں مومنوں اور کافروں کے دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تمہارے قلیل ہونے اور ان کے زیادہ ہونے کے باوجود مدد تمہارے لئے ہے۔

مال غنیمت وفئی کے مفہوم کا بیان

لفظ غنیمت لغت میں اس مال کے لئے بولا جاتا ہے جو دشمن سے حاصل کیا جائے، اصطلاح شریعت میں غیر مسلموں سے جو مال جنگ وقتال اور قہر وغلبہ کے ذریعہ حاصل ہو اس کو غنیمت کہتے ہیں اور جو صلح ورضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ وخراج وغیرہ اس

کوئی ، کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں انھیں دونوں لفظوں سے ان دونوں قسموں کے احکام بتلائے گئے ہیں۔سورہ انفال میں مال غنیمت کے احکام کا ذکر ہے جو جنگ وقتال کے وقت غیر مسلموں سے حاصل ہو۔

مال غنیمت کی حلت کے اختصاص امت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں۔پہلی مجھے جامع کلام عطا کی گئی۔دوسری یہ کہ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔تیسری یہ کہ مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا چوتھی یہ کہ پوری زمین میرے لئے مسجد اور طہور (پاک کرنے والی) بنا دی گئی۔پانچویں یہ کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور چھٹی یہ کہ مجھ پر انبیاء کا خاتمہ کر دیا گیا۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1611)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت بخشی یا فرمایا میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کیا۔اس باب میں علی، ابوذر عبداللہ بن عمر، ابوموسی، ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔حدیث ابوامامہ حسن صحیح ہے۔یہ سیار بنو معاویہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔سلیمان تیمی، عبداللہ بن بحیر اور کئی دوسرے حضرات ان سے احادیث نقل کرتے ہیں۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1610)

سابقہ امتوں کی غنائم کو آگ کے کھا جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کسی انسان کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا۔اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ آسمان سے آگ آتی اور اسے کھا جاتی۔سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ بات کون کہہ سکتا ہے۔کیوں کہ غزوہ بدر کے موقع پر وہ لوگ مال غنیمت حلال ہونے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ) 8۔الانفال:68)(اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس کے لئے میں بڑا عذاب۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1026)

تقسیم غنائم سے متعلق تفسیری تصریحات کا بیان

حضرت ابوالعالیہ ریاحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ حصے کرتے تھے۔چار مجاہدین میں تقسیم ہوتے پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اسے کعبے میں داخل کر دیتے پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول اللہ کا ایک قرابت داروں کا۔ایک یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کا نام صرف بطور تبرک ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے بیان کا وہ شروع ہے۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ جب حضور کوئی لشکر بھیجتے اور مال غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔پس یہ فرمان کہ ان للہ خمسہ یہ صرف کلام کے شروع کے لیے

ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔ اسی کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی القریٰ میں آ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ غنیمت کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے باقی کے چار حصے لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہاں تک کہ تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں حضرت حسن نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں؟ جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے برابر کئے جاتے تھے چار تو ان لشکریوں کو ملتے تھے جو اس جنگ میں شامل تھے پھر پانچویں حصے کے چار حصے کئے جاتے تھے ایک چوتھائی اللہ کا اور اس کے رسول کا پھر یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ آپ اور آپ کے بعد جو بھی آپ کا نائب ہو اس کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں اللہ کا حصہ اللہ کے نبی کا ہے اور جو آپ کا حصہ تھا وہ آپ کی بیویوں کا ہے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا جو حصہ ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اختیار ہے جس کام میں آپ چاہیں لگائیں مقدام بن معدی کرب حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابودرداء اور حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذکر ہونے لگا تو ابوداؤد نے عبادہ بن صامت سے کہا فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور نے ایک جہاد میں خمس کے ایک اونٹ کے پیچھے صحابہ کو نماز پڑھائی سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال چٹکی میں لے کر فرمایا کہ مال غنیمت کے اونٹ کے یہ بال بھی مال غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو، خیانت نہ کرو،

خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کے لئے دونوں جہان میں آگ ہے۔ قریب والوں سے دور والوں سے راہ حق میں جہاد جاری رکھو۔ شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔ وطن میں اور سفر میں اللہ کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو اللہ کے لئے جہاد کرتے رہو جہاد جنت کے بہت بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے۔ (مسند امام احمد حنبل، مطبوعہ بیروت)

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ
لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

جب تم قریب والے کنارے پر اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور مقرر وقت کے بارے میں آگے پیچھے ہو جاتے اور لیکن تا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا، تا کہ جو ہلاک ہو واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے واضح دلیل سے زندہ رہے اور بے شک اللہ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

واضح دلیل کے ساتھ اہل ایمان کی کامیابی کا بیان

"اِذْ" بَدَل مِنْ يَوْم "اَنْتُمْ" كَائِنُوْنَ "بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا" الْقُرْبٰى مِنَ الْمَدِيْنَة وَهِيَ بِضَمِّ الْعَيْن وَكَسْرهَا جَانِب الْوَادِي "وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى" الْبُعْدٰى مِنْهَا "وَالرَّكْب" الْعِير كَائِنُوْنَ بِمَكَانٍ "اَسْفَل مِنْكُمْ" مِمَّا يَلِي الْبَحْر "وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ" اَنْتُمْ وَالنَّفِير لِلْقِتَالِ "لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَاد وَلٰكِنْ" وَلٰكِنْ جَمَعَكُمْ بِغَيْرِ مِيْعَاد "لِيَقْضِيَ اللّٰه اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا" فِيْ عِلْمه وَهُوَ نَصْر الْاِسْلَام وَمَحْق الْكُفْر "لِيَهْلِك" يَكْفُر "مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَة" اَيْ بَعْد حُجَّة ظَاهِرَة قَامَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ نَصْر الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَ قِلَّتهمْ عَلَى الْجَيْش الْكَثِيْر "وَيَحْيَا" يُؤْمِن، مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ،

یہاں پر اذ یوم سے بدل ہے۔ جب تم قریب والے کنارے پر یعنی مدینے کے قریب تھا اور عدوہ یہاں عین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اس سے مراد وادی کی جانب ہے۔ اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے ساحل کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں لشکر قریش کے ساتھ قتال کے لئے وعدہ کرتے تو ضرور مقرر وقت کے بارے میں آگے پیچھے ہو جاتے اور لیکن اس نے بغیر میعاد تم کو جمع کر دیا تا کہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا، یعنی جو اس کے علم میں ہے اور وہ اسلام کی کامیابی ہے اور کفر کا مٹ جانا ہے۔ تا کہ جو کفر ہلاک ہو واضح دلیل سے ہلاک ہو یعنی ظاہری دلیل قائم جانے کے بعد اور وہ اہل اسلام کی قلیل لشکر کے باوجود کامیاب ہونا ہے۔ اور جو مؤمن زندہ رہے واضح دلیل سے زندہ رہے اور بے شک اللہ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے ذریعے ایمان کو کفر سے ممتاز کر دیا

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن تم وادی الدینا میں تھے جو مدینے شریف سے قریب ہے اور مشرک لوگ مکے کی جانب مدینے کی دور کی وادی میں تھے اور ابوسفیان اور اس کا قافلہ تجارتی اسباب سمیت نیچے کی جانب دریا کی طرف تھا اگر تم کفار قریش سے جنگ کا ارادہ پہلے سے کرتے تو یقیناً تم میں اختلاف پڑتا کہ لڑائی کہاں ہو؟ یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ اگر تم لوگ آپس میں طے کر کے جنگ کے لئے تیار ہوتے اور پھر تمہیں ان کی کثرت تعداد اور کثرت اسباب معلوم ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ ارادے پست ہو جاتے۔ اس لئے قدرت نے پہلے سے طے کئے بغیر دونوں جماعتوں کو اچانک ملا دیا کہ اللہ کا یہ ارادہ

پورا ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بلندی حاصل ہو اور شرک اور مشرکوں کو پستی ملے پس جو کرنا تھا اللہ پاک کر گذرا۔ چنانچہ کعب کی حدیث میں ہے کہ حضور اور مسلمان تو صرف قافلے کے ارادے سے ہی نکلے تھے اللہ نے دشمن سے مڈبھیڑ کرادی بغیر کسی تقرر کے اور بغیر کسی جنگی تیاری کے۔ ابوسفیان ملک شام سے قافلہ لے کر چلا ابوجہل اسے مسلمانوں سے بچانے کے لئے مکے سے نکلا۔ قافلہ دوسرے راستے سے نکل گیا اور مسلمانوں اور کافروں کی جنگ ہوگئی اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے ایک دوسرے کو خصوصا پانی لانے والوں کو دیکھ کر انہیں ان کا اور انہیں ان کا علم ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حضور برابر اپنے ارادے سے جا رہے تھے صفراء کے قریب پہنچ کر بسیس بن عمرو اور عدی بن ابوالزعباء جہنی کو ابوسفیان کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا ان دونوں نے بدر کے میدان میں پہنچ کر بطحا کے ایک ٹیلے پر اپنی سواریاں بٹھائیں اور پانی کے لئے نکلے۔ راستے میں دو لڑکیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھا ایک دوسری سے کہتی ہے تو میرا قرضہ کیوں ادا نہیں کرتی؟ اس نے کہا جلدی نہ کر کل یا پرسوں یہاں قافلہ آنے والا ہے میں تجھے تیرا حق دے دوں گی۔ مجدی بن عمرو بیچ میں بول اٹھا اور کہا یہ سچ کہتی ہے اسے ان دونوں صحابیوں نے سن لیا اپنے اونٹ کسے اور فوراً خدمت نبوی میں جا کر آپ کو خبر دی۔ ادھر ابوسفیان اپنے قافلے سے پہلے یہاں اکیلا پہنچا اور مجدی بن عمرو سے کہا کہ اس کنویں پر تم نے کسی کو دیکھا؟ اس نے کہا نہیں البتہ دو سوار آئے تھے اپنے اونٹ اور ٹیلے پر بٹھائے اپنی مشک میں پانی بھرا اور چل دیئے۔ یہ سن کر یہ اس جگہ پہنچا مینگنیاں لیں اور انہیں توڑا اور کھجوروں کی گٹھلیاں ان میں پا کر کہنے لگا واللہ یہ مدنی لوگ ہیں وہیں سے واپس اپنے قافلے میں پہنچا اور راستہ بدل کر سمندر کے کنارے چل دیا جب اسے اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنا قاصد قریشیوں کو بھیجا کہ اللہ نے تمہارے قافلے مال اور آدمیوں کو بچا لیا تم لوٹ جاؤ یہ سن کر ابوجہل نے کہا نہیں جب یہاں تک ہم آ چکے ہیں تو ہم بدر تک ضرور جائیں گے یہاں ایک بازار لگا کرتا تھا۔ وہاں ہم تین روز ٹھہریں گے وہاں اونٹ ذبح کریں گے۔ شرابیں پئیں گے کباب بنائیں گے تاکہ عرب میں ہماری دھوم مچ جائے اور ہر ایک کو ہماری بہادری اور بجگری معلوم ہو اور وہ ہمیشہ ہم سے خوف زدہ رہیں۔ لیکن اخنس بن شریق نے کہا کہ بنوزہرہ کے لوگو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال محفوظ کر دیئے تم کو چاہئے کہ اب واپس چلے جاؤ۔ اس کے قبیلے نے اس کی مان لی یہ لوگ اور بنوعدی لوٹ گئے۔ بدر کے قریب پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن وقاص اور حضرت زبیر بن عوام کو خبر لانے کے لئے بھیجا چند اور صحابہ کو بھی ان کے ساتھ کر دیا انہیں بنوسعید بن عاص کا اور بنوحجاج کا غلام کنویں پر مل گیا دونوں کو گرفتار کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اس وقت آپ نماز میں تھے صحابہ نے ان سے سوال کرنا شروع کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا قریش کے سقے ہیں انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا تھا۔ صحابہ کا خیال تھا کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اس لئے انہوں نے ان پر سختی شروع کی آخر گھبرا کر انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے قافلے کے ہیں تب انہیں چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ سچ بولتے رہے تم انہیں مارتے پیٹتے رہے اور جب انہوں نے جھوٹ کہا تم نے چھوڑ دیا واللہ یہ سچے ہیں یہ قریش کے غلام ہیں۔ ہاں جی بتاؤ قریش کا لشکر کہاں ہے؟ انہوں نے کہا وادی قصویٰ کے اس طرف ٹیلے کے پیچھے۔ آپ نے فرمایا وہ تعداد میں کتنے

ہیں؟ انہوں نے کہا بہت ہیں آپ نے فرمایا آخر کتنے ایک؟ انہوں نے کہا تعداد تو ہمیں معلوم نہیں آپ نے فرمایا اچھا یہ بتا سکتے ہو ہر روز کتنے اونٹ کٹتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس۔ آپ نے فرمایا پھر وہ نو سو سے ایک ہزار تک ہیں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ ان میں سرداران قریش میں سے کون کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل، طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، ابوجہل، امیہ بن خلف، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ نے صحابہ سے فرمایا لو مکے نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف ڈال دیئے ہیں۔ بدر کے دن جب دونوں جماعتوں کا مقابلہ شروع ہونے لگا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنا دیں آپ وہاں رہیں ہم اپنے جانوروں کو یہیں بٹھا کر میدان میں جا کودیں اگر فتح ہوئی تو الحمد للہ یہی مطلوب ہے ورنہ آپ ہمارے جانوروں پر سوار ہو کر انہیں اپنے ساتھ لے کر ہماری قوم کے ان حضرات کے پاس چلے جائیں جو مدینہ شریف میں ہیں وہ ہم سے زیادہ آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ کوئی جنگ ہونے والی ہے ورنہ وہ ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے آپ کی مدد کے لئے آپ کے ہم رکاب نکل کھڑے ہوتے۔ حضور نے ان کے اس مشورے کی قدر کی انہیں دعا دی اور اس ڈیرے میں آپ ٹھہر گئے آپ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر تھے اور کوئی نہ تھا۔ صبح ہوتے ہی قریشیوں کے لشکر ٹیلے کے پیچھے سے آتے ہوئے نمودار ہوئے انہیں دیکھ کر آپ نے جناب باری میں دعا کی کہ باری تعالیٰ یہ فخر و غرور کے ساتھ تجھ سے لڑانے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے آ رہے ہیں۔ باری تعالیٰ تو انہیں پست و ذلیل کر۔ اس آیت کے آخری جملے کی تفسیر سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ یہ اس لئے کہ کفر کرنے والے دلیل ربانی دیکھ لیں گو کفر ہی پر رہیں اور ایمان والے بھی دلیل کے ساتھ ایمان لائیں۔ یعنی آمادگی اور بغیر شرط و قرارداد کے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مشرکوں کا یہاں اچانک آمنا سامنا کرا دیا کہ حقانیت کو باطل پر غلبہ دے کر حق کو مکمل طور پر ظاہر کر دے اس طرح کہ کسی کو شک شبہ باقی نہ رہے۔ اب جو کفر پر رہے وہ بھی کفر کو کفر سمجھ کے رہے اور جو ایمان والا ہو جائے وہ دلیل دیکھ کر ایمان دار بنے ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے اور کفر ہی اصلی ہلاکت ہے۔ جیسے فرمان قرآن ہے (آیت اومن کان میتا فاحییناہ) یعنی وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے جلا دیا اور اس کے لئے نور بنا دیا کہ اس کی روشنی میں وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ تہمت کے قصہ میں حضرت عائشہ کے الفاظ ہیں کہ پھر جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا یعنی بہتان میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ تمہارے تضرع وزاری اور تمہاری دعا و استغفار اور فریاد و مناجات کا سننے والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم اہل حق ہو تم مستحق امداد ہو تم اس قابل ہو کر تمہیں کافروں اور مشرکوں پر غلبہ دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال، بیروت)

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ
فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
جب اللہ تجھے تیرے خواب میں دکھا رہا تھا کہ وہ تھوڑے ہیں اور اگر وہ تجھے دکھاتا کہ وہ بہت ہیں تو تم ضرور ہمت ہار جاتے اور
ضرور اس معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑتے اور لیکن اللہ نے سلامت رکھا۔ بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

حالت خواب کفار کو قلیل بنا کر دیکھانے کا بیان

"إِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ " اَىْ نَوْمِكَ "قَلِيْلًا" فَاَخْبَرْتَ بِهٖ اَصْحَابَكَ فَسُرُّوا "وَلَوْ اَرَاكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ " لَجَبُنْتُمْ "وَلَتَنَازَعْتُمْ" وَاخْتَلَفْتُمْ "فِي الْاَمْرِ" اَمْرِ الْقِتَالِ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ" وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَكُمْ "إِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" بِمَا فِي الْقُلُوْبِ،

جب اللہ تجھے تیرے خواب میں دکھار ہا تھا کہ وہ تھوڑے ہیں پس جب آپ نے اس کی خبر اپنے اصحاب کو دی تو وہ خوش ہوئے اور اگر وہ تجھے دکھا تا کہ وہ بہت ہیں تو تم ضرور ہمت ہار جاتے اور ضرور قتال کے معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑتے اور لیکن اللہ نے تمہیں سلامت رکھا۔ بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ دلوں میں ہے۔

غزوہ بدر میں تعداد کے اضافے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خواب میں مشرکوں کی تعداد بہت کم دکھائی آپ نے اپنے اصحاب سے ذکر کیا یہ چیز ان کی ثابت قدمی کا باعث بن گئی۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ آپ کو آپ کی آنکھوں سے ان کی تعداد کم دکھائی۔ جن آنکھوں سے آپ سوتے تھے۔ لیکن یہ قول غریب ہے جب قرآن میں منام کے لفظ ہیں تو اس کی تاویل بلا دلیل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ممکن تھا کہ ان کی تعداد کی زیادتی میں رعب بٹھادے اور آپس میں اختلاف شروع ہو جائے کہ آیا ان سے لڑیں یا نہ لڑیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ہی بچالیا اور ان کی تعداد کم کر کے دکھائی۔ اللہ پاک دلوں کے بھید سے سینے کے راز سے واقف ہے آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے۔ خواب میں تعداد میں کم دکھا کر پھر یہ بھی مہربانی فرمائی کہ بوقت جنگ بھی مسلمانوں کی نگاہوں اور ان کی جانچ میں وہ بہت ہی کم آئے تا کہ مسلمان دلیر ہو جائیں اور انہیں کوئی چیز نہ سمجھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اندازہ کر کے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر کے قریب ہوں گے اس نے پورا اندازہ کر کے کہا نہیں کوئی ایک ہزار کا یہ لشکر ہے۔ پھر اسی طرح کافروں کی نظروں میں بھی اللہ حکیم نے مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی اب تو وہ ان پر اور یہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ تا کہ رب کا کام جس کا کرنا وہ اپنے علم میں مقرر کر چکا تھا پورا ہو جائے کافروں پر اپنی پکڑ اور مومنوں پر اپنی رحمت نازل فرمادے۔ جب تک لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی یہی کیفیت دونوں جانب رہی لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے اپنے بندوں کی مدد فرمائی مسلمانوں کا لشکر بڑھ گیا اور کافروں کا زور ٹوٹ گیا۔ چنانچہ اب تو کافروں کو مسلمان اپنے سے دگنے نظر آنے لگے اور اللہ نے موحدوں کی مدد کی اور آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا خزانہ کھول دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال، بیروت)

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِالْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

اور جب لڑتے وقت تمہیں کافر تھوڑے کر کے دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا کہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے
اور اللہ کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔

اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کے لئے مدد الٰہی کا بیان

"وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ" اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ "اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا" نَحْو سَبْعِيْنَ اَوْ مِائَة وَهُمْ اَلْف لِتَقْدَمُوْا عَلَيْهِمْ "وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ" لِيَقْدَمُوْا وَلَا يَرْجِعُوْا عَنْ قِتَالكُمْ وَهَذَا قَبْل الْتِحَام الْحَرْب فَلَمَّا الْتَحَمَ اَرَاهُمْ اِيَّاهُمْ مِثْلَيْهِمْ كَمَا فِيْ ال عِمْرَان "لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وَّاِلَى اللّٰهِ تُرْجَع" تَصِير،

اور اے ایمان والو! جب لڑتے وقت تمہیں کافر تھوڑے کر کے دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا یعنی وہ ستر یا ایک سو کی مثل ہیں حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ تا کہ تم پیش قدم رہو اور قتال سے واپس نہ آؤ اور یہ سب کچھ گھمسان کی جنگ سے پہلے ہوا کیونکہ اس کے بعد ان کی تعداد دوگنا ہوگئی۔ جس طرح سورہ آل عمران میں آیا ہے۔ تا کہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے اور اللہ کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔

دونوں جماعتوں کو قلیل دیکھانے میں حکمت کا بیان

مسلمانوں کی تعداد اس قدر کم تھی کہ ابو جہل نے کہا کہ انہیں رسیّوں میں باندھ لو گویا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کو اتنا قلیل دیکھ رہا تھا مقابلہ کرنے اور جنگ آزما ہونے کے لائق بھی خیال نہیں کرتا تھا اور مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد تھوڑی دکھانے میں یہ حکمت تھی کہ مشرکین مقابلہ پر جم جائیں، بھاگ نہ پڑیں اور یہ بات ابتداء میں تھی، مقابلہ ہونے کے بعد انہیں مسلمان بہت زیادہ نظر آنے لگے۔

اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی نصرت اور شرک کا ابطال اور مشرکین کی ذلت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے کا اظہار کہ جو فرمایا تھا وہ ہوا کہ جماعت قلیلہ لشکرِ گراں پر فتح یاب ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ انفال، لاہور)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥
اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

کفار سے ثابت قدمی کے ساتھ جہاد کرنے کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَة" جَمَاعَة كَافِرَة "فَاثْبُتُوْا" لِقِتَالِهِمْ وَلَا تَنْهَزِمُوْا "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا" اُدْعُوْهُ بِالنَّصْرِ "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" تَفُوْزُوْنَ،

اے ایمان والو! جب کسی فوج یعنی کفار کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم ان سے قتال کرنے میں ثابت قدم رہا کرو اور

کمزوری نہ دیکھاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو یعنی اس کو مدد کے لئے پکارو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ یعنی تم کامیاب ہو جاؤ۔

جنگ پر ثابت قدمی پر بیعت کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سال آئندہ یعنی بیعت رضوان کے بعد جب ہم پھر لوٹے تو ہمارے دونوں ساتھیوں میں سے کسی نے اس درخت کو نہ پایا جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی جہاں اللہ کی مہربانی تھی اس کے بعد میں نے نافع سے پوچھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کس بات پر بیعت لی تھی موت پر؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ جنگ میں ثابت قدم رہنے پر بیعت لی تھی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 225)

حضرت جریر سے روایت ہے کہ جب سے میں مسلمان ہوا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس آنے سے نہیں روکا اور جب بھی مجھے دیکھتے تو مسکراتے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں گھوڑے پر بیٹھ نہیں سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ میرے سینے پر مارا اور فرمایا اے اللہ اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1043)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ
اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو، ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا ئی قوت چلی جائے گی
اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

امت مسلمہ کے باہمی اختلاف کے سبب کمزوری کا بیان

"وَاَطِيْعُوا اللّٰه وَرَسُوْله وَلَا تَنَازَعُوا" تَخْتَلِفُوْا فِيْمَا بَيْنكُمْ "فَتَفْشَلُوا" تَجْبُنُوْا "وَتَذْهَب رِيحكُمْ" قُوَّتكُمْ وَدَوْلَتكُمْ "وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰه مَعَ الصَّابِرِينَ" بِالنَّصْرِ وَالْعَوْن،

اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو، یعنی جس میں تمہارے درمیان اختلاف ہے۔ ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا یعنی ملک وقوت چلی جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ کا تعاون ومدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اختلاف اور جھگڑے کی ممانعت کا بیان

اور جو کچھ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دے۔ اس میں نہ اختلاف پیدا کرو اور نہ تنازعہ کی شکل بنالو۔ اگر چہ یہ حکم عام ہے۔ تاہم دوران جنگ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو بالخصوص بیان کیا گیا ہے۔ اگر تم اس دوران اختلاف کا شکار ہو گئے تو تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور تمہاری ساکھ کو سخت دھچکا لگے گا جو بالآخر تمہاری شکست کا پیش خیمہ بن سکتا ہے اور اس دوران پیدا ہونے والی مشکلات کو برداشت کرنے اور ان پر قابو پانے کو اپنا شعار بناؤ اور یہ یاد رکھو کہ اگر ایسی مشکلات پر صبر کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک (متشابہ) آیت میں اختلاف کر رہے تھے یعنی اس کے معنی میں جھگڑ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف لائے (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ کتاب (الٰہی) میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 149)

اس سے مراد وہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے قلوب شک میں گرفتار ہوں، یا ایمان میں کمزوری پیدا ہو اور آپس میں فتنہ وفساد اور دشمنی کا سبب نیز کفر وبدعت کا باعث ہو، جیسے نفس قرآن میں اختلاف کرنا، اس کے معنی ومطالب میں فرق پیدا کرنا، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ اختلاف کرنا صحیح ہے، ہاں علمائے مجتہدین کے اختلاف صحیح ہیں جو اللہ کی رحمت کا باعث اور دین وشریعت میں وسعت کا ذریعہ ہیں، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے اس طرح کا اجتہادی اختلاف جو فائدہ مند ہے، منقول ہے جو جائز تھا اور جس کی وجہ سے بے شمار مسائل کا استنباط ہوا اور امت ان سے منتفع ہوگئی۔

وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝
اور ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے تھے اور (جو لوگوں کو)
اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اللہ ان کاموں کو جو وہ کر رہے ہیں ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

تکبر وغرور سے جنگ بدر کے لئے آنے والے کفار کا بیان

"وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ "لِيَمْنَعُوا عِيْرهمْ وَلَمْ يَرْجِعُوا بَعْد نَجَاتهَا "بَطَرًا وَّرِئَاء النَّاس " حَيْثُ قَالُوْا لَا نَرْجِع حَتّٰى نَشْرَب الْخَمْر وَنَنْحَر الْجَزُور وَتَضْرِب عَلَيْنَا الْقِيَان بِبَدْرٍ فَيَتَسَامَع بِذٰلِكَ النَّاس "وَيَصُدُّوْنَ" النَّاس "عَنْ سَبِيْل اللّٰه وَاللّٰه بِمَا يَعْمَلُوْنَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء "مُحِيط" عِلْمًا فَيُجَازِيهِمْ بِهِ،

اور ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے تاکہ وہ اپنے قافلے کو بچائیں لیکن قافلے کے بچ جانے کے بعد بھی وہ واپس نہیں آئے۔ اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے تھے اور انہوں نے یہ بات کہہ رکھی تھی کہ ہم واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے حتیٰ کہ شراب پی لیں اور اونٹوں کو ذبح کر لیں اور گانے بجانے والی لونڈیاں ہماری بہادری کے نغمات کو گائیں۔ اور جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اللہ ان کاموں کو جو وہ کر رہے ہیں ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں پر "يَعْمَلُوْنَ" یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی اس کا علم احاطہ کیے ہوئے ہے پس وہ ان کو اس پر جزاء دے گا۔

لشکر کفار کا تکبر وغرور سے نکلنے کا بیان

یہاں "ان لوگوں" سے مراد مشرکین ہیں۔ جن کا سردار ابوجہل اپنا لشکر لے کر مکہ سے بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تاکہ مسلمان انہیں دیکھ کر ہی مرعوب ہو جائیں۔ نیز دوسرے قبائل عرب پر ان کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اسے ابو سفیان کا یہ پیغام مل بھی گیا کہ قافلہ خطرہ سے بچ نکلا ہے لہٰذا تم واپس آ جاؤ۔ لیکن ابوجہل نے غرور سے کہا۔ "اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب ونشاط منعقد نہ کرلیں۔ وہاں گانے بجانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں گی۔ ہم وہاں شراب پئیں گے۔ مزے اڑائیں گے اور تین دن تک اونٹ ذبح کرکے قبائل عرب کی ضیافت کا اہتمام کریں گے تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لیے یادگار رہیں اور ان مٹھی بھر مسلمانوں پر ہمارا ایسا رعب طاری ہو کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کرسکیں۔" گویا اس وقت تک ابوجہل کا ارادہ صرف اپنی شان وشوکت جتلانے اور مسلمانوں پر رعب طاری کرنے کا تھا، لڑائی کا نہ تھا۔ پھر جب مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت وہاں پہنچ گئے اور لڑائی کی فضا بن گئی تو اس وقت بھی چند سرداروں نے ابوجہل کو لڑائی سے روکا۔ مگر پھر اس کا پندار اور غرور غالب آیا اور جن لوگوں نے اسے لڑائی روک دینے کا مشورہ دیا تھا انہیں بزدلی کے طعنے دینے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوگئی اور ابوجہل کو بالخصوص اس عذاب سے دوچار ہونا پڑا جس کی وہ طنزیہ دعا کیا کرتا تھا۔ اس کی موت دو نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں واقع ہوئی اور وہ نہایت ذلت کی موت مرا۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

اور جب شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوشنما بنا دیے اور کہا آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب آنے والا نہیں اور یقیناً میں تمہارا حمایتی ہوں، پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا اور اس نے کہا بے شک میں تم سے بری ہوں، بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔

فرشتوں کو دیکھ کر ابلیس کا میدان بدر سے بھاگ نکلنے کا بیان

"و" اُذْكُرْ "اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَان" اِبْلِيس "اَعْمَالهمْ" بِاَنْ شَجَّعَهُمْ عَلٰى لِقَاء الْمُسْلِمِينَ لَمَّا خَافُوا الْخُرُوج مِنْ اَعْدَائِهِمْ بَنِی بَكْر "وَقَالَ" لَهُمْ "لَا غَالِب لَكُمْ الْيَوْم مِنْ النَّاس وَاِنِّی جَار لَكُمْ" مِنْ كِنَانَة وَكَانَ اَتَاهُمْ فِی صُورَة سُرَاقَة بْن مَالِك سَيِّد تِلْكَ النَّاحِيَة "فَلَمَّا تَرَاءَتْ" اِلْتَقَتْ "الْفِئَتَانِ" الْمُسْلِمَة وَالْكَافِرَة وَرَاَى الْمَلَائِكَة يَده فِی يَد الْحَارِث بْن هِشَام "نَكَصَ" رَجَعَ "عَلٰى عَقِبَيْهِ" هَارِبًا "وَقَالَ" لَمَّا قَالُوا لَهُ اَتَخْذُلُنَا عَلٰى هٰذِهِ الْحَال "اِنِّی بَرِیء مِنْكُمْ" مِنْ جِوَاركُمْ "اِنِّی اَرٰى مَا لَا

تَرَوْنَ" مِنَ الْمَلٰئِکَةِ "اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ" اَنْ یُّهْلِکَنِیْ، وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ،
اور جب شیطان یعنی ابلیس نے ان کے لیے ان کے اعمال خوشنما بنا دیے یعنی ان کو اس وقت لڑنے کا حکم دے دیا جب مسلمانوں کو بنی بکر کی بغاوت کا اندیشہ ہوا۔ اور کہا آج تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب آنے والا نہیں اور یقیناً میں تمہارا کنانہ کی طرف حمایتی ہوں، اور وہ ان کے پاس اس علاقہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت میں آیا پھر جب دونوں جماعتوں یعنی مسلمانوں اور کفار کی جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور جب ابلیس نے فرشتوں کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹا جبکہ اس کا ہاتھ حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا تو مشرکین نے اس سے کہا کہ تو ہمیں ایسی حالت میں چھوڑ کر جانے والا ہے اور اس نے کہا بے شک میں تم سے بری ہوں، یعنی میں تمہاری مدد کرنے سے بری ہوں کیونکہ میں وہ فرشتے دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ وہ کہیں مجھے ہلاک نہ کر دے اور اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔

بھاگتے شیطان کو پکارنے والے کفار کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مدلجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت پہنچا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے ہمت دلائی جب میدان جنگ میں صف بندی ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری اس سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے اس وقت یہ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا آپ کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکروں سمیت بھاگ کھڑا ہوا اس شخص نے کہا سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم ہمارے حمایتی ہو پھر یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں تو اللہ سے ڈرنے والا آدمی ہوں اللہ کے عذاب بڑے بھاری ہیں اور روایت میں ہے کہ اسے پیٹھ پھیرتا دیکھ کر حارث بن ہشام نے پکڑ لیا۔ اس نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا جس سے یہ بیہوش ہو کر گر پڑا دوسرے لوگوں نے کہا سراقہ تو اس حال میں ہمیں ذلیل کرتا ہے؟ اور ایسے وقت ہمیں دھوکہ دیتا ہے وہ کہنے لگا ہاں ہاں میں تم سے بری الذمہ اور بے تعلق ہوں میں انہیں دیکھ رہا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑی سی دیر کے لئے ایک طرح کی بے خودی سی طاری ہوگئی پھر ہوشیار ہو کر فرمانے لگے صحابیو خوش ہو جاؤ یہ ہیں تمہاری دائیں جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام اور یہ ہیں تمہاری بائیں طرف میکائیل علیہ السلام اور یہ ہیں حضرت اسرافیل علیہ السلام تینوں مع اپنی اپنی فوجوں کے آموجود ہوئے ہیں۔ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی صورت میں مشرکوں میں تھا ان کے دل بڑھا رہا تھا اور ان میں پشین گوئیاں کر رہا تھا کہ بےفکر رہو آج تمہیں کوئی ہرا نہیں سکتا۔ لیکن فرشتوں کے لشکر کو دیکھتے ہی اس نے تو منہ موڑا اور یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں تم سے بری ہوں میں انہیں دیکھ رہا ہوں جو تمہاری نگاہ میں نہیں آتے۔ حارث بن ہشام چونکہ اسے سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھا اس لئے اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا اس نے اس کے سینے میں اس زور سے گھونسہ مارا کہ یہ منہ کے بل گر پڑا اور شیطان بھاگ گیا سمندر میں کود پڑا اور اپنا کپڑا اونچا کر کے کہنے لگا یا اللہ میں تجھے تیرا وہ

وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔

طبرانی میں حضرت رفاعہ بن رافع سے بھی اسی کے قریب قریب مروی ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں جب قریشیوں نے مکے سے نکلنے کا ارادہ کیا تو انہیں بنی بکر کی جنگ یاد آ گئی اور خیال کیا کہ ایسا نہ ہو ہماری عدم موجودگی میں یہاں چڑھائی کر دیں قریب تھا کہ وہ اپنے ارادے سے دست بردار ہو جائیں اسی وقت ابلیس لعین سراقہ کی صورت میں ان کے پاس آیا جو بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا کہنے لگا اپنی قوم کا میں ذمہ دار ہوں تم ان کا بے خطر ساتھ دو اور مسلمانوں کے مقابلے کے لئے مکمل تیار ہو کر جاؤ۔ خود بھی ان کے ساتھ چلا ہر منزل میں یہ اسے دیکھتے تھے سب کو یقین تھا کہ سراقہ خود ہمارے ساتھ ہے یہاں تک کہ لڑائی شروع ہو گئی اس وقت یہ مردود دم دبا کر بھاگا۔

حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے اسے جاتے دیکھ لیا اس نے شور مچا دیا کہ سراقہ کہاں بھاگا جا رہا ہے؟ شیطان انہیں موت اور دوزخ کے منہ میں دھکیل کر خود فرار ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اللہ کے لشکروں کو مسلمانوں کی امداد کے لئے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا صاف کہہ یا کہ میں تم سے بری ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اس بات میں وہ سچا بھی تھا۔ پھر کہتا ہے میں اللہ کے خوف سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کے عذاب سخت اور بھاری ہیں۔ اس نے جبرائیل علیہ السلام کو فرشتوں کے ساتھ اترتے دیکھ لیا تھا سمجھ گیا تھا کہ ان کے مقابلے کی مجھ میں یا مشرکوں میں طاقت نہیں وہ اپنے اس قول میں تو جھوٹا تھا کہ میں خوف الٰہی کرتا ہوں یہ تو صرف اس کی زبانی بات تھی دراصل وہ اپنے میں طاقت ہی نہیں پاتا تھا۔ یہی اس دشمن رب کی عادت ہے کہ بھڑکاتا اور بہکاتا ہے حق کے مقابلے میں لا کھڑا کر دیتا ہے پھر روپوش ہو جاتا ہے۔ (طبرانی)

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝
جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ایک بیماری تھی، کہہ رہے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے۔
اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

منافقین کا مسلمانوں کو دین کے نام پر طعنہ دینے کا بیان

"اِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَض " ضَعْف اعْتِقَاد "غَرَّ هٰؤُلَاءِ " اَیْ الْمُسْلِمِيْنَ "دِيْنهمْ" اِذْ خَرَجُوْا مَعَ قِلَّتهمْ يُقَاتِلُوْنَ الْجَمْع الْكَثِيْر تَوَهُّمًا اَنَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ بِسَبَبِهٖ قَالَ تَعَالٰى فِيْ جَوَابهمْ: "وَمَنْ يَّتَوَكَّل عَلَى اللّٰه " يَثِق بِهٖ يَغْلِب "فَاِنَّ اللّٰه عَزِيْز " غَالِب عَلٰى اَمْره "حَكِيْم" فِيْ صُنْعه،

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ایک بیماری تھی یعنی جن کا عقیدہ کمزور تھا، کہہ رہے تھے ان لوگوں کو یعنی مسلمانوں کو

ان کے دین نے دھوکا دیا ہے۔ جبکہ وہ تھوڑی تعداد میں لشکر کثیر کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے یہ سمجھ کر نکلے ہیں کہ وہ اس پر کامیاب ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے جواب میں ارشاد فرمایا اور جو اللہ پر بھروسہ کرے وہی غلبہ حاصل کرے تو بے شک اللہ اپنے حکم میں سب پر غالب، اپنے صنعت میں کمال حکمت والا ہے۔

جب دونوں فوجیں صف بندی کر کے آمنے سامنے آ گئیں تو اللہ کی قدرت وحکمت سے مسلمان کافروں کو بہت کم نظر آنے لگے اور کافر مسلمانوں کی نگاہ میں کم جچنے لگے۔ اس پر کافروں نے قہقہہ لگایا کہ دیکھو مسلمان کیسے مذہبی دیوانے ہیں؟ مٹھی بھر آدمی ہم ایک ہزار کے لشکر سے ٹکرا رہے ہیں ابھی کوئی دم میں ان کا چورا ہو جائے گا پہلے ہی حملے میں وہ چوٹ کھائیں گے کہ سر ہلاتے رہ جائیں۔ رب العالمین فرماتا ہے انہیں نہیں معلوم کہ یہ متوکلین کا گروہ ہے ان کا بھروسہ اس پر ہے جو غلبہ کا مالک ہے، حکمت کا مالک ہے اللہ کے دین کی سختی مسلمانوں میں محسوس کر کے ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ انہیں ذہبی دیوانگی ہے۔ دشمن الٰہی ابوجہل ملعون ٹیلے کے اوپر سے جھانک کر اللہ والوں کی کمی اور بے سروسامانی دیکھ کر گدھے کی طرح پھول گیا اور کہنے لگا لو پالا مار لیا ہے، بس آج سے اللہ کی عبادت کرنے والوں سے زمین خالی نظر آئے گی، ابھی ہم ان میں سے ایک ایک کے دو دو کر کے رکھ دیں گے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دین میں طعنہ دینے والے مکہ کے منافق تھے۔ عامر کہتے ہیں یہ چند لوگ تھے جو زبانی مسلمان ہوئے تھے لیکن آج بدر کے میدان میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ انہیں مسلمانوں کی کمی اور کمزوری دیکھ کر تعجب معلوم ہوا اور کہا کہ یہ لوگ تو مذہبی فریب خوردہ ہیں۔

مجاہد کہتے ہیں یہ قریش کی ایک جماعت تھی قیس بن ولید بن مغیرہ، ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ، حارث بن زمعہ بن اسود بن عبدالمطلب اور علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج یہ قریش کے ساتھ تھے لیکن یہ متردد تھے اور اسی میں رکے ہوئے تھے یہاں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہنے لگے یہ لوگ تو صرف مذہبی مجنوں ہیں ورنہ مٹھی بھر بیر سدا اور بے ہتھیار آدمی اتنی ٹڈی دل شوکت وشان والی فوجوں کے سامنے کیوں کھڑے ہو جاتے؟ حسن فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بدر کی لڑائی میں نہیں آئے تھے ان کا نام منافق رکھ دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ قوم اسلام کا اقرار کرتی تھی لیکن مشرکوں کی رو میں بہہ کر یہاں چلی آئی یہاں آکر مسلمانوں کا قلیل سا لشکر دیکھ کر انہوں نے یہ کہا جناب باری جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو اس مالک الملک پر بھروسہ کرے اسے وہ ذی عزت کر دیتا ہے کیونکہ عزت اس کی لونڈی ہے، غلبہ اس کا غلام ہے وہ بلند جناب ہے وہ بڑا ذی شان ہے وہ سچا سلطان ہے۔ وہ حکیم ہے اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں وہ ہر چیز کو اس کی ٹھیک جگہ رکھتا ہے۔ مستحقین امداد کی وہ مدد فرماتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝
اور کاش! تو دیکھے جب فرشتے ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، ان کے چہروں اور
پشتوں پر مارتے ہیں اور جلانے کا عذاب چکھو۔

فرشتوں کا کفار کو مارنے کے قابل دید مشاہدے کا بیان

"وَلَوْ تَرٰی" یَا مُحَمَّدُ "اِذْ یَتَوَفَّی" بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ "الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ" حَال "وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ" بِمَقَامِعَ مِنْ حَدِیْدٍ "وَ" یَقُوْلُوْنَ لَھُمْ "ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ" اَیْ النَّارِ وَجَوَابُ لَوْ: لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا،

یا محمد ﷺ آپ مشاہدہ فرماتے جب فرشتے ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں یہاں پر یتوفی یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے جنہوں نے کفر کیا، ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں یہاں پر یضربون یہ وجوھھم و ادبارھم سے حال ہے یعنی ان کے کلیوں پر ہتھوڑوں سے مارتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ جلا دینے والے عذاب کو چکھو۔ یعنی جہنم کی آگ کا عذاب چکھو اور یہ جملہ "لَرَاَیْتَ اَمْرًا عَظِیْمًا،" کا جواب ہے۔

کفار کے لیے سکرات موت کا وقت بڑا شدید ہے

کاش لوگ دیکھتے کہ فرشتے کس بری طرح کافروں کی روح قبض کرتے ہیں وہ اس وقت ان کے چہروں اور کمروں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں آگ کا عذاب اپنی بداعمالیوں کے بدلے چکھو۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ بھی بدر کے دن کا ہے کہ سامنے سے ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب بھاگتے تھے تو پیٹھ پر وار پڑتے تھے فرشتے انکا خوب بھرتہ بنا رہے تھے۔ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں نے ابوجہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے نشان دیکھے ہیں آپ نے فرمایا ہاں یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ آیت بدر کے ساتھ مخصوص تو نہیں الفاظ عام ہیں ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ چونکہ یہ نافرمان لوگ تھے ان کی موت سے بدن میں چھپتی پھرتی ہیں جنہیں فرشتے جبراً گھسیٹا جاتا ہے جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اتارا جائے اسی کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آجاتے ہیں۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں اب جلنے کا مزہ چکھوں۔ یہ تمہاری دینوی بداعمالی کی سزا ہے اللہ تعالیٰ ظالم نہیں وہ تو عادل حاکم ہے۔

ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۝
یہ ان کے بدلہ میں ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور اللہ ہرگز بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں۔

ظالموں کے اعمال بد کے سبب عذاب ہونے کا بیان

"ذٰلِکَ" التَّعْذِیْبُ "بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ" عَبَّرَ بِھَا دُوْنَ غَیْرِھَا لِاَنَّ اَکْثَرَ الْاَفْعَالِ تُزَاوَلُ بِھَا "وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ" اَیْ بِذِیْ ظُلْمٍ "لِّلْعَبِیْدِ" فَیُعَذِّبُھُمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ،

یہ عذاب ان اعمال بد کے بدلہ میں ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے یہاں اعمال کو ہاتھوں سے تعبیر کیا جبکہ دوسرے اعضاء سے تعبیر نہیں کیا کیونکہ اکثر اعمال ہاتھوں سے سرانجام پاتے ہیں اور اللہ ہرگز بندوں پر ظلم کر کے ظلم فرمانے والا نہیں۔ یعنی وہ

گناہ کے بغیر ان کو عذاب نہیں دیتا۔

ظلم کی حرمت کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اللہ عزوجل نے فرمایا اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے کہ جسے میں ہدایت دوں تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں کھلاؤں تو تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں پہناؤں تو تم مجھ سے لباس مانگو تو میں تمہیں لباس پہناؤں گا اے میرے بندو تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہوں کو بخشتا ہوں تو تم مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا اے میرے بندو تم مجھے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی ہرگز مجھے نفع پہنچا سکتے ہو اے میرے بندو اگر تم سب اولین و آخرین اور جن وانس اس آدمی کے دل کی طرح ہو جاؤ جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو تو بھی تم میری سلطنت میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔

اور اگر سب اولین اور آخرین اور جن وانس اس ایک آدمی کی طرح ہو جاؤ کہ جو سب سے زیادہ بدکار ہے تو پھر بھی تم میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں کر سکتے اے میرے بندو اگر تم سب اولین اور آخرین اور جن اور انس ایک صاف چٹیل میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگنے لگو اور میں ہر انسان کو جو وہ مجھ سے مانگے عطا کر دوں تو پھر بھی میرے خزانوں میں اس قدر بھی کمی نہیں ہوگی جتنی کہ سمندر میں سوئی ڈال کر نکالنے سے۔ اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں کہ جنہیں میں تمہارے لئے اکٹھا کر رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جو آدمی بہتر بدلہ پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو بہتر بدلہ نہ پائے تو وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے حضرت سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوادریس خولانی جب یہ حدیث بیان کرتے تھے تو اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاتے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2071)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
قوم فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے حال کی مانند ہے۔ انہوں نے بھی اللہ کی آیات کا انکار کیا تھا، سو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا۔ بیشک اللہ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے۔

موجودہ کفار کی حالت لشکر فرعون کے کفار کی طرح ہونے کا بیان

"كَدَاْبِ" كَعَادَةِ "اٰلِ فِرْعَوْن وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلهمْ كَفَرُوْا بِاٰيَاتِ اللّٰه فَاَخَذَهُمْ اللّٰه" بِالْعِقَابِ "بِذُنُوْبِهِمْ" جُمْلَة كَفَرُوْا وَمَا بَعْدهَا مُفَسِّرَة لِمَا قَبْلهَا "اِنَّ اللّٰه قَوِيّ" عَلٰى مَا يُرِيْدهُ، شَدِيْدُ

الْعِقَابِ،

ان کافروں کا حال بھی قومِ فرعون اوران سے پہلے کے لوگوں کے حال کی مانند ہے۔انہوں نے بھی اللہ کی آیات کا انکار کیا تھا، سو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کے باعث عذاب میں پکڑ لیا۔ یہاں پر جملہ کفروا اور اس کا مابعد اپنے ماقبل کی تفسیر ہے۔ بیشک اللہ قوت والا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

کفار اللہ کے ازلی دشمن ہیں

ان کافروں نے بھی تیرے ساتھ وہی کیا جو ان سے پہلے کافروں نے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا تھا پس ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی کیا جو ہم نے ان سے گذشتہ لوگوں کے ساتھ کیا تھا جو ان ہی جیسے تھے۔ مثلاً فرعونی اور ان سے پہلے کے لوگ جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو نہ مانا جس کے باعث اللہ کی پکڑ ان پر آئی۔ تمام قوتیں اللہ ہی کی ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں کوئی نہیں جو اس پر غالب آسکے کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر اَرزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اَز خود اپنی
حالتِ نعمت کو بدل دیں (یعنی کفرانِ نعمت اور معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوں اور پھر ان میں احساسِ زیاں بھی باقی نہ رہے
تب وہ قوم ہلاکت و بربادی کی زد میں آجاتی ہے)، بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

"ذٰلِكَ" اَىْ تَعْذِيبُ الْكَفَرَةِ "بِاَنَّ" اَىْ بِسَبَبِ اَنَّ "اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ" مُبَدِّلًا لَّهَا بِالنِّقْمَةِ "حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" يُبَدِّلُوْا نِعْمَتَهُمْ كُفْرًا كَتَبْدِيلِ كُفَّارِ مَكَّةَ اِطْعَامَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَاَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ وَبَعْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ بِالْكُفْرِ وَالصَّدِّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَقِتَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ،

یہ کفار کا عذاب اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر اُرزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ اَز خود اپنی حالتِ نعمت کو بدل دیں۔ جس طرح کفار مکہ نے نعمت کو ناشکری سے بدل دیا تو ان کے لئے کھانے کو بھوک سے اور امن کو خوف میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور بعثت محمدی ﷺ جو نعمت تھی اس سے وہ یوں محروم ہوئے کہ اب انہوں نے کفر کی طرف بلانا اور اللہ کی راہ سے روکنا شروع کر دیا۔ اور اہل ایمان سے جنگ کرنے کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔

یعنی کفرانِ نعمت اور معصیت و نافرمانی کے مرتکب ہوں اور پھر ان میں احساسِ زیاں بھی باقی نہ رہے تب وہ قوم ہلاکت و بربادی کی زد میں آجاتی ہے بیشک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

اور زیادہ بدتر حال میں مبتلا نہ ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو روزی دے کر بھوک کی تکلیف رفع کی، امن دے کر خوف سے نجات دی اور ان کی طرف اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث کیا۔ انہوں نے ان نعمتوں پر شکر تو نہ کیا بجائے اس کے یہ سرکشی کی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی، ان کی خوں ریزی کے درپے ہوئے اور لوگوں کو راہِ حق سے روکا سدی نے کہا کہ اللہ کی نعمت حضرت سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۝
یہ (عذاب بھی) قومِ فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے دستور کی مانند ہے، انہوں نے (بھی) اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا سو ہم
نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر ڈالا اور ہم نے فرعون والوں کو (دریا میں) غرق کر دیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔

آل فرعون کے لئے عذاب آنے کا بیان

"كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ" قَوْمَه مَعَهُ "وَكُلٌّ" مِنَ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَة،

یہ عذاب بھی قومِ فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے دستور کی مانند ہے، انہوں نے (بھی) اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا سو ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر ڈالا اور ہم نے فرعون والوں یعنی اس کو قوم اور اس کے سارے جھوٹوں کو دریا میں غرق کر دیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔

ان کفار مکہ سے پہلے ہم نے آل فرعون پر اور بہت سی دوسری اقوام پر انعامات کی بارش کی تھی۔ لیکن انہوں نے ان انعامات کی ناقدری کی۔ ان کی نیتوں میں فتور آ گیا۔ اللہ کا شکر ادا کرنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے کے بجائے وہ اس کی نافرمانی اور سرکشی پر اتر آئے تھے۔ لہٰذا ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں تباہ و برباد کر ڈالا اور آل فرعون کو تو سمندر میں ڈبو کر ان کا نام و نشان تک ختم کر ڈالا۔ یہ سب قومیں نافرمان تھیں اور سب ہی ہلاک کر دی گئی تھیں تو اب کیا یہ کافر اپنے انجام بد سے محفوظ رہ سکتے ہیں؟

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝
بیشک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے (بھی) بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔

دین کو نہ سمجھنے والوں کا جانوروں سے بھی بدتر ہونے کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ قُرَيْظَة "اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ"

یہ آیت مبارکہ قریظہ کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بیشک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔

اس میں لفظ دواب دابہ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں سب کو یہ لفظ شامل ہے مگر عام محاورات میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ان لوگوں کا حال بے شعوری میں جانوروں سے بھی زیادہ گرا ہوا تھا اس لئے اس لفظ سے تعبیر کیا گیا۔معنی آیت کے واضح ہیں کہ تمام جانوروں اور انسانوں میں سب سے بدترین جانور یہ لوگ ہیں۔آخر آیت میں فرمایا (آیت) فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی خداداد استعداد و قابلیت کو ضائع کر دیا، چوپائے جانوروں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے کو مقصد زندگی بنالیا، اس لئے ان کی رسائی ایمان تک نہیں ہو سکتی۔

حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے چھ آدمیوں کے بارہ میں آئی ہے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ٥
وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

بار بار عہد کو توڑ دینے والوں کا بیان

"اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ " اَنْ لَّا يُعِيْنُوا الْمُشْرِكِيْنَ "ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدهمْ فِيْ كُلّ مَرَّة " عَاهَدُوْا فِيْهَا "وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ" اللّٰه فِيْ غَدْرهمْ،

وہ لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ مشرکین کی مدد نہیں کریں گے۔پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں یعنی جس بات کا انہوں نے عہد کیا تھا اور ڈرتے نہیں۔یعنی غداری کرنے میں اللہ سے نہیں ڈرتے۔

سورہ انفال آیت ۵۶ کے شان نزول کا بیان

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ، الانفال،اور اس کے بعد کی آیتیں بنی قریظہ کے یہودیوں کے حق میں نازل ہوئیں جن کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد تھا کہ وہ آپ سے نہ لڑیں گے، نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، انہوں نے عہد توڑا اور مشرکین مکہ نے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی تو انہوں نے ہتھیاروں سے ان کی مدد کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معذرت کی کہ ہم بھول گئے تھے اور ہم سے قصور ہوا پھر دوبارہ عہد کیا اور اس کو بھی توڑا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں سب جانوروں سے بدتر بتایا کیونکہ کفار سب جانوروں سے بدتر ہیں اور باوجود کفر کے عہد شکن بھی ہوں تو اور بھی خراب۔خدا سے نہ عہد شکنی کے خراب نتیجے سے اور نہ اس سے شرماتے ہیں باوجود یہ کہ عہد شکنی ہر عاقل کے نزدیک شرمناک جرم ہے اور عہد شکنی کرنے والا سب کے نزدیک بے اعتبار ہو جاتا ہے۔جب اس کی بے غیرتی اس درجہ پہنچ گئی تو یقیناً وہ جانوروں سے بدتر ہیں۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ انفال، لاہور)

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○

اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں تو ان کے عبرت ناک قتل کے ذریعے ان کے پچھلوں کو بھی بھگا دیں تا کہ انہیں نصیحت حاصل ہو۔

جنگ میں کفار کو عبرت کا نشان بنا دینے کا بیان

"فَاِمَّا" فِيهِ اِدْغَام نُوْنِ اِنْ الشَّرْطِيَّة فِيْ مَا الْمَزِيدَة "تَثْقَفَنَّهُمْ" تَجِدَنَّهُمْ "فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ" فَرِّقْ "بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ" مِنَ الْمُحَارِبِينَ بِالتَّنْكِيلِ بِهِمْ وَالْعُقُوبَة "لَعَلَّهُمْ" اَيْ الَّذِيْنَ خَلْفَهُمْ "يَذَّكَّرُوْنَ" يَتَّعِظُوْنَ بِهِمْ،

یہاں پر "فَاِمَّا" میں مازائدہ کے ساتھ ان شرطیہ کے نون کا ادغام ہے۔ اگر آپ انہیں میدانِ جنگ میں پالیں تو ان کے عبرت ناک قتل کے ذریعے ان کے پچھلوں کو بھی بھگا دیں یعنی جنگ میں پستی وسزا ملنے کے سبب بعد والوں عبرت حاصل ہوتا کہ انہیں نصیحت حاصل ہو۔

یہود مدینہ کی لاف زنی اور بزدلی اور انجام کا بیان

یہود مسلمانوں سے معاہدہ امن و آشتی کے باوجود اپنی شرارتوں، فتنہ انگیزیوں اور عہد شکنیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ بڑ مارنے اور شیخیاں بگھارنے میں بڑے ماہر تھے۔ مگر بزدل انتہا درجہ کے تھے غزوہ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان کے بازار واقع محلہ بنوقینقاع میں تشریف لے گئے اور یہود کو جمع کر کے انہیں ان کی ایسی شرانگیز حرکتوں پر عار دلائی اور فرمایا کہ ایسے کاموں سے باز آ جاؤ اور اسلام قبول کر لو تو تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ ورنہ تمہیں بھی ایسی ہی مار پڑے گی جیسی قریش مکہ کو پڑ چکی ہے۔

اس دعوت کا انہوں نے انتہائی توہین آمیز جواب دیا اور کہنے لگے۔ تمہارا سابقہ قریش کے اناڑی لوگوں سے پڑا تھا اور تم نے میدان مار لیا۔ ہم سے پالا پڑا تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔" ان کا یہ جواب دراصل معاہدہ امن کو توڑنے اور اعلان جنگ کرنے کے مترادف تھا تاہم آپ نے صبر سے کام لیا۔ پھر انہی دنوں یہودیوں نے انصار کی ایک عورت عصمت ریزی کر دی جس پر مسلمانوں اور بنوقینقاع میں بلوہ ہو گیا۔ اب ان سے جنگ کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ لشکر لے کر ان کے ہاں جا پہنچے تو یہ جوانمردی کی ڈینگیں مارنے والے اور قریش کو بزدلی کا طعنہ دینے والے یہود سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کر سکے اور فوراً قلعہ بند ہو گئے۔ پندرہ دن تک قلعہ میں محصور رہنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا۔ پھر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین جس سے ان یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ ساز باز رہی، کی پرزور سفارش پر آپ نے انہیں قید معاف کر دی اور جلاوطن کر دیا اور یہ لوگ شام کو چلے گئے۔ اس کے بعد اسی طرح بنونضیر جلاوطن ہوئے۔ پھر جنگ خندق کے بعد بنوقریظہ بھی قلعہ بند ہوئے جو بالآخر قتل کئے گئے اور بچے اور عورتیں غلام بنائے گئے۔ خیبر کے موقعہ پر بھی یہود قلعہ بند ہو گئے۔ غرض جب بھی لڑائی کا موقعہ پیش آیا تو ان یہود کو کھلے میدان میں مسلمانوں سے لڑنے کی کبھی جرأت ہی نہ ہوئی حتیٰ کہ غزوہ احد اور غزوہ

خندق کے موقعہ پر کفار کے ساتھ مل کر بھی انہیں کھلے میدان میں سامنے آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ یہ لوگ ہمیشہ سازشوں، شرارتوں، فتنہ انگیزیوں اور عہد شکنیوں سے ہی مسلمانوں کو پریشان کرتے رہے تاہم انہیں وہ سزا ملتی ہی رہی جو اس آیت میں مذکور ہے۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۠
اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دیں، بیشک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا

عہد شکنی کی اطلاع کے بعد عہد کو توڑ دینے کا بیان

"وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ" عَاهَدُوك "خِيَانَةً" فِيْ عَهْدٍ بِاَمَارَةٍ تَلُوح لَكَ "فَانْبِذْ" اطْرَحْ عَهْدَهُمْ "اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ" حَالٌ اَيْ مُسْتَوِيًا اَنْتَ وَهُمْ فِي الْعِلْمِ بِنَقْضِ الْعَهْدِ بِاَنْ تُعْلِمَهُمْ بِهِ لِئَلَّا يَتَّهِمُوكَ بِالْغَدْرِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ،

اور اگر آپ کو کسی قوم عہد شکنی کے سبب خیانت کا اندیشہ ہو یعنی عہد میں ایسی علامات جو آپ کو معلوم ہیں تو ان کا عہد ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دیں۔ یہاں پر علی سواء یہ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اور ان کی عہد شکنی کی اطلاع آپ کے پاس آجائے۔ تاکہ وہ آپ عہد شکنی کو تہمت کو آپ کی طرف منسوب نہ کر دیں۔ بیشک اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔

سورہ انفال آیت ۵۸ کے شانِ نزول کا بیان

ابن شہاب کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے اسلحہ اتار دیا حالانکہ میں تو ابھی تک قوم کی تلاش میں ہوں آپ نکلیں، اللہ نے آپ کو قریظہ کے بارے میں اجازت دے دی اور اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 133، تفسیر ابن کثیر 2۔320)

عہد توڑنے والے کفار سے جنگ کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سعد کو غزوہ خندق کے دن قریش کے ایک آدمی کا تیر لگا جس کو ابن عرقہ کہا جاتا تھا اس کا وہ تیر بازو کی ایک رگ میں لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اس کے لئے ایک خیمہ نصب کروادیا تاکہ پاس ہی ان کی عیادت کر سکیں پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے واپس آئے اور ہتھیار اتارے غسل فرمایا تو جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار اتار دیے ہیں، اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہ اتاریئے بلکہ ان کی طرف نکلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہاں، جبرائیل نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اترنے پر رضامندی ظاہر کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فیصلہ کو سعد کی طرف بدل دیا تو

انہوں نے کہا کہ میں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں سے لڑائی کرنے والے کو قتل کر دیں اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیں اور ان کے مال کو تقسیم کر لیں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 101)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخم اچھا ہونے کے بعد بھر چکا تھا انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ! تو جانتا ہے میرے نزدیک تیرے راستہ میں اس قوم سے جہاد کرنے سے جس نے تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور انہیں نکال دیا اور کوئی چیز محبوب نہیں اے اللہ! اگر قریش کے خلاف لڑائی کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے تو تو مجھے باقی رکھ تاکہ میں ان کے ساتھ تیرے راستہ میں جہاد کروں اے اللہ! میرا گمان ہے کہ اگر تو نے ہمارے، اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے پس اگر تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے تو اس کو کھول دے اور اسی میں میری موت واقع کر دے پس وہ زخم ان کی ہنسلی سے بہنا شروع ہو گیا۔

اور مسجد میں ان کے ساتھ بنی غفار کا خیمہ تھا تو وہ اس خون کو اپنے خیمے میں جانے سے روک نہ سکے تو انہوں نے کہا اے خیمہ والو یہ کیا چیز ہے جو تمہارے طرف سے ہمارے پاس آ رہی ہے پس اچانک دیکھا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا اور اسی سبب سے وہ فوت ہو گئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 103)

امام مسلم علیہ الرحمہ نے مذکورہ حدیث کو عہد شکنی کرنے والوں سے جنگ کرنے کے بیان میں لکھا ہے۔

علامہ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صلح کے بعد اگر کسی کافر نے لڑنا شروع کیا اور یہ انکے بادشاہ کی اجازت سے ہے تو اب صلح نہ رہی اور اگر بادشاہ کی اجازت سے نہ ہو بلکہ شخص خاص یا کوئی جماعت بغیر اجازت بادشاہ برسرِ پیکار ہے۔ تو صرف انہیں قتل کیا جائے ان کے حق میں صلح نہ رہی باقیوں کے حق میں باقی ہے۔ (مجمع الانہر، کتاب الجہاد)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝
اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بیشک وہ عاجز نہیں کرتے۔

میدان بدر سے بھاگنے والے کفار اللہ کی طاقت کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں

وَنَزَلَ فِيْمَنْ اَفْلَتَ يَوْمَ بَدْرٍ "وَلَا يَحْسَبَنَّ" يَا مُحَمَّدُ "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا" اللّٰهَ اَىْ فَاتُوْهُ "اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ" لَا يَفُوْتُوْنَهٗ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالتَّحْتَانِيَّةِ فَالْمَفْعُوْلُ الْاَوَّلُ مَحْذُوْفٌ اَىْ اَنْفُسَهُمْ وَفِىْ اُخْرٰى بِفَتْحِ اِنَّ عَلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ،

یہ آیت یوم بدر کے دن بھاگ کر جان بچانے والے مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ یا محمد ﷺ یہ کافر ہرگز اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بیشک وہ عاجز نہیں کرتے۔ یعنی وہ اس کی طاقت سے اپنے آپ کو بچا سکنے والے نہیں ہیں۔ اور وَلَا يَحْسَبَنَّ ایک قرأت میں یا تحتانیہ کے ساتھ ہے۔ اور "وَلَا يَحْسَبَنَّ" کا مفعول اول محذوف ہے اور وہ انفسهم ہے۔ اور دوسری قرأت میں اَن کی فتحہ کے ساتھ لام تقدیری کے ساتھ آیا ہے یعنی لانهم ہے۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ
وَعَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝
اوران کے مقابلے کے لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، جتنی کرسکو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے
دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈراؤ گے، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں
خرچ کرو گے وہ تمہاری طرف پوری لوٹائی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنے کا بیان

"وَاَعِدُّوا لَهُمْ" لِقِتَالِهِمْ "مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّة" قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (هِيَ الرَّمْي) رَوَاهُ مُسْلِم "وَمِنْ رِبَاط الْخَيْل" مَصْدَر بِمَعْنٰى حَبْسهَا فِيْ سَبِيْل اللّٰه "تُرْهِبُوْنَ" تُخَوِّفُوْنَ "بِهٖ عَدُوّ اللّٰه وَعَدُوّكُمْ" اَيْ كُفَّار مَكَّة "وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنهمْ" اَيْ غَيْرهمْ وَهُمْ الْمُنَافِقُوْنَ اَوْ الْيَهُوْد "لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰه يَعْلَمهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْء فِيْ سَبِيْل اللّٰه يُوَفَّ اِلَيْكُمْ" جَزَاؤُهُ "وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ" تُنْقَصُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا

اور جنگ میں ان کے مقابلے کے لیے قوت سے تیاری رکھو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور وہ تیر اندازی ہے۔ (مسلم) اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، جتنی کرسکو، یہاں رباط مصدر ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کام آنے کے لئے ان کو باندھ رکھو جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن یعنی کفار مکہ کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ یعنی منافقین کو یا یہود کو ڈراؤ گے، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمہاری طرف پوری لوٹائی جائے گی یعنی اس کی جزاء دی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی ان کی جزاء میں کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی۔

کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے تیر اندازی کے ساتھ تیار رہنے کا بیان

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اور تم کافروں سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت وقوت کی جو بھی چیز تیار و فراہم کرسکتے ہو کرو۔ یاد رکھو! تیر اندازی قوت ہے۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 975)

تیر اندازی قوت ہے کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ آیت (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ) 8۔ الانفال:60) یعنی تم کفار سے جنگ کرنے کے لئے اپنی طاقت وقوت کی جو بھی چیز تیار و فراہم کرسکتے ہو کرو، تو اس آیت میں "قوت" سے مراد تیر اندازی ہے۔

تفسیر بیضاوی وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ "قوت" سے مراد ہر وہ چیز جس کے ذریعہ انسان لڑائی میں طاقت وقوت حاصل کرسکتا ہے! اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "قوت" سے تیراندازی مراد لینا شاید اس بناء پر ہے کہ اس زمانہ میں اور چیزوں کی بہ نسبت یہ چیز یعنی تیراندازی سب سے زیادہ طاقت وقوت کا ذریعہ بھی تھی اور سہل العمل بھی۔

صالح بن کیسان، ایک آدمی، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر یہ آیت پڑھی (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ، 8۔الانفال 60) اور ان سے لڑنے کے لئے جو کچھ سپاہیانہ قوت اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جمع کرسکو سو تیار رکھو پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا جان لو کہ قوت سے مراد تیر چلانا ہے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین پر فتوحات عطا کرے گا۔ پھر تم لوگ محنت ومشقت سے محفوظ ہوگے۔ لہٰذا تیراندازی میں سستی نہ کرنا۔ بعض راوی یہ حدیث اسامہ بن زید سے وہ صالح بن کیسان سے اور وہ عقبہ بن عامر سے نقل کرتے ہیں۔ اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ صالح بن کیسان نے عقبہ بن عامر کو نہیں پایا۔ البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پایا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1025)

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
اور اگر وہ (کفار) صلح کے لئے جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔
بیشک وہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

مد مقابل جماعت سے معاہدہ کرنے کا بیان

"وَاِنْ جَنَحُوا" مَالُوْا "لِلسَّلْمِ" بِكَسْرِ السِّين وَفَتْحهَا: الصُّلْح "فَاجْنَحْ لَهَا" وَعَاهِدْهُمْ وَقَالَ ابْن عَبَّاس: هَذَا مَنْسُوخ بِآيَةِ السَّيْف وَقَالَ مُجَاهِد: مَخْصُوص بِاَهْلِ الْكِتَاب اِذْ نَزَلَتْ فِي بَنِي قُرَيْظَة "وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰه" ثِقْ بِهِ "اِنَّهُ هُوَ السَّمِيع" لِلْقَوْلِ "الْعَلِيم" بِالْفِعْلِ

اور اگر وہ کفار صلح کے لئے جھکیں، یہاں پر سلم سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ آئی ہے۔ جس کا معنی صلح ہے۔ تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں، یعنی ان سے صلح کرلیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جہاد والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہے اور مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ حکم بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ بیشک وہی قول کو خوب سننے والا فعل کو جاننے والا ہے۔

اطلاع کے فوری بعد جنگ نہ کرنے کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو صلح کرنا جائز ہے اگرچہ کچھ مال لے کر یا دے کر صلح کی جائے اور صلح کے بعد اگر مصلحت صلح توڑنے میں ہو تو توڑ دیں مگر یہ ضرور ہے کہ پہلے انھیں اس کی اطلاع کر دیں اور

اطلاع کے بعد فوراً جنگ شروع نہ کریں بلکہ اتنی مہلت دیں کہ کافر بادشاہ اپنے تمام ممالک میں اس خبر کو پہنچا سکے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ صلح میں کوئی میعاد نہ ہو اور اگر میعاد ہو تو میعاد پوری ہونے پر اطلاع کی کچھ حاجت نہیں۔

مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کافروں میں کسی ایک کو یا جماعت یا ایک شہر کے رہنے والوں کو پناہ دیدی تو امان صحیح ہے اب قتل جائز نہیں اگرچہ امان دینے والا فاسق یا اندھا یا بہت بوڑھا ہو۔ اور بچہ یا غلام کی امان صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ انھیں جنگ کی اجازت مل چکی ہو ورنہ صحیح نہیں۔ امان صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ کفار نے لفظ امان سنا ہو اگرچہ کسی زبان میں ہو اگرچہ اس لفظ کے معنی وہ نہ سمجھتے ہوں اور اگر اتنی دور پر ہوں کہ سن نہ سکیں تو امان صحیح نہیں۔ (درمختار، کتاب سیر)

علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امان میں نقصان کا اندیشہ ہو تو بادشاہِ اسلام اس کو توڑ دے مگر توڑنے کی اطلاع کردے اور امان دینے والا اگر جانتا تھا کہ اس حالت میں امان دینا منع تھا اور پھر دیدی تو اس کو سزا دی جائے۔

(مجمع الانہر، کتاب الجہاد)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ذمی اور تاجر اور قیدی اور مجنون اور جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی ہجرت نہ کی ہو اور وہ بچہ اور غلام جنھیں جنگ کی اجازت نہ ہو یہ لوگ امان نہیں دے سکتے۔ (درمختار، کتاب سیر)

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭهُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بیشک آپ کے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے
اور اہلِ ایمان کے ذریعے طاقت بخشی۔

آپ ﷺ کے لئے اللہ اور مؤمنین کی مدد کے کافی ہونے کا بیان

"وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ" بِالصُّلْحِ لِيَسْتَعِدُّوا لَكَ "فَاِنَّ حَسْبَكَ" كَافِيكَ "اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ"

اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو صلح کے ذریعے دھوکہ دیں کہ وہ آپ کے خلاف تیاری خوب کرلیں۔ تو بیشک آپ کے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے اور اہلِ ایمان کے ذریعے طاقت بخشی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ذات الرقاع پہنچ گئے تو جب ہم ایک سایہ دار درخت پر پہنچے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں چھوڑ دیا راوی نے کہا کہ مشرکوں میں سے ایک آدمی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی تو اس آدمی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کی اور کہنے لگا کہ کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں اس آدمی نے کہا کہ تمہیں کون مجھ سے بچائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نے اس آدمی کو ڈرایا دھمکایا تو اس نے تلوار میان میں ڈال کر لٹکا دی نماز کے لئے اذان دی گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائی

وہ جماعت پیچھے چلی گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار رکعتیں ہوگئیں اور جماعت کی دو رکعتیں ہوئیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1943)

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝
اوران کے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ
ڈالتا اور لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دلوں کے درمیان الفت ہو جانے کا بیان

"وَاَلَّفَ" جَمَعَ "بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ" بَعْدَ الْإِحَنِ "لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَا اَلَّفْت بَيْن قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰه اَلَّفَ بَيْنهمْ" بِقُدْرَتِهِ "اِنَّهٗ عَزِيْز" غَالِب عَلٰى اَمْره "حَكِيْم" لَا يَخْرُج شَيْء عَنْ حِكْمَته.

اور عدوات کے بعد ان کے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی، اگر تو زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتا ان کے دلوں کے درمیان الفت نہ ڈالتا اور لیکن اللہ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ اپنے حکم پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ یعنی اس کی حکمت سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ان کی یہ محبت راہ حق میں تھی توحید و سنت کی بنا پر تھی۔ ابن عباس فرماتے ہیں رشتے داریاں ٹوٹ جاتی ہیں احسان کی بھی ناشکری کر دی جاتی ہے لیکن جب اللہ کی جانب سے دل ملا دیئے جاتے ہیں انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا ہے پھر آپ نے اسی جملے کی تلاوت فرمائی۔

عبدہ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں میری حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے مصافحہ کر کے فرمایا کہ جب دو شخص اللہ کی راہ میں محبت رکھنے والے آپس میں ملتے ہیں ایک دوسرے خندہ پیشانی سے ہاتھ ملاتے ہیں تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے میں نے کہا یہ کام تو بہت آسان ہے فرمایا یہ نہ کہو یہی الفت وہ ہے، جس کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے خزانے خرچ کر دے تو بھی یہ تیرے بس کی بات نہیں کہ دلوں میں الفت ومحبت پیدا کر دے۔ ان کے اس فرمان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھ سے بہت زیادہ سمجھ دار ہیں۔ ولید بن ابی مغیث کہتے ہیں میں نے حضرت مجاہد سے سنا کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں میں نے پوچھا صرف مصافحہ سے ہی؟ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ پھر آپ نے اسی جملے کی تلاوت کی۔ تو حضرت ولید نے فرمایا تم مجھ سے بہت بڑے عالم ہو۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں سب سے پہلے چیز جو لوگوں میں سے اٹھ جائے گی وہ الفت ومحبت ہے۔

طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی سے مل کر اس سے مصافحہ کرتا

ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے ہوا سے۔ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گو وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال، بیروت)

يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ٥
آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی۔

اللہ اور ایمان والوں کی مدد کا بیان

"يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبك اللّٰه وَ" حَسْبك "مَنْ اتَّبَعَكَ مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ"

آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مسلمان کافی ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی۔

سورہ انفال آیت ۶۵ کے شانِ نزول کا بیان

سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتالیس آدمی ایمان لے آئے پھر حضرت عمر نے بھی اسلام قبول کر لیا اور یہ چالیس حضرات ہو گئے۔

تو جبرائیل علیہ السلام اللہ کا یہ فرمان لے کر اترے يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اے نبی خدا تم کو اور مومنوں کو جو تمہارے پیرو ہیں کافی ہیں۔ (نیسا بوری 200، سیوطی 133، قرطبی 8-42)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایمان سے صرف تینتیس مرد اور چھ عورتیں مشرّف ہو چکے تھے تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ اس قول کی بنا پر یہ آیت مکی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مدنی سورت میں لکھی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر میں قبل قتال نازل ہوئی اس تقدیر پر آیت مدنی ہے اور مؤمنین سے یہاں ایک قول میں انصار، ایک میں تمام مہاجرین و انصار مراد ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، انفال، بیروت)

يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ٥
اے غیب کی خبریں بتانے والے ایمان والوں کو لڑائی پر ابھار، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو ان میں سے ہزار پر غالب آئیں جنھوں نے کفر کیا۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

ایک سو مسلمانوں کا ایک ہزار کافروں پر بھاری ہونے کا بیان

"يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضْ " حُثَّ "الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَال " لِلْكُفَّارِ "اِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ

يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ "مِنْهُمْ "وَإِنْ يَكُنْ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ "مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ" أَيْ بِسَبَبِ أَنَّهُمْ "قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ" وَهَذَا خَبَرٌ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ لِيُقَاتِلِ الْعِشْرُونَ مِنْكُمُ الْمِائَتَيْنِ وَالْمِائَةَ الْأَلْفَ وَيَثْبُتُوا لَهُمْ ثُمَّ نُسِخَ لَمَّا كَثُرُوا بِقَوْلِهِ،

اے غیب کی خبریں بتانے والے! ایمان والوں کو لڑائی پر ابھار، یعنی ان کو کفار سے جہاد کرنے کا شوق دلائیں اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ ان کفار کے دوسو پر غالب آئیں اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں، یہاں یکن یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے تو ان کفار میں سے ہزار پر غالب آئیں جنہوں نے کفر کیا۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔ اور یہاں خبر بہ معنی امر ہے۔ یعنی تمہارے بیس ان کے دوسو کافروں کے مقابل اور ایک سو ایک ہزار کے مقابلے میں قتال کرنے کی طاقت رکھتے ہیں لہٰذا تم ان سے قتال کرنے میں ثابت قدم رہو اس کے جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو آئندہ آنے والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ایک غازی دس کفار پہ بھاری

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلا رہا ہے اور انہیں اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ انہیں دشمنوں پر غالب کرے گا چاہے وہ ساز وسامان اور افرادی قوت میں زیادہ ہوں، ٹڈی دل ہوں اور گو مسلمان بے سروسامان اور مٹھی بھر ہوں۔ فرماتا ہے اللہ کافی ہے اور جتنے مسلمان تیرے ساتھ ہوں گے وہی کافی ہیں۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی کے وقت مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے بدر کے دن فرمایا اٹھو اس جنت کو حاصل کرو جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی ہے۔

حضرت عمیر بن حمام کہتے ہیں اتنی چوڑی؟ فرمایا ہاں ہاں اتنی ہی اس نے کہا واہ واہ آپ نے فرمایا یہ کس ارادے سے کہا؟ کہا اس امید پر کہ اللہ مجھے بھی جنتی کر دے۔ آپ نے فرمایا میری پیشگوئی ہے کہ تو جنتی ہے وہ اٹھتے ہیں دشمن کی طرف بڑھتے ہیں اپنی تلوار کا میان توڑ دیتے ہیں کچھ کھجوریں جو پاس ہیں کھانی شروع کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں جتنی دیر میں انہیں کھاؤں اتنی دیر تک بھی اب یہاں ٹھہرنا مجھ پر شاق ہے انہیں ہاتھ سے پھینک دیتے ہیں اور حملہ کر کے شیر کی طرح دشمن کے بیچ میں گھس جاتے ہیں اور جوہر تلوار دکھاتے ہوئے کافروں کی گردنیں مارتے ہیں اور حملہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔

ابن المسیب اور سعد بن جبیر فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عمر کے اسلام کے وقت اتری جب کہ مسلمانوں کی تعداد پوری چالیس کی ہوئی۔ لیکن اس میں ذرا نظر ہے اس لیے کہ یہ آیت مدنی ہے حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ مکہ شریف کا ہے۔ حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ کی ہجرت سے پہلے کا ہے۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اب اللہ نے تم سے (بوجھ) ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ یقیناً تم میں کچھ کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آئیں اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر تخفیف فرمانے کا بیان

"اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا" بِضَمِّ الضَّاد وَفَتْحِهَا عَنْ قِتَال عَشَرَة اَمْثَالكُمْ "فَإِنْ يَكُنْ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء "مِنْكُمْ مِائَة صَابِرَة يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ" مِنْهُمْ "وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْف يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰه" بِإِرَادَتِهِ وَهُوَ خَبَر بِمَعْنَى الْاَمْر اَيْ لِتُقَاتِلُوْا مِثْلَيْكُمْ وَتَثْبُتُوْا لَهُمْ "وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ" بِعَوْنِهِ،

اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور جان لیا کہ یقیناً تم میں کچھ کمزوری ہے، یہاں پر ضعف یہ ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ پس اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو ان کے دوسو پر غالب آئیں اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں اور یہاں بھی خبر بہ معنی امر کے ہے تاکہ تم اپنے سے دوگنا کے ساتھ قتال کرو اور ان سے ثابت قدم ہو کر لڑو۔ اور اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سورہ انفال آیت ٦٦ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ، یعنی اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب آجائیں گے تو مسلمانوں پر یہ بات بہت بھاری ہوئی کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے تو اللہ نے آیت تخفیف نازل فرمائی یعنی (اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا، الانفال، 66) کہ اب اللہ نے آسانی کر دی ہے اور جان لیا کہ تم میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے تو اب اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو دوسو پر غالب آجائیں گے حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس تخفیف سے مسلمانوں کے استقلال میں بھی فرق آ گیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1836)

اللہ تبارک وتعالیٰ مومنوں کو بشارت دیتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ تم میں سے بیس ان کافروں میں سے دوسو پر غالب آئیں گے۔ ایک سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے غرض ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے کا ہے۔ پھر حکم منسوخ ہو گیا لیکن بشارت باقی ہے جب یہ حکم مسلمانوں پر گراں گذرا۔ ایک دس کے مقابلے سے ذرا جھجکا تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور فرمایا۔ اب اللہ نے بوجھ ہلکا کر دیا۔ لیکن جتنی تعداد کم ہوئی اتنا ہی صبر ناقص ہو گیا پہلے حکم تھا کہ بیس مسلمان دوسو کافروں سے پیچھے نہ ہٹیں اب یہ ہوا کہ اپنے سے دگنی تعداد یعنی سو دوسو سے نہ بھاگیں۔ پس گرانی گذرنے پر ضعیفی اور ناتوانی کو قبول فرما کر اللہ نے تخفیف کر دی۔ پس دگنی تعداد کے کافروں سے تو لڑائی میں پیچھے ہٹنا لائق نہیں ہاں اس سے زیادتی کے وقت طرح دے جانا جرم نہیں۔ ابن عمر فرماتے ہیں یہ آیت ہم صحابیوں کے بارے میں اتری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھ کر فرمایا پہلا حکم اٹھ گیا۔ (مستدرک حاکم)

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرلے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے، تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

اسیران بدر سے فدیہ وصول کرنے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا اَخَذُوا الْفِدَاء مِنْ اَسْرٰى بَدْرٍ "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ تَكُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ" يُبَالِغ فِيْ قَتْل الْكُفَّار "تُرِيْدُوْنَ" اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ "عَرَض الدُّنْيَا" حُطَامهَا بِاَخْذِ الْفِدَاء "وَاللّٰهُ يُرِيْد" لَكُمْ "الْاٰخِرَة" اَيْ ثَوَابهَا بِقَتْلِهِمْ "وَاللّٰهُ عَزِيْز حَكِيْم" وَهٰذَا مَنْسُوخ بِقَوْلِهٖ "فَاِمَّا مَنًّا بَعْد وَاِمَّا فِدَاء"

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا گیا۔ کسی نبی کو لائق نہیں ہے یہاں پر تکون یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے کہ کافروں کو زندہ قید کرلے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے، یہ کفار کے قتل میں مبالغہ ہے۔ اے ایمان والو! تم لوگ قیدیوں سے فدیہ لیکر دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت کے ثواب کو چاہتا ہے جو ان کے قتل کے سبب حاصل ہوگا۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ یہ حکم بھی اس آیت "فَاِمَّا مَنًّا بَعْد وَاِمَّا فِدَاء" سے منسوخ ہے۔

سورہ انفال آیت ۶۷ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ تم لوگوں کی ان کے متعلق کیا رائے ہے؟ پھر اس حدیث میں طویل قصہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی فدیہ دیئے بغیر یا گردن دیئے بغیر نہیں چھوٹ سکے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سہیل بن بیضاء کے علاوہ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ وہ اسلام کو یاد کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو اس دن سے زیادہ کسی دن خوف میں مبتلا نہیں دیکھا کہ خواہ مجھ پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سہیل بن بیضاء کے علاوہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوا (مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ) 8۔ الانفال:67)۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1027)

جنگی قیدیوں سے متعلق فقہی تصریحات

جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے، یہاں تک کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور

جنگ ختم ہو جائے۔ اس ہدف سے تسہب ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہیے۔ قیدی پکڑنے کی طرف تسہب اس وقت کرنی چاہیے جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے اور میدان جنگ میں اس کے کچھ آدمی باقی رہ جائیں۔ اہل عرب کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لیے دے دی گئی کہ وہ کہیں فدیہ حاصل کرنے، یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑ کر جنگ کے اصل ہدف مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمہیں اختیار ہے، خواہ ان پر احسان کرو، یا ان سے فدیہ کا معاملہ کرلو۔ اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، عطاء اور حماد بن ابی سلیمان، قانون کے اسی عموم کو لیتے ہیں، اور یہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل لڑائی کی حالت میں کیا جا سکتا ہے۔ جب لڑائی ختم ہو گئی اور قیدی ہمارے قبضے میں آ گیا تو اسے قتل کرنا درست نہیں ہے۔

ابن جریر اور ابوبکر جصاص کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں۔ انہوں نے انکار کر دیا اور یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

امام محمد نے السیر الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اسی بنا پر اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔

مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشا یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص سبب ایسی ہو جس کی بنا پر اسلامی حکومت کا فرمانروا کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ قاعدہ عام میں ایک استثناء ہے جس کو بضرورت ہی استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے 70 قیدیوں میں سے صرف عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو قتل کیا۔ جنگ احد کے قیدیوں میں سے صرف ابو عزہ شاعر کو قتل فرمایا۔

بنی قریظہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر حوالے کیا تھا، اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حکم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لیے آپ نے ان کو قتل کرا دیا۔ جنگ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں سے صرف کنانہ ابن ابی الحقیق قتل کیا گیا کیونکہ اس نے بدعہدی کی تھی۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے تمام اہل مکہ میں سے صرف چند خاص اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ان مستثنیات کے سوا حضور کا عام طریقہ اسیران جنگ کو قتل کرنے کا بھی نہیں رہا۔ اور یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی تھا۔ ان کے زمانے میں بھی قتل اسیران جنگ کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں اور ہر مثال میں قتل کسی خاص سبب سے کیا گیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اپنے پورے زمانہ خلافت میں صرف ایک جنگی قیدی کو قتل کیا اور اس کی سبب یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ اسی بنا پر جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی حکومت اگر ضرورت سمجھے تو اسیر کو قتل کر سکتی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا حکومت کا کام ہے۔ ہر فوجی اس کا مجاز نہیں ہے کہ جس قیدی کو چاہے قتل کر دے۔ البتہ اگر قیدی کے فرار ہونے کا یا اس سے کسی خطرناک شرارت کا اندیشہ ہو جائے تو جس شخص کو بھی اس صورت حال سے سابقہ پیش آئے وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں فقہائے اسلام نے تین تصریحات اور بھی کی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قیدی صرف اسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے جب تک وہ حکومت کی تحویل میں ہو۔ تقسیم یا بیع کے ذریعہ سے اگر وہ کسی شخص کی ملک میں جا چکا ہو تو پھر اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ قیدی کو قتل کرنا ہو تو بس سیدھی طرح قتل کر دیا جائے، عذاب دے دے کر نہ مارا جائے۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں عام حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا ان پر احسان کرو، یا فدیے کا معاملہ کر لو۔ احسان میں چار چیزیں شامل ہیں: ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر افراد مسلمین کے حوالہ کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنا لیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔

فدیے کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انہیں چھوڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خاص خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اپنے ان آدمیوں سے جو دشمن کے قبضے میں ہوں، ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔

ان سب مختلف صورتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مختلف اوقات میں حسب موقع عمل فرمایا ہے۔ خدا کی شریعت نے اسلامی حکومت کا کسی ایک ہی شکل کا پابند نہیں کر دیا ہے۔ حکومت جس وقت جس طریقے کو مناسب ترین پائے اس پر عمل کر سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب ایک حکومت کی قید میں رہے، اس کی غذا اور لباس، اور اگر وہ بیمار یا زخمی ہو تو اس کا علاج، حکومت کے ذمہ ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے، یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت بھی کی گئی ہے اور عملاً بھی اسی کی نظیریں سنت میں ملتی ہیں۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کے گھروں میں بانٹ دیا اور ہدایت فرمائی کہ استوصوا بهم خیراً، ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ان میں سے ایک قیدی، ابوعزیز کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام مجھ کو روٹی کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ایک اور قیدی سہیل بن عمرو کے متعلق حضور سے کہا گیا کہ یہ بڑا آتش بیان مقرر ہے، آپ کے خلاف تقریریں کرتا رہا ہے، اس کے دانت تڑوا دیجیے۔

حضور نے جواب دیا اگر میں اس کے دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا اگر چہ میں نبی ہوں (سیرت بن ہشام)۔ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو جب تک وہ قید میں رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمدہ کھانا اور دودھ ان کے لیے مہیا کیا جاتا رہا۔ (سیرت ابن ہشام)

یہی طرز عمل صحابہ کرام کے دور میں بھی رہا۔ جنگی قیدیوں سے بُرے سلوک کی کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔

قیدیوں کے معاملے میں یہ شکل اسلام نے سرے سے اپنے ہاں رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت ان سے جبری محنت لیتی رہے۔ اگر ان کے ساتھ یا ان کی قوم کے ساتھ تبادلہ اسیران جنگ یا فدیے کا کوئی معاملہ طے نہ ہو سکے تو ان کے معاملے میں احسان کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ انہیں غلام بنا کر افراد کی ملکیت میں دے دیا جائے اور ان کے مالکوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی اس طریقے پر عمل کیا گیا ہے، صحابہ کرام کے عہد میں بھی یہ جاری رہا ہے،

اور فقہائے اسلام بالاتفاق اس جواز کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے وہ تو آزاد کر دیا جائے گا، مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے، یا کسی شخص کی ملکیت میں دے دیے جانے کے بعد مسلمان ہو تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔

مسند احمد، مسلم اور ترمذی میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ بنی عقیل کا اک شخص گرفتار ہو کر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔: لو قلتها وانت تملك امرك افلحت كل الفلاح۔ اگر یہ بات تو نے اس وقت کہی ہوتے جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پا جاتا۔ یہی بت حضرت عمرؓ نے فرمائی ہے کہ اذا اسلم الاسير فى ايدى المسلمين فقش امن من القتل وهو رقيق۔ جب قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد مسلمان ہو تو وہ قتل سے تو محفوظ ہو جائے گا مگر غلام رہے گا۔ اسی بنا پر فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قید ہونے کے بعد مسلمان ہونے والا غلامی سے نہیں بچ سکتا (السیر الکبیر، امام محمد)

اور یہ بات سراسر معقول بھی ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کرلے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا تو آخر وہ کونسا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت اسلام میں یہ رکھی گئی ہے کہ جزیہ لگا کر ان کو دارالاسلام کی ذمی رعایا بنا لیا جائے اور وہ اسلامی مملکت میں اسی طرح آزاد ہو کر رہیں جس طرح مسلمان رہتے ہیں۔

امام محمد السیر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کو غلام بنانا جائز ہے اس پر جزیہ لگا کر اسے ذمی بنا لینا بھی جائز ہے۔ اور ایک دوسرے جگہ فرماتے ہیں مسلمانوں کے فرمانروا کو یہ حق ہے کہ ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج لگا کر انہیں اصلاً آزاد قرار دے دے۔ اس طریقے پر بالعموم ان حالات میں عمل کیا گیا ہے جبکہ قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہوں وہ مفتوح ہو کر

اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا، اور پھر حضرت عمرؓ نے سواد عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔ ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عراق کی فتح کے بعد اس علاقے کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین، پہلے اہل ایران ہم پر مسلط تھے۔ انہیں نے ہم کو بہت ستایا، بڑا برا برتاؤ ہمارے ساتھ کیا اور طرح طرح کی زیادتیاں ہم پر کرتے رہے۔ پھر جب خدا نے آپ لوگوں کو بھیجا تو ہم آپ کی آمد سے بڑے خوش ہوئے اور آپ کے مقابلے میں نہ کوئی مدافعت ہم نے کی نہ جنگ میں کوئی حصہ لیا۔ اب ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمیں غلام بنالینا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا تم کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، یا جزیہ قبول کر کے آزاد رہو۔ ان لوگوں نے جزیہ قبول کر لیا اور وہ آزاد چھوڑ دیے گئے۔ ایک اور جگہ اسی کتاب میں ابو عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ جنگ میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں ان میں سے ہر کاشت کار اور کسان کو چھوڑ دو۔

احسان کی چوتھی صورت یہ ہے کہ قیدی کو بلا کسی فدیے اور معاوضے کے یونہی رہا کر دیا جائے۔ یہ ایک خاص رعایت ہے جو اسلامی حکومت صرف اسی حالت میں کر سکتی ہے جبکہ کسی خاص قیدی کے حالات اس کے متقاضی ہوں، یا توقع ہو کی یہ رعایت اس قیدی کو ہمیشہ کے لیے ممنون احسان کر دے گی اور وہ دشمن سے دوست یا کافر مومن بن جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دشمن قوم کے اسی شخص کو اس لیے چھوڑ دینا کہ وہ پھر ہم سے لڑنے آجائے کسی طرح بھی تقاضائے مصلحت نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے بالعموم اس کی مخالفت کی ہے اور اس کے جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر امام مسلمین قیدیوں کو، یا ان میں سے بعض کو بطور احسان چھوڑ دینے میں مصلحت پائے تو ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ (السیر الکبیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں اور قریب قریب سب میں مصلحت کا پہلو نمایاں ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ نے فرمایا لو کان المطعم بن عدیّ حیًّا ثم کلّمنی فی ھؤلاء النتنیٰ لترکتھم لہ (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد)

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں یونہی چھوڑ دیتا۔ یہ بات حضور ﷺ نے اس لیے فرمائی تھی کہ آپ جب طائف سے مکہ معظمہ واپس ہوئے تھے اس وقت مطعم ہی نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس کے لڑکے ہتھیار باندھ کر اپنی حفاظت میں آپ کو حرم میں لے گئے تھے۔ اس لیے آپ اس کے احسان کا بدلہ اس طرح اتارنا چاہتے تھے۔

بخاری، مسلم، اور مسند احمد کی روایت ہے کہ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اُثال جب گرفتار ہو کر آئے تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا ثمامہ، تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون کچھ قیمت رکھتا ہے، اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایسے شخص پر کریں گے جو احسان ماننے والا ہے، اور اگر آپ مال لینا چاہتے ہیں تو مانگیے، آپ کو دیا

جائے گا۔ تین دن تک آپ ان سے یہی بات پوچھتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ آخر کو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی پاتے ہی وہ قریب کے ایک نخلستان میں گئے، نہادھو کر واپس آئے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور عرض کیا کہ آج سے پہلے کوئی شخص میرے لیے آپ سے اور کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا، مگر اب کوئی شخص اور کوئی دین مجھے آپ سے اور آپ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے۔ پھر وہ عمرہ کے لیے مکے گئے اور وہاں قریش کے لوگوں کو نوٹس دے دیا کہ آج کے بعد کوئی غلہ تمہیں یمامہ سے نہ پہنچے گا جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسی ہی کیا اور مکہ والوں کو حضور ﷺ سے التجا کرنی پڑی کہ یمامہ سے ہمارے غلہ کی رسد بند نہ کرائیں۔

بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ نے زبیر بن باطا اور عمرو بن سعد (یا ابن سعدی) کی جان بخشی کی۔ زبیر کو اس لیے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگ معاث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لیے آپ نے اس کے حضرت ثابت کے حوالہ کر دیا تا کہ ان کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں۔ اور عمو بن سعد کو اس لیے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضور کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہی شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید)

غزوہ بنی المصطلق کے بعد جب اس قبیلے کے قیدی لائے گئے اور لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے، اس وقت حضرت جویریہ جس شخص کے حصے میں آئی تھیں اس کو ان کا معاوضہ ادا کر کے آپ نے انہیں رہا کرایا اور پھر ان سے خود نکاح کر لیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے یہ کہہ کر اپنے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو چکے ہیں۔ اس طرح سو 100 خاندانوں کے آدمی رہا ہو گئے۔ (مسند احمد۔ طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام)

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے 80 آدمی تنعیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انہوں نے آپ کے کیمپ پر اچانک شبخون مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ سب کے سب پکڑ لیے گئے اور حضور ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا تا کہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے۔ (مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے تمام اہل مکہ کو بطور احسان معاف کر دیا، اور جنہیں مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔ سارا عرب اس بات کو جانتا تھا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کیے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فتح پا کر جس عالی حوصلگی کے ساتھ حضور ﷺ نے ان لوگوں معاف فرمایا اس سے اہل عرب کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان کا سابقہ کسی جبار سے نہیں بلکہ ایک نہایت رحیم وشفیق اور فیاض رہنما سے ہے۔ اسی بنا پر فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب کو مسخر ہونے میں دو سال سے زیادہ دیر نہ لگی۔

جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوا تو سارے قیدی تقسیم کیے جا چکے تھے۔ حضور ﷺ نے سب مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا یہ لوگ تائب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی بخوشی اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اس طرح چھوڑ دے، اور جو

معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دے دیں گے۔ چنانچہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیے گئے اور جن لوگوں نے معاوضہ لینا چاہا انہیں حکومت کی طرف سے معاوضہ دے دیا گیا، (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد، طبقات ابن سعد)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد حکومت قیدیوں کو خود رہا کر دینے کی مجاز نہیں رہتی، بلکہ یہ کام ان لوگوں کی رضامندی سے، یا ان کو معاوضہ دے کر کیا جا سکتا ہے جن کی ملکیت میں قیدی دیے جا چکے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام کے دور میں بھی بطور احسان قیدیوں کو رہا کرنے کی نظیریں مسلسل ملتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اشعث بن قیس کندی کو رہا کیا، اور حضرت عمرؓ نے ہُرمُزان کو اور مناذِر اور میسان کے قیدیوں کو آزادی عطا کی۔

(کتاب الاموال لابی عبید)

مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے جب کہ فی قیدی ایک ہزار سے چار ہزار تک کی رقمیں لے کر ان کو رہا کیا گیا (طبقات ابن سعد۔ کتاب الاموال)

صحابۂ کرام کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور فقہائے اسلام نے بالعموم اس کا ناپسند کیا ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم روپیہ لے کر دشمن کے ایک آدمی کو چھوڑ دیں تا کہ وہ پھر ہمارے خلاف تلوار اٹھائے۔ لیکن چونکہ قرآن میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس پر عمل بھی کیا ہے، اس لیے ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام محمد السیر الکبیر میں کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت پیش آئے تو وہ مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔

کوئی خدمت لے کر چھوڑنے کی مثال بھی جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ قریش کے قیدیوں میں سے جو لوگ مالی فدیہ دینے کے قابل نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے حضور ﷺ نے یہ شرط عائد کر دی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

(مسند احمد، طبقات ابن سعد، کتاب الاموال)

قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجا اور اس میں چند قیدی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت عورت بھی تھی جو حضرت سلمہ بن اکوع کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار اس کو حضرت سلمہ سے مانگ لیا اور پھر اسے مکہ بھیج کر اس کے بدلے کئی مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ طحاوی۔ کتاب الاموال لابی عبید۔ طبقات ابن سعد)

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قید کر لیا۔ اس کچھ مدت بعد ثقیف کے حلیف قبیلے، بنی عقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے ان دونوں مسلمانوں کو رہا کرا لیا۔ (مسلم، ترمذی، مسند احمد)

قیدیوں میں باہمی تبادلے میں مذاہب اربعہ

فقہاء میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد تبادلہ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا ایک

قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہیے، مگر دوسرا قول ان کا بھی یہی ہے کہ تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اسیران جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی گنجائش ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کی اس آیت کا بس یہ مختصر سا مطلب لے لیتے کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو یا تو بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے، اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آیندہ کر سکتا ہے۔

(سیر صغیر، از امام محمد علیہ الرحمہ، بتصرف، بیروت)

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○
اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (معافی کا حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو یقیناً تم کو اس (مال فدیہ کے بارے) میں جو تم نے
(بدر کے قیدیوں سے) حاصل کیا تھا بڑا عذاب پہنچتا۔

غنائم کی حلت اور کفار کی قید کی اباحت کا بیان

"لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ " بِاِحْلَالِ الْغَنَائِمِ وَالْاَسْرٰى لَكُمْ "لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ " مِنَ الْفِدَاءِ، عَذَابٌ عَظِيْمٌ،

اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی غنائم کی حلت اور قید کرنے کا حکم تمہارے لئے لکھا ہوا نہ ہوتا تو یقیناً تم کو اس مال فدیہ کے بارے میں جو تم نے بدر کے قیدیوں سے حاصل کیا تھا بڑا عذاب پہنچتا۔

سورہ انفال آیت ۶۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے کسی انسان کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ آسمان سے آگ آتی اور اسے کھا جاتی۔ سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ بات کون کہہ سکتا ہے۔ کیوں کہ غزوہ بدر کے موقع پر وہ لوگ مال غنیمت حلال ہونے سے پہلے ہی اس مال کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ)8۔ الانفال:68) (اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے۔ تو تم کو پہنچتا اس کے لینے میں بڑا عذاب۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1026)

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
تم اس میں سے کھاؤ جو حلال، پاکیزہ مال غنیمت تم نے پایا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

فدیہ کا مال حلال وطیب ہے

جب قیدیوں کو بروقت میدان جنگ میں قتل نہ کر دینے اور گرفتار کر کے ان کے عوض فدیہ لینے کی بنا پر عتاب نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شک پیدا ہوا کہ یہ مال جو بطور فدیہ لیا گیا ہے شاید حلال وطیب نہ رہا ہو، اسی شبہ کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ کیونکہ فدیہ کی رقوم بھی اموال غنائم میں شامل تھیں اور فرمایا کہ یہ مال اللہ کا عطیہ ہے اسے بطیب خاطر استعمال میں لاؤ۔ البتہ جہاد کے سلسلہ میں دنیا کے مال پر نظر رکھنا اور اسے اس قدر اہمیت نہ دینا چاہیے کہ جہاد کا بلند تر مقصد ثانوی حیثیت اختیار کر جائے۔

یہاں اصول فقہ کا ایک مسئلہ قابل نظر اور قابل یادداشت ہے کہ جب کسی ناجائز اقدام کے بعد مستقل آیت کے ذریعہ اس مال کو حلال کرنے کا حکم نازل ہو جائے تو سابقہ اقدام کا اس میں کوئی اثر نہیں رہتا۔ یہ مال حلال طیب ہو جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہوا لیکن اسی کی ایک دوسری نظیر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں حکم تو پہلے سے نازل شدہ تھا مگر اس کا ظہور عمل کرنے والوں پر نہیں تھا اس بنا پر اس کی خلاف ورزی کر گزرے، بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عمل قرآن وسنت کے فلاں حکم کے خلاف تھا۔ تو اس صورت میں ظہور حکم کے بعد وہ مال حلال نہیں رہتا اگرچہ سابقہ غلطی کو معاف بھی کر دیا جائے۔ (نور الانوار)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ
خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اے غیب کی خبریں بتانے والے جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرماؤ اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی جانی تو
جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اسیران بدر سے فدیہ کے متعلق خطاب کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِيْۤ اَيْدِيكُمْ مِنَ الْاَسْرٰى" وَفِيْ قِرَاءَةِ الْاُسَارٰى "اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا" اِيْمَانًا وَّاِخْلَاصًا "يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا اُخِذَ مِنْكُمْ" مِنَ الْفِدَاءِ بِاَنْ يُّضَعِّفَهُ لَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُثِيْبَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ "وَيَغْفِرْ لَكُمْ" ذُنُوْبَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ،

اے غیب کی خبریں بتانے والے جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرماؤ، ایک قرأت میں اساریٰ آیا ہے اگر اللہ نے تمہارے دل میں بھلائی یعنی ایمان واخلاص کو آزمالیا تو جو تم سے فدیہ لیا گیا ہے اس سے بہتر یعنی دنیا میں تمہیں اس کا دوگنا عطا فرمائے گا اور آخرت میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورہ انفال آیت ۷۰ کے شانِ نزول کا بیان

کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے متعلق نازل ہوئی۔ عباس بدر کے

دن قید کیے گئے تو ان کے پاس بیس اوقیہ چاندی تھی جسے وہ میدان بدر کی طرف لے کر نکلے تا کہ لوگوں کو اس سے کھلائیں یہ ان گیارہ لوگوں میں سے جو اہل بدر کے کھانے کے کفیل بنے لیکن اس کی نوبت نہ آئی کہ یہ چاندی سمیت پکڑے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے وہ چاندی لے لی یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے اس بارے میں بات کی کہ وہ بیس اوقیہ چاندی جو مجھ سے چھین لی گئی ہے وہی میرے فدیہ کے طور پر رکھ لی جائے لیکن آپ نے اسے مسترد کر دیا۔ جو چیز تو ہمارے خلاف لے کر نکلا تھا اسے فدیہ کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا اور مجھے میرے بھتیجے عقیل بن ابی طالب کے فدیے بیس اوقیہ چاندی کا ضامن بھی بنا دیا میں نے آپ سے کہا کہ آپ نے مجھے ایسا فقیر کر کے چھوڑا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے قریش اور دوسروں لوگوں سے مانگتا ہی رہوں گا تو آپ نے فرمایا وہ سونا کہاں جائے گا جو تو نے بدر کی طرف نکلتے وقت ام فضل کو دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو یہ عبداللہ، فضل قثم اور تیرے لیے ہے عباس کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا آپ کو اس کے متعلق کس نے بتلایا؟

آپ نے فرمایا اللہ نے بتایا ہے۔ تو حضرت عباس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے سچ کہا یقیناً میں نے ام فضل کو (آتے وقت) سونا دیا تھا اور اس کے بارے میں اللہ کے سوا کسی کو علم نہ تھا پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، عباس کہتے ہیں کہ جو مجھ سے لیا گیا اللہ نے اس سے بہتر مجھے عطا فرمایا جیسا کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ بیس اوقیہ چاندی کے بدلے میں بیس غلام جو سب کے سب بہت مال والے تھے اور اس کے ساتھ میں اپنے رب سے مغفرت کی امید کرتا ہوں۔ (نیسابوری 203، قرطبی 8-52)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا اتنا کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنا مال کبھی نہیں آیا۔ حکم دیا کہ مسجد میں پھیلا دو پھر نماز کے لیے آئے کسی کی طرف سے التفات نہ کیا نماز پڑھا کر بیٹھ گئے پھر تو جسے دیکھتے دیتے اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے دلوائیے میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا ہے آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے لے لو۔ انہوں نے چادر میں گٹھڑی باندھی لیکن وزنی ہونے کے باعث اٹھا نہ سکے تو کہا یا رسول اللہ کسی کو حکم دیجئے کہ میرے کاندھے پر چڑھا دے آپ نے فرمایا میں تو کسی سے نہیں کہتا، کہا اچھا آپ ہی ذرا اٹھوا دیجئے آپ نے اس کا بھی انکار کیا اب تو با دل ناخواستہ اس میں کچھ کم کرنا پڑا پھر اٹھا کر کندھے پر رکھ کر چل دیجئے۔ ان کے اس لالچ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں جب تک یہ آپ کی نگاہ سے اوجھل نہ ہو گئے انہیں پر رہیں پس جب کل مال بانٹ چکے ایک کوڑی بھی باقی نہ بچی تب آپ وہاں سے اٹھے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اور اگر وہ آپ سے خیانت کرنا چاہیں تو یقیناً وہ اس سے قبل بھی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں لہٰذا اس نے ان میں سے بعض کو
آپ کی قدرت میں دے دیا، اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

کفار کے لئے میدان بدر کے مقتولین واسیران سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

"وَاِنْ يُّرِيْدُوْا " اَىِ الْاَسْرٰى "خِيَانَتَكَ" بِمَا اَظْهَرُوْا مِنَ الْقَوْلِ "فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ" قَبْلَ بَدْرٍ

بِالْكُفْرِ "فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ " بِبَدْرٍ قَتْلًا وَّاَسْرًا فَلْيَتَوَقَّعُوا مِثْلَ ذٰلِكَ اِنْ عَادُوْا "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ " بِخَلْقِهٖ "حَكِيْمٌ " فِيْ صُنْعِهٖ،

اور اگر وہ قیدی آپ سے خیانت کرنا چاہیں جس طرح ان کے قول سے ظاہر ہونے والا ہے۔ تو یقیناً وہ اس سے قبل بدر میں کفر کے ساتھ اللہ سے خیانت کر چکے ہیں لہٰذا اسی وجہ سے اس نے ان میں سے بعض کو قتل وقید کے طور پر تمہارے حوالے کر دیا، پس اگر انہوں نے دوبارہ ایسا کیا تو ان کو ایسی سزا کو یاد رکھ لینا چاہیے۔ اور اللہ اپنی مخلوق کو خوب جاننے والا، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

سورہ انفال آیت ۷۱ کے سبب نزول کا بیان

امام بخاری شریف میں تعلیقاً جزم کے صیغہ کے ساتھ وارد کی ہے۔ اگر یہ لوگ خیانت کرنا چاہیں گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے وہ خود اللہ کی خیانت بھی کر چکے ہیں۔ تو ان سے یہ بھی ممکن ہے کہ اب جو ظاہر کریں اس کے خلاف اپنے دل میں رکھیں۔ اس سے تو نہ گھبرا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت انہیں تیرے قابو میں کر دیا ہے۔ ایسے ہی وہ ہمیشہ قادر ہے۔ اللہ کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں۔ ان کے اور تمام مخلوق کے ساتھ جو کچھ وہ کرتا ہے اپنے ازلی ابدی پورے علم اور کامل حکمت کے ساتھ حضرت قتادہ کہتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب کے بارے میں اتری ہے جو مرتد ہو کر مشرکوں میں جا ملا تھا۔ عطاء خراسانی کا قول ہے کہ حضرت عباس اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرتے رہیں گے۔ سدی نے اسے عام اور سب کو شامل کہی یہی ٹھیک بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ انفال، بیروت)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا
وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ
وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ
اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○
بیشک جو ایمان لائے اور اللہ کے لیے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اور وہ جنہوں نے
جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی انہیں ان کا ترکہ کچھ نہیں پہنچتا
جب تک ہجرت نہ کریں اور اگر وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں
معاہدہ ہے، اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اہل ایمان کا جانوں اور مالوں سے کے ذریعے جہاد کرنے کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " وَهُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ "وَالَّذِيْنَ

اٰوَوْا" النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "وَنَصَرُوْا" وَھُمُ الْاَنْصَار "اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ" فِی النُّصْرَۃِ وَالْاِرْث "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِنْ وَلَایَتِھِمْ" بِکَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِھَا "مِنْ شَیْءٍ" فَلَا اِرْث بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ وَلَا نَصِیْبَ لَھُمْ فِی الْغَنِیْمَۃِ "حَتّٰی یُھَاجِرُوْا" وَھٰذَا مَنْسُوخ بِاٰخِرِ السُّوْرَۃِ "وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْر" لَھُمْ عَلَی الْکُفَّار "اِلَّا عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِیْثَاق" عَھْد فَلَا تَنْصُرُوْھُمْ وَتَنْقُضُوْا عَھْدَھُمْ "وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْر"۔

بیشک جو ایمان لائے اور اللہ کے لیے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اور وہ مہاجرین ہیں اور وہ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو جگہ دی اور مدد کی اور وہ انصار ہیں۔ وہ مدد اور وراثت میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی انہیں ان کا ترکہ کچھ نہیں پہنچتا، یہاں ولایت یہ واؤ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی تمہارے اور ان کے درمیان کوئی وراثت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کے لئے غنیمت میں سے کچھ ہے۔ جب تک ہجرت نہ کریں۔ یہ حکم بھی دوسری سورۃ سے منسوخ ہے۔ اور اگر وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر ان کفار کے خلاف مدد دینا واجب ہے مگر ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے، لہٰذا اب تم ان کی مدد کر کے عہد کو کہیں توڑ نہ دینا اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

مسلمانوں کی قسمیں بیان ہو رہی ہیں ایک تو مہاجر جنہوں نے اللہ کے نام پر وطن ترک کیا اپنے گھر بار، مال، تجارت، کنبہ، قبیلہ، دوست احباب چھوڑے، اللہ کے دین پر قائم رہنے کے لیے نہ جان کو جان سمجھا نہ مال کو مال۔ دوسرے انصار، مدنی جنہوں نے ان مہاجروں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اپنے مالوں میں ان کا حصہ لگا دیا ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے لڑائی کی یہ سب آپس میں ایک ہی ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بھائی چارہ کرا دیا ایک انصاری ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی بندی قرابت داری سے بھی مقدم تھی ایک دوسرے کا وارث بنتا تھا آخر میں یہ منسوخ ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مہاجرین اور انصار سب آپس میں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں اور فتح مکہ کے بعد کے آزاد کردہ مسلمان لوگ قریشی اور آزاد شدہ ثقیف آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں قیامت تک۔ اور روایت میں ہے دنیا اور آخرت میں مہاجر و انصار کی تعریف میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ ۝
اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

کفار کی باہمی وراثت و مدد کرنے کا بیان

"وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ" فِی النُّصْرَۃِ وَالْاِرْث فَلَا اِرْث بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ "اِلَّا تَفْعَلُوْہُ" اَیْ تَوَلِّی الْمُسْلِمِیْنَ وَقَمْع الْکُفَّار "تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْض وَفَسَاد کَبِیْر" بِقُوَّۃِ الْکُفْر وَضَعْف الْاِسْلَام۔

اور کافر آپس میں وراثت اور مدد کے لحاظ سے ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ لہٰذا تمہارے اور ان کے درمیان وراثت نہ

ہوگی ایسا نہ کرو گے یعنی مسلمانوں کی حمایت اور کفار سے قطع تعلق نہ کرو گے، تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ کیونکہ جب کفر طاقت میں ہوا اور اسلام کمزور رہا تو فتنہ ہی برپا رہے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الا تفعلوہ ۔ الا اور لا سے مرکب ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب۔ای الا تفعلوا ما امرتکم من تواصل المسلمین وتولی بعضھم بعضا حتی فی التوارث تفضیلا لنبة الاسلام علی نسبة القرابة ولم تقطعوا العلائق بینکم وبین الکفار ۔ اے مسلمانو! اگر تم باہمی مقاربت ومواصلت نہ رکھو گے اور ایک دوسرے کی مددگاری نہیں کرو گے اور دین اسلام کو نسبت کو رشتہ داری کی نسبت پر فضیلت نہ دو گے۔ اور اپنے اور کفار کے درمیان تعلقات کو منقطع نہیں کرو گے تو نقصان ہوگا۔

تکن اصل میں تکون تھا۔ جواب شرط کی وجہ سے حرف آخرت پر جزم آگئی واو اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرگئی۔ تکن ہوگا۔ مضارع مجزوم واحد مونث غائب۔ کون مصدر۔ (فتنہ برپا) ہوجائے گا۔

سورہ انفال آیت ۷۳ کے شانِ نزول کا بیان

ابو مالک کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بتلایا کہ ہم اپنے مشرکین رشتہ داروں کو میراث میں سے حصہ دیتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ اور جو لوگ کافر ہیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (تفسیر طبری 10-39)

دو مختلف مذاہب والوں عدم ارث کا بیان

مستدرک حاکم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے نہ مسلمان کافر کا وارث اور نہ کافر مسلمان کا وارث پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

بخاری ومسلم میں بھی ہے مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ سنن وغیرہ میں ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حسن کہتے ہیں۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک نئے مسلمان سے آپ نے عہد لیا کہ نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ شریف کا حج کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور جب اور جہاں شرک کی آگ بھڑک اٹھے تو اپنے آپ کو ان کا مقابل اور ان سے برسر جنگ سمجھنا۔ یہ روایت مرسل ہے اور مفصل روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں ٹھہرا رہے۔ کیا وہ دونوں جگہ لگی ہوئی آگ نہیں دیکھتا؟

ابوداؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مشرکوں سے خلا ملا رکھے اور ان میں ٹھہرا رہے وہ انہی جیسا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے اللہ کے رسول رسولوں کے سرتاج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہارے پاس وہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم رضامند ہو تو اس کے نکاح میں دے دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں زبردست فتنہ فساد برپا ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہے وہ انہیں میں رہتا ہو آپ نے پھر فرمایا جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کی

طرف سے پیغام نکاح آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو اس کا نکاح کر دو تین بار یہی فرمایا۔ آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکوں سے علیحدگی اختیار نہ کی اور ایمان داروں سے دوستیاں نہ رکھیں تو ایک فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یہ اختلاط برے نتیجے دکھائے گا لوگوں میں زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔ (ابن مردویہ، سورہ انفال، بیروت)

اختلاف مذاہب کے سبب عدم وراثت میں مذاہب اربعہ

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 268)

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا یعنی اگر مورث مسلمان ہو اور وارث کافر ہو تو مسلمان مورث کے مرنے کے بعد اس کا کافر وارث میراث سے محروم رہے گا۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں چنانچہ اکثر علماء تو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا مگر صحابہ اور تابعین میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے چنانچہ حضرت امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔ اسی طرح اس بات پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کافر کی طرح مرتد بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان مرتد کا وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام مالک حضرت امام شافعی حضرت ربیعہ اور حضرت ابن ابی لیلی وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بھی مرتد کا وارث نہیں ہوتا، حضرت امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنے ارتداد کی زندگی میں جو کچھ کمایا ہے وہ بیت المال میں جائے گا اور حالت اسلام میں جو کچھ کمایا ہے وہ اس کے مسلمان ورثاء کو ملے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○
اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی،
وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں، ان ہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

سچے ایمان والوں کے لئے جنت میں عزت والا رزق ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَنَصَرُوْا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ" فِي الْجَنَّة

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں، ان ہی کے لئے بخشش اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔

سورہ انفال آیت ۷۲ کے مضمون نزول کا بیان

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اسامہ بن زید نے بیان کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مکہ میں اپنے گھر میں کہاں اتریں گے؟ آپ نے فرمایا عقیل نے جائیداد یا گھر کہاں چھوڑا ہے؟ اور عقیل اور طالب ابوطالب کے وارث ہوئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی چیز کے بھی وارث نہ ہوئے، اس لئے کہ وہ دونوں مسلمان تھے اور عقیل اور طالب کافر تھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس لئے کہتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہ ہوگا۔ ابن شہاب نے کہا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کرتے تھے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی، ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں، آخر آیت تک۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1524)

اہل ہجرت کو ٹھہرنے کے لئے جگہ دینے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار جس میدان یا گھاٹی میں چلیں تو میں بھی اسی میں چلوں گا۔ اور اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات خلاف حق نہیں کی (کیونکہ) انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رہنے کی جگہ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی یا کوئی دوسرا کلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1015)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تمہیں میں سے ہیں، اور رشتے دار
اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اولین کے بعد ایمان وہجرت اور جہاد کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْد " اَیْ بَعْد السَّابِقِیْنَ اِلَی الْاِیْمَان وَالْهِجْرَة "وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰئِكَ مِنْكُمْ" اَيُّهَا الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَار "وَاُولُو الْاَرْحَام" ذَوُو الْقَرَابَات "بَعْضهمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ" فِي الْاِرْث مِنَ التَّوَارُث فِي الْاِيْمَان وَالْهِجْرَة الْمَذْكُوْرَة فِي الْاٰيَة السَّابِقَة "فِيْ كِتَاب اللّٰه" اللَّوْح الْمَحْفُوْظ "اِنَّ اللّٰه بِكُلِّ شَيْء عَلِيْم" وَمِنْهُ حِكْمَة الْمِيرَاث،

اور جو لوگ بعد میں یعنی ایمان اور ہجرت میں سبقت کرنے والوں کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر

جہاد کیا تو وہ تمہیں میں سے ہیں، یعنی اے انصار و مہاجرین وہ بھی تمہارے ساتھی ہیں۔ اور رشتے دار یعنی قرابات والے اللہ کی کتاب میں وراثت کے لحاظ سے ایمان اور ہجرت مذکورہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یہاں پر کتاب اللہ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اسی سے وراثت کا حکم ہے۔

سورہ انفال آیت ۷۵ کے شانِ نزول کا بیان

عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے یہ عقد کرتا کہ تو میرا وارث بنے گا اور میں تیرا وارث بنوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ، اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے زبیر بن عوام اور کعب بن مالک کے درمیان مواخات قائم کی اور زبیر کہتے ہیں کہ میں نے کعب کو دیکھا کہ انہیں غزوہ احد میں ایک زخم لگا تھا میں نے کہا کہ اگر یہ وفات پا گئے تو یہ دنیا اور گھر والوں سے جدا ہو جائیں گے اور میں ان کا وارث بن جاؤں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ، اور رشتہ دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ تو اس کے بعد میراث ذوی الارحام اور قریبی رشتہ داروں کے لیے ہوگئی اور مواخات میں منقطع ہوگئی۔ (سیوطی 135، طبری 10، زاد المسیر 3۔387، قرطبی)

انصار سے محبت ایمان کی علامت ہونے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انصار سے محبت کرنا ایماندار ہونے کی نشانی ہے اور انصار سے دشمنی رکھنا منافق ہونے کی علامت ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 16)

نبی کریم ﷺ کا انصار و مہاجرین کے لئے دعا کرنے کا بیان

ابو اسحاق، حمید سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خندق میں گئے، تو مہاجرین اور انصار سردی کے زمانے میں سویرے سویرے خندق کھود رہے تھے، جن کے پاس غلام بھی نہ تھے، جو ان کے لئے کام کرتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پریشانی اور بھوک کی حالت دیکھی۔

تو فرمایا اے اللہ زندگی بیشک آخرت ہی کی زندگی ہے اور میرے اللہ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے، اس کے جواب میں مہاجرین و انصار نے کہا ہم وہ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہے، جب تک ہے زندگی ہم اس وقت تک لڑتے رہیں گے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 107)

سورہ انفال کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے

تصدق سے سورہ انفال کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت توبہ ہے۔

سورت توبہ میں آیات کلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ التَّوْبَة (مَدَنِيَّةٌ اِلَّا الْاٰيَتَيْنِ الْاٰخِيْرَتَيْنِ فَمَكِّيَّتَانِ وَ اٰيَاتُهَا 129 نَزَلَتْ بَعْدَ الْمَائِدَة) وَلَمْ تُكْتَب فِيْهَا الْبَسْمَلَةِ لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَاْمُر بِذٰلِكَ كَمَا يُؤْخَذ مِنْ حَدِيْث رَوَاهُ الْحَاكِم وَاَخْرَجَ فِيْ مَعْنَاهُ عَنْ عَلِيّ اَنَّ الْبَسْمَلَةَ اَمَان وَهِيَ نَزَلَتْ لِرَفْعِ الْاَمْن بِالسَّيْفِ وَعَنْ حُذَيْفَة (اِنَّكُمْ تُسَمُّوْنَهَا سُوْرَةَ التَّوْبَة وَهِيَ سُوْرَةُ الْعَذَاب وَرَوَى الْبُخَارِيّ عَنْ الْبَرَّاء اَنَّهَا اٰخِر سُوْرَة نَزَلَتْ .

سورہ توبہ مدنیّہ ہے مگراس کے آخیر کی دوآیات مکی ہیں۔اور یہ سورہ مائدہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔(اس سورت میں سولہ رکوع ،ایک سوانتیس آیتیں، چار ہزار اٹھہتر کلمے، دس ہزار چار سو اٹھاسی حرف ہیں۔اس سورت کے دس نام ہیں ان میں سے توبہ اور برأت دونام مشہور ہیں۔)

اس سورت کے اوّل میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام اس سورت کے ساتھ بسم اللہ لے کر نازل ہی نہیں ہوئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا۔(حاکم) حضرت علی مرتضٰی سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت تلوار کے ساتھ امن اٹھادینے کے لئے نازل ہوئی۔ بخاری نے حضرت براء سے روایت کیا کہ قرآن کریم کی سورتوں میں سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی۔

سورہ توبہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس کے مفسرین نے متعدد نام ذکر کئے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ایک توبہ اس لئے کہ اس میں بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔دوسرا براءۃ اس میں مشرکوں سے برات کا اعلان عام ہے۔جس کا مضمون حسب ذیل حدیث مبارکہ میں آیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس حج میں انہیں حجۃ الوداع سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج بنایا تھا،قربانی کے دن چند لوگوں کے ساتھ یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد نہ کوئی مشرک حج کرے گا اور نہ کوئی ننگا ہوکر طواف کرے گا۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1557)

سورہ برات اور انفال کو جمع کرنے کی وجہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان غنی سے دریافت کیا کہ سورہ انفال مثانی میں سے ہے اور سورہ برات مئین میں سے ہے آپ نے ان دونوں کو ایک جگہ جمع کیسے کر دیا اور دونوں کے درمیان بسم اللہ بھی نہیں لکھی اور سورہ برات کو طوال میں ذکر کر دیا؟ حضرت عثمان نے فرمایا رسول اللہ پر بیک وقت مختلف زمانوں میں مختلف سورتیں نازل ہوتی رہتی جب کچھ آیات نازل ہو جاتی تو آپ اپنے کاتب کو حکم فرما دیتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھ دو۔ سورہ انفال مدینہ کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی اور سورہ برات سب سے آخر میں نازل ہوئی اور دونوں کا مضمون ملتا جلتا تھا آپ نے اس بات کی صراحت بھی نہیں فرمائی کہ سورہ برات، سورہ انفال کا جزء ہے اس لیے میں نے دونوں کو یکجا کر دیا اور سورہ برات کو وسبع طوال میں مدرج کر دیا اور دونوں کے درمیان بسم اللہ بھی نہیں لکھی۔ (تفسیر مظہری، سورہ برأت، لاہور)

سورہ انفال اور سورہ برأۃ کے درمیان تسمیہ ذکر نہ کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے سورت انفال کی جو "مثانی" میں ۔ ہے اور سورت براۃ کو جو "مئین" میں سے ہے پاس پاس رکھا ہے اور دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر امتیاز بھی قائم نہیں کیا ہے پھر یہ کہ آپ نے سورت انفال کو سات لمبی سورتوں کے درمیان رکھا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں وقت گزرتا رہتا تھا اور آیتوں والی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں حسب موقع اور حسب ضرورت بتدریج اترتی تھیں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کی کوئی آیت یا اس کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا تو آپ کاتبان وحی میں سے کسی کو یعنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بلاتے اور فرماتے کہ اس آیت کو سورت میں شامل کر دو جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے یعنی کسی خاص موضوع مثلاً حیض وطلاق وغیرہ کا نام لیتے اور فرماتے کہ جس سورت میں اس کے بارہ میں ذکر ہے اس آیت کو اسی میں شامل کر دو۔ اس کے بعد پھر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارہ میں فرماتے کہ اسے اس سورت میں شامل کر دو اور جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے اور سورت انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جب کہ سورت برأت قرآن کا وہ حصہ ہے جو آخر میں نازل ہوا ہے لیکن سورت انفال میں مذکورہ باتیں سورت براۃ میں مذکورہ باتوں کے مشابہ ہیں یعنی دونوں سورتوں میں کافروں سے برسرپیکار ہونے اور عہد ختم کرنے کا بیان ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہمیں یہ نہیں بتا گئے کہ سورت برأت انفال ہی کا حصہ ہے یا نہیں؟ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ بتانے کے سبب اور دونوں سورتوں میں از روئے مفہوم معنی مماثلت ومشابہت ہونے کے باعث ہم نے دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھا لیکن ہم نے دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر امتیاز قائم نہیں کیا اور پھر ہم نے ان دونوں سورتوں کو پاس پاس سات بڑی سورتوں کے درمیان رکھا لیکن ان دونوں کے فاصلہ رکھا یعنی دونوں کو الگ الگ رکھا کیونکہ جس طرح دونوں کے دو ہونے میں شبہ تھا اسی طرح

دونوں کے ایک ہونے بھی شبہ تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 744)

طوال، اوساط اور قصار مفصل سورتوں کا بیان

قرآن مجید کی سورتوں کو اسی طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ سوت بقرہ سے سورت یونس تک کو "طوال" کہتے ہیں عربی میں طوال لبے کو کہتے ہیں اور قرآن کی ابتدائی سات سورتیں چونکہ لبی ہیں اس لئے اس مناسبت سے ان کا نام "سبع طوال" سات لمبی سورتیں ہوا۔ سورت یونس سے سورت شعراء تک کی سورتوں کو "مئین" کہا جاتا ہے۔ مئین مأۃ کی جمع ہے اور عربی میں مأۃ سو کو کہتے ہیں اور یہ سورتیں چونکہ سو سو آیتوں سے زیادہ پر مشتمل ہیں یا سو کے قریب ہیں اس لئے ان سورتوں کو مئین کہتے ہیں۔

اور سورت شعراء سے سورت حجرات تک کی سورتیں مثانی کہلاتی ہیں یہ سورتیں سو سو آیتوں سے کم ہیں اور پھر یہ کہ ان سورتوں کے مضمون اور قصے مکرر ہیں اس لئے ان کو مثانی کہا جاتا ہے۔ سورت حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتوں کو مفصل کہتے ہیں کیونکہ ان سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا فاصلہ اتنا قریب ہے۔ یہ گویا تین قسمیں ہوئی پھر ان میں سے آخری قسم یعنی مفصل کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) طوال (۲) اوساط (۳) قصار۔ سورت حجرات سے (والسماء ذات البروج) تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں۔ والسماء ذات البروج سے لم یکن تک کی سورتوں کو اوساط مفصل کہتے ہیں اور سورت لم یکن سے آخر قرآن تک کی سورتوں کو قصار مفصل کہا جاتا ہے۔ اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب حدیث کے مفہوم کی طرف آیئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ سورت انفال مثانی میں سے ہے کیونکہ وہ سو آیتوں سے کم ہے اور سوت براۃ مئین میں سے ہے کیونکہ وہ سو آیتوں سے زیادہ ہے لہٰذا آپ نے قرآن کو جمع اور نقل کراتے وقت ان دونوں سورتوں کو نزدیک نزدیک طوال میں کیوں رکھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انفال مثانی رکھتے اور براۃ کو مئین میں آخر میں بھی ایک خلش کی بات یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اس بات کا جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان اشتباہ پیدا ہو گیا ہے ایک وجہ تو یہ کہ دونوں سورتیں ایک ہی سورت ہیں (جیسا کہ ترجمہ میں بیان کیا گیا) اس سبب سے ان کو طوال میں رکھنا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنا درست ہوا اور ایک وجہ سے یہ دونوں سورتیں الگ الگ دو سورتیں ہیں اس لئے ان کے درمیان فاصلہ رکھا گیا۔

سورۃ توبہ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورت توبہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ سورت کافروں کی فضیحت کرنے والی ومنھم، ومنھم کی آیات اترتی رہیں یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی بھی باقی نہ رہے گا جس کا ذکر نہ ہو۔

میں نے سورت انفال کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بدر کے بارہ میں نازل ہوئی ہے پھر میں نے سورت حشر کے متعلق پوچھا تو کہا کہ بنی نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2092)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا سورت توبہ، انہوں نے فرمایا کیا توبہ؟ نہیں، بلکہ وہ سورت تو کافروں اور منافقوں کو ذلیل کرنے والی ہے۔

اس سورت میں تو برابر کچھ کا حال یہ ہے کچھ کا حال یہ ہے نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے خیال کیا کہ اس سورت میں ہر منافق کا ذکر کر دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 3057)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○
اللہ اور اس کے رسول کی طرف ان مشرکین کو بیزاری کا حکم سنا دو جن سے تمہارا معاہدہ تھا۔

عہد شکن مشرکین کے لئے اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے اعلان برأت کا بیان

هٰذِهٖ "بَرَاءَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" وَاصِلَة "اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" عَهْدًا مُطْلَقًا اَوْ دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اَوْ فَوْقَهَا وَنَقْضُ الْعَهْدِ بِمَا يُذْكَرُ فِي قَوْلِهٖ:

یہ اعلان برأت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ان مشرکین کے لئے ہے جن سے تمہارا معاہدہ تھا۔ یعنی وہ معاہدہ مطلق طور پر تھا یا چار ماہ سے کم وبیش مدت کے لئے تھا مگر انہوں نے ذکر کردہ معاہدے کو توڑ دیا۔ جیسا کہ آئندہ آیت میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

سورہ برأت آیت ا کے شانِ نزول کا بیان

یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی نبی جب غزوہ تبوک کیلیے روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیمانوں کو توڑنا شروع کر دیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھے تھے مشرکین کا گمان اور خیال تھا کہ یہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لیے یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکن سے برات اور بیزاری کا اعلان کر دیں اور ان کے عہدوں کو واپس کر دیں کما قال تعالیٰ (واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء) تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بارے میں سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر، تفسیر ابی حیان، سورہ برأت، بیروت)

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ○
پس تم زمین میں چار ماہ گھوم پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور بیشک اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

مدت معاہدے تک مشرکین کے لئے مہلت ہونے کا بیان

"فَسِيحُوا" سِيرُوْا اٰمِنِيْنَ اَيُّهَا الْمُشْرِكُوْنَ "فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ" اَوَّلُهَا شَوَّال بِدَلِيْلِ مَا سَيَاْتِي وَلَا اَمَانَ لَكُمْ بَعْدَهَا "وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ" اَيْ فَائِتِي عَذَابه "وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكَافِرِيْنَ" مُذِلّهمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْاُخْرٰى بِالنَّارِ،

اے مشرکو! پس تم زمین میں امن سے چار ماہ گھوم پھر لو جس کا آغاز شوال کے مہینے سے ہے جس طرح آنے والی دلیل میں اس کا بیان آ رہا ہے۔ اور اس کے بعد تمہارے لئے کوئی امان نہ ہوگا۔ اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے یعنی اس کے عذاب سے بچ جانے والے نہیں ہو۔ اور بیشک اللہ کافروں کو دنیا میں قتل کے ساتھ رسوا کرنے والا ہے۔ اور آخرت میں جہنم میں داخل کر کے رسوا کرنے والا ہے۔

عہد کے سبب مشرکین کو مہلت دینے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے عہد ہو چکا تھا ان کے لیے چار ماہ کی حد بندی اللہ تعالیٰ نے مقرر کی اور جن سے عہد نہ تھا ان کے لیے حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کی عہد بندی مقرر کر دی یعنی دس ذی الحجہ سے محرم الحرام تک کے پچاس دن۔ اس مدت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ اور جن سے عہد ہے وہ دس ذی الحجہ کے اعلان کے دن سے لے کر بیس ربیع الآخر تک اپنی تیاری کر لیں پھر اگر چاہیں مقابلے پر آ جائیں یہ واقعہ سنہ ۹ ھ کا ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا اور حضرت علی کو تیس یا چالیس آیتیں قرآن کی اس صورت کی دے کر بھیجا کہ آپ چار ماہ کی مدت کا اعلان کر دیں۔ آپ نے ان کے ڈیروں میں گھروں میں منزلوں میں جا جا کر یہ آیتیں انہیں سنا دیں اور ساتھ ہی سرکار نبوت کا یہ حکم بھی سنا دیا کہ اس سال کے بعد حج کے لیے کوئی مشرک نہ آئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا شخص نہ کرے۔ قبیلہ خزاعہ قبیلہ مدلج اور دوسرے سب قبائل کے لیے بھی یہی اعلان تھا۔ تبوک سے آ کر آپ نے حج کا ارادہ کیا تھا لیکن مشرکوں کا وہاں آنا ان کا ننگے ہو کر وہاں کا طواف کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا اس لیے حج نہ کیا اور اس سال حضرت ابو بکر کو اور حضرت علی کو بھیجا انہوں نے ذی المجاز کے بازاروں میں اور ہر گلی کوچے اور ہر ہر پڑاؤ اور میدان میں اعلان کیا کہ چار مہینے تک کی تو شرک اور مشرک کو مہلت ہے اس کے بعد ہماری اسلامی تلواریں اپنا جوہر دکھائیں گی بیس دن ذی الحجہ کے محرم پورا صفر پورا اور ربیع الاول پورا اور دس دن ربیع الآخر کے ہیں۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○
اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری ہے
اور اس کا رسول بھی۔ پس اگر تم توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر منہ موڑ و تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ کو عاجز
کرنے والے نہیں اور جنہوں نے کفر کیا انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دے۔

حج اکبر کے دن مشرکین کو حج وطواف کی ممانعت کے تاریخی اعلان کا بیان

"وَاَذَانٌ" اِعْلَام "مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ" يَوْمَ النَّحْرِ "اَنَّ" اَیْ بِاَنَّ "اللّٰهَ بَرِیْءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" وَعُهُوْدِهِمْ "وَرَسُوْلُهٗ" بَرِیْءٌ اَيْضًا "وَقَدْ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا مِنَ السَّنَةِ وَهِيَ سَنَةُ تِسْعٍ فَاَذَّنَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى بِهٰذِهِ الْاٰيَاتِ وَاَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ "فَاِنْ تُبْتُمْ" مِنَ الْكُفْرِ "فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ" عَنِ الْاِيْمَانِ "فَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَبَشِّرْ" اَخْبِرْ "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" مُؤْلِمٍ وَهُوَ الْقَتْلُ وَالْاَسْرُ فِی الدُّنْيَا وَالنَّارُ فِی الْاٰخِرَةِ،

اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر یعنی یوم نحر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے ان کے عہد کے بارے میں بری ہے اور اس کا رسول ﷺ بھی ان سے عہد کے بارے میں بری ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اسی سال بھیجا اور یہ ہجرت کا نواں سال تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں آکر قربانی کے دن یہ اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور نہ ہی عریانی کے ساتھ طواف کر سکے گا۔ اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

پس اگر تم کفر سے توبہ کرلو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم ایمان سے منہ موڑ و تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور جنہوں نے کفر کیا انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دے۔ اور دنیا میں قتل وقید ہے جبکہ آخرت میں جہنم ہے۔

سورہ برأت آیت ۳ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد نصیحت کی پھر خطبہ دیا اور فرمایا کونسا دن ہے جس کی حرمت میں تم لوگوں کے سامنے بیان کر رہا ہوں؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہی سوال کیا) لوگوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ حج اکبر کا دن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کا یہ دن تمہارے اس شہر اور اس مہینے میں۔ جان لو کہ ہر جرم کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے کوئی باپ اپنے بیٹے کے جرم اور کوئی بیٹا

اپنے باپ کے جرم کا ذمہ دار نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے کسی بھائی کی کوئی چیز حلال سمجھے۔ جان لو کہ زمانہ جاہلیت کے سب سود باطل ہیں اور صرف اصل مال ہی حلال ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ ہاں البتہ عباس بن عبدالمطلب کا سود اور اصل دونوں معاف ہیں۔ پھر جان لو کہ زمانہ جاہلیت کا ہر خون معاف ہے۔ پہلا خون جسے ہم معاف کرتے اس کا قصاص نہیں لیتے حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ وہ قبیلہ بنولیث کے پاس رضاعت (دودھ پینے) کے لئے بھیجے گئے تھے کہ انہیں ہزیل نے قتل کر دیا تھا۔ خبردار عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ یہ تمہارے پاس قیدی ہیں تم ان کی کسی چیز کی ملکیت نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم انہیں اپنے بستروں سے الگ کر دو اور ہلکی مار مارو کہ اس سے ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹنے پائے۔ پھر اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان کے خلاف بہانے تلاش نہ کرو۔ جان لو کہ جیسے تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اسی طرح ان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو تمہارے بستروں کے قریب نہ آنے دیں جنہیں تم پسند نہیں کرتے بلکہ ایسے لوگوں کو بھی گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں جنہیں تم اچھا نہیں سمجھتے۔ اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ ان کے کھانے اور پہننے کی چیزوں میں سے اچھا سلوک کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے ابوالاحوص شعیب بن غرقدہ سے روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1029)

حج اکبر کے دن مال، جان اور عزتوں کی حرمت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ یوم حرام ہے، کیا تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ حرام کا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر ایک دوسرے کا خون، مال اور عزت و آبرو کو اسی طرح حرام قرار دیا ہے جس طرح تمہارا آج کا دن، تمہارے اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے اور ہشام بن غاز نے بیان کیا کہ مجھ سے نافع نے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے جس سال آپ نے حج کیا تھا اور اس میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہنا شروع کیا اے اللہ گواہ رہ اور لوگوں کو رخصت کیا تو لوگوں نے اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1673)

حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن (یعنی دسویں ذی الحجہ کو صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا جانتے بھی ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں حج اکبر کا دن ہے۔ پھر آپ نے فرمایا یاد رکھو تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں، تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن اور تمہارے اس شہر میں! خبردار! ظلم کرنے والا صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے یعنی جو شخص کسی پر ظلم کرتا ہے اس کا ... رہوتا ہے کہ وہی ماخوذ ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ ظلم کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے یاد رکھو! کوئی ظالم اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کرتا

اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ پر ظلم کرتا ہے، جان لو! شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ تمہارے اس شہر مکہ میں اس کی پرستش کی جائے۔ ہاں تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرمانبرداری ہوگی جنہیں تم حقیر سمجھو گے، چنانچہ وہ ان گناہوں سے خوش ہوگا جن کو تم حقیر سمجھو گے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1217)

"حج اکبر" مطلق حج کو کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ آیت (واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین ورسولہ)۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول، مشرکوں کو امن دینے سے دست بردار ہوتے ہیں۔ اور حج کو صفت اکبر کے ساتھ موصوف اس لئے کیا جاتا ہے کہ عمرہ حج اصغر کہلاتا ہے اس مناسبت سے حج کو حج اکبر سے موسوم کیا گیا۔ مشہور مفسر بیضاوی کہتے ہیں کہ یوم بقر عید یعنی دسویں ذی الحجہ کا دن یوم حج اکبر کہلاتا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اسی دن حج مکمل ہوتا ہے بلکہ حج کے تمام بڑے بڑے افعال اسی دن میں ادا کئے جاتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں قربانی بقر عید کے دن جمرات کے قریب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ پچھلے صفحات میں اسی مضمون کی جو حدیث گزری ہے اس میں تو یہ ذکر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب صحابہ سے پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے جب کہ یہاں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے، بظاہر ان دونوں میں تضاد نظر آتا ہے حالانکہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بعض صحابہ نے تو وہ جواب دیا ہو اور بعض نے یہ، لہٰذا جس راوی نے جو جواب سنا وہ ذکر کر دیا۔ فان دماء کم الخ (اور تمہارے خون الخ) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم لوگ اس مبارک دن اور اس مقدس شہر میں ایک دوسرے کا خون بہانے، ایک دوسرے کا مال ہڑپ کرنے اور ایک دوسرے کی بے آبروئی کو حرام اور برا سمجھتے ہو اسی طرح یہ چیزیں ہر جگہ اور ہر وقت حرام و بری ہیں۔" کوئی ظالم اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کرتا الخ" زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جملہ، نفی کو ظاہر کر رہا ہے یعنی اگر کسی کا بیٹا کسی پر ظلم کرتا ہے یا کسی کا باپ کسی پر ظلم کرتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے ظلم کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتے، یہ نہیں ہوتا کہ کسی پر ظلم تو کرے بیٹا اور اس کی وجہ سے پکڑا جائے باپ، یا کسی پر ظلم کرے باپ اور اس کی وجہ سے پکڑا جائے بیٹا، بلکہ جو ظلم کرتا ہے وہی پکڑا جاتا ہے، چنانچہ یہ ارشاد گرامی اس آیت کی مانند ہے کہ۔ (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) 35۔فاطر : 18)۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور یہ بات صرف باپ بیٹے ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ عمومی طور پر کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے ظلم و جرم کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہاں باپ بیٹے کو بطور خاص محض اس مقصد سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں سب سے زیادہ قریبی اقرباء ہیں جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے فعل کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اس طرح یہ جملہ ماقبل کی عبارت لایجنی جان الخ ظلم کرنے والا صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کی تاکید کے طور پر ہوگا۔ بعض شارحین نے اس جملہ لایجنی الا علی نفسہ میں لفظ الا نقل نہیں کیا ہے اور لکھا ہے یہ جملہ نفی بمعنی نہی ہے یعنی اس جملہ کے ذریعہ منع کیا جا رہا ہے کہ کوئی ظالم اپنے نفس پر ظلم نہ کرے جس سے مراد یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے کیونکہ جو شخص کسی پر ظلم کرتا ہے

وہ درحقیقت اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بایں طور کہ وہ کسی پر ظلم کر کے اپنے کو سزا اور عذاب کا مستحق بنالیتا ہے۔ وان الشیطان قد ایس الخ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اس شہر مکہ میں غیر اللہ کی عبادت کے ذریعہ اس کی فرمانبرداری ہو۔ لہٰذا یہاں اب کبھی بھی کوئی شخص شیطان کے فریب میں آ کر غیر اللہ کی عبادت و پرستش کھلم کھلا نہیں کرے گا۔ اس سے گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ مقدس شہر ہمیشہ کے لئے کفر و شرک کی غلاظت سے پاک کر دیا گیا ہے اور اب کبھی بھی اس پاک سرزمین پر کسی غیر مسلم کو قدم رکھنے کی اجازت نہ ہو گی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی غیر مسلم چوری چھپے اس شہر میں آ جائے اور وہ خفیہ طور پر غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ "ہاں تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرمانبرداری ہو گی" میں اعمال سے مراد گناہ کے اعمال ہیں جیسے ناحق قتل کرنا، کسی کا مال لوٹنا یا اسی قسم کے دوسرے اعمال بد اور صغیرہ گناہوں کو اہمیت نہ دینا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال بد میں مبتلا ہونے والا جب ان کو حقیر سمجھتا ہے اور جس کے نتیجہ میں وہ ان اعمال سے اجتناب نہیں کرتا تو گویا وہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ شیطان ان باتوں سے خوش ہوتا ہے اور پھر وہی اعمال بڑے فتنہ و فساد کا باعث بن جاتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا
فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ پر کسی کی
مدد کی لہٰذا تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک ان کے ساتھ پورا کرو، بیشک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے۔

عہد شکنی نہ کرنے والے مشرکین سے عہد پورا کرنے کا بیان

"اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا" مِنْ شُرُوط الْعَهْد "وَلَمْ يُظَاهِرُوْا" يُعَاوِنُوْا "عَلَيْكُمْ اَحَدًا" مِنْ الْكُفَّار "فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدهمْ اِلَى" انْقِضَاء "مُدَّتهمْ" الَّتِي عَاهَدْتُمْ عَلَيْهَا "اِنَّ اللّٰه يُحِبّ الْمُتَّقِيْنَ" بِاِتْمَامِ الْعُهُوْد،

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ اپنے عہد کی شرائط کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ پر آنے والے کفار مدد یا پشت پناہی کی سو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک ان کے ساتھ پورا کرو، یعنی جو تم نے عہد کیا ہے۔ بیشک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ عہد کو پورا کرنے کو پسند کرتا ہے۔

عہد کو پورا نہ کرنے کے سبب سخت وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا تین آدمی ہیں جن کا میں قیامت کے دن دشمن ہوں گا ایک وہ شخص جس نے میرا واسطہ دے کر عہد کیا پھر بے وفائی کی دوسرے وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی تیسرے وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے کام پورا لیا اور اس کی

مزدوری نہ دی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2177)

ابراہیم تیمی اپنے والد سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میرے پاس تو صرف اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صحیفہ ہے (جس میں لکھا ہے) مدینہ عائر سے لے کر فلاں فلاں مقامات تک حرم ہے جو شخص اس جگہ میں کوئی بات نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفل اور آپ نے فرمایا مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے جو شخص کسی مسلمان کا عہد توڑے، اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ نفل اور جو شخص اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے سوالات کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کی نہ تو کوئی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ نفل عبادت۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1796)

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ
وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو
پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مدت امن گزر جانے کے بعد مشرکین کے قتل عام کا بیان

"فَاِذَا انْسَلَخَ" خَرَجَ "الْاَشْهُر الْحُرُم" وَهِيَ اٰخِر مُدَّة التَّاْجِيل "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ" فِيْ حِلّ اَوْ حَرَم "وَخُذُوهُمْ" بِالْاَسْرِ "وَاحْصُرُوْهُمْ" فِي الْقِلَاع وَالْحُصُوْن حَتّٰى يُضْطَرُّوا اِلَى الْقَتْل اَوْ الْاِسْلَام "وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلّ مَرْصَد" طَرِيْق يَسْلُكُوْنَهُ وَنُصِبَ كُلّ عَلٰى نَزْع الْخَافِض "فَاِنْ تَابُوا" مِنْ الْكُفْر "وَاَقَامُوا الصَّلَاة وَ اٰتَوُا الزَّكَاة فَخَلُّوا سَبِيْلهمْ" وَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهُمْ "اِنَّ اللّٰه غَفُور رَحِيْم" لِمَنْ تَابَ،

پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں یعنی ان کی مدت گزر جائے وہ ان کی آخری مدت ہے تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ چاہے وہ حرم میں ہوں یا حل میں ہوں اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ان کو گڑھوں اور قلعوں میں بند کردو یہاں تک کہ وہ قتل یا اسلام کی طرف مجبور ہو جائیں اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو یعنی جس راستے سے وہ آتے جاتے ہیں یہاں پر کل حذف جار کے سبب منصوب ہے پھر اگر وہ کفر سے توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو یعنی ان سے جھگڑا نہ کرو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے جو اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے۔

اسلام لانے کے لئے مشرکین مکہ کو مجبور کرنے کا بیان

مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ اگر یہ وہاں تم سے لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے۔ چاہو قتل کرو، چاہو قید کرلو، ان کے قلعوں کا محاصرہ کرو ان کے لیے ہر گھاٹی میں بیٹھ کر تاک لگاؤ انہیں زد پر لا کر مارو۔ یعنی یہی نہیں کہ مل جائیں تو جھڑپ ہو جائے خود چڑھ کر جاؤ۔ ان کی راہیں بند کرو اور انہیں مجبور کردو کہ یا تو اسلام لائیں یا لڑیں۔ اس لیے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں پابند نماز ہو جائیں زکوٰۃ دینے کے مانعین سے جہاد کرنے کی اسی جیسی آیتوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلیل لی تھی کہ لڑائی اس شرط پر حرام ہے کہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام کے واجبات بجالائیں۔ اس آیت میں ارکان اسلام کو ترتیب وار بیان فرمایا ہے اعلیٰ پھر ادنیٰ پس شہادت کے بعد سب سے بڑا رکن اسلام نماز ہے جو اللہ عزوجل کا حق ہے۔ نماز کے بعد زکوٰۃ ہے جس کا نفع فقیروں مسکینوں محتاجوں کو پہنچتا ہے اور مخلوق کا زبردست حق جو انسان کے ذمے ہے ادا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ بخاری و مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد جاری رکھو، جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ کوئی معبود بجز اللہ کے نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ تمہیں نمازوں کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم کیا گیا ہے جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے آپ کی فقہ سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ جو آپ نے زکوٰۃ کے منکروں سے جہاد کیا۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے لوگوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ برحق کے اور کوئی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ ان دونوں باتوں کا اقرار کرلیں، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرلیں، ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ہم پر ان کے خون ان کے مال حرام ہیں مگر احکام حق کے ماتحت انہیں وہ حق حاصل ہے جو اور مسلمانوں کا ہے اور ان کے ذمے ہر وہ چیز ہے جو اور مسلمانوں کے ذمے ہے یہ روایت بخاری شریف میں اور سنن میں بھی ہے سوائے ابن ماجہ کے۔ ابن جریر میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کی خالص عبادت کرتا ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ اس حال میں جائے گا کہ اللہ اس سے خوش ہوگا۔ (مسند احمد بن حنبل)

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ
اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواست گار ہو تو اسے پناہ دے دیں تا آنکہ وہ اللہ کا کلام سنے پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

امن طلب کرنے والے مشرک کو امن دینے کا بیان

"وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ " مَرْفُوع بِفِعْلٍ يُفَسِّرهُ "اسْتَجَارَكَ" اسْتَامَنَكَ مِنَ الْقَتْل "فَاَجِرْهُ" اَمِّنْهُ "حَتّٰى يَسْمَع كَلَام اللّٰه" الْقُرْاٰن "ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنه" وَهُوَ دَار قَوْمه اِنْ لَّمْ يُؤْمِن لِيَنْظُر فِيْ اَمْره "ذٰلِكَ" الْمَذْكُور "بِاَنَّهُمْ قَوْم لَا يَعْلَمُوْنَ" دِيْن اللّٰه فَلَا بُدّ لَهُمْ مِنْ سَمَاع الْقُرْاٰن لِيَعْلَمُوا،

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواست گار ہو، یہاں پر لفظ احد یہ فعل محذوف کے سبب مرفوع ہے جس فعل کی تفسیر "اسْتَجَارَكَ" کر رہا ہے۔ تو اسے قتل سے پناہ دے دیں حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام یعنی قرآن سنے پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں، اور وہ اس کا قومی وطن ہے۔ تاکہ وہ اس معاملہ میں غور وفکر کر سکے۔ یہ ذکر کردہ حکم اس لئے ہے کہ وہ لوگ اللہ کے دین کا علم نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے لئے قرآن کو سننا لازم ہے تاکہ وہ اس کو سمجھ لیں۔

امان دینے میں بعض فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر کے عزیزوں میں سے دو اشخاص کو پناہ دلوائی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے بھی اسے پناہ دی جس کو تم نے دی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ انہوں نے عورت کا کسی کو پناہ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں کہ عورت اور غلام کا پناہ دینا جائز رکھا ہے۔ ابو مرہ عقیل بن ابی طالب کے مولی ہیں۔ انہیں ام ہانی کا مولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام یزید ہے۔

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے جس کے ساتھ ہر ادنی شخص بھی چلتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی نے بھی کسی شخص کو امان دیا تمام مسلمانوں کو اس شخص کو امان دینا ضروری ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1645)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کسی قوم کے لئے (عہد) لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1081)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت، کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان و پناہ دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان و پناہ دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

حضرت ام ہانی بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کپڑے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ کیے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا" کون ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "میں ہوں" ام ہانی بنت ابوطالب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"ام ہانی خوش آمدید!" پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑے لپیٹے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علی نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔" حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ "یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانی نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ "میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں!؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1080)

حضرت ام ہانی کا اصل نام "فاختہ" تھا اور بعض نے "عاتکہ" بیان کیا ہے۔ یہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علی کی حقیقی بہن ہیں ، ہبیرہ ان کے خاوند کا نام ہے، جب ام ہانی نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہبیرہ سے ان کی جدائی واقع ہوگئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ جس شخص نے حضرت ام ہانی نے پناہ دی تھی وہ اس کے خاوند ہبیرہ کی اولاد میں سے تھا، اغلب یہ ہے کہ وہ ام ہانی کے علاوہ ہبیرہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا حضرت علی نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو ام ہانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کا قاصد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم مسلیمہ کی رسالت کے قائل ہو؟ اس نے کہاں ہاں آپ نے فرمایا اگر قاصدوں کا قتل میرے نزدیک ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ آخر یہ شخص حضرت ابن مسعود کوفی کی امارت کے زمانے میں قتل کر دیا گیا اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا آپ کو جب معلوم ہوا کہ یہ مسیلمہ کا ماننے والا ہے تو آپ نے بلوایا اور فرمایا اب تو قاصد نہیں ہے اب تیری گردن مارنے سے کوئی امر مانع نہیں چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا اللہ کی لعنت اس پر ہو۔ الغرض دارالحرب سے جو قاصد آئے یا تاجر آئے یا صلح کا طالب آئے یا آپس میں اصلاح کے ارادے سے آئے یا جزیہ لے کر حاضر ہو امام یا نائب امام نے اسے امن وامان دے دیا ہو تو جب تک وہ دارالاسلام میں رہے یا اپنے وطن نہ پہنچ جائے اسے قتل کرنا حرام ہے۔ علماء کہتے ہیں ایسے شخص کو دارالاسلام میں سال بھر تک نہ رہنے دیا جائے۔ زیادہ سے

زیادہ چار ماہ تک وہ یہاں ٹھہر سکتا ہے پھر چار ماہ سے زیادہ اور سال بھر کے اندر دو قول ہیں امام شافعی وغیرہ علماء کے ہیں۔

مسلمانوں کے غلام کا امان دینے کا بیان

پناہ یا امان بھی دراصل ایفائے عہد ہی کی ایک قسم ہے جس میں پناہ لینے والے کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ پناہ دینے والا اس کی جان و مال کی دشمنوں سے حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اور وہ خود بھی اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا۔ مسلمانوں کا اس قسم کا ایفائے عہد یا امان کی پاسداری اس قدر زبان زد تھی کہ دشمن نے بعض دفعہ مسلمانوں کی کسی واقعہ سے لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر امان حاصل کی اور عظیم فائدے حاصل کیے اور مسلمان جو پناہ دے چکے تھے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ یہ امان مکر و فریب سے حاصل کی گئی ہے اپنا نقصان اٹھا کر بھی اس عہد کو پورا کیا۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر صرف ایک مسلمان خواہ وہ آزاد ہو یا غلام یا عورت ہو کسی کو پناہ دے دے تو وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے امان سمجھی جائے گی۔ چنانچہ خوزستان (ایران) کی فتوحات کے سلسلہ میں ایک مقام شابور کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان سے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ مسلمانوں کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ سبب پوچھا تو شہر والوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر ایمان دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا (واضح رہے کہ جزیہ کی شرط پر امان کا اصل وقت جنگ شروع ہونے سے پہلے ہے۔ دوران جنگ یا فتح کے بعد نہیں) سب کو حیرت تھی کہ امان کس نے دی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔

ابو موسیٰ اسلامی سپہ سالار نے کہا کہ ایک غلام کی امان حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا گیا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دی تمام مسلمان امان دے چکے۔ (الفاروق ص ۲۳۱)

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
مشرکوں کے لئے اللہ کے ہاں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں کوئی عہد کیوں کر ہو سکتا ہے؟
سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے سو جب تک وہ تمہارے ساتھ قائم رہیں تم
ان کے ساتھ قائم رہو۔ بیشک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے۔

مشرکین کے عہد کے ساتھ مشروط طور پر قائم رہنے کا بیان

"كَيْفَ" أَيْ لَا "يَكُوْن لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْد عِنْد اللّٰه وَعِنْد رَسُوْله" وَهُمْ كَافِرُوْنَ بِاَللّٰهِ وَرَسُوْله غَادِرُوْنَ "إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ عِنْد الْمَسْجِد الْحَرَام" يَوْم الْحُدَيْبِيَة وَهُمْ قُرَيْش الْمُسْتَثْنَوْنَ مِنْ قَبْل

"فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ" أَقَامُوا عَلَى الْعَهْدِ وَلَمْ يَنْقُضُوهُ وَمَا شَرْطِيَّة "فَاسْتَقِيمُوْا لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ" عَلَى الْوَفَاءِ بِهِ وَقَدْ اسْتَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَهْدِهِمْ حَتّٰى نَقَضُوْا بِإِعَانَةِ بَنِيْ بَكْرٍ عَلَى خُزَاعَةَ،

مشرکوں کے لئے اللہ کے ہاں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں کوئی عہد کیوں کر ہوسکتا ہے؟ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کفر کر کے غداری کرنے والے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس حدیبیہ میں معاہدہ کیا ہے اور وہ قریش ہیں جو اس سے حکم سے پہلے ہی مستثنیٰ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جب تک وہ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں یعنی وہ عہد کو نہ توڑیں تو تم بھی ان کے ساتھ عہد میں قائم رہو۔ یہاں لفظ ما شرطیہ ہے۔ بیشک اللہ پرہیز گاروں کو ان کے ساتھ عہد پر قائم رہنے کو پسند فرماتا ہے۔ اور یقیناً نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ عہد میں قائم رہے حتیٰ کہ انہوں نے بنو بکر کی خزاعہ پر اعانت کر کے عہد کو توڑ دیا۔

صلح حدیبیہ اور حلیف قبائل کے احوال کا بیان

ان سے مراد وہ تین مشرک قبائل ہیں بنوخزاعہ، بنوکنانہ اور بنوضمرہ۔ جو صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کے حلیف بنے تھے۔ اور جب اعلان برأت ہوا تو ان سے معاہدہ کی میعاد میں ابھی نو مہینے باقی تھے۔ اس سورہ کی آیت نمبر ۴ کے مطابق اس مدت میں ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔ نیز اس آیت کی رو سے اس بات کی بھی اجازت دے دی گئی کہ کوئی مشرک جب تک اپنے معاہدہ پر قائم رہتا ہے اس وقت تو تمہیں بہرحال قائم رہنا چاہیے اور اگر وہ اپنا عہد توڑتا ہے تو اس وقت تمہیں بھی مخالفانہ کارروائی کرنے کی اجازت ہے۔ بالفاظ دیگر معاہدہ کی خلاف ورزی کی ابتداء تمہاری طرف سے بہرصورت نہیں ہونی چاہیے اور اس کی مثال معاہدہ یا صلح حدیبیہ ہے جس کی رو سے طے پایا تھا کہ آئندہ مسلمان اور قریش مکہ آپس میں دس سال تک جنگ نہیں کریں گے اور جو قبائل مسلمانوں کے حلیف ہیں قریش ان پر بھی کوئی زیادتی نہ کریں گے اور جو قریش کے حلیف ہیں ان پر مسلمان کوئی زیادتی نہ کریں گے۔ اسی معاہدہ کی رو سے بنوخزاعہ تو مسلمانوں کے حلیف بنے اور بنوبکر قریش کے۔ اور بنوخزاعہ اور بنوبکر کی آپس میں لگتی تھی۔ صلح حدیبیہ کو ابھی سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ بنوخزاعہ اور بنوبکر کی آپس میں لڑائی ہوگئی اور قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوبکر کو ہتھیار بھی مہیا کیے اور کھل کر ان کا ساتھ بھی دیا۔ اور بنوخزاعہ کی خوب پٹائی کی۔ بنوخزاعہ کا ایک وفد عمرو بن سالم کی سرکردگی میں مدینہ گیا۔ آپ سے فریاد کی اور کہا کہ قریش نے عہد توڑ ڈالا۔ آپ نے فرمایا: اچھا میں اب تمہاری مدد کرنے میں حق بجانب ہوں گا۔ قریش کی عہد شکنی دراصل مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ تاہم آپ نے قریش کے سامنے تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک قبول کر لی جائے۔

۱۔ بنوخزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے۔ ۲۔ قریش بنوبکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ ۳۔ اعلان کیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہو گیا۔

قاصد نے جب یہ شرائط قریش کے سامنے پیش کیں تو ان کا نوجوان طبقہ فوراً بھڑک اٹھا اور ان میں سے ایک شخص فرط بن عامر نے قریش کی طرف سے اعلان کر دیا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔ جب قاصد واپس چلا گیا تو ان لوگوں کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لیے مدینہ بھیجا گیا۔ ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر تجدید معاہدہ کی درخواست کی جس کا آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر علی الترتیب سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیّدنا عمر حتیٰ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تک سفارش کے لیے التجا کی۔ لیکن جب سب نے جواب دے دیا تو مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اس نے یک طرفہ ہی اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔ لیکن اس نے آپ کی پیش کردہ شرائط میں سے کسی کا جواب نہیں دیا تھا۔ لہٰذا اب اصلاح کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی اور قریش کی یہی بدعہدی بالآخر مکہ پر چڑھائی کا سبب بن گئی۔

قریش اور بنوبکر کی بدعہدی' مکہ پر مسلمانوں کی چڑھائی:۔ ایفائے عہد اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہے اور بدعہدی ایک کبیرہ گناہ ہے جسے احادیث میں منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ یہ عہد خواہ اللہ سے ہو یا کسی بندے سے، لین دین سے تعلق رکھتا ہو یا نکاح وطلاق سے یا صلح وجنگ سے۔ ایک شخص کا دوسرے سے ہو یا کسی قوم سے ہو یا کسی قوم کا دوسری قوم سے ہو بہر حال اسے پورا کرنا واجب ہے خواہ اس سے کتنا ہی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہو۔ اس سورہ میں چونکہ صلح وجنگ سے متعلق ہی قوانین بیان کیے جا رہے ہیں لہٰذا اہم یہی پہلو سامنے رکھتے ہیں۔ رسول اللہ سے دشمن زندگی بھر بدعہدی اور غداری کرتے رہے لیکن آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر کبھی بھی نقض عہد کو برداشت نہیں کیا۔

یہود کی بدعہدی تو زبان زد ہے انہوں نے میثاق مدینہ کی ہر ہر بار خلاف ورزی کی اور ان کی غداریوں اور بدعہدیوں کا کئی مقام پر ذکر ہو چکا ہے۔

دوسرے قبائل نے بھی بدعہدی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریش مکہ نے بنوبکر کی حمایت کر کے معاہدہ حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی کی۔ بنوثعلبہ نے تبلیغ اسلام کی خاطر آپ سے دس آدمی طلب کیے تو آپ نے چوٹی کے دس عالمان دین ان کے ساتھ روانہ کر دیئے اور انہوں نے غداری سے انہیں شہید کر دیا۔ یہی کام بنوعُکل وقارہ نے کیا انہوں نے تبلیغ اسلام کے نام پر دس عالمان دین کو غداری سے شہید کر دیا اور بئر معونہ کا واقعہ تو بڑا ہی دردناک ہے جس میں ستر ممتاز قاری اور عالمان دین کے مقابلہ میں قبیلہ رعل وذکوان کی جمعیت لا کر انہیں شہید کر دیا۔ جس کا رسول اللہ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ علاوہ ازیں اس واقعہ کے بعد دشمن قبائل کے مسلمانوں کے خلاف حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور تھوڑی مدت تک اسلام دشمن قومیں اور قبائل جنگ احزاب کی شکل میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔

اب ان کے مقابلہ میں آپ کے ایفائے عہد کے واقعات بھی سن لیجئے کہ کیسے نازک موقعوں پر آپ نے محض ایفائے عہد کی خاطر اپنے ہر طرح کے مفادات کو قربان کر دیا:۔

ا۔ سیّدنا حذیفہ بن یمان اور ان کے والد یمان، جن کی کنیت ابوحُسَیل تھی۔ غزوہ بدر میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے مگر راستہ

میں کفار قریش کے ہتھے چڑھ گئے انہوں نے ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ جنگ میں عدم شرکت کا وعدہ نہ لے لیا۔ پھر یہ دونوں غزوہ بدر میں رسول اللہ سے ملے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ "مدینے چلے جاؤ اور جنگ کی اجازت نہیں دی اور فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو اللہ کی مدد درکار ہے۔ (مسلم۔ کتاب الجہاد۔ والسیر۔ باب الوفاء بالعہد) حالانکہ اس موقعہ پر آپ کو ایک ایک آدمی کی شدید ضرورت تھی۔

۲۔ بئر معونہ کے حادثہ میں ۷۰ میں سے ایک شخص عمرو بن امیہ بچ نکلے لیکن بعد میں گرفتار ہو گئے۔ عامر بن طفیل جس نے ان قاریوں کو شہید کروایا تھا۔ نے عمرو بن امیہ کو دیکھ کر کہا "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی لہٰذا میں یہ منت پوری کرنے کی خاطر عمرو بن امیہ کو آزاد کرتا ہوں۔" عمرو بن امیہ وہاں سے چلے تو راستہ میں اسی قاتل قبیلہ کے دو افراد مل گئے جنہیں آپ نے قتل کر دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ رسول اللہ ان دو آدمیوں کو امان دے چکے تھے جس کا عمرو بن امیہ کو علم نہ تھا۔ اب حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بنو عامر کی غداری کی بنا پر ان سے جتنی بھی سختی برتی جا سکے برتی جائے مگر آپ نے اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا خون بہا ادا کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۷۳، بیروت)

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ
وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞
کیونکر ہو، ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تمہارے حق میں کسی قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی عہد کا، وہ تمہیں اپنے
منہ سے تو راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل (ان باتوں سے) انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عہد شکن ہیں۔

ظاہری کلام سے جھوٹیاں تسلیاں دینے والے عہد شکن لوگوں کا بیان

"كَيْفَ" يَكُوْنُ لَهُمْ عَهْدٌ "وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ" يَظْفَرُوْا بِكُمْ وَجُمْلَةُ الشَّرْطِ حَالٌ "لَا يَرْقُبُوْا" يُرَاعُوْا "فِيْكُمْ اِلًّا" قَرَابَةً "وَلَا ذِمَّةً" عَهْدًا بَلْ يُؤْذُوْكُمْ مَا اسْتَطَاعُوْا "يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ" بِكَلَامِهِمْ الْحَسَنِ "وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ" الْوَفَاءَ بِهِ "وَاَكْثَرُهُمْ فَاسِقُوْنَ" نَاقِضُوْنَ لِلْعَهْدِ،

ان مشرکین سے عہد کس طرح ہو سکتا ہے جن کا حال تو یہ ہے کہ اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تمہارے حق میں کسی قرابت کا لحاظ کریں اور نہ کسی عہد کی رعایت کریں، یہ جملہ شرطیہ حال ہے۔ بلکہ وہ تمہیں حتی المقدور تکالیف پہنچانے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ تمہیں اپنے منہ سے یعنی زبانی کلامی اچھی گفتگو سے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے دل ان باتوں سے یعنی عہد کو پورا کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عہد شکن ہیں۔

سورہ برأت آیت ۸ کے سبب نزول کا بیان

حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تعلق رکھنے والے یعنی مخاطبین میں صرف تین مسلمان اور چار منافق.

زندہ ہیں۔اتنے میں ایک دیہاتی نے کہا کہ آپ سب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ہمیں ان لوگوں کا حال بتائیے جو کہ ہمارے گھروں میں نقب لگا کر اچھی اچھی چیزیں چرا لیتے ہیں کیونکہ ہم ان کا حال نہیں جانتے حضرت حذیفہ نے فرمایا وہ سب فاسق وبدکار ہیں اور ان میں سے چار آدمی اب بھی زندہ ہیں۔

میں ان کو جانتا ہوں اور ان میں سے ایک تو اس قدر بوڑھا ہو چکا ہے کہ ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک کا بھی اسے احساس نہیں ہوتا ہے (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے)۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1842)

ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کرلیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں اور نہ قول وقرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے، اس لیے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لیے بھی اس عہد پر راضی نہیں۔ ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بدعہد ہیں اگر کوئی اکا دکا وفائے عہد کا خیال بھی کرتا ہے تو کثرت کے مقابلہ میں ان کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہر حال ایسی دغاباز بدعہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرام کے پاس معاہدہ کر چکے ہو، سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو۔ جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغدار ہو۔ خدا کو وہ ہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے بدعہدی نہ کی تھی۔ مسلمانوں نے نہایت دیانت داری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براءۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضی ہونے میں نو مہینے باقی تھے۔ ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
انہوں نے آیاتِ الٰہی کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرلی پھر اس کی راہ سے روکنے لگے،
بیشک بہت ہی برا کام ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

دنیا کی قلیل قیمت کے بدلے میں ایمان بیچنے کی مذمت کا بیان

"اشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ اللّٰه" الْقُرْاٰن "ثَمَنًا قَلِیْلًا" مِنَ الدُّنْیَا اَیْ تَرَکُوا اتِّبَاعَهَا لِلشَّهَوَاتِ وَالْهَوٰی "فَصَدُّوا عَنْ سَبِیْلِه" دِیْنِه "اِنَّهُمْ سَاءَ" بِئْسَ "مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" ـهُ عَمَلُهُمْ هٰذَا،

انہوں نے آیاتِ الٰہی یعنی قرآن کے بدلے دنیوی مفاد کی تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی یعنی انہوں نے قرآن کی اتباع کو شہوات ونفسانی خواہشات کے بدلے میں چھوڑ دیا ہے۔ پھر اس کے دین کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے، بیشک بہت ہی برا کام ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ یعنی ان کا یہ عمل کتنا برا ہے؟

انسان کا فیصلہ کے قابل ہونے میں معیار شخصیت کا بیان

آدمی کب فیصلہ کرنے کے لائق ہوتا ہے اور حسن بصری نے کہا کہ اللہ نے حکام سے عہد لیا کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو گے اور نہ لوگوں سے ڈریں گے اور نہ کسی آیت کے عوض تھوڑی قیمت وصول کریں گے پھر یہ آیت پڑھی کہ اے داود ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا اس لئے کہ تم لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو، یہ خواہشات تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گی، بے شک جو اللہ کے راستے سے گمراہ ہوجاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ یوم حساب کو بھول گئے اور یہ آیت پڑھی کہ ہم نے تورات کو نازل کیا اس میں ہدایت اور روشنی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ کے فرمانبردار نبی ربانی اور احبار یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے اس سبب سے کہ انہیں کتاب اللہ یاد کرائی گئی تھی اور وہ لوگ اس پر گواہ تھے پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے عوض تھوڑی قیمت نہ خریدو اور جس نے فیصلہ نہ کیا اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا تو ایسے لوگ کافر ہیں، اور یہ آیت پڑھی کہ، داود اور سلیمان جب کھیتی کے معاملہ کا فیصلہ دے رہے تھے جب کہ اس میں قوم کی بکریاں چرگئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کے گواہ تھے تو ہم نے یہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا، اللہ نے سلیمان کی تعریف کی اور داود کو ملامت نہیں کیا اور اگر اللہ نے ان دونوں کا معاملہ نہ بیان کیا ہوتا تو میں دیکھتا کہ قاضی ہلاک ہوگئے ہوتے اس لئے کہ اللہ نے علم کے سبب سلیمان کی تعریف کی اور داود کو ان کے اجتہاد کے سبب معذور سمجھا اور مزاحم بن زفر کا بیان ہے کہ ہم سے عمر بن عبدالعزیز نے کہا پانچ باتیں ایسی ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک بات اس میں نہ ہو تو اس میں عیب ہے وہ یہ ہے کہ سمجھدار ہو بردبار ہو، پاکدامن ہو، سخت ہو، علام ہو، علم کے متعلق دریافت کرنے والا ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2076)

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○
نہ وہ کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد کا، اور وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

قیامت کے دن عہد توڑنے والوں کو جمع کیا جائے گا

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت فتح کردی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم اس شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق کرچکے ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے موافق ہوجائے پھر اس سے جنگ کی جائے میں نہیں جانتا کہ تم میں سے جو شخص اس کو تخت خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو ہمارے اور اس کے درمیان جدائی کا پردہ حائل ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2025)

مسلمانوں کا لحاظ کیے بغیر عہد شکنی والوں کی مذمت کا بیان

عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دعائے قنوت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ دعائے قنوت پڑھی جاتی تھی، میں نے پوچھا رکوع سے پہلے یا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا رکوع سے پہلے، عاصم نے کہا کہ فلاں نے مجھ سے آپ کے متعلق بیان کیا کہ آپ بعد رکوع کے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا وہ جھوٹا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک مہینہ تک دعا قنوت پڑھی اور میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریبا ستر آدمیوں کو جنہیں قراء کہا جاتا تھا مشرکوں کی طرف بھیجا تھا یہ لوگ ان کے سوا تھے جن پر آپ ﷺ نے ان کے لئے دعائے ضرر فرمائی تھی اور ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا پھر (عہد شکنی کی بناء پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک دعائے قنوت پڑھی اور ان پر دعائے ضرر کی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 963)

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝
پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ہم آیتیں
ان لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم ودانش رکھتے ہیں۔

توبہ کے بعد دوبارہ نماز وزکوٰۃ کی پابندی کر لینے کا بیان

"فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاٰتَوُا الزَّكَاةَ فَاِخْوَانُكُمْ" اَیْ فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ "فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّل" نُبَيِّن "الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ" يَتَدَبَّرُوْنَ،

پھر بھی اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور ہم (اپنی) آیتیں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم ودانش رکھتے ہیں۔

ابو جمرہ سے روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس مجھے تخت پر بٹھاتے تھے انہوں نے بیان کیا کہ جب عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کون سا وفد ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ربیعہ، آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو اس وفد اور قوم کا آنا نہ تو رسوا ہوں اور نہ شرم سار، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر ہیں اس لئے آپ ہمیں ایسی باتوں کا حکم دیں جس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی بتلا دیں، ان لوگوں نے پینے کی چیزوں کے متعلق پوچھا۔

تو آپ ﷺ نے چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا: ان کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ کیا ہے، انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ اس چیز کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور نماز

قائم کرو اور زکوۃ دو، راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے رمضان کے روزے بھی فرمائے اور مال غنیمت میں سے خمس دینا اور انہیں دباء، حنتم، مزفت اور نقیر سے منع فرمایا: اور کبھی مقیر کا لفظ روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ انہیں یاد رکھو اور ان کو پہنچاؤ جو تم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ (صحیح بخاری، جلد سوم، حدیث نمبر 2171)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اہل قبلہ کے خون حرام ہیں۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ
اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○
اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو
بیشک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تا کہ وہ باز آ جائیں۔

دین میں عیب نکالنے والوں کے قتل کا بیان

"وَاِنْ نَّكَثُوْٓا" نَقَضُوْا "اَيْمَانَهُمْ" مَوَاثِيْقَهُمْ "مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ" عَابُوْهُ "فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ" رُؤَسَاءَهُ فِيْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ "اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ" عُهُوْد "لَهُمْ" وَفِيْ قِرَاءَة بِالْكَسْرِ "لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ" عَنِ الْكُفْرِ،

اور اگر وہ اپنے عہد پختہ ہو جانے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی یعنی عیب لگایا کریں تو تم ان کفر کے سرغنوں یعنی کفر کی طرف رہنمائی کرنے والوں سے جنگ کرو، یہاں پر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کہ جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ بیشک ان کی قسموں یعنی عہدوں کا کوئی اعتبار نہیں، ایک قرأت میں ایمان کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ تا کہ وہ اپنے کفر سے باز آ جائیں۔

سورہ برأت آیت ۱۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، عکرمہ بن جہل اور قریش کے دوسرے سرداروں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے معاہدے کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ (طبری 10۔62، زادالمسیر 3۔403)

کفار کے رہنماؤں کے قتل میں زیادہ فضیلت ہونے کا بیان

امام تفسیر امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ اگر یہ مشرک اپنی قسموں کو توڑ کر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کریں اور تمہارے دین پر اعتراض کرنے لگیں تو تم ان کے کفر کے سروں کو توڑ مروڑ دو۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے، دین میں عیب جوئی کرے، اس کا ذکر اہانت کے ساتھ کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ ان کی قسمیں محض بے اعتبار ہیں۔ یہی طریقہ ان کے کفر و عناد سے روکنے کا ہے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ امیہ وغیرہ یہ سب سرداران کفر تھے۔ ایک خارجی نے حضرت سعد بن وقاص کو کہا کہ یہ

کفر کے پیشواؤں میں سے ایک ہے آپ نے فرمایا تو جھوٹا ہے میں تو ان میں سے ہوں جنہوں نے کفر کے پیشواؤں کو قتل کیا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس آیت والے اس کے بعد قتل نہیں کیے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آیت عام ہے گو سبب نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن حکماً یہ انہیں اور سب کو شامل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تمہیں ان میں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جن کی چندھیا منڈی ہوئی ہوگی تو تم اس شیطانی بیٹھک کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دینا واللہ ان میں سے ایک کا قتل دوسرے ستر لوگوں کے قتل سے بھی مجھے زیادہ پسند ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے کفر کے اماموں کو قتل کرو۔ (ابن ابی حاتم، سورہ برأت، بیروت)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ انہیں کی طرف سے پہلی ہوتی ہے،
کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

ندوۃ الکفار کے مشورے وعہد شکنی کا بیان

"اَلَا" لِلتَّحْضِيْضِ "تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَكَثُوْا" نَقَضُوْا "اَيْمَانَهُمْ" عُهُوْدَهُمْ "وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ" مِنْ مَّكَّةَ لَمَّا تَشَاوَرُوْا فِيْهِ بِدَارِ النَّدْوَةِ "وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ" بِالْقِتَالِ "اَوَّلَ مَرَّةٍ" حَيْثُ قَاتَلُوْا خُزَاعَةَ حُلَفَاءَكُمْ مَعَ بَنِيْ بَكْرٍ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ "اَتَخْشَوْنَهُمْ" اَتَخَافُوْنَهُمْ "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ" فِيْ تَرْكِ قِتَالِهِمْ، اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ،

یہاں پر الا یہ تحضیض کے لئے آیا ہے۔ کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں یعنی عہدوں کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ نکالنے کا جب انہوں نے دار ندوہ میں بیٹھ کر مشورہ کیا۔ حالانکہ قتال کی پہل انہی کی جانب سے ہوئی ہے۔ یعنی انہوں نے بنی بکر کے ساتھ مل کر تمہارے حلیف خزاعہ کے ساتھ قتال کیا لہٰذا تمہیں ان سے قتال کرنے میں کیا چیز مانع ہے، کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو یعنی ان سے ترک قتال میں اللہ سے ڈرو، اگر ایمان رکھتے ہو۔

تحضیض انشائی کے مفہوم کا بیان

تحضیض جس میں مطلوب کو ابھار کر اور ترغیب دے کر طلب کیا جائے، جیسے: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبة)

تم ایسی قوم سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنے وعدوں کو توڑ دیا اور رسول ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کیا، حالانکہ شر انگیزی کی ابتداء کرنے والے بھی وہی ہیں۔

پہاڑی کے پاس رہنے والے دوڈاکوؤں کے قبول اسلام کا بیان

فائد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابراہیم بن عبدالرحمٰن کے ساتھ نکلا، انہوں نے ابن سعد کے پاس پیغام بھیج کر انہیں بلایا، ابھی ہم مقام عرج میں تھے کہ ابن سعد ہمارے پاس آ پہنچے، یاد رہے کہ یہ حضرت سعد کے صاحبزادے ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب ہجرت راستہ بتایا تھا، ابراہیم ان سے کہنے لگے کہ مجھے وہ حدیث بتایئے جو آپ کے والد نے آپ سے بیان کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے میرے والد نے یہ حدیث سنائی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لائے، آپ کے ہمراہ حضرت صدیق اکبر بھی تھے، جن کی ایک بیٹی ہمارے یہاں دودھ بھی پیتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچنے کے لئے کوئی مختصر راستہ معلوم کرنا چاہتے تھے، سعد نے عرض کیا یہ ایک چلتا ہوا پہاڑی راستہ ہے لیکن قبیلہ اسلم کے دو ڈاکو رہتے ہیں جنہیں 'مہانان' کہا جاتا ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم اسی راستے پر چل پڑتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں ان دونوں کے پاس سے ہی لے چلو، چنانچہ ہم روانہ ہو گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا یہ یمانی آدمی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور اسلام قبول کرنے کی پیشکش کی، انہوں نے اسلام قبول کر لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم مہانان ہیں، (جس کا لفظی معنی حقیر لوگ ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، تم دونوں مکرمان ہو (جس کا معنی معزز لوگ ہے) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی مدینہ منورہ پہنچنے کا حکم دیا۔ ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ قباء کے قریب پہنچ گئے، وہاں ہمیں بنو عمرو بن عوف مل گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ کہاں ہیں؟ تو سعد بن خیثمہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ مجھ سے پہلے گئے ہیں، میں انہیں مطلع نہ کر دوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب کھجوروں کے درخت نظر آنے لگے تو معلوم ہوا کہ راستہ میں لوگوں کا جم غفیر بھرا ہوا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ابوبکر! ہماری منزل یہی ہے، میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں بنو مدلج کے حوضوں کی طرح کچھ حوضوں پر اتر رہا ہوں۔ (مسند احمد: جلد ششم: حدیث نمبر 2500)

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
تم ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان پر تمہاری مدد فرمائے گا
اور ایمان والوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔

کفار سے مقابلہ کرنے پر اللہ کی مدد کا بیان

"قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ" يَقْتُلْهُمْ "بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ" يُذِلَّهُمْ بِالْاَسْرِ وَالْقَهْرِ "وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ" بِمَا فَعَلَ بِهِمْ هُمْ بَنُو خُزَاعَة،

تم ان سے جنگ کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا یعنی ان کو قتل کرائے گا اور انہیں قید و سختی سے رسوا کرے گا اور

ان کے مقابلہ پر تمہاری مدد فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔ یہ سبب اس کے جوانہوں نے بنوخزاعہ کے ساتھ کیا۔

اعلان براءت کے بعد مشرکوں کے وفود کی مدینہ میں آمد اور قبول اسلام

مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ اس اعلان برأت کے بعد نا معلوم انہیں کیسے تلخ حالات سے دو چار ہونا پڑے گا اور ان کے یہ اندیشے بے جا بھی نہ تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دو باتوں کی تلقین فرمائی ایک یہ کہ جہاد کے لیے پوری طرح مستعد رہیں، دوسرے لوگوں سے ڈرنے کے بجائے صرف اللہ سے ڈریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔ چنانچہ اللہ نے مشرکوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور بجائے اس کے کہ انہیں مقابلہ کی سوجھتی وہ وفود کی شکل میں مدینہ آئے اور اسلام قبول کرنے لگے اور ایسے وفود کی تعداد ۷۰ ستر کے قریب شمار کی گئی ہے جیسا کہ سورہ نصر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اِذَاجَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا النصر: 1) چنانچہ جو قبائل اسلام لائے آپ اس علاقے کا انتظام انہی کے سپرد فرما دیتے تھے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○
اور ان کے دلوں کا غم وغصہ دور فرمائے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا، اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

اسلام کی طرف رجوع کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے کا بیان

"وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ" كَرْبَهَا "وَيَتُوْبُ اللّٰه عَلٰى مَنْ يَّشَاء" بِالرُّجُوعِ اِلَى الْاِسْلَام كَاَبِي سُفْيَان، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ،

اور ان کے دلوں کا غم وغصہ یعنی تکلیف کو دور فرمائے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا، یعنی اسلام کی طرف رجوع کرنا جس طرح ابوسفیان ہے۔ اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر غلبہ اسلام اور قبول اسلام کا بیان

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال روانہ ہوئے تو قریش کو اس کی خبر پہنچ گئی ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا (قریش کی جانب سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر لینے کے لئے نکلے یہ تینوں چلتے چلتے (مقام) مرالظہر ان تک پہنچے وہاں بکثرت آگ اس طرح روشن دیکھی جس طرح عرفہ میں ہوتی ہے ابوسفیان نے کہا یہ آگ کیسی ہے؟ جیسے عرفہ میں ہوتی ہے بدیل بن ورقاء نے جواب دیا بنوعمرو کی آگ ہوگی، ابوسفیان نے کہا، عمرو کی تعداد اس سے بہت کم ہے ان تینوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظوں نے دیکھ کر پکڑ لیا اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ابوسفیان تو مسلمان ہو گئے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو لشکر اسلام کی تنگ گزرگاہ کے پاس ٹھہرا، تا کہ یہ لشکر اسلام کا نظارہ کر سکیں انہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہاں کھڑا کر دیا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قبائل

گزرنے شروع ہوئے لشکر کا ایک ایک دستہ ابوسفیان کے پاس سے گزرنے لگا چنانچہ جب ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا اے عباس! یہ کون سا دستہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ قبیلہ غفار ہے، ابوسفیان نے کہا کہ میری اور قبیلہ غفار کی تو لڑائی نہ تھی پھر قبیلہ جہینہ گزرا تو اسی طرح کہا پھر سعد بن ہذیم گزرا تو اسی طرح کہا پھر سلیم گزرا تو اسی طرح کہا پھر ایک دستہ گزرا کہ اس جیسا دیکھا ہی نہ تھا ابوسفیان نے کہا کہ یہ کون ہے؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ انصار ہیں ان کے سپہ سالار سعد بن عبادہ ہیں، جن کے پاس پرچم ہے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوسفیان! آج کا دن جنگ کا دن ہے آج کعبہ (میں کافروں کا کشت وخون) حلال ہو جائے گا ابوسفیان نے کہا اے عباس! ہلاکت (کفار) کا دن کتنا اچھا ہے؟ پھر ایک سب سے چھوٹا دستہ آیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے (مہاجر) اصحاب رضی اللہ عنہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم زبیر بن عوام کے پاس تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد نے صحیح نہیں کہا لیکن آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت و بزرگی عطا فرمائے گا اور کعبہ کو آج غلاف پہنایا جائے گا۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پرچم کو (مقام) حجون میں نصب کرنے کا حکم دیا عروہ کہتے ہیں کہ مجھے نافع بن جبیر بن مطعم نے بتایا کہ انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے ابوعبداللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو یہاں پرچم نصب کرنے کا حکم دیا ہے عروہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے اوپر کے حصہ یعنی کدا سے داخل ہوں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدا سے داخل ہوئے اس دن خالد کے دستہ کے دو آدمی حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری شہید ہوئے (باقی اور کسی کا کان بھی گرم نہیں ہوا)۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1480)

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَلَمۡ يَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلِيۡجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌ ۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝
کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی ان کی جو تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور
اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

اللہ، رسول ﷺ اور ایمان والوں کے سوا کسی کو رازدار نہ بنانے کا بیان

"اَمْ" بِمَعْنٰی هَمْزَةِ الْاِنْكَارِ "حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا" "لَمْ "يَعْلَمِ اللّٰه" "عِلْمَ ظُهُوْرٍ "الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ" بِاِخْلَاصٍ "وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰه وَلَا رَسُوْله وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيجَة" بِطَانَة وَاَوْلِيَاء الْمَعْنٰی وَلَمْ يَظْهَرِ الْمُخْلِصُوْنَ وَهُمُ الْمَوْصُوْفُوْنَ بِمَا ذُكِرَ مِنْ غَيْرِهِمْ "وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ".

یہاں پر ام ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے۔کیا اس گمان میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہ کرائی یعنی بہ طور علم ظاہر نہ کیا ان کی جو تم میں سے اخلاص کے ساتھ جہاد کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز نہ بنائیں گے یعنی اہل اخلاص کو ابھی غیر مخلصوں سے الگ نہ کیا اور مخلص وہ ہیں جن کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ ان کے سوا غیر مخلص ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی۔یعنی ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں لیکن امتحان کی کسوٹی پر جب تک کسا نہ جائے کھرا اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں اور خدا اور رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق و اخلاص سے کیا یا نمود و ریاء سے جیسا عمل ہوگا ادھر سے اسی کے موافق پھل ملے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝
مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے
اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

کافروں کے نیک اعمال کے ضائع ہو جانے کا بیان

"مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِد اللّٰه" بِالْإِفْرَادِ وَالْجَمعِ بِدُخُولِهِ وَالْقُعُود فِيهِ "شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ اُولٰئِكَ حَبِطَتْ" بَطَلَتْ "اَعْمَالهم" لِعَدَمِ شَرْطهَا،وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ،

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں یہاں پر مساجد افراد و جمع کے ساتھ آیا ہے یعنی ان میں داخل ہونا اور بیٹھنا ہے خود اپنے کفر کی گواہی دے کر ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ ان کی قبولیت کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

سورہ برأت آیت ۱۷ کے شانِ نزول کا بیان

مفسرین کرام فرماتے ہیں جب بدر کے دن عباس کو قید کر لیا گیا تو مسلمان اس کے پاس آئے اور اسے اللہ کی ذات اور کفر اور قطع رحمی پر عار دلائی اور حضرت علی نے اس سے بہت سخت کلامی کی عباس نے کہا تم ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہو ہمارے محاسن ذکر نہیں کرتے؟ حضرت علی نے کہا کیا تمہارے کچھ محاسن بھی ہیں؟ تو اس نے کہا ہاں ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں کعبہ اللہ کی دربانی

کرتے ہیں حجاج کو پانی پلاتے ہیں اور قیدیوں کو رہائی دلاتے ہیں تو اللہ نے عباس کے رد کے طور پر یہ آیت نازل فرمائی۔ مشرکوں کو زیبا نہیں کہ خدا کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں۔ (سیوطی 136 قرطبی 8۔89)

مسجدوں سے مسجد حرام کعبہ معظمہ مراد ہے، اس کو جمع کے صیغے سے اس لئے ذکر فرمایا کہ وہ تمام مسجدوں کا قبلہ اور امام ہے اس کا آباد کرنے والا ایسا ہے جیسے تمام مسجدوں کا آباد کرنے والا اور جمع کا صیغہ لانے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہر بقعہ مسجد حرام کا مسجد ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسجدوں سے جنس مراد ہو اور کعبہ معظمہ اس میں داخل ہو کیونکہ وہ اس جنس کا صدر ہے۔

کفار قریش کے رؤسا کی ایک جماعت جو بدر میں گرفتار ہوئی اور ان میں حضور کے چچا حضرت عباس بھی تھے ان کو اصحاب کرام نے شرک پر عار دلائی اور حضرت علی مرتضی نے تو خاص حضرت عباس کو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل آنے پر بہت سخت سست کہا، عباس کہنے لگے کہ تم ہماری برائیاں تو بیان کرتے ہو اور ہماری خوبیاں چھپاتے ہو، ان سے کہا گیا کیا آپ کی کچھ خوبیاں بھی ہیں، انہوں نے کہا ہاں ہم تم سے افضل ہیں ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں، کعبہ کی خدمت کرتے ہیں، حاجیوں کو سیراب کرتے ہیں، اسیروں کو رہا کراتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مسجدوں کا آباد کرنا کافروں کو نہیں پہنچتا کیونکہ مسجد آباد کی جاتی ہے اللہ کی عبادت کے لئے تو جو خدا ہی کا منکر ہو اس کے ساتھ کفر کرے وہ کیا مسجد آباد کرے گا اور آباد کرنے کے معنی میں بھی کئی قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ آباد کرنے سے مسجد کا بنانا، بلند کرنا، مرمت کرنا مراد ہے، کافر کو اس سے منع کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مسجد آباد کرنے سے اس میں داخل ہونا، بیٹھنا مراد ہے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ
وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۝
اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں
اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔

مساجد کو آباد کرنے میں اہل ایمان کے شعار ہونے کا بیان

"اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَاٰتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ " اَحَدًا، اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ،

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔

سورہ برأت آیت ۱۸ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں مسجد میں آنے جانے کی

عادت دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ) التوبہ:18) اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1035)

مسجد بنوانے والے کے لئے جنت میں مکان ہونے کا بیان

حضرت عبید اللہ خولانی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد بنانے لگے تو انہوں نے لوگوں کو اس میں باتیں کرتے سنا تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ تم نے مجھ پر بہت زیادتی کی ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی اللہ کے لئے مسجد بنائے گا راوی بکیر نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا ابن عیسیٰ نے اپنی روایت میں کہا کہ اس جیسا جنت میں ایک مکان بنائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1184)

مساجد کے سبب عذاب الٰہی سے بچنے کا بیان

مسند میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم کسی کو مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو تو اس کے ایمان کی شہادت دو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور حدیث میں ہے مسجدوں کے آباد کرنے والے اللہ والے ہیں اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مسجد والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب پوری قوم پر سے ہٹا لیتا ہے۔ اور حدیث میں ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں زمین والوں کو عذاب کرنا چاہتا ہوں لیکن اپنے گھروں کے آباد کرنے والوں اور اپنی راہ میں آپس میں محبت رکھنے والوں اور صبح سحری کے وقت استغفار کرنے والوں پر نظریں ڈال کر اپنے عذاب ہٹا لیتا ہوں۔

ابن عساکر میں ہے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ الگ تھلگ پڑی ہوئی ادھر ادھر کی بکھری بکری کو پکڑ کر لے جاتا ہے پس تم پھوٹ اور اختلاف سے بچو جماعت کو اور عوام کو اور مسجدوں کو لازم پکڑے رہو۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ مسجدیں اس زمین پر اللہ کا گھر ہیں جو ان میں داخل ہو اللہ کا ان پر حق ہے کہ وہ مساجد کا احترام کریں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں جو نماز کی اذان سن کر پھر بھی مسجد میں آ کر باجماعت نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی وہ اللہ کا نافرمان ہے کہ مسجدوں کی آبادی کرنے والے اللہ کے اور قیامت کے ماننے والے ہی ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا نمازی بدنی عبادت نماز کے پابند ہوتے ہیں اور مالی عبادت زکوٰۃ کے بھی ادا کرنے والے ہوتے ہیں ان کی بھلائی اپنے لیے بھی ہوتی ہے اور پھر عام مخلوق کے لیے بھی ہوتی ہے ان کے دل اللہ کے سوا اور کسی سے ڈرتے نہیں یہی راہ یافتہ لوگ ہیں۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

تو کیاتم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرالی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں
جہاد کیا، وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں، اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔

بدعقیدگی کے سبب حرم کی خدمات پر ثواب نہ ہونے کا بیان

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِد الْحَرَام" اَیْ اَهْل ذٰلِكَ "كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْم الْاٰخِر وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْل اللّٰه لَا يَسْتَوُونَ عِنْد اللّٰه" فِي الْفَضْل "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْم الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ نَزَلَتْ رَدًّا عَلٰى مَنْ قَالَ ذٰلِكَ وَهُوَ الْعَبَّاس اَوْ غَيْره،

تو کیاتم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس شخص کے اعمال کے برابر ٹھہرالیا ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، لہٰذا وہ اللہ کے نزدیک فضیلت میں برابر نہیں، اور اللہ ظالموں یعنی کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ آیت اس بات کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو عباس وغیرہ نے کہی تھی۔

سورہ برأت آیت ۱۹ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد سوائے حاجیوں کو پانی پلانے کے کوئی عمل نہ کروں اور دوسرے نے کہا مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تیسرے نے کہا اللہ کے راستہ میں جہاد اس سے افضل ہے جو تم نے کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ڈانٹا اور کہا کہ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو یہ جمعہ کا دن تھا لیکن جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا فتویٰ طلب کیا جس میں انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دیتے ہو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 374)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے
وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں، اور وہی لوگ ہی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔

ہجرت و جہاد کرنے والوں کی فضیلت و کامیابی کا بیان

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْل اللّٰه بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسهمْ اَعْظَم دَرَجَة" رُتْبَة "عِنْد اللّٰه"

مِنْ غَيْرِهِمْ "وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ" الظَّافِرُوْنَ بِالْخَيْرِ

جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں، اور وہی لوگ ہی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔یعنی بھلائی کے ساتھ کامیاب ہونے والے ہیں۔

شہید کی بار بار تمنائے شہادت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے جو اس کی راہ میں (جہاد کرنے کو) نکلے اور اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق ہی نے (جہاد پر آمادہ کرکے) گھر سے نکالا ہو، اس امر کا ذمہ دار ہوگیا ہے کہ یا تو میں اسے اس ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا، جو اس نے جہاد میں پایا ہے، یا اسے (شہید بنا کر) جنت میں داخل کردوں گا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو (کبھی) چھوٹے لشکر کے ہمراہ جانے سے بھی دریغ نہ کرتا، کیوں کہ میں یقیناً اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 35)

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝
ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی اور رضا کی اور جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہیں۔

اہل ایمان ہجرت و جہاد والوں کے لئے رحمت ورضا کی بشارت کا بیان

"يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَان وَجَنَّات لَهُمْ فِيهَا نَعِيم مُقِيم" دَائِم،

ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی اور اپنی رضا کی اور ان جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہیں۔

جنت کے نہر میں نہانے والوں کی خوبصورتی کا بیان

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کو دو فرشتے آئے اور مجھے ایسے مکان میں لے گئے جو کہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا وہاں میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کا نصف بدن نہایت خوبصورت اور نصف بدن بہت ہی بدصورت تھا ایسا کہ تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا ان فرشتوں نے ان سے کہا کہ اس نہر کے اندر گھسو اور وہ گھسے پھر باہر آئے تو ان کی یہ ساری بدصورتی دور ہو چکی تھی اور وہ خوبصورت بن چکے تھے فرشتوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنت عدن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مقام وٹھکانہ ہے پھر فرشتوں نے کہا کہ جن لوگوں کا

نصف بدن خوبصورت اور نصف بدن بدصورت دیکھا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اچھے اور برے دونوں کام کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا ہے اور وہ پاک و خوبصورت ہو گئے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1858)

پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد اور ہجرت ان تین اعمال کے بدلے تین طرح کی بشارت دی گئی۔ رحمت، اللہ کی رضا اور ہمیشہ کے لیے جنت میں قیام۔ بعض علماء نے ان اعمال اور ان کے اجر میں یہ نسبت قائم کی ہے کہ اللہ کی رحمت تو ایمان کی وجہ سے ہوگی کیونکہ آخرت میں اللہ کی رحمت اور مہربانی صرف اس شخص پر ہوگی جو ایمان لایا ہو اور رضوان یا اللہ کی رضامندی جہاد کے عوض ہوگی۔ کیونکہ جس طرح سب اعمال سے افضل اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی پیش کرنا ہے اسی طرح جنت کی سب نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ کی رضامندی ہے جیسا کہ متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور ہجرت کے عوض انہیں جنت میں ہمیشہ کا قیام نصیب ہوگا۔ انہوں نے اللہ کی خاطر اپنا وطن مالوف چھوڑا تو اس کے عوض انہیں اپنے وطن سے بہتر وطن اپنے گھر سے بہتر گھر ملے گا جس میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی اور اس گھر کو چھوڑنے یا اس کے چھوٹ جانے کا کبھی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝
ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے۔

آخرت کی حیات و نعمتوں کے دوام کا بیان

"خَالِدِيْنَ" حَال مُقَدَّرَة، فِيْهَا اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ،

یہاں پر خالدین یہ حال مقدرہ ہے ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن موت کو نمکین رنگ کے ایک دنبے کی شکل میں لایا جائے گا ابو کریب کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس دنبے کو جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر کھڑا کر دیا جائے گا پھر اللہ فرمائے گا اے جنت والو کیا تم اسے پہچانتے ہو جنتی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے جی ہاں یہ موت ہے پھر اللہ کی طرف سے حکم دیا جائے گا کہ اسے ذبح کر دیا جائے (پھر اُسے ذبح کر دیا جائے گا) پھر اللہ فرمائے گا اے جنت والو اب جنت میں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو اب تمہیں دوزخ میں رہنا ہے اب موت نہیں ہے راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی (**وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ**) اور ان لوگوں کو حسرت کی دن سے ڈرایئے جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا اور وہ غفلت میں پڑے ہیں ایمان نہیں لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے دنیا کی طرف ارشاد فرما رہے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2680)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ
عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو محبوب رکھتے ہوں،
اور تم میں سے جو شخص بھی انہیں دوست رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اہل وعیال وغرض تجارت کے سبب ترک ہجرت کا بیان

وَنَزَلَ فِيمَنْ تَرَكَ الْهِجْرَةَ لِاَجْلِ اَهْلِه وَتِجَارَتِه "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا" اخْتَارُوا، عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ،

یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے اہل وعیال اور تجارت کی غرض سے ہجرت کو ترک کیا تھا۔
اے ایمان والو! تم اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو محبوب رکھتے ہوں، اور تم میں سے جو شخص بھی انہیں دوست رکھے گا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

سورہ برأت آیت ۲۳ کے شان نزول کا بیان

کلبی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا تو ایک آدمی نے اپنے والد، بھائی اور اپنی بیوی کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں ہجرت کا حکم دیا گیا ہے تو ان میں سے بعض ہجرت کی طرف جلدی کرتے ہیں اور اسے بہت پسند کرتے اور بعض کی بیوی، اہل وعیال اور بچے اس کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور کہتے کہ ہم تجھے اللہ کی قسم دیتے کہ ہیں اس طرح لاچار نہ چھوڑنا کہ ہم ہلاک ہو جائیں تو اس شخص دل نرم پڑ جاتا اور ہجرت کو چھوڑ دیتا ان لوگوں کو عتاب کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ، (زادالمسیر 3۔411) یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت کر کے مدینہ کی طرف نکلے اور مکہ میں پیچھے رہ گئے۔

ترک موالات ومودت کا حکم

اللہ تعالیٰ کافروں سے ترک موالات کا حکم دیتا ہے ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ ماں باپ ہوں بہت بھائی ہوں۔ بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں اور آیت میں ہے (آیت لاتجد قوما یومنون باللہ الخ،) اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو تو ہرگز اللہ رسول کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں بیٹے یا بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان رکھ دیا گیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔ انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا۔
بیہقی میں ہے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہوگئی آپ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اس پر آیت لاتجد نازل ہوئی۔ پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر وہ رشتے دار اپنے حاصل کئے ہوئے مال اور مندے ہو جانے کی دہشت کی تجارتیں اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ اور رسول سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو تمہیں

اللہ کے عذاب کے برداشت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایسے بدکاروں کو اللہ بھی راستہ نہیں دکھاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ جارہے تھے حضرت عمر کا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمر کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں بجز میری اپنی جان کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میرا نفس ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا اے عمر (تو مومن ہوگیا) (بخاری شریف)

صحیح حدیث میں آپ کا فرمان ثابت ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے اولاد اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے آپ فرماتے ہیں جب تم عین کی خرید وفروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لوگے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کرے گا وہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ
سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۠
تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ
سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے
زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

خاندان واموال سے زیادہ محبت اللہ ورسول ﷺ سے کرنے کا بیان

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ" اَقْرِبَاؤُكُمْ وَفِي قِرَاءَة عَشِيرَاتكُمْ "وَاَمْوَال اقْتَرَفْتُمُوهَا" اكْتَسَبْتُمُوهَا "وَتِجَارَة تَخْشَوْنَ كَسَادهَا" عَدَم نَفَادهَا "وَمَسَاكِن تَرْضَوْنَهَا اَحَبّ اِلَيْكُمْ مِنْ اللّٰه وَرَسُوله وَجِهَاد فِي سَبِيله" فَقَعَدْتُمْ لِاَجْلِهِ عَنْ الْهِجْرَة وَالْجِهَاد "فَتَرَبَّصُوا" انْتَظِرُوا "حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰه بِاَمْرِهِ" تَهْدِيد لَهُمْ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ،

تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا خاندان، یہاں ایک قرأت میں عشیراتکم آیا ہے۔ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں یعنی ان چیزوں کے سبب تم ہجرت اور جہاد سے بیٹھ گئے ہو تو راستہ دیکھو یعنی انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اس میں ان کے لئے تہدید ہے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

امام تفسیر مجاہد نے فرمایا کہ حکم سے مراد جہاد وقتال اور فتح مکہ کا حکم ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس وقت دنیاوی تعلقات پر اللہ و رسول کے تعلقات کے قربان کرنے والوں کا انجام بدعنقریب سامنے آنے والا ہے جبکہ مکہ فتح ہوگا اور نا فرمانی کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کے یہ تعلقات اس وقت ان کے کام نہ آئیں گے۔

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس جگہ حکم سے مراد حکم عذاب ہے کہ دنیوی تعلقات پر اخروی تعلقات کو قربان کر کے ہجرت نہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم عذاب عنقریب آنے والا ہے یا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب آئے گا ورنہ آخرت کا عذاب تو یقینی ہے، آیت میں اس جگہ مقصود تو ترک ہجرت پر وعید ہے مگر ذکر بجائے ہجرت کے جہاد کیا گیا، جو ہجرت کے بعد کا اگلا قدم ہے، اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ ابھی تو صرف ہجرت اور ترک وطن ہی کا حکم ہوا ہے، اس میں کچھ لوگ ہمت ہار بیٹھے، آگے جہاد کا حکم آنے والا ہے، جس میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت پر ساری محبتوں کو اور خود اپنی جان کو قربان کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جگہ ہجرت ہی کو جہاد سے تعبیر کر دیا ہو کیونکہ وہ بھی حقیقت میں جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔

کمال ایمان کے تقاضے کا بیان

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان واسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو"۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 7)

کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے کم تر ہو۔ اس طرح یہ شان بھی مومن کامل ہی کی ہو سکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔ ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر وشرک سے اس درجہ بیزاری ونفرت رکھنا کہ اس کے تصور وخیال کی گندگی سے بھی دل پاک وصاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء وانعام کا مستحق تو وہی آدمی ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

بیشک اللہ نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت نے تمہیں نازاں بنادیا تھا پھر وہ تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکی اور زمین باجود اس کے کہ وہ فراخی رکھتی تھی، تم پر تنگ ہوگئی چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے پھر گئے۔

غزوہ حنین میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے آنے کا بیان

"لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ " لِلْحَرْبِ "كَثِيْرَة" كَبَدْرٍ وَقُرَيْظَة وَالنَّضِير "و" اُذْكُرْ "يَوْم حُنَيْن" وَادٍ بَيْن مَكَّة وَالطَّائِف اَیْ يَوْم قِتَالكُمْ فِيْهِ هَوَازِن وَذٰلِكَ فِيْ شَوَّال سَنَة ثَمَان "اِذْ" بَدَل مِنْ يَوْم "اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتكُمْ" فَقُلْتُمْ لَنْ نُغْلَب الْيَوْم مِنْ قِلَّة وَكَانُوْا اثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَّالْكُفَّار اَرْبَعَة اٰلَاف "فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْض بِمَا رَحُبَتْ " مَا مَصْدَرِيَّة اَیْ مَعَ رَحْبهَا اَیْ سِعَتهَا فَلَمْ تَجِدُوْا مَكَانًا تَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ لِشِدَّةِ مَا لَحِقَكُمْ مِنَ الْخَوْف "ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ" مُنْهَزِمِيْنَ وَثَبَتَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَته الْبَيْضَاء وَلَيْسَ مَعَهُ غَيْر الْعَبَّاس وَاَبُوْ سُفْيَان اٰخِذ بِرِكَابِهِ،

بیشک اللہ نے بہت سے جنگی مقامات میں تمہاری مدد فرمائی جس طرح میدان بدر، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے مقابلہ میں مدد فرمائی ہے۔اور حنین جو مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے جہاں تمہارا ہوازن کے ساتھ مقابلہ ہوا اور وہ شوال سن ۸ ہجری تھا۔ یہاں پر اذ یہ یوم سے بدل ہے۔اس حنین کے دن جب تمہاری افرادی قوت کی کثرت نے تمہیں نازاں بنادیا تھا اور تم نے کہہ دیا تھا کہ آج ہم تعداد کی کمی کے حساب سے تو مغلوب نہیں ہوسکتے کیونکہ تمہاری تعداد بارہ ہزار تھی جبکہ کفار کی تعداد چار ہزار تھی۔ پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکی اور زمین باجود اس کے کہ وہ فراخی رکھتی تھی، تم پر تنگ ہوگئی، یہاں پر ما مصدریہ ہے جس کا معنی وسعت ہے اور تمہیں اس شدت سے خوف نے آلیا تھا کہ تمہیں آرام کرنے کے لئے جگہ نہ ملتی تھی۔ چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے پھر گئے۔یعنی ہزیمت کے طور پر واپس آئے۔جبکہ نبی کریم ﷺ اپنی خچر پر سوار ثابت قدم رہے اور آپ ﷺ کے پاس سوائے حضرت عباس وابوسفیان کے کوئی نہ تھا اور انہی حضرات نے رکاب کو پکڑ رکھا تھا۔

سورہ برأت آیت ۲۵ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ربیع بن انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غزوہ حنین کے موقع پر کہا ہم قلت کے باعث مغلوب نہیں ہوں گے جبکہ مسلمانوں کی تعداد اس دن بارہ ہزار تھی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو سخت ناگوار گزری اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ۔(اسباب النزول للسیوطی 137)

غزوہ حنین کے مختلف احوال کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ سنہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد ماہ شوال میں جنگ حقین ہوئی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے فارغ ہوئے اور ابتدائی امور سب انجام دے چکے اور عموما مکی حضرات مسلمان ہو چکے اور انہیں آپ آزاد بھی کر چکے تو آپ کو خبر ملی کہ قبیلہ ہوازن جمع ہوا ہے اور آپ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہے۔ ان کا سردار مالک بن عوف نصری ہے۔ ثقیف کا سارا قبیلہ ان کے ساتھ ہے اسی طرح بنو جشم بنو سعد بن بکر بھی ہیں اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی ہیں اور کچھ لوگ بنو عمرو بن عامر کے اور عون بھی عامر کے بھی ہیں یہ سب لوگ مع اپنی عورتوں اور بچوں اور گھریلو مال کے میدان میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کے اپنی بکریوں اور اونٹوں کو بھی انہوں نے ساتھ ہی رکھا ہے تو آپ نے اس لشکر کو لے کر جواب آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار وغیرہ کا تھا ان کے مقابلے کے لیے چلے تقریباً دو ہزار نو مسلم مکی بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ مکہ اور طائف کے درمیان کی وادی میں دونوں لشکر مل گئے اس جگہ کا نام حنین تھا صبح سویرے منہ اندھیرے قبیلہ ہوازن جو کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے انہوں نے بے خبری میں مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا بپنا تیر باری کرتے ہوئے آگے بڑھے اور تلواریں چلانی شروع کر دیں یہاں مسلمانوں میں دفعتاً ابتری پھیل گی اور یہ منہ پھر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف بڑھے آپ اس وقت سفید خچر پر سوار تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے جانور کی دائیں جانب سے نکیل تھامے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بائیں طرف سے نکیل پکڑے ہوئے تھے جانور کی تیزی کو یہ لوگ روک رہے تھے آپ با آواز بلند اپنے تئیں پہنچوا رہے تھے مسلمانوں کو واپسی کا حکم فرما رہے تھے اور ندا کرتے جاتے تھے کہ اللہ کے بندو کہاں چلے، میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا سچا رسول ہوں میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں۔ میں اولاد عبدالمطلب میں سے ہوں۔ آپ کے ساتھ اس وقت صرف اسی یا سو کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ حضرت ایمن بن ام ایمن، حضرت اسامہ بن زید وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے۔

پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباس کو بہت بلند آواز والے تھے حکم دیا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے میرے صحابیوں کو آواز دو کہ وہ نہ بھاگیں پس آپ نے یہ کہہ کر اے ببول کے درخت تلے بیعت کرنے والو اے سورہ بقرہ کے حاملو پس یہ آواز ان کے کانوں میں پہنچنی تھی کہ انہوں نے ہر طرف سے لبیک لبیک کہنا شروع کیا اور آواز کی جانب لپک پڑے اور اسی وقت لوٹ کر آپ کے آس پاس آ کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ اڑ گیا تو اس نے اپنی زرہ پہن لی اونٹ پر سے کود گیا اور پیدل دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہو گیا جب کچھ جماعت آپ کے اردگرد جمع ہو گئی آپ نے اللہ سے دعا مانگنی شروع کی کہ باری الٰہی جو وعدہ تیرا میرے ساتھ ہے اسے پورا فرما پھر آپ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی اور اسے کافروں کی طرف پھینکا جس سے

ان کی آنکھوں اور ان کا منہ بھر گیا وہ لڑائی کے قابل نہ رہے۔ ادھر مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا ان کے قدم اکھڑ گئے بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور مسلمانوں کی باقی فوج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اتنی دیر میں تو انہوں نے کفار کو قید کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ
وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○
پھر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ایمان والوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اس نے لشکر اتارے
جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے ان لوگوں کو عذاب دیا جو کفر کر رہے تھے، اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

غزوہ حنین میں نزول سکینہ وفرشتوں کا بیان

"ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰه سَكِيْنَته" طُمَاْنِيْنَته "عَلٰى رَسُوْله وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" فَرَدُّوا اِلَى النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَادَاهُمْ الْعَبَّاس بِاِذْنِهٖ وَقَاتَلُوْا "وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" مَلَائِكَة "وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" بِالْقَتْلِ وَالْاَسْر ،وَذٰلِكَ جَزَاء الْكَافِرِيْنَ،

پھر اللہ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ایمان والوں پر اپنی تسکین رحمت نازل فرمائی اور جب نبی کریم ﷺ کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو آواز دی تو وہ آپ ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور انہوں نے مشرکین سے قتال کیا۔ اور اس نے ملائکہ کے ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے ان لوگوں کو قتل وقید سے عذاب دیا جو کفر کر رہے تھے، اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

غزوہ حنین میں کفار کے چہروں پر مٹی پھینکنے کا بیان

حضرت ابوعبدالرحمٰن فہری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا ہم شدید گرمی کے ایک گرم ترین دن میں روانہ ہوئے راستے میں ایک جگہ سایہ دار درختوں کے نیچے پڑاؤ کیا، جب سورج ڈھل گیا تو میں نے اپنا اسلحہ زیب تن کیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں تھے میں نے السلام علیک یارسول اللہ" کہہ کر پوچھا کہ کوچ کا وقت ہو گیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ! پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی وہ ببول کے نیچے سے اس طرح کودے جیسے کسی پرندے کا سایہ ہو اور عرض کیا لبیک و سعدیک، میں آپ پر قربان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھوڑے پر زین کس دو، چنانچہ انہوں نے ایک زین نکالی جس کے دونوں کنارے کھجور کی چھال سے بھرے ہوئے تھے اور جس میں کوئی غرور و تکبر نہ تھا اور اسے کس دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ہم بھی سوار ہو گئے میدان جنگ میں عشاء کے وقت سے ساری رات ہم لوگ صف بندی کرتے رہے جب

دونوں جماعتوں کے گھوڑے ایک دوسرے میں گھسے تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور رسول تو یہاں موجود ہوں پھر فرمایا اے گروہ مہاجرین! میں اللہ کا بندہ اور رسول تو یہاں موجود ہوں اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے سے کودے اور مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی آدمی کی اطلاع کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹی دشمن کے چہروں پر پھینک دی اور فرمایا یہ چہرے بگڑ جائیں، چنانچہ اللہ نے مشرکین کو شکست سے دوچار کر دیا۔ مشرکین خود اپنے بیٹوں سے کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک بھی آدمی ایسا نہ بچا جس کی آنکھیں اور منہ مٹی سے نہ بھر گیا ہو اور ہم نے زمین و آسمان کے درمیان ایسی آواز سنی جیسے لوہے کو لوہے کی پلیٹ پر گذارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ گذشتہ حدیث اس دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ (مسند احمد: جلد نہم: حدیث نمبر 2504)

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
پھر اللہ اس کے بعد بھی جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرماتا ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اللہ کی طرف سے توبہ وقبول اسلام کی توفیق کا بیان

"ثُمَّ يَتُوْب اللّٰه مِنْ بَعْد ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاء " مِنْهُمْ بِالْإِسْلَامِ،وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ،

پھر اللہ اس کے بعد بھی جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرماتا ہے یعنی اسے توفیقِ اسلام اور توجہِ رحمت سے نوازتا ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

جنگ حنین والوں کی توبہ اور قیدیوں کی واپسی کا بیان

حنین میں قبیلہ ہوازن وثقیف کے کچھ سردار مارے گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ جو ان کے اہل وعیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مال غنیمت بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جس میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، جس کے تقریباً چار من ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیان بن حرب کو اموال غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔

پھر شکست خوردہ ہوازن اور ثقیف نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف اجتماع کیا مگر ہر مقام پر ان کو شکست ہوتی گئی، وہ سخت مرعوب ہو کر طائف کے نہایت مستحکم قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا، یہ قلعہ بند دشمن اندر ہی سے تیر برساتے رہے، سامنے آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے لئے بددعا فرمایئے، مگر آپ نے ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرما کر واپسی کا قصد فرمایا، اور مقام جعرانہ پر پہنچ کر ارادہ فرمایا کہ پہلے مکہ معظمہ جا کر عمرہ ادا کریں پھر مدینہ طیبہ کو واپسی ہو، مکہ والوں کی بڑی تعداد جو تماشائی بن کر مسلمانوں کی فتح وشکست کا امتحان کرنے آئی تھی، اس جگہ پہنچ کر ان میں سے بہت لوگوں

نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اسی مقام پر پہنچ کر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا تھا، ابھی اموال غنیمت تقسیم ہو ہی رہے تھے کہ دفعۃً ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو یرقان بھی تھے، انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور یہ درخواست کی کہ ہمارے اہل و عیال اور اموال ہمیں واپس دیدیئے جائیں، اس درخواست میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہم بلسلہ رضاعت آپ کے خویش و عزیز ہیں، اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان فرمائیں، رئیس وفد ایک شاعر آدمی تھا، اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر ہم بادشاہ روم یا شاہ عراق سے اپنی ایسی مصیبت کے پیش نظر کوئی درخواست کرتے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ بھی ہماری درخواست کو رد نہ کرتے اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ میں سب سے زیادہ ممتاز فرمایا ہے آپ سے ہم بڑی امید لے کر آئے ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ موقع دوہری مشکل کا تھا کہ ایک طرف ان لوگوں پر رحم و کرم کا تقاضا یہ کہ ان کے سب قیدی اور اموال ان کو واپس کر دیئے جائیں، دوسری طرف یہ کہ اموال غنیمت میں تمام مجاہدین کا حق ہوتا ہے، ان سب کو ان کے حق سے محروم کر دینا از روئے انصاف درست نہیں، اس لئے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا:

میرے ساتھ کس قدر مسلمانوں کا لشکر ہے جو ان اموال کے حق دار ہیں، میں سچی اور صاف بات کو پسند کرتا ہوں، اس لئے آپ لوگوں کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو اپنے قیدی واپس لے لو یا اموال غنیمت ان دونوں میں جس کو تم انتخاب کرو وہ تمھیں دیدیئے جائیں گے، سب نے قیدیوں کی واپسی کو اختیار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع فرما کر ایک خطبہ دیا، جس میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ یہ تمھارے بھائی تائب ہو کر آگئے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیئے جائیں تم میں سے جو لوگ خوش دلی کے ساتھ اپنا حصہ واپس دینے کے لئے تیار ہوں وہ احسان کریں اور جو اس کے لئے تیار نہ ہوں تو ہم ان کو آئندہ اموال فئے میں سے اس کا بدلہ دیدیں گے۔

مختلف اطراف سے یہ آواز اٹھی کہ ہم خوش دلی کے ساتھ سب قیدی واپس کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر عدل و انصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا، اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لئے خوش دلی سے تیار ہوئے اور کون ایسے ہیں جو شرما شرمی خاموش رہے، معاملہ لوگوں کے حقوق کا ہے اس لئے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح بات معلوم کر کے مجھے بتائیں۔

اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ سب

لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیئے۔
یہی وہ لوگ تھے جن کے تائب ہونے کی طرف مذکورہ تیسری آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے (آیت) ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ، غزوہ حنین میں پیش آنے والے واقعات کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کا کچھ حصہ تو خود قرآن کریم میں مذکور ہے اور باقی مستند روایات حدیث سے لیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ برأت، لاہور)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ
وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اے ایمان والو! مشرکین تو سراپا نجاست ہیں سو وہ اپنے اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں، اور اگر تمہیں مفلسی کا ڈر ہے
تو (گھبراؤ نہیں) عنقریب اللہ اگر چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے مال دار کر دے گا، بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

مشرکین کے لئے حرم میں داخل ہونے کی ممانعت کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" قَذَرٌ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ "فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" اَیْ لَا يَدْخُلُوا الْحَرَمَ "بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" عَامَ تِسْعٍ مِنَ الْهِجْرَةِ "وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً" فَقْرًا بِانْقِطَاعِ تِجَارَتِهِمْ عَنْكُمْ "فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ" وَقَدْ اَغْنَاهُمْ بِالْفُتُوْحِ وَالْجِزْيَةِ،

اے ایمان والو! مشرکین تو سراپا نجاست ہیں یعنی ان کا باطن ناپاک ہے لہٰذا وہ اپنے اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں، یعنی ۹ ہجری کے بعد حرم میں داخل نہ ہوں۔ اور اگر تمہیں ان سے تجارت کے ختم ہو جانے کے سبب مفلسی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ اگر چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے مال دار کر دے گا، یعنی فتوحات اور جزیے کے ساتھ مالدار بنا دے گا۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

سورہ برأت آیت ۲۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ مشرکین بیت اللہ آتے اور اپنے ساتھ کھانا بھی لاتے اور اس سے تجارت کرتے جب انہیں بیت اللہ آنے سے روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا اب کھانا کہاں سے ملے گا؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ) اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو خدا چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ) تو مسلمانوں پر یہ بہت شاق گزرا اور انہوں نے کہا اب ہمارے پاس کھانا اور سامان کون لائے گا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ)۔ اس کے قریب قریب ہی عکرمہ اور عطیہ عوفی، ضحاک، قتادہ اور دوسرے مفسرین کرام سے منقول ہے۔ (زاد المسیر 3۔417، قرطبی 8۔106)

مساجد وحرم میں مشرکین کے داخل ہونے میں ممانعت کا بیان

تفسیر قرطبی میں ہے کہ فقہائے مدینہ امام مالک وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ مشرکین ہر معنی کے اعتبار سے نجس ہیں، ظاہری نجاست سے بھی عموماً اجتناب نہیں کرتے اور جنابت وغیرہ کے بعد غسل کا بھی اہتمام نہیں کرتے، اور کفر وشرک کی باطنی نجاست تو ان میں ہے ہی، اس لئے یہ حکم تمام مشرکین اور تمام مساجد کے لئے عام ہے، اور اس کی دلیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمان پیش کیا جس میں انہوں نے امراء بلاد کو ہدایت کی تھی کہ کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دیں، اس فرمان میں اسی آیت مذکورہ کو تحریر فرمایا تھا نیز یہ کہ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، **لا احل المسجد لحائض ولا جنب** ی مسجد میں داخل ہونا کسی حائضہ عورت یا جنبی شخص کے لئے میں حلال نہیں سمجھتا"۔ اور مشرکین و کفار عموماً حالت جنابت میں غسل کا اہتمام نہیں کرتے، اس لئے ان کا داخلہ مساجد میں ممنوع ہے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب سب کے لئے عام ہے، مگر مسجد حرام کے لئے مخصوص ہے دوسری مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں، (قرطبی) اور دلیل میں ثمامہ ابن اُثال کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ مسلمان ہونے سے پہلے جب یہ گرفتار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک آیت میں مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ سال سے ان کو مشرکانہ طرز پر حج وعمرہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اور دلیل یہ ہے کہ جس وقت موسم حج میں حضرت علی مرتضٰی کے ذریعہ اعلان براءت کر دیا گیا تو اس میں اعلان اسی کا تھا کہ، جس میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، اس لئے اس آیت میں (آیت) فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کے معنی بھی اس اعلان کے مطابق یہی ہیں کہ ان کو حج وعمرہ کی ممانعت کر دی گئی، اور کسی ضرورت سے باجازت امیر المومنین داخل ہو سکتے ہیں، وفد ثقیف کا واقعہ اس کا شاہد ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا حالانکہ یہ لوگ اس وقت کافر تھے، صحابہ کرام نے عرض بھی کیا یا رسول اللہ یہ نجس قوم ہے، تو آپ نے فرمایا کہ مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (احکام القرآن، جصاص)

اس روایت نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ قرآن کریم میں مشرکین کو نجس کہنے سے انکی نجاست کفر وشرک مراد ہے، جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مشرک مسجد کے پاس نہ جائے، بجز اس کے کہ وہ کسی مسلمان کا غلام یا کنیز ہو تو بضرورت اس کو داخل کر سکتے ہیں۔ (قرطبی)

یہ حدیث بھی اسی کی شاہد ہے کہ نجاست ظاہری کو سبب قرار دے کر مشرکین کو مسجد حرام سے نہیں روکا گیا ورنہ اس میں غلام اور جاریہ کی کوئی تخصیص نہ تھی، بلکہ بنیاد اصل کفر وشرک اور ان کے غلبہ کا خطرہ ہے، غلام وکنیز میں یہ خطرہ نہیں، ان کو اجازت دے دیگئی، اس کے علاوہ ظاہری نجاست کے اعتبار سے تو مسلمان بھی اس میں داخل ہیں کہ نجاست یا حدث اکبر کی حالت میں ان کے لئے بھی

مسجد حرام داخلہ ممنوع ہے۔

نیز جمہور کی تفسیر کے مطابق مسجد حرام سے اس جگہ جب پورا حرم مراد ہے تو وہ بھی اسی کا مقتضی ہے کہ یہ ممانعت ظاہری نجاست کی بنیاد پر نہیں، بلکہ کفر و شرک کی نجاست کی بناء پر ہے اسی لئے صرف مسجد حرام میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں کیا گیا بلکہ پورے حرم محترم میں ممنوع قرار دیا گیا، کیونکہ وہ اسلام کا حمی اور ایک قلعہ ہے، اس میں کسی غیر مسلم کو رکھنا گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ نجاسات سے مساجد کی تطہیر بھی ایک مستقل مسئلہ ہے جو قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے، لیکن اس آیت کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں بلکہ اسلام کے اس سیاسی حکم سے ہے جس کا اعلان سورہ براءت کے شروع میں کیا گیا ہے کہ جتنے مشرکین مکہ میں موجود تھے ان سب سے حرم محترم کو خالی کرانا مقصود تھا، لیکن بتقاضائے عدل و انصاف ورحم وکرم مکہ فتح ہوتے ہی سب کو یک قلم خارج کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ جن لوگوں سے کسی خاص میعاد کا معاہدہ تھا اور وہ لوگ اس معاہدہ پر قائم رہے تو ان کی میعاد معاہدہ پوری کر کے اور باقیوں کو کچھ کچھ مہلت دے کر سال بھر کے اندر اس تجویز کی تکمیل پیش نظر تھی، اسی کا بیان اس آیت مذکورہ میں آیا کہ اس سال کے بعد مشرکین کا داخل حدود حرم میں ممنوع ہو جائے گا وہ مشرکانہ حج و عمرہ نہ کرنے پائیں گے۔

اور جس طرح سورہ توبہ کی آیات میں واضح طور پر یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ہجری کے بعد کوئی مشرک حدود حرم میں داخل نہ ہو سکے گا، روایات حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائرہ کو اور وسیع فرما کر پورے جزیرۃ العرب کے لئے بھی حکم دے دیا تھا، مگر عہد رسالت میں اس کی تکمیل نہ ہونے پائی، پھر صدیق اکبرؓ بھی دوسرے ہنگامی مسائل کی وجہ سے اس پر توجہ نہ دے سکے فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ میں اس حکم کو نافذ فرمایا۔

اب رہا کفار کی نجاست اور مساجد کی نجاسات سے تطہیر کا مسئلہ وہ اپنی جگہ ہے، جس کے مسائل کتب فقہ میں تفصیل سے مذکور ہیں، کوئی مسلمان بھی ظاہری نجاست یا حالت جنابت میں کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، اور عام کفار و مشرکین ہوں یا اہل کتاب وہ بھی عموماً ان نجاسات سے پاک نہیں ہوتے، اس لئے بلا ضرورت شدیدہ ان کا داخلہ بھی کسی مسجد میں جائز نہیں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا
يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صَاغِرُوْنَ٥
لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں
اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔

کفار وغیرہ سے جہاد کرنے کا بیان

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" وَاِلَّا لَاٰمَنُوْا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَلَا

يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" كَالْخَمْرِ "وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ" الثَّابِت النَّاسِخ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَدْيَان وَهُوَ دِيْنُ الْاِسْلَام "مِنَ" بَيَان لِلَّذِيْنَ "الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَاب" اَیْ الْيَهُوْد وَالنَّصَارٰی "حَتّٰی يُعْطُوا الْجِزْيَةَ" الْخَرَاج الْمَضْرُوب عَلَيْهِمْ كُلّ عَام "عَنْ يَّد" حَال اَیْ مُنْقَادِيْنَ اَوْ بِاَيْدِيهِمْ لَا يُوَكِّلُوْنَ بِهَا "وَهُمْ صَاغِرُوْنَ" اَذِلَّاء مُنْقَادُوْنَ لِحُكْمِ الْاِسْلَام،

لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر کیونکہ اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تو نبی کریم ﷺ پر بھی ایمان لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں جس طرح شراب ہے اور نہ ہی دین حق کو اختیار کرتے ہیں، یعنی وہ دین حق جو باقی تمام ادیان کا ناسخ ہے اور وہ اسلام ہے۔ ان لوگوں یعنی یہود ونصاریٰ میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں پر لفظ من للذین کے لئے بیان ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں یعنی وہ خراج جو ہر سال ان کے لئے مقرر کیا جائے۔ یہاں پر عن ید یہ منقادین یا ایدھم سے حال ہے۔ یعنی وہ بغیر کسی وکیل کے خود ادا کریں اور وہ حقیر ہوں یعنی اس امر میں وہ حکم اسلام کے تابع ہیں۔

اہل کتاب سے جزیہ وشرائط معاہدے کا بیان

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں میں نے اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ اہل شام کو فلاں فلاں شہری لوگوں کی طرف سے یہ معاہدہ ہے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر آئے ہم نے آپ سے اپنی جان مال اور اہل وعیال کے لئے امن طلب کی ہم ان شرطوں پر وہ امن حاصل کرتے ہیں کہ ہم اپنے ان شہروں میں اور ان کے آس پاس کوئی گرجا گھر اور خانقاہ نئی نہیں بنائیں گے۔ مندر اور نہ ایسے کسی خرابی والے مکان کی اصلاح کریں گے اور جو مٹ چکے ہیں انہی درست نہیں کریں گے ان میں اگر کوئی مسلمان مسافر اترنا چاہے تو روکیں گے نہیں خواہ دن ہو خواہ رات ہو ہم ان کے دروازے رہ گذر اور مسافروں کے لئے کشادہ رکھیں گے اور جو مسلمان آئے ہم اس کی تین دن تک مہمانداری کریں گے، ہم اپنے ان مکانوں یا رہائشی مکانوں وغیرہ میں کہیں کسی جاسوس کو نہ چھپائیں گے، مسلمانوں سے کوئی دھوکہ فریب نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قرآن نہ سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہ کریں گے نہ کسی کو شرک کی طرف بلائیں گے، ہم میں سے کوئی اگر اسلام قبول کرنا چاہے ہم اسے ہرگز نہ روکیں گے، مسلمانوں کی توقیر وعزت کریں گے، ہماری جگہ اگر وہ بیٹھنا چاہیں تو ہم اٹھ کر انہیں جگہ دے دیں گے، ہم مسلمانوں سے کسی چیز میں برابری نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ جوتی میں نہ مانگ نکالنے میں، ہم ان کی زبانیں نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، زین والے گھوڑوں پر سواریاں نہ کریں گے، تلواریں نہ لٹکائیں گے نہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔ انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں کرائیں گے، شراب فروشی نہیں کریں گے، اپنے سروں کے اگلے بالوں کو ترشوا دیں گے اور جہاں کہیں ہوں گے زنار ضرور تا ڈالے رہیں گے، صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے۔ اپنی مذہبی کتابیں مسلمانوں کی گذرگاہوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے گرجوں میں ناقوس بلند آواز سے بجائیں گے نہ مسلمانوں کی موجودگی میں با آواز بلند

اپنی مذہبی کتابیں پڑھیں گے نہ اپنے مذہبی شعار کو راستوں پر کریں گے نہ اپنے مردوں پر اونچی آواز سے ہائے وائے کریں گے نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے راستوں میں آگ لے کر جائیں گے مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہ لیں گے مسلمانوں کی خیر خواہی ضرور کرتے رہیں گے ان کے گھروں میں جھانکیں گے نہیں۔ جب یہ عہد نامہ حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ایک شرط اور بھی اس میں بڑھوائی کہ ہم کسی مسلمانوں کو ہرگز ماریں گے نہیں یہ تمام شرطیں ہمیں قبول و منظور ہیں اور ہمارے سب ہم مذہب لوگوں کو بھی۔ انہی شرائط پر ہمیں امن ملا ہے اگر ان میں سے کسی ایک شرط کی بھی ہم خلاف ورزی کریں تو ہم سے آپ کا ذمہ الگ ہو جائے گا اور جو کچھ آپ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے کرتے ہیں ان تمام کے مستحق ہم بھی ہو جائیں گے۔

اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ لینے میں فقہی مذاہب اربعہ

اسی آیت سے استدلال کر کے بعض نے فرمایا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے جیسے مجوس ہیں چنانچہ ہجر کے مجوسیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا تھا۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمد کا بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جزیئے کا لینا تمام کفار سے جائز ہے خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ (تفسیر محمدی، سورہ برأت، بیروت)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ج
يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ط قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ج اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○
اور یہود نے کہا، عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا، مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کا (لغو)
قول ہے جو اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول سے مشابہت کرتے ہیں جو ان سے پہلے کفر کر چکے ہیں،
اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا انبیائے کرام کی طرف ابن اللہ کی نسبت کرنے کا بیان

"وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ "عِيسَى "ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ" لَا مُسْتَنِدَ لَهُمْ عَلَيْهِ بَلْ "يُضَاهِئُوْنَ" يُشَابِهُوْنَ بِهِ "قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ" مِنْ اٰبَائِهِمْ تَقْلِيْدًا لَهُمْ "قَاتَلَهُمْ" لَعَنَهُمْ "اللّٰهُ اَنّٰى" "كَيْفَ "يُؤْفَكُوْنَ" يُصْرَفُوْنَ عَنِ الْحَقِّ مَعَ قِيَامِ الدَّلِيْلِ،

اور یہود نے کہا، عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا، مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کا قول ہے جو اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ اس پر ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان لوگوں کے قول سے مشابہت اختیار کرتے ہیں جو ان سے پہلے کفار یعنی ان کے باپ دادا کر چکے ہیں، یہ انہی کی تقلید ہے۔ اللہ انہیں ہلاک کرے یعنی ان پر اللہ کی لعنت ہو یہ کہاں

بھٹکے پھرتے ہیں۔ یعنی دلیل کے قائم ہو جانے کے باوجود حق سے پھرنے والے ہیں۔

سورہ برأت آیت ۳۰ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سلام بن مشکم، نعمان بن اوفی، محمد بن حیہ، شاس بن قیس اور مالک بن صیف آئے اور انہوں نے کہا ہم اس کے باوجود آپ کی پیروی کس طرح کریں کہ آپ نے ہمارے قبلہ کو چھوڑ دیا اور آپ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں؟ تو اللہ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا تورات کو لکھنے کا بیان

جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے ان کے علماء کو قتل کر دیا ان کے رئیسوں کو قید کر لیا۔ عزیر علیہ السلام کا علم اٹھ جانے اور علماء کے قتل ہو جانے سے اور بنی اسرائیل کی تباہی سے سخت رنجیدہ ہوئے اب جو رونا شروع کیا تو آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے روتے روتے پلکیں بھی جھڑ گئیں ایک دن اسی طرح روتے ہوئے ایک میدان سے گذر ہوا دیکھا کہ ایک عورت ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہائے اب میرے کھانے کا کیا ہوگا؟ میرے کپڑوں کا کیا ہوگا؟ آپ اس کے پاس ٹھہر گئے اور اس سے فرمایا اس شخص سے پہلے تجھے کون کھلاتا تھا اور کون پہناتا تھا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ تو اب بھی زندہ باقی ہے اس پر تو کبھی نہیں موت آئے گی۔ یہ سن کر اس عورت نے کہا اے عزیر پھر تو یہ تو بتا کہ بنی اسرائیل سے پہلے علماء کو کون علم سکھاتا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس نے کہا آپ یہ رونا دھونا لے کر کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کو سمجھ میں آ گیا کہ یہ جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آپ کو تنبیہ ہے پھر آپ سے فرمایا گیا کہ فلاں نہر پر جا کر غسل کر و وہیں دو رکعت نماز ادا کر و وہاں تمہیں ایک شخص ملیں گے وہ جو کچھ کھلائیں وہ کھالو چنانچہ آپ وہیں تشریف لے گئے نہا کر نماز ادا کی دیکھا کہ ایک شخص ہیں کہہ رہے ہیں منہ کھولو آپ نے منہ کھول دیا انہوں نے تین مرتبہ کوئی چیز آپ کے منہ میں بڑی ساری ڈالی اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ توراۃ کے سب سے بڑے عالم بن گئے بنی اسرائیل میں گئے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لایا ہوں انہوں نے کہا ہم سب آپ کے نزدیک سچے ہیں آپ نے اپنی انگلی کے ساتھ قلم کو لپیٹ لیا اور اسی انگلی سے بہ یک وقت پوری توراۃ لکھ ڈالی ادھر لوگ لڑائی سے لوٹے ان میں ان کے علماء بھی واپس آئے تو انہیں عزیر علیہ السلام کی اس بات کا علم ہوا یہ گئے اور پہاڑوں اور غاروں میں تورات شریف کے جو نسخے چھپا آئے تھے وہ نکال لائے اور ان نسخوں سے حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھے ہوئے نسخے کا مقابلہ کیا تو بالکل صحیح پایا اس پر بعض جاہلوں کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ ڈال دیا کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔

حضرت مسیح کو نصرانی اللہ کا بیٹا کہتے تھے ان کا واقعہ تو ظاہر ہے۔ پس ان دونوں گروہوں کی غلط بیانی قرآن بیان فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ ان کی صرف زبانی باتیں ہیں جو محض بیدلیل ہیں جس طرح ان سے پہلے کے لوگ کفر وضلالت میں تھے یہ بھی انہی کے مرید ومقلد ہیں اللہ انہیں لعنت کرے حق سے کیسے بھٹک گئے؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اورزاہدوں کو رب بنالیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک معبود کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنے پیشواؤں کی اتباع کرنے کا بیان

"اتَّخَذُوا اَحْبَارهمْ" عُلَمَاء الْيَهُوْد "وَرُهْبَانهمْ" عُبَّاد النَّصَارٰى "اَرْبَابًا مِنْ دُوْن اللّٰه" حَيْثُ اتَّبَعُوهُمْ فِيْ تَحْلِيل مَا حَرَّمَ اللّٰه وَتَحْرِيم مَا اَحَلَّ "وَالْمَسِيح ابْن مَرْيَم وَمَا اُمِرُوْا" فِي التَّوْرَاة وَالْاِنْجِيل "اِلَّا لِيَعْبُدُوْا" اَیْ بِاَنْ يَّعْبُدُوْا "اِلٰهًا وَّاحِدًا لَّا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانه" تَنْزِيهًا لَّهٗ، عَمَّا يُشْرِكُوْنَ،

انہوں نے یعنی علمائے یہود نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور نصاریٰ نے زاہدوں کو رب بنالیا تھا یعنی ایسے حلال میں جو اللہ نے ان پر حرام کیا اور ایسے حرام میں جو اللہ نے ان کے لئے حلال کیا وہ اس میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ اور مریم کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو جو تورات و انجیل میں حکم دیا گیا حالانکہ انہیں بجز اس کے حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک معبود کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان سے پاک ہے یعنی وہ اس سے منزہ ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

سورہ برأت آیت ۳۱ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدی اس بت کو اپنے سے دور کردو پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورت برأت کی یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا (اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) التوبہ: 31) انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا اللہ بنالیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن اگر وہ (علماء اور درویش) ان کے لئے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو وہ بھی اسے حلال سمجھتے اور اسی طرح ان کی طرف سے حرام کی گئی چیز کو حرام سمجھتے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عبدالسلام بن حرب کی روایت سے جانتے ہیں اور غطیف بن اعین غیر مشہور ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1038)

عدی بن حاتم کے قبول اسلام کے واقعہ کا بیان

جب عدی بن حاتم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پہنچا تو شام کی طرف بھاگ نکلا جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہوگئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کردیا اور رقم بھی دی یہ سیدھی اپنے بھائی کے پاس گئیں اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا کہ تم رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ التسلیم کے پاس چلے جاؤ

چنانچہ یہ مدینہ شریف آ گئے تھے اپنی قوم طے کے سردار تھے ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچائی آپ خود ان کے پاس آئے اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اسی (آیت اتخذوا) کی تلاوت ہو رہی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی آپ نے فرمایا ہاں سنو ان کے کئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے اور جسے ان کے علماء اور درویش حلال بتا دیں اسے حلال سمجھنے لگے یہی ان کی عبادت تھی پھر آپ نے فرمایا عدی کیا تم اس سے بے خبر ہو کہ اللہ سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے مان لی اور اللہ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ادا کی آپ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ (مسند احمد ترمذی اور ابن جریر، سورہ برأت، بیروت)

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ٥
وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ قبول نہیں فرماتا مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے
اگر چہ کفار ناپسند ہی کریں۔

شریعت اسلامیہ و براہین شرعیہ کے بجھ نہ سکنے کا بیان

"يُـرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰه" شَـرعه وَبَرَاهِينه "بِاَفْوَاهِهِمْ" بِاَقْوَالِهِمْ فِيْهِ "وَيَـاْبَى اللّٰه اِلَّآ اَنْ يُّتِمّ" يُظْهِر "نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ" ذٰلِكَ،

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور یعنی اس کی شریعت اور اس کے دلائل کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ یہ بات قبول نہیں فرماتا مگر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے نور کو ظاہر کر کے کمال تک پہنچا دے اگر چہ کفار اسے ناپسند ہی کریں۔

دین اسلام کی اشاعت کا دنیائے عالم میں پھیل جانے کا بیان

حضرت عدی فرماتے ہیں میرے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مجھ سے فرمایا اسلام قبول کرتا کہ سلامتی ملے میں نے کہا میں تو ایک دین کو مانتا ہوں آپ نے فرمایا تیرے دین کا تجھ سے زیادہ مجھے علم ہے میں نے کہا سچ؟ آپ نے فرمایا بالکل سچ۔ کیا تو رکوسیہ میں سے نہیں ہے؟ کیا تو اپنی قوم سے ٹیکس وصول نہیں کرتا؟ میں نے کہا یہ تو سچ ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے دین میں یہ تیرے لئے حلال نہیں پس یہ سنتے ہی میں تو جھک گیا آپ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے اسلام سے کون سی چیز روکتی ہے؟ سن صرف ایک یہی بات تجھے روک رہی ہے کہ مسلمان بالکل ضعیف اور کمزور ناتواں ہیں تمام عرب انہیں گھیرے ہوئے ہے یہ ان سے نپٹ نہیں سکتے لیکن سن حیرہ کا تجھے علم ہے؟ میں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن سنا ضرور ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امر دین کو پورا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سانڈنی سوار حیرہ سے چل کر اکیلے امن کے ساتھ مکہ

مکرمہ پہنچے گا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔ واللہ تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے میں نے کہا کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ نے فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز کے تم میں مال کی اس قدر کثرت ہو پڑے گی کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ اس حدیث کو بیان کرتے وقت حضرت عدی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا ہوا۔ یہ دیکھو آج حیرہ سے سواریاں چلتی ہیں بے خوف خطر بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ پہنچ کر طواف کرتی ہیں۔ صادق و مصدوق کی دوسری پیشنگوئی بھی پوری ہوئی۔ کسریٰ کے خزانے فتح ہوئے میں خود اس فوج میں تھا جس نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور کسریٰ کے مخفی خزانے اپنے قبضے میں لئے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری پیشین گوئی بھی قطعاً پوری ہو کر ہی رہے گی۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تا کہ اسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ برا جانیں۔

دین اسلام کا تمام ادیان پر غالب آنے کا بیان

"هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ" یُعْلِیه "عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ" جَمِیْعِ الْاَدْیَانِ الْمُخَالِفَةِ لَهٗ "وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ" ذٰلِكَ،

وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول حضرت محمد ﷺ، ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تا کہ اسے ہر دین پر بلند کر دے، تمام ادیان سے مراد وہ ادیان ہیں جو اس کے خلاف ہیں۔ اگرچہ یہ بات مشرکین کو بری محسوس ہو۔

دن رات کے پہنچنے تک دین اسلام کے پہنچنے کا بیان

اسی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خبروں اور صحیح ایمان اور نفع والے علم پر مبنی یہ ہدایت ہے اور عمدہ اعمال جو دنیا آخرت میں نفع دیں ان کا مجموعہ یہ دین حق ہے۔ یہ تمام اور مذاہب عالم پر چھا کر رہے گا آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے لئے مشرق و مغرب کی زمین لپیٹ دی گئی میری امت کا ملک ان تمام جگہوں تک پہنچے گا۔ فرماتے ہیں تمہارے ہاتھوں پر مشرق و مغرب فتح ہوگا تمہارے سردار جہنمی ہیں۔ بجز ان کے جو متقی پرہیزگار اور امانت دار ہوں۔ فرماتے ہیں یہ دین تمام اس جگہ پر پہنچے گا جہاں پر دن رات پہنچے کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اللہ عزوجل اسلام کو نہ پہنچائے۔ عزیزوں کو عزیز کرے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا اسلام کو عزت دینے والوں کو عزت ملے گی اور کفر کو ذلت نصیب ہوگی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے تو یہ بات خود اپنے گھر میں بھی دیکھ لی جو مسلمان ہوا اس سے خیر و برکت عزت و شرافت ملی اور جو کافر رہا اسے ذلت و نکبت نفرت و لعنت نصیب ہوئی۔ پستی اور حقارت دیکھی اور کمینہ پن کے ساتھ جزیہ دینا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے وہ عزت والوں کو عزت دے گا اور ذلیلوں کو ذلیل کرے گا جنہیں عزت دینی چاہے گا انہیں

اسلام نصیب کرے گا اور جنہیں ذلیل کرنا ہوگا وہ اسے نہیں مانیں گے لیکن اس کی ماتحتی میں انہیں آنا پڑے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝
اے ایمان والو! بیشک اکثر علماء اور درویش، لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا
اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

علمائے یہود و نصاریٰ کا رشوت لینے کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ" يَاْخُذُوْنَ "اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" كَالرِّشَا فِي الْحُكْمِ "وَيَصُدُّوْنَ" النَّاس "عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه" دِيْنه "وَالَّذِيْنَ" مُبْتَدَأ "يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا" اَیْ الْكُنُوز "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه" اَیْ لَا يُؤَدُّوْنَ مِنْهَا حَقّه مِنَ الزَّكَاة وَالْخَبَر "فَبَشِّرْهُمْ" اَخْبِرْهُمْ "بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ" مُؤْلِم،

اے ایمان والو! بیشک (اہلِ کتاب کے) اکثر علماء اور درویش، لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں جس طرح رشوت خور ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ یعنی اس کے دین سے روکتے ہیں (یعنی لوگوں کے مال سے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں اور دینِ حق کی تقویت و اشاعت پر خرچ کئے جانے سے روکتے ہیں)، یہاں پر والذین مبتداء ہے اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی اس کا جو حق زکوٰۃ ہے وہ بھی نہیں ادا کرتے، یہ جملہ خبر ہے۔ تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

سورہ برأت آیت ۳۴ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب (وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) التوبہ: 34) (یعنی جو لوگ چاندی اور سونے کو جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے)۔ نازل ہوئی تو ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ سونے اور چاندی کو جمع کرنے کی تو مذمت آ گئی ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ کونسا مال بہتر ہے تو وہی جمع کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مال اللہ کو یاد کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور مومن بیوی ہے جو اسے اس کے ایمان میں مدد دے۔

یہ حدیث حسن ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سالم بن ابی جعد کو ثوبان سے سماع نہیں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا اور کوئی صحابی سے سماع ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں جابر بن عبداللہ اور انس رضی اللہ عنہ اور پھر کئی صحابہ کا ذکر

کیا۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1037)

احبار اور رہبان کے مفہوم کا بیان

احبار حبر کی جمع ہے یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقہ سے پیش کرنے کا طریقہ رکھتا ہو خوبصورت اور منقش کپڑے کو ثوب مُحَبَّر کہا جاتا ہے مراد علماء یہود ہیں، رہبان راہب کی جمع ہے جو رہبۃ سے مشتق ہے۔اس سے مراد علماء نصاریٰ ہیں بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاریٰ ہیں۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف وتغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان باب کا عنوان ہے 'تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔

دنیاوی مقاصد کے سبب دین کی شعائر کو بگاڑنے والوں کا بیان

حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہمارے علماء میں سے وہی بگڑتے ہیں، جن میں کچھ نہ کچھ شائبہ یہودیت کا ہوتا ہے اور ہم مسلمانوں میں صوفیوں اور عابدوں میں سے وہی بگڑتے ہیں جن میں نصرانیت کا شائبہ ہوتا ہے۔صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم یقیناً اپنے سے پہلوں کی روش پر چل پڑو گے۔ایسی پوری مشابہت ہوگی کہ ذرا بھی فرق نہ رہے گا لوگوں نے پوچھا کیا یہود ونصاریٰ کی روش پر؟ آپ نے فرمایا ہاں انہی کی روش پر اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا کیا فارسیوں اور رومیوں کی روش پر؟ آپ نے فرمایا اور کون لوگ ہیں؟ پس ان کے اقوال افعال کی مشابہت سے ہر ممکن بچنا چاہئے۔اس لئے کہ یہ اس وجاہت سے ریاست ومنصب حاصل کرنا اور اس وجاہت سے لوگوں کا مال غصب کرنا چاہتے ہیں۔احبار یہود کو زمانہ جاہلیت میں بڑا ہی رسوخ حاصل تھا۔ان کے تحفے، ہدیئے، خراج، چراغی مقرر تھی جو بغیر مانگے انہیں پہنچ جاتی تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد اسی طمع نے انہیں قبول اسلام سے روکا۔لیکن حق کے مقابلے کی وجہ سے اس طرف سے بھی کورے رہے اور آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ذلت وحقارت ان پر برس پڑی اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ حرام خور جماعت خود حق سے رک کر اوروں کے بھی درپے رہتی تھی حق کو باطل سے خلط ملط کر کے لوگوں کو بھی راہ حق سے روک دیتے تھے۔

جاہلوں میں بیٹھ کر گپ ہانکتے کہ ہم لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ یہ صریح دھوکہ ہے وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے ہیں قیامت کے دن یہ بے یار ومددگار چھوڑ دیئے جائیں گے۔عالموں اور صوفیوں یعنی واعظوں اور عابدوں کا ذکر کرنے کے بعد اب امیروں دولت مندوں اور رئیسوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جس طرح یہ دونوں طبقے اپنے اندر بدترین لوگوں کو بھی رکھتے ہیں ایسے ہی اس تیسرے طبقے میں بھی شریر النفس لوگ ہوتے ہیں عموماً انہی تین طبقے کے لوگوں کا عوام پر اثر ہوتا ہے عوام کی کثیر تعداد ان کے ساتھ بلکہ ان کے پیچھے ہوتی ہیں پس ان کا بگڑنا گویا مذہبی دنیا کا ستیا ناس ہونا ہے جیسے کہ حضرت ابن المبارک رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔دین واعظوں، عالموں، صوفیوں اور درویشوں کے ناپاک طبقے سے ہی بگڑتا ہے۔(تفسیر محمدی، سورہ برأت، بیروت)

کنز کی تعریف وپہچان کرنے کا بیان

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ میں سونے کے اوضاع (ایک قسم کا زیور) پہنا کرتی تھی میں نے پوچھا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ بھی کنز کی تعریف میں آتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مال اتنی مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ دینا لازم ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زکوٰۃ دی جائے تو وہ کنز میں شمار نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد)

کنز اصطلاح شرع میں اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوۃ ادا نہ کی جاتی ہو۔ حضرت ابن عمر سے یہی مروی ہے بلکہ فرماتے ہیں جس مال کی زکوۃ دے دی جاتی ہو وہ اگر ساتویں زمین تلے بھی ہو تو وہ کنز نہیں اور جس کی زکوۃ نہ دی جاتی ہو وہ گو زمین پر ظاہر پھیلا پڑا ہو تو کنز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب بھی یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بغیر زکوۃ کے مال سے اس مالدار کو داغا جائے گا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ یہ زکوۃ کے اترنے سے پہلے تھا زکوۃ کا حکم نازل فرما کر اللہ نے اسے مال کی طہارت بنا دیا۔ خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اور عراک بن مالک نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اسے قول ربانی (آیت خذ من اموالهم الخ،) نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ تلواروں کا زیور بھی کنز یعنی خزانہ ہے۔ یاد رکھو میں تمہیں وہی سناتا ہوں جو میں نے جناب پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم تو نفقہ ہے اور اس سے زیادہ کنز ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ مال کی کثرت کی مذمت اور کمی کی مدحت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں بطور نمونے کے ہم بھی یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں۔

مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سونے چاندی والوں کے لئے ہلاکت ہے تین مرتبہ آپ کا یہی فرمان سن کر صحابہ پر شاق گذرا اور انہوں نے سوال کیا کہ پھر ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حالت بیان کر کے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ذکر کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور دین کے کاموں میں مدد دینے والی بیوی۔

مسند احمد میں ہے کہ سونے چاندی کی مذمت کی یہ آیت جب اتری اور صحابہ نے آپس میں چرچا کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا لو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرآتا ہوں اپنی سواری تیز کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم اپنی اولادوں کے لئے کیا چھوڑ جائیں؟ اس میں ہے کہ حضرت عمر کے پیچھے ہی پیچھے حضرت ثوبان بھی تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے مقرر فرمائی ہے کہ بعد کا مال پاک ہو

جائے۔ میراث کے مقرر کرنے کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر مارے خوشی کے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا لو اور سنو میں تمہیں بہترین خزانہ بتاؤں نیک عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کردے اور جب حکم دے فوراً بجالائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی ناموس کی حفاظت کرے۔ حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک سفر میں تھے ایک منزل میں اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں مجھے برا معلوم ہوا آپ نے افسوس ظاہر کیا اور فرمایا میں نے تو اسلام کے بعد سے اب تک ایسی بے احتیاطی کی بات کبھی نہیں کی تھی اب تم اسے بھول جاؤ اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھو لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب لوگ سونا چاندی جمع کرنے لگیں تم ان کلمات کو بکثرت کہا کرو۔

اللھم انی اسئلك الثبات فی الامر والعزیمة علی الرشد واسئلك شکر نعمتك واسئلك حسن عبادتك واسئلك قلبا سلیما واسئلك لسانا صادقا واسئلك من خیر ماتعلم واعوذبك من شر ماتعلم واستغفرك لما تعلم انك انت علام الغیوب۔

یا اللہ میں تجھ سے کام کی ثابت قدمی اور بھلائیوں کی پختگی اور تیری نعمتوں کا شکر اور تیری عبادتوں کی اچھائی اور سلامتی والا دل اور سچی زبان اور تیرے علم میں جو بھلائی ہے وہ اور تیرے علم میں جو برائی ہے اس کی پناہ اور جن برائیوں کو تو جانتا ہے ان سے استغفار طلب کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ تو تمام غیب جاننے والا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ
هٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ ○
جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو
داغا جائے گا۔ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا، سو چکھو جو تم خزانہ بنایا کرتے تھے۔

جہنم کی آگ کا پیشانیوں اور کھالوں کو جلا ڈالنے کا بیان

"یَوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکۡوٰی" تُحۡرَقُ "بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ" وَتُوَسَّعُ جُلُوۡدُهُمۡ حَتّٰی تُوۡضَعَ عَلَیۡهَا کُلُّهَا وَیُقَالُ لَهُمۡ "هٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ" اَیۡ جَزَاءَہٗ۔

جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا۔ یعنی ان کو جلا دے گی اور ان کی کھالوں کو اتنا وسیع کردیا جائے گا کہ اس پر ان کا مال رکھ دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے خزانہ بنایا تھا، لہٰذا تم اسی کی جزاء چکھو جو تم خزانہ بنایا کرتے تھے۔

زکوۃ ادانہ کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن سخت عذاب کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جو شخص سونے اور چاندی (کے نصاب) کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کے تختے بنائے جائیں گے (یعنی تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے مگر انہیں آگ میں اس قدر گرم کیا جائے گا کہ گویا وہ آگ ہی کے تختے ہوں گے اسی لئے آپ نے آگے فرمایا کہ وہ تختے دوزخ کی آگ میں گرم کئے جائیں گے اور ان تختوں سے اس شخص کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی پھر ان تختوں کو (اس بدن سے) جدا کیا جائے اور آگ میں گرم کر کے پھر لایا جائے گا (یعنی جب وہ تختے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کرنے کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور وہاں سے نکال کر اس شخص کے بدن کو داغا جائے گا) اور اس دن کی مقدار کہ جس میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ عذاب تو نقدی یعنی سونے چاندی کے بارے میں ہوگا اونٹ کی زکوۃ نہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا؟

آپ نے فرمایا جو شخص اونٹ کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے اور اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس روز انہیں پانی پلایا جائے ان کا دودھ دوہا جائے تو قیامت کے دن اس شخص کو اونٹوں کے سامنے ہموار میدان میں منہ کے بل اوندھا ڈال دیا جائے گا اور اس کے سارے اونٹ گنتی اور مٹاپے میں پورے ہوں گے مالک ان میں سے ایک بچہ بھی کم نہ پائے گا یعنی اس شخص کے سب اونٹ وہاں موجود ہوں گے۔ حتی کہ اونٹوں کے سب بچے بھی ان کے ساتھ ہوں گے پھر یہ کہ وہ اونٹ خوب فربہ اور موٹے تازے ہوں گے تا کہ اپنے مالک کو روندتے وقت خوب تکلیف پہنچائیں چنانچہ وہ اونٹ اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گے اور اپنے دانتوں سے کاٹیں گے جب ان اونٹوں کی جماعت روند کچل اور کاٹ کر چلی جائے تو دوسری جماعت آئے گی یعنی اونٹوں کی قطار روند کچل کر چلی جائے گی تو اس کے پیچھے دوسری قطار آئے گی اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اور جس دن یہ ہوگا اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کر دیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو شخص گائیوں اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق یعنی زکوۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ہموار میدان میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا اور اس کی گایوں اور بکریوں کو وہاں لایا جائے گا جن میں سے کچھ کم نہیں ہوگا ان میں سے کسی گائے بکری کے سینگ نہ مڑے ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور نہ وہ منڈی یعنی بلا سینگ ہوں گی یعنی ان سب کے سروں پر سینگ ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور سالم ہوں گے۔ تا کہ وہ اپنے سینگوں سے خوب مار سکیں چنانچہ وہ گائیں اور بکریاں اپنے سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گی اور اپنے کھروں سے کچلیں گی اور جب ایک قطار اسے مار کچل کر چلی جائے گی تو دوسری قطار آئے گی اور اپنا کام شروع کر دے گی۔

اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور جس دن یہ ہوگا اس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب

کتاب کیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے جنہیں اس کے مالک اظہار فخر وغرور اور مال دار اور ریاء کے لئے اور مسلمانوں سے دشمنی کے واسطے باندھے چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے گناہ کا سبب بنتے ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک نے اللہ کی راہ میں کام لینے کے لئے باندھا اور ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارہ میں وہ اللہ کے حق کو نہیں بھولا چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے پردہ ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے ثواب کا سبب وذریعہ بنتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں ان کا مالک اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے مسلمانوں کے واسطے باندھے اور چراگاہ وسبزہ میں رکھے۔

چنانچہ جب وہ گھوڑے چراگاہ وسبزہ سے کچھ کھاتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے کھایا یعنی گھاس وغیرہ کی تعداد کے بقدر اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان گھوڑوں کی لید اور ان کے پیشاب کے بقدر بھی اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں کیونکہ لید اور پیشاب بھی گھوڑے کی زندگی کا باعث ہیں اور گھوڑے رسی توڑ کر ایک یا دو میدان دوڑتے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید جو وہ اس دوڑنے کی حالت میں کرتے ہیں کی تعداد کے برابر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ شخص ان گھوڑوں کو نہر پر پانی پلانے کے لئے لے جاتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ گھوڑوں کے پانی پینے کے بقدر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اچھا گدھوں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گدھوں کے بارہ میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن تمام نیکیوں اور اعمال کے بارہ میں یہ آیت جامع ہے (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه ، زلزال) یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا۔ یعنی مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو نیک کام کے لئے جانے کے واسطے اپنا گدھا دے گا تو ثواب پائے گا اور اگر برے کام کے لئے دے گا تو گناہگار ہوگا۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 269)

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ
كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○
بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا،
ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو،
جیسے وہ ہر حال میں تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

سال کے بارہ مہینوں کی ابتداء زمین وآسمان کی تخلیق کے ساتھ ہونے کا بیان

"إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُور " الْمُعْتَدّ بِهَا لِلسَّنَةِ "عِنْد اللّٰه اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَاب اللّٰه " اللَّوْح الْمَحْفُوظ "يَوْم خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض مِنْهَا " اَیْ الشُّهُور "اَرْبَعَة حُرُم " مُحَرَّمَة ذُو الْقَعْدَة وَذُو الْحِجَّة وَالْمُحَرَّم وَرَجَب "ذٰلِكَ" اَیْ تَحْرِيمهَا "الدِّيْن الْقَيِّم " الْمُسْتَقِيم "فَلَا تَظْلِمُوْا فِيهِنَّ " اَیْ الْاَشْهُر الْحُرُم "اَنْفُسكُمْ" بِالْمَعَاصِي فَإِنَّهَا فِيهَا اَعْظَم وِزْرًا وَّقِيلَ فِي الْاَشْهُر كُلّهَا "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّة" جَمِيعًا فِيْ كُلّ الشُّهُور "كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّة وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰه مَعَ الْمُتَّقِيْنَ" بِالْعَوْنِ وَالنَّصْر،

بے شک مہینوں کی گنتی، جن سے سال کا پتہ چلایا جاتا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب یعنی لوح محفوظ میں بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، یہی مہینے ہیں۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ وہ محرم، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور رجب ہیں ان کی حرمت ہی سیدھا دین ہے۔ لہٰذا ان مہینوں میں معصیت کے سبب اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو کیونکہ ان کی حرمت عظیم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے مکمل بارہ مہینے ہیں اور مشرکوں سے ہر حال میں یعنی ان تمام مہینوں میں لڑو، جیسے وہ ہر حال میں تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ بے شک اللہ کی مدد ونصرت متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

بعض مہینوں کی حرمت کا بیان

امام جصاص رازی حنفی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کرکے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

بارہ مہینوں کے ناموں کی وجوہ تسمیہ کا بیان

شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب المشہور فی اسماء الایام والشہور میں لکھا ہے کہ محرم کے مہینے کو محرم اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں لیکن اس کے نام کی وجہ سے اس کی حرمت کی تاکید ہے اس لئے کہ عرب جاہلیت میں اسے بدل ڈالتے تھے کبھی حلال کر ڈالتے کبھی حرام کر ڈالتے۔ اس کی جمع محرمات حارم محاریم۔

صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے گھر خالی رہتے تھے کیونکہ یہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے۔ جب مکان خالی ہوجائے تو عرب کہتے ہیں صفر المکان اس کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔

ربیع الاول کے نام کا سبب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کی اقامت ہوجاتی ہے ارتباع کہتے ہیں اقامت کو اس کی جمع اربعاء ہے جیسے نصیب کی جمع انصبا اور جمع اس کی اربعہ ہے جیسے رغیف کی جمع ارغفہ ہے۔ ربیع الآخر کے مہینے کا نام رکھنا بھی اسی وجہ سے ہے۔

گویا یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔

جمادی الاولی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں پانی جمع جاتا تھا ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے یعنی ٹھیک ہر موسم پر ہی ہر مہینہ آتا تھا لیکن یہ بات کچھ جچتی نہیں اسلئے کہ جب ان مہینوں کا حساب چاند پر ہے تو ظاہر ہے کہ موسمی حالت ہر ماہ میں ہر سال یکساں نہیں رہے گی ہاں یہ ممکن ہے کہ اس مہینہ کا نام جس سال رکھا گیا ہو اس سال یہ مہینہ کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں آیا ہو اور پانی میں جمود ہو گیا ہو۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہی کہا ہے کہ جمادی کی سخت اندھیری راتیں جن میں کتا بھی بمشکل ایک آدھ مرتبہ ہی بھونک لیتا ہے اس کی جمع جمادیات ہے۔ جیسے حباری حباریات۔ یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔

جمادی الاول اور جمادی الاخر بھی کہا جاتا ہے۔ جمادی الاخری کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے گویا یہ پانی کے جم جانے کا دوسرا مہینہ ہے۔

رجب یہ ماخوذ ہے ترجیب سے، ترجیب کہتے ہیں تعظیم کو چونکہ یہ مہینہ عظمت و عزت والا ہے اس لئے اسے رجب کہتے ہیں اس کی جمع ارجاب رجاب اور رجبات ہے۔

شعبان کا نام شعبان اس لئے ہے کہ اس میں عرب لوگ لوٹ مار کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جاتے تھے۔ شعب کے معنی ہیں جدا جدا ہونا پس اس مہینے کا بھی یہی نام رکھ دیا گیا اس کی جمع شعابین شعبانات آتی ہے۔

رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اونٹنیوں کے پاؤں بوجہ شدت گرما کے جلنے لگتے ہیں رمضت الفصال اس وقت کہتے ہیں جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہوں اس کی جمع رمضانات اور رماضین اور رامضہ آتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

شوال ماخوذ ہے شالت الابل سے یہ مہینہ اونٹوں کے مستیوں کا مہینہ تھا یہ دم اٹھا دیا کرتے تھے اس لئے اس مہینہ کا یہی نام ہو گیا اس کی جمع شواویل شواول شوالات آتی ہے۔

ذوالقعدہ یا ذوالقعدہ کا نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عرب لوگ بیٹھ جایا کرتے تھے نہ لڑائی کے لئے نکلتے نہ کسی اور سفر کے لئے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ ہے۔ ذوالحجہ کو ذوالحجہ بھی کہہ سکتے ہیں چونکہ اسی ماہ میں حج ہوتا تھا اس لئے اس کا یہ نام مقرر ہو گیا ہے۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔ (مشہور فی اسماء الایام وشہور)

عبادات اور دعاؤں کے اوقات کی تخصیص میں فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا پر اترتا ہے، جب کہ آخری تہائی رات باقی رہتی ہے اور فرماتا ہے، کہ کون ہے، جو مجھ سے دعا مانگے، تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے، جو مجھے سے سوال کرے، تو میں اس کو دے دوں اور کون ہے، جو مجھے سے بخشش چاہے، تو میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1271)

بخاری کی اس حدیث اور اسی طرح احادیث کثیرہ اور قرآنی آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں ثواب کی زیادتی جس طرح ماہ رمضان میں نفلی عبادت کے ثواب کو بڑھ جانا ہے۔اسی سے شب قدر،شب برأت اور عشرہ ذی الحج اور یوم عاشورہ اور ۱۲ ربیع الاول شریف اور شب معراج وغیرہ کے فضائل جو بیان کیے جاتے ہیں۔ان کی اصل مذکورہ حدیث اور اسی طرح متعدد احادیث ہیں۔کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ اپنے بندوں کی عبادات کے اجر میں خاص اوقات میں اجر کا اضافہ کردے اور اسی طرح تمام عبادات فرضیہ کے اوقات کا تقرر وغیرہ بھی اسی استدلال میں شامل ہیں۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ۠
حقیقت یہی ہے کہ مہینوں کو پیچھے کردینا کفر میں زیادتی ہے،جس کے ساتھ وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں جنھوں نے کفر کیا،ایک
سال اسے حلال کرلیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام کرلیتے ہیں،تاکہ ان کی گنتی پوری کرلیں جو اللہ نے حرام کیے ہیں،پھر جو اللہ
نے حرام کیا ہے اسے حلال کرلیں۔ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنادیے گئے ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

دور جاہلیت میں کفار کا اپنی مرضی سے حرمت والے مہینوں میں تبدیلی کرنے کا بیان

"إِنَّمَا النَّسِیء " اَیْ التَّاخِیر لِحُرْمَةِ شَهْر اِلٰی اٰخَر كَمَا كَانَتْ الْجَاهِلِيَّة تَفْعَلهُ مِنْ تَاْخِیر حُرْمَة الْمُحَرَّم اِذَا هَلَّ وَهُمْ فِی الْقِتَال اِلٰی صَفَر "زِیَادَة فِی الْكُفْر " لِكُفْرِهِمْ بِحُكْمِ اللّٰه فِیهِ "یُضَلّ" بِضَمِّ الْیَاء وَفَتْحهَا "بِهِ الَّذِینَ كَفَرُوا یُحِلُّونَهُ" اَیْ النَّسِیء "عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهُ عَامًا لِیُوَاطِئُوا " یُوَافِقُوا بِتَحْلِیلِ شَهْر وَتَحْرِیم اٰخَر بَدَله "عِدَّة" عَدَد "مَا حَرَّمَ اللّٰهُ " مِنْ الْاَشْهُر فَلَا یَزِیدُوْا عَلٰی تَحْرِیم اَرْبَعَة وَلَا یَنْقُصُوا وَلَا یَنْظُرُوْا اِلٰی اَعْیَانهَا "فَیُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰه زُیِّنَ لَهُمْ سُوء اَعْمَالهمْ" فَظَنُّوهُ حَسَنًا،وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكَافِرِینَ،

حقیقت یہی ہے کہ مہینوں کو پیچھے کردینا کفر میں زیادتی ہے،یعنی ایک حرمت والے مہینے کو دوسرے مہینے کی طرف مؤخر کرنا ہے جس طرح دور جاہلیت میں کرتے تھے کہ محرم کی حرمت کو صفر کی جانب منتقل کردیتے جب انہیں محرم کا چاند نظر آجاتا اور وہ قتال کی حالت میں ہوتے تھے۔یعنی یہ کفر میں زیادتی ہے۔کیونکہ یہ اللہ کے حکم کے انکار کی وجہ سے ہے۔جس کے ساتھ وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں،یضل یہاں یاء کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح آیا ہے۔جنہوں نے کفر کیا،ایک سال اسے حلال کرلیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام کرلیتے ہیں،تاکہ ان کی گنتی پوری کرلیں جو اللہ نے حرام کیے ہیں،پس وہ چار سے زیادہ حرمت پر اضافہ نہیں کرتے۔اور نہ کمی کرتے ہیں اور ان کی تعیین کی رعایت بھی نہیں کرتے۔پھر جو مہینہ اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال کرلیں،ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنادیے گئے ہیں تو وہ اس کو اچھا گمان کرتے ہیں۔اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورہ برأت آیت ۳۷ کے شان نزول کا بیان

ابو مالک سے روایت ہے کہ وہ لوگ ایک سال کو تیرہ مہینے کا بنا دیتے اور محرم کو صفر بنا کر اس میں محرمات کو حلال سمجھتے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ (جامع البیان 139 طبری 10۔93)

احکامات دین میں ردوبدل انتہائی مذموم سوچ ہے

مشرکوں کے کفر کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ کس طرح اپنی فاسد رائے کو اور اپنی ناپاک خواہش کو شریعت ربانی میں داخل کر کے اللہ کے دین کے احکام میں ردوبدل کر دیتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا لیتے تھے۔ تین مہینے کی حرمت کو تو ٹھیک رکھا پھر چوتھے مہینے محرم کی حرمت کو اس طرح بدل دیا کہ محرم کو صفر کے مہینے میں کر دیا اور محرم کی حرمت نہ کی۔ تا کہ بظاہر سال کے چار مہینے کی حرمت بھی پوری ہو جائے اور اصلی حرمت کے مہینے محرم میں لوٹ مار قتل و غارت بھی ہو جائے اور اس پر اپنے قصیدوں میں مبالغہ کرتے تھے اور فخر یہ اپنا یہ فعل اچھالتے تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جنادہ بن عمرو بن امیہ کنانی یہ ہر سال حج کو آتا اس کی کنیت ابو ثمامہ تھی یہ منادی کر دیتا کہ نہ تو ابو ثمامہ کے مقابلے میں کوئی آواز اٹھا سکتا ہے نہ اس کی بات میں کوئی عیب جوئی کر سکتا ہے سنو پہلے سال کا صفر مہینہ حلال ہے اور دوسرے سال کا حرام۔ پس ایک سال کے محرم کی حرمت نہ رکھتے دوسرے سال کے محرم کی حرمت منا لیتے۔ ان کی اسی زیادتی کفر کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ شخص اپنے گدھے پر سوار آتا اور جس سال یہ محرم کو حرمت والا بنا دیتا لوگ اس کی حرمت کرتے اور جس سال وہ کہہ دیتا کہ محرم کو ہم نے ہٹا کر صفر میں اور صفر کو آگے بڑھا کر محرم میں کر دیا ہے اس سال عرب میں اس ماہ محرم کی حرمت کوئی نہ کرتا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ برأت، بیروت)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ
اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝
اے ایمان والو! تمہیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو؟
کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے محض قلیل ہے۔

تنگدستی و دشواری میں جہاد کے لئے جانے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلٰى غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانُوْا فِیْ عُسْرَةٍ وَشِدَّةِ حَرٍّ فَشَقَّ عَلَیْهِمْ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ" بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ فِی الْمُثَلَّثَةِ وَاجْتِلَابِ هَمْزَةِ الْوَصْلِ اَیْ تَبَاطَاْتُمْ وَمِلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ "اِلَى الْاَرْضِ" وَالْقُعُوْدِ فِیْهَا "اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیَاةِ الدُّنْیَا" وَلَذَّاتِهَا وَالِاسْتِفْهَامُ لِلتَّوْبِیْخِ "مِنَ الْاٰخِرَةِ" اَیْ بَدَلَ نَعِیْمِهَا "فَمَا مَتَاعُ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا فِیْ" جَنْبِ مَتَاعِ "الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ" حَقِیْرٌ،

جب نبی کریم ﷺ نے غزوہ تبوک میں لوگوں کو بلایا حالانکہ وہ تنگدستی اور سخت گرمی میں تھے تو ان پر جہاد کے لئے نکلنا سخت ہوا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو؟ یہاں پر "اِثَّاقَلْتُمْ" اصل میں تاء میں ثاء مثلثہ کا ادغام ہے۔ اور اس کے شروع میں ہمزہ وصلی لائے۔ یعنی تم سست ہو گئے ہو۔ اور جہاد کرنے کی بہ جائے بیٹھ گئے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اور اس کی لذات پر خوش ہو گئے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی آخرت کی نعمتوں کے بدلے میں پسند کر لیا۔ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے محض قلیل ہے۔ یعنی آخرت کے سامان کے بدلے میں حقیر ہے۔

سورہ برأت آیت ۳۸ کے شانِ نزول کا بیان

یہ آیت غزوہ تبوک کی ترغیب میں نازل ہوئی۔ تبوک ایک مقام ہے اطراف شام میں مدینہ طیبہ سے چودہ منزل فاصلہ پر۔ رجب ۹ ہجری میں طائف سے واپسی کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عرب کے نصرانیوں کی تحریک سے ہرقل شاہِ روم نے رومیوں اور شامیوں کی فوج گراں جمع کی ہے اور وہ مسلمانوں پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا۔ یہ زمانہ نہایت تنگی، قحط سالی اور شدت گرمی کا تھا یہاں تک کہ دو دو آدمی ایک ایک کھجور پر بسر کرتے تھے، سفر دور کا تھا، دشمن کثیر اور قوی تھے اس لئے بعض قبیلے بیٹھ رہے اور انہیں اس وقت جہاد میں جانا گراں معلوم ہوا اور اس غزوہ میں بہت سے منافقین کا پردہ فاش اور حال ظاہر ہو گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں بڑی عالی ہمتی سے خرچ کیا دس ہزار مجاہدین کو سامان دیا اور دس ہزار دینار اس غزوہ پر خرچ کئے، نو سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و سامان کے اس کے علاوہ ہیں اور اصحاب نے بھی خوب خرچ کیا، ان میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ہیں جنہوں نے اپنا کُل مال حاضر کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حاضر کیا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت علی مرتضٰی کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا۔ عبداللہ بن اُبَی اور اس کے ہمراہی منافقین ثنیۃ الوداع تک چل کر رہ گئے جب لشکر اسلام تبوک میں اترا تو انہوں نے دیکھا کہ چشمے میں پانی بہت تھوڑا ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پانی سے اس میں کلی فرمائی جس کی برکت سے پانی جوش میں آیا اور چشمہ بھر گیا، لشکر اور اس کے تمام جانور اچھی طرح سیراب ہوئے۔ حضرت نے کافی عرصہ یہاں قیام فرمایا۔ ہرقل اپنے دل میں آپ کو سچا نبی جانتا تھا اس لئے اسے خوف ہوا اور اس نے آپ سے مقابلہ نہ کیا۔ حضرت نے اطراف میں لشکر بھیجے چنانچہ حضرت خالد کو چار سو زائد سواروں کے ساتھ اکیدر حاکمِ دومۃ الجندل کے مقابل بھیجا اور فرمایا کہ تم اس کو نیل گائے کے شکار میں پکڑ لو چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ نیل گائے کے شکار کے لئے اپنے قلعے سے اترا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جزیہ مقرر فرما کر اس کو چھوڑ دیا اسی طرح حاکمِ ایلہ پر اسلام پیش کیا اور جزیہ پر صلح فرمائی۔ واپسی کے وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے قریب تشریف

لائے تو جو لوگ جہاد میں ساتھ ہونے سے رہ گئے تھے وہ حاضر ہوئے حضور ﷺ نے اصحاب سے فرمایا کہ ان میں سے کسی سے کلام نہ کریں اور اپنے پاس نہ بٹھائیں جب تک ہم اجازت نہ دیں تو مسلمانوں نے ان سے اعراض کیا یہاں تک کہ باپ اور بھائی کی طرف بھی التفات نہ کیا اسی باب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (جامع البیان ج ۱۰، ص ۹۴، بیروت)

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ وَّیَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَیۡـًٔا ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝
اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کچھ بھی
نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔

ترک جہاد کے سبب عذاب کی سخت وعید کا بیان

"اِلَّا" بِاِدْغَامِ لَا فِیْ نُوْنِ اِنْ الشَّرْطِیَّةِ فِی الْمَوْضِعَیْنِ "تَنْفِرُوْا" تَخْرُجُوْا مَعَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْجِهَادِ "یُعَذِّبكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا" مُؤْلِمًا "وَیَسْتَبْدِل قَوْمًا غَیْرکُمْ" اَیْ یَاْتِ بِهِمْ بَدَلکُمْ "وَلَا تَضُرُّوْهُ" اَیْ اللّٰه اَوْ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "شَیْئًا" بِتَرْكِ نَصْره فَاِنَّ اللّٰه نَاصِر دِیْنه "وَاللّٰهُ عَلٰی کُلّ شَیْء قَدِیر" وَمِنْهُ نَصْر دِیْنه وَنَبِیّه،

یہاں پر حرف الا میں حرف لا کا ان کے نون میں ادغام ہوا ہے اور دونوں مقامات پر ان شرطیہ ہے۔ اگر تم جہاد کے لئے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا یعنی وہ تمہارے بدلے میں دوسری قوم لائے گا اور تم آپ ﷺ کی مدد ترک کر کے اللہ اور اس کے نبی مکرم ﷺ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، کیونکہ اللہ اپنے دین کی مدد کرنے والا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔

سورہ برأت آیت ۳۹ کے شانِ نزول کا بیان

نجدہ بن نفیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عرب کے قبائل سے جہاد کے لیے چلنے کا مطالبہ کیا تو وہ بوجھل ہو گئے اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا۔ چنانچہ بارش رک گ ءاور وہ ان پر عذاب تھا۔ (سیوطی 139، زادالمسیر 3۔438، ابوداؤد 6۔250)

جہاد کے لئے نہ جانے کے سبب عذاب کا بیان

ایک قبیلے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے بلوایا وہ نہ اٹھے اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ پھر فرماتا ہے کہ اپنے دل میں اترا نا مت کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں اگر تم درست نہ رہے تو اللہ تمہیں برباد کر کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ کا دوسرے لوگوں کو مددگار کر دے گا۔ جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ نہیں کہ تم نہ جاؤ تو مجاہدین جہاد کر ہی نہ سکیں۔

اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے وہ تمہارے بغیر بھی اپنے دشمنوں پر اپنے غلاموں کو غالب کر سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے آپ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ کا ثبوات دیتا ہے آپ نے فرمایا بلکہ میں نے دو لاکھ کا فرمان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر آپ نے اس آیت کے اسی جملے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ دنیا جو گذر گئی اور جو باقی ہے وہ سب آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ مروی ہے کہ عبدالعزیز بن مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنا کفن منگوایا اسے دیکھ کر فرمایا بس میرا تو دنیا سے یہی حصہ تھا میں اتنی دنیا لے کر جا رہا ہوں پھر پیٹھ موڑ کر رو کر کہنے لگے ہائے دنیا تیرا زیادہ بھی کم ہے اور تیرا کم تو بہت ہی چھوٹا ہے افسوس ہم تو دھوکے میں ہی رہے۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ
لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ
كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ○
اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا
تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی
سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنھوں نے
کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا بیان

"اِلَّا تَنْصُرُوْهُ" اَیْ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ" حِین "اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" مِنْ مَکَّة اَیْ اَلْجَئُوهُ اِلَی الْخُرُوج لَمَّا اَرَادُوْا قَتْله اَوْ حَبْسه اَوْ نَفْیه بِدَارِ النَّدْوَة "ثَانِیَ اثْنَیْنِ" حَال اَیْ اَحَد اثْنَیْنِ وَالْاٰخَر اَبُو بَکْر - اَلْمَعْنٰی نَصَرَهُ اللّٰه فِیْ مِثْل تِلْكَ الْحَالَة فَلَا یَخْذُلهُ فِیْ غَیْرهَا - "اِذْ" بَدَل مِنْ اِذْ قَبْله "هُمَا فِی الْغَار" نَقْب فِیْ جَبَل ثَوْر "اِذْ" بَدَل ثَانٍ "یَقُوْل لِصَاحِبِهٖ" اَبِیْ بَکْر وَقَدْ قَالَ لَهُ لَمَّا رَاٰی اَقْدَام الْمُشْرِکِیْنَ: لَوْ نَظَرَ اَحَدهمْ تَحْت قَدَمَیْهِ لَاَبْصَرَنَا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" بِنَصْرِهٖ "فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَته" طُمَاْنِیْنَته "عَلَیْهِ" قِیلَ عَلَی النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقِیلَ عَلٰی اَبِیْ بَکْر "وَاَیَّدَهُ" اَیْ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "بِجُنُوْدٍ لَمْ تَرَوْهَا" مَلَائِکَة فِی الْغَار وَمَوَاطِن قِتَاله "وَجَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" اَیْ دَعْوَة الشِّرْك "السُّفْلٰی" الْمَغْلُوْبَة "وَکَلِمَةُ اللّٰهِ" اَیْ کَلِمَة الشَّهَادَة "هِیَ الْعُلْیَا" الظَّاهِرَة الْغَالِبَة "وَاللّٰهُ عَزِیْز" فِیْ مُلْکه "حَکِیْم" فِیْ صُنْعه،

اگر تم نبی کریم ﷺ مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے آپ ﷺ کی مدد کی، جب آپ کو کفار مکہ نے نکلنے پر مجبور کیا، جب انہوں نے آپ کے قتل یا قید کا مشورہ انہوں نے دارالندوہ میں کیا جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، یہاں پر ثَانِیَ اثْنَیْنِ حال ہے۔ معنی یہ ہے کہ دو میں دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ یعنی اللہ نے جب ایسے وقت میں مدد فرمائی ہے تو کسی اور وقت میں بھی مدد کو ترک نہ کرے گا۔ یہاں اذ ماقبل اذ سے بدل ہے۔ جب وہ دونوں جبل ثور کی غار میں تھے، یہ اذ بھی دوسرے اذ سے بدل ہے۔ جب وہ اپنے ساتھی ابوبکر سے فرما رہے تھے غم نہ کرو بے شک اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتاردی یہاں علیہ ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کو لشکروں یعنی فرشتوں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے جو غار میں یا میدان قتال میں تھے۔ اور ان لوگوں کی دعوت شکر کو نیچے کر دیا جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے جو غالب ہے اور اللہ اپنی بادشاہت میں سب پر غالب، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

غار ثور اور ہجرت یار غار کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ قریش مکہ نے ایک روز رات کے وقت (دارالندوہ) میں اپنی مجلس مشاورت منعقد کی (جس میں ابلیس شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں شریک ہوا) چنانچہ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ صبح ہوتے ہی اس شخص کی مشکیں کس لو (یعنی رسیوں سے باندھ کر قید میں ڈال دو) "اس شخص" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، بعض نے یہ رائے دی کہ (نہیں بلکہ اس کو قتل کر ڈالو اور بعض نے (حقارت کے ساتھ) یہ کہا کہ اس کو اپنی سرزمین سے نکال کر باہر کرو یعنی جلاوطن کر دو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (قریش مکہ کے مشورہ وفیصلہ سے) آگاہ کر دیا (اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج کی رات اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا دیں اور (ابوبکر کو ساتھ لے کر) مکہ سے نکلے اور غار ثور میں جا چھپے، ادھر قریش مکہ نے یہ سمجھ کر پوری رات علی کی نگرانی میں رات گزاردی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یعنی گھر کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر تو حضرت علی سوئے ہوئے تھے اور قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سویا ہوا سمجھ کر پوری رات گھر کی نگرانی کرتے رہے) یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) اس (بستر) پر (کہ حضرت علی سوئے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان کر کے) دھاوا بول دیا لیکن جب انہوں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے) حضرت علی کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بدخواہی کو انہی پر لٹا دیا تو (وہ بڑے سٹپٹائے اور) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا یہ دوست (جس کا یہ بستر ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں گیا؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ مجھ کو نہیں معلوم۔ قریش مکہ (صورت حال کو سمجھ کر فوراً حرکت میں آگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈھ کر پکڑ لانے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے، قدموں کے نشان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں نکل پڑے، یہاں تک کہ جبل ثور تک پہنچ گئے مگر وہاں قدموں کے نشان مشتبہ ہو گئے تھے (جس کی وجہ سے ان کو آگے رہنمائی نہیں مل سکی) پھر وہ پہاڑ کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے

ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں ہوں گے) لیکن انہوں نے غار کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے لیکن انہوں نے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا (اس طرح وہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر واپس ہو گئے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رات دن اسی غار میں رہے۔ (احمد، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 522)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت اسلام مدینہ تک پہنچ گئی ہے اور وہاں کے متعدد لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں تو انہیں سخت تشویش ہوئی، اس مسئلہ پر غور و فکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کے لئے ان کے سارے بڑے بڑے سردار اور زعماء دار الندوہ میں جمع ہوئے، عین اس وقت جب کہ ان سرداروں کی مشاورتی مجلس شروع ہونے والی تھی ابلیس ایک بوڑھے اور تجربہ کار ظاہر ہونے والے شخص کی صورت میں اس مشاورتی مجلس میں پہنچا اور بولا کہ میں نجد سے آیا ہوں، جب مجھے تو لوگوں کے اس اجتماع کا علم ہوا تو میری خواہش ہوئی کہ میں بھی تمہارے اس اجتماع میں شریک ہو کر کوئی مناسب اور کارگر رائے پیش کروں بلاشبہ عقل ودانائی اور خیر خواہی میں تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بڑھا ہوا نہیں ہے حاضرین مجلس ابلیس کی اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور اس کو عزت واحترام کے ساتھ اپنے درمیان جگہ دی۔ اس کے بعد اس مشاورتی کمیٹی کی کاروائی کا آغاز ہوا اور مختلف لوگوں کی طرف سے اظہار خیال و آراء کا سلسلہ شروع ہو گیا،

ابوالبختری نے کہا: میری رائے یہ ہم کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قید کر کے کسی ایسی تنگ وتاریک کوٹھڑی میں بند کر دو جس میں آمد ورفت کو کوئی ذریعہ اور کوئی دروازہ و در کھلا نہ رہ جائے، صرف ایک ایسا بڑا سوراخ باقی رکھا جائے، جس میں سے اس کے کھانے پینے کی چیزیں ڈال دی جایا کریں اور اس کو اس کوٹھڑی میں اس وقت تک محبوس رکھنا چاہیے جب تک کہ وہ اس میں پڑا پڑا مرنہ جائے۔ یہ سن کر اس شیخ نجدی (کی صورت میں ابلیس نے کہا یہ رائے نہایت غیر موزوں ہے کیونکہ جب تم اس کو قید کرو گے تو اس کے خاندان کے لوگ اس کے عزیز واقارب تم پر دھاوا بول دیں گے اور جنگ وجدل کے ذریعہ تمہاری قید سے اس کو آزاد کرا کے لے جائیں گے۔

پھر ہشام ابن عمرو نے یہ رائے دی کہ اس شخص کو اچھی طرح ذلیل ورسوا کر کے ایک اونٹ پر سوار کرا دو اور اپنی سرزمین سے باہر نکال دو، وہ یہاں جلاوطن ہو کر جہاں کہیں جائے گا اور وہاں اپنے دین کی اشاعت میں جو کچھ کرے گا اس سے کم از کم تم لوگ تو محفوظ رہو گے۔ ابلیس نے اس رائے کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ اس طرح تو اس شخص کو کھیل کھیلنے کا خوب موقع مل جائے گا اور یہاں سے کہیں اور جا کر اپنی مظلومیت کے قصے سنائے گا اور لوگوں کی اپنی طرف متوجہ کرے گا، اگرچہ یہاں کے لوگ اس کی دعوت سے محفوظ رہیں گے مگر وہ دوسری جگہ کے لوگوں کو اپنا ہمنوا اور ہمدرد بنالے گا اور پھر ان لوگوں کی مدد سے طاقت پا کر تم پر حملہ آور ہو جائے گا آخر میں لعین ابوجہل بولا اور اس نے رائے دی کہ تم لوگ ہر قبیلہ وخاندان میں ایک ایک نوجوان منتخب کر لو اور ان سب کو تلواریں
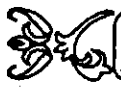
دے کر کہو کہ وہ سب ایک ساتھ اس شخص پر اپنی تلواروں سے حملہ کر کے اس کا کام تمام کردیں، اس طرح اس کا خون تمام قبیلوں اور خاندانوں میں پھیل جائے گا یعنی اس کے قتل کا کوئی ایک قبیلہ وخاندان ذمہ دار ہونے کے بجائے اجتماعی جنگ کرنے اور اس شخص کے خون کا قصاص لینے سے عاجز ہوں گے۔ اور مجبوراً دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہوجائیں گے۔

جب وہ دیت طلب کریں گے تو ہم سب مل کر ان کو دیت دے دیں گے اور قصہ تمام ہوجائے گا ابلیس نے اس رائے کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ اس جوان نے بالکل صحیح بات کہی پھر تو سب لوگ ہی ابوجہل کی رائے پر متفق ہوگئے اور یہی طے پایا کہ آج رات بھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر کا محاصرہ رکھا جائے اور صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر کے قصہ تمام کردیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر قریش کی اس سازشی کاروائی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا کر ابوبکر کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے رات ہی میں مکہ سے نکل جائیں، قرآن کریم کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ واذ یمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ۔ اور جب (مکہ کے) کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں یہ سازش کررہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید میں ڈال دیں یا آپ کو قتل کردیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کرڈالیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کو سلادیا اور خود حضرت ابوبکر کو لے کر راتوں رات مکہ سے نکل کر جبل ثور کے ایک غار میں جا چھپے اس وقت جب کہ قریش مکہ کی ایک خونخوار جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سے باہر نکلنا اوران کافروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھنا، پھر ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گفتگو کرنا اور ان کی نظروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے صاف بچ کر نکل جانا ایک حیرت انگیز قصہ اور زبردست معجزہ تھا۔

جس تفصیل تاریخ سیر کتابوں میں مذکور ہے۔ بہرحال قریش مکہ اپنے اس گمان کے مطابق کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر نہیں سوئے ہوئے تھے رات بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی نگرانی کرتے رہے ان کا منصوبہ تھا کہ پوری رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی رکھنے کے بعد صبح سویرے گھر میں گھس پڑیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کردیں گے حالانکہ گھر کے اندر تو حضرت علی سوئے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نظروں کے سامنے سے باہر نکل گئے تھے، چنانچہ صبح ہوتے ہی جب انہوں نے گھر کے اندر دھاوا بول دیا تو وہاں حضرت علی کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے اور فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشان دیکھ دیکھ کر جبل ثور تک پہنچ گئے اور پھر اس غار کے منہ پر بھی جا پہنچے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے ساتھ تھے، اس جگہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا جس غار کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر ہوئے تھے اس کا منہ صرف ایک بالشت چوڑا اور ایک ہاتھ لمبا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت دو کبوتر بھیج دئے جنہوں نے غار کے منہ کے نیچے کی جانب انڈے دیئے اور قدرت الٰہی کے حکم سے ایک

مکڑی نے آ کر جھبی غار کے منہ پر جلا تن دیا، ایسی صورت میں قریش مکہ کے ان گماشتوں کو، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں غار تک پہنچ گئے تھے، یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس غار کے اندر دو انسان چھپے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اس جگہ سے مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ ایک روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ قریش مکہ کے وہ گماشتے غار کے منہ کے قریب ایسی جگہ پہنچ گئے تھے کہ اگر ان کی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی جاتی تو بڑی آسانی سے وہ لوگ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو غار کے اندر دیکھ لیتے، حضرت ابوبکر غار کے اندر سے ان لوگوں کو اپنے سر پر کھڑا دیکھ ہی رہے تھے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں سخت تشویش ہوئی، چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خوف کا اظہار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہے (یعنی ہم دونوں یہاں بے یار و مددگار نہیں ہیں بلکہ ایک تیسری ذات یعنی اللہ تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ ہے جو یقیناً ہم دونوں کی حفاظت کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو اس طرح بے بصر کر دیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھتے تھے لیکن غار کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو دیکھ نہیں پائے۔

تفسیر بحر العلوم میں اس آیت (اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا) 9۔التوبہ:40)۔ کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت میں صاحب (ساتھی) سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں، جو ہجرت کی رات میں اس موقع پر جب کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے نکلے تھے اور دونوں غار ثور میں جا کر چھپ گئے تھے اس غار میں ابوبکر نے جب دیکھا کہ کفار مکہ غار کے منہ تک آ پہنچے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر ان کفار میں کسی نے بھی اپنے پیروں کی طرف سے دیکھا تو اس کی نظر یقیناً ہم تک پہنچ جائے گی، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ (فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں ہے) اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر ان دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہیں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی صحابیت کا منکر، نص قرآن کے انکار کے سبب "کافر" ہے جب کہ دوسرے صحابہ کی صحابیت کا منکر کافر بلکہ مبتدع ہے۔

واقعہ ہجرت کے سلسلہ میں جو روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے اس میں انہوں نے یوں بیان کیا ہے کہ: میرے والدین اپنے زمانہ عقل و بلوغ کی ابتداء ہی سے دیندار تھے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں صبح و شام نہ آتے ہوں، جب مسلمانوں پر کفار مکہ کا ظلم و ستم اپنے عروج کو پہنچ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) میرے والد حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ تمہارا دار الہجرت مجھے دکھایا گیا ہے، وہ دو سنگستانوں کے درمیان کھجوروں کے باغات والی ایک بستی ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں کا مدینہ کو ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے مسلمان بھی مدینہ آ گئے اسی بناء حضرت ابوبکر نے بھی مدینہ کو ہجرت کی تیاری شروع کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر ابھی توقف کرو، میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے اس دن سے حضرت ابوبکر کا یہ حال ہوگیا کہ وہ ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے کسی موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوتے تھے، علاوہ ازیں انہوں نے پہلے ہی سے دو اونٹ مہیا کر لئے تھے جو کسی بھی وقت روانگی کی تیاری کے ساتھ چار مہینے تک گھر میں بندھے کھڑے رہے تا آنکہ ایک دن ٹھیک دوپہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، حضرت ابوبکر نے ایک اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، عائشہ اور اسماء نے زاد راہ تیار کیا اور پھر اسی دن جو ربیع الاول ۱۴ نبوی کی تاریخ تھی اور پنجشنبہ کا دن تھا، رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے مکان سے نکل کر) حضرت ابوبکر کے گھر آئے اور وہاں سے یہ دونوں روانہ ہو کر جبل ثور کے ایک غار میں جا چھپے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی رات میں اس غار کے منہ پر کیکر کا درخت اگ آیا، جنگلی کبوتر نے غار کے منہ پر گھونسلہ بنا کر انڈے دیئے اور مکڑی نے جالا تن دیا، کفار مکہ جب اس غار کے قریب پہنچے تو اس کے حصہ پر ایسی علامتیں دیکھ کر جو غار کے اندر کسی شخص کی موجودگی کی نفی کرتی تھیں محروم و مایوس واپس لوٹ گئے۔ نیز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رات کی تاریکی میں مکہ سے روانہ ہوئے تو پورے راستہ حضرت ابوبکر کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے ہو جاتے تھے اور اس کا مقصد اس بات کی نگرانی رکھنا تھا کہ کوئی کافر آگے سے یا پیچھے سے آ کر اچانک دھاوا نہ بول دے، پھر جب غار کے قریب پہنچے تو انہوں نے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر کھڑا کیا اور پہلے خود غار کے اندر جا کر اس کو صاف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار کے اندر لے گئے، یہ دونوں تین راتیں اسی غار میں چھپے رہے انہیں نے اپنے دونوں اونٹ بن الدئل کے ایک شخص کے حوالہ کر کے اس کو اس بات پر تیار کر لیا تھا کہ وہ تین راتیں گزرنے پر ان اونٹوں کو لے کر غار کے قریب موجود رہے، نیز اس کو معقول معاوضہ دیا گیا اور اس کام کے لئے بھی آمادہ کر لیا تھا کہ وہ مدینہ تک رہبری کے فرائض انجام دے، غار ثور میں قیام کے دوران تینوں راتوں حضرت عبداللہ بن ابوبکر کفار مکہ کے تمام حالات اور دن بھر کی تمام کارروائیوں سے رات کے وقت آ کر مطلع کرتے رہے پھر تین راتوں کے بعد یہ دونوں حضرات اپنے اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور اس رہبر کو ساتھ لے کر عام راستہ کے بجائے ساحل سمندر کے ساتھ والے راستہ کے ذریعہ مدینہ کو روانہ ہوئے، جب بنی مدلج کے علاقوں میں پہنچے تو پیچھے سے سراقہ ابن مالک آ پہنچا جو قریش مکہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر یا ان دونوں کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لانے کے عوض بھاری انعام کے لالچ میں ان کا تعاقب کر رہا تھا۔

جب وہ دونوں کے قریب پہنچا تو اچانک اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر پڑا اور پھر اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اتنا قریب پہنچ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اس کو سنائی دینے لگی اور عین اس وقت کہ وہ دھاوا بولنا چاہتا تھا اس کے گھوڑے کے دونوں پاؤں زانوں تک زمین میں دھنس گئے اور سراقہ الٹے منہ زمین پر گر پڑا اب اس کو تنبہ ہوا اور وہ گڑگڑا کر امان کی دہائی دینے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اس کی آواز سن کر کھڑے ہو گئے سراقہ نے ان دونوں کی خدمت میں

کچھ زادِ راہ پیش کرنا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا البتہ اس کو معاف کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ ہمارے بارے میں کسی کو نہ بتانا چنانچہ سراقہ وہاں سے لوٹا اور راستہ میں جو بھی کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں آتا ہوا ملتا اس کو تدبیروں سے واپس کر دیتا تھا اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر بحفاظت تمام مدینہ پہنچ گئے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
تم ہلکے اور گراں بار نکل کھڑے ہو اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

خوشی غمی ہر حالت میں جہاد کے لئے نکلنے کا بیان

"اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا" نَشَاطًا وَّغَيْر نَشَاط وَقِيلَ اَقْوِيَاء وَضُعَفَاء اَوْ اَغْنِيَاء وَفُقَرَاء وَهِيَ مَنْسُوخَة بِاٰيَةِ "لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاء " "وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه ذٰلِكُمْ خَيْر لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" اَنَّهُ خَيْر لَكُمْ فَلَا تَثَاقَلُوا،

تم ہلکے اور گراں بار یعنی خوشی یا ناخوشی ہر حال میں نکل کھڑے ہو یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ تم طاقت ور ہو یا کمزور ہو یا تم مالدار ہو یا فقیر ہو اور یہ آیت مبارکہ اس آیت ''لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاء '' سے منسوخ ہے۔ اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ کیونکہ تمہارے لئے بہتر ہے لہٰذا تم ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو۔

سورہ برأت آیت ۴۱ کے شانِ نزول کا بیان

یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنی زمین، مشغولیت یا کسی معاملے کے خراب ہونے کا عذر پیش کیا تو اللہ نے ان سے درپیش مسائل کے باوجود ان کا عذر قبول نہ کیا اور نکلنا ضروری قرار دیا۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ابوطلحہ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا۔ تو انہوں نے کہا میں نے سنا کہ اللہ رب العزت نے کسی کا عذر قبول کیا ہو پس وہ شام کی طرف جہاد کے لیے نکلے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (طبری 10۔97)

سدی کہتے ہیں کہ مقداد بن اسود کے پاس حاضر ہوئے اس حال میں کہ وہ بڑے اور موٹے جسم کے تھے اور آپ کے سامنے اپنی حالت کو بیان کیا اور اجازت چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی ۔اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ۔ جب یہ آیت اتری تو لوگوں پر اس سے بہت مشقت ہوئی تو اللہ نے اسے نسخ فرما دیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ (ليس على الضعفاء ولا على المرضى) (سورہ توبہ 91) نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں۔ (زاد المسیر 3۔243، درمنثور 3۔246) پھر غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے منافقین کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا۔ اگر وہ تم میں (شامل ہو کر) نکل کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے۔

واقعہ اس طرح ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نکلے تو آپ نے اپنا لشکر ثنیۃ الوداع پر روکا اور عبداللہ بن ابی منافق نے اپنے لشکر کو ذی حدہ مقام پر جو ثنیۃ الوداع سے کچھ نیچے ہے روکا اور یہ لشکر دونوں میں سے کم نہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے آگے کوچ کیا تو عبداللہ بن ابی اپنے منافق اور متردد ساتھیوں کے ساتھ پیچھے پھر گیا تو اللہ نے اپنے نبی کو تسلی کے طور پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (لو خرجوا فیکم مازادوکم الا خبالا) (سورہ توبہ 47) اگر وہ تم میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے۔ (نیسابوری 208، سیوطی 140)

حضرت ابوطلحہ کا جذبہ جہاد اور قرآنی آیت کی تفسیر کا بیان

حضرت ابوطلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں سرزمین شام میں چلے گئے اور نصرانیوں سے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ جان بخشنے والے اللہ کو اپنی جان سپرد کردی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر آئے تو فرمانے لگے ہمارے رب نے تو میرے خیال سے بوڑھے جوان سب کو جہد کے لئے چلنے کی دعوت دی ہے میرے پیارے بچو میرا سامان تیار کرو۔ میں ملک شام کے جہاد میں شرکت کے لئے ضرور جاؤں گا بچوں نے کہا ابا جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک آپ نے حضور کی ماتحتی میں جہاد کیا۔ خلافت صدیقی میں آپ مجاہدین کے ساتھ رہے۔ خلافت فاروقی کے آپ مجاہد مشہور ہیں۔ اب آپ کی عمر جہاد کی نہیں رہی آپ گھر پر آرام کیجئے ہم لوگ آپ کی طرف سے میدان جہاد میں نکلتے ہیں اور اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں لیکن آپ نہ مانے اور اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے سمندر پار جانے کے لئے کشتی لی اور چلے ہنوز منزل مقصود سے کئی دن کی راہ پر تھے جو سمندر کے عین درمیان روح پروردگار کو سونپ دی۔ نو دن تک کشتی چلتی رہی لیکن کوئی جزیرہ یا ٹاپو نظر نہ آیا کہ وہاں آپ کو دفنایا جاتا۔ نو دن کے بعد خشکی پر اترے اور آپ کو سپرد لحد کیا اب تک نعش مبارک جوں کی توں تھی رضی اللہ عنہ وارضاہ اور بھی بہت سے بزرگوں سے خفافا و ثقالا کی تفسیر جوان اور بوڑھے مروی ہے۔ الغرض جوان ہوں، بوڑھے ہوں، امیر ہوں، فقیر ہوں، فارغ ہوں، مشغول ہوں، خوش حال ہوں یا تنگ دل ہوں، بھاری ہوں یا ہلکے ہوں، حاجت مند ہوں، کاری گر ہوں، آسانی والے ہوں سختی والے ہوں پیشہ در ہوں یا تجارتی ہوں، قوی ہوں یا کمزور جس حالت میں بھی ہوں بلا عذر کھڑے ہو جائیں اور راہ حق کے جہاد کے لئے چل پڑیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ توبہ، بیروت)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ
بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ؀
اگر نزدیک سامان اور درمیانہ سفر ہوتا تو وہ ضرور تیرے پیچھے جاتے، لیکن ان پر فاصلہ دور پڑ گیا اور عنقریب وہ اللہ کی قسم
کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمہارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے
کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔

جہاد کے لئے نہ جانے پر منافقین کی حیلہ بازیوں کا بیان

"لَوْ كَانَ" مَا دَعَوْتهمْ اِلَيْهِ ، وَنَزَلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ الَّذِيْنَ تَخَلَّفُوْا "عَرَضًا" مَتَاعًا مِنَ الدُّنْيَا "قَرِيبًا" سَهْل الْمَاْخَذ "وَسَفَرًا قَاصِدًا" وَسَطًا "لَاتَّبَعُوكَ" طَلَبًا لِلْغَنِيمَةِ "وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ" الْمَسَافَة فَتَخَلَّفُوْا "وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ" اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ "لَوِ اسْتَطَعْنَا" الْخُرُوج "لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ" بِالْحَلِفِ الْكَاذِب "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ" فِي قَوْلهمْ ذٰلِكَ،

یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جہاد کرنے سے پیچھے رہ گئے۔ پس جب آپ ﷺ واپس تشریف لائیں گے تو آپ کی دعوت سے متعلق یہ منافقین کہیں گے اگر نزدیک سامان اور درمیانہ سفر ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے جاتے، کیونکہ قریب سفر آسان ہوتا ہے۔ یہ بھی طلب غنیمت کے لئے کہیں گے۔ لیکن ان پر فاصلہ دور پڑ گیا اور عنقریب وہ اللہ کی قسم کھائیں گے یعنی جب آپ ان کی جانب لوٹ کر آئیں گے تو کہیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمہارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ جھوٹی قسموں کے سبب اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ اس بات میں یقیناً جھوٹے ہیں۔

منافقوں کے عذر کرنے کا بیان

اگر تھوڑی سی محنت کے بعد منافقوں کو مال غنیمت ہاتھ آ جانے کی توقع ہوتی اور سفر بھی اتنا طویل اور پر مشقت نہ ہوتا تو پھر تو یہ منافق یقیناً آپ کے ہمراہ نکلنے کو تیار ہو جاتے۔ لیکن شام تک کا سفر، وہ بھی شدید گرمی کے موسم میں جبکہ سواریاں بھی بہت کم ہیں اور آگے مقابلہ بھی ایک بہت دبدبے والی حکومت سے ہے جہاں فتح کے بجائے ناکامی کے آثار دکھائی دیتے ہیں تو ایسی صورت میں یہ کیسے آپ کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اب تو وہ یہی قسمیں کھائیں گے کہ اس وقت ہمارے حالات سازگار نہیں۔ ورنہ ہمیں آپ کے ہمراہ جانے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ اور وہ جھوٹے اس لحاظ سے نہیں ہیں کہ حقیقتاً جو باتیں اور خدشات انہیں جہاد پر جانے سے روک رہے ہیں انہیں وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور آپ کے سامنے ظاہر کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا ادھر ادھر کی باتیں عذر کے طور پر پیش کر دیتے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝
اللہ آپ کو سلامت رکھے، آپ نے انہیں رخصت ہی کیوں دی (کہ وہ شریک جنگ نہ ہوں) یہاں تک کہ وہ لوگ
آپ کے لئے ظاہر ہو جاتے جو سچ بول رہے تھے اور آپ جھوٹ بولنے والوں کو معلوم فرما لیتے۔

جہاد میں ترغیب دلانے کا بیان

وَكَانَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذِنَ لِجَمَاعَةٍ فِي التَّخَلُّف بِاجْتِهَادٍ مِنْهُ فَنَزَلَ عِتَابًا لَهُ وَقَدَّمَ الْعَفْو تَطْمِينًا لِقَلْبِهِ "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ" فِي التَّخَلُّف وَهَلَّا تَرَكْتهمْ، "حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

صَدَقُوا" فِی الْعُذْرِ "وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ" فِيْهِ،

جب نبی کریم ﷺ نے بہ طور اجتہاد ایک جماعت کو جہاد سے پیچھے بیٹھ جانے کی اجازت دی تو یہ حکم جہاد کی ترغیب کے لئے نازل ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کے اطمینان قلب کے لئے اللہ نے عفو کا انعام عطا فرما دیا۔

اللہ آپ کو سلامت اور باعزت وعافیت رکھے، آپ نے انہیں رخصت ہی کیوں دی (کہ وہ شریکِ جنگ نہ ہوں) یہاں تک کہ وہ لوگ بھی آپ کے لئے ظاہر ہو جاتے جو عذر میں سچ بول رہے تھے اور آپ اس میں جھوٹ بولنے والوں کو بھی معلوم فرما لیتے۔

سورہ برأت آیت ۴۳ کے سبب نزول کا بیان

عمرو بن میمون ازدی سے روایت ہے کہ دو کام ایسے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے کیا جبکہ ان کے بارے میں اللہ نے آپ کو کچھ حکم نہ دیا تھا ایک منافقین کو اجازت دینا اور دوسرا جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ قبول کرنا تو اللہ نے اس اجازت کے بارے میں یہ آیت نازل کی۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (زاد المسیر 3۔444)

ابتدائے کلام وافتتاحِ خطاب مخاطَب کی تعظیم وتوقیر میں مبالغہ کے لئے ہے اور زبان عرب میں یہ عُرف شائع ہے کہ مخاطَب کی تعظیم کے موقع پر ایسے کلمے استعمال کئے جاتے ہیں۔

قاضی عیاض مالکی رضی اللہ عنہ نے شفا میں فرمایا جس کسی نے اس سوال کو عتاب قرار دیا اس نے غلطی کی کیونکہ غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہونے اور گھر رہ جانے کی اجازت مانگنے والوں کو اجازت دینا نہ دینا دونوں حضرت کے اختیار میں تھے اور آپ اس میں مختار تھے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا (فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ 62)۔24 النور:62) آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیجئے تو (لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ، التوبہ:43) فرمانا عتاب کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اظہار ہے کہ اگر آپ انہیں اجازت نہ دیتے تو بھی وہ جہاد میں جانے والے نہ تھے اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے، گناہ سے تو تمہیں واسطہ ہی نہیں۔ اس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال تکریم وتوقیر اور تسکین وتسلی ہے کہ قلب مبارک پر (لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ التوبہ:43) فرمانے سے کوئی بار نہ ہو۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○
وہ لوگ جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ سے رخصت طلب نہیں کریں گے کہ وہ اپنے مال وجان
سے جہاد نہ کریں، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

جانوں اور اموال کے ذریعے خلوص سے جہاد کرنے والوں کا بیان

"لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ "فِی التَّخَلُّفِ عَنْ "اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ،

وہ لوگ جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ سے جہاد میں بیٹھ رہنے کی رخصت طلب نہیں کریں گے کہ وہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کریں، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اللہ اور آخرت پر ایمان سے مراد اللہ کے وعدوں کو سچا سمجھنا ہے

یہاں اللہ پر ایمان لانے سے مراد اللہ کے وہ وعدے ہیں جو اس نے فتح و نصرت سے متعلق مسلمانوں سے کیے ہیں اور آخرت پر ایمان سے مراد بھی جنت میں داخل کرنے اور بڑے درجات عطا کرنے کے وعدے ہیں اس لحاظ سے جن لوگوں کا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے وہ تو فوراً اپنے اموال اور جانوں سے جہاد پر روانہ ہو جائیں گے اور ایسے لوگوں کو رخصت مانگنے کی نوبت ہی پیش نہیں آتی۔ البتہ جن منافقوں کا یہ یقین ہی نہیں کہ اللہ کے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی اور نہ ہی آخرت کے وعدوں پر پورا یقین ہے۔ وہ بس اپنے دنیوی مفادات کا ہی موازنہ کرنے میں مشغول ہیں۔ کبھی یہ سوچتے ہیں کہ شاید ان کا جہاد پر جانا سود مند ثابت ہو اور کبھی یہ خیال آتا ہے کہ کہیں الٹا لینے کے دینے نہ پڑ جائیں اور وہیں موت سے دوچار ہونا پڑے۔ بس اسی گومگو کی حالت میں پڑے سوچتے ہیں۔ بالآخر انہیں یہی تدبیر کامیاب نظر آتی ہے کہ حیلوں بہانوں سے آپ سے معذرت کر لیں تا کہ ان کے جھوٹ اور بدنیتی پر پردہ پڑا رہے۔

اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ
فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ۝
آپ سے رخصت صرف وہی لوگ چاہیں گے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے۔

دین میں شک کرنے والوں کا حیران رہنے کا بیان

"اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ" فِی التَّخَلُّفِ "الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ" شَکَّتْ "قُلُوْبُهُمْ" فِی الدِّیْنِ "فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ" یَتَحَیَّرُوْنَ،

آپ سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی رخصت صرف وہی لوگ چاہیں گے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے۔ یعنی جو دین میں شک کرتے ہوئے حیران پھرتے ہیں۔

جن کے دلوں میں ایمان و تقویٰ کا نور ہے، ان کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے الگ رہنے کی اس طرح بڑھ بڑھ کر اجازت حاصل کریں۔ ان کا حال تو وہ ہے جو اس پارہ کے آخر میں بیان ہوا ہے۔ (تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ، التوبہ:92) یعنی بے سروسامانی وغیرہ کے عذر سے اگر "جہاد فی سبیل اللہ" کے شرف سے محروم رہ جائیں تو اس فضل کے فوت ہو جانے پر ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ بے حیا بن کر جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو خدا کے وعدوں پر یقین نہیں نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسلام و مسلمین کے غالب و منصور ہونے کی جو خبریں دی ہیں ان

کے متعلق ہمیشہ شک وشبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور وہ گروہ منافقین ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَ عَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○
اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے اور لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند کیا تو انھیں
روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

اللہ نے بعض لوگوں کے جہاد پسند ہی نہ کیا

"وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْج" مَعَكَ "لَاَعَدُّوا لَهٗ عُدَّةً" اُهْبَةً مِنَ الْاٰلَةِ وَالزَّاد "وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ" اَیْ لَمْ يُرِدْ خُرُوْجهمْ "فَثَبَّطَهُمْ" كَسَّلَهُمْ "وَقِيلَ" وَقِيلَ لَهُمْ "اُقْعُدُوْا مَعَ الْقَاعِدِيْنَ" الْمَرْضَى وَالنِّسَاء وَالصِّبْيَان اَیْ قَدَّرَ اللّٰه تَعَالٰی ذٰلِكَ،

اور اگر وہ آپ کے ساتھ نکلنے کا ارادہ رکھتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے یعنی جنگی سامان اور زادہ راہ لیتے۔ اور لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند کیا یعنی ان کو جہاد کے لئے نکلنے ہی نہ دیا تو انھیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والے مریضوں ،عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یعنی اللہ نے ایسی تقدیر بنادی۔

قرائن اسبابی کے ذریعے منافقین کے جھوٹے ہونے کا بیان

عذر کرنے والوں کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو کم از کم سامان سفر تو تیار کر لیتے لیکن یہ تو اعلان اور حکم کے بعد بھی کئی دن گذرنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ایک تنکا بھی ادھر سے ادھر نہ کیا دراصل اللہ کو ان کا تمہارے ساتھ نکلنا پسند ہی نہ تھا اس لئے انہیں پیچھے ہٹادیا اور قدرتی طور پر ان سے کہدیا گیا کہ تم تو بیٹھنے والوں کا ہی ساتھ دو۔ ان کے ساتھ کو ناپسند رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامراد اعلیٰ درجے کے بزدل بڑے ہی ڈرپوک ہیں اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا کی مثل کو اصل کر دکھاتے اور ان کے ساتھ ہی تم میں بھی فساد برپا ہو جاتا۔ یہ ادھر کی ادھر ادھر کی ادھر لگا بکر بجھا کر بات کا بتنگڑ بنا کر آپس میں پھوٹ اور عداوت ڈلوا دیتے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے تمہیں آپس میں ہی الجھا دیتے۔ ان کے ماننے والے ان کے ہم خیال ان کی پالیسی کو اچھی نظر سے دیکھنے والے خود تم میں بھی موجود ہیں وہ اپنے بھولے پن سے ان کی شرر انگیزیوں سے بے خبر رہتے ہیں جس کا نتیجہ مومنوں کے حق میں نہایت برا نکلتا ہے آپس میں شر وفساد پھیل جاتا ہے۔ مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کے حامی اور ہمدرد ہیں یہ لوگ تمہاری جاسوسی کرتے رہتے ہیں اور تمہاری پل پل کی خبریں انہیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی جو شروع آیت سے ہے یعنی ان لوگوں کا تمہارے ساتھ نہ نکلنا اللہ کو اس لئے بھی ناپسند رہا کہ تم میں بعضے وہ بھی ہیں جو ان کی نان لیا کرتے ہیں یہ تو بہت درست ہے لیکن ان کے نہ نکلنے کی وجہ کے لئے جاسوسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ
وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝
اگر وہ تم میں نکلتے تو خرابی کے سوا تم میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور ضرور تمہارے درمیان (گھوڑے) دوڑاتے، اس حال میں کہ
تم میں فتنہ تلاش کرتے، اور تم میں کچھ ان کی باتیں کان لگا کر سننے والے ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

منافقین کے جہاد کا فتنہ وفساد بن جانے کا بیان

"لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا" فَسَادُوْا بِتَخْذِيلِ الْمُؤْمِنِيْنَ "وَلَاَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ" اَيْ اَسْرَعُوْا بَيْنَكُمْ بِالْمَشْيِ بِالنَّمِيمَةِ "يَبْغُوْنَكُمْ" يَطْلُبُوْنَ لَكُمْ "الْفِتْنَة" بِاِلْقَاءِ الْعَدَاوَة "وَفِيْكُمْ سَمَّاعُوْنَ لَهُمْ" مَا يَقُوْلُوْنَ سَمَاع قَبُول ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظَّالِمِينَ،

اگر وہ تم میں نکلتے تو خرابی کے سوا تم میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے یعنی اہل ایمان کو بزدلی دیکھا کر پریشان کرتے اور فتنے کے لئے ضرور تمہارے درمیان گھوڑے دوڑاتے، یعنی تمہارے درمیان چغل خوری کر کے خوب فتنہ برپا کرتے اس حال میں کہ تمہارے درمیان عداوت ڈال کر فتنہ تلاش کرتے، اور تم میں کچھ ان کی باتیں کان لگا کر سننے والے ہیں یعنی جو وہ کہتے ہیں اس کو قبول کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

سورہ برأت آیت ۴۷ کے سبب نزول کا بیان

اس کی صورت یہ بنی کہ رسول اللہ ﷺ جب اس مہم پر نکلے تو آپ نے ثنیۃ الوداع پر پڑاؤ ڈالا اور عبداللہ بن ابی نے اپنا پڑاؤ جدہ میں ثنیۃ الوداع کے نیچے ڈالا یہ دو پڑاؤں کے درمیان فاصلہ سے کم نہ تھا جب رسول اللہ ﷺ آگے چل پڑے تو عبداللہ بن ابی بھی آپ سے پیچھے رک گیا جس طرح دوسرے منافق اور اہل ریب یعنی شک وشبہ کے شکار لوگ رک گئے۔ اس پر اللہ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی کے لیے یہ آیت نازل کی۔ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ، یعنی اگر یہ منافق لوگ آپ کے ساتھ مل کر نکلتے بھی تو سوائے خرابی کے تمہارے لیے اور کچھ نہ کرتے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝
بلاشبہ یقیناً انہوں نے اس سے پہلے فتنہ ڈالنا چاہا اور تیرے لیے کئی معاملات الٹ پلٹ کیے، یہاں تک کہ حق آ گیا
اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا، حالانکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔

حق کے خلاف فتنوں کی تلاش میں رہنے والوں کا بیان

"لَقَدْ ابْتَغَوْا" لَكَ "الْفِتْنَة مِنْ قَبْل" اَوَّل مَا قَدِمْت الْمَدِيْنَة "وَقَلَّبُوا لَكَ الْاُمُوْر" اَيْ اَجَالُوا الْفِكْر فِيْ

كَيْدَكَ وَاِبْطَال دِيْنِك "حَتّٰى جَاءَ الْحَقّ" النَّصْر "وَظَهَرَ" عَزَّ "اَمْرُ اللّٰه" دِيْنه "وَهُمْ كَارِهُوْنَ" لَهُ فَدَخَلُوْا فِيْهِ ظَاهِرًا،

بلاشبہ یقیناً انہوں نے اس سے پہلے بھی آپ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہا اور یعنی آپ ﷺ کے مدینہ منورہ میں آتے ہی انہوں کئی معاملات یعنی مکروفریب کیے اور دین کو جھٹلانے کے لئے مکر کیا۔ یہاں تک کہ حق مدد بن کر آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا، یعنی اللہ کا دین عزت پا گیا حالانکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے۔ لیکن ظاہری طور پر وہ بھی اسی میں شامل ہو گئے۔

دورانِ جہاد منافقین کے فتنوں کا بیان

امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور جد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤسا اور ذی اثر منافق تھے اللہ نے انہیں دور ڈال دیا اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کے سامنے ان کی بات مان لینے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے محمدی لشکر میں ابتری پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتوں تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی سچ ہے پورا علم اللہ ہی کو ہے غائب حاضر جو ہو چکا ہو اور ہونے والا ہو سب اس پر روشن ہے۔ اسی اپنے علم غیب کی بنا پر وہ فرماتا ہے کہ تم مسلمانو! ان کا نہ نکلنا ہی غنیمت سمجھو یہ ہوتے تو اور فساد و فتنہ برپا کرتے نہ خود جہاد کرتے نہ کرنے دیتے۔ اسی لئے فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں جس سے منع کئے جائیں اور یہ جھوٹے کے جھوٹے ہی رہیں۔ ایک اور آیت میں ہے کہ اگر علم اللہ میں ان کے دلوں میں کوئی بھی خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عزوجل انہیں ضرور سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ سنیں بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلاوطن ہو جاؤ تو سوائے بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے۔ حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے یہ اسے بجا لائیں تا کہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں۔ ایسی آیتیں اور بھی بہت ساری ہیں۔ (سیرت ابن اسحاق)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝
اوران میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دے دے اور مجھے فتنے میں نہ ڈال۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑے
ہوئے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔

جہاد پر نہ جانے کے لئے منافقین کے مختلف بہانوں کا بیان

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ" فِي التَّخَلُّف "وَلَا تَفْتِنِّيْ" وَهُوَ الْجَدّ بْن قَيْس قَالَ لَهُ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هَلْ لَكَ فِيْ جِلَاد بَنِي الْاَصْفَر ؟" فَقَالَ: اِنِّيْ مُغْرَم بِالنِّسَاءِ وَاَخْشَى اِنْ رَاَيْت نِسَاء

بَنِی الْاَصْفَر اَنْ لَّا اَصْبِر عَنْهُنَّ فَاَفْتَتِن "اَلَا فِی الْفِتْنَة سَقَطُوا" بِـالتَّخَلُّفِ وَقُرِءَ سَقَطَ "وَاِنَّ جَهَنَّم لَمُحِیطَة بِالْكَافِرِینَ" لَا مَحِیص لَهُمْ عَنْهَا،

اوران میں سے بعض وہ ہے جو کہتا ہے مجھے جہاد سے بیٹھ رہنے کی اجازت عطا فرمادیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈال۔ اور وہ جد بن قیس ہے جب نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو بنی اصفر کے ساتھ جہاد کے لئے تیار ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں عورتوں کی طرف مائل ہونے والا ہوں اور جب میں بن اصفر کی عورتوں کو دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ جس کے سبب میں فتنے میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ سن لو! وہ جہاد پر نہ جانے کے سبب فتنے ہی میں تو پڑے ہوئے ہیں ایک قرأت میں سقط پڑھا گیا ہے اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔ وہاں سے ان کے لئے کوئی نجات نہ ہوگی۔

جد بن قیس منافق کی خباثت کا بیان

جد بن قیس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال نصرانیوں کے جلاوطن کرنے میں تو ہمارا ساتھ دے گا؟ تو اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو معاف رکھئے میری ساری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بے پناہ شیدائی ہوں عیسائی عورتوں کو دیکھ کر مجھ سے تو اپنا نفس روکا نہ جائے گا۔ آپ نے اس سے منہ موڑ لیا اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس منافق نے یہ بہانہ بنایا حالانکہ وہ فتنے میں تو پڑا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنا جہاد سے منہ موڑنا یہ کیا کم فتنہ ہے؟ یہ منافق بنو سلمہ قبیلے کا رئیس اعظم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس قبیلے کے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ تو انہوں نے کہا جد بن قیس جو بڑا ہی شوم اور بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا بخل سے بڑھ کر اور کیا بری بیماری ہے؟ سنو اب سے تمہارا سردار نوجوان سفید اور خوبصورت حضرت بشر بن برا بن معرور ہیں۔ جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے نہ اس سے وہ بچ سکیں نہ بھاگ سکیں نہ نجات پا سکیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا
مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝
اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا
اور اس حال میں پھرتے ہیں کہ وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

منافقین کا مسلمانوں پر سختی ہونے کے سبب خوش ہونے کا بیان

"اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ" كَنَصْرٍ وَغَنِیمَة "تَسُوءهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِیبَة" شِدَّة "یَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا" بِالْحَزْمِ حِین تَخَلَّفنَا "مِنْ قَبْل" قَبْل هٰذِهِ الْمَعْصِیَة "وَیَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُوْنَ" بِمَا اَصَابَك،

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے جس طرح مدد اور غنیمت ہے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت یعنی سختی پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا یعنی جہاد میں شامل نہ ہو کر ہم نے اپنی حفاظت کا انتظام اس معصیت سے پہلے ہی کر لیا تھا۔ اور اس

حال میں پھرتے ہیں کہ وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جو آپ کو سختی پہنچی ہے۔

سورہ برأت آیت ۵۰ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں رہ جانے والے منافقین نے نبی کریم ﷺ کے متعلق بری بری خبریں پھیلانا شروع کر دیں کہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو سفر میں بہت مشقت پیش آئی اور وہ ہلاک ہو گئے جب انہیں اپنی خبر کا جھوٹا ہونا اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا عافیت سے ہونا معلوم ہوا تو یہ انہیں بہت برا لگا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ۔ (سیوطی،140،نیسابوری209،طبری10۔105)

اہل اسلام کی فتح ونصرت پر منافقین کے حسد کا بیان

ان بد باطن لوگوں کی اندرونی خباثت کا بیان ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فتح ونصرت سے، ان کی بھلائی اور ترقی سے ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر اللہ نہ کرے یہاں اس کے خلاف ہوا تو بڑے شور وغل مچاتے ہیں گا گا کر اپنی چالاکی کے افسانے گائے جاتے ہیں کہ میاں اسی وجہ سے ہم تو ان سے بچے رہے مارے خوشی کے بغلیں بجانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو جواب دے کر رنج راحت اور ہم خود اللہ کی تقدیر اور اس کی منشا کے ماتحت ہیں وہ ہمارا مولیٰ ہے وہ ہمارا آقا ہے وہ ہماری پناہ ہے ہم مومن ہیں اور مومنوں کا بھروسہ اسی پر ہوتا ہے وہ ہمیں کافی ہے بس ہے وہ ہمارا کارساز ہے اور بہترین کارساز ہے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَاۚ هُوَ مَوْلٰىنَاۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○
تم فرماؤ ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا وہ ہمارا مولیٰ ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے،

لکھی ہوئی تقدیر کے آجانے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" اِصَابَته "هُوَ مَوْلَانَا" نَاصِرنَا وَمُتَوَلِّي اُمُورنَا، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ،

تم فرماؤ ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لئے پہنچنا لکھ دیا ہے وہ ہمارا مولیٰ ہے یعنی ہمارا مددگار ہے اور ہمارے معاملات کا متولی ہے۔ اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔

مومن اور کافر یا منافق کی خصلت میں فرق ہونے کا بیان

اس آیت میں مومنوں اور منافقوں کے نظریاتی اختلاف کو بیان کیا گیا ہے۔ منافق جو کچھ بھی کرتا ہے اسے صرف اپنا دنیوی مفاد ملحوظ ہوتا ہے۔ پھر اگر اسے کامیابی ہو تو اترانے لگتا ہے اور خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور اگر ناکامی ہو تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے جبکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے دین کی سربلندی اور اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اگر کامیابی ہو تو اللہ کی مہربانی سمجھتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے مگر اتراتا نہیں اور ناکامی ہو تو وہ بھی اسے مایوس نہیں کرتی اور وہ اسے اللہ ہی کی طرف سے سمجھتا ہے کیونکہ

اسباب کو اختیار کرنا مومن کا کام ہے اور اس کے اچھے یا برے نتائج پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔لہٰذا وہ ہر حال میں اللہ ہی بھروسہ رکھتا ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ
بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○
تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا اور ہم تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے
اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تو اب راہ دیکھو ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں۔

کفار کے لئے عذاب کے انتظار کرنے کا بیان

"قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ" فِيْهِ حَذْف اِحْدَى التَّاءَيْنِ مِنَ الْاَصْل اَىْ تَنْتَظِرُوْنَ اَنْ يَّقَع "بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى" الْعَاقِبَتَيْنِ "الْحُسْنَيَيْنِ" تَثْنِيَة حُسْنَى تَاْنِيث اَحْسَن: النَّصْر اَوْ الشَّهَادَة "وَنَحْنُ نَتَرَبَّص" نَنْتَظِر "بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰه بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْده" بِقَارِعَةٍ مِّنَ السَّمَاء "اَوْ بِاَيْدِيْنَا" بِاَنْ يُّؤْذِن لَنَا فِىْ قِتَالكُمْ "فَتَرَبَّصُوا" بِنَا ذٰلِكَ "اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ" عَاقِبَتكُمْ،

تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو، یہاں پر ''تَرَبَّصُوْنَ'' میں دو تاء میں سے ایک تاء کا حذف ہے۔یعنی تم انتظار کر رہے ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا یہاں پر ''الْحُسْنَيَيْنِ'' حسنٰی کا تثنیہ جو احسن کی تانیث ہے اور وہ مدد یا شہادت ہے اور ہم تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے آسانی کڑک کے ذریعے یا ہمارے ہاتھوں قتال کے ذریعے عذاب دے۔لہٰذا تم انتظار کرو اور ہم بھی اسی بات کا تمہارے ساتھ تمہارے انجام کا انتظار کرتے ہیں۔

شہادت ملی تو جنت، بچ گئے تو غازی

مسلمانوں کے جہاد میں دو ہی انجام ہوتے ہیں اور دونوں ہر طرح اچھے ہیں اگر شہادت ملی تو جنت اپنی ہے اور اگر فتح ملی تو غنیمت و اجر ہے۔پس اے منافقو تم جو ہماری بابت انتظار کر رہے ہو وہ انہی دو اچھائیوں میں سے ایک کا ہے اور ہم جس بات کا انتظار تمہارے بارے میں کر رہے ہیں وہ دو برائیوں میں سے ایک کا ہے یعنی یا تو یہ کہ اللہ کا عذاب براہ راست تم پر آ جائے یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر اللہ کی مار پڑے کہ قتل و قید ہو جاؤ۔اچھا اب تم اپنی جگہ اور ہم اپنی جگہ منتظر رہیں دیکھیں پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمہارے خرچ کرنے کا اللہ بھوکا نہیں تم خوشی سے دو تو، اور ناراضگی سے دو تو، وہ تو قبول فرمانے کا نہیں اس لئے کہ تم فاسق لوگ ہو۔تمہارے خرچ کی عدم قبولیت کا باعث تمہارا کفر ہے اور اعمال کی قبولیت کی شرط کفر کا نہ ہونا بلکہ ایمان کا ہونا ہے ساتھ ہی کسی عمل میں تمہارا نیک قصد اور سچی ہمت نہیں۔نماز کو آتے ہو تو بھی بجھے دل سے، گرتے پڑتے مرتے پڑتے سست اور کاہل ہو کر دکھا دیکھی مجمع میں دو چار دے بھی دیتے ہو تو مرے جی سے دل کی تنگی سے۔صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے ہیں اللہ نہیں تھکتا لیکن تم تھک جاؤ اللہ پاک ہے وہ پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے متقیوں کی اعمال قبول ہوتے ہیں تم فاسق ہو تمہارے اعمال قبولیت سے گرے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مدارک تنزیل، سورہ برات، بیروت)

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝
فرمادیجئے، تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز وہ قبول نہیں کیا جائے گا، بیشک تم نافرمان لوگ ہو۔

فسق اعتقادی کے سبب عبادت کی عدم قبولیت کا بیان

"قُلْ اَنْفِقُوا" فِيْ طَاعَةِ اللّٰه "طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ" مَا اَنْفَقْتُمُوْهُ وَالْاَمْر هُنَا بِمَعْنَى الْخَبَر ،اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِيْنَ،

فرمادیجئے، تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے اللہ کی اطاعت میں تم سے ہرگز وہ مال قبول نہیں کیا جائے گا، یہاں پر امر بہ معنی خبر کے ہے۔ بیشک تم نافرمان لوگ ہو۔

سورہ برأت آیت ۵۳ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس منافق کے جواب میں نازل ہوئی جس نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت طلب کرنے کے ساتھ یہ کہا تھا کہ میں اپنے مال سے مدد کروں گا۔ اس پر حضرت حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ تم خوشی سے دو یا ناخوشی سے تمہارا مال قبول نہ کیا جائے گا یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نہ لیں گے کیونکہ یہ دینا اللہ کے لئے نہیں ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ برأت، بیروت)

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ
اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝
اور انہیں کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوئی کہ ان کی خرچ کی ہوئی چیزیں قبول کی جائیں مگر یہ بات کہ بے شک انہوں نے
اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر اس طرح کہ ست ہوتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے
مگر اس حال میں کہ ناخوش ہوتے ہیں۔

خرچ کرنے کے مانع مصنوعی پر اظہار تعجب کا بیان

"وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَل " بِالتَّاءِ وَالْيَاء "مِنْهُمْ نَفَقَاتهمْ اِلَّا " فَاعِل وَاَنْ تُقْبَل مَفْعُول "كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلَاة اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى" مُتَثَاقِلُوْنَ "وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كَارِهُوْنَ " النَّفَقَة لِاَنَّهُمْ يَعُدُّوْنَهَا مَغْرَمًا،

اور انہیں کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوئی تقبل یہاں پر تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے کہ ان کی خرچ کی ہوئی چیزیں قبول کی جائیں، یہاں پر "اِلَّا" اس کا فاعل ہے اور "اَنْ تُقْبَلَ" اس کا مفعول ہے۔ مگر یہ بات کہ بے شک انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کو نہیں آتے مگر اس طرح کہ سست ہوتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ ناخوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس خرچ کا جرمانہ سمجھتے ہیں۔

منافق کی نماز کے حال کا بیان

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں منافقوں پر کوئی نماز نہیں لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں کے وقت پر پڑھنے میں کیا ثواب ہے تو ضرور ان میں آئیں اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل چلنا پڑے میں نے یہ پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ موذن کو اذان دینے کا حکم دوں پھر کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے اور میں آگ کے شعلے لے لوں اور جو لوگ اب تک گھر سے نماز کے لئے نہ نکلے ہوں ان کے گھروں کو ان کے سمیت جلا دوں لیکن ان کے اہل وعیال کا خیال آنے سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 630)

حضرت علاء بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے وہ گھر مسجد کے ایک کونے میں تھا تو جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی تو ہم نے ان سے کہا کہ ہم ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آئے ہیں انہوں نے فرمایا کہ عصر کی نماز پڑھ لو تو ہم کھڑے ہوئے تو ہم نے نماز پڑھی جب ہم فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ تو منافق کی نماز ہے کہ سورج کو بیٹھے دیکھتا رہتا ہے جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان میں ہوتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارنے لگ جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر بہت تھوڑا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1407)

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○
تو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد کا تعجب نہ آئے، اللہ ہی چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں سے
ان پر وبال ڈالے اور اگر کفر ہی پر ان کا دم نکل جائے۔

کفار کے مال و دولت کے سبب تعجب نہ کرنے کا بیان

"فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ" اَيْ لَا تَسْتَحْسِنْ نِعَمَنَا عَلَيْهِمْ فَهِيَ اسْتِدْرَاج "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ" اَيْ اَنْ يُعَذِّبَهُمْ "بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" بِمَا يَلْقَوْنَ فِي جَمْعِهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ وَفِيْهَا مِنَ الْمَصَائِب "وَتَزْهَقَ" تَخْرُج "اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ" فَيُعَذِّبُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اَشَدَّ الْعَذَاب،

تو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد کا تعجب نہ آئے، یعنی ہمارا ان کو نعمتیں دینا یہ آپ کو ان کے لئے بہتری محسوس نہ ہو کیونکہ یہ مہلت ہے۔ اللہ ہی چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعے ان پر وبال ڈالے، یہاں پر "لِیُعَذِّبَهُمْ" اصل میں "اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ" ہے۔ یعنی جو وہ مال کو جمع کرنے میں مشقت اٹھاتے ہیں اور جس میں مصائب ہیں۔ اور اگر کفر ہی پر ان کا دم نکل جائے یعنی وہ کفر کی حالت میں مر گئے تو وہ آخرت میں ان کو سخت عذاب دے گا۔

کفار و منافقین کی دنیاوی دولت و عیاشی سے متاثر نہ ہونے کا بیان

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے پات کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک اور چٹائی کے درمیان کوئی بچھونا وغیرہ نہیں تھا جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلوئے مبارک پر چٹائی نے بدھیاں ڈال دی تھیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک کے نیچے جو تکیہ رکھ رکھا تھا وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، میں نے (سرکار دو عالم کو اس حالت میں دیکھ کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں فرماتے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو مالی وسعت و فراخی عطا فرمائے؟ فارس اور روم کے لوگوں کو کس قدر وسعت و فراخی عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "ابن خطاب! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم ابھی تک اسی جگہ ہو (جہاں سے تم شروع میں چلے تھے اور اتنے عرصہ کے بعد بھی تمہارے انداز فکر اور سوچنے سمجھنے کا معیار اتنا آگے نہیں بڑھا جو تم حقیقت تک پہنچ سکو؟ یاد رکھو یہ اہل فارس و روم (اور تمام کفار) وہ لوگ ہیں جن کو تمام نعمتیں اور خوبیاں بس ان کی دنیاوی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں (جب کہ ہمیشہ کی زندگی یعنی آخرت میں ان کو فقر و افلاس، ذلت و خواری اور خسران و نقصان کے سوا کچھ نہیں ملے گا)" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ " کیا تم اس پر راضی و مطمئن نہیں ہو کہ ان (اہل فارس و روم اور دیگر کفار) کو دنیا ملے (جو فنا ہو جانے والی ہے) اور ہمیں آخرت ملے (جو اپنی تمام تر نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1165)

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝
اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

تقیہ کے طور پر قسم اٹھانے والوں کا بیان

"وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ" اَیْ مُؤْمِنُوْنَ "وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ" يَخَافُوْنَ اَنْ تَفْعَلُوْا بِهِمْ كَالْمُشْرِكِيْنَ فَيَحْلِفُوْنَ تَقِيَّة،

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے یعنی اہل ایمان میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

یعنی وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ تم کہیں ان سے مشرکین والا معاملہ نہ کرو لہٰذا وہ بہ طور تقیہ قسم اٹھاتے ہیں۔

مسروق عبداللہ بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں چار باتیں ہوں گی، وہ منافق ہوگا یا جس شخص میں ان چاروں میں سے کوئی خصلت ہوگی، تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے، جب وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدزبانی کرے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2358)

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ٥
اگر پائیں کوئی پناہ یا غار یا سما جانے کی جگہ تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے۔

اگر منافقین کو پناہ ملے تو رسیاں تڑوا کر بھاگ جائیں

"لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً" يَلْجَئُوْنَ اِلَيْهِ "اَوْ مَغَارَات" سَرَادِيب "اَوْ مُدَّخَلًا" مَوْضِعًا يَدْخُلُوْنَهُ "لَوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ" يُسْرِعُوْنَ فِيْ دُخُوله وَالِانْصِرَاف عَنْكُمْ اِسْرَاعًا لَا يَرُدّهُ شَيْء كَالْفَرَسِ الْجَمُوح،

اگر پائیں کوئی پناہ یا غار یا سما جانے کی جگہ تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے۔ یعنی تمہارے دور ہو کر بھاگنے میں اتنی جلدی کرتے ہیں جس طرح کوئی سرکش گھوڑا دوڑتا ہے جس کو واپس کوئی چیز تمہاری جانب نہ لوٹا سکے۔

جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی حقیقت کا بیان

ان کی تنگ دلی ان کی غیر مستقل مزاجی ان کی سراسیمگی اور پریشانی گھبراہٹ اور بے اطمینانی کا یہ حال ہے کہ تمہارے پاس آکر تمہارے دل میں گھر کرنے کے لئے اور تمہارے ہاتھوں سے بچنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی زبردست قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہم تمہارے ہیں ہم مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے یہ صرف خوف وڈر ہے جو ان کے پیٹ میں درد پیدا کر رہا ہے۔ اگر آج انہیں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی قلعہ مل جائے اگر آج یہ کوئی محفوظ غار دیکھ لیں یا کسی اچھی سرنگ کا پتہ انہیں چل جائے تو یہ تو سارے کے سارے دم بھر میں اس طرف دوڑ جائیں تیرے پاس ان میں سے ایک بھی نظر نہ آئے کیونکہ انہیں تجھ سے کوئی محبت یا انس تو نہیں ہے یہ تو ضرورت مجبوری اور خوف کی بناء پر تمہاری چاپلوسی کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں اسلام ترقی کر رہا ہے یہ جھکتے چلے جا رہے ہیں مومنوں کو ہر خوشی سے یہ جلتے تڑپتے ہیں ان کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ موقعہ مل جائے تو آج بھاگ جائیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ٥
اور ان ہی میں سے بعض ایسے ہیں جو صدقات (کی تقسیم) میں آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں، پھر اگر انہیں ان (صدقات)
میں سے کچھ دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جائیں اور اگر انہیں اس میں سے کچھ نہ دیا جائے تو وہ فوراً خفا ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے منافق خارجی کا بیان

"وَمِنْهُمْ مَنْ يَّلْمِزُكَ" يَعِيبك "فِي" قَسْم "الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ،

اوران ہی میں سے بعض ایسے ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں، پھر اگر انہیں ان (صدقات) میں سے کچھ دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جائیں اور اگر انہیں اس میں سے کچھ نہ دیا جائے تو وہ فوراً خفا ہو جاتے ہیں۔

سورہ برأت آیت ۵۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ کہ عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی آیا اور کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدل سے کام لیجئے، آپ نے فرمایا کہ تیری خرابی ہو جب میں عدل نہ کروں تو اور کون عدل کرے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے عرض کیا مجھے اجازت دیں کہ اس کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کے ایسے ساتھی ہیں کہ تم میں سے ایک شخص ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلے میں حقیر سمجھتا ہے۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، اس کے پروں میں دیکھا جائے تو کچھ معلوم نہیں ہوتا، پھر اس کے پھل میں دیکھا جائے تو معلوم نہیں ہوتا، حالانکہ وہ خون اور گوبر سے ہو کر گزرا ہے ان کی نشانی یہ ہوگی کہ ان میں ایک ایسا آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا ایک چھاتی عورت کی ایک چھاتی کی طرح ہوگی، یا فرمایا کہ گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگی اور ہلتی ہوگی، لوگوں کے تفرقہ کے وقت نکلیں گے، ابوسعید کا بیان ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی نے لوگوں کو قتل کیا میں ان کے پاس تھا، اس وقت ایک شخص اسی صورت کا لایا گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، ابوسعد کا بیان ہے کہ آیت، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ 9۔التوبہ:58)، اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1862)

گستاخ نمازیوں و بدبخت لوگوں کے قتل کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں فلاں فلاں وادی سے گزرا۔ تو میں نے ایک نہایت متواضع ظاہراً خوبصورت دکھائی دینے والے شخص کو نماز پڑھتے دیکھا ہے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کے پاس جا کر اسے قتل کر دو۔ روای نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے تو انہوں نے جب اسے اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا تو اسے قتل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور بغیر قتل کیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اسے قتل کرو حضرت عمر گئے اور انہوں نے بھی اسے اسی حالت نماز میں دیکھا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی اس کے قتل کو ناپسند کیا اور وہ بھی لوٹ آئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ

نماز پڑھتے دیکھا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! تم جاؤ اسے قتل کر دو۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے تو انہیں وہ نظر نہ آیا۔ تو حضرت علی واپس لوٹ آئے۔ اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! وہ کہیں نظر نہ آیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ اور اس کے ساتھی قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے پھر وہ اس میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ حتیٰ کہ تیر پلٹ کر کمان میں نہ آ جائے۔ لہٰذا تم انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو، وہ بدترین مخلوق ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث، ۱۱۱۳۳)

جرح وتعدیل کے امام علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (فتح الباری، ۱۲، ص ۲۲۹)

بدعقیدہ لوگوں کے فتنہ وفساد سے بچنے کا بیان

حضرت ابوامامہ نے جب دمشق کے سرحد منصوبہ پر ان کے سر لٹکے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ بدترین جہنمی کتے ہیں آسمان کے نیچے تمام قتلوں سے بہتر ان کا قتل ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

"يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُم بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ .

جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ .

اور وہ جن کے منہ اونجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو انہوں نے فرمایا: میں نے ایک بار یا دو بار یا تین مرتبہ یا چار مرتبہ نہیں بلکہ میں نے سات مرتبہ سنا ہے جو میں نے تم کو حدیث بیان کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۲۴، فاروقی کتب خانہ ملتان)

بدعقیدہ لوگوں کا قرآن کی آیات کے غلط مفاہیم کرنا

ابو یحییٰ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک خارجی نے صبح کی نماز میں یہ آیت پڑھی اور فی الحقیقت آپ کی طرف (یہ) وحی کی گئی ہے اور اُن (پیغمبروں) کی طرف (بھی) جو آپ سے پہلے (مبعوث ہوئے) تھے کہ (اے انسان!) اگر تُو نے شرک کیا تو یقیناً تیرا عمل برباد ہو جائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا مزید بیان کیا: پھر اس سورت کو چھوڑ کر اس نے دوسری سورت کی یہ آیت پڑھ ڈالی پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، جو لوگ یقین نہیں رکھتے کہیں آپ کو کمزور ہی نہ کر دیں۔ (خوارج ان آیات قرآنی کو چن چن کر نماز میں پڑھتے تھے جن سے بزعم خویش ان بدبختوں کے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان کا کوئی شائبہ پیدا ہوتا تھا۔ یہ ان کی گستاخانہ سوچ اور بدبختی تھی)۔ (رَوَاهُ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ. الحدیث رقم 49: اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، 7/554، الرقم: 37891)

بدعقیدہ لوگوں کے پاس جانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ ہی تمہارے باپ دادا نے سنا ہوگا تم ان سے دور رہنا، وہ تم سے دور رہیں۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام دارمی علیہ الرحمہ سنن دارمی میں لکھتے ہیں کہ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو قلابہ نے فرمایا ہے کہ گمراہ فرقوں کے پاس نہ بیٹھو، نہ ان سے بحث کرو، کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں تم کو مبتلاء کر دیں گے یا تمہارے عقائد کو تم پر مشتبہ کر دیں گے۔ (سنن دارمی، ج ۱، ص ۹۰، نشر السنہ ملتان)

امام بیہقی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں گمراہ فرقوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات میں کج بحثی اختیار کرتے ہیں۔ (شعب الایمان، ج ۷، ص ۶۰، بیروت)

مساجد میں جمع ہونا جبکہ مقام نبوت ﷺ کا انکار کرنا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک دور ایسا آئے گا کہ لوگ مسجدوں میں کثرت کے ساتھ جمع ہوں گے لیکن مؤمن نہیں ہوں گے۔ (المستدرک، ج ۴، ص ۴۹۸، رقم الحدیث، ۸۳۶۵)

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۠
اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عطا فرمایا تھا
اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزید) عطا فرمائے گا۔
بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کا واسطہ اور وسیلہ ہے، اس کا دینا بھی اللہ ہی کا
دینا ہے۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے اور طعنہ زنی نہ کرتے تو یہ بہتر ہوتا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا پر راضی ہونے کا بیان

"وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتَاهُمُ اللّٰه وَرَسُوْلُهٗ" "مِنْ الْغَنَائِم وَنَحْوِهَا" "وَقَالُوْا حَسْبنَا" "كَافِينَا" "اللّٰه سَيُؤْتِينَا اللّٰه مِنْ فَضْله وَرَسُوْلُهٗ" "مِنْ غَنِيمَة أُخْرَى مَا يَكْفِينَا" "إِنَّا إِلَى اللّٰه رَاغِبُوْنَ" "أَنْ يُغْنِيَنَا وَجَوَاب لَوْ: لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ،

اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ غنائم وغیرہ میں اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمایا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزید دوسری غنائم عطا

فرمائے گا۔ جو ہمارے لئے کافی ہوں گی بیشک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔ یہاں پر "اَنْ یُّغْنِیْنَا " یہ "لَوْ کَانَ خَیْرًا لَّھُمْ" کا جواب ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عطا پر راضی نہ ہونے والے منافق ہیں

اور کیسا اچھا ہوتا اگر وہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جوان کو اللہ اور اس کے رسول نے عطا کی اور وہ یہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے عنقریب ہمیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے عطا کرے گا۔ (التوبہ، ۵۹)

ان آیات میں واضح بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا کو نہیں مانتے وہ منافق و کافر ہیں ہمارے ہاں بعض سادہ مبلغین لوگوں میں یہ باور کراتے ہیں کہ صرف اللہ کی عطا کو مانو۔ اس کے سوا کسی کو عطا کرنے والا نہ مانو حالانکہ قرآن نے کہا کہ ایسے لوگ جو اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے نبی ﷺ کی عطا کو نہیں مانتے وہ منافق و کافر ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ یہ عقیدہ بھی رکھیں اور یہ الفاظ کہا کریں ہمیں اللہ اور اس کا رسول ﷺ اپنے فضل سے عطا فرمائے گا۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا کا اعلان

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ ﷺ نے انعام کیا۔ (الاحزاب، ۳۷)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حقیقی داتا یعنی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے چونکہ اپنے نیک بندوں کو عطا کیا ہوا ہے اور وہ اللہ کی عطا سے مخلوق کو دینے والے یعنی داتا ہیں۔ بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو داتا نہ کہو انہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ خود اپنے نیک بندوں کو داتا بنانے والا ہے تو ان کم عقلوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ یہ انہیں داتا تسلیم نہیں کرتے

امام بخاری روایت کرتے ہیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ خیبر کو فتح فرمائے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہوگا۔ پھر مسلمانوں نے رات اس طرح گزاری کہ وہ ساری رات مضطرب تھے کہ آپ صبح کس کو جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ صبح کو سب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے ان میں سے ہر شخص کو یہ امید تھی کہ آپ جھنڈا اس کو عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا: علی بن ابو طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ، ان کو لایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور ان کے لئے دعا کی، وہ تندرست ہو گئے گویا ان کی آنکھوں میں درد کبھی تھا ہی نہیں، آپ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا، تو حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان سے قتال کرتا رہوں گا حتیٰ کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا تم اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ حتیٰ کہ ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ، پھر تم ان کو اسلام کی دعوت دو، اور ان کو بتاؤ کہ ان پر اللہ کے کیا حقوق واجب ہیں، قسم بخدا! اگر اللہ تمہاری وجہ سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۴۲۱۰، صحیح مسلم، ۲۴۰۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت رکھی ہے کہ وہ جہاں لگے اگر مرض
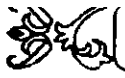
ہوتو تندرستی عطا فرمائے، یہاں ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک دوائی ایک مرض کے لئے یا چند ایک امراض کے لئے دوا ہونے کا کام کرتی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک نے ایک یا چند ایک نہیں بلکہ لاجواب کمالات دیکھائے ہیں۔ کہیں کڑوے پانی کو میٹھا کردے، کہیں پانی کو کنارے پر لائے، کہیں پانی میں ملایا جائے تو پندرہ سو صحابہ کرام کے لئے کافی ہونے کی برکت دے، وغیرہ۔

آپ ﷺ اللہ کی عطا تقسیم فرمانے والے ہیں

حضرت حمید بن عبدالرحمان نے کہا کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں فقہ عطا کرتا ہے اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا فرماتا ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور کسی کی مخالفت سے اس کو ضرر نہیں ہوگا، حتیٰ کہ اللہ کا حکم آجائے (یعنی قیامت) (بخاری شریف، ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بعد از وصال مبارک ابوبکر صدیق کو مدفن عطا کرنے کا بیان

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا: اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اس ہاتھ سے غسل دینا جس سے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا تھا اور مجھے خوشبو لگانا اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کے پاس لیجانا، اگر تم دیکھو کہ دروازہ کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کردینا ورنہ واپس لاکر عامۃ المسلمین کے قبرستان میں دفن کردینا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے سب سے پہلے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ابوبکر آپ سے داخلہ کی اجازت مانگ رہے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ روضۂ اقدس کا دروازہ کھول دیا گیا اور آواز آئی۔ حبیب کو اس کے حبیب کے ہاں داخل کردو بے شک حبیب ملاقاتِ حبیب کے لئے مشتاق ہے۔ (حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، 493:3 سیوطی، الخصائص الکبریٰ، 492:2 ابن عساکر، تاریخ دمشق، 436:30)

|
---|
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ |
وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ |
صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت |
ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے |
کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ |

مصارف زکوٰۃ وصدقات کا بیان

"اِنَّمَا الصَّدَقَات" الزَّکَوَات مَصْرُوْفَة "لِلْفُقَرَاءِ" الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يَقَع مَوْقِعًا مِنْ كِفَايَتهمْ "وَالْمَسَاكِيْن" الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يَكْفِيهِمْ "وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا" اَیْ الصَّدَقَات مِنْ جَابٍ وَقَاسِم وَكَاتِب وَحَاشِر "وَالْمُؤَلَّفَة قُلُوبهمْ" لِيُسْلِمُوْا اَوْ يَثْبُت اِسْلَامهم اَوْ يَسْلَم نُظَرَاؤُهُمْ اَوْ يَذُبُّوا عَنْ الْمُسْلِمِينَ اَقْسَام الْاَوَّل وَالْاَخِير لَا يُعْطِيَانِ الْيَوْم عِنْد الشَّافِعِيّ رَضِيَ اللّٰه تَعَالٰى عَنْهُ لِعِزِّ الْإِسْلَام بِخِلَافِ الْاٰخَرَيْنِ فَيُعْطِيَانِ عَلَى الْاَصَحّ "وَفِي" فَكّ "الرِّقَاب" اَیْ الْمُكَاتَبِينَ "وَالْغَارِمِينَ" اَهْل الدَّيْن اِنْ اسْتَدَانُوْا لِغَيْرِ مَعْصِيَة اَوْ تَابُوا وَلَيْسَ لَهُمْ وَفَاء اَوْ لِإِصْلَاحِ ذَات الْبَيْن وَلَوْ اَغْنِيَاء "وَفِي سَبِيْل اللّٰه" اَیْ الْقَائِمِينَ بِالْجِهَادِ مِمَّنْ لَّا فَيْء لَهُمْ وَلَوْ اَغْنِيَاء "وَابْن السَّبِيْل" الْمُنْقَطِع فِي سَفَره "فَرِيضَة" نُصِبَ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّر "مِنْ اللّٰه وَاللّٰهُ عَلِيم" بِخَلْقِهِ "حَكِيْم" فِيْ صُنْعه فَلَا يَجُوْز صَرْفهَا لِغَيْرِ هٰؤُلَاءِ وَلَا مَنْع صِنْف مِنْهُمْ اِذَا وُجِدَ فَيَقْسِمهَا الْإِمَام عَلَيْهِمْ عَلَى السَّوَاء وَلَهُ تَفْضِيل بَعْض اٰحَاد الصِّنْف عَلٰى بَعْض وَاَفَادَتْ اللَّام وُجُوْب اسْتِغْرَاق اَفْرَاده لٰكِنْ لَّا يَجِب عَلٰى صَاحِب الْمَال اِذَا قَسَمَ لِعُسْرِهِ بَلْ يَكْفِيْ اِعْطَاء ثَلَاثَة مِنْ كُلّ صِنْف وَلَا يَكْفِيْ دُوْنهَا كَمَا اَفَادَتْهُ صِيغَة الْجَمْع وَبَيَّنَتْ السُّنَّة اَنَّ شَرْط الْمُعْطَى مِنْهَا الْإِسْلَام وَاَنْ لَّا يَكُوْن هَاشِمِيًّا وَّلَا مُطَّلِبِيًّا۔

صدقات یعنی زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں اور فقراء وہ ہیں جن کے پاس اتنی استطاعت نہ ہو کہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کرسکیں۔اور مسکینوں کے لیے،اور مساکین وہ ہیں جن کے پاس کفایت کے طور پر کچھ بھی نہ ہو۔

اوران پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں، جو زکوٰۃ وصول کرنے والے، تقسیم کرنے والے، اس کو لکھنے والے اور جمع کروانے والے ہیں۔اوران کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے۔تاکہ وہ اسلام قبول کریں اور اسی پر ثابت قدم رہیں۔یا ان کی طرح کے لوگ اسلام قبول کرلیں یا اہل اسلام کا دفاع کریں۔ان میں سے آخری قسم کے متعلق امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اب ان کو زکوٰۃ نہ دی جائے گی کیونکہ اسلام غالب آچکا ہے۔جبکہ باقی دونوں اقسام میں صحیح مذاہب کے مطابق دیا جائے گا۔

اور گردنیں چھڑانے میں یعنی مکاتب غلاموں کی آزادی کے لئے کو دیا جائے گا۔

اور تاوان بھرنے والوں میں یعنی وہ لوگ جنہوں نے معصیت کے لئے قرض نہ لیا یا انہوں نے معصیت سے توبہ کرلی ہو اور ان کے پاس ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو یا باہمی صلح کے لئے اگرچہ وہ مالدار ہوں۔اور اللہ کے راستے میں یعنی ایسے مجاہدین جن کے لئے مال غنیمت میں حصہ نہ ہو جبکہ وہ مصروف جہاد ہوں اگرچہ وہ مالدار ہوں۔

اور مسافر کے لئے سفر میں خرچ کرنے کے لیے ہیں۔جبکہ مال ختم ہو جانے کے سبب اس کا سفر جاری رکھنا مشکل ہو جائے۔یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔یہاں پر فریضہ منصوب فعل مقدر کے سبب ہے۔اور اللہ اپنی مخلوق کو جاننے والا، اپنی

صنعت میں حکمت والا ہے۔

پس درج بالا مصارف زکوٰۃ وصدقات کے سوا کسی کو مال زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔اوران مصارف کے ہوتے ہوئے ان میں سے کسی کو بھی محروم نہ رکھا جائے گا۔پس امام وقت کو چاہے ان میں برابر تقسیم کرے ہاں البتہ اگر امام چاہے تو کسی قسم کو کسی دوسری قسم پر ترجیح دیدے۔اور یہاں پر لام استغراق کے لئے ہے۔جو تمام کے لئے وجوب کا فائدہ دینے والا ہے۔ہاں البتہ مال والے پر وقت تقسیم سب پر کو پالینا یہ مشکل ہونے کے سبب سب کا احاطہ واجب نہ ہوا۔بلکہ مذکورہ آٹھ اقسام میں سے ہر قسم کے تین افراد کو دینا کافی ہوگا جبکہ اس سے کم کفایت نہ کرے گا۔جس طرح جمع کے صیغوں سے معلوم ہوتا ہے۔اور سنت مطہرہ سے یہ شرط بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس کو مال دیا جائے وہ مسلمان ہو لیکن بنو ہاشم اور بنو مطلب سید نہ ہو۔

فقیر کی تعریف

امام اعظم علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ فقیر وہ شخص ہے،جس کے پاس کوئی معمولی چیز ہو۔

مسکین کی تعریف

وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔جبکہ امام زہری علیہ الرحمہ کے سے روایت ہے کہ فقیر وہ ہے جو اپنے گھر میں رہتا ہو اور لوگوں سے سوال نہ کرتا ہو جبکہ مسکین وہ ہے جو گھر سے نکلے اور لوگوں سے سوال کرے۔(قمر الاقمار ص ۸۱،مکتبہ اکرمیہ پشاور)

قاعدہ فقہیہ،مقید مطلق کا ہمیشہ متغایر ہوتا ہے

مقید ہمیشہ مطلق کا متغایر ہوتا ہے۔(عنایہ)اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی حکم شرعی کا دیکھیں کہ اس کا مطلق حکم کیا ہے اور پھر اسی حکم کو تقید کو دیکھیں تو ان دونوں میں متغایرت ہوگی۔جس طرح نماز کا حکم ہے۔کہ مکمل نماز پڑھنا اس کا حکم مطلق ہے۔اور سفر شرعی کی صورت میں اس کا حکم مقید ہے اور حکم مطلق میں فرض چار رکعتوں کو پڑھنے والا حکم مقید کی حالت میں دو رکعتیں پڑھتا ہے جو ایک دوسرے کا متغایر ہیں۔اسی طرح مطلق ومقید کے تمام احکام اس قاعدے کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں اور ان باہمی فرق کی وجہ سے احکام کے سمجھنے میں آسانی بھی فراہم ہوتی ہے۔(رضوی عفی عنہ)

لام عاقبت ہونے میں فقہی دلائل کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ کے لیے اصلی چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کے کچھ حصہ کا کسی مسلمان محتاج کو،جو ہاشمی یا کسی ہاشمی کا آزاد کردہ غلام نہ ہو،ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کے ساتھ اس طرح مالک بنادے کہ خود اپنی کوئی غرض اس ادا کردہ مال کے ساتھ وابستہ نہ رکھے۔ایک معترض اس پر یہ کہہ سکتا ہے کہ تمھارا یہ کہنا کہ تملیک ادائیگی زکوٰۃ کے لیے رکن کی حیثیت رکھتی ہے محض ایک خالی خولی دعویٰ ہے،کیونکہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو نقلی دلیلیں وارد ہیں،ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس سے اس دعویٰ کا ثبوت مہیا ہوتا ہو۔لے دے کر اس باب میں جو چیز دلیل کی حیثیت رکھتی ہے،وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ

'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ '، لیکن اس کا حال بھی یہ ہے کہ تم (یعنی حنفیہ) 'لِلْفُقَرَآءِ ' کے "لام" کو "عاقبت" کے معنی میں لیتے ہو، تملیک کے معنی میں نہیں لیتے۔ جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ لام کو جو ہم "عاقبت" کے معنی میں لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مقبوضہ مال آخر کار ان کی ملک بن جائے گا۔ پس اپنی ابتدائی حیثیت میں تو یہاں فقرا اور مساکین کا ذکر مصارف زکوٰۃ بیان کرنے کے پہلو سے ہوا ہے، مستحقین کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے، لیکن لام اس بات پر دلیل ہے کہ بالآخران کو ملکیت حاصل ہو جائے گی۔ پس تملیک کا دعویٰ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں رہا۔" (فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۰، بیروت)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم 'وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ' کے ذریعہ سے مالکین نصاب کو زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور 'ایتاء' تملیک ہی ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام صدقہ رکھا ہے۔ ارشاد ہے: 'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ' اور تصدیق وہی تملیک ہے۔"

دوسری جگہ ہے، واما رکنہ فھو التملیك لقولہ تعالیٰ واتوا حقہ یوم حصادہ والایتاء ھو التملیك.

(بدائع الصنائع ۲/۶۴-۶۵)

رہا زکوٰۃ کا رکن تو وہ تملیک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: 'وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ' (اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق دو) یہاں 'ایتاء' سے مقصود ہی تملیک ہے۔

تملیک کی تائید میں جن نصوص کا حوالہ دیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں۔ اما النص فقولہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء وقولہ عزوجل فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم والاضافۃ بحرف اللام تقتضی الاختصاص بجھۃ الملك اذا کان المضاف الیہ من اھل الملك. (بدائع الصنائع ۲/۴)

رہا تملیک کے ثبوت میں نص تو اللہ تعالیٰ کا قول 'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ' (خیرات کا مال تو بس غریبوں کے لیے ہے) اور دوسری آیت ہے: 'فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ' (اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے ایک متعین حق ہے) حرف لام کے ذریعہ سے جب اضافت ہو تو وہ ملکیت کے پہلو سے اختصاص کو چاہتی ہے بشرطیکہ مضاف الیہ اہل ملک میں سے ہو۔

سیّد اور بنی ہاشم زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں

سید اور ہاشمی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، لہٰذا ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بنو ہاشم سے مراد حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر، حضرت حارث بن عبد المطلب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی اولاد ہے۔ سادات کرام اور بنی ہاشم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے ہدیے اور تحفے دیے جائیں اور ان میں سے جو لوگ نادار ہوں، انہیں اپنے مال میں سے زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقے کے طور پر دینا چاہیے اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرابت کی پاسداری کرتے ہوئے سادات کرام کی مدد کریں گے، وہ یقیناً اجر عظیم کے حقدار ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ یہ حسن سلوک ان کے

لیے وسیلۂ شفاعت بن جائے۔ سیّدہ وہ قرار پائے گا جس کا باپ سیّد ہو، کیونکہ اسلام میں نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے۔ لہٰذا سیّدہ کی غیرِ سیّد سے اولاد اگر مستحقِ زکوٰۃ ہے، تو اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اسی طرح سیّد کے نکاح میں اگر غیر سیّدہ بیوی ہے، تو اسے براہِ راست زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی صدقہ کا مال لینا حلال نہیں

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا اس نے ابورافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ اس میں سے تمہیں بھی کچھ حصہ مل جائے ابورافع نے کہا کہ میں ابھی نہیں جاؤں گا پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر پوچھتا ہوں کہ میں اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ لینے جاؤں یا نہیں! چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے جانے کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ ہمارے یعنی بنی ہاشم کے لیے حلال نہیں ہے اور مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام زکوٰۃ لینے کے معاملے میں اسی آزاد قوم کے حکم میں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

زکوٰۃ انسان کا میل ہے

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقات یعنی زکوٰۃ تو انسانوں کے میل ہیں، صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آل محمد (بنی ہاشم) کے لیے حلال ہے۔ (مسلم)

زکوٰۃ کو میل اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح انسان کا جسم میل اتارنے سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکالنے سے نہ صرف یہ کہ مال ہی پاک ہو جاتا ہے بلکہ زکوٰۃ دینے والے کے قلب وروح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا حرام تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد بنی ہاشم کو بھی زکوٰۃ لینی حرام ہے، خواہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں یا محتاج ومفلس ہوں چنانچہ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے۔

صدقہ کے مال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھانے کی کوئی چیز لائی جاتی تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بنی ہاشم کے علاوہ) اپنے دوسرے صحابہ سے فرماتے کہ کھالو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نہ کھاتے، اور اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست مبارک بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ اسے تناول فرماتے۔ (بخاری ومسلم)

صدقہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی محتاج وضرورت مند کو ازراہ مہربانی دیا جاتا ہے اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کی رضا حاصل ہو اور آخرت میں اس کا اجر وثواب ملے چونکہ صدقہ کا مال لینے والے کی ایک طرح سے ذلت اور کمتری محسوس ہوتی ہے اس

لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مطلقاً صدقہ لینا حرام تھا۔

ہدیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بڑے اور عظیم المرتبت شخص کی خدمت میں کوئی چیز از راہ تعظیم وتکریم پیش کرے۔ ہدیہ کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیاوی طور پر اس کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے بایں طور کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے تو وہ دنیا ہی میں اس کا اس طرح بدلہ بھی پاتا ہے کہ جسے اس نے ہدیہ دیا ہے وہ کسی وقت اسے بھی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیتا ہے جب کہ صدقہ میں اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بنو ہاشم کے غلام مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولیٰ کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ اہل ہاشم کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے۔ یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصوّر ہوتا ہے حتیٰ کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں اس کے ہاشمی موّلیٰ کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے، جیسا عامل میں گزرا ہے، اسی لیے مصنّف نے حقِ بنی ہاشم کی قید لگائی ہے۔ (محیط برہانی فی فقہ نعمانی، کتاب الزکوٰۃ، بیروت)

مکاتب کو زکوٰۃ دینے میں فقہی مذاہب اربعہ

فقہاء احناف کے نزدیک زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا جائز ہے۔ حضرت امام شافعی، امام مالک اور امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ، ۴، ص، ۱۸۲، حقانیہ ملتان)

زکوٰۃ کے سواہر صدقہ ذمی کو نہ دینے میں امام شافعی وامام ابو یوسف علیہما الرحمہ کی دلیل کا جواب

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت امام شافعی اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ فرماتے ہیں کہ ذمی کو کوئی صدقہ بھی دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر انہیں صدقہ دینا جائز ہوتا تو زکوٰۃ بھی جائز ہوتی۔ جب زکوٰۃ جو صدقات فرضیہ میں سے ہے اس کی ممانعت نص میں بیان ہوئی تو کوئی صدقہ بھی دینا جائز نہیں۔

جبکہ دیگر ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ ہر دین والوں کو صدقہ دو۔ اس میں لفظ کل میں عموم شامل ہے اور اگر حضرت معاذ رضی اللہ والی حدیث نہ ہوتی تو ہم زکوٰۃ دینے کے جواز بھی قائل ہوتے۔

اور جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ حربیوں کے بارے میں ہے اور انہی کے ساتھ خاص رہے گی۔ جس طرح قرآن مجید میں یہ نص وارد ہوئی ہے۔'' (إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ) '' لہٰذا یہاں ممانعت خاص اہل حرب کے لئے ہو گی اور یہاں پر یہ اصول بھی معلوم ہوا ہے۔

جو روایت میں کلمہ ''کل'' استعمال ہوا ہے یہ ادیان کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ اہل ادیان کی تاکید کے لئے استعمال ہوا ہے

اگر ہمارے نزدیک یہاں مخصص مقارن ہے۔ اور بات اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی کہ یہاں نہی نیکی سے اعراض کرنے میں ہے۔ لہٰذا وہ صدقے سے متعلق نہ ہوگی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۳، ص ۲۰۳، بیروت)

فقہی تصریحات کے مطابق اہل حرب کو کچھ دینا اصلاً قربت نہیں تو وہاں صدق تصدق ناممکن اور قطعاً حاصلِ حدیث یہ کہ جن کو دینا قربت ہے وُہ کسی دین کے ہوں ان پر تصدق کرو یہ ضرور صحیح ہے اور صرف اہلِ ذمہ کو شامل نصرانی ہوں خواہ یہودی خواہ مجوسی خواہ وثنی، کسی دین کے ہوں، اگر وُہ قول لیں کہ غنی کو دینا صدقہ نہیں ہوسکتا تو مسلمان غنی بھی اس عموم اہل الادیان کلہا میں نہیں آسکا کہ وہ محلِ صدقہ ہی نہیں اور کلام تصدق میں ہے، یہی جواب اس حدیث سے ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے، ورنہ صحیح مسلم شریف کی صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو وزغ (گرگٹ، چھپکلی) کو ایک ضرب مارے سو نیکیاں پائے۔ اسی دوسری حدیث میں ہے۔ جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے گویا ایک مشرک حلال الدم کو قتل کیا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۹۵، بیروت)

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
اور ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ تو کان (کے کچے) ہیں۔ فرما دیجئے: تمہارے لئے بھلائی کے کان ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہیں، اور جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نبی کریم ﷺ پر نکتہ چینی کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہونے کا بیان

"وَمِنْهُمْ" اَیْ الْمُنَافِقِيْنَ "الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ" بِعَيْبِهٖ وَبِنَقْلِ حَدِيْثِهٖ "وَيَقُوْلُوْنَ" اِذَا نُهُوا عَنْ ذٰلِكَ لِئَلَّا يُبَلِّغَهُ "هُوَ اُذُن" اَیْ يَسْمَع كُلّ قِيْل وَيَقْبَلهُ فَاِذَا حَلَفْنَا لَهُ اَنَّا لَمْ نَقُلْ صَدَّقَنَا "قُلْ" هُوَ "اُذُن" مُسْتَمِع "خَيْر لَكُمْ" لَا مُسْتَمِع شَرّ "يُؤْمِن بِاللّٰهِ وَيُؤْمِن" يُصَدِّق "لِلْمُؤْمِنِيْنَ" فِيْمَا اَخْبَرُوْهُ بِهٖ لَا لِغَيْرِهِمْ وَاللَّام زَائِدَة لِلْفَرْقِ بَيْن اِيْمَان التَّسْلِيْم وَغَيْره "وَرَحْمَة" بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى اُذُن وَالْجَرّ عَطْفًا عَلٰى خَيْر، وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ،

اور ان منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عیب لگا کر اور سرگوشیاں کر کے ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں، یعنی جب ان کو اس سے منع کیا جاتا ہے کہ کہیں بات آپ ﷺ تک نہ پہنچ جائے تو وہ کہتے ہیں وہ تو کان کے کچے ہیں۔ یعنی جو بھی ان سے کہہ دیا جائے وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں اگرچہ ہم ان کے پاس جا کر قسم بھی اٹھالیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی پھر ہمیں سچا نہیں کہتے۔ فرما دیجئے، تمہارے لئے بھلائی کی باتیں سنتے ہیں۔ جبکہ تمہارے نقصان کی باتیں نہیں سنتے، وہ اللہ پر ایمان

رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان کی باتوں پر یقین کرتے ہیں یعنی ان کی تصدیق کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں یعنی جب اس کی آپ کو خبر دی جاتی ہے نہ اس کے سوا کی خبر کی تصدیق کرتے ہیں یہاں پر لام زائدہ ہے جو ایمان تسلیم اور ایمان تصدیق کے درمیان فرق کرنے کے لئے آیا ہے۔ ان کے لئے رحمت ہیں، یہاں ہر رحمت اذن پر عطف کے سبب مرفوع جبکہ خیر پر عطف کے سبب مجرور ہوگی۔ اور جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (اپنی بدعقیدگی، بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

سورہ برأت آیت ۶۱ کے شانِ نزول کا بیان

منافقین اپنے جلسوں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ناشائستہ باتیں بکا کرتے تھے۔ ان میں سے بعضوں نے کہا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوگئی تو ہمارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ جلاس بن سوید منافق نے کہا ہم جو چاہیں کہیں حضور کے سامنے مکر جائیں گے اور قسم کھالیں گے وہ تو کان ہیں ان سے جو کہہ دیا جائے سن کر مان لیتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ فرمایا کہ اگر وہ سننے والے بھی ہیں تو خیر اور صلاح کے سننے اور ماننے والے ہیں شر اور فساد کے نہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقین میں سے ایک شخص نبتل بن حارث کے متعلق نازل ہوئی یہ برص زدہ تھا سرخ آنکھوں والا، سرخی مائل سیاہ گالوں والا بدشکل آدمی تھا یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے یہ نبی کریم ﷺ کی باتیں منافقین کی طرف چغلی کیا کرتا تھا اس سے کسی نے کہا ایسا نہ کر تو اس نے کہا محمد تو کان ہیں جو بھی ان سے کوئی بات کرے یہ اس کی تصدیق کر دیتے ہیں ہم جو چاہتے ہیں کہتے ہیں پھر ان کے پاس جا کر ان کے سامنے قسم اٹھا لیتے ہیں تو یہ ہماری تصدیق کر دیتے ہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (طبری 10۔116)

نبی کریم ﷺ کے گستاخ وموذی کی سزا قتل ہونے کا بیان

حضرت ابو برزہ فرماتے ہیں: "میں حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے، تو وہ شخص درشت کلامی پر اتر آیا۔ میں نے کہا: اے خلیفۂ رسول ﷺ آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں؟ میرے ان الفاظ سے ان کا سارا غصہ جاتا رہا، وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، اور مجھے بلا لیا اور فرمایا: "اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو تم یہ کر گزرتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ ضرور کرتا؛ آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم یہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں یعنی بدکلامی اور گستاخی کی وجہ سے گردن اڑا دی جائے۔ (ابوداؤد ۲/۲۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں بنی خطمہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی؛ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کون اس سے نجات دلائے گا، اس کی قوم کا ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کام کے لیے میں ہوں اور اس نے جا کر اس عورت کو قتل کر دیا۔ (مسند شہاب للقضاعی ۲/۴۶)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ قرآن حدیث اور اجماع امت سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حقوق میں

سب سے پہلے واجب ہونے والی چیز آپ ﷺ کی توقیر اور عزت اور تعظیم ہے۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ ﷺ کو تکلیف دینا حرام ٹھہرایا ہے۔اور تمام امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کو گالی دینا، ایذا رسانی کرنا حرام ہے، اور موجب کفر و نفاق ہے۔

اور فرماتے ہیں اس بات پر اجماع منعقد ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص رسول کریم ﷺ کی توہین کرے، یا آپ ﷺ کو گالی دے، تو اسے قتل کیا جائے گا۔اسی طرح دیگر علماء نے بھی رسول کریم ﷺ کی توہین کرنے والے کے واجب قتل اور کافر ہونے کے بارے میں اجماع نقل کیا ہے۔

مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے گستاخ رسول ﷺ کے بارے میں امام ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اہانت اور ایذا رسانی کا قصد کیا، اور وہ مسلمان کہلاتا ہو، تو وہ مرتد اور واجب قتل ہے۔(احکام القرآن ۸۶/۳)

علامہ شامی درمختار میں فرماتے ہیں کہ اشباہ میں ہے کہ مدہوش آدمی کے مرتد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔یعنی کوئی ایسا کام کرنا یا بول کہنا جس سے مرتد ہونا لازم آتا ہو؛ اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا کیوں کہ یہ نشہ میں مست ہے، البتہ کوئی نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور معاف نہیں کیا جائے گا۔

يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ۝
تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زیادہ حق دار ہے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے (تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرتے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ایک ہونے کا بیان

"يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ" اَيُّهَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ فِيۡمَا بَلَغَكُمۡ عَنۡهُمۡ مِنۡ اَذَى الرَّسُوۡلِ اَنَّهُمۡ مَا اَتَوۡهُ "لِيُرۡضُوۡكُمۡ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡله اَحَقّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ" بِالطَّاعَةِ وَتَوۡحِيۡد الضَّمِير لِتَلَازُمِ الرِّضَاءَيۡنِ اَوۡ خَبَر اللّٰه وَرَسُوۡله مَحۡذُوۡف "اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ" حَقًّا،

اے ایمان والو! یہ منافقین بارگاہ رسالت ﷺ میں گستاخیاں کرنے کے بعد تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کی تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ حق دار ہے کہ طاعت اور توحید سے اسے راضی کیا جائے۔یہاں پر یرضوہ میں ضمیر واحد کی جس کا مرجع یا لفظ اللہ یعنی اللہ کی ذات ہے یا لفظ رسول یعنی رسول مکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔اور وہی اس کی خبر ہے۔جو محذوف ہے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے۔تو یہ حقیقت جان لیتے اور رسول صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو راضی کرتے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راضی ہونے سے ہی اللہ راضی ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں کی رضا ایک ہے۔

سورہ برأت آیت ۶۲ کے شانِ نزول کا بیان

منافقین اپنی مجلسوں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے پاس آ کر اس سے مکر جاتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی بریّت ثابت کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھانے سے زیادہ اہم اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا تھا اگر ایمان رکھتے تھے تو ایسی حرکتیں کیوں کیں جو خدا اور رسول کی ناراضی کا سبب ہوں۔

سدی کہتے ہیں کہ منافقین میں سے کچھ لوگ جمع ہوئے ان میں جلاس بن سوید بن صامت اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے انہوں نے نبی کی غیبت کرنے کا ارادہ کیا ان کے پاس اس وقت ایک انصاری لڑکا عامر بن قیس بھی موجود تھا لیکن انہوں نے اسے حقیر جانا اور اپنی گفتگو کر دی اور کہا کہ اگر محمد ﷺ جو کہتے ہیں سچ ہے تو پھر تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں وہ لڑکا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اس کی خبر دی آپ نے انہیں بلایا اور ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے قسم اٹھالی کہ کہ عامر جھوٹا ہے اور عامر نے اس بات پر قسم کھالی کہ یہ جھوٹے ہیں اور کہا اے اللہ ہمارے متفرق ہونے سے پہلے جھوٹ اور سچے کو سچ کو ظاہر فرما۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ) اور یہ آیت نازل فرمائی۔ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ۔ مومنو یہ لوگ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش کر دیں۔ (درمنثور 3-353)

نادان اور کوڑ مغز منافقین کی جھوٹی قسموں کا بیان

واقعہ یہ ہوا تھا کہ منافقوں میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمارے سردار اور رئیس بڑے ہی عقل مند دانا اور تجربہ کار ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں حق ہوتیں تو یہ کیا ایسے بیوقوف تھے کہ انہیں نہ مانتے؟ یہ بات ایک سچے مسلمان صحابی نے سن لی اور اس نے کہا واللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب باتیں بالکل سچ ہیں اور نہ ماننے والوں کی بیوقوفی اور کوڑ مغز ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب یہ صحابی دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے تو یہ واقعہ بیان کیا کہ آپ نے اس شخص کو بلوا بھیجا لیکن وہ سخت قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں یہ تو مجھ پر تہمت باندھتا ہے اس صحابی نے دعا کی کہ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا اس پر یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کے مخالف ابدی اور جہنمی ہیں۔ ذلت و رسوائی عذاب دوزخ بھگتنے والے ہیں اس سے بڑھ کر شومی طالع اس سے زیادہ رسوائی اس سے بڑھ کر شقاوت اور کیا ہوگی؟ (ابن کثیر)

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ٥
کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا، یہی بڑی رسوائی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے کے لئے جہنم ہونے کا بیان

"اَلَمْ يَعْلَمُوا" بِ "اَنَّهُ" اَىِ الشَّاْن "مَنْ يُّحَادِدْ" يُشَاقِقْ "اللّٰهَ وَرَسُوْلَه فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ" جَزَاءً، خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْىُ الْعَظِيْمُ،

کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کے لیے جہنم کی سزا آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا، یہی بڑی رسوائی ہے۔

منافقین کی ایک رسوائی تو اس وقت ہوتی ہے جب ان کی کوئی سازش اور دغابازی سب لوگوں کے سامنے آجاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو مزید جھوٹی باتیں بنا کر اور قسمیں کھا کر اپنی طرف سے مسلمانوں کو اپنی صفائی کی یقین دہانی کرانا پڑتی ہے اور یہ رسوائی اس رسوائی کے مقابلہ میں بہت ہلکی ہے جو انہیں قیامت کے دن سب کے سامنے اٹھانا پڑے گی۔ جب ان کی یہ سب شرارتیں کھل کر سامنے آجائیں گی اور معذرتوں کا بھی موقع نہ ہوگا پھر انہیں جہنم کا دائمی عذاب بھگتنا پڑے گا۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ
قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○
منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل کردی جائے جو انہیں ان باتوں سے خبردار کردے جو
ان (منافقوں) کے دلوں میں ہیں۔ فرما دیجئے، تم مذاق کرتے رہو، بیشک اللہ وہ ظاہر فرمانے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو۔

منافقین کا منافقت کے ظہور سے خفا ہو جانے کا بیان

"يَحْذَرُ" يَخَافُ "الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ" اَىِ الْمُؤْمِنِيْنَ "سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ" مِنَ النِّفَاقِ وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ يَسْتَهْزِئُوْنَ "قُلِ اسْتَهْزِئُوْا" اَمْرُ تَهْدِيْد "اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ" مُظْهِرٌ "مَا تَحْذَرُوْنَ" اِخْرَاجَه مِنْ نِفَاقِكُمْ،

منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل کردی جائے جو انہیں ان باتوں سے خبردار کردے جو ان منافقوں کے دلوں میں مخفی منافقت ہے حالانکہ وہ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ فرما دیجئے، تم مذاق کرتے رہو، یہ ان کے لئے تہدید کا امر ہے بیشک اللہ وہ بات ظاہر فرمانے والا ہے جس سے تم ڈر رہے ہو۔ یعنی تمہاری منافقت کو ظاہر کرنے والا ہے۔

سورہ برأت آیت ۶۴ کے شان نزول کا بیان

سدی کہتے ہیں کہ کسی منافق نے کہا اللہ کی قسم میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ میں آؤں اور مجھے سو کوڑے لگائے جائیں لیکن ہمارے بارے میں کوئی ایسی چیز نازل نہ ہو جو ہمیں رسوا کردے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (قرطبی 8-195)

مجاہد کہتے ہیں کہ وہ آپس میں گفتگو کر لیتے اور پھر کہتے کاش کہ اللہ ہمارے بھید کو فاش نہ کرے۔ (زادالمسیر 3-463)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ستر منافقین کے نام مع ان کی ولدیت اور پورے نشان پتے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیے تھے، مگر رحمۃ للعالمین نے ان کو لوگوں پر ظاہر نہیں فرمایا۔ (تفسیر مظہری، سورہ توبہ، بیروت)

منافقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھبراتے بھی ہیں

آپس میں بیٹھ کر باتیں تو گانٹھ لیتے لیکن پھر خوف زدہ رہتے کہ کہیں اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو بذریعہ وحی الٰہی خبر نہ ہو جائے اور آیت میں ہے تیرے سامنے آ کر وہ دعائیں دیتے ہیں جو اللہ نے نہیں دیں پھر اپنے جی میں اکڑتے ہیں کہ ہمارے اس قول پر اللہ ہمیں کوئی سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لئے جہنم کی کافی سزا موجود ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں فرماتا ہے دینی باتوں اور مسلمانوں کی حالت پر دل کھول کر مذاق اڑا لو۔ اللہ بھی وہ راز افشاء کر دے گا جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یاد رکھو ایک دن رسوا اور ذلیل ہو کر رہو گے۔ چنانچہ فرمان ہے کہ یہ بیمار دل لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دلوں کی بدیاں ظاہر ہی نہ ہوں گی۔ ہم تو انہیں اس قدر فضیحت کریں گے اور ایسی نشانیاں تیرے سامنے رکھ دیں گے کہ تو ان کے لب و لہجے سے ہی انہیں پہچان لے گا۔ اس سورت کا نام ہی سورۃ الفاضحہ ہے اس لئے کہ اس نے منافقوں کی قلعی کھول دی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف (سفر کاٹنے کے لئے) بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔
فرما دیجئے، کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مذاق کرنے والے منافقین کا بیان

"وَلَئِنْ" لَامُ قَسَم "سَاَلْتَهُمْ" عَنِ اسْتِهْزَائِهِمْ بِكَ وَالْقُرْاٰن وَهُمْ سَائِرُوْنَ مَعَكَ اِلٰى تَبُوْك "لَيَقُوْلُنَّ" مُعْتَذِرِيْنَ "اِنَّمَا كُنَّا نَخُوض وَنَلْعَب" فِي الْحَدِيث لِنَقْطَع بِهِ الطَّرِيق وَلَمْ نَقْصِد ذٰلِكَ "قُلْ" لَهُمْ،

یہاں پر لئن میں لام قسم ہے۔ اور اگر آپ ان سے ان کا وہ مذاق جو آپ ﷺ اور قرآن کے ساتھ ہے، حالانکہ وہ سارے تبوک میں آپ ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ وہ دریافت کریں تو وہ ضرور معذرت کرتے ہوئے یہی کہیں گے کہ ہم تو صرف سفر کاٹنے کے لئے بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ ورنہ ہمارا کوئی مقصد نہ تھا فرما دیجئے، کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔

سورہ برأت آیت ۶۵ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے منافقین کے تین نفروں میں سے دو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بہ طور مذاق کہتے تھے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ روم پر غالب آ جائیں گے، کتنا بعید خیال ہے اور ایک نفر بولتا تو نہ تھا مگر ان باتوں

کون کر ہنستا تھا۔ حضور نے ان کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا ہم راستہ کاٹنے کے لئے ہنسی کھیل کے طور پر دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ان کا یہ عذر و حیلہ قبول نہ کیا گیا اور ان کے لئے یہ فرمایا گیا جو آگے ارشاد ہوتا ہے۔ (طبری 10۔119)

زید بن اسلم اور محمد بن وہب کہتے ہیں کہ ایک منافق نے غزوہ تبوک میں کہا میں نے اپنے ان قراء سے بڑھ کر بسیار خور، جھوٹا اور لڑائی کے وقت بزدل نہیں دیکھا اور اس کی مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے حضرت عوف بن مالک نے کہا تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو ہی منافق ہے میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دوں گا۔

چنانچہ عوف رسول اللہ ﷺ کو خبر دینے کے لیے چلے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ قرآن ان سے پہلے نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ چکا تھا وہ آدمی بھی کوچ کر کے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے ہم اس کے ذریعے سفر میں دل بہلا رہے تھے۔ (طبری 10۔119)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے آگے آگے چل رہا تھا آپ کو پتھر لگ رہے تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے اور نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے (اباللہ و آیاتہ و رسولہ کنتم تستھزؤن) فرما دو کیا تم خدا اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ (نیسابوری 211، سیوطی 142)

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۝
تم معذرت مت کرو، بیشک تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے ہو، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں
(تب بھی) دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

منافقین کے عذر کے قبول نہ ہونے کا بیان

"لَا تَعْتَذِرُوْا" عَنْهُ "قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" اَیْ ظَهَرَ كُفْرُكُمْ بَعْدَ اِظْهَارِ الْاِيْمَانِ "اِنْ يُّعْفَ" بِالْيَاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُوْلِ وَالنُّوْنِ مَبْنِيًّا لِلْفَاعِلِ "عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ" بِاِخْلَاصِهَا وَتَوْبَتِهَا كَجَحْشِ بْنِ حِمْيَر "نُعَذِّبْ" بِالتَّاءِ وَالنُّوْنِ "طَائِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ" مُصِرِّيْنَ عَلَى النِّفَاقِ وَالِاسْتِهْزَاءِ ،

اب تم معذرت مت کرو، بیشک تم اپنے ایمان کے اظہار کے بعد کافر ہو گئے ہو، یہاں پر ان یعف یاء کے ساتھ مجہول آیا ہے اور نون کی صورت میں معروف آیا ہے۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو ان کے اخلاص اور توبہ کے سبب معاف بھی کر دیں جس طرح جحش بن حمیر ہیں تب بھی دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے یہاں پر نعذب یہ تاء اور نون دونوں طرح آیا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔ یعنی وہ منافقت اور مذاق پر اصرار کرنے والے ہیں۔

منافقت سے سچی توبہ کرنے والے عبدالرحمٰن کا واقعہ

امام محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ تبوک جاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منافقوں کا ایک گروہ بھی تھا جن میں ودیعہ بن ثابت اور فحش بن حمیر وغیرہ تھے یہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ نصرانیوں کی لڑائی کو عربوں کی آپس کی لڑائی جیسی سمجھنا سخت خطرناک غلطی ہے اچھا ہے انہیں وہاں پٹنے دو پھر ہم بھی یہاں ان کی درگت بنائیں گے۔ ان پر ان کے دوسرے سردار فحش نے کہا بھئی ان باتوں کو چھوڑ دو ورنہ یہ ذکر پھر قرآن میں آئے گا۔ کوڑے کھا لینا ہمارے نزدیک تو اس رسوائی سے بہتر ہے۔ آگے آگے یہ لوگ یہ تذکرے کرتے جا ہی رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا جانا ذرا دیکھنا یہ لوگ جل گئے ان سے پوچھ تو کہ یہ کیا ذکر کر رہے تھے؟ اگر یہ انکار کریں تو تو کہنا کہ تم یہ باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمار نے جا کر ان سے یہ کہا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ حضور ہنسی ہنسی میں ہمارے منہ سے ایسی بات نکل گئی، ودیعہ نے تو یہ کہا لیکن فحش بن حمیر نے کہا یا رسول اللہ آپ میرا اور میرے باپ کا نام ملاحظہ فرمایئے پس اس وجہ سے یہ لغو حرکت اور حماقت مجھ سے سرزد ہوئی معاف فرمایا جاؤں۔ پس اس سے جناب باری نے درگذر فرمالیا اور اس آیت میں اسی سے درگذر فرمانے کا ذکر بھی ہوا ہے اس کے بعد اس نے اپنا نام بدل لیا عبدالرحمٰن رکھا سچا مسلمان بن گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے اپنی راہ میں شہید کرنا کہ یہ دھبہ دھل جائے چنانچہ یمامہ والے دن یہ بزرگ شہید کر دیئے گئے اور ان کی نعش بھی نہ ملی۔

(سیرت ابن اسحاق)

ان میں ایک شخص تھا جسے انشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہوگا یہ کہا کرتا تھا کہ یا اللہ میں تیرے کلام کی ایک آیت سنتا ہوں جس میں میرے گناہ کا ذکر ہے جب بھی سنتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور میرا دل کپکپانے لگتا ہے۔ پروردگار تو میری توبہ قبول فرما اور مجھے اپنی راہ میں شہید کر اور اس طرح کہ نہ کوئی مجھے غسل دے نہ کفن دے نہ دفن کرے یہی ہوا جنگ یمامہ میں یہ شہداء کے ساتھ شہید ہوئے تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں لیکن انکی نعش کا پتہ ہی نہ چلا۔ جناب باری کی طرف سے اور منافقوں کو جواب ملا کہ اب بہانے نہ بناؤ تم زبانی ایماندار بنے تھے لیکن اب اسی زبان سے تم کافر ہو گئے یہ قول کفر کا کلمہ ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن کی ہنسی اڑائی۔ ہم اگر کسی سے درگذر بھی کر جائیں لیکن تم سب سے یہ معاملہ نہیں ہونے کا تمہارے اس جرم اور اس بدترین خطا اور اس کافرانہ گفتگو کی تمہیں سخت ترین سزا بھگتنا پڑے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ یہ لوگ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور
اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ نے انہیں فراموش کر دیا، بیشک منافقین ہی نافرمان ہیں۔

منافق مردوعورتوں کی باہمی مشابہت کا بیان

"اَلْمُنَافِقُوْنَ وَالْمُنَافِقَات بَعْضهمْ مِنْ بَعْض " اَیْ مُتَشَابِهُوْنَ فِی الدِّیْن کَاَبْعَاضِ الشَّیْء الْوَاحِد "یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ" الْكُفْر وَالْمَعَاصِی "وَیَنْهَوْنَ عَنْ الْمَعْرُوْف" الْاِیْمَان وَالطَّاعَة "وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیهمْ" عَنْ الْاِنْفَاق فِی الطَّاعَة "نَسُوْا اللّٰه" تَرَكُوا طَاعَته "فَنَسِیَهُمْ" تَرَكَهُمْ مِنْ لُطْفه،اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ هُمْ الْفَاسِقُوْنَ،

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔یعنی دین کے حکم میں ایک چیز کے اجزاء کے مشابہ ہیں یہ لوگ بری باتوں یعنی کفر اور گناہوں سے کا حکم دیتے ہیں اور اچھی باتوں یعنی ایمان واطاعت سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بند رکھتے ہیں،انہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا تو اللہ نے انہیں اپنی عطاء سے فراموش کر دیا،بیشک منافقین ہی نافرمان ہیں۔

منافقین کو اجر سے بھلا دیا جائے گا

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں کہ ہاتھ بند رکھنے سے مراد ترک جہاد اور حقوق واجبہ کا ادا نہ کرنا ہے،(آیت)نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ،اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا،اللہ تعالیٰ تو نسیان اور بھول سے پاک ہیں،مراد اس جگہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے احکام کو اس طرح چھوڑ دیا جیسے بھول گئے ہوں،تو اللہ تعالیٰ نے بھی ثواب آخرت کے معاملہ میں ان کو ایسا ہی کر چھوڑا کہ نیکی اور ثواب میں کہیں ان کا نام نہ رہا۔(تفسیر قرطبی،سورہ برأت،بیروت)

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ
هِیَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝
اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ دوزخ کا وعدہ فرما رکھا ہے(وہ)اس میں ہمیشہ رہیں گے،
وہ(آگ)انہیں کافی ہے،اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے ہمیشہ برقرار رہنے والا عذاب ہے۔

منافق مردوں اور منافق عورتوں کے لئے جہنم کے وعدے کا بیان

"وَعَدَ اللّٰه الْمُنَافِقِیْنَ وَالْمُنَافِقَات وَالْكُفَّار نَار جَهَنَّم خَالِدِیْنَ فِیْهَا هِیَ حَسْبهمْ" جَزَاء وَعِقَابًا "وَلَعَنَهُمْ اللّٰه" اَبْعَدهمْ عَنْ رَحْمَته "وَلَهُمْ عَذَاب مُقِیْم" دَائِم،

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ دوزخ کا وعدہ فرما رکھا ہے یعنی اس کا عذاب ان کے لئے کافی ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،وہ آگ انہیں کافی ہے،اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے یعنی ان کو رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے ہمیشہ برقرار رہنے والا عذاب ہے۔

قبر میں منافق کو لوہے کے ہتھوڑے سے سزا دینے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور (اس کو دفن کر کے) پیٹھ پھیر لی جاتی ہے اور اس کے ساتھی رخصت ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ جوتوں کی آواز کو سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں کہ اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے جہنم کے ٹھکانے کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ٹھکانہ عطاء کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان دونوں چیزوں (جنت اور جہنم) کو دیکھے گا اور کافر یا منافق کہے گا کہ میں نہیں جانتا میں تو وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے تو کہا جائے گا تو نے نہ جانا اور نہ سمجھا، پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جائے گا تو وہ چیخ مارے گا اور اس کی چیخ کو جن وانس کے سوا اس کے آس پاس کی چیزیں سنتی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1278)

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○
ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے تھے، وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور اموال اور اولاد میں بہت زیادہ تھے۔ تو انھوں نے
اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا، پھر تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا، جس طرح ان لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا
جو تم سے پہلے تھے اور تم نے فضول باتیں کیں، جس طرح انھوں نے فضول باتیں کیں۔ یہ لوگ ان کے اعمال دنیا
اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

منافقین کے اعمال دنیا و آخرت سے ضائع ہو چکے ہیں

اَنْتُمْ اَيُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ "كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا" تَمَتَّعُوْا "بِخَلَاقِهِمْ" نَصِيْبِهِمْ مِنَ الدُّنْيَا "فَاسْتَمْتَعْتُمْ" اَيُّهَا الْمُنَافِقُوْنَ "بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ" فِي الْبَاطِلِ وَالطَّعْنِ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَالَّذِيْ خَاضُوْا" اَيْ كَخَوْضِهِمْ، اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ،

اے منافقو! تم ان لوگوں کی طرح جو تم سے پہلے تھے، وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور اموال اور اولاد میں بہت زیادہ تھے۔ تو انھوں نے اپنے حصے سے دنیا میں فائدہ اٹھایا، پھر اے منافقو تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا، جس طرح ان لوگوں نے اپنے حصے

سے فائدہ اٹھایا جو تم سے پہلے تھے اور تم نے فضول باتیں کیں، یعنی باطل کو اپنایا اور نبی کریم ﷺ پر اعتراض کیے جس طرح انھوں نے فضول باتیں کیں۔ یہ لوگ وہ ہیں ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کالذین من قبلکم ۔ میں ک محل رفع میں ہے بمعنی تم بھی اپنے سے پہلے آدمیوں کی طرح ہو۔ یا ک محل نصب میں ہے بمعنی تم نے بھی وہی کام کیا جو تم سے پہلوں نے کیا تھا۔ ای انتم کالذین من قبلکم۔ تم بھی اپنے سے پہلوں کی طرح ہو۔

کانوا اشد منکم ۔ اشد شدۃ سے افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ کانوا کے عمل سے منسوب ہے (اسی وجہ سے اکثر منصوب ہے) تم سے زیادہ طاقتور تھے اور اہل واولاد کی کثرت میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔

فاستمتعوا ۔ انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ استمتاع (استفعال) سے۔ مال ومتاع سے فائدہ اٹھانا۔ کام میں لانا۔ برتنا۔ متع مادہ، خلاقھم۔ مضاف مضاف الیہ۔ ان کا حصہ۔ فاستمتعتم بخلاقکم کما استمتع الذین من قبلکم بخلاقھم۔ تم نے بھی اپنے (دنیاوی) حصہ کا ویسے ہی فائدہ اور لطف اٹھایا۔ جیسا تم سے پہلوں نے اپنے (دنیاوی) حصہ سے فائدہ اور لطف اٹھایا تھا۔ خضتم۔ تم نے بحث وتمحیص۔ خاض یخوض (نصر) خوض سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ خوض کے معنی ہیں فضول بحث۔ بیہودہ گوئی۔ باتیں بنانا۔ اس کے اصل معنی پانی میں گھسنے کے ہیں بطور استعارہ سب کاموں میں گھسنے کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرنے والوں کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں جیسے آج کی رات کل کی رات سے مشابہ ہوتی ہے اسی طرح اس امت میں بھی یہودیوں کی مشابہت آ گئی میرا تو خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے طریقوں کی تابعداری کرو گے بالکل بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے بل میں گھسے ہیں تو یقیناً تم بھی گھسو گے لوگوں نے پوچھا اس سے مراد آپ کی کون لوگ ہیں؟ کیا اہل کتاب؟ آپ نے فرمایا اور کون؟

اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کے ان لفظوں کو پڑھ لو (كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً ، التوبہ:69) حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں خلاق سے مراد دین ہے۔ اور تم نے بھی اسی طرح کا خوض کیا جس طرح کا انہوں نے۔ لوگوں نے پوچھا کیا فارسیوں اور رومیوں کیطرح؟ آپ نے فرمایا اور لوگ ہی ہیں کون؟ اس حدیث کے مفہوم پر شاہد صحیح احادیث میں بھی ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ توبہ، بیروت)

اَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○
کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جوان سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے
اور الٹی ہوئی بستیوں والے، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا
اور لیکن وہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

سابقہ امم کے واقعات ہلاکت سے سبق وعبرت حاصل کرنے کا بیان

"اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ" خَبَرَ "الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ" قَوْمِ هُوْدٍ "وَثَمُوْدَ" قَوْمِ صَالِحٍ "وَقَوْمِ اِبْرَاهِيْمَ وَاَصْحَابِ مَدْيَنَ" قَوْمِ شُعَيْبٍ "وَالْمُؤْتَفِكَاتِ" قُرٰى قَوْمِ لُوطٍ اَىْ اَهْلُهَا "اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ فَكَذَّبُوْهُمْ فَاُهْلِكُوْا "فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ" بِاَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ "وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ" بِارْتِكَابِ الذَّنْبِ،

کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے؟ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود یعنی صالح علیہ السلام کی قوم اور ابراہیم کی قوم اور مدین والے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، اور الٹی ہوئی بستیوں والے، یعنی قوم کی لوط کی بستیاں ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں یعنی معجزات لے کر آئے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا تو وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ تو اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے یعنی ان کو گناہوں کے بغیر عذاب دے اور لیکن وہ گناہوں کے ارتکاب کے سبب اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

قوم عاد، ثمود، نوح، ابراہیم وغیرہ وغیرہ ایسی اقوام تھیں جن کی شان وشوکت تم لوگوں سے بڑھ کر تھی۔ انہوں نے تم سے بہت زیادہ عیش وعشرت سے زندگی بسر کی تھی۔ وہ لوگ طاقت کے لحاظ سے بھی تم سے مضبوط تر تھے اور مال اور اولاد کے لحاظ سے بھی تم سے بہت آگے تھے۔ وہ لوگ بھی دنیا میں مست ہو کر آیات کو بھول گئے تھے۔ اس کی نافرمانیوں پر اتر آئے اور اللہ کی آیات سے مذاق اور دل بہلاوے کرنے لگے تھے۔ اور آج تم بھی بعینہ وہی کچھ کر رہے ہو۔ اللہ کو بھول جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی نے دنیا میں کوئی اچھے کام کیے بھی ہوں تو آخرت میں وہ سب رائیگاں جائیں گے کیونکہ اعمال کی جزا تو صرف اس صورت میں ملتی ہے کہ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان ہو اور جب یہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو پھر جزاء کیسی؟ اور اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو اس کی کی ہوئی محنت کا ثمرہ ہی نہ مل سکے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○
اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں
اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ
ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

اہل ایمان کی باہمی دوستی کا بیان

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَات بَعْضهمْ اَوْلِيَاء بَعْض يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنْ الْمُنْكَر وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاة وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاة وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰه وَرَسُوْله اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمْ اللّٰه اِنَّ اللّٰه عَزِيْز" لَا يُعْجِزهُ شَيْء عَنْ اِنْجَاز وَعْده وَوَعِيده "حَكِيْم" لَا يَضَع شَيْئًا اِلَّا فِيْ مَحَلّه،

اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، یعنی کوئی چیز اس کو وعدہ ووعید پورا کرنے میں عاجز کرنے والی نہیں ہے۔ حکمت والا ہے۔ یعنی اس نے کسی چیز کو اس کے محل کے سوا کسی دوسری جگہ پر نہیں رکھا۔

مؤمن آپس ہمیں ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بندوں کی مثال ان کی آپس میں محبت اور اتحاد اور شفقت میں جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کے سارے جسم کو نیند نہیں آئے اور بخار چڑھ جانے میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2085)

مسلمان مردوں کی طرح مسلمان عورتوں کے جذبہ جہاد کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے غزوہ حنین کے دن ان کے پاس جو خنجر تھا وہ لیا۔ حضرت ابوطلحہ (ام سلیم کے ہاتھ میں خنجر) دیکھا تو عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ام سلیم ہیں جن کے پاس ایک خنجر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ خنجر کیسا ہے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اگر مشرکوں میں سے کوئی مشرک میرے پاس آئے گا تو میں اس کے ذریعہ سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے طلقاء میں سے وہ لوگ کہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکست کھائی ہے کیا میں ان کو قتل کر دوں یعنی جو فتح مکہ کے موقع پر مکہ والوں میں سے مسلمان ہوئے ان کے شکست

کھا جانے کے وجہ سے ام سلیم نے ان کو منافق سمجھا اس لئے ان کو قتل کرنے کا عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلیم بے شک اللہ کافی ہے اور اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 183)

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۠
اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے جنتوں کا وعدہ فرما لیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ایسے پاکیزہ مکانات کا بھی (وعدہ فرمایا ہے) جو جنت کے خاص مقام پر سدا بہار باغات میں ہیں، اور (پھر) اللہ کی رضا اور خوشنودی (ان سب نعمتوں سے) بڑھ کر ہے (جو بڑے اجر کے طور پر نصیب ہوگی)، یہی زبردست کامیابی ہے۔

اللہ کی رضا کا سب سے عظیم ہونے کا بیان

"وَعَدَ اللّٰه الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَات جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْاَنْهَار خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسَاكِن طَيِّبَة فِيْ جَنَّات عَدْن" اِقَامَة "وَرِضْوَان مِنْ اللّٰه اَكْبَر" اَعْظَم مِنْ ذٰلِكَ كُلّه ،

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے جنتوں کا وعدہ فرما لیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ایسے پاکیزہ مکانات کا بھی (وعدہ فرمایا ہے) جو جنت کے خاص مقام پر سدا بہار باغات میں ہیں، اور (پھر) اللہ کی رضا اور خوشنودی (ان سب نعمتوں سے) بڑھ کر ہے (جو بڑے اجر کے طور پر نصیب ہوگی)، یہی زبردست کامیابی ہے۔

جنت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دیدار کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں سب سے کم درجے کا آدمی دو ہزار سال کے فاصلے پر پھیلی ہوئی مملکت کے آخری حصے کو اس طرح دیکھے گا جیسے اپنے قریب کے حصے کو دیکھتا ہوگا اور اس پورے علاقے میں اپنی بیویوں اور خادموں کو بھی اسی طرح دیکھتا ہوگا جب کہ سب سے افضل درجے کا جنتی روزانہ دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والا ہوگا۔ (مسند احمد: جلد سوم: حدیث نمبر 180)

حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے" (یہ سن کر) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی اور زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (یہ مراد) نہیں بلکہ (مراد یہ ہے کہ) جب مؤمن کی موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اسے بزرگ رکھتا ہے چنانچہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی اللہ کے ہاں اپنے اس فضیلت و مرتبہ سے) زیادہ کسی چیز (یعنی دنیا اور دنیا کی

چمک دمک) کو محبوب نہیں رکھتا، اس لئے بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو اسے (قبر میں) اللہ کے عذاب اور (دوزخ کی سخت ترین) سزا کی خبر دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی عذاب وسزا) سے زیادہ کسی اور چیز کو ناپسند نہیں کرتا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یعنی اسے اپنی رحمت اور مزید نعمت سے دور رکھتا ہے) اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں منقول ہے کہ " موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 80)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○
اے نبی مکرم ﷺ آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

کفار و منافقین سے جہاد کرنے کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيّ جَاهِد الْكُفَّار " بِالسَّيْفِ "وَالْمُنَافِقِيْنَ" بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّة "وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ " بِالِانْتِهَارِ وَالْمَقْت "وَمَاْوَاهُمْ جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمَصِير" الْمَرْجِع هِيَ،

اے نبی مکرم ﷺ آپ کافروں سے تلوار کے ساتھ اور منافقوں سے کلام ودلیل سے جہاد کریں اور ان پر گرم سرد ہو کر سختی کریں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ جو انہی کا ٹھکانہ ہے۔

چار قسم کی قوموں سے تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار تلواروں کے ساتھ مبعوث فرمایا ایک تلوار تو مشرکوں میں فرماتا ہے (فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين) حرمت والے مہینوں کے گذرتے ہی مشرکوں کی خوب خبر لو۔ دوسری تلوار اہل کتاب کے کفار میں فرماتا ہے (قاتلوا الذين لا يومنون الخ،) جو اللہ پر قیامت کے دن ایمان نہیں لاتے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں مانتے۔ دین حق کو قبول نہیں کرتے ان اہل کتاب سے جہاد کرو جب تک کہ وہ ذلت کے ساتھ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور نہ کرلیں۔ تیسری تلوار منافقین ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (جاهد الكفار والمنافقين) کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ چوتھی تلوار باغیوں میں فرمان ہے (فقاتلو اللتی تبغی حتی تفئی الی امر الله) باغیوں سے لڑو جب تک کہ پلٹ کر وہ اللہ کے احکام کی حکم برداری کی طرف نہ آ جائیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافق جب اپنا نفاق ظاہر کرنے لگیں تو ان سے تلوار سے جہاد کرنا چاہئے۔ (جامع البیان، سورہ توبہ، بیروت)

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے، زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں، کیونکہ وہ سنت انبیاء کے خلاف ہے، وہ کسی سے سخت

کلامی اور سب وشتم نہیں کرتے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اذا زنت امة احد کم فلیجلدها الحد ولا یثرب علیها، اگر تمھاری کوئی کنیز زنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزا حد شرعی اس پر جاری کر دو مگر زبانی ملامت اور طعن وتشنیع نہ کرو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ برأت، بیروت)

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ
وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا
يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝
وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے بات نہیں کہی، حالانکہ بلاشبہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا اور
اس چیز کا ارادہ کیا جو انھوں نے نہیں پائی اور انھوں نے انتقام نہیں لیا مگر اس کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی
کر دیا۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا
اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

بدبخت منافقین کا نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبہ کا بیان

"يَحْلِفُوْنَ" اَىِ الْمُنَافِقُوْنَ "بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا" مَا بَلَغَكَ عَنْهُمْ مِنَ السَّبِّ "وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ" اَظْهَرُوْا الْكُفْرَ بَعْدَ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ "وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا" مِنَ الْفَتْكِ بِالنَّبِيِّ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ عِنْدَ عَوْدِهٖ مِنْ تَبُوْكَ وَهُمْ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا فَضَرَبَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وُجُوْهَ الرَّوَاحِلِ لَمَّا غَشُوْهُ فَرُدُّوْا "وَمَا نَقَمُوْا" اَنْكَرُوْا "اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" بِالْغَنَائِمِ بَعْدَ شِدَّةِ حَاجَتِهِمْ ; اَلْمَعْنٰى لَمْ يَنَلْهُمْ مِنْهُ اِلَّا هٰذَا وَلَيْسَ مِمَّا يُنْقَمُ "فَاِنْ يَّتُوْبُوْا" عَنِ النِّفَاقِ وَيُؤْمِنُوْا بِكَ "يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا" عَنِ الْاِيْمَانِ "يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا" بِالْقَتْلِ "وَالْاٰخِرَةِ" بِالنَّارِ "وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ" يَحْفَظُهُمْ مِنْهُ "وَلَا نَصِيْرٍ" يَمْنَعُهُمْ،

وہ منافقین اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے بات نہیں کہی، یعنی وہ گالی جب آپ کے پاس پہنچ جائے تو اس کے بعد یہ کہتے ہیں۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی اور اپنے اسلام کے اظہار کے بعد کفر کیا اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انھوں نے نہیں پائی۔ یعنی نعوذ باللہ جو غزوہ تبوک سے واپسی پر لیلہ عقبہ کے وقت نبی مکرم ﷺ کو قتل کر کے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ دس افراد تھے جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان کی سواریوں کے چہروں پر مار ماران کو آپ ﷺ سے دور کر رہے تھے جبکہ انہوں یک بار حملہ کر رکھا تھا۔

اور انہوں نے انتقام نہیں لیا یعنی انکار نہیں کیا مگر اس کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں اپنے فضل یعنی غنائم سے غنی کر دیا۔

جبکہ انہیں ان کی سخت ضرورت تھی۔یعنی سوائے اس کے انہیں کچھ حاصل نہ ہوا اور یہ کوئی انتقام نہ بن سکا۔پس اگر وہ منافقت سے توبہ کرلیں اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر وہ ایمان سے منہ پھیرلیں تو اللہ انھیں دنیا میں قتل اور آخرت میں دردناک عذاب یعنی جہنم کا عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی دوست ہوگا جو ان کی حفاظت کرے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو ان کی عذاب سے بچا سکے۔

سورہ برأت آیت ۷۴ کے شانِ نزول کا بیان

امام بغوی نے کلبی سے نقل کیا کہ یہ آیت جلاس بن سوید کے حق میں نازل ہوئی۔واقعہ یہ تھا کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک میں خُطبہ فرمایا اس میں منافقین کا ذکر کیا اور ان کی بدحالی و بدمآلی کا ذکر فرمایا یہ سن کر جلاس نے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں تو ہم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلاس کا مقولہ بیان کیا، جلاس نے انکار کیا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ عامر نے مجھ پر جھوٹ بولا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو حکم فرمایا کہ منبر کے پاس قسم کھائیں، جلاس نے بعد عصر منبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ کی قسم کھائی کہ یہ بات اس نے نہیں کہی اور عامر نے اس پر جھوٹ بولا پھر عامر نے کھڑے ہوکر قسم کھائی کہ بیشک یہ مقولہ جلاس نے کہا اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں بولا۔پھر عامر نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور میں دعا کی یارب اپنے نبی کریم ﷺ پر سچے کی تصدیق نازل فرما ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

آیت میں (فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُم ،التوبہ:74) سن کر جلاس کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سنئے اللہ نے مجھے توبہ کا موقع دیا، عامر بن قیس نے جو کچھ کہا سچ کہا، میں نے وہ کلمہ کہا تھا اور اب میں توبہ واستغفار کرتا ہوں حضور نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور وہ توبہ پر ثابت رہے۔(معالم تنزیل،سورہ برأت،بیروت)

ضحاک کہتے ہیں کہ منافقین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے ان کی حالت یہ تھی کہ جب بھی وہ آپس میں خلوت میں ہوتے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو برا بھلا کہتے اور دین پر طعن و تشنیع کرتے حضرت حذیفہ نے اکی باتیں سنی تو رسول اللہ ﷺ کو پہنچادیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل نفاق یہ کیا ہے جو تمہارے بارے میں مجھ تک پہنچ رہا ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسم کھائی انہوں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی اللہ نے اس موقع پر یہ آیت نازل کر کے ان کی تکذیب کے طور پر فرمائی۔(نیسابوری 212،سیوطی 143، درمنثور 3۔258)

قتادہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا کہ دو آدمیوں نے آپس میں لڑائی کی ایک قبیلہ جہینہ کا تھا اور ایک قبیلہ غفار کا۔غفاری جہنی پر غالب آ گیا تو عبداللہ بن ابی منافق زور سے چلایا اے بنی اوس اپنے بھائی کی مدد کرو اللہ کی قسم ہماری اور محمد ﷺ کی مثال اسی طرح ہے جیسے کہ کسی نے کہا تو اپنے کتے کو کھلا کر موٹا کر تجھے کھا جائے گا۔اللہ کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے باہر نکال کریں گے یہ بات ایک مسلمان نے بھی سن لی وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اس

کی خبر دی تو آپ نے اسے پیغام بھیجا اور بلایا اس نے اللہ کی قسمیں کھانا شروع کر دیں میں نے یہ بات نہیں کی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ (طبری 10-128)

سچی توبہ کرنے والوں کا بیان

عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن کعب سے جو اپنے والد کو نابینا ہو جانے کی وجہ سے پکڑ کر چلایا کرتے تھے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کعب بن مالک سے سنا انہوں نے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام لڑائیوں میں حاضر رہا۔ مگر تبوک اور بدر میں پیچھے رہ گیا مگر بدر میں پیچھے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نہیں ہوا جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض یہ تھی کہ قافلہ قریش کا تعاقب کیا جائے دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے اچانک حائل کر دیا اور جنگ ہوگئی میں لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اسلام پر قائم رہنے کا عہد لیا اور مجھے تو لیلۃ العقبہ جنگ بدر کے مقابلہ میں عزیز ہے اگرچہ جنگ بدر کو لوگوں میں زیادہ شہرت اور فضیلت حاصل ہے اور جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں مگر اس غزوہ کے وقت میں دو سواریوں کا مالک بن گیا اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کہیں جنگ کا خیال کرتے تو صاف صاف پتہ نشان اور جگہ نہیں بتاتے تھے بلکہ کچھ گول مول الفاظ میں ظاہر کرتے تھے تا کہ کوئی دوسرا مقام سمجھتا رہے غرض جب لڑائی کا وقت آیا تو گرمی بہت شدید تھی راستہ طویل اور بے آب و گیاہ تھا دشمن کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پورے طور پر آگاہ کر دیا کہ ہم تبوک جا رہے ہیں تا کہ تیار کر لیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے مگر کوئی ایسی کتاب وغیرہ نہیں تھی کہ اس میں سب کے نام لکھے ہوئے ہوں۔

کعب کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا کہ جو اس لڑائی میں شریک ہونا نہ چاہتا ہو مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی کرتے تھے کہ کسی کی غیر حاضری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ وحی نہ آئے غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ وقت تھا جب کہ میوہ پک رہا تھا اور سایہ میں بیٹھنا اچھا معلوم ہوتا تھا سب تیاریاں کر رہے تھے مگر میں ہر صبح کو یہی سوچتا تھا کہ میں تیاری کر لوں گا کیا جلدی ہے میں تو ہر وقت تیاری کر سکتا ہوں اسی طرح دن گزرتے رہے ایک روز صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوگئے میں نے سوچا ان کو جانے دو اور میں دو ایک دن میں تیار کر کے راستہ میں ان سے شامل ہو جاؤں گا غرض دوسری صبح کو میں نے تیاری کرنی چاہی مگر نہ ہوسکی اور میں یوں ہی رہ گیا تیسرے روز بھی یہی ہوا اور پھر میرا برابر یہی حال ہوتا رہا اب سب لوگ بہت دور نکل چکے تھے میں نے کئی مرتبہ قصد کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاؤں مگر تقدیر میں نہ تھا کاش! ایسا کر لیتا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد میں جب مدینہ میں چلتا پھرتا تو مجھ کو یا تو منافق نظر آتے یا وہ نظر آتے جو کمزور ضعیف اور بیمار تھے مجھے بہت افسوس ہوتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ میں مجھے کہیں بھی یاد نہیں کیا البتہ تبوک پہنچ کر جب سب لوگوں میں تشریف فرما ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کعب بن مالک کہاں ہیں؟

بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو اپنے حسن و جمال پر ناز کرنے کی وجہ سے رہ گئے ہیں تو معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے اچھی بات نہیں کی۔ اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! ہم تو انہیں اچھا آدمی جانتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو رہے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آرہے ہیں تو میں سوچنے لگا کہ کوئی ایسا حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ سے مجھے بچا سکے پھر میں اپنے گھر کے سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنے لگا کہ اس سلسلہ میں کچھ تم بھی سوچو مگر جب یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بالکل قریب آگئے ہیں تو میرے دل سے اس حیلہ کا خیال دور ہو گیا اور میں نے یقین کر لیا کہ جھوٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے نہیں بچا سکے گا صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نفل ادا فرماتے اب جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور اپنے اپنے عذر بیان کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے یہ لوگ اسی ۸۰ تھے یا اس سے کچھ زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کے عذر قبول کر لئے اور ان سے دوبارہ بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور ان کے دلوں کے خیالات کو اللہ کے حوالے کر دیا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بھی آیا اسلام علیکم کہا آپ نے ایسی مسکراہٹ سے جس میں غصہ بھی جھلک رہا تھا جواب دیا اور فرمایا آؤ میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کعب تم کیوں پیچھے رہ گئے تھے؟ حالانکہ تم نے تو سواری کا بھی انتظام کر لیا تھا میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا درست ہے میں اگر کسی اور کے سامنے ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے بہانہ وغیرہ کر کے چھوٹ جاتا کیونکہ میں بول بھی خوب سکتا ہوں مگر اللہ گواہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لیا تو کل اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اس لئے میں سچ ہی بولوں گا چاہے آپ میرے اوپر غصہ ہی کیوں نہ فرمائیں آئندہ کو تو اللہ کی مغفرت اور بخشش کی امید رہے گی اللہ کی قسم میں قصوروار ہوں حالانکہ مال و دولت میں کوئی بھی میرے برابر نہیں ہے مگر میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شریک نہ ہو سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کعب نے صحیح بات بیان کر دی اچھا جاؤ اور اللہ کے حکم کا اپنے حق میں انتظار کرو غرض میں اٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے آدمی بھی میرے ساتھ ہو لئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اب تک تمہارا کوئی گناہ نہیں دیکھا ہے تم نے بھی دوسرے لوگوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی بہانہ پیش کر دیا ہوتا حضور کی دعاء مغفرت کے لئے کافی ہوتی وہ برابر مجھے یہی سمجھاتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں اور پہلے والی بات کو غلط ثابت کر کے کوئی بہانہ پیش کر دوں پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے؟ جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہے انہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اقرار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی فرمایا ہے جو کہ تم سے ارشاد کیا ہے میں نے ان کے نام پوچھے تو کہا

ایک مرارہ بن ربیع عمروی دوسرے ہلال بن امیہ واقفی یہ دونوں نیک آدمی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے مجھے ان سے ملنا اچھا معلوم ہوتا تھا غرض ان دو آدمیوں کا نام سن کر مجھے اطمینان ہو گیا اور میں چل دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو منع فرما دیا تھا کہ ان تین آدمیوں سے کوئی کلام نہ کرے مگر دوسرے رہ جانے والے اور جھوٹے بہانے کرنے والوں کے لئے یہ حکم نہیں دیا تھا آخر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کر دیا اور ہم ایسے ہو گئے جیسے ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں ہے گویا آسمان و زمین بدل گئے ہیں غرض پچاس راتیں اسی حال میں گزر گئیں میرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں ہمت والا تھا نکلتا رہا نماز جماعت میں شریک ہوتا بازار وغیرہ جاتا مگر کوئی بات نہیں کرتا تھا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ پر رونق افروز ہوتے میں سلام کرتا اور مجھے ایسا شبہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ ہل رہے ہیں شاید سلام کا جواب دے رہے ہیں پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا مگر آنکھ چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھتا رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ میں جب نماز میں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے رہتے اور جب میری نظر آپ سے ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیا کرتے تھے اس حال میں مدت گزر گئی اور میں لوگوں کی خاموشی سے عاجز آ گیا اور پھر اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہ کے پاس باغ میں آیا اور سلام کیا اور اس سے مجھے بہت محبت تھی مگر اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا میں نے کہا اے ابو قتادہ تو مجھے اللہ اور اس کے رسول کا طرفدار جانتا ہے یا نہیں؟ مگر اس نے جواب نہ دیا پھر میں نے قسم کھا کر یہی بات کہی مگر جواب ندارد! میں نے تیسری مرتبہ یہی کہا تو ابو قتادہ نے صرف اتنا جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم ہے پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس چل دیا میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ ایک نصرانی کسان جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور اناج فروخت کرنے آیا تھا وہ میرا پتہ لوگوں سے معلوم کر رہا تھا تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں وہ میرے پاس آیا اور غسان کے نصرانی بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں حالانکہ اللہ نے تم کو ذلیل نہیں بنایا ہے تم بہت کام کے آدمی ہو تم میرے پاس آ جاؤ ہم تم کو بہت آرام سے رکھیں گے میں نے سوچا یہ دوہری آزمائش ہے اور پھر اس خط کو آگ کے تندور میں ڈال دیا ابھی صرف چالیس راتیں گزری تھیں اور دس باقی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو میں نے کہا کیا مطلب ہے؟ طلاق دے دوں یا کچھ اور حزیمہ رضی اللہ عنہ نے کہا بس الگ رہو اور مباشرت وغیرہ مت کرو ایسا ہی حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ملا تھا غرض میں نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے رشتہ داروں میں جا کر رہو جب تک اللہ تعالیٰ میرا فیصلہ نہ فرما دے کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند بہت بوڑھا ہے اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو کوئی برائی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ

نہیں مگر وہ صحبت نہیں کر سکتا اس نے عرض کیا حضور اس میں تو ایسی خواہش ہی نہیں ہے اور جب سے یہ بات ہوئی ہے رو رہا ہے اور جب سے اس کا یہی حال ہے کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے کچھ میرے عزیزوں نے کہا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنی بیوی کے بارے میں ایسی ہی اجازت حاصل کرلو تا کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے۔

جس طرح ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اجازت مل گئی ہے میں نے کہا اللہ کی قسم! میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرمائیں میں نوجوان آدمی ہوں ہلال کی مانند ضعیف نہیں ہوں غرض اس کے بعد وہ دس راتیں بھی گزر گئیں اور میں پچاسویں رات کو صبح کو نماز کے بعد اپنے گھر کے پاس بیٹھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی اجیرن ہو چکی ہے اور زمین میرے لئے باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہو چکی ہے کہ اتنے میں کوہ سلع پر سے کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تم کو بشارت دی جاتی ہے اس آواز کے سنتے ہی میں خوشی سے سجدہ میں گر پڑا اور یقین کرلیا کہ اب یہ مشکل آسان ہوگئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا قصور معاف کر دیا ہے اب تو لوگ میرے پاس اور میرے ان ساتھیوں کے پاس خوشخبری اور مبارکباد کے لئے جانے لگے اور ایک آدمی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کو بھگاتے میرے پاس آئے اور ایک دوسرا آدمی بنی سلمہ کا سلع پہاڑ پر چڑھ گیا اس کی آواز جلدی میرے کانوں تک پہنچ گئی اس وقت میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دیدیئے میرے پاس ان کے سوائی کوئی دوسرے کپڑے نہیں تھے میں نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے دو کپڑے لے کر پہنے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا راستہ میں لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو مجھے مبارکباد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تمہیں مبارک ہو کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے طلحہ بن عبید اللہ مجھے دیکھ کر دوڑے مصافحہ کیا پھر مبارکباد دی مہاجرین میں سے یہ کام صرف طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا اللہ گواہ ہے کہ میں ان کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا کعب کہتے ہیں کہ پھر جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب! یہ دن تمہیں مبارک ہو جو سب دنوں سے اچھا ہے تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک میں نے عرض کیا حضور! یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خوش ہوتے تھے تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا اور ہم آپ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی اس نجات اور معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیرات نہ کر دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھوڑا کر دو اور کچھ اپنے لئے بھی رکھو کیونکہ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے میں نے عرض کیا ٹھیک ہے میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں پھر میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات پائی ہے اب میں تمام زندگی سچ ہی بولوں گا اللہ کی قسم! میں نہیں کہہ سکتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے اللہ نے کسی پر ایسی مہربانی فرمائی

ہو جیسی مجھ پر کی ہے اس وقت سے جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی بات کہہ دی پھر اس وقت سے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں امید کرتا ہوں کہ زندگی بھر اللہ مجھے جھوٹ سے بچائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ 9۔التوبہ:117) یعنی اللہ نے نبی کو اور مہاجرین وانصار کو معاف کر دیا اللہ کی قسم قبول اسلام کے بعد اس سے بڑھ کر میں نے کوئی انعام اور احسان نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مجھے سچ بولنے کی توفیق دے کر ہلاک ہونے سے بچالیا اور نہ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تباہ اور ہلاک ہو جاتا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا جھوٹے حلف اٹھائے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ 9۔التوبہ:95) یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم تینوں ان منافقوں سے علیحدہ ہیں جنہوں نے نہ جانے کتنے بہانے بنائے اور جھوٹے حلف اٹھائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات کو قبول کر لیا اور ان سے بیعت لے لی اور دعائے مغفرت فرمائی مگر ہمارا معاملہ چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا 9۔التوبہ:118) یعنی ان تین کو معاف کیا جو پیچھے رہ گئے تھے اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو جان بوجھ کر رہ گئے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے پیچھے رہے جنہوں نے قسمیں کھائیں عذر بیان کئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول کر لیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1605)

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰـنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝
اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ یقیناً اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے کچھ عطا فرمایا
تو ہم ضرور ہی صدقہ کریں گے اور ضرور ہی نیک لوگوں سے ہو جائیں گے۔

خرچ کرنے کا عہد کر کے اللہ سے رزق طلب کرنے والوں کا بیان

"وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰه لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْله لَنَصَّدَّقَنَّ" فِيْهِ إِدْغَام التَّاء فِي الْأَصْل فِي الصَّاد "وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ" وَهُوَ ثَعْلَبَة بْن حَاطِب سَأَلَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَدْعُو لَهُ أَنْ يَرْزُقهُ اللّٰه مَالًا وَيُؤَدِّي مِنْهُ كُلّ ذِي حَقّ حَقّه فَدَعَا لَهُ فَوَسَّعَ عَلَيْهِ فَانْقَطَعَ عَنْ الْجُمُعَة وَالْجَمَاعَة وَمَنَعَ الزَّكَاة،

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ یقیناً اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے کچھ عطا فرمایا تو ہم ضرور ہی صدقہ کریں گے یہاں پر "لَنَصَّدَّقَنَّ" اصل میں تاء کا ادغام صاد میں ہے اور ضرور ہی نیک لوگوں سے ہو جائیں گے۔ اور وہ ثعلبہ بن حاطب ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مال کا رزق عطا کرے اور

وہ ہر حقدار کو حق ادا کر سکیں پس آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو اس پر رزق وسیع ہو گیا اور اس نے نماز جمعہ اور باجماعت نماز کو چھوڑ دیا اور زکوٰۃ بھی ادا نہیں کی۔

سورہ برأت آیت ۷۵ کے شانِ نزول کا بیان

ثعلبہ بن حاطب نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی اس کے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس بہت سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے، دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضور نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ ہوئی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہو گیا ہے اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کے تحصیل کرنے والے بھیجے، لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیے جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہو گیا، جاؤ میں سوچ لوں جب یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو حضور ﷺ نے ان کے کچھ عرض کرنے سے قبل دو مرتبہ فرمایا "ثعلبہ پر افسوس" تو یہ آیت نازل ہوئی پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرما دی وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا پھر اس صدقہ کو خلافت صدیقی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انہوں نے بھی اسے قبول نہ فرمایا پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انہوں نے بھی قبول نہ فرمایا اور خلافت عثمانی میں یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ (مدارک تنزیل، سورہ برأت، بیروت)

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

بخل کرنے والوں کا اللہ کی اطاعت سے اعراض کرنے کا بیان

"فَلَمَّا اٰتَاهُمْ مِنْ فَضْله بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا" عَنْ طَاعَة اللّٰه، وَهُمْ مُعْرِضُونَ،

تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے اور اللہ کی اطاعت سے منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہ اداء کی تو اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کے پاس لایا جائے گا جس کے سر کے پاس دو چتیاں ہوں گی قیامت کے دن اس کا طوق بنایا جائے گا۔

پھر اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر قرآن کی آیت پڑھی اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال عطا کیا اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ برا ہے اور قیامت کے دن یہی مال ان کے گلے کا طوق ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1343)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قیامت کا زمانہ قریب ہوگا، تو عمل کم ہو جائیں گے بخل پیدا ہو جائے گا، فتنے ظاہر ہو جائیں گے اور ہرج کی کثرت ہوگی لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل، قتل اور شعیب و یونس ولیث اور زہری، کے برادر زادہ بواسطہ زہری، حمید، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1983)

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝
پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق کو (ان کے اپنے بخل کا) انجام بنا دیا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے (بھی) کہ وہ کذب بیانی کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن تک منافقین کے دلوں میں منافقت رہنے کا بیان

"فَاَعْقَبَهُمْ" اَیْ فَصَیَّرَ عَاقِبَتَهُمْ "نِفَاقًا" ثَابِتًا "فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ" اَیْ اللّٰه وَهُوَ یَوْم الْقِیَامَة فَجَاءَ بَعْد ذٰلِكَ اِلَی النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِزَكَاتِهِ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰه مَنَعَنِیْ اَنْ اَقْبَلَ مِنْك فَجَعَلَ یَحْثُو التُّرَاب عَلٰی رَاْسه ثُمَّ جَاءَ اِلٰی اَبِیْ بَكْر فَلَمْ یَقْبَلهَا ثُمَّ اِلٰی عُمَر فَلَمْ یَقْبَلهَا ثُمَّ اِلٰی عُثْمَان فَلَمْ یَقْبَلهَا وَمَاتَ فِیْ زَمَانه،

پس اس نے ان کے دلوں میں نفاق کو (ان کے اپنے بخل کا) انجام بنا دیا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملیں گے یعنی ایسے لوگوں کے دلوں میں قیامت کے دن تک منافقت رکھ دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ مال زکوٰۃ کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ نے مجھے تیرا مال قبول کرنے سے روک دیا ہے اس کے بعد اس نے اپنے سر میں خاک ڈالنا شروع کر دی پھر وہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں ان کے پاس مال زکوٰۃ لے کر آیا تو انہوں نے بھی اس کا مال قبول نہ کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ فوت ہو گیا۔

اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے اپنے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے (بھی) کہ وہ کذب بیانی کیا کرتے تھے۔

ثعلبہ کی توبہ کو قبول نہ کرنے کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثعلبہ کے لئے یا ویح ثعلبہ تین مرتبہ فرمایا تو اس مجلس میں

ثعلبہ کے کچھ عزیز واقارب بھی موجود تھے، یہ سن کران میں سے ایک آدمی فوراً سفر کر کے ثعلبہ کے پاس پہونچا، اوراس کو ملامت کی اور بتلایا کہ تمھارے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوگئی ہے، یہ سن کر ثعلبہ گھبرایا، اور مدینہ حاضر ہوکر درخواست کی کہ میرے صدقہ قبول کرلیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے تمھارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے، یہ سن کر ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو تمھارا اپنا عمل ہے، میں نے تمھیں حکم دیا تم نے اطاعت نہ کی، اب تمھارا صدقہ قبول نہیں ہوسکتا، ثعلبہ ناکام واپس ہوگیا، اوراس کے کچھ دن بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اور صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ میرا صدقہ قبول کرلیجئے، صدیق اکبر نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کرسکتا ہوں۔

پھر صدیق اکبر کی وفات کے بعد ثعلبہ فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہی درخواست کی اور وہی جواب ملا جو صدیق اکبر نے دیا تھا، پھر حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں ان سے درخواست کی انہوں نے بھی انکار کردیا، اور خلافت عثمان کے زمانہ میں ثعلبہ مرگیا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ برأت، بیروت)

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝
کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے بھید اور ان کی سرگوشیاں جانتا ہے اور یہ کہ اللہ سب غیب کی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر راز اور سرگوشیوں کو جاننے والا ہے

"اَلَمْ يَعْلَمُوا" اَیْ الْمُنَافِقُوْنَ "اَنَّ اللّٰه يَعْلَم سِرّهمْ" مَا اَسَرُّوْهُ فِیْ اَنْفُسِهِمْ "وَنَجْوَاهُمْ" مَا تَنَاجَوْا بِهِ بَيْنهمْ "وَاَنَّ اللّٰه عَلَّام الْغُيُوب" مَا غَابَ عَنْ الْعِيَان , وَلَمَّا نَزَلَتْ اٰيَة الصَّدَقَة جَاءَ رَجُل فَتَصَدَّقَ بِشَیْءٍ كَثِير فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ: مُرَاءٍ وَجَاءَ رَجُل فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ فَقَالُوْا: اِنَّ اللّٰه غَنِیّ عَنْ صَدَقَة هٰذَا فَنَزَلَ،

کیا ان منافقوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے راز اوران کی سرگوشیاں جانتا ہے جوان کے دلوں میں خفیہ ہیں اور جو وہ آپس میں کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ سب غیب کی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب ایک شخص کثیر مال صدقہ کے لئے لایا تو منافقین نے کہا کہ یہ ریا کاری ہے اور جب ایک شخص ایک صاع صدقے کا لایا تو منافقین نے کہ اللہ اتنے صدقہ سے بے نیاز ہے تو آنے والی آیت نازل ہوئی۔

الفاظ کے لغوی واصطلاحی معانی کا بیان

سرہم۔ مضاف مضاف الیہ۔ ان کا بھید۔ ان کا راز۔ نجوہم۔ ان کی سرگوشیاں۔ اصل میں نجاء کا معنی کسی چیز سے الگ ہونے

کے ہیں۔اور انجیتہ و نجیتہ کے معنی (الگ کردینے) نجات دینے کے ہیں۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے: **فانجینا الذین امنوا** ،اور جولوگ ایمان لائے۔ہم نے ان کونجات دی۔النجوۃ کے معنی بلند جگہ کے ہیں جو بلندی کی وجہ سے اپنے ماحول سے الگ معلوم ہو۔ناجیتہ میں نے اس سے سرگوشی میں کہا۔یعنی اپنے بھید کو دوسروں سے الگ رکھنے (چھپانے کے لئے) اور اسے افشاء ہونے سے بچانے کے لئے۔قرآن میں آیا ہے۔

یایھا الذین امنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول ،اے مومنو! جب تم سرگوشیاں کرنے لگوتو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرو۔ یا پھر **اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوکم صدقة**، جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں کوئی بات کہوتو بات کہنے سے پہلے مساکین کو کچھ دیا کرو۔نجوی وہ سرگوشی جو کہ برائی پر مبنی ہو اور اس کو مشورہ سے طے کیا جائے۔

اس میں منافقین کے لئے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے۔غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔

منافقین کا مسلمانوں کے صدقہ وخیرات پر مذاق کرنے کا بیان

بنوعجلان کے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت بڑی رقم خیرات میں دی تھی جو ایک سو وسق پر مشتمل تھی۔منافقوں نے اسے ریاکاری پر محمول کیا تھا۔اپنی محنت مزدوری کی تھوڑی سی خیرات دینے والے ابوعقیل تھے۔یہ قبیلہ بنوانیف کے شخص تھے ان کے ایک صاع خیرات پر منافقوں نے ہنسی اور ہجو کی تھی۔اور روایت میں ہے کہ یہ چندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر روانہ کرنے کے لئے کیا تھا۔اس روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے دو ہزار رکھے تھے۔دوسرے بزرگ نے رات بھر کی محنت میں دو صاع کھجوریں حاصل کر کے ایک صاع رکھ لیں اور ایک صاع دے دیں۔یہ حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ تھے رات بھر اپنی پیٹھ پر بوجھ ڈھوتے رہے تھے۔ان کا نام حباب تھا۔اور قول ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ثعلبہ تھا۔پس منافقوں کے اس تمسخر کی سزا میں اللہ نے ہی ان سے یہی بدلہ لیا۔ان منافقوں کے لئے آخرت میں المناک عذاب ہیں۔اور ان کے اعمال کا ان عملوں جیسا ہی برا بدلہ ہے۔

لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوامامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے کہ آپ نے فرمایا" حکمران جب لوگوں میں شک وشبہ کی بات ڈھونڈتا ہے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے۔"(ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 840)

اس حدیث کا مقصد جہاں لوگوں کے احوال کے تجسس اور ان کے عیوب تلاش کرنے سے منع کرنا ہے وہیں اس بات کا حکم دینا بھی ہے کہ اگر لوگوں میں کچھ عیوب ہوں تو ان کی پردہ پوشی کی جائے اور ان جو گناہ ولغزشیں سرزد ہوں ان سے درگزر کیا جائے۔اور

حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "جب تم لوگوں کے (پوشیدہ) عیوب کو تلاش کرو گے تو ان کو خرابی میں مبتلا کرو گے۔ (سنن بیہقی)

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ
فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ وَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○
جولوگ برضاورغبت خیرات دینے والے مومنوں پر صدقات میں الزام لگاتے ہیں اوران پر بھی جو اپنی محنت ومشقت کے سوا
نہیں پاتے سو یہ مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اہل ایمان کے صدقات پر منافقین کے عیب لگانے کا بیان

"اَلَّذِیْنَ" مُبْتَدَأٌ "یَلْمِزُوْنَ" یَعِیْبُوْنَ "الْمُطَّوِّعِیْنَ" الْمُتَنَفِّلِیْنَ "مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَات وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدھمْ" طَاقَتھمْ فَیَاْتُوْنَ بِہٖ "فَیَسْخَرُوْنَ مِنْھُمْ" وَالْخَبَر "سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ" جَازَاھُمْ عَلٰی سُخْرِیَتھمْ،

یہاں پر الذین مبتداء ہے جولوگ برضاورغبت خیرات دینے والے مومنوں پر (ان کے) صدقات میں عیب والزام لگاتے ہیں اوران پر بھی جو اپنی محنت ومشقت کے سوا کچھ زیادہ مقدور نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبہ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، یہ خبر ہے اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا یعنی وہی ان کے مذاق کی جزاء ہے۔ اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔

الفاظ کے لغوی واصطلاحی معانی کا بیان

یلمزون ۔مضارع جمع مذکر غائب۔ وہ طعن کرتے ہیں۔ وہ عیب نکالتے ہیں، المطوعین ۔اسم فاعل جمع مذکر منصوب۔ المطوع واحد۔ تطوع (تفعل) مصدر۔ اصل میں المتطوعین تھا۔ تاء کو طا میں مدغم کیا۔ تطوع کا اصل معنی ہے اطاعت میں بناوٹ کرنا۔ اورعرف شرع میں ایسی طاعت کو کہتے ہیں جو فرض نہ ہو بطور نفل اپنی طرف سے کی جائے لیکن تطوع اپنے اندر استطاعت کا مفہوم رکھتا ہے اس لئے المطوعین کا ترجمہ ہوا۔ خیرات کرنے والے صاحب استطاعت

الذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقت ۔ جولوگ مومنوں سے ان لوگوں کو جو صاحب استطاعت ہیں اورخوشی خوشی خیرات کرتے ہیں ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں۔

والذین لا یجدون الا جھدھم ۔ کا عطف المطوعین پر ہے یعنی یہ لوگ ان کی بھی عیب چینی کرتے ہیں جن کے پاس سوائے اپنی محنت ومشقت کے اور کچھ بھی (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے) نہیں ہے۔

فیسخرون منھم ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ٹھٹھہ کرتے ہیں۔ ان پر ہنستے ہیں۔ سخر یسخر (سمع) بہ ومنہ ۔ٹھٹھا کرنا۔ اسی سے ہے۔ المسخرۃ۔ وہ جس سے ٹھٹھا کیا جائے۔

سورہ برأت آیت ۷۹ کے شانِ نزول کا بیان

جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو لوگ صدقہ لائے ان میں کوئی بہت کثیر لائے انہیں تو منافقین نے ریا کار کہا اور کوئی ایک صاع (12/1-3 سیر) لائے تو انہیں کہا اللہ کو اس کی کیا پرواہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کی رغبت دلائی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا کل مال آٹھ ہزار درہم تھا چار ہزار تو یہ راہِ خدا میں حاضر ہے اور چار ہزار میں نے گھر والوں کے لئے روک لئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو تم نے دیا اللہ اس میں برکت فرمائے اور جو روک لیا اس میں بھی برکت فرمائے، حضور ﷺ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ ان کا مال بہت بڑھا یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے دو بیبیاں چھوڑیں انہیں آٹھواں حصہ ملا جس کی مقدار ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم تھی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ برأت، لاہور)

منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز

منافقوں کی ایک بدخصلت یہ بھی ہے کہ ان کی زبانوں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا نہ سخی نہ بخیل۔ یہ عیب جو بدگو لوگ بہت برے ہیں اگر کوئی شخص بڑی رقم اللہ کی راہ میں دے تو یہ اسے ریا کار کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی مسکین اپنی مالی کمزوری کی بنا پر تھوڑا بہت دے تو یہ ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں لو ان کی اس حقیر چیز کا بھی اللہ بھوکا تھا۔ چنانچہ جب صدقات دینے کی آیت اتری ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہ اپنے صدقات لئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں ایک صاحب نے دل کھول کر بہت بڑی رقم دی تو اسے ان منافقوں نے ریاکار کا خطاب دیا بیچارے ایک صاحب مسکین آدمی تھی صرف ایک صاع اناج لائے تھے انہیں کہا کہ اس کے اس صدقے کی اللہ کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے ایک مرتبہ آپ نے بقیع میں فرمایا کہ جو صدقہ دے گا میں اس کی بابت قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دوں گا اس وقت ایک صحابی نے اپنے عمامے میں سے کچھ دینا چاہا لیکن پھر لپیٹ لیا

اتنے میں ایک صاحب جو سیاہ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے ایک اونٹنی لے کر آگے بڑھے جن سے زیادہ اچھی اونٹنی بقیع بھر میں نہ تھی کہنے لگے یارسول اللہ یہ اللہ کے نام پر خیرات ہے آپ نے فرمایا بہت اچھا اس نے کہا لیجئے سنبھالیئے اس پر کسی نے کہا اس سے تو اونٹنی ہی اچھی ہے۔ آپ نے سن لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے یہ تجھ سے اور اس سے تین گنا اچھا ہے افسوس سینکڑوں اونٹ رکھنے والے تجھ جیسوں پر افسوس، تین مرتبہ یہی فرمایا پھر فرمایا مگر وہ جو اپنے مال کو اس طرح اس طرح کرے اور ہاتھ بھر بھر کر آپ نے اپنے ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارہ کیا۔ یعنی راہ اللہ ہر نیک کام میں خرچ کرے۔ پھر فرمایا انہوں نے فلاح پالی جو کم مال والے اور زیادہ عبادت والے ہوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چالیس اوقیہ چاندی لائے اور ایک غریب انصاری ایک صاع اناج لائے منافقوں نے ایک کو ریاکار بتایا دوسرے کے صدقے کو حقیر کہہ دیا ایک مرتبہ آپ کے حکم سے لوگوں نے مال خیرات دینا اور جمع کرنا شروع کیا۔ ایک صاحب ایک صاع کھجوریں لے آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کھجوروں کے دو صاع تھے ایک میں نے اپنے

اور اپنے بچوں کے لئے روک لیا اور ایک لے آیا آپ نے اسے بھی جمع شدہ مال میں ڈال دینے کو فرمایا اس پر منافق بکواس کرنے لگے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے بے نیاز ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا میرے پاس ایک سو اوقیہ سونا ہے میں یہ سب صدقہ کرتا ہوں حضرت عمر نے فرمایا ہوش میں بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں ہوش میں ہوں فرمایا پھر کیا کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا سنو میرے پاس آٹھ ہزار ہیں جن میں سے چار ہزار تو میں اللہ کو قرض دے رہا ہوں اور چار ہزار اپنے لئے رکھ لیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جو تو نے رکھ لیا ہے اور جو تو نے خرچ کر دیا ہے۔ منافق ان پر باتیں بنانے لگے کہ لوگوں کو اپنے سخاوت دکھانے کے لئے اتنی بڑی رقم دے دی۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر بڑی رقم اور چھوٹی رقم والوں کی سچائی اور ان منافقوں کا موذی پن ظاہر کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝
آپ خواہ ان (بدبخت، گستاخ اور آپ کی شان میں طعنہ زنی کرنے والے منافقوں) کے لئے بخشش طلب کریں یا ان کے لئے
بخشش طلب نہ کریں، اگر آپ (اپنی طبعی شفقت اور عفو و درگزر کی عادتِ کریمانہ کے پیش نظر) ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش
طلب کریں تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

منافقین کی بخشش استغفار کے سبب بھی نہ ہونے کا بیان

"اسْتَغْفِرْ" يَا مُحَمَّدٍ "لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِر لَهُمْ" تَخْيِير لَهُ فِي الِاسْتِغْفَار وَتَرْكه قَالَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي خُيِّرْت فَاخْتَرْت يَعْنِي الِاسْتِغْفَار" رَوَاهُ الْبُخَارِيّ "إِنْ تَسْتَغْفِر لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّة فَلَنْ يَّغْفِر اللّٰه لَهُمْ" قِيلَ الْمُرَاد بِالسَّبْعِينَ الْمُبَالَغَة فِي كَثْرَة الِاسْتِغْفَار وَفِي الْبُخَارِيّ حَدِيث "لَوْ اَعْلَم اَنِّي لَوْ زِدْت عَلَى السَّبْعِينَ غُفِرَ لَزِدْت عَلَيْهَا" وَقِيلَ الْمُرَاد الْعَدَد الْمَخْصُوص لِحَدِيثِهِ اَيْضًا وَسَازِيدُ عَلَى السَّبْعِينَفَبَيَّنَ لَهُ حَسْم الْمَغْفِرَة بِآيَةِ "سَوَاء عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْت لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِر لَهُمْ" بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْم الْفَاسِقِينَ،

یا محمد ﷺ آپ خواہ ان (بدبخت، گستاخ اور آپ کی شان میں طعنہ زنی کرنے والے منافقوں) کے لئے بخشش طلب کریں یا ان کے لئے بخشش طلب نہ کریں، یعنی ان کے استغفار کرنے اور عدم استغفار میں آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا جس طرح بخاری شریف کی حدیث مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا تو میں نے استغفار کرنے کو اختیار کیا ہے۔ اگر آپ (اپنی

طبعی شفقت اور عفو و درگزر کی عادتِ کریمانہ کے پیشِ نظر) ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، یہاں ستر کا عدد استغفار میں بہ طور مبالغہ آیا ہے۔ اور بخاری میں حدیث ہے اگر میں ان کی بخشش کے مناسب سمجھتا تو ستر سے زیادہ استغفار کر لیتا کہ ہوسکتا ہے وہ زیادتی سے بخشش دیئے جائیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ستر کا عدد خاص ہے۔ یعنی میں استغفار میں ستر سے زیادہ کرتا لیکن اس آیت "سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ" ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لئے بخشش ختم کر دی گئی ہے۔

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

سورہ برأت آیت ۸۰ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی (منافقوں کا سردار) مرا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نمازِ جنازہ کے لئے بلایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گئے اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کا دشمن عبداللہ بن ابی جس نے فلاں دن اس اس طرح کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی گستاخیوں کے دن گن گن کر بیان کرنے لگے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے پھر جب میں نے بہت کچھ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ مجھے اختیار دیا گیا ہے لہٰذا میں نے یہ اختیار کیا ہے۔ مجھے کہا گیا ہے کہ (اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ)9۔ التوبہ:80) (تو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر تو ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگے گا تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا)۔ اگر میں جانتا کہ میرے ستر سے زیادہ استغفار کرنے پر اسے معاف کر دیا جائے گا تو یقیناً میں ایسا ہی کرتا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھی اور جنازہ کے ساتھ گئے یہاں تک کہ یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں (وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ)9۔ التوبہ:84) (اور ان (منافقین) میں سے جو مر جائے کسی پر بھی نماز (جنازہ) نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مرے۔ سورت توبہ، آیت)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک نہ کسی منافق کی نماز (جنازہ) پڑھی اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1040)

آپ ﷺ کا عبداللہ بن ابی منافق کا جنازہ پڑھانے کی وجوہ

غزوہ تبوک سے واپسی کے تھوڑی ہی مدت بعد عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا اور یہ پکے سچے مسلمان صحابی تھے اور اپنے باپ کی کرتوتوں سے خوب واقف تھے۔ جب غزوہ بنی مصطلق کے واپسی سفر کے دوران عبداللہ

بن ابی نے کہا تھا کہ مدینہ جا کر عزت والا (یعنی خود) ذلت والے کو مدینہ سے نکال کر باہر کرے گا۔ تو یہ اپنے باپ کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے جس کا مطلب یہ تھا کہ میری بھی نظروں میں چونکہ تم ہی ذلیل ہو لہٰذا تمہیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ پھر اس نے رسول اللہ سے معافی مانگی تب عبداللہ رضی اللہ نے اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے دیا تھا۔ مگر باپ کی وفات پر خون نے جوش مارا اور طبیعت میں رحم، ہمدردی اور پدرانہ شفقت کے جذبات ابھر آئے۔ نبی سے کرتہ مانگا تا کہ اس میں باپ کو دفن کریں تا کہ شاید کچھ عذاب میں کمی واقع ہو۔ آپ نے تین وجوہ کی بنا پر اسے کرتہ دے دیا ایک یہ کہ آپ کی اپنی طبیعت میں رحم اور عفو کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا دوسرے یہ کہ اساریٰ بدر کے فیصلہ کے وقت آپ کے چچا سیّدنا عباس ننگے تھے۔ وہ طویل القامت تھے۔ لہٰذا آپ نے عبداللہ بن ابی سے قمیص مانگی جو سیّدنا عباس کے قد کے موافق تھی۔ وہ اس نے دے دی۔ آپ چاہتے تھے کہ اس احسان کا بدلہ چکا دیں۔ اور تیسرے یہ کہ اس حالت میں عبداللہ صحابی کا دل شکستہ نہ ہو۔ پھر آپ اس کی درخواست پر اس منافق کا جنازہ پڑھانے کے لیے اس کے ساتھ ہوئے نیز اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن بھی لگایا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝
رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے باعث (جہاد سے) پیچھے رہ جانے والے (یہ منافق) اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہو رہے ہیں وہ
اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہتے تھے کہ اس گرمی میں نہ نکلو،
فرما دیجئے: دوزخ کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے، اگر وہ سمجھتے ہوتے (تو کیا ہی اچھا ہوتا)۔

مالوں اور جانوں سے جہاد نہ کر کے منافقین کے خوش ہونے کا بیان

"فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ" عَنْ تَبُوْكَ "بِمَقْعَدِهِمْ" اَیْ بِقُعُوْدِهِمْ "خِلَافَ" اَیْ بَعْدَ "رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا" اَیْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ "لَا تَنْفِرُوْا" تَخْرُجُوْا اِلَى الْجِهَادِ "فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا" مِنْ تَبُوْكَ فَالْاَوْلٰى اَنْ يَّتَّقُوْهَا بِتَرْكِ التَّخَلُّفِ "لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ" يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ مَا تَخَلَّفُوْا،

رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے باعث غزوہ تبوک میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہو رہے ہیں وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہتے تھے کہ اس گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو، فرما دیجئے، دوزخ کی آگ تبوک کی گرمی سے زیادہ گرم ہے، لہٰذا اس بیٹھ رہنے کو چھوڑ کر اس گرمی سے اپنے آپ کو بچائیں اگر وہ سمجھتے ہوتے تو کبھی جہاد سے پیچھے نہ ہو بیٹھتے۔

سورہ برأت آیت ۸۱ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے ساتھ جہاد پر چلنے کا حکم دیا جبکہ یہ گرمیوں کے دن تھے تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ گرمی شدید ہے ہم نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے لہٰذا ہم گرمی میں نہیں نکلیں گے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں غزوہ تبوک کے لیے نکلے تو بنوسلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ گرمی میں مت نکلو تو اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ عاصم بن عمرو بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے روایت ہے کہ منافقین میں سے ایک شخص نے کہا اس گرمی میں نہ نکلو تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیوطی 145، طبری 10۔139)

منافقوں کا غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو کر خوش ہونے کا بیان

منافق بظاہر تو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے جن اعمال صالحہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں مفقود تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نہ ان کے دعوؤں کو قابل اعتبار سمجھا اور نہ ان کی قسموں کو۔ اسی وجہ سے متعدد مقامات پر انہیں جھوٹا کہا اور بعض دوسرے مقامات پر کافر قرار دیا اور کہیں دونوں صفات کو ملا کر بیان کیا۔ اپنے دعوٰی کے خلاف اعمال میں سے ہی ایک یہ تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ تو اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرتے ہی نہ تھے اور جو جاتے تھے وہ بھی بادل نخواستہ جاتے تھے تا کہ مسلمان انہیں منافق نہ سمجھنے لگیں اور ایک صفت ان میں مشترکہ یہ تھی کہ جہاد پر جانے والوں کی حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے۔ غزوہ تبوک کے اعلان جہاد کے وقت چونکہ گرمی زوروں پر تھی اور سفر بھی طویل اور تکلیف دہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اسی وجہ سے جہاد سے روکنا شروع کر دیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس گرمی کا علاج تو تم نے سوچ لیا مگر اس کے بدلے جہنم کی آگ جو اس گرمی سے ستر گنا زیادہ گرم ہوگی اس کا کیا علاج کرو گے؟

اور روایت میں ہے کہ تمہاری یہ آگ آتش دوزخ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک ہزار سال تک آتش دوزخ دھونکی گئی تو سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک دھونکی گئی تو سیاہ ہوگئی پس وہ اندھیری رات جیسی سخت سیاہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
پس وہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں، اس کے بدلے جو وہ کمائی کرتے رہے ہیں۔

دنیا میں کم ہنسنے اور آخرت میں زیادہ رونے کا بیان

"فَلْيَضْحَكُوا قَلِيْلًا" فِي الدُّنْيَا "وَلْيَبْكُوا" فِي الْآخِرَةِ وَهُوَ خَبَرٌ عَنْ حَالِهِمْ بِصِيغَةِ الْأَمْرِ، كَثِيْرًا

جَزَاۤءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ،

پس وہ دنیا میں بہت کم ہنسیں اور آخرت میں بہت زیادہ روئیں، یہاں ان کے حال کی خبر کو صیغہ امر سے بیان کیا گیا ہے۔اس کے بدلے جو وہ کمائی کرتے رہے ہیں۔

کفار و منافقین کا چالیس سال اور پھر ہمیشہ روتے رہنے کا بیان

اب اللہ تبارک وتعالیٰ ان بدباطن منافقوں کو ڈرا رہا ہے کہ تھوڑی سی زندگی میں یہاں تو جتنا چاہیں ہنس لیں۔لیکن اس آنے والی زندگی میں ان کے لئے رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لوگو روؤ اور رونا نہ آئے تو زبردستی روؤ جہنمی روئیں گے۔یہاں تک کہ ان کے رخساروں پر نہر جیسے گڑھے پڑ جائیں گے آخر آنسو ختم ہو جائیں گے اب آنکھیں خون برسانے لگیں گی ان کی آنکھوں سے اس قدر آنسو اور خون بہا ہوگا کہ اگر کوئی اس میں کشتی چلانی چاہے تو چلا سکتا ہے۔اور حدیث میں ہے کہ جہنمی جہنم میں روئیں گے اور خوب روتے ہی رہیں گے، آنسو ختم ہونے کے بعد پیپ نکلنا شروع ہوگا۔اس وقت دوزخ کے داروغے ان سے کہیں گے اے بدبخت رحم کی جگہ تو تم کبھی ہو نہ روئے اب یہاں کا رونا دھونا لاحاصل ہے۔اب یہ اونچی آوازوں سے چلا چلا کر جنتیوں سے فریاد کریں گے کہ تم لوگ ہمارے ہو رشتے کنبے کے ہو سنو ہم قبروں سے پیاسے اٹھے تھے پھر میدان حشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج تک یہاں بھی پیاسے ہی ہیں، ہم پر رحم کرو کچھ پانی ہمارے حلق میں چھوڑ دو یا جو روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اس میں سے ہی تھوڑا بہت ہمیں دے دو۔چالیس سال تک کتوں کی طرح چیختے رہیں گے چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا کہ تم یونہی دھتکارے ہوئے بھوکے پیاسے ہی ان سڑیل اور اٹل سخت عذابوں میں پڑے رہو اب یہ تمام بھلائیوں سے مایوس ہو جائیں گے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ
تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ٥
پس اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے آئے، پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ فرما دیں
تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے
پر خوش ہوئے، سو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

غزوہ تبوک کی واپسی پر عذر بنانے والوں کا بیان

"فَاِنْ رَّجَعَكَ" رَدَّكَ "اللّٰه" مِنْ تَبُوْك "اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ" مِمَّنْ تَخَلَّفَ بِالْمَدِيْنَةِ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ "فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ" مَعَكَ اِلٰى غَزْوَة اُخْرٰى "فَقُلْ" لَهُمْ "لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّة فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَ" الْمُتَخَلِّفِيْنَ عَنِ الْغَزْو مِنَ النِّسَاء

وَالصِّبْیَان وَغَیْرِھِمْ،

پس اگر اللہ آپ کو تبوک سے ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے آئے، جو منافقین مدینہ میں جہاد سے پیچھے بیٹھ رہے تھے۔ پھر وہ آپ سے دوسرے غزوہ کے لئے نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے فرمادیں تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے، سو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ یعنی غزوہ سے پیچھے عورتوں اور بچوں وغیرہ کی طرح بیٹھ رہنے والے ہو۔

الفاظ کے لغوی واصطلاحی معانی کا بیان

رجعك الله ۔ اللہ تجھے واپس لیجائے۔ امام رازی کے قول کے مطابق **الرجع مصير الشي الى المكان الذی كان فيه الرجع** کسی شئے کا اس جگہ کی طرف لوٹنا ہے جہاں وہ پہلے تھی۔ اس صورت میں جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر خدا تمہیں واپس مدینہ لیجائے۔ رجع متعدی ہے اور رجوع لازم ہے گردان ہر دو کی باب ضرب سے آتی ہے۔

الی طائفة منهم ۔ ہم ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع وہ مخلفون ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ طائفۃ ۔ گروہ ۔ جماعت ۔ ان مخلفون کے دو گروہ بنادیئے۔ ایک وہ جس کا ذکر فاستاذنوک سے شروع ہونے والا ہے اور دوسرا جس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

موخر الذکر گروہ میں وہ شامل ہیں جنہوں نے معقول وجوہات کی بنا پر جہاد میں شرکت نہ کی لیکن پھر بھی جہاد میں اپنی عدم شمولیت پر نادم ہوئے اور توبہ کی جو بارگاہِ الٰہی میں قبول کرلی گئی۔ **فان رّجعك الله الى طائفة منهم** ۔ **ای فان درك الله الى المدينة وفيها طائفة من المتخلفين** (بیضاوی) اللہ تعالیٰ اگر تجھے مدینہ واپس لے آئے اور وہاں تو پیچھے رہنے والوں کے ایک گروہ سے ملے۔

فاستاذنوك ۔ پھر وہ اجازت طلب کریں تجھ سے۔ **للخروج** ۔ جہاد پر نکلنے کے لئے۔ خرج یخرج (نصر) نکلنا۔ **لن تخرجوا معی ابدا** ۔ تم میرے ساتھ (جہاد کے لئے) ہرگز نہ نکلو گے۔ خالفین۔ جمع خالف کی۔ خالف کا ایک معنی تو ہے پیچھے رہ جانے والا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ خلف بمعنی فسد ہے۔ جس طرح کہتے ہیں خلف اللبن دودھ خراب ہوگیا۔ یا اہل عرب کہتے ہیں کہ **فلان خالفة اهل بيته** ۔ فلاں شخص اپنے سارے کنبے سے زیادہ فسادی ہے۔ تو آیۃ کا مطلب یہ ہوگا۔ **فاقعدوا مع الفاسدين** ۔ یعنی فساد کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ لیکن اکثریت نے پیچھے رہ جانے والے ہی ترجمہ کیا ہے۔

منافقین کا ہمیشہ کے لئے اعتماد ختم کردینے کا بیان

اس آیت میں منافقوں کے کردار پر تبصرہ کیا گیا ہے یعنی جب آپ غزوہ تبوک سے واپس مدینہ پہنچیں گے تو جو منافق اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے آئندہ کسی جنگ میں آپ کا ساتھ دینے کے پرزور دعوے کریں گے تو آپ ان کے ایسے دل خوش کردینے والے اور زبانی دعوؤں کا قطعاً اعتبار نہ کیجئے۔ کیونکہ اگر کوئی ایسا وقت آ بھی گیا تو یہ لوگ اس وقت بھی یہی کچھ کریں گے جو اس دفعہ کرچکے ہیں۔ یعنی پھر وہ جھوٹے بہانے تراش کر آپ سے معذرت کرنے لگیں گے تو اس سے بہتر یہی ہے کہ ابھی

سے انہیں پکی رخصت دے دو اور کہہ دو کہ تمہارے نصیب میں بس عورتوں اور بچوں کی طرح پیچھے رہنا ہی لکھا ہے۔ لہٰذا تم خوش ہو لو اس طرح آئندہ تمہیں نہ کوئی حیلہ بہانہ گھڑنا پڑے گا اور نہ کسی معذرت کی ضرورت پیش آئے گی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَمَا تُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○
اور آپ کبھی بھی ان (منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے
ہوں (کیونکہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حق دار نہیں ہیں)۔
بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں ہی مر گئے۔

منافقین کی نماز جنازہ اور ان کی قبروں کی زیارت کی ممانعت کا بیان

وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنِ اُبَيٍّ نَزَلَ "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِه" لِدَفْنٍ اَوْ زِيَارَةٍ "اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَمَاتُوْا وَّهُمْ فَاسِقُوْنَ" كَافِرُوْنَ،

جب نبی کریم ﷺ نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ حکم نازل ہوا، اور آپ کبھی بھی ان منافقوں میں سے جو کوئی مر جائے اس کے جنازے پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں یعنی اس کو دفن کرنے یا قبر کی زیارت کے لئے نہ جائیں (کیونکہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حق دار نہیں ہیں)۔ بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں ہی مر گئے۔

سورہ برأت آیت ۸۴ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضور سے کہا کہ اپنا کرتہ اس کے کفن کے لئے دیدیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا پھر وہ کہنے لگے کہ آپ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیجئے آپ نے چلنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ منافق کی نماز پڑھا رہے ہیں اور دعائے مغفرت فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو اس سے منع فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو اختیار دیا ہے کہ میں ان کے لئے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اگر ان کے لئے ستر بار بھی دعائے مغفرت کی جائے گی تو بھی میں ان کو نہیں بخشوں گا۔ لہٰذا میں اس کے لئے ستر بار سے زیادہ مغفرت چاہوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ تو منافق ہے آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھا دی۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ (وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا التوبہ: 84) (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1854)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول منافقوں کا سردار تھا جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے جو مسلمان، صالح مخلص صحابی اور کثیر العبادت تھے۔ انہوں نے یہ خواہش کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باپ عبداللہ بن اُبَی بن سلول کو کفن کے لئے اپنا قمیص مبارک عنایت فرمادیں اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھادیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی لیکن چونکہ اس وقت تک ممانعت نہیں ہوئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضور کا یہ عمل ایک ہزار آدمیوں کے ایمان لانے کا باعث ہوگا اس لئے حضور نے اپنی قمیص بھی عنایت فرمائی اور جنازہ کی شرکت بھی کی۔ قمیص دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس جو بدر میں اسیر ہو کر آئے تھے تو عبداللہ بن اُبَی نے اپنا کرتہ انہیں پہنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بدلہ کر دینا بھی منظور تھا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد پھر کبھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی منافق کے جنازہ کی شرکت نہ فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مصلحت بھی پوری ہوئی چنانچہ جب کفار نے دیکھا کہ ایسا شدید العداوت شخص جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرتے سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے عقیدے میں بھی آپ اللہ کے حبیب اور اس کے سچے رسول ﷺ ہیں یہ سوچ کر ہزار کافر مسلمان ہوگئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ برأت، بیروت)۔

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا
وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ۝
اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ فقط یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے انہیں
دنیا میں (بھی) عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر (ہی) ہوں۔

دنیاوی مال ومتاع دیکھ کر اظہار تعجب نہ کرنے کا بیان

"وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ " تَخۡرُجَ، اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كَافِرُوۡنَ،

اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ فقط یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعے انہیں دنیا میں (بھی) عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر (ہی) ہوں۔

اس آیت میں فرمایا کہ اگر غور کرو گے تو ان کے اموال واولادان کے لئے رحمت ونعمت نہیں بلکہ دنیا میں بھی عذاب ہی ہیں، آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے، دنیا میں عذاب ہونا اس طرح ہے کہ مال کی محبت، اس کی حفاظت کی اور پھر اس کے بڑھانے کی فکریں ان کو ایسی لگی رہتی ہیں کہ کسی وقت کسی حال چین نہیں لینے دیتیں، ساز وسامان راحت کا ان کے پاس کتنا ہی ہو مگر راحت نہیں ہوتی، جو قلب کے سکون واطمینان کا نام ہے، اس کے علاوہ یہ دنیا کا مال ومتاع چونکہ ان کو آخرت سے غافل کر کے کفر ومعاصی میں

انہماک کا سبب بھی بن رہا ہے اس لئے سبب عذاب ہونے کی وجہ سے بھی اس کو عذاب کہا سکتا ہے، اسی لئے الفاظ قرآن میں لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان اموال ہی کے ذریعہ ان کو سزا دینا چاہتا ہے۔

وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ
مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ○
اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے دولت اور
طاقت والے لوگ آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہمیں چھوڑ دیں ہم (پیچھے) بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

جہاد کا حکم نازل ہونے پر منافقین کا عمل سے معذرت کرنے کا بیان

"وَاِذَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ" اَیْ طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ "اَنْ" اَیْ بِاَنْ "اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُو الطَّوْلِ" ذَوُو الْغِنَى، وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقَاعِدِيْنَ،

اور جب کوئی سورت یعنی جو قرآن سے نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول ﷺ کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے دولت اور طاقت والے لوگ آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: آپ ہمیں چھوڑ دیں ہم (پیچھے) بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

جہاد کے حکم سن کر خوف زدہ ہو کر گریز کرنے والوں کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو وسعت طاقت قوت ہونے کے باوجود جہاد کے لئے نہیں نکلتے جی چرا جاتے ہیں اور حکم ربانی سن کر پھر رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کے پاس آ آ کر اپنے رک رہنے کی اجازت چاہتے ہیں ان کی بے حمیتی تو دیکھو کہ یہ عورتوں جیسے ہو گئے ہیں لشکر چلے گئے، یہ نامردزنانے عورتوں کی طرح پیچھے رہ گئے۔ بوقت جنگ بزدل ڈرپوک اور گھروں میں گھسے رہنے والے، بوقت امن بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے۔ یہ بھونکنے والے کتوں اور گرجنے والے بادلوں کی طرح ڈھول کے پول ہیں۔ چنانچہ اور جگہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ خوف کے وقت ایسی آنکھیں پھیرنے لگتے ہیں جیسے کوئی مر رہا ہو اور جہاں وہ موقع گذر گیا لگے چرب زبانی کرنے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے، باتیں بنانے۔ امن کے وقت تو مسلمانوں میں فساد پھلانے لگتے ہیں اور وہ بلند بانگ بہادری کے ڈھول پیٹتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں لیکن لڑائی کے وقت عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر پردہ نشین بن جاتے ہیں، بل اور سوراخ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے تئیں چھپاتے پھرتے ہیں۔

ایمان دار تو سورت اترنے اور اللہ کے حکم ہونے کا انتظار کرتے ہیں لیکن بیمار دلوں والے منافق جہاں سورت اتری اور جہاد کا حکم سنا آنکھیں بند کر لیں دیدے پھیر لئے۔ ان پر افسوس ہے اور ان کے لئے تباہی خیز مصیبت ہے۔ اگر یہ اطاعت گذار ہوتے تو ان کی زبان سے اچھی بات نکلتی ان کے ارادے اچھے ہوتے یہ اللہ کی باتوں کی تصدیق کرتے تو یہی چیز ان کے حق میں بہتر تھی لیکن

ان کے دلوں پر تو ان کی بداعمالیوں سے مہر لگ چکی ہے اب تو ان میں اس بات کی صلاحیت بھی نہیں رہی کہ اپنے نفع نقصان کو ہی سمجھ لیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ۝
انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں، بچوں اور معذوروں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر
مُہر لگا دی گئی ہے سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

منافقین کے دلوں پر مہریں لگانے کا بیان

"رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ" جَمْعُ خَالِفَةٍ اَیْ النِّسَاءِ اللَّاتِیْ تَخَلَّفْنَ فِی الْبُیُوْتِ "وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ" الْخَیْرَ،

انہوں نے یہ پسند کیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں، بچوں اور معذوروں کے ساتھ ہو جائیں، خوالف یہ خالفہ کی جمع ہے مراد وہ خواتین جو اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ اور ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی ہے کہ وہ بھلائی کو نہیں سمجھتے۔

مال و دولت، خوشحالی اور آسودگی اگرچہ اللہ کی نعمت ہے مگر جب یہی چیزیں اللہ کے احکام کی تعمیل میں رکاوٹ بن جائیں تو یہی انسان کے لیے فتنہ اور عذاب کا باعث بن جاتی ہیں۔ ایک تو ان میں نفاق کا مرض پہلے ہی موجود تھا دوسرے عیش و آرام کی زندگی بھی میسر ہو تو منافقوں کو جہاد میں مال و دولت کا خرچ کرنا اور سفر کی صعوبتیں کیسے گوارا ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر حیلہ بازیاں اور معذرتیں کرنا ان کی ایک عادت ثانیہ سی بن چکی تھی۔ ان کی اسی عادت کو اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا اگر انہیں جہاد کی ترغیب دی جائے تو اب ان کے دلوں پر رتی بھر بھی اثر نہیں ہوتا۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝
لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد
کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا ایمان والوں کے لئے ہونے کا بیان

"لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَیْرَاتُ" فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اَیْ الْفَائِزُوْنَ،

لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے

ہیں اور انہی لوگوں کے لئے دنیا و آخرت میں سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان کا جہاد اونٹ دینے کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن ابن خباب بیان کرتے ہیں: اس وقت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھا جب آپ جیش عسرۃ (جنگ عسرۃ) کی مالی امداد کے لئے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پر جوش تلقین سن کر) کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی راہ میں کام آنے کے لئے سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے میں اپنے ذمہ لیتا ہوں (یعنی اس جنگ کے لئے میں اللہ کی راہ میں سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان کے پیش کرتا ہوں) اس کے بعد (اسی مجلس میں یا کسی اور موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لوگوں کو اس جنگ کے لئے امداد و معاونت کی طرف متوجہ اور راغب کیا تو حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ (پہلے سو اونٹوں کے علاوہ مزید) دو سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے اللہ کی راہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ پس میں نے دیکھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل کے بعد اب عثمان جو بھی کریں ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس کے بعد اب عثمان جو بھی کریں ان سے ان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 680)

جہاد کے لئے جانیں قربان کرنے والے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے جو اس کی راہ میں (جہاد کرنے کو) نکلے اور اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق ہی نے (جہاد پر آمادہ کر کے) گھر سے نکالا ہو، اس امر کا ذمہ دار ہو گیا ہے کہ یا تو میں اسے اس ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا، جو اس نے جہاد میں پایا ہے، یا اسے (شہید بنا کر) جنت میں داخل کر دوں گا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو (کبھی) چھوٹے لشکر کے ہمراہ جانے سے بھی دریغ نہ کرتا، کیوں کہ میں یقیناً اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 35)

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۠
اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں،
یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اہل جنت کے لئے نعمتوں اور جنتی نہروں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر

ایمان لائے اور نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمہ یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے گا خواہ وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے یا جس سرزمین میں پیدا ہوا ہو وہیں جمارہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم لوگوں میں اس بات کی بشارت نہ سنادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے مقرر کئے ہیں دونوں درجوں کے درمیان اتنا فصل ہے جیسے آسمان وزمین کے درمیان پس جب تم اللہ سے دعا مانگو تو اس سے فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے مجھے خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر صرف رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 65)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○
اور صحرانشینوں میں سے کچھ بہانہ ساز آئے تاکہ انہیں رخصت دے دی جائے، اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے
رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا، بیٹھے رہے، عنقریب ان میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب پہنچے گا۔

جھوٹے بہانے کر کے جہاد سے پیچھے ہٹنے والے منافقین کا بیان

"وَجَاءَ الْمُعَذِّرُوْنَ" بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ اَيْ الْمُعْتَذِرُوْنَ بِمَعْنَى الْمَعْذُورِينَ وَقُرِءَ بِهِ "مِنَ الْاَعْرَابِ" اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لِيُؤْذَنَ لَهُمْ" فِي الْقُعُودِ لِعُذْرِهِمْ فَاَذِنَ لَهُمْ "وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" فِيْ اِدِّعَاءِ الْاِيْمَانِ مِنْ مُنَافِقِي الْاَعْرَابِ عَنْ الْمَجِيءِ لِلْاِعْتِذَارِ، سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

یہاں پر معذرون ہیں تاء کا دال میں ادغام ہے۔ یعنی اصل میں معتذرون تھا یعنی عذر کرنے والے ہیں اور ایک قرأت میں معتذرون پڑھا گیا ہے۔ اور صحرانشینوں میں سے کچھ بہانہ ساز معذرت کرنے کے لئے دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئے تاکہ انہیں بھی جہاد سے بیٹھ رہنے کی رخصت دے دی جائے، اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے دعویٰ ایمان میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا یعنی دیہاتی منافقین جہاد چھوڑ کر پیچھے بیٹھے رہے، عنقریب ان میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب پہنچے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

المعذرون۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ تعذیر (تفعیل) مصدر۔ جھوٹا عذر پیش کرنے والے۔ معذر۔ وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی حقیقی عذر نہ ہو۔ اور پھر بھی وہ عذر پیش کرے۔ بعض علماء کے نزدیک معذرون دراصل معتذرون (باب افتعال) سے ت کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں مدغم کیا اور معذرون ہو گیا۔ اس باب سے اس کے معنی ہوں گے۔ صحیح عذر والے۔

ابن کثیر نے بھی یہی مطلب لیا ہے لکھتے ہیں:۔ یہ بیان ان لوگوں کا ہے جو حقیقتاً کسی شرعی عذر کے باعث جہاد میں شامل نہ ہو سکتے تھے! مدینہ کے اردگرد کے یہ لوگ آ آ کر اپنی کمزوری۔ ضعیفی بے طاقتی بیان کر کے اللہ کے رسول ﷺ سے اجازت لینے آتے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی انہیں معذور خیال فرمادیں تو اجازت دیدیں یہ بنوغفار کے قبیلے کے لوگ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات میں وجاء المعذرون ہے یعنی اہل عذر لوگ۔ یہی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اسی جملہ کے بعد ان لوگوں کا بیان ہے جو جھوٹے تھے یہ بیٹھے رہے اور نہ آئے نہ اپنا رک جانے کا سبب پیش کیا نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رک جانے کی اجازت چاہی۔ الاعراب۔ گنوار۔ بدو۔ اعراب بادہ نشین کو کہتے ہیں۔ یہاں پر خاص کر وہ قبائل مراد ہیں جو مدینہ کے اردگرد آباد تھے۔ لیوذن لھم۔ کہ ان کو اجازت مل جائے۔ وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہ ۔ یہ دوسرا گروہ تھا جو گھر بیٹھے رہے۔ اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ چلو محض ظاہر داری کے لئے ہی کوئی عذر لنگ پیش کردیں۔

نبی کریم ﷺ کا منافقین کی حالت سے مطلع ہونے کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جہاد سے رہ جانے کا عذر کرنے۔ ضحاک کا قول ہے کہ یہ عامر بن طفیل کی جماعت تھی انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ اگر ہم آپ کے ساتھ جہاد میں جائیں تو قبیلہ طے کے عرب ہماری بی بیوں بچوں اور جانوروں کو لوٹ لیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ نے تمہارے حال سے خبردار کیا ہے اور وہ مجھے تم سے بے نیاز کرے گا۔ عمرو بن علاء نے کہا کہ ان لوگوں نے عذر باطل بنا کر پیش کیا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ برأت، لاہور)

لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ
اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ مِنۡ سَبِيۡلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۙ
ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جب کہ اللہ اور رسول کے خیرخواہ رہیں
نیکی والوں پر کوئی راہ نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حقیقی عذر والوں کے لئے جہاد نہ کر سکنے کی اباحت کا بیان

"لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَاء" كَالشُّيُوخ "وَلَا عَلَى الْمَرْضَى" كَالْعُمْيِ . وَالزَّمْنٰى "وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنۡفِقُوْنَ" فِي الْجِهَاد "حَرَجٌ" اِثۡم فِي التَّخَلُّف عَنْهُ "إِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ" فِيْ حَال قُعُودهمْ بِعَدَمِ الْإِرْجَاف وَالتَّثْبِيط وَالطَّاعَة "مَا عَلَى الْمُحۡسِنِيْنَ" بِذٰلِكَ "مِنۡ سَبِيۡل" طَرِيْق بِالْمُؤَاخَذَةِ "وَاللّٰهُ غَفُور" لَهُمۡ "رَحِيۡم" بِهِمۡ فِي التَّوۡسِعَة فِيْ ذٰلِكَ،

ضعیفوں جس بوڑھے ہیں ان پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر جس طرح نابینا اور اپاہج ہیں اور نہ ان پر جنہیں جہاد میں خرچ

کرنے کی طاقت نہیں ہے یعنی جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ جب کہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں یعنی بیٹھ رہنے کی صورت میں کوئی فتنہ وفساد نہ پھیلائیں، نیکی یعنی اطاعت کرنے والوں پر کوئی مؤاخذہ کی راہ نہیں ہے اور اللہ ان کو بخشنے والا ،ان کے ساتھ وسعت رحمت والا ہے۔

سورہ برأت آیت ۹۱ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتا تھا ایک مرتبہ سورہ برات لکھ رہا تھا میں قلم کو اپنے کان پر رکھے ہوئے تھا کہ ہمیں قتال کا حکم دیا گیا رسول اللہ ﷺ نے اس وحی کو جو آپ پر نازل ہوئی دیکھنا شروع کر دیا کہ اچانک ایک نابینا آ گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا جبکہ میں اندھا ہوں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى) ۔ (سیوطی146،طبری10۔145)

حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب تم کوئی سفر کرتے ہو یا کوئی وادی عبور کرتے ہو تو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کے باوجود کہ وہ مدینہ میں ہیں آپ نے فرمایا اس کے باوجود کہ وہ مدینہ میں ہیں انہیں عذر نے روکا ہے۔" (بخاری۔ کتاب المغازی، مسلم۔ کتاب الامارۃ)

حالت مجبوری میں جہاد پر نہ جانے کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشی تھا سورہ برات جب اتر رہی تھی میں اسے بھی لکھ رہا تھا میرے کان میں قلم اڑا ہوا تھا جہاد کی آیتیں اتر رہی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم منتظر تھے کہ دیکھیں کہ اب کیا حکم نازل ہوتا ہے؟ اتنے میں ایک نابینا صحابی آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد کے احکام اس اندھاپے میں کیسے بجا لا سکتا ہوں؟ اسی وقت یہ آیت اتری۔

ان کا ذکر ہوتا ہے جو جہاد کی شرکت کے لئے تڑپتے ہیں مگر قدرتی اسباب سے مجبور ہو کر با دل ناخواستہ رک جاتے ہیں۔ جہاد کا حکم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہوا مجاہدین کا لشکر جمع ہونا شروع ہوا تو ایک جماعت آئی جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بن مقرن مزنی وغیرہ تھے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سواریاں نہیں آپ ہماری سواریوں کا انتظام کر دیں تا کہ ہم بھی راہ حق میں جہاد کرنے اور آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کریں۔ آپ نے جواب دیا کہ واللہ میرے پاس تو ایک بھی سواری نہیں۔ یہ ناامید ہو کر روتے پیٹتے غم زدہ اور رنجیدہ ہو کر لوٹے ان پر اس سے زیادہ بھاری بوجھ کوئی نہ تھا کہ یہ اس وقت ہم رکابی کی اور جہاد کی سعادت سے محروم رہ گئے اور عورتوں کی طرح انہیں یہ مدت گھروں میں گذارنی پڑے گی نہ ان کے پاس خود ہی کچھ ہے نہ کہیں سے کچھ ملتا ہے پس جناب باری نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی تسکین کر دی۔ یہ آیت قبیلہ مزینہ کی شاخ بنی مقرن کے بارے میں اتری ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○
اور نہ ایسے لوگوں پر جبکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ انہیں سوار کریں آپ نے فرمایا: میں بھی کوئی نہیں پاتا ہوں جس
پر تمہیں سوار کرسکوں، وہ اس حالت میں لوٹے کہ ان کی آنکھیں غم میں اشکبار تھیں کہ وہ زادِ راہ نہیں پاتے جسے وہ خرچ کرسکیں۔

سواریوں کے نہ ہونے کے سبب جہاد سے رہ جانے والوں کی حالت غم کا بیان

"وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ" مَعَكَ اِلَى الْغَزْوِ وَهُمْ سَبْعَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَقِيلَ بَنُو مُقْرِن "قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" حَال "تَوَلَّوْا" جَوَاب اِذَا اَيْ انْصَرَفُوْا "وَاَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ" تَسِيل "مِنْ" لِلْبَيَانِ "الدَّمْعِ حَزَنًا" لِاَجْلِ "اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ" فِي الْجِهَادِ،

اور نہ ایسے لوگوں پر جبکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ انہیں جہاد کے لئے سوار کریں اور وہ انصار میں سے سات افراد تھے تو آپ نے فرمایا، میں بھی کوئی زائد سواری نہیں پاتا ہوں جس پر تمہیں سوار کرسکوں، تو وہ اس حالت میں لوٹے کہ ان کی آنکھیں جہاد سے محرومی کے غم میں اشکبار تھیں کہ وہ جہاد کرنے کے لئے اس قدر زادِ راہ نہیں پاتے جسے وہ خرچ کرسکیں۔

سورہ براۃ آیت ۹۲ کے شانِ نزول کا بیان

یہ آیت کریمہ رونے والوں کے متعلق نازل ہوئی یہ سات حضرات تھے معقل بن یسار، صخر بن خنیس، عبداللہ بن کعب انصاری، سالم بن عمیر، ثعلبہ بن غنمہ، عبداللہ بن مغفل یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ اللہ نے ہمیں آپ کے ساتھ خروج کی طرف بلایا ہے لہٰذا آپ ہمیں اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار کرلیں تا کہ ہم آپ کے ساتھ جہاد کرسکیں۔ آپ نے فرمایا کہ سواریاں نہیں پاتا تا کہ جن پر تم کو سوار کروں تو یہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے۔

(طبری 10-146)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جہاد کے لیے اٹھنے کا حکم دیا تو آپ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو ان میں عبداللہ بن معقل مزنی بھی تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں سوار کردیجیے آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں سواری نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں چنانچہ وہ روتے ہوئے واپس لوٹے اور ان پر یہ بات انتہائی شاق گزری کہ وہ جہاد سے روک دیے گئے اور انہیں نفقہ و سواری میسر نہیں تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ۔ (سیوطی 146، طبری 10-145)

مجاہد کا قول ہے کہ یہ آیت مقرن کے بیٹوں معقل، سوید اور نعمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے قول خداوندی۔ **الاعراب اشد كفرا و نفاقا** ۔ دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں۔ یہ آیت اسد اور غطفان قبیلوں کے بدوں اور مدینہ کے شہری بدوں

کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا
مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝
مؤاخذہ تو ان سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں اور وہ دولت مند ہیں انہیں پسند آیا کہ عورتوں کی طرح جہاد سے پیچھے
بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی تو وہ کچھ نہیں جانتے۔

مال ودولت والوں کا جہاد پر نہ جانے کے سبب مؤاخذہ ہونے کا بیان

"اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ" فِی التَّخَلُّفِ "وَهُمْ اَغْنِیَاءُ رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" تَقَدَّمَ مِثْلُهُ،

مؤاخذہ تو ان سے ہے جو تم جہاد میں بیٹھ رہنے کی رخصت مانگتے ہیں اور وہ دولت مند ہیں انہیں پسند آیا کہ عورتوں کی طرح جہاد سے پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی تو وہ کچھ نہیں جانتے۔ اس کی مثل تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ
وَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا، بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے
اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دے دی ہیں، اور اب اللہ ورسول تمہارے کام دیکھیں گے پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے
جو چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں جہاد پر نہ جانے کا بہانہ کرنے والوں کا بیان

"یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْكُمْ" فِی التَّخَلُّفِ "اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ" مِنَ الْغَزْوِ "قُلْ" لَهُمْ "لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ" نُصَدِّقُكُمْ "قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ" اَیْ اَخْبَرَنَا بِاَحْوَالِكُمْ "وَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ" بِالْبَعْثِ "اِلٰى عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ" اَیْ اللّٰهِ "فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" فَیُجَازِیْكُمْ عَلَیْهِ،

جہاد سے پیچھے رہ جانے میں وہ آپ سے بہانے بنائیں گے جب تم غزوہ سے ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا، بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے یعنی تمہاری تصدیق نہ کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں یعنی تمہارے حالات بتادیئے ہیں، اور اب دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اللہ ورسول تمہارے کام دیکھیں گے۔ پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر سب

کو جانتا ہے وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ لہٰذا وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

سورہ برأت آیت ۹۴ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی بھی لڑائی میں کبھی پیچھے نہیں رہا مگر سوائے دو لڑائیوں کے ایک جنگ بدر اور دوسرے جنگ تبوک چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے واپسی کے وقت مدینہ میں تشریف لائے تو میں بہانہ کرنے کے بجائے سچ کہنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اکثر چاشت کے وقت تشریف لایا کرتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بات کرنے سے روک دیا تھا مگر دوسرے رہ جانے والوں سے نہیں روکا تھا چنانچہ لوگ ہم تینوں سے الگ رہتے اور بات تک نہ کرتے مجھے اس بات کا بہت غم تھا کہ کہیں اسی حال میں میں مر نہ جاؤں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں یا اللہ نخواستہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی دنیا سے سفر فرما جائیں اور پھر سب کا ہمارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رہے اور لوگ نہ ہمارے ساتھ کلام کریں اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھیں آخر پچاس دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم فرمایا اور ایک دن صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہماری توبہ کے قبول ہونے کے متعلق وحی نازل کی گئی۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھے اور وہ ہماری بہت سفارش کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ان کے پاس کس کو بھیجوں جو جا کر انہیں خبر کردے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور پھر تم کو تمام رات سونا بھی نصیب نہ ہوگا چنانچہ صبح کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اس بات کی خبر کردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا اور ہر خوشی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اسی طرح چمکنے لگتا تھا۔ ہم تینوں آدمی تمام منافقوں سے توبہ کے قبول ہونے میں پیچھے رہ گئے تھے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے ایسا برا بھلا کہا کہ کسی کے لئے نہیں کہا اور یہ آیت ان کے حق میں نازل فرمائی (يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ۔ التوبہ: 94) یعنی جب تم ان کے پاس جاؤ گے تو یہ جھوٹے بہانے بنائیں گے۔ اے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اے منافقو! عذر مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ جانیں گے اللہ نے تمہاری سب باتوں کی ہمیں خبر کردی ہے اللہ اور رسول اب تمہارے اعمال دیکھیں گے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1861)

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ

اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝

اب تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اس لیے کہ تم ان کے خیال میں نہ پڑو تو
ہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو سراسر پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے یہی بدلہ ہے اس کا جو وہ کماتے تھے۔

منافقین کے باطن میں خباثت ہونے کا بیان

"سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ" رَجَعْتُمْ "اِلَيْهِمْ" مِنْ تَبُوْكَ اَنَّهُمْ مَعْذُوْرُوْنَ فِي التَّخَلُّف "لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ" بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَة "فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْس" قَذَر لِخُبْثِ بَاطِنهمْ، وَّمَاْوٰاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ،

اب تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم تبوک سے ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے تو وہ قسمیں اٹھائیں گے کیونکہ وہ جہاد پر نہیں گئے تھے۔ اس لیے کہ تم ان کے خیال میں نہ پڑو تو ہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو سراسر پلید ہیں کیونکہ ان کے باطن میں خباثت ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے یہی بدلہ ہے اس کا جو وہ کماتے تھے۔

الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معانی کا بیان

اذا انقلبتم الیهم ۔تم ان کی طرف پھرو گے، تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (ماضی بمعنی مضارع)

لتعرضوا عنهم ۔ **اعرض یعرض اعراض** (افعال) عن منہ موڑنا۔ منہ پھیرنا۔ اعراض کرنا۔ درگزر کرنا۔ معاف کرنا۔

یہاں بمعنی۔ تاکہ تم ان کو معاف کر دو۔ ان سے درگزر کرو۔ صرف نظر کرو۔ تعرض نہ کرو۔ اسی معنی میں ہے۔ **فاعرض عنهم وعظهم** تم ان سے اعراض برتو (درگزر کرو) اور نصیحت کرتے رہو۔ منہ پھیرنے۔ روگردانی کرنے۔ کنارہ کشی کرنے کے معنی میں آیۃ ہذا میں ہی ہے۔ **فاعرضوا عنهم** ۔ پس تم ان سے منہ پھیرلو۔ کنارہ کشی اختیار کرو۔ اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ **واعرض عن الجاهلین** ، اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو۔

رجس۔ ناپاک۔ پلید۔ گندہ۔ نجس۔ ماوٰھم۔ مضاف مضاف الیہ۔ ماوی۔ اسم ظرف اور مصدر۔ **اوی یودی ایواء (افعال)** اس نے جگہ دی۔ اس نے اتارا۔ اوی یاوی (ضرب) وہ بیٹھا۔ وہ اترا۔ بصورت اسم ظرف، اس کے معنی ہیں ٹھکانہ۔ قیام کا مقام۔ پناہ گاہ۔ یہاں بطور اسم ظرف مکان استعمال ہوا ہے۔

سورہ برأت آیت ۹۵ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جب میں غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہو سکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے واپس آگئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسی نعمت عطا فرمائی جو کہ مسلمان ہونے کے بعد سے اب تک نہیں ملی تھی وہ یہ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹ نہیں بولا اور ہلاک ہونے سے بچ گیا اور دوسرے جو منافق تھے جھوٹ بول کر ہلاک ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

اِنْقَلَبْتُمْ (التوبہ، ۹۵) (صحیح بخاری: جلددوم: حدیث نمبر 1857)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور انکے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ اسی ۸۰ منافق تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے کلام نہ کرو۔ مقاتل نے کہا کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبَی کے حق میں نازل ہوئی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قسم کھائی تھی کہ اب کبھی وہ جہاد میں جانے سے سُستی نہ کرے گا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ حضور اس سے راضی ہو جائیں۔ اس پر یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، سورہ برأت، بیروت)

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۝
تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بیشک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔

اللہ کی ناراضگی کی شدت کا بیان

"يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ" اَیْ عَنْهُمْ وَلَا يَنْفَعُ رِضَاكُمْ مَعَ سَخَطِ اللّٰهِ،

تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بیشک اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔ یعنی اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے تمہارا ان سے راضی ہونا مناسب نہیں کیونکہ اس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

منافقین کے بہانوں اور قسموں سے اعراض کرنے کا بیان

جب وہ آ کر اپنے عذر پیش کر کے اپنے بیان پر قسمیں کھانے لگے تو ان سے مختلف سوالات کر کے ان کے بیانات کی تحقیق نہ شروع کر دینا۔ وہ اپنے عذر اس لیے پیش نہیں کر رہے کہ آپ ان سے سوالات شروع کر دیں بلکہ اس لیے کہ آپ ان سے درگزر کریں اور کچھ تعرض نہ کریں۔ سو آپ ان سے پوری طرح اعراض کیجئے۔ کیونکہ یہ نجس اور بد باطن لوگ ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے میل ملاپ بھی نہ رکھنا چاہیے تاکہ انہیں اپنے کرتوتوں کا کچھ احساس ہو جائے۔ ان کے قسمیں کھانے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ آپ ان سے راضی رہیں۔ اور ان سے مسلمانوں کے تعلقات ویسے ہی برقرار رہیں جیسے پہلے تھے لیکن نفاق پوری طرح کھل جانے کے بعد کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ان سے دوستی یا محبت کے تعلقات برقرار رکھے۔ کیونکہ اللہ ایسے منافقوں سے کبھی راضی نہ ہوگا۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝
دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اسی قابل ہیں کہ وہ ان حدود واحکام سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

دیہاتی لوگوں کا کفر ونفاق میں شہریوں سے زیادہ سخت ہونے کا بیان

"اَلْاَعْرَاب" اَهْل الْبَدْو "اَشَدّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا" مِنْ اَهْل الْمُدُن لِجَفَائِهِمْ وَغِلَظ طِبَاعهمْ وَبُعْدهمْ عَنْ سَمَاع الْقُرْاٰن "وَاَجْدَر" اَوْلٰى "اَن" اَیْ بِاَنْ "لَا يَعْلَمُوْا حُدُوْد مَا اَنْزَلَ اللّٰه عَلٰى رَسُوْلَهٗ" مِنَ الْاَحْكَام وَالشَّرَائِع "وَاللّٰهُ عَلِيْم" بِخَلْقِهٖ "حَكِيْم" فِیْ صُنْعه بِهِمْ۔

دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں کیونکہ دلوں کی سختی اور طبائع کی تخی اور قرآن سے سننے سے دور رہنے کے سبب یہ لوگ سخت ہوتے ہیں اور اسی قابل ہیں کہ وہ ان حدود واحکام سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائے ہیں، یعنی جو اللہ نے احکام شرعیہ کو نازل کیا ہے۔ اور اللہ اپنی مخلوق کو خوب جاننے والا، ان کی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

سورہ براءت آیت ۹۷ کے شانِ نزول کا بیان

دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام خدا نے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائے ہیں ان سے واقف ہی نہ ہوں۔ یہ آیت کریمہ قبیلہ اسد اور غطفان کے دیہاتیوں اور مدینہ میں رہنے والے کچھ دیہاتیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ (نیسابوری 217، زادالمسیر 3۔488)

ان آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو بادیہ نشین یعنی مدینہ کے باہر دیہاتوں میں رہتے تھے، دیہات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے شہریوں کے اخلاق وکردار میں درشتی اور کھردراپن زیادہ پایا جاتا ہے اس طرح ان میں جو کافر اور منافق تھے وہ کفر ونفاق میں بھی شہریوں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے اس آیت میں انہی کا تذکرہ اور انکے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا اَتُقَبِّلُوْنَ صِبْیَانَكُمْ 'کیا تم اپنے بچے کو بوسہ دیتے ہو صحابہ نے عرض کیا ہاں انہوں نے کہا واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا' اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں سے رحم وشفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا دخل ہے۔ (صحیح بخاری)

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
اور ان دیہاتی گنواروں میں سے وہ شخص ہے جو اس کو تاوان قرار دیتا ہے جسے وہ خرچ کرتا ہے اور تم پر زمانہ کی گردشوں کا
انتظار کرتا رہتا ہے، بری گردش انہی پر ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو نقصان سمجھنے والوں کا بیان

"وَمِنَ الْاَعْرَاب مَنْ يَّتَّخِذ مَا يُنْفِق " فِيْ سَبِيْل اللّٰه "مَغْرَمًا" غَـرَامَة وَخُسْرَانًا لِاَنَّهُ لَا يَرْجُو ثَوَابه بَلْ يُنْـفِـقهُ خَوْفًا وَّهُمْ بَنُو اَسَد وَغَطَفَان "وَيَتَرَبَّص" يَنْتَظِر "بِكُمُ الدَّوَائِر " دَوَائِـر الزَّمَان اَنْ تَنْقَلِب عَـلَـيْـكُمْ فَيَتَخَلَّص "عَـلَيْهِمْ دَائِرَة السُّوء " بِـالـضَّـمِّ وَالْفَتْح اَیْ یَدُور الْعَذَاب وَالْهَلَاك عَلَيْهِمْ لَا عَلَيْكُمْ "وَاللّٰهُ سَمِيْع" لِاَقْوَالِ عِبَاده "عَلِيْم" بِاَفْعَالِهِمْ،

اور ان دیہاتی گنواروں میں سے وہ شخص بھی ہے جو اس مال کو تاوان ونقصان قرار دیتا ہے کیونکہ وہ ثواب کی امید رکھنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ڈر کی وجہ سے خرچ کرتا ہے۔اور بنو اسد اور غطفان ہیں۔اور تم پر زمانہ کی گردشوں یعنی مصائب وآلام کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں پر سوء ضمہ اور فتحہ دونوں طرح آیا ہے یعنی عذاب وہلاکت کی بری گردش انہی پر ہے، اور اللہ ان کے اقوال کو خوب سننے والا، ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔

سورہ برأت آیت ۹۸ کے شانِ نزول کا بیان

یہ آیت قبیلہ اسد وغطفان وتمیم کے اعرابیوں کے حق میں نازل ہوئی پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں سے جن کا استثناء کیا ہے ان کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔(تفسیر خازن، سورہ برأت، بیروت)

منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پائے تو اہل عرب میں جو کافر ہو گئے یعنی زکوۃ کے منکر ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں یعنی اہل ایمان سے کیونکہ جنگ کریں گے۔جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں (یعنی اسلام لے آئیں) لہٰذا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا یعنی اسلام قبول کر لیا اس نے مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کر لیا سوائے اسلام کے حق اور اس کے باطن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں جو نماز اور روزہ کے درمیان فرق کرے کیونکہ جس طرح جان کا حق نماز ہے اسی طرح بلاشبہ مال کا حق زکوۃ ہے اور اللہ کی قسم اگر وہ لوگ جو منکر زکوۃ ہو رہے ہیں مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے تو میں ان کے اس انکار کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے اللہ کی قسم اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہ میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنگ

کرنے کے لئے الہام کے ذریعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دل کھول دیا ہے یعنی پر یقین کر دیا ہے لہٰذا مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہی یعنی منکرین زکوۃ سے جنگ ہی حق اور درست ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 286)

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ
الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اور بادیہ نشینوں میں وہ شخص بھی ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور
تقرب اور رسول ﷺ کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو! بیشک وہ ان کے لئے باعث قرب الٰہی ہے، جلد ہی اللہ
انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

نبی کریم ﷺ کی دعا کے وسیلہ سے قرب الٰہی حاصل کرنے والوں کا بیان

"وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" كَجُهَيْنَةَ وَمُزَيْنَةَ "وَيَتَّخِذ مَا يُنْفِق" فِيْ سَبِيْلِ اللّٰه "قُرُبَات" تُقَرِّبهُ "عِنْدَ اللّٰه" وَسِيلَة اِلٰى "وَصَلَوَات" دَعَوَات "الرَّسُوْل" لَهُ "اَلَا اِنَّهَا" اَيْ نَفَقَتهمْ "قُرُبَة" بِضَمِّ الرَّاء وَسُكُوْنهَا "لَهُمْ" عِنْده "سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰه فِيْ رَحْمَته" جَنَّته "اِنَّ اللّٰه غَفُور" لِاَهْلِ طَاعَته "رَحِيْم" بِهِمْ،

اور اعراب میں سے وہ شخص بھی ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے جس طرح قبیلہ جہینہ اور مزینہ ہے اور جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول ﷺ کی رحمت بھری دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو! بیشک وہ ان کے لئے باعث قرب الٰہی ہے، قربت یہ راء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بھی آئی ہے۔ جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ اہل اطاعت کو بڑا بخشنے والا، ان کے ساتھ نہایت مہربان ہے۔

سورہ برأت آیت ۹۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت بنو مقرن کے بارے میں نازل ہوئی جن کے متعلق یہ آیت بھی نازل ہوئی ۔ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو۔ عبدالرحمٰن بن معقل مزنی کہتے ہیں کہ ہم دس افراد مقرن کی اولاد میں سے تھے ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مجاہد نے کہا کہ یہ لوگ قبیلہ مُزینہ میں سے بنی مقرن ہیں۔ کلبی نے کہا وہ اسلم اور غفار اور جُہینہ کے قبیلہ ہیں۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش اور انصار اور جہینہ اور مزینہ اور اسلم اور شجاع اور غفار موالی ہیں، اللہ اور رسول کے سوا ان کا کوئی مولا نہیں۔ (سیوطی 146، طبری 11-5، قرطبی 8-235)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اسلم غفار مزینہ اور جہینہ یہ سب قبیلے بنو تمیم سے اور

دونوں حلیف قبیلوں یعنی بنو اسد اور غطفان سے بہتر ہیں۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 586)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○
اور مہاجرین اور ان کے مددگار انصار میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجہ احسان کے
ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں
تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے۔

سابقون واولون مہاجرین وانصار کی فضیلت کا بیان

"وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار " وَهُمْ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا اَوْ جَمِيْع الصَّحَابَة "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ " اِلٰى يَوْم الْقِيَامَة "بِاِحْسَانٍ" فِي الْعَمَل "رَضِيَ اللّٰه عَنْهُمْ " بِطَاعَتِهِ "وَرَضُوْا عَنْهُ" بِثَوَابِهِ "وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّات تَجْرِي تَحْتهَا الْاَنْهَار " وَفِيْ قِرَاءَة بِزِيَادَةِ مِنْ، خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ،

اور مہاجرین اور ان کے مددگار انصار میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے یعنی وہ جو بدر میں حاضر ہوئے یا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اور درجہ احسان کے ساتھ قیامت کے دن تک اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان سب کی اطاعت سے راضی ہو گیا اور وہ سب اس کے ثواب سے سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ایک قرأت میں لفظ من کی زیادتی کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہے۔

سابقین صحابہ کرام کے مفہوم سے متعلق مختلف اقوال کا بیان

السابقون۔ آگے پہنچنے والے۔ آگے بڑھنے والے۔ سبق سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے۔ سابق کی جمع۔ الاولون۔ اول کی جمع۔ السابقون الاولون من المهجرين والانصار ۔(مہاجرین وانصار میں سے وہ لوگ جنہوں نے ایمان واطاعت میں سبقت اور پہل کی) سے کون حضرات مراد ہیں۔ ان کے متعلق مختلف اقوال ہیں:۔

شعبی کہتے ہیں ان سے مراد مہاجرین وانصار ہیں جنہوں نے جنگ حدیبیہ میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری۔ سعید بن المسیب۔ حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ: ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔

وہ لوگ جو جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

اور اگر انصار کو مہاجرین سے الگ ایک طائفہ لیا جائے تو اس سے مراد وہ انصار ہوں گے جو بیعت عقبہ اولیٰ اور عقبۃ الثانیہ سے مشرف ہوئے تھے۔ جنہوں نے حضرت ابوزرارہ۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی تبلیغ و تعلیم پر جب وہ مدینہ شریف آئے تھے ایمان واسلام قبول کیا۔

بعض نے الانصار کو آراء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کو السابقون پر عطف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا (رہے وہ لوگ) جو مہاجرین میں سے سابقون اولون ہیں اور انصار۔ اور جنہوں نے احسن طریقہ سے ان کی پیروی کی۔ تو راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ راضی ہو گئے اللہ تعالیٰ سے۔ لیکن پہلی قرات جمہور کے نزدیک اصح ہے۔ باحسان۔ عمدگی کے ساتھ احسن طریقہ سے۔ احسان کے معنی غیر کے ساتھ بھلائی کرنے اور کسی اچھی بات کے معلوم کرنے اور نیک کام کے انجام دینے کے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مراتب و درجات کا بیان

شرح السنۃ میں ابومنصور بغدادی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے افضل خلفاء اربعہ ہیں اور ان میں بھی ترتیب کا اعتبار ہے یعنی سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور ان کے بعد حضرت علی۔ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے افضل وہ تمام صحابہ ہیں جن کو "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے، ان کے بعد سب سے افضل وہ صحابہ ہیں جو جنگ احد میں شریک تھے، ان کے بعد بیعت رضوان میں شریک صحابہ، ان کے بعد وہ انصار صحابہ جنہوں نے دونوں مرتبہ بیعۃ العقبۃ الاولی اور بیعۃ العقبۃ الثانیہ کے موقع پر مکہ میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔

اسی طرح وہ صحابہ جن کو "سابقون اولون" کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی اور ابتداء اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور جن کو دونوں قبیلوں یعنی بیت المقدس اور کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع ملا ان صحابہ سے افضل ہیں جو ان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کون دوسری سے افضل ہے اسی طرح حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں واضح رہے کہ حضرت معاویہ عدول اہل فضل اور خیار صحابہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کوئی بھی برا خیال رکھنا یا ان کی شان میں کوئی ایسی بات کہنا جو مرتبہ صحابیت کے منافی ہو اسی طرح ممنوع جس طرح دوسرے صحابہ کے بارے میں ہے۔

(شرح السنہ)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫
لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۞

اور تمہارے گرد ونواح کے دیہاتی گنواروں میں بعض منافق ہیں اور بعض باشندگانِ مدینہ بھی، یہ لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔

اہل مدینہ وگرد ونواح کے گروہ منافقین کا بیان

"وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ" يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَة "مِنَ الْاَعْرَاب مُنَافِقُوْنَ" كَاَسْلَم وَاَشْجَع وَغِفَار "وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَة" مُنَافِقُوْنَ اَيْضًا "مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاق" لَجُّوا فِيْهِ وَاسْتَمَرُّوا "لَا تَعْلَمهُمْ" بِالْفَضِيحَةِ اَوْ الْقَتْل فِي الدُّنْيَا وَعَذَاب الْقَبْر "ثُمَّ يُرَدُّوْنَ" فِي الْاٰخِرَة "إِلٰى عَذَاب عَظِيْم" هُوَ النَّار،

اور اے اہل مدینہ! تمہارے گرد ونواح کے دیہاتی گنواروں میں بعض منافق ہیں یعنی جس طرح قبیلہ اسلم، اشجع اور غفار میں منافقین موجود ہیں۔ اور بعض باشندگانِ مدینہ بھی، یہ لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ ان کی ابھی تک رسوائی نہیں دیکھی یا دنیا میں قتل ہونا یا قبر میں عذاب کو نہیں دیکھا ہم انہیں جانتے ہیں عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ اور وہ جہنم کی آگ ہے۔

الفاظ کے لغوی واصطلاحی معانی کا بیان

اگر علامت اول: پر وصل کیا جاوے اور علامت ثانی پر وقف کیا جائے تو اس کا عطف ممن حولکم پر ہوگا۔ اور مردوا علی النفاق صفت ہوگی منافقون کی اور تقدیر کلام یوں ہوگی ومن حولکم من الاعراب ومن اهل المدينة منافقون مردوا علی النفاق (اور تمہارے اردگرد یعنی مدینہ کے اردگرد بسنے والے بدووں میںسے اور اہل مدینہ میں سے کچھ منافق ہیں جو پکے ہوگئے ہیں نفاق میں۔

اور اگر علامت اول پر وقف کیا جائے اور علامت ثانی پر وصل کیا جائے تو یہ جملہ مستانفہ (نیا جملہ) ہوگا۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی: ومن اهل المدينة (قوم) مردوا علی النفاق (اور اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ ہیں جو نفاق میں پکے ہوگئے ہیں)۔

اور اب ترجمہ یوں ہوگا:۔ اور تمہارے اردگرد یعنی مدینہ کے اردگرد بسنے والے ندووں میں کچھ منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ ہیں جو نفاق میں پکے ہوگئے ہیں۔

مردوا۔ نافرمان وسرکش ہونا۔ مرد علی النفاق۔ نفاق پر جمے رہنا۔ المارد والمرید جنوں اور انسانوں سے اس اس شیطان کو کہا جاتا ہے جو ہر قسم کی خیر سے عاری ہو چکا ہو۔ یہ شجر امرد سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ درخت جو سب پتے جھڑ جانے سے بالکل ننگا ہوگیا ہو۔ اسی طرح غلام امرد۔ وہ لڑکا جس کی داڑھی مونچھ نہ نکلی ہو اس کا منہ سبزہ سے عارہ ہو۔ الزملة المرداء وہ ریت کا ٹیلہ جو ہر قسم کے سبزہ سے عاری ہو۔

قرطبی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے اصل المرد الملاسة ومنه صرح ممرد من قواریر یعنی المرد۔ اصل میں چکنا اور ہموار ہوتا ہے۔ جیسے شیشے جوڑ کر صاف وہموار کیا ہوا محل (الملامۃ ہموار اور چکنا ہونا)۔ صاحب کشاف نے مردوا علی النفاق کا

مطلب تمر دافیہ۔لکھا ہے یعنی نفاق میں ماہر ہو گئے ہیں۔

سورہ برأت آیت ۱۰۱ کے شانِ نزول کا بیان

کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کے لئے قیام کر کے نام بنام فرمایا نکل اے فلاں تو منافق ہے، نکل اے فلاں تو منافق ہے تو مسجد سے چندلوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اس کے بعد منافقین کے حال کا علم عطافرمایا گیا۔

کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت جہینہ ،مزینہ، اشجع ،اسلم اور اہل مدینہ میں سے غفار یعنی عبداللہ بن ابی ، جد بن قیس، معتب بن قشیر، جلاس بن اسود اور ابو عامر راہب کے متعلق نازل ہوئی۔(نیسابوری 218،سیوطی 147،زادالمیسر 3۔491،قرطبی 8۔240)

حرملہ نامی شخص کو نفاق سے بچانے کے لئے دعا کرنے کا بیان

ابن عساکر میں ہے کہ حرملہ نامی ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا ایمان تو یہاں ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔اور نفاق یہاں ہے اور ہاتھ سے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور نہیں ذکر کیا اللہ کا مگر تھوڑا۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ اسے ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل دے اور اسے میری اور مجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت عنایت فرما اور اس کے کام کا انجام بخیر کر۔اب تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھی اور بھی ہیں جن کا میں سردار تھا، وہ سب بھی منافق ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں بھی لے آؤں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو جو ہمارے پاس آئے گا ہم اسکے لئے استغفار کریں گے اور جو اپنے دین (نفاق) پر اڑا رہے گا اللہ ہی اس کے ساتھ اولی ہے۔تم کسی کی پردہ دری نہ کرو۔(تاریخ ابن عساکر، مطبوعہ بیروت)

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ
اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انہوں نے کچھ عمل نیک اور کچھ دوسرے برے ملادیے،
قریب ہے کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے۔یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا ، نہایت رحم والا ہے۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ کے منفرد انداز کا بیان

"و" قَوْمٌ "اٰخَرُوْنَ" مُبْتَدَأ "اعْتَرَفُوْا بِذُنُوبِهِمْ" مِنَ التَّخَلُّف نَعْته وَالْخَبَر "خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا" وَهُوَ جِهَادهمْ قَبْل ذٰلِكَ اَوْ اعْتِرَافهمْ بِذُنُوبِهِمْ اَوْ غَيْر ذٰلِكَ "وَ اٰخَر سَيِّئًا" وَهُوَ تَخَلُّفهمْ "عَسَى اللّٰه اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰه غَفُور رَحِيم" نَزَلَتْ فِيْ اَبِيْ لُبَابَة وَجَمَاعَة اَوْثَقُوا اَنْفُسهمْ فِيْ سَوَارِي الْمَسْجِد لَمَّا بَلَغَهُمْ مَا نَزَلَ فِي الْمُتَخَلِّفِينَ وَحَلَفُوْا لَا يُحِلّهُمْ اِلَّا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَحَلَّهُمْ لَمَّا نَزَلَتْ،

یہاں پر آخرون یہ مبتداء ہے اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار یعنی جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے کا اعتراف کیا، یہ اس کی نعت اور خبر ہے۔ انہوں نے کچھ عمل نیک یعنی جوانہوں نے پہلے کچھ جہاد کیا یا انہوں نے اپنے گناہ وغیرہ کا اعتراف کیا اور کچھ دوسرے برے عمل ملا دیئے ہیں اور وہ جہاد پر نہ جانا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ کر کے ان پر پھر مہربان ہو جائے۔ یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

یہ آیت ابولبابہ اور ایک گروہ جنہوں نے خود کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا یہ اس وقت ہوا جب ان کو پتہ چلا کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو انہوں نے قسم کھالی کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی نہ کھولے۔ پس آپ ﷺ نے انہیں کھول دیا تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

سورہ برأت آیت ۱۰۲ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے اور پھر اپنے کیے پر شرمندہ ہوئے اور کہا کہ ہم اپنی بیویوں کے ساتھ حفاظت اور آسودگی میں تھے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی جہاد میں تھے اللہ کی قسم ہم اپنے آپ کو ستونوں کے ساتھ باندھ لیں گے اور اس وقت تک نہیں کھولیں گے جب تک کہ نبی کریم خود نہ کھول دیں اور ہمیں بری نہ کر دیں چنانچہ انہوں نے خود کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو ان کے پاس سے گزرے اور انہیں دیکھا آپ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ سے جہاد میں جانے سے پیچھے رہ گئے اور انہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا کہ خود کو اس وقت نہ کھولیں گے جب تک کہ آپ ان سے راضی نہ ہو جائیں اور انہیں خود نہ کھول دیں اور ہمیں بری نہ فرما دیں چنانچہ انہوں نے خود کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو ان کے پاس سے گزرے اور انہیں دیکھا آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ سے جہاد میں جانے سے پیچھے رہ گئے اور انہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا کہ خود کو اس وقت تک نہ کھولیں گے جب تک کہ آپ ان سے راضی نہ ہو جائیں اور انہیں خود نہ کھول دیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ انہیں اس وقت تک نہ کھولوں گا اور نہ انہیں بری کروں گا جب تک مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہ دے دیا جائے ان لوگوں نے مجھ سے بے رغبتی کی اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل ہوئی۔

جب یہ آیت اتری تو نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں کھول دیا اور انہیں بری کر دیا جب آپ نے انہیں کھولا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے اموال ہیں جن کی وجہ سے ہم آپ سے پیچھے رہ گئے آپ انہیں ہماری طرف سے صدقہ فرما دیں اور ہمیں کر دیں اور ہمارے لیے مغفرت طلب کریں آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر اللہ یہ آیت نازل فرمائی۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ،

ان کے مال میں سے زکوۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو۔ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دس افراد تھے۔(طبری 11۔10 ،قرطبی 8۔242)

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ
اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ○
اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوۃ وصول کرو جس سے تم ان کو پاک اور صاف کردو اور ان کے حق میں
دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے، اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی دعا کے وسیلہ سے توبہ قبول ہونے کا بیان

"خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا" مِنۡ ذُنُوبِهِمۡ فَاَخَذَ ثُلُثَ اَمۡوَالِهِمۡ وَتَصَدَّقَ بِهَا "وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ" اَيۡ اُدۡعُ لَهُمۡ "اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمۡ" رَحۡمَةٌ وَقِيۡلَ طُمَاۡنِيۡنَةٌ بِقَبُوۡلِ تَوۡبَتِهِمۡ، وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ،

اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوۃ وصول کرو جس سے تم ان کو گناہوں سے پاک اور صاف کردو پس آپ ﷺ نے ان سے تہائی مال لیا اور اس کو صدقہ کردیا اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین یعنی رحمت اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اطمینان ہے، کیونکہ اسی طرح ان کی توبہ قبول ہوجائے گی اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

صدقہ کرنے والے کے لئے دعا کرنے کا بیان

آیت میں جو صدقہ وارد ہوا ہے اس کے معنی میں مفسّرین کے کئی قول ہیں۔ایک تو یہ کہ وہ صدقہ غیر واجبہ تھا جو بطورِ کفارہ کے ان صاحبوں نے دیا تھا جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس صدقہ سے مراد وہ زکوۃ ہے جو ان کے ذمہ واجب تھی، وہ تائب ہوئے اور انہوں نے زکوۃ ادا کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لینے کا حکم دیا۔امام ابوبکر رازی جصاص نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ صدقہ سے زکوۃ مراد ہے۔(خازن واحکام القرآن)

سنّت یہ ہے کہ صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کے لئے دعا کرے اور بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی حدیث ہے کہ جب کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صدقہ لاتا آپ اس کے حق میں دعا کرتے، میرے باپ نے صدقہ حاضر کیا تو حضور نے دعا فرمائی "اللھم صلی علی ابی اوفی ۔(مدارک، سورہ برأت، بیروت)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ فاتحہ میں جو صدقہ لینے والے صدقہ پا کر دعا کرتے ہیں، یہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

توبہ کی قبولیت کی خوشی میں سارا مال خرچ کردینے کا بیان

اس آیت میں آیا ہے کہ جن حضرات کا اوپر ذکر ہوا کہ بلا عذر غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر نادم ہو کر اپنے آپ کو مسجد

کے ستونوں سے باندھ لیا پھر آیت مذکورہ سابقہ میں ان کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی اور قید سے کھولے گئے تو ان حضرات نے بطور شکرانہ اپنا سارا مال صدقہ کرنے کے لئے پیش کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے انکار فرمایا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں ہے، اس پر یہ آیت مذکورہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ نازل ہوئی، اور آپ نے پورے مال کے بجائے ایک تہائی مال کا صدقہ کرنا قبول فرمالیا کیونکہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ پورا مال نہ لیا جائے بلکہ اس کا کوئی حصہ لیا جائے، حرف من اس پر شاہد ہے۔

تفسیر قرطبی، احکام القرآن، بصاص، مظہری وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے، اور قرطبی اور جصاص نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس آیت میں شانِ نزول وہی خاص واقعہ قرار دیا جائے جس کا ذکر اوپر آیا ہے تو پھر بھی اصول قرآنی کی رو سے یہ حکم عام ہی رہے گا، اور قیامت تک کے مسلمانوں پر حاوی ہوگا، کیونکہ قرآن کریم کے بیشتر احکام خاص خاص واقعات میں نازل ہوئے، مگر ان کا دائرۂ عمل کسی کے نزدیک اس خاص واقعہ تک محدود نہیں ہوتا بلکہ جب تک کوئی دلیل تخصیص کی نہ ہو یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے عام اور شامل ہی قرار دیا جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ برأت، بیروت)

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○
کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقے خود اپنی دست قدرت میں لیتا ہے اور
یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

توبہ کرنے اور صدقہ کرنے کا بیان

"اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذ" يَقْبَل وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ وَالْقَصْد بِهٖ هُوَ تَهْيِيجهمْ اِلَى التَّوْبَة وَالصَّدَقَة "الصَّدَقَات وَاَنَّ اللّٰه هُوَ التَّوَّاب" عَلٰى عِبَاده بِقَبُوْلِ تَوْبَتهمْ "الرَّحِيْم" بِهِمْ،

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقے خود اپنی دست قدرت میں لیتا ہے، یہ استفہام تقریری ہے جس کا مقصد ان کو توبہ اور صدقہ کی رغبت دلانا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کر کے ان کے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔

اس میں توبہ کرنے والوں کو بشارت دی گئی کہ ان کی توبہ اور ان کے صدقات مقبول ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ جن لوگوں نے اب تک توبہ نہیں کی اس آیت میں انہیں توبہ اور صدقہ کی ترغیب دی گئی۔

توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کس نے اخلاص قلب اور شرائط قبول کی رعایت کے ساتھ توبہ کی یا صدقہ دیا۔ چنانچہ پہلے بعضوں پر عتاب ہو چکا کہ ہمیشہ کے لیے ان کی زکوۃ لینی موقوف ہوئی اور منافقین کے صدقات کو مردود ٹھہرایا گیا اور ان کے حق میں دعاء و استغفار کو بھی بے سود بتلایا۔ بلکہ جنازہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان کی توبہ قبول کی اور صدقات قبول کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعا کریں۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، عنقریب تمہارے عمل کو اللہ دیکھ لے گا اور اس کا رسول (ﷺ) اور اہلِ ایمان بھی، اور تم عنقریب ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں ان اعمال سے خبردار فرما دے گا جو تم کرتے رہتے تھے۔

اعمال پر اللہ ورسول ﷺ اور ایمان والوں کی شہادت کا بیان

"وَقُلْ" لَهُمْ اَوْ لِلنَّاسِ "اعْمَلُوا" مَا شِئْتُمْ "فَسَيَرَى اللّٰه عَمَلَكُمْ وَرَسُوْله وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ" بِالْبَعْثِ "اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" اَىْ اللّٰه "فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ،

اور آپ ﷺ ان سے یا لوگوں سے فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ بھی دیکھ لے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اور اہلِ ایمان بھی دیکھ لیں گے، اور تم عنقریب بعثت کے ذریعے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں ان اعمال سے خبردار فرما دے گا جو تم کرتے رہتے تھے۔ پس وہ اس پر تمہیں جزاء دے گا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تجھے کسی شخص کے نیک اعمال بہت اچھے لگیں تو تو کہہ دے کہ اچھا ہے عمل کئے چلے جاؤ اللہ اور اس کا رسول اور مومن تمہارے اعمال عنقریب دیکھ لیں گے۔ (صحیح بخاری)

فوت شدہ عزیز واقارب پر زندہ لوگوں کے اعمال کو پیش کیے جانے کا بیان

مسند احمد میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی کسی ٹھوس پتھر میں گھس کر جس کا نہ دروازہ ہو، نہ اس میں کوئی سوراخ ہو، کوئی عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا خواہ کیسا ہی عمل ہو۔" ابوداؤد طیالسی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "زندوں کے اعمال ان کے قبیلوں اور برادریوں پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو وہ لوگ اپنی قبروں میں خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ برے ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یا اللہ انہیں توفیق دے کہ یہ تیرے فرمان پر عامل بن جائیں"۔ مسند احمد میں بھی یہی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "تمہارے اعمال تمہارے خویش واقارب مردوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ نیک ہوتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اسکے سوا ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یا اللہ انہیں موت نہ آئے جب تک کہ تو انہیں ہدایت عطا نہ فرما جیسے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی۔ (مسند احمد بن حنبل)

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اور کچھ دوسرے ہیں جو اللہ کے حکم کے لیے مؤخر رکھے گئے ہیں، یا تو وہ انہیں عذاب دے اور یا پھر ان پر مہربان ہو جائے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بکمال حکمت والا ہے۔

مرارہ بن ربیع وغیرہ کی توبہ قبولیت کا بیان

"وَ اٰخَرُوْنَ" مِنَ الْمُتَخَلِّفِیْنَ "مُرْجَئُوْنَ" بِالْهَمْزِ وَتَرْكِهٖ: مُؤَخَّرُوْنَ عَنِ التَّوْبَةِ "لِاَمْرِ اللّٰهِ" فِيْهِمْ بِمَا يَشَاءُ "اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ" بِاَنْ يُّمِيْتَهُمْ بِلَا تَوْبَةٍ "وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ" بِخَلْقِهٖ "حَكِيْمٌ" فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ وَهُمُ الثَّلَاثَةُ الْاٰتُوْنَ بَعْدُ: مَرَارَةُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ وَهِلَالُ بْنُ اُمَيَّةَ تَخَلَّفُوْا كَسَلًا وَّمَيْلًا اِلَى الدَّعَةِ لَا نِفَاقًا وَّلَمْ يَعْتَذِرُوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَغَيْرِهِمْ فَوَقَفَ اَمْرُهُمْ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً وَهَجَرَهُمُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَلَتْ تَوْبَتُهُمْ بَعْدُ،

اور کچھ دوسرے ہیں، یہاں پر''مُرْجَئُوْن'' ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے بھی آیا ہے۔ جواللہ کے حکم کے لیے توبہ کو مؤخر رکھے گئے ہیں، یا تو وہ انہیں توبہ نہ کرنے کی وجہ سے عذاب دے گا اور یا پھر ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان پر مہربان ہو جائے۔ اور اللہ اپنی مخلوق کو جاننے والا، ان کو بنانے میں کمال حکمت والا ہے۔

اور وہ تین حضرات یہ ہیں مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ یہ تینوں حضرات سستی کے سبب جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے جبکہ ان میں منافقت نہیں تھی اور انہوں نے دوسرے لوگوں کی طرح نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا تو ان کا معاملہ پچاس راتوں تک موقوف رہا اور لوگوں نے بائیکاٹ کر لیا حتیٰ کہ یہ آیت مبارکہ ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں نازل ہوئی۔

سورہ برأت آیت ۱۰۶ کے شانِ نزول کا بیان

یہ آیت کریمہ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع جو بنو عمرو بن عوف میں سے ایک ہیں اور ہلال بن امیہ جن کا تعلق بنو واقف سے ہے کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوہ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی تذکرہ ہے۔(وعلى الثلاثة الذين خلفوا (سورہ توبہ 118) اور ان تین پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔

(طبری 11-7-قرطبی 8-252)

بعض حضرات مؤمنین جو بلا عذر کے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے سات نے تو اپنی ندامت و افسوس کا پورا اظہار اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ کر کر دیا تھا ان کا حکم پہلی آیت میں آ چکا، وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا اس آیت سے باقی وہ تین حضرات مراد ہیں جنہوں نے یہ عمل مسجد میں قید ہونے کا نہیں کیا تھا، اور اس طرح کھلے طور پر اعتراف نہیں کیا، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دے دیا کہ مسلمان ان کا مقاطعہ کریں، ان سے سلام کلام بند کر دیں، یہ معاملہ ہونے کے بعد ان کی حالت درست ہوگئی، اور اخلاص کے ساتھ اعتراف جرم کر کے تائب ہو گئے، تو ان کے لئے بھی معافی کے احکام دے دیے گئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًام بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝

اور جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے نقصان پہنچانے اور کفر اور اہلِ ایمان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے ہی سے جنگ کر رہا ہے، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

منافقین کا مسجد ضرار بنا کر اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کی سازش کا بیان

"و" مِنْهُمْ "الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا" وَهُمْ اثْنَا عَشَرَ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ "ضِرَارًا" مُضَارَّةً لِاَهْلِ مَسْجِد قُبَاءَ "وَكُفْرًا" لِاَنَّهُمْ بَنَوْهُ بِاَمْرِ اَبِی عَامِرِ الرَّاهِب لِیَكُوْنَ مَعْقِلًا لَّهُ یَقْدُم فِیْهِ مَنْ یَّاْتِی مِنْ عِنْده وَكَانَ ذَهَبَ لِیَاْتِیَ بِجُنُوْدٍ مِّنْ قَیْصَر لِقِتَالِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "وَتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" الَّذِیْنَ یُصَلُّوْنَ بِقُبَاءَ بِصَلَاةِ بَعْضهمْ فِیْ مَسْجِدهمْ "وَاِرْصَادًا" تَرَقُّبًا "لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰه وَرَسُوْله مِنْ قَبْلُ" اَیْ قَبْل بِنَائِهِ وَهُوَ اَبُو عَامِر الْمَذْكُور "وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ" مَا "اَرَدْنَا" بِبِنَائِهِ "اِلَّا" الْفِعْلَة "الْحُسْنٰی" مِنَ الرِّفْق بِالْمِسْكِیْنِ فِی الْمَطَر وَالْحَرّ وَالتَّوْسِعَة عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ "وَاللّٰهُ یَشْهَد اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ" فِیْ ذٰلِكَ وَكَانُوْا سَاَلُوا النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّصَلِّیَ فِیْهِ فَنَزَلَ،

اور جنہوں نے ایک مسجد تیار کی ہے اور وہ بارہ منافق تھے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے یعنی مسجد قباء والوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر کو تقویت دینے کے لئے کیونکہ انہوں نے یہ مسجد ابو عامر راہب کے حکم سے بنائی تھی۔ تاکہ جو ان کی جانب آئے یہ اس کے لئے ٹھہرنے کی جگہ بن جائے۔ اور وہ شخص قیصر روم سے لشکر لینے کے لئے چلا گیا تھا تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کو قتل (نعوذ باللہ) کرادے اور اہلِ ایمان یعنی قباء والوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے یعنی جو قباء میں نمازیں پڑھتے تھے۔ ان میں سے بعض ان کی مسجد میں آئیں گے اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہی سے جنگ کر رہا ہے، اور وہ ذکر دہ شخص ابو عامر ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اس مسجد کے بنانے سے سوائے بھلائی کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا، یعنی اس لئے بنائی تاکہ مسکینوں کے لئے بارش، گرمی اور مسلمانوں کے لئے وسعت کی سہولت بن جائے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً اس بات میں جھوٹے ہیں۔ اور جب انہوں نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی کہ آپ ﷺ وہاں نماز پڑھائیں تو یہ آیت نازل ہوئی

سورہ براءت آیت ۱۰۷ کے شانِ نزول کا بیان

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بنو عمرو بن عوف نے مسجد قبا تیار کی اور رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ان کے ہاں اس مسجد

میں تشریف لائیں چنانچہ آپ تشریف لائے اور اس مسجد میں نماز پڑھائی تو بنو عمرو بن عوف میں سے ان کے بھائیوں منافقین کو ان سے حسد ہوا اور انہوں نے کہا ہم بھی ایک مسجد بناتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجتے ہیں تا کہ آپ تشریف لا کر اس میں بھی نماز ادا فرمائیں جیسا کہ ہمارے بھائیوں کی مسجد میں نماز ادا فرمائی ہے اور اس مسجد میں ابو عامر راہب بھی جب شام سے آئے گا نماز پڑھے گا ابو عامر زمانہ جاہلیت میں راہب تھا اور نصرانی ہو گیا تھا اور جب نبی مدینہ تشریف لائے تو اس نے دین حنیف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپ سے عداوت رکھتا تھا اور نبی نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھا تھا۔ یہ شام کی طرف چلا گیا اور منافقین کو یہ پیغام بھیجا کہ تم قوت اور اسلحہ جتنا ہو سکے تیار رکھو اور میرے لیے ایک مسجد تعمیر کرو میں قیصر روم کی طرف جا رہا ہوں روم کا لشکر لے کر آؤں گا اور محمد اور اس کے ساتھیوں کو (معاذ اللہ) نکال باہر کروں گا چنانچہ ان منافقین نے اس کے لیے مسجد قبا کے پہلو میں ایک مسجد تعمیر کی اس مسجد کی تعمیر کرنے والے بارہ افراد تھے حزام بن خالد جس کے گھر کو مسجد کی طرف نکالا گیا، ثعلبہ بن حاطب معتب بن قشیر، ابو حبیبہ بن ارعد، عباد بن حنیف، حارثہ، جاریہ، اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، نبتل بن حارث، لحاد بن عثمان اور ودیعہ بن ثابت۔ جب یہ لوگ تعمیر سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے بیمار، حاجت مند کے لیے برساتی اور سرد رات کے لیے مسجد تعمیر کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری خاطر اس میں نماز ادا کریں تو آپ نے اپنی قمیص طلب کی تا کہ آپ وہ پہن کر ان کے ساتھ تشریف لے جائیں لیکن آپ پر اس بارے میں قرآن پاک نازل ہوا اور اللہ نے مسجد ضرار کی آپ کو خبر دے دی اور جو انہوں نے ارادہ کیا تھا اس کے بارے میں بھی بتلا دیا رسول اللہ ﷺ نے مالک بن دخشم، معن بن عدی، عامر بن یشکر اور وحشی (قاتل حمزہ) رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اس مسجد کی طرف جس کے بنانے والے ظالم ہیں جاؤ اور اسے منہدم کر دو اور جلا دو چنانچہ یہ حضرات نکلے اور مالک اپنے ساتھ کھجور کی ایک شاخ لے کر نکلے جسے انہوں نے آگ سے روشن کر لیا پھر یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ اس کے بنانے والے اس مسجد میں موجود تھے اور مسجد کو جلا کر منہدم کر دیا اور اس کے بنانے والے اس سے بھاگ کر نکل گئے نبی کریم ﷺ نے اس جگہ پر کوڑا دان بنانے کا حکم دیا کہ اس میں مردار، بدبودار، اشیاء، کوڑا کرکٹ وغیرہ پھینکا جائے اور ابو عامر شام میں اکیلا جلا وطنی کی حالت میں مرا۔ (نیسابوری 219، سیوطی 150، طبری 11-18، قرطبی 8-253)

مسجد ضرار کے مذموم مقاصد کا بیان

علامہ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابو عامر نامی زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے حنظلہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا اس لئے غسیل ملا ئکہ کے نام سے معروف ہوئے، مگر باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب حاضر خدمت ہوا اور اسلام پر اعتراضات کئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب پر بھی اس بدنصیب کا اطمینان نہ ہوا، بلکہ یہ کہا کہ آپ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب و اقارب سے دور ہو کر مسافرت میں مرے، اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا چنانچہ غزوہ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے

ساتھ قتال میں شرکت کی، جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا، کیونکہ یہی ملک نصرانیوں کا مرکز تھا وہیں جا کر اپنے احباب و اقارب سے دور مر گیا، جو دعا کی تھی وہ اس کے سامنے آ گئی، جب کسی شخص کی رسوائی مقدر ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کیا کرتا ہے، خود ہی اپنی دعا سے ذلیل و خوار ہوا۔

مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا چنانچہ قیصر ملک روم کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کر دے، اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔

اسی سازش کا ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو شبہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورہ سے معاملات طے کیا کرو۔

اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلہ قبا میں جہاں اول ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی تھی وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی ان منافقین کے نام بھی ابن اسحاق وغیرہ نے نقل کئے ہیں، پھر مسلمانوں کو فریب دینے اور دھوکے میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نماز اس جگہ پڑھوا دیں تا کہ سب مسلمان مطمئن ہو جائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے۔

ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قباء اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تا کہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہونچے، آپ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تا کہ برکت ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، آپ نے یہ وعدہ کر لیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر در پیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے۔

لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیات مذکورہ آپ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، آیات کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند اصحاب جس میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہ وغیرہ شریک تھے، ان کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کو ڈھا دو اور اس میں آگ لگا دو، یہ سب حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کر کے اس کی عمارت کو ڈھا کر زمین برابر کر دی، یہ تمام واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری کی بیان کی ہوئی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء سے مدینہ منورہ

میں پہنچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی، آپ نے عاصم ابن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنالیں، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوچکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا، البتہ ثابت بن اقرم ضرورت مند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ان کو اجازت دیدیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپ نے یہ جگہ ثابت بن اقرم کو دے دی مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابت اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے بچے دینے کے قابل نہ رہی کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں، چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قبا کے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہے۔

اس آیت میں مسجد مذکور کے بنانے کی تین غرضیں ذکر کی گئی ہیں، اول ضِرَارًا، یعنی مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے لئے، لفظ ضرر اور ضرار دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ضرر تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو دوسروں کو نقصان پہونچے، اور ضرار دوسروں کو وہ نقصان پہونچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ بھی نہیں، چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہونچے، اس لئے یہاں لفظ ضرار استعمال کیا گیا۔

دوسری غرض اس مسجد کی تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بتلائی گئی ہے، یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دو ٹکڑے ہوجاویں، ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہوجائے، اور یہ کہ قدیم مسجد قباء کے نمازی گھٹ جائیں اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

تیسری غرض اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ بتلائی گئی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مسجد سے یہ کام بھی لینا تھا کہ یہاں اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کیا کریں۔ (تفسیر کشاف، سورہ برأت، بیروت)

غزوہ تبوک کے نتائج کا بیان

ان منافقوں کی توقعات کے علی الرغم اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہوا یہ کہ جب آپ تبوک پہنچے تو ملک غسان کو مقابلہ پر آنے کی ہمت ہی نہ پڑی اور اس کی وجہ دو تھیں۔ ایک یہ کہ ملک غسان کچھ عرصہ پہلے جنگ مؤتہ میں مسلمانوں کی جرأت ایمانی ملاحظہ کرچکا تھا کہ کس طرح اس کا ایک لاکھ کا لشکر ۳ ہزار مجاہدین پر بھی غالب نہ آسکا اور سیدنا خالد بن ولید نے کس بے دردی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا تھا اور اس غزوہ میں مسلمان مجاہدین کی تعداد بیس ہزار تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اسے قیصر روم سے مزید کمک کی توقع تھی۔ لیکن قیصر روم نے جب ابوسفیان سے بھرے دربار میں پیغمبر اسلام کے حالات سنے تو آپ کی صداقت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسلام لانے کو تیار تھا مگر اپنے وزیروں مشیروں کے تیور دیکھ کر اس نے اسلام کا اعلان کرنے کی جرأت نہ کی اندریں صورت حال قیصر روم نے ملک غسان کو کمک بھیجنے سے انکار کردیا۔ اس طرح ملک غسان کے لشکر کے حوصلے پست ہوگئے اور مسلمانوں سے مقابلہ پر آنے

کی جرأت نہ کرسکا۔ آپ نے بیس دن تبوک میں رہ کراس کا انتظار کیا۔ اس قیام سے ایک تو دشمن پر اپنی دھاک بٹھانا مقصود تھا۔ دوسرے بہت سے عربی قبائل جو پہلے قیصر روم کے باجگزار تھے اس سے کٹ کر اسلامی ریاست کے تابع ہوگئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی بہت سی نعمتوں سے نوازا۔

مسجد ضرار کو آگ لگا دینے کا بیان

تبوک کے واپسی کے سفر میں جب آپ مدینہ کے قریب ذی اوان کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسجد ضرار کی تعمیر کی غرض وغایت اور منافقوں کی ناپاک سازشوں سے مطلع کر دیا اور حکم دیا کہ آپ کو ہرگز اس مسجد میں افتتاح کے لیے نماز نہ پڑھانا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے وہیں سے دو صحابہ مالک بن خشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ فوراً جا کر اس مسجد کو آگ لگا دیں۔ انہوں نے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کی اور آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس مسجد کو پیوند خاک کر دیا گیا۔ اس آیت میں من حارب اللہ و رسولہ سے وہی مرکزی کردار ابو عامر فاسق مراد ہے۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۝
آپ اس میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد، جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، حق دار ہے کہ آپ اس میں
قیام فرما ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

منافقین کی مساجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان

"لَا تَقُمْ" تُصَلِّ "فِيْهِ اَبَدًا" فَاَرْسَلَ جَمَاعَةً هَدَمُوْهُ وَحَرَّقُوْهُ وَجَعَلُوْا مَكَانَه كُنَاسَةً تُلْقَى فِيْهَا الْجِيَف "لَمَسْجِد اُسِّسَ" بُنِيَتْ قَوَاعِده "عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّل يَوْم" وُضِعَ يَوْم حَلَلْت بِدَارِ الْهِجْرَة وَهُوَ مَسْجِد قُبَاءَ كَمَا فِي الْبُخَارِيّ "اَحَقّ" مِنْهُ "اَنْ" اَيْ بِاَنْ "تَقُوْم" تُصَلِّي "فِيْهِ فِيْهِ رِجَال" هُمُ الْاَنْصَار "يُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" اَيْ يُثِيبهُمْ فِيْهِ اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الطَّاء رَوَى ابْن خُزَيْمَةَ فِيْ صَحِيحه عَنْ عُوَيْمِر بْن سَاعِدَة: "اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُمْ فِيْ مَسْجِد قُبَاءَ فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَحْسَنَ عَلَيْكُمْ الثَّنَاء فِي الطُّهُور فِيْ قِصَّة مَسْجِدكُمْ فَمَا هٰذَا الطُّهُور الَّذِيْ تَطَّهَّرُوْنَ بِهِ؟ قَالُوْا: وَاللّٰهِ يَا رَسُوْل اللّٰه مَا نَعْلَم شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُ كَانَ لَنَا جِيرَان مِنَ الْيَهُوْد وَكَانُوْا يَغْسِلُوْنَ اَدْبَارهمْ مِنَ الْغَائِط فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوْا" وَفِيْ حَدِيث رَوَاهُ الْبَزَّار فَقَالُوْا نَتْبَع الْحِجَارَة بِالْمَاءِ "فَقَالَ هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ"

آپ اس میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ یعنی نماز نہ پڑھیں تو آپ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا جنہوں نے اس کو گرا دیا اور

اس کو جلا دیا اور اس جگہ کو کوڑے کی جگہ بنا دیا تا کہ لوگ وہاں مردار ونجاست وغیرہ پھینکیں۔البتہ وہ مسجد، جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، یعنی دن جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور وہ مسجد قباء ہے۔جس طرح صحیح بخاری میں ہے۔ان کے لئے زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں۔یعنی نماز پڑھیں کیونکہ اس میں ایسے لوگ ہیں جو انصار ہیں وہ پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔یعنی ان کو ثابت قدم رکھتا ہے۔یہاں پر مطھرین میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ عویمر بن خزیمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد قباء میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے تمہاری پاکیزگی کی تعریف کی ہے۔جو تمہاری مسجد کا قصہ ہے۔تو تم بتاؤ وہ کونسی طہارت ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہوا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس صرف یہ طہارت ہے کہ ہمارے ہمسائے یہود تھے جو پانی سے استنجاء کرتے تھے تو ہم نے بھی پانی استنجاء کرنا شروع کر دیا اور امام بزار کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا ہم پہلے پتھر سے استنجاء کرتے ہیں اس کے بعد پانی سے دھو لیتے ہیں تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہی وہ طہارت ہے لہٰذا تم اسی پر عمل پیرا رہو۔

سورہ برأت آیت ۱۰۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی (فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ) التوبہ:108) (اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو) راوی کہتے ہیں کہ وہ لوگ پانی سے استنجاء کرتے تھے چنانچہ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس باب میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ اور محمد بن عبداللہ بن سلام سے بھی روایت ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1043)

تقویٰ کی بنیاد والی مسجد کا بیان

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے اپنے باپ سے اس مسجد کے بارے میں کیا ذکر سنا ہے جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی زوجہ مطہرہ کے گھر میں گیا اور میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ان دو مسجدوں میں سے کونسی وہ مسجد ہے کہ جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے؟

حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر اسے زمین پر مارا پھر فرمایا کہ تمہاری وہ مسجد یہ مسجد مدینہ ہے کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کے باپ سے اسی طرح ذکر کرتے ہوئے سنا

ہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 894)

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا
جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
بھلا وہ شخص جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور رضا و خوشنودی پر رکھی، بہتر ہے یا وہ شخص
جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا ہے۔ سو وہ اس معمار کے ساتھ ہی آتشِ
دوزخ میں گر پڑی، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے مسجد بنانے کا بیان

"اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَه عَلٰى تَقْوَى " مَخَافَة "مِنَ اللّٰهِ وَ" رَجَاء "رِضْوَان" مِنْهُ "خَيْر اَمْ مَنْ اَسَّسَ بُنْيَانه عَلٰى شَفَا " طَرَف "جُرُف" بِضَمِّ الرَّاء وَسُكُوْنهَا جَانِب "هَار" مُشْرِف عَلَى السُّقُوط "فَانْهَارَ بِه" سَقَطَ مَعَ بَانِيه "فِيْ نَار جَهَنَّم" خَيْر تَمْثِيل لِلْبِنَاءِ عَلٰى ضِدّ التَّقْوَى بِمَا يُؤَوَّل اِلَيْهِ وَالاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ اَیْ الْاَوَّل خَيْر وَهُوَ مِثَال مَسْجِد قُبَاءَ وَالثَّانِيْ مِثَال مَسْجِد الضِّرَار، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ،

بھلا وہ شخص جس نے اپنی عمارت یعنی مسجد کی بنیاد اللہ سے ڈرنے یعنی تقویٰ اور اس کی رضا و خوشنودی کی امید پر رکھی، یہ اس سے بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا ہے۔ یہاں پر لفظ جرف یہ راء کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔ سو وہ عمارت اس معمار کے ساتھ ہی آتشِ دوزخ میں گر پڑی، یہ تقویٰ اختیار کرنے والی کی ضد ہے اور یہ استفہام تقریری ہے جس کی تاویل یہ ہے کہ پہلا شخص جو تقویٰ کی بنیاد پر مسجد قباء بنانے والا ہے وہ بہتر ہے اور دوسرا آدمی جو مسجد ضرار بنانے والا ہے وہ بد بخت ہے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

مسجد قباء کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا کی زیارت کے لئے سواری پر اور پیدل چل کر بھی تشریف لے جاتے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 896)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد قبا کبھی سواری پر اور کبھی پیدل چل کر بھی تشریف لے جاتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے ابوبکر نے اپنی روایت میں کہا کہ ابن نمیر کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 897)

مسجد ضرار کی جگہ کا کوڑا کرکٹ میں تبدیل ہو جانے کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتے دیکھا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اس مسجد کو توڑا اور اس کی بنیادیں اکھیڑ پھینکیں انہوں نے اس کے نیچے سے دھواں اٹھتا پایا۔ خلف بن یاسین کہتے ہیں میں نے منافقوں کی اس مسجد ضرار کو جس کا ذکر ان آیتوں میں دیکھا ہے کہ اس کے ایک پتھر سے دھواں نکل رہا تھا اب وہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔

ان کے ایک بدکرتوت کی وجہ سے ان کے دل میں نفاق جگہ پکڑ گیا ہے جو کبھی بھی ٹلنے والا نہیں یہ شک شبہ میں ہی رہیں گے جیسے کہ بنی اسرائیل کے وہ لوگ جنہوں نے بچھڑا پوجا تھا ان کے دلوں میں بھی اس کی محبت گھر کر گئی تھی۔ ہاں جب ان کے دل پاش پاش ہو جائیں یعنی وہ خود مر جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے خبردار ہے۔ اور خیر وشر کا بدلہ دینے میں باحکمت ہے۔ (تفسیر ابن جریر طبری، سورہ برأت، بیروت)

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
ان کی عمارت جسے انہوں نے بنا رکھا ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوائے اس کے کہ ان کے دل پارہ پارہ
ہو جائیں، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

دلوں میں بیماری رکھ کر مسجد بنانے والوں کا بیان

"لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً" شَكًّا "فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ" تَنْفَصِل "قُلُوْبِهِمْ" بِاَنْ يَّمُوْتُوْا "وَاللّٰهُ عَلِيْم" بِخَلْقِهٖ "حَكِيْم" فِيْ صُنْعِهٖ بِهِمْ،

ان کی عمارت جسے انہوں نے بنا رکھا ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں شک اور نفاق کے باعث کھٹکتی رہے گی سوائے اس کے کہ ان کے دل مسلسل خراش کی وجہ سے پارہ پارہ ہو جائیں، اور اللہ اپنی مخلوق کو خوب جاننے والا، ان کو بنانے میں بڑی حکمت والا ہے۔

خواہ قتل ہو کر یا مر کر یا قبر میں یا جہنم میں۔ معنی یہ ہیں کہ ان کے دلوں کا غم وغصہ تا مرگ باقی رہے گا۔ بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

جب تک ان کے دل اپنے قصور کی ندامت اور افسوس سے پارہ پارہ نہ ہوں اور وہ اخلاص سے تائب نہ ہوں اس وقت تک وہ اسی رنج وغم میں رہیں گے۔ (مدارک تنزیل، سورۂ برأت، بیروت)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ

مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لینے کا بیان

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ" بِاَنْ يَّبْذُلُوْهَا فِیْ طَاعَته كَالْجِهَادِ "بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ" جُمْلَة اسْتِئْنَاف بَيَان لِلشِّرَاءِ وَفِیْ قِرَاءَة بِتَقْدِيْمِ الْمَبْنِیّ لِلْمَفْعُوْلِ اَیْ فَيُقْتَل بَعْضهمْ وَيُقَاتِل الْبَاقِیْ "وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا" مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمَحْذُوْف "فِی التَّوْرَاة وَالْاِنْجِيْل وَالْقُرْاٰن وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ" اَیْ لَا اَحَد اَوْفٰى مِنْهُ "فَاسْتَبْشِرُوْا" فِيْهِ الْتِفَات عَنِ الْغَيْبَة "بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ" الْبَيْع "هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْم" الْمُنِيْل غَايَة الْمَطْلُوْب،

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں یعنی جنہوں نے اطاعت میں مشقت اٹھائی جیسے جہاد ہے اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں، یہ جملہ مستانفہ ہے اور خریداری کے لئے بیان ہے۔ اور ایک قرأت میں مبنی الی المفعول کے سبب مقدم ہے۔ یعنی ان کے بعض شہید کیے جاتے ہیں اور بقیہ جہاد کرتے رہتے ہیں۔ اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ یہاں پر حقا اور وعدا یہ دونوں مصادر ہیں اور اپنے فعل محذوف کے سبب منصوب ہیں۔ توریت اور انجیل اور قرآن میں وعدہ برحق ہے اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون یعنی اللہ سے زیادہ کوئی وعدے کو پورا کرنے والا نہیں ہے۔ تو خوشیاں مناؤ یہاں بھی غیبت سے خطاب ہے۔ یعنی اپنی اس خریداری کی جو خریداری تم نے اس سے کیا ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ یعنی مقصد کی انتہاء درجے والی کامیابی کا بیان ہے۔

سورہ برأت آیت ۱۱۱ کے شانِ نزول کا بیان

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جب انصار نے رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک پر لیلہ عقبہ میں مکہ میں بیعت کی جبکہ یہ ستر افراد تھے تو عبداللہ بن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے (ہم پر) جو چاہیں بطور شرط لازم ٹھہرا لیں آپ نے فرمایا میں اپنے رب کیلیے تم پر یہ لازم ٹھہراتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے اور اپنی ذات کے لیے یہ لازم ٹھہراتا ہوں کہ تم میری اسی حفاظت کرو گے جیسا کہ اپنی جانوں کی کرتے ہو انہوں نے عرض کیا اگر ہم ایسا کر لیں تو ہمارے لیے کیا صلہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت۔ انہوں نے کہا یہ تو بہت نفع مند سودا ہے ہم نہ تو خود ختم

کریں گے اور نہ ہی اس کے ختم کرنے کا مطالبہ کریں گے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (طبری 11-27)

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ سنو! یہ کیسی نفع کی تجارت ہے جو اللہ نے ہر مؤمن کے لئے کھول دی ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمھیں مال بخشا ہے تم اس میں سے تھوڑا خرچ کر کے جنت خرید لو۔ (تفسیر مظہری، سورہ برأت، لاہور)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایثار کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرۃ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ جیش عسرۃ یعنی لشکر تبوک کا سامان جہاد تیار اور فراہم کیا جارہا تھا حضرت عثمان ایک ہزار دینار اپنے کرتہ کی آستین میں بھر کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بکھیر دیا، میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ آج کے اس مالی ایثار کے بعد عثمان سے اگر کوئی گناہ بھی سرزد ہو جائے تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا، یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ارشاد فرمائے۔ "(احمد، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 681)

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ٥
(وہ مومن) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی
کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور ان مومنوں کو خوش خبری دے دیں۔

توبہ، عبادت اور حمد وغیرہ کرنے والے لوگوں کی شان کا بیان

"اَلتَّائِبُوْنَ" رُفِعَ عَلَى الْمَدْحِ بِتَقْدِيرِ مُبْتَدَأ مِنَ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ "الْعَابِدُوْنَ" الْمُخْلِصُوْنَ الْعِبَادَةَ لِلّٰهِ "الْحَامِدُوْنَ" لَهُ عَلٰى كُلِّ حَال "السَّائِحُوْنَ" الصَّائِمُوْنَ "الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ" اَىْ الْمُصَلُّوْنَ "الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُونَ عَنْ الْمُنْكَر وَالْحَافِظُونَ لِحُدُوْدِ اللّٰه" لِاَحْكَامِهِ بِالْعَمَلِ بِهَا "وَبَشِّرْ الْمُؤْمِنِيْنَ" بِالْجَنَّةِ.

تائبون یہاں مرفوع بہ مدح ہے لہٰذا مبتداء ہے۔ یعنی شرک و منافقت سے توبہ کرنے والے، اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے، ہر حالت میں اسی کی حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، یعنی نماز پڑھنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے اور اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اس کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور ان مومنوں کو جنت کی خوش خبری دے دیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

التائبون ۔ العابدون ۔ الحامدون ۔ السائحون ۔ الراکعون ۔ الساجدون ۔ الامرون بالمعروف

والناهون عن المنكر . والحافظون لحدود الله۔ اب اسم صفت کے صیغے ہیں اور مومنین کی صفت ہیں۔
التائبون سے لے کر الناهون تک متعدد صفات کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں حرف عطف استعمال نہیں ہوا۔ لیکن والناھون سے پہلے حرف عطف لایا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔
(1) ایسے مواقع پر حرف عطف کا ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہیں۔ اس لئے یہاں مزید کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔
(2) الناھون کا الامرون پر عطف ہے کیونکہ یہ دونوں مل کر ایک مکمل صفت بنتے ہیں۔
(3) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ قریش کی لغت یہ ہے کہ سات کے عدد تک حرف عطف ذکر نہیں کرتے اور جب آٹھواں ذکر کرتے ہیں تو پھر حرف عطف کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ الناھون چونکہ آٹھویں صفت ہے اس لئے واو کا اضافہ کر دیا۔
السائحون کے مفسرین نے متعدد معانی لئے ہیں۔ سیاحت کرنے والے۔ یعنی اقامت دین کے لئے جہاد میں نکلنے والے۔ کفر زدہ علاقوں سے ہجرت کرنے والے۔ دعوت دین۔ اصلاح خلق۔ طلب علم صالح۔ طلب علم صالح۔ مشاہدہ آثار الٰہی۔ تلاش رزق حلال کی خاطر سیاحت کرنے والے۔ ابن کثیر اور اکثر مفسرین سلف۔ صحابہ و تابعین نے السائحون سے مراد روزہ دار لئے ہیں۔
سائحون کا معنی اور اس سے مراد؟: یعنی اس سے مراد روزے دار ہیں اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ روزہ دار بھی اسی طرح طعام و شراب وغیرہ سے رکتا اور مشقت اٹھاتا ہے جس طرح کہ سیاح اور مسافر۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک ارشاد میں وارد ہے کہ میری امت کی سیر و سیاحت روزہ ہے "سياحة امتي الصوم" جب کہ بعض حضرات نے اس سے مجاہد مراد لیے ہیں اور بعض نے طلبہ علم (الجامع، الکبیر)

اہل ایمان کے بعض معروف اوصاف کا بیان

جن مومنوں کا اوپر ذکر ہوا ہے ان کی پاک اور بہترین صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں، برائیوں کو چھوڑتے جاتے ہیں، اپنے رب کی عبادت پر جمے رہتے ہیں، ہر قسم کی عبادتوں میں خاص طور پر قابل ذکر چیز اللہ کی حمد وثنا ہے اس لئے وہ اس کی حمد بکثرت ادا کرتے ہیں اور فعلی عبادتوں میں خصوصیت کے ساتھ افضل عبادت روزہ ہے اس لیے وہ اسے بھی اچھائی سے رکھتے ہیں۔ کھانے پینے کو، جماع کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہی مراد لفظ سائحون سے یہاں ہے۔ یہی وصف آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں کا قرآن نے بیان فرمایا ہے اور یہی لفظ سائحات وہاں بھی ہے۔ رکوع سجود کرتے رہتے ہیں۔ یعنی نماز کے پابند ہیں۔ اللہ کی ان عبادتوں کے ساتھ ہی ساتھ مخلوق کے نفع سے بھی غافل نہیں۔ اللہ کی اطاعت کا ہر ایک کو حکم کرتے ہیں۔ برائیوں سے روکتے رہتے ہیں۔ خود علم حاصل کر کے بھلائی برائی میں تمیز کر کے اللہ کے احکام کی حفاظت کر کے پھر اوروں کو بھی اس کی رغبت دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مخلوق کی حفاظت دونوں زیر نظر رکھتے ہیں۔ یہی باتیں ایمان کی ہیں اور یہی اوصاف مومنوں کے ہیں۔ انہیں خوشخبریاں ہوں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سیاحت سے مراد روزہ لیتے ہیں۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی بلکہ آپ سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے وہاں یہی مطلب ہے۔ ضحاک بھی یہی

کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ اس امت کی سیاحت روزہ ہے۔ مجاہد، سعید، عطاء، عبدالرحمٰن، ضحاک سفیان وغیرہ کہتے ہیں کہ مراد سائحون سے صائمون ہے۔ یعنی جو روزے رمضان کے رکھیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ٥
نبی مکرم ﷺ اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔

حالت شرک میں فوت ہونے والوں کے لئے عدم استغفار کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ اسْتِغْفَارِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ اَبِيْ طَالِب اسْتِغْفَار بَعْض الصَّحَابَة لِاَبَوَيْهِ الْمُشْرِكَيْنِ "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى" ذَوِي قُرْبٰى "مِنْ بَعْد مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَاب الْجَحِيْم" النَّار بِاَنْ مَاتُوْا عَلَى الْكُفْر،

جب نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے استغفار کیا اور بعض صحابہ کرام نے اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کیا تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ نبی مکرم ﷺ اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔ کیونکہ ان کی موت کفر پر ہوئی ہے۔

سورہ براءت آیت ۱۱۳ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے ہوئے سنا تو کہا کہ تم اپنے والدین کے لئے استغفار کر رہے ہو اور وہ مشرک تھے۔ اس نے جواب دیا کہ کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والد کے لئے استغفار نہیں کیا۔ جب میں نے قصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا پیغمبر اور مسلمانوں کو یہ بات مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا کریں۔ التوبہ 113) اور اس باب میں حضرت سعید بن مسیّب بھی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1044)

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ
عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ٥
اور ابراہیم کا اپنے باپ (یعنی چچا آزر، جس نے آپ کو پالا تھا) کے لئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وعدہ کی غرض سے
تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، پھر جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔
بیشک ابراہیم بڑے دردمند نہایت بردبار تھے۔

حالت کفر میں موت کے سبب عدم استغفار کا بیان

"وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ" بِقَوْلِهِ "سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي" رَجَاءَ اَنْ يُّسْلِمَ "فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ" بِمَوْتِهِ عَلَى الْكُفْرِ "تَبَرَّاَ مِنْهُ" وَتَرَكَ الِاسْتِغْفَارَ لَهُ "اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَاَوَّاهٌ" كَثِيْرُ التَّضَرُّعِ وَالدُّعَاءِ "حَلِيْمٌ" صَبُوْرٌ عَلَى الْاَذٰى،

اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ (یعنی چچا آزر، جس نے آپ کو پالا تھا) کے لئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وعدہ کی غرض سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، کہ میں تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ پھر جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے یعنی ان کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ تو وہ اس سے بے زار ہو گئے یعنی انہوں نے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے دردمند خشوع وخضوع سے دعا کرنے والے نہایت بردبار تھے۔ یعنی تکالیف پر صبر کرنے والے تھے۔

سورہ برأت آیت ۱۱۴ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا، مریم:47) تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا تو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے، اس نے کہا کیا ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے لئے دعا نہ کی تھی وہ بھی تو مشرک تھا۔ یہ واقعہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استغفار بہ امید اسلام تھا جس کا آزر آپ سے وعدہ کر چکا تھا اور آپ آزر سے استغفار کا وعدہ کر چکے تھے جب وہ امید منقطع ہو گئی تو آپ نے اس سے اپنا علاقہ قطع کر دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ برأت، لاہور)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ اس نے انہیں ہدایت سے نواز دیا ہو، یہاں تک کہ وہ ان کے لئے وہ چیزیں واضح فرما دے جن سے انہیں پرہیز کرنا چاہئے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اسلام کے سبب گمراہی سے بچ جانے کا بیان

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدَاهُمْ" لِلْاِسْلَامِ "حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ" مِنَ الْعَمَلِ فَلَا يَتَّقُوْهُ فَيَسْتَحِقُّوا الْاِضْلَالَ "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" وَمِنْهُ مُسْتَحِقُّ الْاِضْلَالِ وَالْهِدَايَةِ،

اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ اس نے انہیں ہدایت یعنی اسلام سے نواز دیا ہو، یہاں تک کہ وہ ان کے لئے وہ چیزیں یعنی عمل واضح فرما دے جن سے انہیں پرہیز کرنا چاہئے، ورنہ وہ گمراہی کا حقدار بن جائے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اسی میں سے مستحق گمراہی وہدایت کا علم ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ مومنوں کو مشرک مردوں کے استغفار سے روکے بغیر ہی ان کے اس استغفار کی وجہ سے انہیں اپنے نزدیک گمراہ بنادے۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ انہیں ایمان کی راہ پرا کا ہے۔ پس پہلے اپنی کتاب کے ذریعے انہیں اس سے روک رہا ہے۔ اب جو مان گیا اور اللہ کی ممانعت کے کام سے رک گیا اس پر اس سے پہلے کئے ہوئے کام کی وجہ سے گمراہی لازم نہیں ہوجاتی۔ اس لیے کہ طاعت ومعصیت حکم وممانعت کے بعد ہوتی ہے۔ اس سے پہلے مطیع اور عاصی ظاہر نہیں ہوتا۔ پہلے ہی ان چیزوں کو وہ ظاہر فرما دیتا ہے جس سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ پورا باخبر اور سب سے بڑھ کر علم والا ہے۔ پھر مومنین کو مشرکین سے اور ان کے ذی اختیار بادشاہوں سے جہاد کی رغبت دلاتا ہے۔ اور انہیں اپنی مدد پر بھروسہ کرنے کو فرماتا ہے کہ زمین وآسمان کا ملک میں ہی ہوں۔ تم میرے دشمنوں سے مرعوب مت ہونا۔ کون ہے جو ان کا حمایتی بن سکے؟ اور کون ہے جو ان کی مدد پر میرے مقابلے میں آسکتا ہے؟ (تفسیر ابن جریر طبری، سورہ برأت، بیروت)

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝
بیشک اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہی ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور تمہارے لئے اللہ کے سوا
نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

زمین وآسمانوں کی بادشاہت اللہ کے لئے ہونے کا بیان

"اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوَات وَالْاَرْض یُحْیِی وَیُمِیت وَمَا لَكُمْ " اَیُّهَا النَّاس "مِنْ دُوْنِ اللّٰه" اَیْ غَیْرِهٖ "مِنْ وَلِیّ" یَحْفَظكُمْ مِنْهُ "وَلَا نَصِیر" یَمْنَعكُمْ عَنْ ضَرَرِه،

بیشک اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہی ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور اے لوگو! تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے جو تمہیں اس کے ضرر سے بچا سکے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ اپنے اصحاب کے مجمع میں بیٹھے ہوئے فرمانے لگے کیا جو میں سنتا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے کان میں کوئی آواز نہیں آرہی۔ آپ نے فرمایا میں آسمانوں کا چرچرانا سن رہا ہوں درحقیقت میں ان کا چرچرانا ٹھیک بھی ہے۔ ان میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں اور قیام میں نہ ہو۔ کعب احبار فرماتے ہیں ساری زمین میں سوئی کے ناکے برابر کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو جو یہاں کا علم اللہ کی طرف نہ پہنچاتا ہو۔ آسمان کے فرشتوں کی گنتی زمین کے سنگریزوں سے بڑی ہے۔ عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کے ٹخنے اور پنڈلی کے درمیان کا فاصلہ ایک سو سال کا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ برأت، بیروت)

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ
مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

یقیناً اللہ نے نبی مکرم ﷺ پر رحمت سے توجہ فرمائی اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل گھڑی میں آپ
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے، پھر وہ ان پر
لطف ورحمت سے متوجہ ہوا، بیشک وہ ان پر نہایت شفیق، نہایت مہربان ہے۔

غزوہ تبوک میں مہاجرین وانصار کو اللہ کی طرف سے ثابت قدمی ملنے کا بیان

"لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ" اَیْ اَدَامَ تَوْبَتَه "عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ" اَیْ وَقْتِهَا وَهِیَ حَالُهُمْ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ كَانَ الرَّجُلَانِ یَقْتَسِمَانِ تَمْرَةً وَالْعَشَرَةُ یَعْتَقِبُوْنَ الْبَعِیْرَ الْوَاحِدَ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ حَتّٰی شَرِبُوا الْفَرْثَ "مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ" بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ تَمِیْلُ "قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ" عَنْ اتِّبَاعِهِ اِلَی التَّخَلُّفِ لِمَا هُمْ فِیْهِ مِنَ الشِّدَّةِ "ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ" بِالثَّبَاتِ "اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"،

یقیناً اللہ نے نبی مکرم ﷺ پر رحمت سے توجہ فرمائی اور ان مہاجرین اور انصار پر کہ ان کو توبہ کو دوام عطا کیا۔ جنہوں نے غزوہ تبوک کی مشکل گھڑی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی کہ غزوہ تبوک میں دو، دو افراد ایک کھجور کو تقسیم کر لیتے اور دس دس افراد ایک اونٹ پر باری باری سواری کرتے اور اس وقت سخت گرمی تھی۔ کہ اوجھ سے بھی پانی پینا پڑا، اس صورتِ حال کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے، یہاں پر یزیغ یہ یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے یعنی مائل ہونا ہے۔ پھر وہ ان پر لطف ورحمت سے متوجہ ہوا، یعنی جنہوں سختی کے سبب تخلف اختیار کر لیا ان کو اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی عطا فرمائی، بیشک وہ ان پر نہایت شفیق، نہایت مہربان ہے۔

غزوہ تبوک میں اہل ایمان کے حالات وواقعات کا بیان

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک سے قبل ہونے والی تمام جنگوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا سوائے غزوہ بدر کے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر میں شریک نہ ہونے والوں سے ناراض نہیں ہوئے تھے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو محض ایک قافلے کے ارادے سے تشریف لے گئے تھے کہ قریش اپنے قافلے کی فریاد پر ان کی مدد کے لئے آ گئے۔ چنانچہ دونوں لشکر بغیر کسی ارادے کے مقابلے پر آ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: پھر فرمایا میری جان کی قسم صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری لڑائی ہے آپ نے لوگوں میں کوچ کا اعلان کرایا اور پھر راوی طویل حدیث نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں (غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد میری توبہ قبول ہونے کے بعد) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چاندی کی طرح چمک رہا تھا کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اسی طرح چمکنے لگتا تھا۔ میں آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن مالک تمہارے لئے خوشخبری ہے کہ آج کا دن تمہاری زندگی کے تمام دنوں میں سب سے بہتر ہے جب سے تمہیں تمہاری ماں نے پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ کی طرف سے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ اللہ کی طرف سے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں (لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ التوبہ:117) (اللہ نے نبی کے حال پر رحمت سے توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے۔ پھر اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی۔ بے شک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ التوبہ، آیت) کعب کہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے بارے میں نازل ہوئی (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ التوبہ:119) (اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ ہمیشہ سچوں کے۔ التوبہ، آیت) پھر کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور میں اپنا پورا مال اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ میں صدقے کے طور پر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا میں اپنے لئے غزوہ خیبر میں سے ملنے والا حصہ رکھ لیتا ہوں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بعد مجھ پر میرے نزدیک اس سے بڑا کوئی انعام کیا کہ میں نے اور میرے دونوں ساتھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولا اور جھوٹ بول کر ان لوگوں کی طرح ہلاک نہیں ہوگئے۔ مجھے امید ہے کہ سچ بولنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بڑھ کر کسی کی آزمائش نہیں کی۔ میں نے اس کے بعد کبھی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا اور مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ مجھے اس سے محفوظ فرمائے گا۔ یہ حدیث اس سند کے علاوہ اور سند بھی زہری سے منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک بھی اس حدیث کو اپنے والد سے اور وہ کعب سے نقل کرتے ہیں اور اس کی سند میں اور بھی نام ہیں۔ یونس بن زید یہ حدیث زہری سے وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کعب بن مالک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1045)

دعائے نبوی ﷺ سے بارش برسنے کا بیان

غزوہ تبوک میں جس کو غزوہ عُسرت بھی کہتے ہیں، اس غزوہ میں عسرت کا یہ حال تھا کہ دس دس آدمیوں میں سواری کے لئے ایک ایک اونٹ تھا، نوبت بہ نوبت اسی پر سوار ہو لیتے تھے اور کھانے کی قلّت کا یہ حال تھا کہ ایک ایک کھجور پر کئی کئی آدمی بسر کرتے تھے اس طرح کہ ہر ایک نے تھوڑی تھوڑی چوس کر ایک گھونٹ پانی پی لیا، پانی کی بھی نہایت قلّت تھی، گرمی شدت کی تھی، پیاس کا غلبہ اور پانی ناپید۔ اس حال میں صحابہ اپنے صدق و یقین اور ایمان و اخلاص کے ساتھ حضور کی جاں نثاری میں ثابت قدم رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے! فرمایا کیا تمہیں یہ خواہش ہے عرض کیا جی ہاں تو حضور نے دست مبارک اٹھا کر دعا فرمائی اور ابھی دست مبارک اٹھے ہی ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اَبر بھیجا، بارش ہوئی، لشکر سیراب ہوا، لشکر

والوں نے اپنے برتن بھر لئے اس کے بعد جب آگے چلے تو زمین خشک تھی، ابر نے لشکر کے باہر بارش ہی نہیں کی وہ خاص اسی لشکر کو سیراب کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ (تفسیر خازن، سورہ برأت، بیروت)

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۠
اوران تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کران پر تنگ ہوگئی اور ہو اپنی جان سے تنگ آئے اور انہیں
یقین ہوا کہ پناہ صرف اللہ کی طرف سے ہے، پھران کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں، بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تین اشخاص کی توبہ میں تاخیر ہونے کے سبب ان کی حالت کا بیان

"وَ" تَابَ "عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا" عَنِ التَّوْبَةِ عَلَيْهِمْ بِقَرِينَةِ "حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ" اَىْ مَعَ رَحْبِهَا اَىْ سِعَتِهَا فَلَا يَجِدُوْنَ مَكَانًا يَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ "وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ" قُلُوْبُهُمْ لِلْغَمِّ وَالْوَحْشَةِ بِتَاْخِيرِ تَوْبَتِهِمْ فَلَا يَسَعُهَا سُرُوْرٌ وَلَا اُنْسٌ "وَظَنُّوْا" اَيْقَنُوْا "اَنْ" مُخَفَّفَة "لَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ" وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ،

اوران تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے یعنی جن کی توبہ مؤخر ہوئی کیونکہ اس پر قرینہ "حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ" یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کران پر تنگ ہوگئی یعنی زمین کے اس قدر وسیع ہو جانے کے باوجود ان کے لئے کوئی جگہ اطمینان والی نہ تھی۔ اور ہو اپنی جان سے تنگ آئے یعنی توبہ کی تاخیر کے سبب ان کے دلوں میں غم اور وحشت بھر گئی لہذا خوشی اور محبت کی طاقت ختم ہوگئی اور انہیں یقین ہوا یہاں پر لفظ اَن مخففہ ہے کہ پناہ صرف اللہ کی طرف سے ہے، پھران کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں، یعنی اسی نے ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائی بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

سورہ برأت آیت ۱۱۸ کے مضمون نزول کا بیان

عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ عبداللہ وہی ہیں کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تو یہ انہیں سہارا دے کر چلتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ وہ آیت، وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (التوبہ:118) کے بارے میں بیان کرتے تھے اور سب سے آخر میں یہ بات فرماتے تھے کہ میں نے اپنی توبہ کے قبول ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دینا چاہا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مال صدقہ نہ کرو اور کچھ اپنے لئے رکھ لو اور وہ تمہارے لئے مفید ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1860)

تین بزرگوں کی توبہ کی بعض تفصیلات کا بیان

امام تفسیر ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ ان میں سے پہلے (یعنی مزارہ) کے تخلف کا تو سبب یہ ہوا کہ ان کا ایک باغ تھا

جس کا پھل اس وقت پک رہا تھا، تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ تم نے اس سے پہلے سے غزوات میں حصہ لیا ہے، اگر اس سال جہاد میں نہ جاؤ تو کیا جرم ہے، اس کے بعد جب انھیں اپنے گناہ پر تنبہ ہوا تو انہوں نے اللہ سے عہد کرلیا کہ یہ باغ میں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا۔

اور دوسرے بزرگ حضرت ہلال بن امیہ کا یہ واقعہ ہوا کہ ان کے اہل وعیال عرصہ سے متفرق تھے، اس موقع پر سب جمع ہوگئے تو یہ خیال کیا کہ اس سال میں جہاد میں نہ جاؤں اپنے اہل وعیال میں بسر کروں، ان کو بھی جب اپنے گناہ کا خیال آیا تو انہوں نے یہ عہد کیا کہ اب میں اپنے اہل وعیال سے علحدگی اختیار کرلوں گا۔

کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے ایسے دو بزرگوں کا ذکر کیا جو غزوہ بدر کے مجاہدین میں سے ہیں، تو میں نے کہا کہ بس میرے لئے انہی دونوں بزرگوں کا عمل قابل تقلید ہے، یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا گیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہم تینوں کے ساتھ سلام کلام کرنے سے منع فرمایا، اس وقت ہم تو سب مسلمانوں سے بدستور محبت کرتے تھے مگر ان سب کا رخ ہم سے پھر گیا تھا۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ اب ہمارا حال یہ ہوگیا کہ ہم لوگوں کے پاس جاتے تو کوئی ہم سے کلام نہ کرتا نہ سلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس وقت ہماری دنیا بالکل بدل گئی ایسا معلوم ہونے لگا کہ نہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تھے نہ ہمارے باغ اور مکان ہیں جو ان سے پہلے تھے، سب اجنبی نظر آنے لگے، مجھے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر میں اس حال میں مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے، یا خدانخواستہ اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں عمر بھر اسی طرح سب لوگوں میں ذلیل وخوار پھرتا رہوں گا، اس کی وجہ سے میرے لئے ساری زمین بیگانہ وویرانہ نظر آنے لگی، اسی حال میں ہم پر پچاس راتیں گذر گئیں، اس زمانہ میں میرے دونوں ساتھی (مرارہ اور ہلال) تو شکستہ دل ہوکر گھر میں بیٹھ رہے اور رات دن روتے تھے، لیکن میں جوان آدمی تھا، باہر نکلتا اور چلتا پھرتا تھا اور نماز میں سب مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا مگر نہ کوئی مجھ سے کلام کرتا نہ میرے سلام کا جواب دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نماز کے بعد حاضر ہوتا اور سلام کرتا تو یہ دیکھا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کو جواب سلام کے لئے حرکت ہوئی یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا تو نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوجاتا ہوں تو آپ میری طرف دیکھتے ہیں اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو رخ پھیر لیتے ہیں۔

جب لوگوں کی یہ بیوفائی دراز ہوئی تو ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی قتادہ کے پاس گیا جو میرے سب سے زیادہ دوست تھے میں ان کے باغ میں دیوار پھاند کر داخل ہوا اور ان کو سلام کیا، خدا کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے پوچھا کہ اے قتادہ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں، اس پر بھی قتادہ نے سکوت کیا، کوئی

جواب نہیں دیا، جب میں نے بار بار یہ سوال دہرایا تو تیسری یا چوتھی مرتبہ میں انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ جانتا ہے اور اس کا رسول، میں رو پڑا اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آ گیا، اسی زمانہ میں ایک روز میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک ملک شام کا ایک نبطی شخص جو غلہ فروخت کرنے کے لئے شام سے مدینہ میں آیا تھا اس کو دیکھا کہ لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا کوئی مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کیا، وہ آدمی میرے پاس آ گیا اور مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا جو ایک ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔ امابعد! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبی نے آپ سے بیوفائی کی اور آپ کو دور کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہیں رکھا ہے، تم اگر ہمارے یہاں آنا پسند کرو تو آ جاؤ ہم تمھاری مدد کریں گے۔

میں نے جب یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ اور ایک میرا امتحان اور آزمائش آئی کہ اہل کفر کو مجھ سے اس کی طمع اور توقع ہوگئی (کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں) میں یہ خط لے کر آگے بڑھا ایک دکان پر تنور لگا ہوا تھا اس میں جھونک دیا۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گذر چکی تھیں تو اچانک دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزیمہ بن ثابت میرے پاس آ رہے ہیں، آ کر یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کر لو میں نے پوچھا کہ کیا طلاق دیدوں یا کیا کروں؟ انہوں نے بتلایا کہ نہیں عملاً اس سے الگ رہو قریب نہ جاؤ اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکہ میں چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرما دیں۔

ہلال بن امیہ کی اہلیہ خولہ بنت عاصم یہ حکم سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہلال بن امیہ ایک بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور کوئی ان کا خادم نہیں، ابن ابی شیبہ کی روایت یہ بھی ہے کہ وہ ضعیف البصر بھی ہیں کیا آپ یہ پسند نہیں فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں، فرمایا کہ خدمت کی ان میں کوئی حرکت ہی نہیں، اور واللہ ان پر تو مسلسل گریہ طاری ہے رات دن روتے رہتے ہیں۔

کعب بن مالک فرماتے ہیں مجھے بھی میرے بعض متعلقین نے مشورہ دیا کہ تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیوی کو ساتھ رکھنے کی اجازت لے لو جیسا کہ آپ نے ہلال کو اجازت دے دی ہے میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا، معلوم نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں اس کے علاوہ میں جوان آدمی ہوں (بیوی کو ساتھ رکھنا احتیاط کے خلاف ہے، چنانچہ اسی حال پر میں نے دس راتیں اور گذاریں یہاں تک کہ پچاس راتیں مکمل ہوگئیں، مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت ہماری توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک تہائی رات گزرنے کے وقت نازل ہوئی، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ جو اس وقت حاضر تھیں انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کعب بن مالک کو اسی وقت اس کی خبر کر دی جائے آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا رات کی نیند مشکل ہو جائیگی۔

کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ پچاسویں رات کے بعد صبح کی نماز پڑھ کر میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہ تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ مجھ پر میری جان اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو چکی تھی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کے اوپر سے کسی چلانے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک بشارت ہو۔

محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ یہ بلند آواز سے کہنے والے ابوبکر تھے جنہوں نے جبل سلع پر چڑھ کر یہ آواز دی کہ اللہ نے کعب کی توبہ قبول فرمالی بشارت ہو، اور عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ یہ خوشخبری حضرت کعب کو سنانے کے لئے دو آدمی دوڑے ان میں سے ایک آگے بڑھ گیا تو جو پیچھے رہ گیا تھا اس نے یہ کیا کہ سلع پہاڑ پر چڑھ کر آواز دے دیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ دوڑنے والے دو بزرگ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تھے۔

کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر گیا اور انتہائی فرحت سے رونے لگا، اور مجھے معلوم ہو گیا کہ اب کشادگی آ گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کرام کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی تھی، اب سب طرف سے لوگ ہم تینوں کو مبارکباد دینے کے لئے دوڑ پڑے، بعض لوگ گھوڑے پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے مگر پہاڑ سے آواز دینے والے کی آواز سب سے پہلے پہنچ گئی۔

کعب بن مالک کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لئے آ رہے تھے، کعب فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ کے گرد صحابہ کرام کا مجمع ہے مجھے دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے اور مجھ سے مصافحہ کر کے قبول توبہ پر مبارک باد دی طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اے کعب بشارت ہو تمہیں ایسے مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لے کر آج تک سب سے زیادہ بہتر دن ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے تم نے سچ بولا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرما دیا۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سب مال و متاع سے نکل جاؤں کہ سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں، آپ نے فرمایا نہیں کچھ مال اپنی ضرورت کے لئے رہنے دو یہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا مال صدقہ کر دوں آپ نے اس سے بھی انکار فرمایا، میں نے پھر ایک تہائی مال کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو قبول فرما لیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں کبھی سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا، پھر فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا الحمد للہ آج تک کوئی کلمہ جھوٹ کا میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے، کعب فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولا

جھوٹ سے پرہیز کیا کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانیوالے ہلاک ہوئے جن کے بارے میں قرآن میں یہ نازل ہوا: (آیت) سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْھِمْ سے لے کر فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ تک بعض حضرات نے فرمایا کہ ان تینوں حضرات سے مقاطعہ کا پچاس دن تک جاری رہنا شاید اس حکمت پر مبنی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ تبوک میں پچاس دن ہی صرف ہوئے تھے۔ (تفسیر مظہری، سورہ برأت، لاہور)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

تقویٰ اختیار کرنے اور سچائی کو لازم کر لینے کا بیان

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہ" بِتَرْکِ مَعَاصِیْہ "وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْن" فِی الْاِیْمَان وَالْعُھُوْد بِاَنْ تَلْزَمُوا الصِّدْق،

اے ایمان والو! گناہوں کو چھوڑ کر اللہ سے ڈرو اور ایمان وعہد میں سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی سچائی کو لازم پکڑ لو۔

عبداللہ بن کعب بن مالک اور یہ عبداللہ وہی ہیں جو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے نابینا ہو چکنے پر ان کو اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ گواہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے کسی پر سچ بولنے کے صلہ میں اتنا بڑا انعام نہ کیا ہو جتنا مجھ پر عنایت فرمایا ہے جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ٹھیک ٹھاک سبب بیان کر دیا ہے تب سے لے کر آج تک جھوٹ بولنے کا قصد بھی نہیں کیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی کہ،

(لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الخ۔) 9۔ التوبہ: 117) (وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ) تک۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1862)

مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ ط ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۝
اہلِ مدینہ اور ان کے گردونواح کے دیہاتی لوگوں کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) سے (الگ ہو کر) پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ ان کی جانِ (مبارک) سے زیادہ اپنی جانوں سے رغبت رکھیں، یہ (حکم) اس لئے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو

پیاس (بھی) لگتی ہے اور جو مشقت (بھی) پہنچتی ہے اور جو بھوک (بھی) لگتی ہے اور جو کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں جہاں کا
چلنا کافروں کو غضبناک کرتا ہے اور دشمن سے جو کچھ بھی پاتے ہیں مگر یہ کہ ہر ایک بات کے بدلہ میں ان کے لئے ایک نیک
عمل لکھا جاتا ہے۔ بیشک اللہ نیکو کاروں کا اُجر ضائع نہیں فرماتا۔

اپنی جانوں سے بڑھ رسول اللہ ﷺ کی ناموس کی حفاظت کرنے کا بیان

"مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِنَ الْاَعْرَاب اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَسُوْل اللّٰہ " اِذَا غَزَا "وَلَا یَرْغَبُوا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَفْسہ " بِاَنْ یَّصُوْنُوْھَا عَمَّا رَضِیَہُ لِنَفْسِہٖ مِنَ الشَّدَائِد وَھُوَ نَھْی بِلَفْظِ الْخَبَر "ذٰلِکَ" اَیْ النَّھْی عَنِ التَّخَلُّف" "بِاَنَّھُمْ" بِسَبَبِ اَنَّھُمْ "لَا یُصِیْبُھُمْ ظَمَاٌ" عَطَش "وَلَا نَصَب" تَعَب "وَلَا مَخْمَصَۃ" جُوع "فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا "مَصْدَر بِمَعْنٰی وَطْئًا "یَغِیْظ" یُغْضِب "الْکُفَّار وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوّ "لِلّٰہِ "نَیْلًا" قَتْلًا اَوْ اَسْرًا اَوْ نَھْبًا "اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَل صَالِح "لِیُجَازَوْا عَلَیْہِ "اِنَّ اللّٰہ لَا یُضِیع اَجْر الْمُحْسِنِیْنَ" اَیْ اَجْرھم بَلْ یُثِیْبُھُمْ۔

اہلِ مدینہ اور ان کے گرد و نواح کے دیہاتی لوگوں کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) سے الگ ہو کر پیچھے رہ جائیں جبکہ آپ ﷺ غزوے پر جائیں اور نہ یہ کہ ان کی جانِ مبارک سے زیادہ اپنی جانوں سے رغبت رکھیں، یعنی ان کے لئے یہ مناسب ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک جان سے زیادہ اپنی جانوں کی حفاظت کریں اور اس سختیوں سے بچائیں جن سختیوں کو نبی کریم ﷺ نے اٹھایا ہوا ہے۔ یہاں پر نہی خبر کی صورت میں ہے یعنی جہاد سے پیچھے بیٹھ جانے کی ممانعت ہے۔ یہ حکم ممانعت اس لئے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو پیاس بھی لگتی ہے اور جو مشقت پہنچتی ہے اور جو اللہ کی راہ میں بھوک لگتی ہے اور جو کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں، وطئا یہ مصدر ہے جہاں ان کا چلنا کافروں کو غضبناک کرتا ہے اور دشمن سے جو بھی قتل وقید اور تکلیف پاتے ہیں مگر یہ کہ ہر ایک بات کے بدلہ میں ان کے لئے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ تا کہ ان کو اجر دیا جائے۔ بیشک اللہ نیکو کاروں کا اُجر ضائع نہیں فرماتا۔ یعنی ان کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کو ثابت رکھتا ہے۔

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کے جذبہ محبت رسول ﷺ کا بیان

ایک صحابی ابوخیثمہ بھی غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ اپنے باغ میں گئے وہاں ٹھنڈا سایہ تھا۔ آپ کی بیوی نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کیا۔ چٹائی کا فرش کیا۔ تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے اور ٹھنڈا میٹھا پانی بھی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعتاً ابوخیثمہ کے دل میں بجلی کی سی ایک لہر دوڑ گئی۔ بولے تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوشگوار سائے، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹوں اور اللہ کا رسول ﷺ ایسی سخت لو اور تپش اور تشنگی کے عالم میں سفر کر رہے ہوں۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی، تلوار حمائل کی، نیزہ سنبھالا اور فوراً چل کھڑے ہوئے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی۔ آخر لشکر کے پاس پہنچ گئے۔ آپ

نے دور سے دیکھا کہ کوئی شتر سوار ہوا کے دوش پر سوار گرد اڑاتا چلا آ رہا ہے اور فرمایا اللہ کرے یہ ابوخیثمہ ہو۔ تھوڑی دیر میں دیکھ لیا کہ وہ ابوخیثمہ ہی تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کوئی مومن مجھے اپنی جان سے بھی عزیز نہ سمجھے اس وقت تک اس کا ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں آیا ہے۔

عبداللہ بن ہشام فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ تھے اور آپ سیّدنا عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ سیّدنا عمر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے نزدیک اپنی جان کے علاوہ ہر چیز سے محبوب ہیں" آپ نے فرمایا" نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جب تک میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ عزیز (محبوب) نہ ہو جاؤں تم مومن نہیں ہو سکتے۔" سیّدنا عمر نے عرض کیا" اللہ کی قسم! اب آپ میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" ہاں اے عمر! (یعنی اب تم صحیح مسلمان ہو)۔ (بخاری۔ کتاب الایمان والنذور)

وَلَا يُنفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝
اور نہ وہ خرچ کرتے ہیں کوئی چھوٹا خرچ اور نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی وادی طے کرتے ہیں، مگر وہ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے،
تا کہ اللہ انھیں اس عمل کی بہترین جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نیک لوگوں کے لئے اعمال صالحہ کی قبولیت شان کا بیان

"وَلَا يُنفِقُوْنَ" فِيْهِ "نَفَقَةً صَغِيْرَةً" وَلَوْ تَمْرَةً "وَلَا كَبِيْرَةً وَلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا" بِالسَّيْرِ "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ" بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ "لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" اَیْ جَزَاءَهُمْ،

اور نہ وہ خرچ کرتے ہیں کوئی چھوٹا خرچ اگرچہ کھجور ہو اور نہ کوئی بڑا اور سفر کر کے نہ کوئی وادی طے کرتے ہیں، مگر وہ ان کے لیے نیک عمل لکھ لیا جاتا ہے، تا کہ اللہ انھیں اس عمل کی بہترین جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔

اخلاص سے عبادت کرنے والوں کے لئے ثواب کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دولتمند لوگ تو درجات اور نعمتوں میں بڑھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیونکر، انہوں نے کہا کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں اور اپنا بچا ہوا مال بھی خرچ کرتے ہیں لیکن ہمارے پاس مال نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جس کے ذریعہ تم ان کے برابر ہو جاؤ، جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور ان سے بڑھ جاؤ، جو تمہارے بعد آئیں اور کوئی شخص تمہارے برابر نہیں ہوگا، مگر وہ جس اس کو پڑھ لے، ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمدللہ اور دس بار اللہ اکبر کہو، عبیدہ اللہ بن عمر نے سمی سے اور ابن عجلان نے سمی اور رجاء بن حیوہ سے اس کی متابعت میں روایت کی اور جریر نے عبدالعزیز بن رفیع

سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے ابو الدراء سے روایت کی اور اس کو سہیل نے اپنے والد سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1279)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا
فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ٥
اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ
حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تاکہ وہ بچ جائیں۔

جہاد پر جانا اور علم حاصل کرنا دونوں کے فضائل کا بیان

وَلَمَّا وُبِّخُوا عَلَى التَّخَلُّف وَاَرْسَلَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّة نَفَرُوْا جَمِيْعًا فَنَزَلَ "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا" اِلَى الْغَزْو "كَافَّة فَلَوْلَا" فَهَلَّا "نَفَرَ مِنْ كُلّ فِرْقَةٍ" قَبِيْلَة "مِنْهُمْ طَائِفَة" جَمَاعَة وَمَكَثَ الْبَاقُوْنَ "لِيَتَفَقَّهُوا" اَيْ الْمَاكِثُونَ "فِي الدِّيْن وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمهمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ" مِنْ الْغَزْو بِتَعْلِيمِهِمْ مَا تَعَلَّمُوْهُ مِنْ الْاَحْكَام "لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" عِقَاب اللّٰه بِامْتِثَالِ اَمْره وَنَهْيه قَالَ ابْن عَبَّاس فَهٰذِهِ مَخْصُوصَة بِالسَّرَايَا وَالَّتِي قَبْلهَا بِالنَّهْيِ عَنْ تَخَلُّف وَاحِد فِيْمَا اِذَا خَرَجَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

جب جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والوں کی توبیخ کی گئی اور نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ کی طرف لوگوں کو بھیجا تو وہ سب کے سب جہاد کے لئے چل پڑے، تو اس موقع پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ اور ممکن نہیں کہ مومن سب کے سب غزوہ کے لئے نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے ایک چھوٹا گروہ کیوں نہ نکلے، اور ان کے سوا بقیہ بیٹھ جائیں تاکہ وہ دین میں فقہ حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب غزوہ سے ان کی طرف واپس جائیں، یعنی جو احکام انہوں نے سیکھے ہیں وہی احکام ان کو بھی سکھائیں۔ تاکہ وہ بچ جائیں۔ یعنی اللہ کے اوامر و نواہی کی اتباع کے ذریعے اس کے عذاب سے ڈرائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ حکم اسی سریہ کے ساتھ خاص ہے، اور جو اس سے پہلے جہاد سے تخلف کے بارے میں آئی ہے وہ اس وقت ہے کہ جب آپ ﷺ جہاد کے لئے خود تشریف لے جائیں۔

فقہ کا علم حاصل کرنے حکم شرعی کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قبائلِ عرب میں سے ہر ہر قبیلہ سے جماعتیں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتیں اور وہ حضور سے دین کے مسائل سیکھتے اور تفقّہ حاصل کرتے اور اپنے لئے احکام دریافت کرتے اور اپنی قوم کے لئے، حضور انہیں اللہ اور رسول ﷺ کی فرماں برداری کا حکم دیتے اور نماز زکوۃ وغیرہ کی تعلیم کے لئے انہیں ان کی قوم پر

مامور فرماتے، جب وہ لوگ اپنی قوم میں پہنچتے تو اعلان کر دیتے کہ جو اسلام لائے وہ ہم میں سے ہے اور لوگوں کو خدا کا خوف دلاتے اور دین کی مخالفت سے ڈراتے یہاں تک کہ لوگ اپنے والدین کو چھوڑ دیتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دین کے تمام ضروری علوم تعلیم فرما دیتے۔ (تفسیر خازن، سورہ برأت، بیروت)

علم اور علمائے دین کی فضیلت کا بیان

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور میں (علم کو) تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔"

(صحیح البخاری وصحیح مسلم مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 195)

اس حدیث سے علم اور عالم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ جس آدمی کو خداوند تعالیٰ خیر و بھلائی کے راستہ پر لگانا چاہتا ہے اسے علم کی دولت عنایت فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ کسی آدمی کو دینی امور یعنی احکام شریعت اور راہ طریقت وحقیقت کی سمجھ عنایت فرما دے جو ہدایت وراستی اور خیر و بھلائی کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔

حضرت ابی امامہ باہلی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم (یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس آدمی پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور آسمانوں وزمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس آدمی کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (یعنی علم دین) سکھاتا ہے جامع ترمذی اور دارمی نے اس روایت کو مکحول سے مرسل طریقہ پر نقل کیا ہے جس میں لفظ رجلان کا ذکر نہیں ہے اور کہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی آیت (**اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا**، اطر 28) اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔" اور پھر پوری حدیث آخر تک اسی طرح بیان کی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 208)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بہت زیادہ عظمت وفضیلت حاصل ہوتی ہے اور اسے عابد پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس آدمی پر فضیلت رکھتا ہوں جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ادنیٰ آدمی پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔ آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو دارمی نے مکحول سے طریق مرسل نقل کیا ہے اور اس سے انتہائی الفاظ رجلان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝
اے ایمان والو! جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان رکھو کہ
اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

قریب کے کفار سے پہلے جہاد کرنے کا بیان

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ" اَیْ الْاَقْرَب فَالْاَقْرَب مِنْهُمْ "وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً" شِدَّة اَیْ اَغْلِظُوا عَلَيْهِمْ "وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ" بِالْعَوْنِ وَالنَّصْر،

اے ایمان والو! جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں یعنی جو کفار جتنے قریب ہیں پہلے ان سے جہاد کرو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان رکھو کہ اللہ کی مدد و نصرت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

کفار کے ساتھ جہاد کرنے میں محل وقوع کی رعایت کا بیان

حافظ عماد الدین لکھتے ہیں کہ جو کفار قریب تھے پہلے تو مسلمانوں کو ان سے نمٹنا چاہیے اسی حکم کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے جزیرۃ العرب کو صاف کیا، یہاں غلبہ پا کر مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضرموت وغیرہ کل علاقہ فتح کر کے یہاں کے لوگوں کو اسلامی جھنڈے تلے کھڑا کر کے غزوہ روم کی تیاری کی۔ جو اول تو جزیرہ العرب سے ملحق تھا دوسرے وہاں کے رہنے والے اہل کتاب تھے۔ تبوک تک پہنچ کر حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے آگے کا عزم ترک کیا۔ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔ دسویں سال حجۃ الوداع میں مشغول رہے۔ اور حج کے صرف اکاسی دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پیارے ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے نائب، دوست اور خلیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اس وقت دین اسلام کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں کہ آپ نے انہیں مضبوط کر دیا اور مسلمانوں کی ابتری کو برتری سے بدل دیا۔ دین سے بھاگنے والوں کو واپس اسلام میں لے آئے۔ مرتدوں سے دنیا خالی کی۔ ان سرکشوں نے جو زکوٰۃ روک لی تھی ان سے وصول کی جاہلوں پر حق واضح کیا۔ امانت رسول ادا کی۔ اور ان ابتدائی ضروری کاموں سے فارغ ہوتے ہی اسلامی لشکروں کو سرزمین روم کی طرف دوڑا دیا کہ صلیب پرستوں کو ہدایت کریں۔ اور ایسے ہی جرار لشکر فارس کی طرف بھیجے کہ وہاں کے آتش کدے ٹھنڈے کریں۔ پس آپ کی سفارت کی برکت سے رب العالمین نے ہر طرف فتح عطا فرمائی۔ کسریٰ اور قیصر خاک میں مل گئے۔ ان کے پرستار بھی غارت و برباد ہوئے، ان کے خزانے راہ اللہ میں کام آئے۔ اور جو خبر اللہ کے رسول سلام اللہ علیہ دے گئے تھے وہ پوری ہوئی۔ جو کسر رہ گئی تھی آپ کے وصی اور

دی شہید محراب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔ کافروں اور منافقوں کی رگ ہمیشہ کے لیے کچل دی گئی۔ ان کے زور ڈھا دیئے گئے۔ اور مشرق و مغرب تک فاروقی سلطنت پھیل گئی۔ قریب و بعید سے بھرپور خزانے دربار فاروق میں آنے لگے اور شرعی طور پر حکم الٰہی کے ماتحت مسلمانوں میں مجاہدین میں تقسیم ہونے لگے۔ اس پاک نفس، پاک روح شہید کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار کے اجماع سے امر خلافت امیر المومنین شہید الدار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ اس وقت اسلام اپنی اصلی شان سے ظہور پذیر تھا۔ اسلام کے لمبے اور زور آور ہاتھوں نے روئے زمین پر قبضہ جما لیا تھا۔ بندوں کی گردنیں اللہ کے سامنے خم ہو چکیں تھیں۔ حجت ربانی ظاہر تھی، کلمہ الٰہی غالب تھا۔ شان عثمان اپنا کام کرتی جاتی تھی۔ آج اس کو حلقہ بگوش کیا تو کل اس کو یکے بعد دیگرے کئی ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں زیر نگیں خلافت ہوئے۔ یہی تھا اس آیت کے پہلے جملے پر عمل کہ نزدیک کے کافروں سے جہاد کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ لڑائی میں انہیں تمہارا زور بازو معلوم ہو جائے۔ کامل مومن وہ ہے جو اپنے مومن بھائی سے تو نرمی برتے لیکن اپنے دشمن کافر پر سخت ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○
اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کو ایمان میں
زیادہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

قرآنی سورتوں کے نزول کے سبب ایمان کی تصدیق میں اضافہ ہونے کا بیان

"وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ" مِنَ الْقُرْاٰنِ "فَمِنْهُمْ" اَيِ الْمُنَافِقِيْنَ "مَنْ يَّقُوْلُ" لِاَصْحَابِهٖ اسْتِهْزَاءً "اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا" تَصْدِيْقًا "فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا" لِتَصْدِيْقِهِمْ بِهَا "وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ" يَفْرَحُوْنَ بِهَا،

اور جب بھی قرآن کی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان منافقین میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے دوستوں سے بہ طور مذاق کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کے ایمان یعنی تصدیق کو زیادہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان یعنی ان کی تصدیق میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ یعنی وہ ایمان میں اضافہ ہونے کے سبب خوش ہوتے ہیں۔

ایمان کے مختلف درجات کے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم سوئے ہوئے تھے۔ نیند کے دوران دیکھا کہ لوگ ہمارے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان کے جسموں پر قمیصیں ہیں، کچھ قمیصیں سینوں تک پہنچ رہی ہیں اور کچھ اس سے بھی چھوٹی ہیں۔ ہمارے سامنے عمر بن خطاب پیش کئے گئے۔ ان کے جسم پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ اسے گھسیٹ رہے تھے۔

لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ آپ نے اس کی کیا تاویل فرمائی ہے؟ بتایا: دین۔
(بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال)

اس حدیث پاک سے بھی اہل ایمان کے مراتب کا متفاوت ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے جسموں پر چھوٹی بڑی قمیصیں ہیں، کسی کی سینے تک پہنچ رہی ہے۔ کسی کی اس سے بھی چھوٹی ہے۔ لیکن فاروق اعظم کی قمیص کو بہت ہی لمبا پایا اور تعبیر یہ بیان فرمائی کہ اس سے دین مراد ہے اور دین، ایمان ہی کو کہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ لوگوں کا ایمان کم وبیش اور متفاوت ہوتا ہے۔ یعنی اہل ایمان میں ایمان کے حوالے سے فرق، مراتب پایا جاتا ہے۔ کسی کا ایمان قوی، زیادہ اور مضبوط ہوتا ہے اور کسی کا نسبتاً کمزور، ہلکا اور کم ہوتا ہے۔

اعمال کے ساتھ ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے اور اسے ایمان کامل کہتے ہیں۔ جتنا انسان، متقی، عبادت گزار، صالح وذاکر، نیک اور اطاعت شعار ہو، اتنا ہی اس کا ایمان کامل ہوتا ہے اور جتنا بدعمل، فاسق وفاجر، نافرمان وخودسر اور غافل وجاہل ہو، اتنا ہی اس کا ایمان ناقص ہوتا ہے۔ البتہ نفس ایمان ایک ہی حال پر قائم رہتا ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ٥
اور البتہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو ان کی خباثت کے ساتھ اور خباثت میں زیادہ کر دیا
اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔

دل کی بیماری والوں کے دل میں کفر کے زیادہ ہوجانے کا بیان

"وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" ضَعْف اعْتِقَاد "فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ" كُفْرًا اِلٰى كُفْرِهِمْ لِكُفْرِهِمْ بِهَا،وَمَاتُوْا وَّهُمْ كَافِرُوْنَ،

اور البتہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری یعنی عقیدہ کمزور ہے تو اس نے ان کو ان کی خباثت یعنی کفر کے ساتھ اور کفر میں زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔

بیمار دل یہ ایسا دل ہے، جس میں زندگی تو ہے، لیکن اسمیں بیماری بھی ہے، یعنی اس میں (زندگی اور بیماری کے) دو مادے ہوتے ہیں کبھی پہلا مادہ اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور کبھی دوسرا مادہ پھر دونوں مادوں میں سے جو مادہ بھی اس پر غالب آ جاتا ہے دل اس کا ہو جاتا ہے اس دل کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت اللہ کے لیے اخلاص اور اللہ پر توکل کا پہلو موجود ہوتا ہے جو اس کی زندگی کا مادہ ہے اور اس کے اندر خواہشات کی محبت اور ان کے حصول کی خواہش، حسد، تکبر، خود پسندی، ریاست وسیادت کے ذریعے فساد فی الارض، نفاق، ریاکاری اور بخل وکنجوسی کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے جو اس کی ہلاکت وبربادی کا مادہ ہے ہم ایسے دل سے بھی اللہ حفیظ ورقیب کی پناہ چاہتے ہیں قرآن کریم میں دل کی تمام بیماریوں کا علاج موجود ہے۔

برے اعمال کے سبب ایمان کے دور ہو جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب زانی، زنا کرتا ہے، چور، چوری میں مصروف ہوتا ہے اور شرابی شراب پی رہا ہوتا ہے اور ڈاکو دھڑلے کے ساتھ، لوٹ مار کر رہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (بخاری، کتاب الحدود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بدکاری کے دوران اس کے مومن کامل نہ رہنے اور ایمان سے خارج ہو جانے کی مثال بیان کرتے ہوئے ایک دوسری حدیث روایت فرمائی ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے جسم سے نکل جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر کھڑا ہو جاتا ہے، جب وہ فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔ (المستدرک، کتاب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دوسری مثال دے کر اس کے ایمان سے خارج ہونے کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ کسی نے پوچھا: (بخاری، کتاب المحاربین)

اس سے ایمان کیسے نکال لیا جاتا ہے؟ حضرت ابن عباس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پہلے ایک دوسرے میں پھنسایا، پھر علیحدہ کیا اور فرمایا: اس طرح اس کے بعد فرمایا: اگر وہ توبہ کرلے تو ایمان پھر اس طرح لوٹ آتا ہے۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھر ایک دوسرے میں پھنسا دیا۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے ایمان کامل کے حصول کے لئے، اعمال خیر پر کاربند ہونا بہت ضروری ہے اور ارکان اسلام اس سلسلے کے بنیادی اعمال ہیں۔ چنانچہ نماز، روزہ اور حج زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کے بغیر، مومن کامل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○
اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی وہ نہ توبہ کرتے ہیں
اور نہ ہی وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

آزمائش میں مبتلاء ہونے کے باوجود نصیحت حاصل نہ کر سکنے کا بیان

"اَوَلَا يَرَوْنَ" بِـالْيَاءِ اَىِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ "اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ" يُبْتَلَوْنَ "فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ" بِالْقَحْطِ وَالْاَمْرَاضِ "ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ" مِنْ نِفَاقِهِمْ "وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ" يَتَّعِظُوْنَ،

یہاں پر یرون یاء کے ساتھ آیا ہے یعنی وہ منافقین اور تاء کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اے اہل ایمان، اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ ہر سال قحط اور بیماریوں کے ذریعے ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی وہ اپنی منافقت سے نہ توبہ کرتے

ہیں اور نہ ہی وہ نصیحت یعنی وعظ پکڑتے ہیں۔

عذاب سے دوچار ہونے کے بعد بھی منافق باز نہیں آتا

یہ منافق اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ہر سال دو ایک دفعہ ضروری وہ کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔لیکن پھر بھی انہیں اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ نصیب ہوتی ہے نہ آئندہ کے لیے عبرت ہوتی ہے۔کبھی قحط سالی ہے،کبھی جنگ ہے،کبھی جھوٹی گپیں ہیں جن سے لوگ بےچین ہو رہے ہیں۔فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کاموں میں سختی بڑھ رہی ہے۔بخیلی عام ہو رہی ہے۔ہر سال اپنے سے پہلے کے سال سے بدآ رہا ہے۔جب کوئی سورت اترتی ہے ایک دوسرے کی طرف دیکھتا ہے کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر حق سے پلٹ جاتے ہیں نہ حق کو سمجھیں نہ مانیں وعظ سے منہ پھیر لیں اور ایسے بھاگیں جیسے گدھا شیر سے۔حق کو سنا اور دائیں بائیں کھسک گئے۔ان کی اس بے ایمانی کا بدلہ یہی ہے کہ اللہ نے ان کے دل بھی حق سے پھیر دیئے۔ان کی کجی نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے۔یہ بدلہ ہے اللہ کے خطاب کو بے پرواہی کر کے نہ سمجھنے کا اس سے بھاگنے اور منہ موڑ لینے کا بدلہ ہے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ
صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○
اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں، کہ کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا پھر وہ پلٹ
جاتے ہیں۔اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

وحی سے دور بھاگنے والے منافقین کا بیان

وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ " فِيْهَا ذِكْرهمْ وَقَرَاَهَا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَظَرَ بَعْضهمْ اِلٰى بَعْضٍ " يُرِيْدُوْنَ الْهَرَب يَقُوْلُوْنَ: "هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ اَحَد" اِذَا قُمْتُمْ فَاِنْ لَّمْ يَرَهُمْ اَحَد قَامُوْا وَاِلَّا ثَبَتُوْا "ثُمَّ انْصَرَفُوْا " عَلٰى كُفْرِهِمْ "صَرَفَ اللّٰه قُلُوْبهمْ " عَنْ الْهُدٰى "بِاَنَّهُمْ قَوْم لَا يَفْقَهُوْنَ " الْحَقّ لِعَدَمِ تَدَبُّرهمْ،

اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے جس میں ان کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں، یعنی آنکھوں کے اشارے سے ایک دوسرے کی رہنمائی کرتے ہیں کہ کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا کیونکہ وہ وہاں سے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی اگر ان کو کوئی دیکھ رہا ہو تو ٹھہر جاتے ہیں ورنہ وہاں سے نکل جاتے۔پھر وہ اپنے کفر کی جانب پلٹ جاتے ہیں۔اللہ نے ان کے دلوں کو ہدایت سے پھیر دیا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔یعنی غور وفکر نہ کرنے کے سبب وہ حق کو نہیں سمجھتے۔

وحی نازل ہونے کے بعد صحابہ کو مسجد وحی سنانے کا بیان

جب کوئی سورت نازل ہوتی تو بسا اوقات رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مسجد نبوی ﷺ میں بلا کر بطور خطبہ انہیں یہ سورت سنا دیا

کرتے۔اب منافقوں کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں ایسے اعلان پر مسجد میں جانا پڑتا تھا اور اپنے آپ سے نفاق کا شبہ دور کرنے کے لیے انہیں ایسی حاضری لگوانا ہی پڑتی تھی مگر اس بیگار کو زیادہ دیر تک برداشت بھی نہ کر سکتے تھے اور چاہتے یہ تھے کہ حاضری لگوانے کے بعد فوراً مسلمانوں سے نظریں بچا کر نکل جائیں اور ان میں سے اکثر یہی کچھ کرتے تھے۔تو جب ان لوگوں نے رشد و ہدایت کی مجلس سے یوں بھاگنا شروع کیا تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ویسا ہی بنا دیا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝
بیشک تمہارے پاس تم میں سے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے۔تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں
گزرتا ہے۔وہ تمہارے لئے بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں مومنوں کے لئے نہایت مہربانی، بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی اہل ایمان کے لئے رحمت و مہربانی کا بیان

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ" اَیْ مِنْكُمْ: مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "عَزِيْزٌ" شَدِيْدٌ "عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" اَیْ عَنَتُكُمْ اَیْ مَشَقَّتُكُمْ وَلِقَاؤُكُمُ الْمَكْرُوْهَ "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ" اَنْ تَهْتَدُوْا "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ" شَدِيْدُ الرَّحْمَةِ "رَحِيْمٌ" يُرِيْدُ لَهُمُ الْخَيْرَ،

بیشک تمہارے پاس تم میں سے رسول مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں گزرتا ہے۔یعنی تم پر کسی مشکل کا آنا ان پر سخت گزرتا ہے۔وہ تمہارے لئے ہدایت کے بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں مومنوں کے لئے نہایت مہربانی یعنی بہت رحمت والے،ان کے لئے بھلائی کرنے میں بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کو جمع کرنے کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل یمامہ کی لڑائی کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔حضرت ابوبکر فرمانے لگے کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی میں قرآن کریم کے قاریوں کی بڑی تعداد شہید ہوگئی ہے۔مجھے اندیشہ ہے کہ اگر قاری اسی طرح قتل ہوئے تو امت کے ہاتھ سے بہت سا قرآن نہ جاتا رہے۔میرا خیال ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دے دیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کیسے وہ کام کروں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کی قسم اس میں خیر ہے وہ بار بار مجھ سے بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس چیز کے لئے کھول دیا جس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا اور میں بھی یہ کام انہیں کی طرح اہم سمجھنے لگا۔زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایک عقلمند نوجوان ہو اور ہم تمہیں کسی چیز میں متہم نہیں پاتے پھر تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب بھی ہو لہٰذا تم ہی یہ کام کرو۔زید کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو اس سے آسان ہوتا۔میں نے کہا آپ

کیوں ایسا کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہی بہتر ہے پھر وہ دونوں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) مجھے سمجھاتے رہے یہاں تک کہ میں بھی یہی بہتر سمجھنے لگا اور اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی کھول دیا جس کے لئے ان دونوں کا سینہ کھولا تھا۔

پھر میں قرآن جمع کرنے میں لگ گیا چنانچہ میں قرآن کو چمڑے کے مختلف ٹکڑوں کھجور کے پتوں اور لخاف یعنی پتھر وغیرہ سے جمع کرتا جن پر قرآن لکھا گیا تھا پھر اسی طرح میں لوگوں کے سینوں سے بھی قرآن جمع کرتا، یہاں تک کہ سورت برأت کا آخری حصہ خزیمہ بن ثابت سے لیا۔ وہ یہ آیات ہیں (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ التوبہ:128) البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے۔ اسے تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے، تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو کہہ دو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1046)

بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہونے سائل کا واقعہ

ایک واقعہ آپ کی کمال شفقت کا سنو! ایک اعرابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور خون بہا ادا کرنے کے لیے آپ سے امداد طلب کی۔ آپ نے اسے بہت کچھ دیا۔ پھر پوچھا کیوں صاحب میں نے تم سے سلوک کیا؟ اس نے کہاں کچھ بھی نہیں اس سے کیا ہوگا؟ صحابہ بہت بگڑے۔ قریب تھا کہ اسے لپٹ جائیں کہ اتنا لینے پر بھی یہ ناشکری کرتا ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا ایسا غلط اور گستاخانہ جواب دیتا ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا، گھر پر تشریف لے گئے۔ وہیں اسے بلوالیا۔ سارا واقعہ کہہ سنایا پھر اسے اور بھی بہت کچھ دیا۔ پھر پوچھا کہو اب تو خوش ہو؟ اس نے کہاں ہاں اب دل سے راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل وعیال میں ہم سب کی طرف سے نیک بدلہ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! تم آئے۔ تم نے مجھ سے مانگا، میں نے دیا پھر میں نے تم سے پوچھا کہ خوش ہو؟ تو تم نے الٹا پلٹا جواب دیا جس سے میرے صحابی تم سے نالاں ہیں۔ اب میں نے پھر دے دلا کر تمہیں راضی کر لیا۔ اب تم ان کے سامنے بھی اسی طرح اپنی رضامندی ظاہر کرنا جیسے اب تم نے میرے سامنے کی ہے تا کہ ان کا رنج بھی دور ہو جائے۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ جب وہ صحابہ کے مجمع میں آپ کے پاس آیا آپ نے فرمایا دیکھو یہ شخص آیا تھا اس نے مجھ سے مانگا تھا، میں نے ایسے دیا تھا، پھر اس سے پوچھا تھا، تو اس نے ایسا جواب دیا تھا جو تمہیں ناگوار گزرا۔ میں نے اسے پھر اپنے گھر بلوایا اور زیادہ دیا تو یہ خوش ہو گیا۔ کیوں بھئی اعرابی یہی بات ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے اہل وعیال اور قبیلے کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آپ نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا۔ جزاک اللہ اس وقت آپ نے فرمایا میری اور اس اعرابی کی مثال سنو! جیسے وہ شخص جس کی اونٹنی بھاگ گئی لوگ اس کے پکڑنے کو دوڑے وہ ان سے بدک کر اور بھاگنے لگی۔ آخر اونٹنی والے نے کہا لوگو تم ایک طرف ہٹ جاؤ مجھے اور میری اونٹنی کو

چھوڑ دو، اس کی خوخصلت سے میں واقف ہوں اور یہ میری ہی ہے۔ چنانچہ اس نے نرمی سے اسے بلانا شروع کیا۔ زمین سے گھانس پھونس توڑ کر اپنی مٹھی میں لے کر اسے دکھایا اور اپنی طرف بلایا، وہ آ گئی۔ اس نے اس کی نکیل تھام لی اور پالان وکجاوہ ڈال دیا۔ سنو! اس کے پہلی دفعہ کے بگڑنے پر اگر میں بھی تمہارا ساتھ دیتا تو یہ جہنمی بن جاتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ برأت، بیروت)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝
پھر اگر اعراض کریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

نبی کریم ﷺ کے لئے اللہ کی عطا کردہ شان ہی کافی ہے

"فَإِنْ تَوَلَّوْا" عَنِ الْإِيمَانِ بِكَ "فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ" كَافِيَّ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ" بِهِ وَثِقْتُ لَا بِغَيْرِهِ "وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ" الْكُرْسِيِّ "الْعَظِيمِ" خَصَّهُ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ أَعْظَمُ الْمَخْلُوقَاتِ وَرَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ" إِلَى آخِرِ السُّورَةِ،

پھر اگر وہ آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اعراض کریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا یعنی میرا اعتماد اسی ذات پر ہے اس کے سوا کسی پر نہیں اور وہ بڑے عرش یعنی کرسی کا مالک ہے۔ یہاں عرش کے ذکر کو اس لئے خاص طور پر بیان کیا ہے کیونکہ وہ بڑی مخلوقات میں سے ہے۔ امام حاکم نے حضرت ابی بن کعب کے قول کو متدرک میں روایت کیا ہے کہ آخری آیت "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ" کا نازل ہوئی ہے جو آخر سورت تک ہے۔

سورہ برأت کی آخری دو آیات کو پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہی دو آیات آخری آیات ہیں ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا یہی قول حضرت ابن عباس کا ہے۔

ان دو آیتوں کے بڑے فضائل حدیث میں مذکور ہیں، حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح وشام یہ آیتیں سات مرتبہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام آسان فرمادیتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ برأت، بیروت)

عرش الٰہی کے بلند ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمہ یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا خواہ وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے یا جس سرزمین میں پیدا ہوا ہو وہیں جمارہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم لوگوں میں اس بات کی بشارت نہ سنا دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں وہ اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے مقرر کئے ہیں دونوں درجوں کے درمیان اتنا فصل ہے جیسے آسمان وزمین کے درمیان پس جب تم اللہ سے دعا مانگو تو اس سے

فردوس طلب کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے مجھے خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اس کے اوپر صرف رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 65)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی اونٹنی کو دروازہ پر باندھ کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا بشارت قبول کرواے بنوتمیم! انہوں نے دومرتبہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بشارت تو دی ہے اب کچھ عطا بھی تو فرمایئے پھر یمن کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اہل یمن بشارت قبول کرو کیونکہ بنی تمیم نے تو اسے رد کر دیا ہے انہوں نے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے قبول کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس امر (دین) کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ابتداء میں) اللہ تعالیٰ کا وجود تھا اور کوئی چیز موجود نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ہر ہونے والی چیز کو لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا اور اس نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا کہ ایک منادی نے آواز دی کہ اے ابن حصین! تیری اونٹنی بھاگ گئی میں (اٹھ کر) چلا تو وہ اتنی دور چلی گئی تھی کہ سراب بیچ میں حائل ہو گیا بس اللہ کی قسم! میں نے تمنا کی کہ میں اسے چھوڑ دیتا عیسیٰ، رقبہ، قیس بن مسلم، طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کی بابت ہمیں بتلایا حتیٰ کہ جنتی اپنی منزلوں اور دوزخی اپنی جگہوں میں داخل ہو گئے اس بات کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 451)

سورہ برأت کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ برأت کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت یونس ہے

سورہ یونس کی آیات وتعداد کلمات کا بیان

سُوْرَةُ يُوْنُس (مَكِّيَّةٌ اِلَّا الْاٰيَات 40 و94 و95 و96 فَمَدَنِيَّةٌ وَاٰيَاتها 109 اَوْ 110 نَزَلَتْ بَعْد الْاِسْرَاء)

سورت یونس مکی ہے۔اس کی آیت نمبر۴۰، ۹۴، ۹۵، ۹۶ مدنی ہیں۔اس کی آیات ۱۰۹ یا ۱۱۰ ہیں اور یہ سورہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہے۔اس میں گیارہ رکوع اور ایک سونو آیتیں اور ایک ہزار آٹھ سو بتیس کلمے اور نو ہزار ننانوے حرف ہیں۔

سورہ یونس کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت ۹۸ میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔جو قبولیت توبہ کے اعتبار سے ایک منفرد واقعہ ہے۔اور اس واقعہ میں یہی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی تخصیص ہے کہ جب عذاب نے قبر کی طرح ان کو ڈھانپ لیا اور انہوں نے چالیس دن رات عاجزی اور رورو کر دعائیں مانگیں اور صدق دل سے توبہ کی تو اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا اور ان سے عذاب کو دور کر دیا۔اسی انفرادیت کے سبب کیونکہ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم تھی۔اس لئے اس سورہ مبارکہ کا نام سورت یونس رکھا گیا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۝
الف،لام،را، یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔

"الر" اللّٰه اَعْلَم بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ "تِلْكَ" اَیْ هٰذِهِ الْاٰیَات "اٰیَات الْكِتَاب" اَلْقُرْاٰن وَالْاِضَافَة بِمَعْنٰی مِنْ "الْحَكِیْم" الْمُحْكَم

الف،لام،راء یہ حروف مقطعات ہیں جن کی مراد کو اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔یہ آیات حکمت والی کتاب قرآن کی ہیں۔ یہاں پر اضافت معنی من کے ساتھ ہوئی ہے۔اور حکیم سے مراد محکم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے علم حکمت کی دعا کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا اے اللہ! اس کو حکمت عطا فرما اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! اس کو کتاب (قرآن) کا علم دے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 993)

اسی دعا کے صدقہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کے بہت مفسر ہوئے جنہیں ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔

عطائے حکمت کے قابل رشک ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسد صرف دو چیزوں پر جائز ہے۔

ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس کو راہ حق پر خرچ کرنے کی قدرت دی۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، جلد اول، حدیث نمبر 1348)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ فخر و تکبر شتربانوں یعنی اونی خیموں میں رہنے والوں میں ہے اور سکون بکری والوں میں ہے ایمان یمانی ہے اور حکمت بھی یمانی یمن کا نام اس وجہ سے یمن رکھا گیا کہ وہ کعبہ مکرمہ سے داہنی جانب ہے اور شام کا نام اس وجہ سے شام رکھا گیا کہ وہ کعبہ مکرمہ سے بائیں جانب ہے مشامہ (جس سے شام ماخوذ ہے) بائیں جانب کو کہتے ہیں اور بائیں ہاتھ کو الید الشومی کہتے ہیں اور بائیں جانب کو (الأشام) کہا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 756)

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○
کیا یہ بات لوگوں کے لئے تعجب خیز ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مردِ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ لوگوں کو ڈر سنائیں اور ایمان
والوں کو خوشخبری سنائیں کہ ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں بلند درجہ ہے، کافر کہنے لگے، بیشک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے۔

قرآن کو جادو قرار دینے والے کفار مکہ کا بیان

"اَكَانَ لِلنَّاسِ" اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ اسْتِفْهَام اِنْكَار وَالْجَار وَالْمَجْرُوْر حَال مِنْ قَوْله "عَجَبًا" بِالنَّصْبِ خَبَر كَانَ وَبِالرَّفْعِ اسْمهَا وَالْخَبَر وَهُوَ اسْمهَا عَلَى الْاُوْلٰى "اَنْ اَوْحَيْنَا" اَیْ اِیحَاؤُنَا "اِلٰى رَجُل مِنْهُمْ" مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَنْ" مُفَسِّرَة "اَنْذِرْ" خَوِّفْ "النَّاس" الْكَافِرِیْنَ بِالْعَذَابِ "وَبَشِّرْ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ" اَیْ بِاَنَّ "لَهُمْ قَدَم" سَلَف "صِدْق عِنْد رَبّهمْ" اَیْ اَجْرًا حَسَنًا بِمَا قَدَّمُوْهُ مِنْ

الْاَعْمَال "قَالَ الْكَافِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا" الْقُرْاٰن الْمُشْتَمِلُ عَلٰى ذٰلِكَ "لَسَاحِرٌ مُبِيْن" بَيِّن وَفِى قِرَاءَة لَسَاحِر وَالْمُشَار اِلَيْهِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کیا یہ بات لوگوں یعنی اہل مکہ کے لئے تعجب خیز ہے۔یہاں پر جار مجرور قول عجبا سے حال ہے۔کیونکہ کان کی خبر منصوب ہوتی اور اس کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔اور اس کی خبر پہلا ''اَنْ اَوْحَیْنَا''یعنی ایحاؤنا ہے یعنی اس ذات کی طرف جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد ﷺ ہے اور یہاں پر ان تفسیر یہ ہے۔

ہم نے انہی میں سے ایک مردکی طرف وحی بھیجی کہ آپ لوگوں یعنی کفار کو عذاب کا ڈر سنائیں اور ایمان والوں کو خوشخبری سنائیں کہ ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں بلند درجہ ہے،یعنی اچھا اجر ہے جو انہوں نے اعمال آگے بھیجے ہیں۔کافر کہنے لگے،بیشک یہ قرآن تو واضح جادو پر مشتمل ہے۔مبین کا معنی کھلا ہوا ہے۔اور ایک قرأت میں ساحر ہے اور اس کا مشار الیہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو بنایا گیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اکان للناس عجبا ۔میں استفہام انکاری کے لئے ہے۔کیا لوگوں کو یہ بات بہت ہی عجیب نظر آتی ہے (حالانکہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے) الناس سے مراد کفار عرب ہیں۔

رجل۔سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الیٰ رجل منهم ای الیٰ بشر من جنسهم ۔انہیں کی جنس سے ایک فرد۔

انذر۔انذار سے امر واحد مذکر حاضر۔تو ڈرا۔ انذر الناس میں الناس سے مراد جمیع الناس ہیں۔قدم صدق۔مضاف مضاف الیہ ان کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قدم کے مفہوم میں اقوال مفسرین کا بیان

قدم بمعنی پاؤں اور صدق کے معنی ہیں سچائی۔قوت۔خیر۔خلوص۔شرف۔فضیلت۔ قدم صدق کے مختلف معانی کئے گئے ہیں:

(1) القدم۔ السابقة ۔ والمعنى انهم قد سبق لهم عند الله خير (رازی) یعنی القدم کے معنی السابقۃ ہیں اور آیت کے معنی ہیں ان کے لئے اللہ کے حضور ایسی خیر مقدر ہے جس میں انہیں ترجیح دی جائے گی۔

(2) ان لهم اجر احسنا ۔ان کے لئے نیک اجر ہے (مجمع البیان۔مظہری)

(3) ان لهم منزلة رفيعة۔ان کے لئے بلند مرتبہ ہے (کشاف،بیضاوی۔زجاج۔روح المعانی)

(4) ان لهم مقام صدق۔ان کے لئے فضیلت کا مقام ہے (کشاف)

(5) قدم صدق ۔سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔اور قدم سے کنایۃً مراد عمل ہے جو اقدام کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے جس طرح کنایۃً نعمت کو ید (ہاتھ) کے لفظ سے بیان کر دیتے ہیں اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے: ان کے لئے اللہ کے حضور وہ اعمال

صالحہ ہوں گے۔ جو انہوں نے کئے۔ (مدارک)

(6) قدم صدق سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے۔ (قرطبی) لیکن آیت کے سیاق وسباق سے مناسبت نہیں رکھتا۔

سورہ یونس آیت ۲ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت سے مشرّف فرمایا اور آپ نے اس کا اظہار کیا تو عرب منکر ہو گئے اور ان میں سے بعضوں نے یہ کہا کہ اللہ اس سے برتر ہے کہ کسی بشر کو رسول بنائے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر جامع البیان، ج ۱۱، ص ۵۸، بیروت)

آخرت میں اہل جنت اور اہل دوزخ کا مراتب میں مختلف ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 198)

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیث میں "درجوں" سے مراد "بلند مراتب" ہیں جو اہل جنت کو ان کے اعمال اور نیکوں کے اعتبار سے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **هم درجات عند الله** (اہل جنت اللہ کے نزدیک درجات ومراتب میں مختلف ہوں گے) یعنی ان کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق الگ الگ مرتبہ ودرجہ ملے گا، جس جنتی کے اعمال جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اس کو اتنے ہی زیادہ مراتب نصیب ہوں گے، جیسا کہ دوزخیوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے کفر وشرک کے اعتبار سے دوزخ کے نچلے حصوں میں ڈالے جائیں گے کہ جس دوزخی کے کفریہ اعمال وعقائد جتنے زیادہ خراب رہے ہوں گے اس کو دوزخ کے اتنے ہی نچلے حصوں میں پہنچایا جائے گا، اس کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یقیناً منافقین دوزخ کے نچلے حصوں میں پڑے ہوں گے۔

انسان کے لئے انتخاب نبوت ورسالت پر کفار کے تعجب کا بیان

کافروں کو اس پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ ایک انسان اللہ کا رسول بن جائے۔ کہتے تھے کہ کیا بشر ہمارا ہادی ہوگا؟ حضرت ہود اور حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ کیا تمہیں یہ کوئی انوکھی بات لگتی ہے کہ تم میں سے ہی ایک شخص پر تمہارے رب کی وحی نازل ہوئی۔ کفار قریش نے بھی کہا تھا کہ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کے بجائے ایک ہی اللہ مقرر کر دیا؟ یہ تو بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے بھی انہوں نے صاف انکار کر دیا اور انکار کی وجہ یہی پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے ایک انسان پر اللہ کی وحی کا آنا ہی نہیں مان سکتے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ سچے پائے سے مراد سعادت اور نیکی کا ذکر ہے۔ بھلائیوں کا اجر ہے۔ ان کے نیک کام ہیں۔ مثلاً نماز روزہ صدقہ تسبیح۔ اور ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت الغرض ان کی سچائی کا ثبوت اللہ کو پہنچ چکا ہے۔ ان کے نیک اعمال وہاں جمع ہیں۔ یہ سابق لوگ ہیں۔ عرب کے شعروں میں بھی

قدیم کا لفظ ان معنوں میں بولا گیا ہے۔ جو رسول ان میں ہے وہ بشیر بھی ہے، نذیر بھی ہے، لیکن کافروں نے اسے جادوگر کہہ کر اپنے جھوٹ پر مہر لگادی۔

اس آیت میں ایک دوسرے انداز سے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا اس بات پر تعجب کرنا کہ بشر کو کیوں رسول بنایا گیا اور اس کو نافرمان انسانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور فرمانبرداروں کو اس کے ثواب کی خوشخبری سنانے کا کام کیوں سپرد کیا گیا، یہ تعجب خود قابل تعجب ہے کیونکہ جنس بشر کی طرف بشر کو رسول بنا کر بھیجنا عین مقتضائے عقل ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ
الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝
بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کام کی
تدبیر فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

زمین وآسمانوں کی چھ دنوں میں تخلیق ہونے کا بیان

"اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْاَرْض فِیْ سِتَّة اَیَّام" مِنْ اَیَّام الدُّنْیَا اَیْ فِیْ قَدْرهَا لِاَنَّهُ لَمْ یَکُنْ ثَمَّ شَمْس وَلَا قَمَر وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِیْ لَمْحَة وَالْعُدُول عَنْهُ لِتَعْلِیْمِ خَلْقه التَّثَبُّت "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْش" اسْتِوَاء یَلِیْق بِهٖ "یُدَبِّر الْاَمْر" بَیْن الْخَلَائِق "مَا مِنْ" صِلَة "شَفِیْع" یَشْفَع لِاَحَدٍ "اِلَّا مِنْ بَعْد اِذْنه" رَدّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّ الْاَصْنَام تَشْفَع لَهُمْ "ذٰلِکُمْ" الْخَالِق الْمُدَبِّر "اللّٰه رَبّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ" وَحِّدُوْهُ "اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ" بِاِدْغَامِ التَّاء فِی الْاَصْل فِی الذَّال،

بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے یعنی دنیا کے حساب سے اس وقت کی مقدار چھ دنوں کے برابر ہے۔ کیونکہ جس وقت زمین وآسمان کی تخلیق ہوئی اس وقت سورج وچاند نہ تھے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو ایک لحہ میں پیدا فرما دیتا لیکن اس نے جلدی نہ بنا کر اپنی مخلوق کو جلدی نہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے وہی مخلوق کے درمیان کام کی تدبیر فرماتا ہے، کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے یہاں پر من زائدہ ہے۔ یہاں ان لوگوں کے قول کا رد ہے کہ جو کہتے ہیں کہ بت ان کی سفارش کریں گے، اللہ تمہارا رب تو اس کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کو مانو تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ یہاں پر ''تَذَکَّرُوْنَ'' اصل میں تاء کا ذال میں ادغام ہے۔

لفظ عرش کے لغوی معانی ومفاہیم کا بیان

استوی علی ۔ اس نے قرار پکڑا۔ وہ قائم ہوا۔ وہ متمکن ہوا۔ العرش۔ عرش اصل میں چھت والی چیز کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع عروش ہے قرآن میں ہے: وھی خاویة علی عروشھا ، اور اس مکانات اپنی چھتوں پر گرے پڑے تھے اسی سے عرشت الکرم

وعرشتہ (باب نصر) کا محاورہ ہے۔جس کے معنی انگور کی بیلوں کے لئے بانس وغیرہ کی ٹٹیاں بنانا ہے اور ٹٹیوں پر چڑھائی بیل کو معرش بھی کہا جاتا ہے۔قرآن میں آیا ہے:معروشت وغیر معروشت ،اور وما کانوا یعرشون اور جووہ یابقول حضرت ابن عباس ومجاہدما کانوا یبنون من القصور وغیرھا۔محل وغیرہ جووہ تعمیر کرتے تھے۔

اس بلندی کوملحوظ رکھتے ہوئے بادشاہ کے تخت کوبھی عرش کہا جاتا ہے۔جیسے ورفع ابویہ علی العرش ،اوراپنے والدین کو تخت پر بٹھایا۔اوربطور کنایہ عرش کا لفظ عزت۔غلبہ۔سلطنت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے فلان ثل عرشہ (یعنی فلاں کی عزت جاتی رہی)۔

عرش الٰہی سے ہم صرف نام کی حد تک واقف ہیں اوراس کی حقیقت ہمارے فہم سے بالاتر ہے وہ عام بادشاہ کے تخت کی مانند نہیں کیونکہ ذات الٰہی اس سے بالاتر ہے کہ کوئی چیز اسے اٹھائے۔بعض کے نزدیک عرش سے مراد فلک الاعلیٰ (فلک الافلاک) ہے۔یدبر۔مضارع واحد مذکر غائب دبر یدبر تدبیر (تفعیل) وہ انتظام کرتا ہے۔تدبیر کرتا ہے۔الامر ہر کام کی۔شفیع۔شفاعت کرنے والا۔سفارش کرنے والا۔بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔تذکرون۔ای تفکرون۔تم کیوں نہیں غور وفکر کرتے۔تم کیوں نہیں سوچتے۔

مخلوق کی تخلیق میں غور وفکر سے اظہار تعجب کا بیان

تمام عالم کارب وہی ہے۔آسمان وزمین کوصرف چھ دن میں پیدا کر دیا ہے۔یا تو ایسے ہی معمولی دن یا ہر دن یہاں کی گنتی سے ایک ہزار دن کے برابر کا۔پھرعرش پر وہ مستوی ہو گیا۔جوسب سے بڑی مخلوق ہے اور ساری مخلوق کی چھت ہے۔جو سرخ یاقوت کا ہے۔جونور سے پیدا شدہ ہے۔یہ قول غریب ہے۔وہی تمام مخلوق کا انتظام کرتا ہے اس سے کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔اسے کوئی کام مشغول نہیں کر لیتا۔وہ سوالات سے اکتا نہیں سکتا۔مانگنے والوں کی پکار اسے حیران نہیں کر سکتی۔ہر چھوٹے بڑے کا،ہر کھلے چھپے کا،ہر ظاہر باہر کا،پہاڑوں میں سمندروں میں،آبادیوں میں،ویرانوں میں وہی بندوبست کر رہا ہے۔ہر جاندار کا روزی رساں وہی ہے۔ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے،زمین کے اندھیروں کے دانوں کی اس کوخبر ہے،ہر تر وخشک چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت لشکر کا لشکر مثل عربوں کے جاتا دیکھا گیا۔ان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم جنات ہیں۔ہمیں مدینے سے ان آیتوں نے نکالا ہے۔کوئی نہیں جواس کی اجازت بغیر سفارش کر سکے۔آسمان کے فرشتے بھی اس کی اجازت کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔اسی کو شفاعت نفع دیتی ہے جس کے لیے اجازت ہو۔یہی اللہ تم سب مخلوق کا پالنہار ہے۔تم اسی کی عبادت میں لگے رہو۔اسے واحد اور لاشریک مانو۔مشرکو! اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے؟ جواس کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہو حالانکہ جانتے ہو کہ خالق مالک وہی اکیلا ہے۔اس کے وہ خود قائل تھے۔زمین آسمان اور عرش عظیم کا رب اسی کو مانتے تھے۔

اِلَیۡهِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ○

اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، اللہ کا وعدہ ہے سچا۔ بے شک وہی پیدائش شروع کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا، تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، انھیں انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے نہایت گرم پانی سے پینا ہے اور دردناک عذاب ہے، اس کے بدلے جو وہ کفر کیا کرتے تھے۔

پہلی بار پیدا کرنے والے کا دوبارہ زندہ کرنے کا بیان

"اِلَیۡهِ" تعالٰی "مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا" مَصۡدَرَانِ مَنۡصُوۡبَانِ بِفِعۡلِهِمَا الۡمُقَدَّرِ "اِنَّهٗ" بِالۡکَسۡرِ اسۡتِئۡنَافًا وَالۡفَتۡحِ عَلٰی تَقۡدِیۡرِ اللَّامِ "یَبۡدَاُ الۡخَلۡقَ" اَیۡ بَدَاَهٗ بِالۡاِنۡشَاءِ "ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ" بِالۡبَعۡثِ "لِیَجۡزِیَ" یُثِیۡبَ "الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالۡقِسۡطِ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِنۡ حَمِیۡمٍ" مَاءٌ بَالِغٌ نِهَایَةَ الۡحَرَارَةِ "وَعَذَابٌ اَلِیۡمٌ" مُؤۡلِمٌ "بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ" اَیۡ بِسَبَبِ کُفۡرِهِمۡ۔

اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، اللہ کا وعدہ ہے سچا۔ یہاں پر وعدا اور حقا یہ دونوں مصادر اپنے افعال مقدرہ کے سبب منصوب ہیں اور انہ یہ جملہ مستأنفہ کی صورت میں کسرہ کے ساتھ جبکہ لام مقدرہ کی صورت میں فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بے شک وہی پیدائش شروع کرتا ہے، یعنی پہلی مرتبہ اسی نے پیدا کیا پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا، تا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو ثابت رکھے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، انھیں انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے نہایت گرم پانی یعنی جو گرمی کی انتہاء کو پہنچنے والا ہو، اسے پینا ہے اور تکلیف دینے والا دردناک عذاب ہے، اس کے بدلے جو وہ کفر کیا کرتے تھے۔ یعنی کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وعد اللہ ۔ وعد۔ اسم ومصدر منصوب۔ مضاف الیہ مضاف الیہ (یہ) اللہ کا وعدہ (ہے) یہاں وعدہ سے مراد الیہ مرجعکم جمیعا ہے۔ حقا اسم ومصدر۔ وعدہ کی تاکید ہے وعد اللہ حقا ۔ ای وعدکم اللہ ذلك وعدا حقا یہ ایک سچا وعدہ ہے جو اللہ نے تم سے کیا ہے۔ انہ یبدؤ الخلق ۔ مضارع واحد مذکر غائب بدء مصدر (باب فتح) یہ جملہ مستانفہ (نیا) ہے وہ ابتدائی تخلیق کرتا ہے۔ یہاں مضارع بمعنی ماضی ہے۔ یعنی تخلیق اول اسی نے کی۔

یعیدہ ۔ اس کو دہراتا ہے۔ اس کا اعادہ کرتا ہے۔ یعنی دوبارہ پیدا کرے گا۔ لوٹائے گا۔ بالقسط ۔ ای بالعدل۔ عدل وانصاف کے ساتھ۔ حمیم۔ نہایت گرم پانی۔ گہرے دوست کو بھی حمیم کہتے ہیں۔ کہ اپنے دوست کی حمایت میں گرم ہو جاتا ہے۔

حشر ونشر کے برحق ہونے پر اعتقاد رکھنے کا بیان

اس آیت میں حشر ونشر و معاد کا بیان اور منکرین کا رد ہے اور اس پر نہایت لطیف پیرایہ میں دلیل قائم فرمائی گئی ہے کہ وہ پہلی بار بناتا ہے اور اعضاءِ مرکبہ کو پیدا کرتا ہے اور ترکیب دیتا ہے تو موت کے ساتھ متفرق و منتشر ہونے کے بعد ان کو دوبارہ پھر ترکیب دینا اور بنے ہوئے انسان کو فنا کے بعد پھر دوبارہ بنا دینا اور وہی جان جو اس بدن سے متعلق تھی اس کو اس بدن کی درستی کے بعد پھر اسی بدن سے متعلق کر دینا اس کی قدرت سے کیا بعید ہے اور اس دوبارہ پیدا کرنے کا مقصود جزائے اعمال یعنی مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب دینا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ
وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○
وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔
اللہ نے یہ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ۔ وہ آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں۔

سورج و چاند کے نظام سے سالوں اور مہینوں کے حساب کا بیان

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاء " ذَاتَ ضِيَاء اَىْ نُوْر "وَالْقَمَر نُوْرًا وَقَدَّرَهٗ" مِنْ حَيْثُ سَيْرَهٗ "مَنَازِل" ثَمَانِيَة وَعِشْرِيْنَ مَنْزِلًا فِىْ ثَمَان وَعِشْرِيْنَ لَيْلَة مِنْ كُلّ شَهْر وَيَسْتَتِر لَيْلَتَيْنِ اِنْ كَانَ الشَّهْر ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا اَوْ لَيْلَة اِنْ كَانَ تِسْعَة وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا "لِتَعْلَمُوا" بِذٰلِكَ "عَدَد السِّنِيْنَ وَالْحِسَاب مَا خَلَقَ اللّٰه ذٰلِكَ" الْمَذْكُوْر "اِلَّا بِالْحَقِّ" لَا عَبَثًا تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ "يُفَصِّل" بِالْيَاءِ وَالنُّوْن يُبَيِّن "الْاٰيَات لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ" يَتَدَبَّرُوْنَ،

وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی یعنی روشنی والا اور چاند کو نور بنایا اور اس کے چلنے کے لئے منزلیں مقرر کیں، اور وہ ہر مہینے کی اٹھائیس راتوں میں اٹھائیس منازل ہیں۔ اور دو راتیں پوشیدہ رہتا ہے جب مہینہ تیس دنوں کا ہو اور جب مہینہ انتیس دنوں کا بنے تو ایک رات پوشیدہ رہتا ہے۔ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ۔ یعنی مذکورہ چیزوں کو اللہ نے بیکار نہیں بنایا اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کی تخلیق سے پاک ہے۔ وہ آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، اور یفصل یہاں پر یاء اور نون دونوں طرح آیا ہے۔ جو جانتے ہیں۔ یعنی جو قوم غور وفکر کرتی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ضیاء۔ چمک۔ روشنی۔ چمکنا۔ روشن ہونا۔ اجوف واوی ہے۔ اور مہموز اللام۔ اصل میں ضواء تھا۔ چونکہ واو کا ماقبل مکسور ہے اس لئے اس کو یاء سے بدل دیا۔ ضیاء یا تو مصدر ہے۔ جیسے قام سے قیام اور صام سے صیام یا ضوء کی جمع ہے جیسے سوط سے سیاط اور حوض

سے حیاض لیکن نورا (جو چاند کی صفت میں آیا ہے) سے اس کا مصدر ہونا ہی زیادہ مناسب ہے۔

مصدر کی صورت میں بمعنی اسم فاعل بھی ہوسکتا ہے روشن کنندہ۔ جعل الشمس ضیاء۔ ای ذات ضیاء۔ روشنی والا۔ روشن۔ درخشاں۔ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو بالذات ہو (لسان عرب)۔ نورا۔ ای ذانور (غور والا) منیرا۔ چمکدار۔ نور اس روشنی کو کہتے ہیں جو بالواسطہ ہو۔ (لسان العرب)

قدر اللہ لہ الامر۔ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا فیصلہ کرنا۔ یا اس کا حکم عائد کرنا۔ قدر الشیء بالشیء کسی چیز کو کوئی دوسری چیز پر قیاس کرنا۔ مقرر کرنا۔ تقدیر میں لکھ دینا۔ مقدر کر دینا۔ آیۃ ہذا میں منزلیں مقرر کرنا۔ جیسا کہ قرآن میں اور جگہ آیا ہے وقدر فیہا السیر (18:34) اور ان میں سفر کی منزلیں ایک اندازے پر مقرر کردیں۔ اور والقمر قدرنہ منازل اور ہم نے حساب سے چاند کی منزلیں مقرر کردیں۔

بعض کے نزدیک یہ ضمیر واحد مذکر غائب القمر کے لئے ہے اور منازل سے مراد یہاں چاند کی مختلف منزلیں ہیں جو ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔ چاند کو اس لئے مختص کیا گیا ہے کہ بہ نسبت سورج کے اس کی گردش عام فہم ہے اور اسی پر مہینے اور سال مرتب کئے جاتے ہیں اور یہی حساب شرع میں رائج ہے۔ الحساب۔ حساب الاوقات۔ ساعات۔ ایام۔ شہور وغیرہ کا حساب۔

چاند کی منازل کا بیان

ہر مہینہ میں پورا کر لیتا ہے اس لئے اس کی منزلیں تیس (۳۰) یا انتیس (۲۹) ہوتی ہیں مگر چونکہ ہر مہینہ میں چاند کم از کم ایک دن غائب رہتا ہے یا پھر دو دن غائب رہتا ہے اس لئے عموما چاند کی منزلیں اٹھائیس کہی جاتی ہیں، اور آفتاب کا دورہ سال بھر میں پورا ہوتا ہے اس کی منزلیں تین سو ساٹھ یا پینسٹھ ہوتی ہیں، قدیم جاہلیت عرب میں بھی اور اہل ہیئت وریاضی کے نزدیک بھی ان منزلوں کے خاص خاص نام ان ستاروں کی مناسبت سے رکھ دیئے گئے ہیں جو ان منازل کی محاذات میں پائے جاتے ہیں، قرآن کریم ان اصطلاحی ناموں سے بالاتر ہے، اس کی مراد صرف وہ فاصلے ہیں جن کو شمس وقمر خاص خاص دنوں میں طے کرتے ہیں۔

دن کے وقت نظر آنے والے چاند کے حکم کا بیان

چاند کی روایت سے متعلق یہ ضابطہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ دن کے وقت نظر آنے والا چاند خواہ وہ زوال سے پہلے نظر آئے یا بعد میں آئندہ آنے والی رات کا قرار پائے گا۔ اور اب جو رات آئے گی، مہینے کا آغاز اسی سے ہوگا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول یہی ہے اور یہی قول مختار ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں کہ ترجمہ اور جو چاند دن کے وقت نظر آئے، صحیح مذہب کے مطابق وہ ہر صورت میں اگلی رات کا شمار کیا جائے گا علامہ ابن عابدین شامی کی اس کی شرح میں لکھتے ہیں ترجمہ یعنی (دن میں چاند) زوال سے قبل نظر آئے یا زوال کے بعد (اس کا حکم ایک ہی ہے) مذہب پر ہونے کا معنی یہ ہے کہ قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔ بدائع الصنائع میں فرمایا پس طرفین (امام اعظم اور امام محمد) کے نزدیک وہ دن رمضان کا نہیں ہوگا، امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر زوال کے بعد

نظر آیا تو بے شک آئندہ شب کا ہے اور اگر زوال سے قبل نظر آیا تو پچھلی شب کا ہے اور وہ دن رمضان کا ہوگا اور ائمہ احناف اسی اختلاف پر (امام یوسف کے نزدیک) یہ شوال کا چاند ہے یعنی طرفین (امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کے نزدیک (دن میں چاند زوال سے پہلے نظر آئے یا زوال کے بعد) ہر صورت میں آئندہ شب کا ہے اور وہ دن رمضان کا ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر زوال سے پیشتر نظر آیا تو چاند شب گزشتہ کا ہے اور یہ دن عید کا ہے، اس لئے کہ ہلال عادتاً زوال سے قبل نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ دورات کا چاند ہو، پس ہلال رمضان میں وہ دن رمضان کا ہونا ضروری ہوا اور شوال کے چاند میں عید کا دن اور طرفین کے نزدیک اصل یہ ہے کہ دن کی رُویت کا اعتبار نہیں، اعتبار غروب کے بعد کا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (رمضان کا) چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ چھوڑو (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1909)

پس صوم وافطار کا حکم رویت کے بعد ہے۔ اس صورت میں امام ابو یوسف کا قول نص کے مخالف ہے۔ فتح القدیر میں ہے: حدیث شریف نے روزہ رکھنے یا عید منانے کے لئے یہ لازم قرار دیا ہے کہ چاند پہلے نظر آئے۔ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے (ائمہ کرام) کے نزدیک رویت سے ظاہر مفہوم یہی ہے کہ ہر قمری مہینے کی آخری شام کو (غروب آفتاب کے بعد) چاند نظر آئے، یعنی ہر مہینے کی تیس تاریخ کو زوال سے قبل رویت معتبر نہیں ہے اور مختار قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔

(ردالمختار، جلد 3، ص: 322، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا: اخیر تاریخ رمضان شریف کا روزہ چاند دیکھ کر افطار کر لینا جائز ہے یا نہیں یعنی تیسویں کا چاند اکثر تیسرے پہر سے نظر آتا ہے تو آیا اسی وقت روزہ کھول لیں یا غروب آفتاب کے بعد؟ آپ نے جواب میں لکھا: کسی تاریخ کا روزہ دن سے افطار کر لینا ہر گز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرض کیا کہ روزہ رات تک پورا کرو یعنی جب آفتاب ڈوبے اور دن ختم اور رات شروع ہو، اس وقت کھولو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: پھر روزہ کو شام تک پورا کرو۔

(بقرہ: 187)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام کے صحیح معتمد مذہب کے مطابق ہر حال میں دن کو چاند دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں، مگر امام ثانی (امام ابو یوسف) کے قول پر ہے کہ اگر زوال سے پہلے دیکھا تو یہ گزشتہ رات کا ہوگا، تو اب افطار کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ دن کے روزے کا افطار ہے بلکہ اس سے امام ثانی کے نزدیک ثبوت عید ہو رہا ہے کیونکہ گزشتہ رات کا چاند ہے تو عید کی وجہ سے افطار ہے اور حضور ﷺ کے فرمان مبارک چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو کا معنی یہ نہیں کہ جب دیکھو تو افطار کرو، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مغرب کے بعد محض چاند دیکھنے سے اسی وقت روزہ لازم ہو جائے اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، ص: 389-388، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعتکاف خواہ قصداً توڑا ہو یا کسی عذر کے سبب، اس کی قضا واجب ہے اور جس دن توڑا فقط اس ایک دن کی قضا لازم ہے۔ یہ قضا روزے کے ساتھ ہوگی۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ترجمہ: اور جب اعتکاف واجب فاسد ہو گیا، تو اس کی قضا

واجب ہے۔پس اگر وہ کسی معین مہینے کا اعتکاف تھا، تو جس دن افطار کیا (یعنی اعتکاف فاسد ہوا) اسی ایک دن کی قضا اس کے ذمے لازم ہے۔(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:213)

علامہ غلام رسول سعیدی تفسیر تبیان القرآن میں علامہ ابن عابدین شامی حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں: رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہر چند کہ نفل ہے لیکن شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے، اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف کر کے فاسد کر دیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر پورے دس دن کی قضا لازم ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر صرف اسی دن کی قضا لازم ہے (یعنی روزے کے ساتھ ایک دن کا اعتکاف)۔اس کے برعکس نفل میں اگر کچھ دیر مسجد میں بیٹھ کر باہر نکل گیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ اس کے باہر نکلنے سے وہ اعتکاف ختم ہو گیا۔(تبیان القرآن، جلد 1، ص:739)

جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بعد میں اس ایک روزے کی قضا رکھیں، کفارہ لازم نہیں۔اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی کسی سبب سے رد کر دی گئی مثلاً فاسق ہے یا عید کا چاند اس نے تنہا دیکھا تو اسے حکم ہے کہ روزہ رکھے اگرچہ اس نے خود عید کا چاند دیکھا ہے، مگر اس روزہ کو توڑنا جائز نہیں اگر توڑے گا تو کفارہ لازم نہیں۔علامہ علاوالدین حصکفی لکھتے ہیں: ترجمہ: کسی عاقل بالغ نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا اور اس کا قول دلیل شرعی کی بنا پر رد کر دیا گیا (یعنی اس کی گواہی قبول کر کے اس پر فیصلہ نہیں کیا گیا) تو اس کے لئے مطلقاً روزہ رکھنا واجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے لئے روزہ رکھنا مستحب ہے، اگر روزہ نہ رکھا تو فقط قضا ہے، کیونکہ گواہی رد ہونے کی بنا پر اس کے لئے صورت مسئلہ مشتبہ ہے (اور حدود و کفارات شبہے کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں)۔(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص:313، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

فقہی حوالہ جات کی روشنی میں شرعی مسئلہ واضح کرنے کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ سائنسی اور فنی وجوہات کو بھی قارئین کے سامنے لائیں۔اس سلسلے میں رویت ہلال ریسرچ کونسل کے سیکرٹری جنرل خالد اعجاز مفتی صاحب کی سائنسی توجیہہ درج ذیل ہے:

09 ستمبر 2010ء بمطابق/29 رمضان المبارک کی شام پاکستان کے کسی بھی حصے سے رویت ہلال کی مستند شہادتیں موصول نہ ہونے کے باعث مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان نے عدم رویت کا فیصلہ کیا اور اس طرح/10 ستمبر 2010ء جمعۃ المبارک کو 30 رمضان المبارک اور/11 ستمبر 2010ء کو یکم شوال المکرم 1431ھ قرار دیا۔یہ فیصلہ سائنس اور فلکیات کی رو سے بھی درست ہے۔جمعۃ المبارک/10 ستمبر کو سہ پہر تقریباً تین بجے اسلام آباد میں چاند دکھائی دینا کوئی غیر معمولی بات نہیں بلکہ سائنس کے عین مطابق ہے۔نئے چاند کی فلکیاتی اور دینی اصطلاحات کے علاوہ رویت ہلال کے سائنسی پہلوؤں پر غور کرنا ہوگا۔اگر ہم چاند کے بڑھنے گھٹنے کے عمل پر غور کریں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ قمری ماہ کے پہلے دو ہفتوں کے دوران یہ ہمیں روز بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔یہاں تک کہ ایک موقع پر یہ دائرے کی صورت میں مکمل ہو جاتا ہے۔اس کے بعد اگلے دو ہفتے اس کی جسامت (Size) ہر روز کم ہوتی نظر آتی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ چاند نظروں سے بالکل غائب ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ ہی دوبارہ چاند کے بڑھنے کا عمل نئے سرے سے شروع ہوتا ہے۔اس وقت کو قرآن شمس و قمر (Conjunction) یا اتصال شمس و قمر یا

اماوس کہتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سورج اور چاند ایک سیدھ میں صفر درجہ پر ہوتے ہیں۔ علم فلکیات میں یہی اس کے نیا چاند کہلانے کا وقت ہے اور رصد گاہی کی کتب میں نئے چاند کے اوقاف اسی کیفیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسے نئے چاند کی پیدائش بھی کہتے ہیں اور چاند کی طبعی عمر اسی وقت سے شمار کی جاتی ہے۔

فلکیاتی اصطلاح کا نیا چاند اپنے ابتدائی دور میں بال سے زیادہ باریک، سورج سے بہت قریب اور اس کی طاقت ور شعاعوں کی براہ راست زد میں ہوتا ہے، لہٰذا انسانی آنکھیں یا غیر معمولی قوت کی دوربینیں بھی اسے دیکھنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ جوں جوں چاند کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس کی جسامت بھی بڑھتی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ سورج سے دور ہٹتے ہوئے اس کی شعاعوں کی طاقت سے بھی بتدریج محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بالآخر ایک وقت اس کا وجود اس قدر ہو جاتا ہے کہ سورج سے ایک خاص فاصلے پر غروب آفتاب کے بعد انسانی آنکھوں کو پہلی بار نظر آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ بصری نیا چاند ہے، جو دوسرے الفاظ میں رویت ہلال کے معروف نام سے موسوم ہے۔ فلکیاتی اور مقامی احوال کے تحت رویت ہلال پر اثر انداز ہونے والے عوامل یوں ترتیب دیئے جاسکتے ہیں۔

فلکیاتی کیفیات: (الف) چاند کی عمر (ب) غروب شمس اور غروب قمر کے درمیان فرق (ج) چاند کا سورج سے زاویائی فاصلہ (Distance Longitudinal) (د) سورج کا افق سے نیچے ہونا (ح) چاند کا ارتفاع (Moon of Altitude) (و) چاند کا زمین سے فاصلہ۔

مقامی کیفیات: (الف) مطلع (Horizon) کی کیفیت (ب) فضا کا شفاف پن (Transparency) (ج) مقام مشاہدہ کا محل وقوع یعنی طول بلد (longitude) اور عرض بلد (Latitude)۔ مقام مشاہدہ کی بلندی اگر سطح سمندر سے کم ہو تو انعطاف نور (Light of Refraction) کی شرح زیادہ ہوگی اور رویت ہلال کے لیے زیادہ سازگار ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کے بہ نسبت ساحل سمندر پر نیا چاند دکھائی دینے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ سائنسی اور فلکیاتی توضیحات کی باریکیوں میں الجھے بغیر ایک عام آدمی بھی مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف دو معلومات کی بناء؟ پر کسی حد تک رویت ہلال کے امکان کا پیشگی تعین کر سکتا ہے یا شہادتوں کے معیار کو پرکھ سکتا ہے۔ اول چاند کی عمر اور دوئم غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق۔ رویتِ ہلال کے لئے چاند کی عمر کم از کم بیس گھنٹے نیز غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق کم از کم چالیس منٹ ہونا چاہیے، اگر چاند کی عمر 30 گھنٹوں سے بڑھ جائے تو غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق 35 منٹ ہونے پر بھی ہلال نظر آجاتا ہے یا اگر غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق 50 منٹ سے بڑھ جائے تو تقریباً 19 گھنٹے کی عمر کا چاند بھی دکھائی دے جاتا ہے۔

اصل مسئلہ: رویت ہلال کے لئے غروب آفتاب کا وقت اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس سے قبل ہم نیا چاند دیکھنے کی کوشش کریں گے تو سورج کی تیز روشنی کے باعث ہماری آنکھیں چندھیا جائیں گی اور ہم اتنا باریک چاند اس کی موجودگی کے باوجود دیکھ نہیں پائیں گے۔ نیا چاند دکھائی دینے کے لئے سورج کا غروب ہونا یا سورج کی براہ راست شعاعوں کی زد سے محفوظ ہونا ضروری

ہے۔ستمبر 2010ء؟ میں نیا چاند، 8/ستمبر کو پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق سہ پہر تین بج کر تیس منٹ پر پیدا ہوا۔ 9/ستمبر کو غروب آفتاب کے وقت اگر چہ چاند کی عمر پاکستان کے تمام شہروں میں ساڑھے 26 گھنٹوں سے بھی تجاوز کر چکی تھی لیکن غروب شمس اور غروب قمر کا درمیانی فرق کسی بھی شہر میں 28 منٹ سے زائد نہیں تھا، لہٰذا جمعرات کی شام نیا چاند دکھائی نہیں دیا۔ اگر نیا چاند سہ پہر ساڑھے تین بجے کی بجائے گیارہ بجے قبل از دو پہر پیدا ہوا ہوتا تو وہ جمعرات کی شام دکھائی دے جاتا۔ جمعۃ المبارک 10/ستمبر بمطابق 30 رمضان المبارک کی سہ پہر اسلام آباد میں سورج کے آگے اتنے گھنے بادل آگئے کہ وہ سورج کی براہ راست روشنی کے آئی نائن سیکٹر پہنچنے کی راہ میں مزاحم ہو گئے جبکہ بادلوں کے اوپر سے سورج کی روشنی چاند کے جس حصے پر پہنچ رہی تھی، وہ روشن ہو رہا تھا، لہٰذا وہ پتنگ اڑاتے بچے کو بھی دکھائی دے گیا حالانکہ وہ بچہ رویت ہلال کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ یہ امر مدنظر رہے کہ اس وقت چاند کی عمر 47 گھنٹوں سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔ اگر بادل سورج کی روشنی میں مزاحم نہ ہوتے تو کوئی بھی انسان چاند کی وہاں موجودگی کے باوجود اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا، تو آنکھیں چندھیا جانے کے باعث اسے دیکھ نہ پاتا۔ رہا یہ سوال کہ اس واقعہ سے ماہ شوال 1431ھ کا 10/ستمبر کی شام سے آغاز مشکوک قرار پاتا ہے، تو اس کا انتہائی سادہ جواب یہ ہے کہ جب 9/ستمبر کی شام رویت ہلال نہیں ہوئی تھی، تو شرعی حکم کے مطابق رمضان المبارک کے تیس ایام مکمل کرنے کے بعد ہی شوال کا آغاز ہونا تھا۔

ہم نے شرعی اور سائنسی دونوں پہلوؤں کی وضاحت کر دی ہے۔ سائنسی اور فلکیاتی اعتبار سے قمری ماہ کی انتیس یا تیس تاریخ کو دن کے وقت بعض موسمی احوال کی وجہ سے چاند نظر آ سکتا ہے، لیکن اس سے چاند کی تاریخ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ چاند گزشتہ شب ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ شرعی اور سائنسی اعتبار سے نئے قمری ماہ کا آغاز اسی صورت میں ہوگا جب چاند اس دن غروب آفتاب کے بعد نظر آئے۔ یہ تفصیلی بحث ہم نے اس لئے کی کہ جب تک دنیا قائم ہے، نظام شمس وقمر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری رہے گا۔ شمسی اور قمری مہینوں کا آغاز اور اختتام بھی ہوتا رہے گا اور ان کے ساتھ جو دینی امور متعلق ہیں وہ بھی جاری وساری رہیں گے۔ بس یہ ضابطہ ذہن میں رہے کہ نئے قمری مہینے کا آغاز اسی وقت ہوگا، جب قمری مہینے کی انتیس تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد مطلع پر چاند نظر آئے، ورنہ وہ قمری مہینہ تیس کا قرار پائے گا اور اگلے دن کو بعض موسمی وجوہ اور فلکیاتی احوال کے باعث کسی وقت آسمان پر چاند نظر بھی آ جائے، تو اس سے قمری تاریخ میں کوئی ردوبدل نہیں ہوگا۔ اس لئے تمام برادران ملت سے گزارش ہے کہ وہ اس حوالے سے توہمات اور ضعیف الاعتقادی میں مبتلا نہ ہوں۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ٥
بیشک رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور ان چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمائی ہیں
ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ رکھتے ہیں۔

دن رات کے آنے جانے اور کم وزیادہ ہونے میں قدرت الٰہی پر دلائل کا بیان

"اِنَّ فِيْ اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" بِالذَّهَابِ وَالْمَجِيءِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ . "وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْ

السَّمَاوَات " مِنْ مَلائِكَة وَشَمْس وَقَمَر وَنُجُوم وَغَيْر ذٰلِكَ "و" فِيْ "الْاَرْض" مِنْ حَيَوَان وَجِبَال وَبِحَار وَاَنْهَار وَاَشْجَار وَغَيْرهَا "لَاٰيَات" دَلَالَات عَلٰى قُدْرَته تَعَالٰى "لِقَوْمٍ يَتَّقُوْنَ " لِقَوْمٍ يَتَّقُوْنَهُ فَيُؤْمِنُوْنَ خَصَّهُمْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا،

بیشک رات اوردن کے بدلتے رہنے میں یعنی ان کے جانے آنے میں اورکم اورزیادہ ہونے میں اوران چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں یعنی فرشتے ،سورج ،چانداورستارے وغیرہ ہیں۔اور زمین میں جس طرح حیوان ،پہاڑ ،سمندر ،نہریں اور درخت وغیرہ پیدا کیے ہیں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ہیں۔جو تقویٰ رکھتے ہیں۔یعنی ایمان لاتے ہیں اوران چیزوں کے ذکر کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ وہ ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

چانداورسورج کی گردش کے صرف وہی فوائد نہیں جواوپر مذکور ہوئے بلکہ انہی کی گردش سے دن رات پیدا ہوتے ہیں اورانہی سے ہمیں دن اور رات کو روشنی حاصل ہوتی ہے انہی سے موسم بنتے ہیں فصلیں پکتی ہیں۔چاند جن دنوں میں زائد النور ہوتا ہے، پھلوں میں رس تیزی سے بڑھتا ہے اور جب ناقص النور ہوتا ہے تو یہ رفتار سست پڑ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ،ان سب امور میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی بے شمار نشانیاں ہیں اور جولوگ ان میں غور وفکر کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔لہٰذا وہ اللہ کی نافرمانی سے خوف کھانے لگتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝
بیشک جولوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیوی زندگی سے خوش ہیں اوراسی سے مطمئن ہوگئے ہیں اور
جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

آخرت میں اللہ کی ملاقات سے انکار کرنے والے کفار کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا" بِالْبَعْثِ "وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا" بَدَل الْاٰخِرَة لِاِنْكَارِهِمْ لَهَا "وَاطْمَاَنُّوا بِهَا" سَكَنُوْا اِلَيْهَا "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيَاتنَا" دَلَائِل وَحْدَانِيَّتنَا "غَافِلُوْنَ" تَارِكُوْنَ النَّظَر فِيْهَا،

بیشک جولوگ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اورآخرت کے بدلے میں دنیوی زندگی سے خوش ہیں کیونکہ وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔اوراسی دنیا میں رہنے پر مطمئن ہوگئے ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔یعنی ہماری توحید کے دلائل کو ترک کرنے والے ہیں۔کہ کہیں وہ ان میں غور وفکر کرتے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لایرجون۔مضارع منفی جمع مذکر غائب رجاء۔مصدر۔وہ امید نہیں رکھتے۔یقین نہیں رکھتے۔رجاء ایسے ظن کو کہتے ہیں جس

میں مسرت حاصل ہونے کا مکان ہو۔ بعض مفسرین نے اس کا معنی لا یخافون وہ نہیں ڈرتے ۔کیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خوف اور رجاء باہم لازم ملزوم ہیں ۔جب کسی محبوب چیز کے ملنے کی توقع ہو تو ساتھ ہی اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی دامن گیر رہتا ہے اور ایسے ہی اس کا برعکس صورت میں اندیشہ کے ساتھ امید پائی جاتی ہے۔

لقاءنا۔ مضاف مضاف الیہ۔ ہماری ملاقات۔ ہمارے سامنے (ان کی) پیشی۔ ہم سے (ان کی) ملاقات۔ ہمارا دیدار۔ لقی یلقی (سمع) لقاء۔ ملنا۔ دیکھنا۔ ملاقات کرنا۔ لاقی یلاقی ملاقاۃ (باب مفاعلہ) آمنے سامنے آنا۔ ملاقات کرنا۔

ایتنا۔ ہماری آیات۔ ہماری نشانیاں۔ مراد دلائل توحید۔ یا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن۔ غفلون۔ غفلت برتنے والے۔ دھیان نہ دینے والے۔ روگردانی کرنے والے۔ اعراض کرنے والے۔

اللہ سے ملاقات کو پسند اور ناپسند کرنے والوں کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کی چاہت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اسے ملنا پسند نہیں کرتا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے فرمایا یہ بات نہیں۔

بلکہ جب مومن کو اللہ کی رحمت، اس کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتا ہے لیکن جب کافر کو اللہ کے عذاب اور اس کے غصے کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ کی ملاقات سے گریز کرتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1065)

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ٥
انہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے ان اعمال کے بدلہ میں جو وہ کماتے رہے۔

شرک ونافرمانی کے سبب جہنم میں جانے والوں کا بیان

"اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّار بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِي،

انہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے ان اعمال یعنی شرک ونافرمانی کے بدلہ میں ہے جو وہ کماتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا ہو تو جہنم میں داخل ہوگا۔ اور میں نے عرض کیا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنایا ہو تو جنت میں داخل ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1186)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○
بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی رہنمائی کرے گا،
ان کے نیچے سے نعمت کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔

ایمان اور نیک اعمال والوں کے لئے جنت کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات يَهْدِيْهِمْ " يُرْشِدهُمْ "رَبّهمْ بِاِيْمَانِهِمْ " بِـهٖ بِاَنْ يَّجْعَل لَهُمْ نُوْرًا يَهْتَدُوْنَ بِهٖ يَوْم الْقِيَامَة، تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ فِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ،

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان کی رہنمائی کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو قیامت کے دن ان کے لئے چراغ بنا دے گا جو انہیں جنت میں پہنچا دے گا۔ ان کے نیچے سے نعمت کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔

قیامت کے دن مؤمن کو ایمان کا نور نجات دلائے گا

ابوزبیر کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے سنا کہ ان سے لوگ قیامت کے دن لوگوں کے حال کے بارے میں پوچھ رہے تھے انہوں نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن تمام امتوں سے بلندی پر ہوں گے پھر باقی امتوں کو ترتیب کے لحاظ سے ان کے بتوں کے ساتھ بلایا جائے گا اس کے بعد ہمارا رب جلوہ افروز ہوگا، اللہ فرمائے گا کہ تم کسے دیکھ رہے ہو وہ کہیں گے کہ ہم اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے شایان شان ان کے ساتھ چل پڑے گا اور سارے لوگ بھی ان کے پیچھے چل پڑیں گے اور ہر ایک کو ایک نور ملے گا چاہے وہ مومن ہو یا منافق ہو اور لوگ اس نور کے پیچھے چلیں گے پل صراط پر کانٹے ہوں گے جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا پکڑ لے گا پھر منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔

اور مومن نجات پا جائیں گے مومنوں کا پہلا گروہ جو نجات پا جائے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور یہ ستر ہزار ہوں گے جن سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا پھر ان کے بعد ایک گروہ خوب چمکتے ہوئے تاروں کے طریقے پر ہوگا پھر اسی طرح شفاعت کا وقت آئے گا اور نیک لوگ شفاعت کریں گے یہاں تک کہ جن لوگوں نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہوگا اور ان کے دل میں ایک جو کے دانہ کے برابر بھی اگر کوئی بھلائی ہوگی تو انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور انہیں جنت کے سامنے ڈال دیا جائے گا اور جنت والے ان پر پانی چھڑکیں گے جس سے وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے پانی کی مٹی میں سے دانہ ہرا بھرا اگ پڑتا ہے ان سے جلنے کے سارے آثار جاتے رہیں گے پھر ان سے پوچھا جائے گا پھر ہر ایک کو دنیا اور دس گنا دنیا کے برابر (انہیں جنت میں مقام) دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 469)

اہل جنت کی شان کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جنت میں جو لوگ سب سے پہلے داخل ہوں گے (یعنی انبیاء علیہ السلام) ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن وچمکدار ہوں گے اور دوسری جماعت کے لوگ (جو انبیاء کے بعد جنت میں داخل ہوں گے اور وہ اولیاء وصلحا ہیں) ان کے چہرے آسمان کے اس ستارے کی طرح روشن وچمکدار ہوں گے جو سب سے زیادہ چمکتا ہے۔ نیز ان (جنتیوں) میں سے ہر شخص کے لئے دو بیویاں ہوں گی اور ہر بیوی کے جسم پر (لباس کے) ستر جوڑے ہوں گے (اور وہ دونوں بیویاں اتنی صاف وشفاف اور حسین وجمیل ہوں گی کہ) ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودا ستر جوڑوں کے اوپر سے نظر آتا ہوگا۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 200)

اس حدیث میں ہر جنتی کو دو بیویاں ملنے کا ذکر ہے جب کہ ایک حدیث میں یہ منقول ہے کہ اہل جنت میں جو سب سے کمتر درجہ کا جنتی ہوگا اس کو بھی بہتر بیویاں اور اسی ہزار خادم ملیں گے پس ان دونوں میں مطابقت کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو دو بیویوں کا ذکر کیا ہے تو وہ اس خصوصیت کی حامل ہوں گی کہ ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودا ان کے لباس کے ستر جوڑوں کے اوپر سے بھی نظر آئے گا اور باقی بیویاں تو دنیا کی عورتوں میں سے ملیں گی اور ستر بیویاں حوران جنت میں سے ملیں گی اور دونوں مل کر بہتر ہوں گی۔

دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ج وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥
ان کی دعا ان میں یہ ہوگی، پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کی آپس کی دعا ان میں سلام ہوگی اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا
کہ سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اہل جنت کے آپس میں سلام ودعا کا بیان

"دَعْوَاهُمْ فِيهَا" طَلَبهم يَشْتَهُوْنَهُ فِي الْجَنَّة اَنْ يَقُوْلُوْا "سُبْحَانك اللّٰهُمَّ" اَيْ يَا الله فَإِذَا مَا طَلَبُوْهُ وَجَدُوْهُ بَيْن اَيْدِيهِم "وَتَحِيَّتهمْ" فِيمَا بَيْنهمْ "فِيْهَا سَلَام وَآخِر دَعْوَاهُمْ اَنْ" مُفَسِّرَة، اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ،

ان کی دعا ان میں یہ ہوگی یعنی وہ جنت میں یہ کہنے کی خواہش کریں گے، پاک ہے تو اے اللہ! یعنی اے اللہ! پس جب وہ کسی چیز کی خواہش کریں گے تو ان کے پاس موجود ہو جائے گی۔ اور ان کی آپس کی دعا ان میں سلام ہوگی یہاں پر ان تفسیر کے لئے ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا کہ سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

جنت میں اہل جنت کی رہائش وکھانے پینے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جنتی لوگ جنت میں (خوب) کھائیں پیئں گے،

لیکن نہ تو تھوکیں گے، نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ پھریں گے اور نہ ناک سنکیں گے۔" یہ سن کر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ (جب جنتی لوگ پاخانہ نہیں پھریں گے، تو پھر کھانے کے فضلہ کا کیا ہوگا (اور اس کے اخراج کی کیا صورت ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کھانے کا فضلہ ڈکار اور پسینہ ہو جائے گا جو مشک کی خوشبو کی مانند ہوگا اور جنتیوں کے دل میں تسبیح وتحمید یعنی سبحان اللہ الحمد للہ کا ورد اور ذکر الٰہی (اس طرح) ڈال دیا جائے گا (کہ وہ ان کی عادت ومعمول بن جائے گا) جیسے سانس جاری ہے۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 187)

کھانے کا فضلہ ڈکار اور پسینہ ہو جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ نظام قدرت نے جس طرح اسے دنیا میں کھانے کے فضلہ کا اخراج کے لئے پاخانہ کی صورت رکھی ہے اسی طرح جنت میں جنتیوں کے کھانے کے فضلہ کے اخراج کے لئے ڈکار اور پسینہ کو ذریعہ بنادیا جائے گا کہ تمام فضلہ ہوا اور پسینہ بن کر ڈکار کی صورت میں اور مسامات کے راستے نکل جایا کرے گا اور ڈکار کی صورت میں نکل جائے گا اور بعض اوقات یا بعض اشخاص کا فضلہ پسینہ بن کر مسامات کے راستے خارج ہو جائے گا یا یہ کہ بعض کھانے کا فضلہ تو ڈکار بن کر خارج ہوگا اور بعض کھانے کا فضلہ پسینہ بن کر نکلے گا لیکن اس سلسلے میں زیادہ بہتر اور موزوں یہ کہنا ہے کہ ڈکار تو کھانے کے فضلہ کے اخراج کا ذریعہ بنے گی اور پسینہ پانی کے فضلہ کے اخراج کا ذریعہ ہوگا۔ "جیسے سانس جاری ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سانس کی آمد ورفت کا سلسلہ کسی تکلف یا سعی کے بغیر از خود جاری رہتا ہے اسی طرح تسبیح تحمید اور ذکر الٰہی کے کلمات اہل جنت کی زبان پر رواں ہوں گے یا یہ مراد ہے کہ جس طرح معمول کے مطابق سانس کی آمد ورفت کی وجہ سے تمہیں کوئی دقت و پریشانی نہیں ہوتی اور تم کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے اسی طرح جنتی لوگ تسبیح وتحلیل اور تحمید کی وجہ سے کوئی دقت و پریشانی اور بوجھ محسوس نہیں کریں گے اور یہ کہ جس طرح تمہیں سانس لینے سے کوئی چیز باز نہیں رکھتی اسی طرح ان لوگوں کے تسبیح وتحلیل اور تحمید میں مشغول ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنے گی۔

نیک لوگوں کے وسیلہ سے جنت میں داخل ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اہل ایمان میں سے) جو لوگ (اپنے گناہوں کے سبب) دوزخی قرار دیئے جا چکے ہوں گے وہ اہل جنت یعنی علماء (اخیار اور صلحاء وابرار کے راستوں میں) صف باندھ کر کھڑے رہتے ہیں) اور پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص (اس جنتی کا نام لے کر) کہے گا اے فلانے! کیا تم مجھے نہیں پہنچاتے؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں پانی پلایا تھا انہیں میں کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی (یہ سن کر) اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔(ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 171)

اس سے معلوم ہوا کہ فاسق و گناہ گار اگر اس دنیا میں اہل دین اور ارباب طاعت وتقویٰ کی کوئی خدمت وامداد کریں گے تو اس کا بہتر ثمرہ عقبٰی میں پائیں گے اور ان کی مدد و شفاعت سے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ مظہر نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بزرگ و نیک لوگوں کے ساتھ حسن وسلوک اور مروت واحسان کا برتاؤ کرنا چاہئے اور جب بھی ان کی ہم نشینی وصحبت میسر ہو جائے اس کو اختیار کرنے کا موقع گنوانا نہ چاہئے کیونکہ ان کی صحبت اور محبت دنیا میں حصول زینت و پاکیزگی اور آخرت میں حصول نور کا باعث ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝
اور اگر اللہ لوگوں کو برائی (یعنی عذاب) پہنچانے میں جلد بازی کرتا، جیسے وہ طلبِ نعمت میں جلد بازی کرتے ہیں تو یقیناً
ان کی میعادِ (عمر) ان کے حق میں پوری کر دی گئی ہوتی، بلکہ ہم ایسے لوگوں کو جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے
ان کی سرکشی میں چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ بھٹکتے رہیں

مشرکین کا عذاب کو جلدی طلب کرنے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا اسْتَعْجَلَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ، "وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ" اَیْ كَاسْتِعْجَالِهِمْ . "بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ" بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَلِلْفَاعِلِ "اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ" بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ بِاَنْ يُّهْلِكَهُمْ وَلٰكِنْ يُّمْهِلُهُمْ "فَنَذَرُ" نَتْرُكُ "الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ،

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کیا۔ اور اگر اللہ لوگوں کو برائی یعنی عذاب پہنچانے میں جلد بازی کرتا، جیسے وہ طلبِ نعمت میں جلد بازی کرتے ہیں یہاں پر قضی معروف ومجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور اجل کو مرفوع ومنصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یعنی ان کو ہلاک یعنی ان کو مہلت دے تا ہے۔ تو یقیناً ان کی میعادِ ان کے حق میں پوری کر دی گئی ہوتی، بلکہ ہم ایسے لوگوں کو جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے ان کی سرکشی میں چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ بھٹکتے رہیں

سورہ یونس آیت ۱۱ کے شانِ نزول کا بیان

نضر بن حارث نے کہا تھا یا رب یہ دین اسلام اگر تیرے نزدیک حق ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے عذاب میں جلدی فرماتا جیسا کہ انکے لئے مال واولاد وغیرہ، دنیا کی بھلائی دینے میں جلدی فرمائی تو وہ سب ہلاک ہو چکے ہوتے۔

مشرکین مکہ کا سختی پر بارگاہ نبوت ﷺ میں آکر پناہ لینے کا بیان

مشرکین مکہ کا عجیب حال یہ تھا کہ پہلے وہ عذاب کا مطالبہ کر بیٹھتے اور جب ان پر کوئی سختی آجاتی تو پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آکر صلہ رحمی کا واسطہ دیتے جس کا مفہوم حسب ذیل حدیث سے ملتا ہے۔

مسروق روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن مسعود کے پاس تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لوگوں (کفار قریش) کی بدبختی اور روگردانی کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ ان کو یوسف کے سات سال کے قحط کی طرح قحط میں مبتلا کر دے چنانچہ وہ قحط میں گرفتار ہو گئے، تمام چیزیں تباہ ہو گئیں یہاں تک کہ کھال اور مردار تک کھا گئے اور کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک کے سبب سے انہیں دھواں نظر آتا ابوسفیان آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم اللہ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہو اور تمہاری قوم ہلاک ہو گئی اس لئے اللہ سے ان کے لئے دعا کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا انتظار کرو اس دن کا جب آسمان کھلا اور ظاہر دھواں لائے گا۔ آیت یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ، الدخان:16) تک جس دن ہم بہت سخت گرفت کریں گے بطشہ سے مراد یوم بدر ہے دخان، بطشہ اور لزام، دھواں، گرفت، قید اور آیت روم سب وقوع میں چکے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 968)

امام قرطبی نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بددعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرمائے اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج وغصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی، سورہ یونس، بیروت)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ
مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر، یا بیٹھا ہوا، یا کھڑا ہوا ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف
دور کر دیتے ہیں تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کسی تکلیف کی طرف، جو اسے پہنچی ہو، پکارا ہی نہیں۔ اسی طرح حد
سے بڑھنے والوں کے لیے مزین بنا دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔

ضرورت ومجبوری میں مشرکین کا اللہ سے دعا کرنے کا بیان

"وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَان " الْكَافِر "الضُّرّ" الْمَرَض وَالْفَقْر "دَعَانَا لِجَنْبِهِ" اَیْ مُضْطَجِعًا "اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَائِمًا" اَیْ فِیْ كُلّ حَال "فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرّه مَرَّ" عَلٰى كُفْره "كَاَنْ" مُخَفَّفَة وَاسْمهَا مَحْذُوْف اَیْ كَاَنَّهُ "لَمْ يَدْعُنَا اِلٰى ضُرّ مَسَّهُ كَذٰلِكَ" كَمَا زُيِّنَ لَهُ الدُّعَاء عِنْد الضَّرَر وَالْاِعْرَاض عِنْد الرَّخَاء "زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ" الْمُشْرِكِيْنَ،

اور جب انسان یعنی کافر کو تکلیف یعنی بیماری اور مفلسی پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر، یا بیٹھا ہوا، یا کھڑا ہوا یعنی ہر حالت میں ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اپنے کفر پر چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کسی تکلیف کی طرف،

جو اسے پہنچی ہو، پکارا ہی نہیں۔ یہاں پر کان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ ہے۔ جس طرح ان کا ضرورت کے وقت دعا کرنا اور خوشحالی کے وقت اعراض کرنا ہے۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والے مشرکین کے لیے مزین بنا دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بڑی لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھے لیٹتے اللہ سے اپنی تکلیف کے دور ہونے کی التجائیں کرتا ہے۔ لیکن جہاں دعا قبول ہوئی تکلیف دور ہوئی اور ایسا ہو گیا جیسے کہ نہ اسے کبھی تکلیف پہنچی تھی نہ اس نے کبھی دعا کی تھی۔ ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور وہ انہیں اپنے ایسے ہی گناہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں ایماندار، نیک اعمال، ہدایت و رشد والے ایسے نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں ہے مومن کی حالت پر تعجب ہے۔ اس کے لیے ہر الٰہی فیصلہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ اسے تکلیف پہنچی اس نے صبر و استقامت اختیار کی اور اسے نیکیاں ملیں۔ اسے راحت پہنچی، اس نے شکر کیا، اس پر بھی نیکیاں ملیں، یہ بات مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت سے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے، جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس
ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے اور وہ ہرگز ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کی نبوت کو جھٹلانے والوں کے لئے عذاب کا بیان

"وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ" الْاُمَمَ "مِنْ قَبْلِكُمْ" يَا اَهْلَ مَكَّةَ "لَمَّا ظَلَمُوْا" بِالشِّرْكِ "وَ" قَدْ "جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" الدَّالَّات عَلٰى صِدْقِهِمْ "وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا" عَطْف عَلٰى ظَلَمُوْا "كَذٰلِكَ" كَمَا اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ "نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ،

اور اے اہل مکہ بلاشبہ یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت سے زمانوں کے لوگ یعنی امتوں کو ہلاک کر دیا، جب انہوں نے ظلم یعنی شرک کیا اور ان کے پاس ان کے رسول اپنی صداقت کے واضح دلائل لے کر آئے اور وہ ہرگز ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ اس کا عطف ظلموا پر ہے۔ اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے ہلاک کیا ہم مجرم لوگوں یعنی کفار کو جزا دیں گے۔

گذشتہ زمانوں کے اقوام کی ہلاکت کو بہ طور عبرت بیان کرنا

قرن کے معنی ایک عہد کے لوگ ہیں اور یہاں قرون سے ایسی اقوام مراد ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں عروج حاصل کیا تھا اور اقوام عالم میں نامور شمار ہوئی تھیں اور ہلاک کرنے سے یہی مراد نہیں کہ ان پر کوئی ارضی و سماوی عذاب وغیرہ بھیج کر ان کی نسل تک کو تباہ کر ڈالا تھا بلکہ ہلاکت کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جتنا اس قوم نے عروج حاصل کیا تھا اتنا ہی وہ زوال پذیر ہو جائے حتیٰ کہ اتنی کہ قعر مذلت میں گرے اقوام عالم میں وہ شمار کے قابل بھی نہ رہے یعنی ان کے گناہوں کی پاداش میں بتدریج اسے صفحہ

ہستی سے مٹادیا جائے۔

ظلم کے سبب اقوام کی ہلاکت کا بیان

ظلم کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ اس کا اطلاق ہر گناہ اور زیادتی کے کام پر ہوسکتا ہے چنانچہ سب سے بڑے گناہ شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب کوئی قوم سر نکالتی یا عروج حاصل کرتی ہے تو یہی وقت اس کے ظلم وزیادتی کا ہوتا ہے وہ دوسرے لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھ کران پر ہر جائز وناجائز طریقے سے تسلط جمانا اپنا حق سمجھتی ہے اور اللہ کی یاد سے غافل ہو کر ہر گناہ کے کام کی مرتکب ہوتی ہے ایسے ہی اوقات میں اللہ تعالیٰ ان کے پاس اپنے رسول بھیجتا ہے مگر جو لوگ اپنی عیش وعشرت میں مست اور گناہوں کے کاموں میں مستغرق ہوں وہ بھلا رسولوں کی بات کیسے مانیں گے چنانچہ عموماً ایسی مجرم ضمیر قوموں نے رسولوں کا انکار ہی کیا اس طرح جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت پوری ہو جانے کے بعد بھی انہوں نے اپنا طرز زندگی نہ بدلا تو اللہ نے ان کے جرائم کی پاداش میں انہیں ہلاک کرڈالا۔

ظالم بادشاہ کا ایڑیاں رگڑنے پر مجبور ہو جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ ہجرت کی ان کو لے کر ایسی آبادی میں پہنچے جہاں باشاہوں میں سے ایک بادشاہ یا ظالم حکمرانوں میں سے ایک ظالم حکمران رہتا تھا اس سے بیان کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام یہاں ایک خوبصورت عورت لے کر آئے ہیں آپ علیہ السلام کے پاس اس نے ایک آدمی دریافت کرنے کو بھیجا کہ اے ابراہیم یہ عورت تمہارے ساتھ کون ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا میری بہن ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام لوٹ کر سارہ کے پاس گئے اور کہا کہ میری بات کو جھوٹا نہ کرنا میں نے لوگوں کو بتایا کہ تو میری بہن ہے واللہ اس زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں اور حضرت سارہ کو اس بادشاہ کے پاس بھیج دیا وہ بادشاہ حضرت سارہ کے پاس گیا وہ کھڑی ہوئیں اور وضو کر کے نماز پڑھی اور دعا کی کہ اللہ اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کی بجز اپنے شوہر کے حفاظت کی ہے تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کر تو وہ بادشاہ زمین پر گر کر خراٹے لینے لگا یہاں تک کہ پاؤں زمین پر رگڑنے لگا اعرج کہتے ہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا حضرت سارہ نے کہا کہ یا اللہ اگر یہ مر جائے گا تو لوگ کہیں گے کہ اسی عورت نے بادشاہ کو قتل کیا ہے اس بادشاہ کی یہ حالت دور ہوئی تو پھر ان کی طرف اٹھا حضرت سارہ کھڑی ہوئیں وضو کر کے نماز پڑھی پھر دعا کی کہ اے میرے اللہ اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے سبب سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ کر وہ زمین پر گر کر خراٹے لینے لگا یہاں تک کہ پاؤں رگڑنے لگا عبدالرحمٰن نے بواسطہ ابوسلمہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا کہ سارہ نے کہا یا اللہ اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس عورت نے اس کو قتل کیا اس کی یہ حالت جاتی رہی بادشاہ نے دوسری یا تیسری بار کہا کہ واللہ تم نے میرے پاس ایک شیطان کو بھیجا اس کو ابراہیم کے پاس لے جاؤ اور (ہاجرہ) لونڈی ان کو دیدو وہ لوٹ کر حضرت ابراہیم کے پاس گئیں تو کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اس کو ذلیل کیا اور ایک لونڈی

خدمت کے لئے دلوائی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2127)

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۝

پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

زمین میں خلافت کا مقصد رسولان گرامی کی تصدیق کرنے کا بیان

"ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ " يَا اَهْل مَكَّة "خَلَائِف" جَمْع خَلِيفَة "فِي الْاَرْض مِنْ بَعْدهمْ لِنَنْظُر كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ" فِيْهَا وَهَلْ تَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ فَتُصَدِّقُوا رُسُلنَا،

اے اہل مکہ! پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں جانشین بنایا، خلائف یہ خلیفہ کی جمع ہے تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ کہ تم عبرت پکڑو اور ہمارے رسولان گرامی کی تصدیق کرو۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک رسی لٹکائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسے مکمل تھام لیا، پھر لٹکائی گئی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر منبر کے اردگرد لوگوں نے ناپنا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین ذراع بڑھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خواب سن کر فرمایا بس ہٹاؤ بھی۔ ہمیں خوابوں کیا حاجت؟ پھر اپنی خلافت کے زمانے میں عمر فاروق نے کہا عوف تمہارا خواب کیا تھا؟ حضرت عوف نے کہا جانے دیجئے۔ جب آپ کو اس کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ نے جب مجھے ڈانٹ دیا پھر اب کیوں پوچھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس وقت تو تم خلیفۃ الرسول کو ان کی موت کی خبر دے رہے تھے۔ اب بیان کرو انہوں نے بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا لوگوں کا منبر کی طرف تین ذراع ناپنا یہ تھا کہ ایک تو خلیفہ برحق تھا۔ دوسرے خلیفہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بالکل بے پرواہ تھا۔ تیسرا خلیفہ شہید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا کہ ہم تمہارے اعمال دیکھیں۔ اے عمر کی ماں کے لڑکے تو خلیفہ بنا ہوا ہے۔ خوب دیکھ بھال لے کہ کیا کیا عمل کر رہا ہے؟ آپ کا فرمان کہ "میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتا" سے مراد ان چیزوں میں ہے جو اللہ چاہے۔ شہید ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اس وقت مسلمان آپ کی مطیع و فرمانبردار تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی
اور قرآن لے آیئے یا اسے بدل دیجئے، آپ فرمادیں: مجھے حق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو فقط جو میری
طرف وحی کی جاتی ہے، پیروی کرتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بیشک میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

کفار کا قرآن کے سوا کسی دوسری کتاب کا مطالبہ کرنے کا بیان

"وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا" اَلْقُرْاٰن "بَیِّنَات" ظَاهِرَات حَال "قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا" لَا یَخَافُوْنَ الْبَعْث "ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَا" لَیْسَ فِیْهِ عَیْب اٰلِهَتنَا "اَوْ بَدِّلْهُ" مِنْ تِلْقَاء نَفْسك "قُلْ" لَهُمْ "مَا یَكُوْن" یَنْبَغِی "لِیْ اَنْ اُبَدِّلهُ مِنْ تِلْقَاء" قِبَل "نَفْسِی اِنْ" مَا "اَتَّبِع اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اِنِّیْ اَخَاف اِنْ عَصَیْت رَبِّی" بِتَبْدِیلِهِ "عَذَاب یَوْم عَظِیْم" هُوَ یَوْم الْقِیَامَة،

اور جب ان پر ہماری روشن آیات یعنی قرآن تلاوت کی جاتی ہیں یعنی واضح دلائل دیئے جاتے ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے، تو انہیں دوبارہ زندہ ہونے پر کوئی خوف نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آیئے جس میں ہمارے معبودوں کے لئے کوئی عیب نہ ہو یا اسے بدل دیجئے، یعنی جو آپ نے اپنی طرف سے ملایا ہے آپ ان سے فرمادیں، مجھے حق نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو فقط جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کرتا ہوں، اگر میں اس کو تبدیل کر کے اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بیشک میں بڑے دن یعنی قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

سورہ یونس آیت ۱۵ کے شانِ نزول کا بیان

مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی اور مقاتل کہتے ہیں کہ پانچ افراد تھے، عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص عمرو بن عبداللہ بن ابی قیس عامری اور عاص بن عامر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ ایسا قرآن لایئے جس میں لات اور عزی کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم نہ ہو۔ (نیسابوری 224، طبری 11۔67)

اور کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت استہزاء کرنے والوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے کہا اے محمد ﷺ آپ اس کے علاوہ کوئی قرآن لے آیئے جس میں وہ کچھ ہو جو ہم کہیں۔ (سیوطی 153، نیسابوری 223، زاد المسیر 4۔14)

نبوت محمدی ﷺ اور قرآن کی صداقت اور ہرقل روم کا بیان

حضرت ابن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ابوسفیان نے یہ حدیث میرے سامنے بیان کی کہ جب ہماری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح تھی اس وقت میں ملک شام میں تھا اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دحیہ الکلبی لے کر ہرقل کے پاس آئے تھے پہلے یہ خط دحیہ نے بصری کے سردار کو دیا اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا ہرقل نے خط پڑھ کر کہا کہ دیکھو یہ جس کا خط ہے اور جو نبوت کا دعویٰ بھی کرتا ہے اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے، لوگوں نے کہا ہاں! اس

کی قوم کے لوگ یہاں موجود ہیں ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں اور میرے چند قریبی ساتھی ہرقل کے دربار میں بلائے گئے تو اس نے ہم کو اپنے سامنے بٹھایا پھر پوچھا کہ تم میں اس (پیغمبر) کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور دوسرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور پھر اپنے ایک آدمی سے کہا کہ تم ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہو کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ابوسفیان سے کچھ دریافت کروں گا اگر یہ غلط بیانی سے کام لے تو تم اس کی تردید کر دینا ابوسفیان نے بیان کیا کہ اگر مجھے اپنے ہمراہیوں کا خوف نہ ہوتا (کہ مجھے جھٹلا دیں گے) تو ضرور کچھ غلط باتیں بھی کہتا آخر پر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حسب دریافت کرو انہوں نے پوچھا تو میں نے کہا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم میں سب سے زیادہ عالی حسب ہیں، اس کے بعد ہرقل نے کہا اے ترجمان! تو ابوسفیان سے کہہ دے کہ تم سے ان کا حسب پوچھا گیا تو تم نے کہا کہ وہ عالی حسب ہے اور پیغمبر ہمیشہ عالی حسب ہوتے ہیں، اس کے بعد ہرقل نے کہا کہ اگر تو اپنے بیان میں سچا ہے تو بیشک وہ سچے نبی ہیں اور میں جانتا تھا کہ وہ پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں پیدا ہوں گے اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ان سے ضرور ملاقات کرتا اور ان کے دیدار سے مستفیض ہوتا اور ان کے پاؤں دھو کر پیتا اور ان کی حکومت ضرور میرے ان قدموں تک پہنچے گی۔

ابوسفیان نے کہا کہ ہرقل جب خط سے فارغ ہوا تو دربار میں عجیب ہلچل مچ گئی اور پھر ہم کو باہر کر دیا گیا میں نے باہر نکلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ یعنی رسول اللہ کے کام میں بڑی مضبوطی پیدا ہوگئی ہے اور اب اس سے بادشاہ بھی ڈرنے لگے ہیں میں تو کفر کی حالت میں یقین رکھتا تھا کہ آپ کو ضرور غلبہ ہوگا۔

زہری کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے تمام رؤسا کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ اے اہل روم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ سلامت رہو اور تمہارے ملک تمہارے ہاتھ میں رہیں تو ہدایت اور ہمیشہ کی سلامتی کی طرف آؤ راوی کا بیان ہے کہ لوگ یہ بات سن کر سخت ناراض ہو کر دروازوں کی طرف بھاگے مگر دروازے بند پائے، ہرقل نے کہا بھاگو نہیں میرے قریب آؤ سب آ گئے تو ہرقل نے کہا میں تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا میں خوش ہوں کہ تم اپنے دین پر قائم اور ثابت ہو اس کے بعد خوش ہو گئے اور ہرقل کو سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1731)

کفار کو قرآن جیسا کلام لانے کا چیلنج کرنے کا بیان

کفار کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لایئے جسمیں لات وعزّی منات وغیرہ بتوں کی برائی اور ان کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور اگر اللہ ایسا قرآن نازل نہ کرے تو آپ اپنی طرف سے بنا لیجئے یا اسی قرآن کو بدل کر ہماری مرضی کے مطابق کر دیجئے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ ان کا یہ کلام یا تو بطریق تمسخر واستہزاء تھا یا انہوں نے تجربہ وامتحان کے لئے ایسا کہا تھا کہ اگر یہ دوسرا قرآن بنا لائیں یا اس کو بدل دیں تو ثابت ہو جائے گا کہ قرآن کلام ربانی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اس کا یہ جواب دیں جو آیت میں مذکور ہوتا ہے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر
گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

قرآن کا من جانب اللہ ہونے کا بیان

"قُلْ لَوْ شَاءَ اللّٰه مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَا اَدْرَاكُمْ " اَعْلَمَكُمْ "بِهٖ" وَلَا نَافِيَة عَطْف عَلٰى مَا قَبْله وَفِي قِرَاءَة بِلَامٍ جَوَاب لَوْ: اَيْ لَاَعْلَمَكُمْ بِهٖ عَلٰى لِسَان غَيْرِي "فَقَدْ لَبِثْت" مَكَثْت "فِيكُمْ عُمُرًا" سِنِينًا اَرْبَعِينَ "مِنْ قَبْله" لَا اُحَدِّثكُمْ بِشَيْءٍ "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ قِبَلِي،

تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا، یہاں پر لا نافیہ ہے جس کا عطف ماقبل پر ہے اور ایک قرأت میں لام کے ساتھ جواب لو کے طور پر آیا ہے۔یعنی میں تمہیں اپنی زبان کے سوا کسی اور زبان میں سکھاؤں؟ تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر یعنی چالیس سال گزار چکا ہوں، میں تمہیں اپنی طرف سے کوئی چیز بیان نہیں کی، تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ کہ یقیناً یہ میری اپنی طرف سے نہیں ہے۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں آپ ﷺ کا یہ بیان ہے کہ میں چالیس سال تم میں رہا ہوں، اس زمانہ میں میں تمہارے پاس کچھ نہیں لایا اور میں نے تمہیں کچھ نہیں سنایا، تم نے میرے احوال کا خوب مشاہدہ کیا ہے، میں نے کسی سے ایک حرف نہیں پڑھا، کسی کتاب کا مطالعہ نہ کیا، اس کے بعد یہ کتاب عظیم لایا جس کے حضور ہر ایک کلام فصیح پست اور بے حقیقت ہو گیا۔ اس کتاب میں نفیس علوم ہیں، اصول و فروع کا بیان ہے، احکام و آداب میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، غیبی خبریں ہیں، اس کی فصاحت و بلاغت نے ملک بھر کے فُصحاء و بُلغاء کو عاجز کر دیا ہے، ہر صاحب عقلِ سلیم کے لئے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ یہ بغیر وحی الٰہی کے ممکن ہی نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یونس، لاہور)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝
پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر کوئی جھوٹ باندھے، یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ
مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔

اللہ پر بہتان باندھنے والے ظالم مشرکین کا بیان

"فَمَنْ" اَيْ لَا اَحَد "اَظْلَم مِمَّنْ افْتَرٰى عَلَى اللّٰه كَذِبًا" بِنِسْبَةِ الشَّرِيك اِلَيْهِ "اَوْ كَذَّبَ بِاٰيَاتِهٖ" الْقُرْاٰن "اِنَّهٗ" اَيْ الشَّاْن "لَا يُفْلِح" يُسْعِد "الْمُجْرِمُوْنَ" الْمُشْرِكُوْنَ،

پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کوئی ایک بھی ظالم نہیں ہے جو اللہ پر کوئی جھوٹ باندھے، یعنی اس کی طرف شرک کی نسبت کرے یا اس کی آیات یعنی قرآن کو جھٹلائے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ مجرم لوگ یعنی مشرکین فلاح نہیں پاتے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے اور اس انسان کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔ (صحیح البخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 19)

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ
اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝
اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ انھیں نفع دیتی ہیں اور کہتے ہیں
یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ فرمادیں کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے
اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

نفع ونقصان کی ملکیت نہ رکھنے والی چیزوں کی عبادت کا بیان

"وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰه " اَیْ غَیْرہ "مَا لَا یَضُرّهُمْ " اِنْ لَّمْ یَعْبُدُوْهُ "وَلَا یَنْفَعهُمْ " اِنْ عَبَدُوْهُ وَهُوَ الْاَصْنَام "وَیَقُوْلُوْنَ" عَنْهَا "هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْد اللّٰه قُلْ " لَهُمْ "اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰه " تُخْبِرُوْنَهُ "بِمَا لَا یَعْلَم فِی السَّمَاوَات وَلَا فِی الْاَرْض " اسْتِفْهَام اِنْكَار اِذْ لَوْ كَانَ لَهُ شَرِیْك لِعِلْمِهِ اِذْ لَا یَخْفَی عَلَیْهِ شَیْء "سُبْحَانه" تَنْزِیْهًا لَهُ "وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ" ـهُ مَعَهُ.

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں یعنی اگر ان کی عبادت نہ کریں تو وہ نہ انہیں نقصان پہنچاتی ہیں اور اگر وہ ان کی عبادت کرتے ہیں تب بھی ان کو نفع نہیں دیتیں اور وہ بت ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ ان سے فرمادیں کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی جب تم کوئی بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو تو وہ اس کے علم سے مخفی نہیں ہے۔ وہ پاک ہے یعنی ہر شرک سے پاک ہے۔ اور بہت بلند

ہے اس سے جو وہ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔

الفاظ کے معانی کا بیان

اتــنـبــئــون ۔الف استفہام کے لئے ہے تنبئون جمع مذکر حضر۔ تنبئۃ اور تنبئی سے۔ کیا تم خبر دیتے ہو۔ کیا تم آگاہ کرتے ہو۔ اتـنـبـئـون اللہ بما لا یعلم فی السموت ولا فی الارض کیا تم اللہ کو ایسی بات بتا رہے ہو جو زمین و آسمان میں اس کے علم میں نہیں۔ یعنی زمین و آسمان کی ہر بات تو اس کے علم میں ہے پھر تم یہ کیا بات اس کو بتا رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اس بات کا وجود ہی نہیں اور تم محض ایک بے بنیاد۔ من گھڑت بات بنا رہے ہو۔ اس سے کفار کی بتوں سے شفاعت کی امید کی حقیقت کی نفی قطعی طور پر مقصود ہے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ جن کو ہم پوجتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے اس غلط عقیدے کی قرآن کریم تردید فرماتا ہے کہ وہ کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ان کی شفاعت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ تم تو اللہ کو بھی سکھانا چاہتے ہو گویا جو چیز زمین آسمان میں وہ نہیں جانتا تم اس کی خبر اسے دینا چاہتے ہو۔ کیسا تمہارا گمراہ کن عقیدہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مشرک لوگ جب تلبیہ کہتے اور یہ کلمات ادا کرتے لبیک لاشریک لک (حاضر ہیں تیری خدمت میں، تیرا کوئی شریک نہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے افسوس ہے تم پر! بس بس (یعنی بس اتنا ہی کہو اس سے زیادہ مت کہو، مگر مشرک کب ماننے والے تھے وہ پھر اس کے بعد یہ کہتے) الا شریکا ھو لك تملكه وما ملك (یعنی تیرا کوئی شریک نہیں ہاں وہ بت تیرا شریک ہے جو تیری ملک میں ہے، تو اس کا مالک ہے وہ شریک تیرا مالک نہیں ہے۔ مشرک لوگ تلبیہ کے یہ کلمات خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1097)

مشرک بھی حج وعمرہ اور طواف وغیرہ کیا کرتے تھے نیز وہ خانہ کعبہ کی تعظیم بھی ہمیشہ کیا کرتے تھے اور اس کا احترام ملحوظ رکھتے مگر جب لبیک کہتے تو اپنے شریک کی وجہ سے اس طرح کہتے لبیک لاشریک لک الاشریکا ہو لک تملکہ وما ملک یعنی وہ حق تعالیٰ سے شرک کی نفی تو کرتے مگر بتوں کا استثناء کرتے اور یہ کہتے کہ وہ بت اللہ کے شریک ہیں لیکن اس کے مملوک ہیں اور اللہ ان بتوں کا مالک ہے، چنانچہ وہ جب تلبیہ کہنا شروع کرتے اور یہ کہتے لبیک لاشریک لک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ یہاں تک تو ٹھیک بس تم اتنا ہی کہو کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، اس سے آگے نہ کہو مگر مشرکین کی عقلوں پر تو پردے پڑے ہوئے تھے وہ ہدایت کو کیسے مان لیتے اس لئے وہ آگے کے الفاظ کہنے سے باز نہیں آتے تھے، حالانکہ ان کے یہ کلمات الا شریکا ہو لک الخ درحقیقت ان کی انتہائی حماقت اور بے وقوفی ہی کو ظاہر کرتے تھے کہ بتوں کو اللہ کی ملکیت بھی بتاتے تھے اور پھر انہیں شریک بھی کہتے تھے حالانکہ اگر انہیں عقل سلیم کی ذرا بھی رہنمائی حاصل ہوتی تو وہ خود یہ سمجھ سکتے تھے کہ بھلا مملوک اپنے مالک کا شریک کیوں کر ہو سکتا ہے؟

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○
اورلوگ ایک ہی امت تھے پھر مختلف ہوئے ،اوراگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی
تو یہیں ان کے اختلافوں کا ان پر فیصلہ ہو گیا ہوتا۔

تمام زمانوں میں اسلام کے اصولی عقائد کے متفق ہونے کا بیان

"وَمَا كَانَ النَّاس اِلَّا اُمَّةً وَاحِدَة" عَلٰى دِيْن وَاحِد وَهُوَ الْاِسْلَام مِنْ لَّدُنْ اٰدَم اِلٰى نُوح وَقِيْلَ مِنْ عَهْد اِبْرَاهِيْم اِلٰى عَمْرو بْن لُحَيّ "فَاخْتَلَفُوْا" بِاَنْ ثَبَتَ بَعْض وَكَفَرَ بَعْض "وَلَوْلَا كَلِمَة سَبَقَتْ مِنْ رَبّك" بِتَاْخِيْرِ الْجَزَاء اِلٰى يَوْم الْقِيَامَة "لَقُضِيَ بَيْنهمْ" اَيْ النَّاس فِي الدُّنْيَا "فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ" مِنْ الدِّيْن بِتَعْذِيْبِ الْكَافِرِيْنَ،

اورلوگ ایک ہی امت تھے یعنی ایک دین پر تھے اوروہ اسلام ہے۔جو حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ لسلام کے زمانے سے عمرو بن لحی کے زمانے تک چلتا رہا، پھر مختلف ہوئے ،یعنی بعض اس پر ثابت قدم رہے اوران میں سے بعض نے کفر کیا۔اوراگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی یعنی قیامت تک کے لئے جزاء کی تاخیر نہ ہوتی تو اسی دنیا میں ان لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔یعنی جو کفار کو عذاب دے دیا جاتا۔

پہلے سب کے سب لوگ اسلام پر تھے۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک دس صدیاں وہ سب لوگ مسلمان تھے۔پھر اختلاف رونما ہوا اورلوگوں نے تیری میری پرستش شروع کر دی۔اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے سلسلوں کو جاری کیا تا کہ ثبوت ودلیل کے بعد جس کا جی چاہے زندہ رہے جس کا جی چاہے مرجائے۔چونکہ اللہ کی طرف سے فیصلے کا دن مقرر ہے۔ حجت تمام کرنے سے پہلے عذاب نہیں ہوتا اس لیے موت موخر ہے۔ورنہ ابھی ہی حساب چکا دیا جاتا۔مومن کامیاب رہتے اور کافر ناکام۔

وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○
اور کہتے ہیں ان پران کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری ،تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے
اب راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں۔

کفار مکہ کا سابقہ انبیاء کرام کے معجزات کی طرح معجزہ طلب کرنے کا بیان

"وَيَقُوْلُوْنَ" اَيْ اَهْل مَكَّة "لَوْلَا" هَلَّا "اُنْزِلَ عَلَيْهِ" عَلٰى مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "آيَة مِنْ رَبّه" كَمَا كَانَ لِلْاَنْبِيَاءِ مِنْ النَّاقَة وَالْعَصَا وَالْيَد "فَقُلْ" لَهُمْ "اِنَّمَا الْغَيْب لِلّٰهِ" مَا غَابَ عَنْ الْعِبَاد اَيْ اَمْره

وَمِنْهُ الْاٰيَات فَلَا يَاْتِيْ بِهَا اِلَّا هُوَ وَاِنَّمَا عَلَيَّ التَّبْلِيغ "فَانْتَظِرُوا" الْعَذَاب اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا ، اِنِّيْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ،

اور مکہ والے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری، جس طرح پہلے انبیائے کرام کی طرف اونٹنی، عصا اور ید بیضاء وغیرہ کا آنا ہے۔ تم ان سے فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے یعنی جو اس کا حکم لوگوں سے پوشیدہ ہے اور وہ ایسی نشانیاں ہیں جن کو وہ بیان نہیں کرتا مگر جس کو چاہے۔ جبکہ میں اسی کا پیغام دینے والا ہوں، اگر تم ایمان نہیں لاتے تو پھر عذاب کا راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں۔

ثبوت صداقت مانگنے والوں کا بیان

اہل باطل کا طریقہ ہے کہ جب ان کے خلاف برہان قوی قائم ہوتی ہے اور وہ جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اس برہان کا ذکر اس طرح چھوڑ دیتے ہیں جیسے کہ وہ پیش ہی نہیں ہوئی اور یہ کہا کرتے ہیں کہ دلیل لاؤ تا کہ سننے والے اس مغالطہ میں پڑ جائیں کہ ان کے مقابل اب تک کوئی دلیل ہی نہیں قائم کی گئی ہے۔ اس طرح کفار نے حضور کے معجزات اور بالخصوص قرآن کریم جو معجزہ عظیمہ ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے یہ کہنا شروع کیا کہ کوئی نشانی کیوں نہیں آتری گویا کہ معجزات انہوں نے دیکھے ہی نہیں اور قرآن پاک کو وہ نشانی شمار ہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپ فرما دیجئے کہ غیب تو اللہ کے لئے ہے اب راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں۔ تقریر جواب یہ ہے کہ دلالت قاہرہ اس پر قائم ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک کا ظاہر ہونا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں پیدا ہوئے، ان کے درمیان حضور بڑھے، تمام زمانے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کی آنکھوں کے سامنے گزرے، وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ نے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا نہ کسی استاد کی شاگردی کی، یکبارگی قرآن کریم آپ پر ظاہر ہوا اور ایسی بیمثال اعلیٰ ترین کتاب کا ایسی شان کے ساتھ نزول بغیر وحی کے ممکن ہی نہیں۔ یہ قرآن کریم کے معجزہ قاہرہ ہونے کی برہان ہے اور جب ایسی قوی برہان قائم ہے تو اثبات نبوت کے لئے کسی دوسری نشانی کا طلب کرنا قطعاً غیر ضروری ہے، ایسی حالت میں اس نشانی کا نازل کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے چاہے کرے چاہے نہ کرے تو یہ امرِ غیب ہوا اور اس کے لئے انتظار لازم آیا کہ اللہ کیا کرتا ہے لیکن وہ یہ غیر ضروری نشانی جو کفار نے طلب کی ہے نازل فرمائے یا نہ فرمائے نبوت ثابت ہو چکی اور رسالت کا ثبوت قاہر معجزات سے کمال کو پہنچ چکا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یونس، لاہور)

حافظ ابن کثیر مقلد فقہ شافعی لکھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ اگر یہ سچا نبی ہے تو جیسے آل ثمود کو اونٹنی ملی تھی انہیں ایسی کوئی نشانی کیوں نہیں ملی؟ چاہیے تھا کہ یہ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیتا یا مکے کے پہاڑوں کو ہٹا کر یہاں کھیتیاں باغ اور نہریں بنا دیتا۔ گو اللہ کی قدرت اس سے عاجز نہیں لیکن اس کی حکمت کا تقاضا وہی جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باغات اور نہریں بنا دے لیکن یہ پھر بھی قیامت کے منکر ہی رہیں گے اور آخر جہنم میں جائیں گے۔ اگلوں نے بھی ایسے معجزے طلب کئے دکھائے گئے پھر بھی

جھٹلایا تو عذاب اللہ آ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی فرمایا گیا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں ان کے منہ مانگے معجزے دکھا دوں لیکن پھر بھی یہ کافر رہے تو غارت کر دیئے جائیں گے اور اگر چاہو تو مہلت دوں۔ آپ نے اپنے حلم وکرم سے دوسری بات ہی اختیار کی۔ یہاں حکم ہوتا ہے کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے تمام کاموں کا انجام وہی جانتا ہے۔ تم ایمان نہیں لاتے تو نتیجے کے منتظر رہو۔ آہ! کیسے بدنصیب تھے جو مانگتے تھے اس سے بدرجہا بڑھ کر دیکھ چکے تھے اور سب معجزوں کو جانے دو چاند کو ایک اشارے سے دو ٹکڑے کر دینا ایک ٹکڑے کا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرے کا اس طرف چلے آنا کیا یہ معجزہ کس طرح اور کس معجزے سے کم تھا؟ لیکن چونکہ ان کا یہ سوال محض کفر کی بنا پر تھا اور نہ یہ بھی اللہ دکھا دیتا جن پر عذاب عملاً آ جاتا ہے وہ چاہے دنیا بھر کے معجزے دیکھ لیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اگر ان پر فرشتے اترتے اگر ان سے مردے باتیں کرتے اگر ہر ایک چیز ان کے سامنے کر دی جاتی پھر بھی انہیں تو ایمان نصیب نہ ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ
قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝
اور جب کہ ہمارے آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی جبھی وہ ہماری آیتوں کے ساتھ داؤں
چلتے ہیں، تم فرما دو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے، بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں۔

مصیبت ٹل جانے کے بعد پھر کفار کا آیات الٰہی سے مذاق کرنے کا بیان

"وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ" اَیْ كُفَّارَ مَكَّةَ "رَحْمَةً" مَطَرًا وَخِصْبًا "مِّنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ" بُؤْسٍ وَجَدْبٍ "مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِيْ اٰيَاتِنَا" بِالْاِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيْبِ "قُلْ" لَهُمْ "اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا" مُجَازَاةً "اِنَّ رُسُلَنَا" الْحَفَظَةَ "يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ،

اور جب ہم کفار مکہ کو قحط سالی اور تنگی کے بعد ان کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں یعنی کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی تو اب وہ ہماری آیتوں کے ساتھ فریب یعنی ان کا مذاق اڑاتے ہیں، تم ان سے فرما دو اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہو جاتی ہے، بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں۔ یہاں پر تمکرون یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد سے مشکلات حل ہونے کا بیان

حضرت ابوجری رضی اللہ عنہ کہ جن کا نام جابر بن سلیم ہے کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو میں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی عقل پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی ان کے کہنے پر لوگ عمل کرتے ہیں، چنانچہ خود راوی اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ) وہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں لوگ اس پر عمل کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو مرتبہ یہ کہا علیک السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام ہو۔ اے رسول

خدا! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر کہا کہ علیک السلام نہ کہو کیونکہ علیک السلام کہنا میت کے لئے دعا ہے البتہ السلام علیک کہو! اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں اللہ کا رسول ہوں وہ اللہ کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ومصیبت پہنچے اور تم اسے پکارو تو وہ تمہاری تکلیف ومصیبت کو دور کرے اگر تمہیں قحط سالی اپنی لپیٹ میں لے اور تم اسے پکارو تو زمین تمہارے لئے سبزہ (غلہ وغیرہ) اگادے اور اگر تم زمین کے کسی ایسے حصہ میں اپنی سواری گم کر بیٹھو کہ جہاں نہ پانی کا نام ونشان ہو نہ درخت کا، یا کہ کوئی ایسا جنگل جو آبادی سے دور ہو اور پھر تم اسے پکارو تو وہ تمہاری سواری تمہارے پاس واپس بھیج دے۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرما دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کو برا نہ کہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی کو برا نہیں کہا نہ آزاد کو، نہ غلام کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو (یعنی کسی انسان کو برا کہنا کیسا، حیوانات کو بھی برا نہ کہا جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو (یعنی اگر تم کسی کے ساتھ نیکی کرو یا کوئی دوسرا تمہارے ساتھ نیکی کرے تو اسے بہت جانو اور اس کا شکریہ ادا کرو اور خود تم سے جو بھی نیکی ہو سکے اس کے کرنے کو غنیمت جانو) اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی اختیار کرو (یعنی جب تم کسی سے ملو، تو اس سے تواضع اور خوش کلامی سے پیش آؤ تا کہ تمہارے اس حسن خلق کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو) کیونکہ یہ بھی ایک نیکی ہے اور تم اپنی ازار (یعنی پاجامہ لنگی وغیرہ) کو نصف پنڈلی تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا تم پسند نہ کرسکو تو ٹخنوں تک رکھو مگر (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو! اس لئے کہ (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ نیز اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تمہارے کسی ایسے عیب پر تمہیں عار دلائے جسے وہ جانتا ہے تو تم انتقاماً اس کے کسی عیب پر کہ جسے تم جانتے ہو اسے عار نہ دلاؤ کیونکہ اس کا گناہ اسے ہی ملے گا۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 417)

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ○

وہی ہے جو تمہیں خشک زمین اور سمندر میں چلنے پھرنے دیتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو لے کر موافق ہوا کے جھونکوں سے چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو (ناگہاں) ان (کشتیوں) کو تیز وتند ہوا کا جھونکا آ لیتا ہے اور ہر طرف سے ان (سواروں) کو (جوش مارتی ہوئی) موجیں آ گھیرتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (اب) وہ ان (لہروں) سے گھر گئے (تو اس وقت) وہ اللہ کو پکارتے ہیں (اس حال میں) کہ اپنے دین کو اسی کے لئے خالص کرنے والے ہیں (اور کہتے ہیں: اے اللہ!) اگر تو نے ہمیں اس (بلا) سے نجات بخش دی تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے

ذات باری کی طرف سے خشکی و بری میں چلنے کی قدرت عطا ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ" وَفِیْ قِرَاءَةٍ یَنْشُرُکُمْ "فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ" السُّفُن "وَجَرَیْنَ بِهِمْ" فِیْهِ الْتِفَات عَنِ الْخِطَاب "بِرِیحٍ طَیِّبَةٍ" لَیِّنَة "وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَ تْهَا رِیح عَاصِف" شَدِیْدَة الْهُبُوْب تَکْسِر کُلّ شَیْء "وَجَاءَ هُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَان وَظَنُّوا اَنَّهُمْ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اُحِیطَ بِهِمْ" اَیْ اُهْلِکُوا "دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ" الدُّعَاء "لَئِنْ" لَام قَسَم "اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ" الْاَهْوَال "لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ" الْمُوَحِّدِیْنَ،

وہی ہے جو تمہیں خشک زمین اور سمندر میں چلنے پھرنے دیتا ہے، ایک قرأت میں ینشرکم ہے یعنی وہ پھیلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو لے کر موافق ہوا یعنی نرم ہوا کے جھونکوں سے چلتی ہیں یہاں پر خطاب کی طرف التفات ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو ان کشتیوں کو تیز و تند ہوا کا جھونکا آ لیتا ہے اور ہر طرف سے ان کو جوش مارتی ہوئی موجیں آ گھیرتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ ان لہروں سے گھر گئے یعنی ہلاک ہونے لگیں تو اس وقت وہ اللہ کو پکارتے ہیں اس حال میں کہ اپنے دین کو اسی کے لئے خالص کرنے والے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ! اگر تو نے ہمیں اس مصائب سے نجات بخش دی یہاں پر لئن میں لام قسمیہ ہے۔ تو ہم ضرور تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

یسیرکم۔ مضارع واحد مذکر غائب کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ وہ تم کو سیر کراتا ہے۔ تم کو لئے پھرتا ہے۔ **تسیر** (تفعیل) مصدر۔ **الفلک**۔ کشتی۔ جہاز۔ یہ لفظ مونث۔ مزکر۔ واحد۔ جمع سب کے لئے آتا ہے۔ یہاں جمع کے لئے آیا ہے۔

جرین۔ ماضی جمع مونث غائب۔ جری یجری (ضرب) جری سے۔ وہ چلیں۔ وہ جاری ہوئیں۔ وہ رواں ہوئیں۔ **بهم**۔ ان کو لے کر۔ بریح میں ب سببیہ ہے۔ ریح طیبہ کی وجہ سے۔ یعنی موافق ہوا کی وجہ سے۔ ریح عاصف کی ضد ہے۔

فرحوا بها۔ وہ اس موافق ہوا کی وجہ سے شادان و فرحاں ہیں۔

ریح عاصف۔ بادتند۔ آندھی۔ عاصف عصف یعصف (ضرب) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ عصفت الریح۔ ہوا تیز چلی۔ عصف الرجل آدمی تیز دوڑا۔ احیط بہم۔ ان کو گھیر لیا گیا ہے۔ **احیط**۔ **احاط یحیط** سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب۔

مخلصین له الدین۔ **خالصة**۔ اسی کی اطاعت کرتے ہوئے۔ اطاعت و عبادت میں خالصۃ اسی کے بن کر۔ بلا شرکت غیرے اسی کی اطاعت میں ہو کر۔ یہاں پہلے مخاطب کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ پھر **وجرین بهم** سے لے کر اگلی آیت تک غیب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ خطاب سے غیبت کی طرف انتقال اظہار ناراضگی اور بعد کے لئے ہے۔

انجیتنا۔ تو ہمیں بچا لے۔ تو ہمیں نجات بخشے۔ تو ہمیں چھٹکارا دلا دے **انجی ینجی انجاء** (افعال) رہائی دلانا۔ نجات دلانا، **من هذه** ای **من هذه الاحوال**۔ **من هذه الریح العاصف**۔ ان مصائب و شدائد سے۔ اس بادتند (طوفان) سے۔

عکرمہ بن ابی جہل کا اسلام لانے بیان

مشرکین مکہ کی بھی ایسی ہی عادت تھی جس کا اس آیت میں ذکر آیا ہے چنانچہ فتح مکہ کے بعد ابوجہل کا بیٹا عکرمہ (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا) مکہ سے بھاگ کھڑا ہوا تا کہ کہیں قیدی نہ بنالیا جائے۔ جدہ سے بحری سفر اختیار کیا راستہ میں کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا حتیٰ کہ مسافروں کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی اس وقت ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ اب صرف ایک اللہ کو پکارو یہاں تمہارے دوسرے معبود کچھ کام نہ دیں گے یہ بات سن کر عکرمہ کے ذہن میں یک دم ایک انقلاب سا آ گیا وہ سوچنے لگا یہ تو وہی اللہ ہے جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں اگر سمندر میں اس کے بغیر نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی وہی کام آ سکتا ہے۔ پھر اللہ سے عہد کیا کہ اگر تو نے اس مصیبت سے نجات دی تو فوراً واپس جا کر اسلام قبول کرلوں گا چنانچہ انہوں نے اپنا یہ عہد پورا کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔،،

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ
مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
پھر اللہ جب انہیں بچالیتا ہے جب بھی وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری زیادتی تمہارے ہی جانوں کا
وبال ہے دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھالو، پھر تمہیں ہماری طرف پھرنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے جو تم اعمال کیا کرتے تھے۔

دنیا کے نفع کے قلیل ہونے کا بیان

"فَلَمَّا اَنْجَاهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ" بِالشِّرْكِ "يَآاَيُّهَا النَّاس اِنَّمَا بَغْيُكُمْ" ظُلْمُكُمْ "عَلٰى اَنْفُسكُمْ" لِاَنَّ اِثْمه عَلَيْهَا هُوَ "مَتَاع الْحَيَاة الدُّنْيَا" تُمَتَّعُوْنَ فِيْهَا قَلِيْلًا "ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعكُمْ" بَعْد الْمَوْت "فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" فَنُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ وَفِيْ قِرَاءَة بِنَصْبِ مَتَاع: اَيْ تَتَمَتَّعُوْنَ،

پھر اللہ جب انہیں بچالیتا ہے جب بھی وہ شرک کر کے زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! تمہاری زیادتی تمہارے ہی جانوں کا وبال ہے یعنی اس کا گناہ ان پر ہے۔ جو دنیا کی زندگی کا سامان ہے اس میں بہت کم فائدہ اٹھاتے ہو، پھر تمہیں موت کے بعد ہماری طرف پھرنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے جو تم اعمال کیا کرتے تھے۔ پس ہم تمہیں ان پر جزاء دیں گے اور ایک قرأت میں متاع نصب کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی تم نفع حاصل کرتے ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

انجهم ۔اس نے ان کو نجات دلائی۔ اس نے ان کو بچالیا۔ ماضی واحد مذکر غائب۔ اذا۔ یہاں اور آیہ **اذا لهم مكر**۔ میں بطور حرف مفاجاۃ استعمال ہوا ہے۔ تو۔ لو۔ اچانک (اچانک اپنا رویہ بدل کر دوسرا رخ اختیار کر لیتے ہیں) اس کو اذا الفجائیہ بھی کہتے ہیں۔ **يبغون** ۔ **بغى يبغى بغى** (باب ضرب) زیادتی کرنے لگتے ہیں۔ سرکشی کرنے لگتے ہیں بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ مضارع

کا صیغہ جمع مذکر غائب۔اصل میں یبغیون تھا۔ی کی حرکت ماقبل کو دی۔ی اجتماع ساکنین سے گر گیا۔اسی باب سے چاہنا اور طلب کرنے کے معنی بھی آتے ہیں۔بغی کا تعلق فعل محمود اور فعل مذموم دونوں سے ہے۔

محمود اس طرح کہ عدل سے بڑھ کر احسان کرنا۔مثلاً مزدور کو زیادہ مزدوری دینا۔اور مذموم اس طرح کہ حق سے تجاوز کر کے باطل کو اختیار کرنا۔قرآن میں پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے۔ظلم۔گناہ۔حسد۔زنا۔طلب وتلاش۔

انما بغیکم علی انفسکم ۔تحقیق تمہاری سرکشی کا (وبال) تمہیں پر پڑے گا۔تمہاری سرکشی تمہارے اپنے ہی خلاف جائے گی ننبئکم ۔مضارع جمع متکلم۔کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ہم آگاہ کریں گے۔ہم تم کو جتلا دیں گے یعنی جتلانے کے بعد سزا دیں گے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی اور لوگوں پر احسان کرنے کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے کہ آخرت سے پہلے دنیا میں اس کی برکات نظر آنے لگتی ہیں اور ظلم اور قطع رحمی کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے کہ دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ بسند حسن)

اور ایک حدیث میں بروایت حضرت عائشہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کا وبال اپنے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے ظلم، بدعہدی اور دھوکہ فریب۔(ابن مردویہ)

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

دنیا کی زندگی کی مثال تو بس اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ زمین سے اگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں، جس سے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی آرائش حاصل کر لی اور خوب مزین ہو گئی اور اس کے رہنے والوں نے یقین کر لیا کہ بے شک وہ اس پر قادر ہیں تو رات یا دن کو اس پر ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اسے کٹی ہوئی کر دیا، جیسے وہ کل تھی ہی نہیں۔اسی طرح ہم ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں جو خوب سوچتے ہیں۔

بارش ونباتات سے قدرتی الٰہی پر دلائل کا بیان

"اِنَّمَا مَثَل" صِفَة "الْحَيَاة الدُّنْيَا كَمَاءٍ" مَطَر "اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاء فَاخْتَلَطَ بِهِ" بِسَبَبِهِ "نَبَات الْاَرْض" وَاشْتَبَكَ بَعْضه بِبَعْضٍ "مِمَّا يَاْكُل النَّاس" مِنْ الْبُرّ وَالشَّعِير وَغَيْرهمَا "وَالْاَنْعَام" مِنْ الْكَلَا "حَتّٰى اِذَا اَخَذَتْ الْاَرْض زُخْرُفهَا" بَهْجَتهَا مِنْ النَّبَات "وَازَّيَّنَتْ" بِالزَّهْرِ وَاَصْله تَزَيَّنَتْ اُبْدِلَتْ التَّاء زَايًا وَاُدْغِمَتْ فِي الزَّاي "وَظَنَّ اَهْلهَا اَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ عَلَيْهَا" مُتَمَكِّنُوْنَ مِنْ تَحْصِيل ثِمَارهَا

"اَتَاهَا اَمْرُنَا " قَضَاؤُنَا اَوْ عَذَابُنَا "لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا " اَىْ زَرْعَهَا "حَصِيدًا" كَالْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ "كَاَنْ" مُخَفَّفَةٌ اَىْ كَاَنَّهَا "لَمْ تَغْنَ " تَكُنْ "بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ " نُبَيِّنُ، الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ،

دنیا کی زندگی کی مثال تو بس اس پانی یعنی بارش کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ یعنی اس کی وجہ سے زمین سے اگنے والی چیزیں خوب مل جل گئیں، یعنی گھنی ہو جاتی ہیں۔ جس سے انسان کھاتے ہیں جس طرح گندم اور جو وغیرہ ہیں اور جانور کھاتے ہیں، جس طرح گھاس ہے۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی آرائش حاصل کرلی یعنی جب پوری بہار پر آگئی اور خوب مزین ہوگئی یہاں پر ازینت اصل میں تزینت ہے۔ اور تاء کو زاء سے بدل کر اس کو زاء میں مدغم کیا گیا ہے۔ اور اس کے رہنے والوں نے یقین کرلیا کہ بے شک وہ اس پر قادر ہیں یعنی اس کے پھل کو حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ تو رات یا دن کو اس پر ہمارا حکم یعنی فیصلہ یا عذاب آ گیا۔ تو ہم نے اسے کٹی ہوئی کر دیا، یعنی جس طرح درانتی سے کاٹی ہوئی ہو تو وہ جگہ صاف ہو جاتی ہے گویا وہ کل تھی ہی نہیں۔ یہاں پر کان مخففہ ہے یعنی اصل میں کانھا ہے۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں جو خوب سوچتے ہیں۔

دنیا کی زیب وزینت میں ڈوب جانے والوں کے لئے نصیحت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر بیٹھے اور ہم بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد تم لوگوں کے متعلق دنیا کی زیب وزینت سے ڈرتا ہوں کہ اس کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھی چیز بری چیز کو لائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو اس شخص سے کہا گیا، کیا بات ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا ہے اور حضور ﷺ تجھ سے گفتگو نہیں کرتے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے، آپ نے چہرے سے پسینہ پونچھا اور فرمایا کہ سوال کرنے والا کہاں ہے۔ گویا اس کی تعریف کی اور فرمایا: اچھی چیز بری چیز پیدا نہیں کرتی مگر موسم ربیع میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو مار ڈالتی ہے، یا تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے مگر اس جانور کو جو ہری گھاس چرے یہاں تک کہ جب دونوں کو پیٹ بھر جائیں، تو وہ آفتاب کی طرف رخ کر کے لید اور پیشاب کرے اور چرتا رہے، اسی طرح یہ مال سرسبز وشاداب اور میٹھا ہے، کیا ہی بہتر ہے مسلمان کا مال، کہ اس میں سے مسکین، یتیم اور مسافروں کو دیتا ہے، یا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس کو ناحق لیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے، جو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1408)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر جنت کی طرف بلاتا ہے

"وَاللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ" اَیْ السَّلَامَةِ وَهِیَ الْجَنَّةُ بِالدُّعَاءِ اِلَى الْاِیْمَانِ "وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ" هِدَايَتَهٗ "اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" دِيْنِ الْاِسْلَامِ،

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور وہ سلامتی کا گھر جنت ہے جس کی طرف بلانا ہی ایمان کی طرف بلانا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ یعنی دین اسلام کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ایمان کے سبب ابدی نعمتوں کے ملنے کا بیان

اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف اپنے بندوں کو بلاتا ہے جو دنیا کی طرف فانی نہیں بلکہ باقی ہے دنیا کی طرف دو دن کے لیے زینت دار نہیں بلکہ ہمیشہ کی نعمتوں اور ابدی راحتوں والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ سے کہا گیا تیری آنکھیں سو جائیں، تیرا دل جاگتا رہے اور تیرے کان سنتے رہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر فرمایا گیا ایک سردار نے ایک گھر بنایا۔ وہاں دعوت کا انتظام کیا۔ ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پس جس نے اس کی دعوت قبول کی۔ گھر میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھانا کھایا جس نے نہ قبول کی نہ اسے اپنے گھر میں آنا ملا نہ دعوت کا کھانا میسر ہوا نہ سردار اس سے خوش ہوا۔ پس اللہ سردار ہے اور گھر اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ روایت مرسل ہے۔ دوسری متصل بھی ہے۔ اس میں ہے کہ ایک دن ہمارے مجمع میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواب میں میرے پاس جبرائیل ومیکائیل آئے جبرائیل سرہانے اور میکائیل پیروں کی طرف کھڑے ہو گئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا اس کی مثال بیان کرو۔ پھر یہ مثال بیان کی۔ پس جس نے تیری دعوت قبول کی وہ اسلام میں داخل ہوا اور جو اسلام لایا وہ جنت میں پہنچا اور وہاں کھایا پیا۔ ایک حدیث میں ہے ہر دن سورج کے طلوع ہونے کے وقت اس کے دونوں جانب دو فرشتے ہوتے ہیں جو باآواز بلند انسانوں اور جنوں کے سوا سب کو سنا کر کہتے ہیں کہ لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ۔ جو کم ہو یا کافی ہو وہ بہتر ہے اس سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے۔ قرآن فرماتا ہے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن جریر، سورہ یونس، بیروت)

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
ایسے لوگوں کے لئے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے بلکہ اضافہ بھی ہے، اور نہ ان کے چہروں پر سیاہی چھائے گی
اور نہ ذلت ورسوائی، یہی اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار وجنت ہونے کا بیان

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا" بِالْاِيْمَانِ "الْحُسْنٰى" الْجَنَّةُ "وَزِيَادَةٌ" هِیَ النَّظْرُ اِلَيْهِ تَعَالٰى كَمَا فِیْ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ

"وَلَا یَرْهَق" یَغْشٰی "وُجُوههمْ قَتَر" سَوَاد "وَلَا ذِلَّة" كَآبَة، اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُوْنَ،

ایسے لوگوں کے لئے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا یعنی جنت ہے ہے بلکہ اضافہ بھی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جس طرح صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ اور نہ ان کے چہروں پر سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت ورسوائی، یہی اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

سورہ یونس آیت ۲۶ کے شانِ نزول کا بیان

ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی، الحسنی، جنت ہے اور زیادہ سے مراد اللہ رب العزت کی زیارت ہے۔ حضرت انس اور ابی بن کعب سے بھی اسی طرح کی حدیث منقول ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ یونس، لاہور)

سورہ یونس آیت ۲۶ کی تفسیر کا بیان

حضرت صہیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ، یونس:26) (جنہوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی ہے اور زیادتی بھی اور ان کے منہ پر سیاہی اور رسوائی نہیں چڑھے گی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہوں گے تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے ایک وعدہ کر رکھا ہے وہ اب اسے پورا کرنے والے ہیں وہ کہیں گے کیا اس نے ہمارے چہرے روشن کر کے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل فرما کر (اپنا وعدہ پورا نہیں کر دیا اب کونسی نعمت باقی رہ گئی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر (خالق اور مخلوق کے درمیان حائل ہونے والا) پردہ ہٹا دیا جائے گا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز عطا نہیں کی ہوگی کہ وہ اس کی طرف دیکھیں۔ یہ حدیث کئی راوی حماد بن سلمہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہی۔ سُلیمان بن مغیرہ بھی یہی حدیث ثابت سے اور وہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ انہیں کا قول نقل کرتے ہیں اور اس میں صہیب کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے کا ذکر نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1048)

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
اور جنہوں نے برائیاں کما رکھی ہیں برائی کا بدلہ اسی کی مثل ہوگا، اور ان پر ذلت ورسوائی چھا جائے گی ان کے لئے
اللہ سے کوئی بھی بچانے والا نہیں ہوگا گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں۔
یہی اہل جہنم ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

برے اعمال کرنے والوں کے چہروں کے سیاہ ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ" عَطْف عَلٰى لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا اَیْ وَلِلَّذِيْنَ "كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ" عَمِلُوا الشِّرْكَ "جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ" زَائِدَة "عَاصِمٍ" مَانِع "كَاَنَّمَا اُغْشِيَتْ" اُلْبِسَتْ "وُجُوهُهُمْ قِطَعًا" بِفَتْحِ الطَّاء جَمْع قِطْعَة وَاِسْكَانهَا اَیْ جُزْءًا،

یہاں پر والذین کا عطف 'لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا'' ہے اور جنھوں نے شریک کر کے برائیاں کمار کھی ہیں برائی کا بدلہ اسی کی مثل ہوگا، اور ان پر ذلت ورسوائی چھا جائے گی ان کے لئے اللہ سے کوئی بھی بچانے والا نہیں ہوگا، یہاں پر من زائدہ ہے گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے ہیں۔ یہاں پر قطعا طاء کی فتحہ کے ساتھ آیا ہے اور یہ جمع قطعہ کی ہے اور طاء کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی ٹکڑے ہیں، یہی اہل جہنم ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

برے اعمال کی سزا کا دنیا میں ہی مل جانے کا بیان

ابن عبداللہ نے بیان کیا کہ عبادہ بن صامت جو جنگ بدر میں شریک تھے اور شب عقبہ میں ایک نقیب تھے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری نہ کرنا اور زنا نہ کرنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ ایسا بہتان (کسی پر) باندھنا جس کو تم (دیدہ ودانستہ) بناؤ اور کسی اچھی بات میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کرنا پس جو کوئی تم میں سے (اس عہد کو) پورا کرے گا۔

تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور دنیا میں اس کی سزا اسے مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور جو ان (بری) باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ کے حوالے ہے، اگر چاہے تو اس سے درگذر کر دے اور چاہے تو اسے عذاب دے (عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ) سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شرط پر (بیعت کرلی)۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 17)

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ج
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ٥
اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے جنھوں نے شریک بنائے تھے، کہیں گے اپنی جگہ ٹھہرے رہو، تم اور
تمھارے شریک بھی، پھر ہم ان کے درمیان علیحدگی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے تم ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن بت بھی اپنے پوجنے والوں سے بیزار ہو جائیں گے

"وَ" اُذْكُرْ "يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ" اَیْ الْخَلْق "جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ" نُصِبَ بِاَلْزِمُوْا

مُقَدَّرًا "اَنْتُمْ" تَاكِيد لِلضَّمِيرِ الْمُسْتَتِرِ فِي الْفِعْلِ الْمُقَدَّرِ لِيَعْطِف عَلَيْهِ "وَشُرَكَاؤُكُمْ" اَیْ الْاَصْنَام "فَزَيَّلْنَا" مَيَّزْنَا "بَيْنَهُمْ" وَبَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا فِيْ اٰيَة "وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" "وَقَالَ" لَهُمْ "شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ" مَا نَافِيَة وَقَدَّمَ الْمَفْعُوْل لِلْفَاصِلَةِ،

اور جس دن ہم ان سب مخلوق کو اکٹھا کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے جنھوں نے شریک بنائے تھے، کہیں گے اپنی جگہ ٹھہرے رہو، یہاں پر مکانکم یہ الزموا فعل مقدر کے سبب منصوب ہے۔ اور انتم ضمیر برائے تاکید اس کی ہے جو فعل مقدر میں پوشیدہ ضمیر ہے جس پر اس کا عطف ڈالا گیا ہے۔ یعنی تمہارے شرکاء بت، تم اور تمہارے شریک بھی، پھر ہم ان کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان علیحدگی کر دیں گے جس طرح اس آیت میں آیا ہے 'وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ'' اے مجرمو آج الگ ہو جاؤ، اور ان کے شریک ان سے کہیں گے تم ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں پر ما نافیہ ہے اور فصل کے لئے مفعول مقدم ہے۔

میدان حشر میں مؤمن وکافر سب کے جمع ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں جب سورج نصف النہار پر ہو اس کے ساتھ بادل بھی نہ ہوں اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ اور جب چودہویں کے چاند کی رات آسمان پر چاند جلوہ آرا ہو اور بادل بھی نہ ہوں تو کیا چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس جس کیفیت کے ساتھ تم دنیا میں سورج یا چاند کو دیکھتے ہو اسی کیفیت کے ساتھ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ وہ گروہ اس کی پیروی کرے جس کی پیروی وہ دنیا میں کرتا تھا اس اعلان کے بعد جتنے لوگ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا بتوں وغیرہ کو پوجتے تھے سب جہنم میں جا گریں گے اور صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جو لوگ صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے چاہے وہ نیک ہوں یا برے اور کچھ لوگ اہل کتاب میں سے بھی باقی بچ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے چاہے وہ نیک ہوں یا برے پھر یہودیوں کو بلا کر ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں اللہ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اللہ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ ہی کوئی بیٹا، اب تم کیا چاہتے ہو! وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم پیاسے ہیں ہمیں پانی پلا دیں پھر انہیں اشارے سے کہا جائے گا کہ تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے پھر انہیں دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا وہ جہنم سراب (پانی کی جگہ) کی طرح دکھائی دے گی پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے پھر ان سے کہا جائے گا

کہ تم جھوٹ کہتے ہو اللہ تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے پھر ان سے کہا جائے گا اب تم کیا چاہتے ہو! وہ کہیں گے کہ ہم بہت پیاسے ہیں ہمیں پانی پلا دیان سے اشارے سے کہا جائے گا تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے پھر انہیں دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا وہ دوزخ انہیں سراب کی طرح دکھائی دے گا پھر وہ دوزخ میں جا گریں گے یہاں تک کہ وہ لوگ بچ جائیں گے جو دنیا میں صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے چاہے وہ نیک ہوں یا برے پھر ان کے پاس اللہ تعالیٰ ایک ایسی عورت بھیجیں گے جس عورت کو وہ دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے پہچانتے ہوں گے دنیا میں ان کو دیکھا ہوگا بحیثیت مخلوق کے نہ کہ معبود کے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب تم کس چیز کا انتظار کرتے ہو ہر گروہ اپنے معبود (دنیا میں جس جس کی عبادت یا جس جس کی پیروی کرتے تھے) کے ساتھ چلا گیا ہے وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم دنیا میں ان لوگوں سے علیحدہ رہے حالانکہ ہم ان کے سب سے زیادہ محتاج تھے اور ہم ان لوگوں کے ساتھ بھی نہیں رہے اس عورت سے آواز آئے گی کہ میں تمہارا رب ہوں وہ کہیں گے کہ ہم تم سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے وہ دو یا تین مرتبہ کہیں گے یہاں تک کہ ان کے دل ڈگمگانے لگیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ایسی نشانی ہے جس سے اپنے اللہ کو پہچان لو وہ کہیں گے ہاں پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائیں گے اس منظر کو دیکھ کر جو آدمی بھی دنیا میں صرف اللہ کے خوف اور اس کی رضا کے لئے سجدہ کرتا تھا اسے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور جو آدمی کسی دنیوی خوف یا دکھلاوے کے لئے دنیا میں سجدہ کرتا تھا اسے سجدہ کی اجازت نہیں دی جائے گی اس کی پشت ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی اور جب بھی سجدہ کرنا چاہے گا اپنی پشت کے بل گر جائے گا پھر مسلمان اپنا سر سجدہ سے اٹھائیں گے اور اللہ اس صورت میں ہوں گے جس صورت میں انہوں نے پہلی مرتبہ اسے دیکھا ہوگا اللہ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں مسلمان کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے پھر جہنم پر پل صراط بچھایا جائے گا اور شفاعت کی اجازت دی جائے گی اس وقت سب کہیں گے اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ (اے اللہ سلامتی فرما اے اللہ سلامتی فرما) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک ایسی چیز جس میں پھسلن ہوگی اور اس میں دانے دار کانٹے ہوں گے وہ لوہے کے کانٹے ہوں گے وہ لوہے کے کانٹے سعدان جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے بعض مسلمان اس پل سے پلک جھپکتے میں گزر جائیں گے بعض بجلی کی طرح بعض آندھی کی طرح بعض پرندوں کی طرح بعض تیز رفتار اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح یہ سب صحیح سلامت پل صراط سے گزر جائیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے وہاں سے گزریں گے اور بعض کانٹوں سے زخمی ہو کر دوزخ میں گر پڑیں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو جو دوزخ میں گرے پڑے ہوں گے ان کو چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح جھگڑیں جس طرح کہ کوئی اپنا حق مانگنے کے لئے بھی نہیں جھگڑتا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے ہمارے رب یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے ہمارے ساتھ حج کرتے تھے ان سے کہا جائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو ان لوگوں پر دوزخ حرام کر دی جائے گی پھر جنتی مسلمان بہت سی تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکلوا

لائیں گے جن میں سے بعض کی آدھی پنڈلیوں کو اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا ہوگا پھر جنتی لوگ کہیں گے اے اللہ اب ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں بچا جن کو دوزخ سے نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی کوئی بھلائی ہے اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ پھر جنتی لوگ بہت سی تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ جن لوگوں کو تو نے ہمیں دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا پھر اللہ فرمائیں گے جاؤ جس کے دل میں آدھے دینار کے برابر بھی اگر کوئی بھلائی ہے اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ جنتی لوگ پھر جائیں گے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ جن لوگوں کو تو نے ہمیں دوزخ سے نکالنے کو حکم دیا تھا ہم نے ان میں کسی کو نہیں چھوڑا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس کے دل میں تم ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی بھلائی پاؤ اسے بھی دوزخ سے نکال لاؤ جنتی لوگ پھر جائیں گے اور دوزخ سے بہت بڑی تعداد میں اللہ کی مخلوق کو نکال لائیں گے پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے اے اللہ اب دوزخ میں بھلائی کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھے اس حدیث میں سچا نہ سمجھو تو یہ آیت پڑھ لو (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا، النساء:40) اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائیں گے اور جو نیکی ہوگی اسے دوگنا فرمائیں گے اور اپنے پاس سے بہت سا ثواب عطا فرمائیں گے اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے شفاعت کر دی انبیاء علیہ السلام نے شفاعت فرما دی مومنوں نے شفاعت کر دی اور اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن کے علاوہ کوئی ذات بھی باقی نہ رہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر آدمیوں کو جہنم سے نکالیں گے یہ وہ آدمی ہوں گے جنہوں نے کوئی بھلائی نہیں کی ہوگی اور یہ لوگ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایک نہر میں ڈالیں گے جو جنت کے دروازوں پر ہوگی جس کا نام نہر الحیاۃ ہے اس میں اتنی جلدی تر و تازہ ہوں گے جس طرح کہ دانہ پانی کے بہاؤ میں کوڑے کچرے کی جگہ اگ آتا ہے تم دیکھتے ہو کبھی وہ دانہ پتھر کے پاس ہوتا ہے اور کبھی درخت کے پاس اور جو سورج کے رخ پر ہوتا ہے وہ زرد یا سبز اگتا ہے اور جو سائے میں ہوتا ہے وہ سفید رہتا ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے بیان فرما رہے ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگل میں جانوروں کو چراتے رہے ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اس نہر سے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نکلتے ہوں گے اور ان کی گردنوں میں سونے کے پٹے پڑے ہوئے ہوں گے جن کی وجہ سے جنت والے ان کو پہچان لیں گے اور ان کے بارے میں کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی عمل کے دوزخ سے آزاد فرمایا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے جنت میں داخل ہو جاؤ اور تم جس چیز کو بھی دیکھو گے وہ چیز تمہاری ہو جائے گی وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو جہاں والوں میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہارے لئے میرے پاس اس سے افضل چیز ہے وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار وہ کونسی چیز ہے؟ جو اس سے بھی افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ افضل چیز ہے میری رضا۔ اب آج کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 454)

حدیث میں ہے ہر امت کو حکم ہوگا کہ اپنے اپنے معبودوں کے پیچھے چل کھڑی ہو جائے۔ سورج پرست سب سورج کے پیچھے ہوں گے، چاند پرست چاند کے پیچھے، بت پرست بتوں کے پیچھے۔ سارے کے سارے حق تعالٰی مولائے برحق کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام کاموں کے فیصلے اس کے ہاتھ ہوں گے۔ اپنے فضل سے نیکوں کو جنت میں اور اپنے عدل سے بدوں کو جہنم میں لے جائے گا۔ مشرکوں کی ساری افرا پردازیاں رکھی کی رکھی رہ جائیں گی، بھرم کھل جائیں گے، پردے اٹھ جائیں گے۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ۝
پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے کہ ہم تمہاری پرستش سے بے خبر تھے۔

بتوں اور مشرکین کے درمیان اللہ کی گواہی کے کافی ہونے کا بیان

"فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ" مُخَفَّفَة اَیْ اِنَّا، كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِيْنَ،

پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ یہاں پر ان مخففہ ہے یعنی انا کہ ہم تمہاری پرستش سے بے خبر تھے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝
اس مقام پر ہر شخص ان کو جانچ لے گا جو اس نے آگے بھیجے تھے اور وہ اللہ کی جانب لوٹائے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے
اور ان سے وہ بہتان تراشی جاتی رہے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

آخرت میں اعمال کے بدلے میں جزاء وسزا ہونے کا بیان

"هُنَالِكَ" اَیْ ذٰلِكَ الْيَوْم "تَبْلُو" مِنَ الْبَلْوٰى وَفِىْ قِرَاءَة بِتَاءَيْنِ مِنَ التِّلَاوَة "كُلّ نَفْس مَا اَسْلَفَتْ" قَدَّمَتْ مِنَ الْعَمَل "وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰه مَوْلَاهُمُ الْحَقّ" الثَّابِت الدَّائِم "وَضَلَّ" غَابَ "عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ" عَلَيْهِ مِنَ الشُّرَكَاء،

اس مقام پر ہر شخص ان کو جانچ لے گا یہاں لفظ تبلو یہ بلویٰ سے ہے یعنی آزمالیا ہے۔ اور ایک قرأت میں یہ دوتاؤں کے ساتھ آیا ہے۔ جو اس نے آگے بھیجے تھے اور وہ اللہ کی جانب لوٹائے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے یعنی ہمیشہ قائم ہے۔ اور ان سے وہ بہتان تراشی جاتی رہے گی جو وہ شرکاء کے لئے کیا کرتے تھے۔

محشر میں ہر شخص اپنے اپنے کیے ہوئے اعمال کو آزمالے گا کہ وہ نفع بخش تھے یا نقصان رسان، اور سب کے سب اپنے معبود حق کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے، اور سارے بھروسے اور سہارے جو دنیا میں انسان ڈھونڈتا ہے ختم کر دیئے جائیں گے، اور مشرکین جن بتوں کو اپنا مددگار اور سفارشی سمجھا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے۔

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

فرمادیں کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے "اللہ" تو کہہ پھر کیا تم ڈرتے نہیں؟

موت وحیات اور عطائے رزق کے سبب قدرت الٰہی پر دلائل کا بیان

"قُلْ" لَھُمْ "مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاء" بِالْمَطَرِ "وَالْاَرْض" بِالنَّبَاتِ "اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْع" بِمَعْنٰی الْاَسْمَاع اَیْ خَلْقھَا "وَالْاَبْصَار وَمَنْ یُّخْرِج الْحَیّ مِنْ الْمَیِّت وَیُخْرِج الْمَیِّت مِنْ الْحَیّ وَمَنْ یُّدَبِّر الْاَمْر" بَیْن الْخَلَائِق "فَسَیَقُوْلُوْنَ" ھُوَ "اللّٰه فَقُلْ" لَھُمْ "اَفَلَا تَتَّقُوْنَ" ـہٗ فَتُؤْمِنُوْنَ،

آپ ان سے فرمادیں کون ہے جو تمھیں بارش کے ذریعے آسمان اور نباتات کے ذریعے زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں کی تخلیق کا مالک ہو یہاں پر سمع بہ معنی اسماع ہے۔ یعنی اس نے پیدا کیا اور آنکھوں کا مالک ہے یعنی بصارت کا خالق کون ہے؟ یعنی ان چیزوں کی تخلیق کا مالک ہے۔ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو مخلوق کے درمیان ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو ضرور کہیں گے "اللہ" تو آپ ان سے فرمادیں کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ تاکہ تم ایمان لاؤ۔

اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہونے کا بیان

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا کہ میرے بعض بندے صبح ایمان پر اور بعض کفر پر کرتے ہیں جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوتی ہے۔ تو یہ مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے ہم پر بارش ہوتی ہے تو وہ میرا انکار کرنے والے اور ستارے پر ایمان لانے والے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 233)

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝

پس یہی اللہ ہی تو تمہارا سچا رب ہے، پس حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے، سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو۔

ایمان پر دلیل قائم ہو جانے کے باوجود اس سے پھر جانے کا بیان

"فَذٰلِكُمْ" الْفَاعِل لِهٰذِهِ الْاَشْيَاء "اللّٰه رَبّكُمْ الْحَقّ" الثَّابِت "فَمَاذَا بَعْد الْحَقّ اِلَّا الضَّلَال" اِسْتِفْهَام تَقْرِير اَيْ لَيْسَ بَعْده غَيْره فَمَنْ اَخْطَاَ الْحَقّ وَهُوَ عِبَادَة اللّٰه وَقَعَ فِي الضَّلَال "فَاَنّٰى" كَيْفَ "تُصْرَفُوْنَ" عَنْ الْاِيْمَان مَعَ قِيَام الْبُرْهَان،

پس یہی اللہ ہی تو تمہارا سچا رب ہے، یعنی ان چیزوں کا حقیقی فاعل ہے۔ پس حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے، یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی غلطی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا حق یہی ہے اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور جو اس سے پھر گیا وہ گمراہی میں واقع ہو گیا ہے۔ لہٰذا تم ایمان پر دلیل قائم ہو جانے کے باوجود کہاں پھرے جا رہے ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الحق ۔ ربکم کی صفت ہے۔ ماذا۔ ما استفہامیہ ہے اور ذا بمعنی الذی۔ یعنی کیا ہے۔ کون ہے۔ فما ذو بعد الحق الا الضلال۔ کیا ہے حق کے بعد سوائے گمراہی کے۔ فانی تصرفون۔ انی اسم ظرف ہے۔

(1) جب ظرف زمان ہو تو بمعنی متی۔ جب۔ جس وقت۔ (2) اگر ظرف مکان ہو تو بمعنی این۔ جہاں۔ کہاں۔ ہوتا ہے۔ (3) اگر استفہامیہ ہو تو بمعنی کیف۔ کیسے۔ کیونکر۔ ہوتا ہے۔

آیت ہذا میں 2 اور 3 ہر دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی تم کدھر بھٹکائے جا رہے ہو۔ یا تم کیسے بھٹکائے جا رہے ہو۔ تصرفون۔ مضارع مجہول جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے تم پھیرے جاتے ہو۔ تمہیں پھیر دیا جا رہا ہے۔ صرف۔ سے بمعنی پھرنا۔ اس سے تصریف پھیرنا۔ بدلنا۔ (باب تفعیل سے)۔

ایمان کے بعد گمراہی کی طرف نہ آنے کا بیان

حضرت انس روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو"۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 7)

مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرمایا کہ جب اصل خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہیے، جو خالق کل، مالک الملک، رب مطلق اور تصرف علی الاطلاق ہو۔ اس کا اقرار کر کے کہاں الٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ○

اسی طرح آپ کے رب کا حکم نافرمانوں پر ثابت ہوکر رہا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ایمان نہ لانے والوں سے جہنم کو بھر دینے کا بیان

"كَذٰلِكَ" كَمَا صَرَفَ هٰؤُلَاءِ عَنِ الْاِيْمَان "حَقَّتْ كَلِمَة رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوا " كَفَرُوْا وَهِيَ "لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّم" الْاٰيَة اَوْ هِيَ "اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ"

اسی طرح آپ کے رب کا حکم نافرمانوں پر ثابت ہوکر رہا یعنی جس طرح وہ ایمان سے پھر گئے ہیں۔ اورانہوں کفر کیا تو جہنم کو ان سے بھر دیا جائے گا یا وہ ایسے ہیں جو ایمان نہ لائیں گے۔

کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے کم تر ہو۔ اس طرح یہ شان بھی مومن کامل ہی کی ہوسکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔ ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر وشرک سے اس درجہ بیزاری ونفرت رکھنا کہ اس کے تصور وخیال کی گندگی سے بھی دل پاک وصاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء وانعام کا مستحق تو وہی آدمی ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ○

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اول بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے، تم فرماؤ اللہ اوّل بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا تو کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔

تخلیق مخلوق پر عدم قدرت کے سبب دلیل معبود کے معدوم ہونے کا بیان

"قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأ الْخَلْق ثُمَّ يُعِيدهُ قُلْ اللّٰه يَبْدَأ الْخَلْق ثُمَّ يُعِيدهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ" تُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَته مَعَ قِيَام الدَّلِيل،

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اول بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے، تم فرماؤ اللہ اوّل بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عبادت پر دلیل قائم ہوجانے کے باوجود تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔

مخلوق کی تخلیق کا بیان

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی اونٹنی کو دروازہ پر باندھ کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنوتمیم کے کچھ لوگ آئے آپ نے فرمایا بشارت قبول کروائے بنوتمیم! انہوں نے دومرتبہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بشارت تو دی ہے اب کچھ عطا بھی تو فرمایئے پھر یمن کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اہل یمن بشارت قبول کرو کیونکہ بنی تمیم نے تو اسے رد کردیا ہے انہوں نے کہا یارسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے قبول کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس امر (دین) کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ابتداء میں) اللہ تعالیٰ کا وجود تھا اور کوئی چیز موجود نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے ہر ہونے والی چیز کو لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا۔

اور اس نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے اتنی ہی بات سنی) کہ ایک منادی نے آواز دی کہ اے ابن حصین! تیری اونٹنی بھاگ گئی میں (اٹھ کر) چلا تو وہ اتنی دور چلی گئی تھی کہ سراب بیچ میں حائل ہوگیا بس اللہ کی قسم! میں نے تمنا کی کہ میں اسے چھوڑ دیتا عیسیٰ، رقبہ، قیس بن مسلم، طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کی بابت ہمیں بتلایا حتیٰ کہ (یہ بھی بتلایا کہ) جنتی اپنی منزلوں اور دوزخی اپنی جگہوں میں داخل ہوگئے اس بات کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 451)

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِىْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِىْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِىْٓ
اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّىْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝
تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے، تم فرماؤ کہ اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے، تو کیا جو حق کی راہ دکھائے
اس کے حکم پر چلنا چاہیے یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے، تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔

بتوں وغیرہ کے لئے حق عبادت نہ ہونے کا بیان

"قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي اِلَى الْحَقّ" بِنَصْبِ الْحُجَج وَخَلْق الِاهْتِدَاء "قُلْ اللّٰه يَهْدِي لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَهْدِي اِلَى الْحَقّ" وَهُوَ اللّٰه "اَحَقّ اَنْ يُتَّبَع اَمَّنْ لَا يَهِدِّي" يَهْتَدِي "اِلَّا اَنْ يُهْدَى" اَحَقّ اَنْ يُتَّبَع ؟ اِسْتِفْهَام تَقْرِير وَتَوْبِيخ اَيْ الْاَوَّل اَحَقّ "فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ" هٰذَا الْحُكْم الْفَاسِد مِنْ اِتِّبَاع مَا لَا يَحِقّ اِتِّبَاعه،

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے، جبکہ حق پر دلائل اور تخلیق کے دلائل قائم ہو چکے ہیں۔ تم فرماؤ

کہ اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے، تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہیے اور وہ اللہ ہے یا اس کی اتباع جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا جائے، یہ استفہام تقریر و توبیخ کے لئے آیا ہے جبکہ پہلا حق ہے۔ تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔ یعنی جو اتباع کے حقدار نہیں ہیں ان کی اتباع جب فاسد ہو چکی ہے۔ یعنی اس کے بعد حق کو تسلیم نہ کرنے کا حکم کیسا عجیب جاہلانہ حکم ہے۔

قیامت کے دن مشرکین کا اپنے جھوٹے معبودوں کے ساتھ آنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے آپ نے فرمایا کہ تمہیں آفتاب دیکھنے سے نقصان پہنچتا ہے جبکہ اس پر بادل نہ ہوں لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں چاند دیکھنے سے لیلۃ القدر میں تکلیف ہوتی ہے جبکہ اس پر بادل نہ ہوں لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اسی طرح دیکھو گے اللہ لوگوں کو جمع کرے گا اور فرمائے گا کہ جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا اس کے ساتھ ہو جائے چنانچہ سورج کی عبادت کرنے والا سورج کے ساتھ اور چاند کی عبادت کرنے والا چاند کے ساتھ اور بتوں کی عبادت کرنے والا بتوں کے ساتھ اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں اس امت کے منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس کے علاوہ صورت میں آئے گا جس میں وہ جانتے تھے پھر اللہ فرمائے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہم اسی جگہ رہیں گے جب تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہ آئے گا۔ جب ہمارا پروردگار آئے گا تو ہم لوگ اس کو پہچان لیں گے پھر اللہ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس میں وہ جانتے تھے اور کہے گا میں تمہارا پروردگار ہوں وہ لوگ کہیں گے کہ تو ہمارا پروردگار ہے اور وہ لوگ اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور جہنم کا پل قائم کیا جائے گا سب سے پہلے میں گزروں گا اور تمام رسولوں کی دعا اس دن اللھم سلم سلم ہوگی اور اس کے ساتھ سعدان کے کانٹے کی طرح کانٹے ہوں گے کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھیں ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا کہ وہ سعدان کے کانٹے کی طرح ہوں گے مگر اس کی بڑائی کی مقدار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ کانٹے ان کو ان کے اعمال کے موافق اچک لیں گے ان میں سے بعض اپنے عمل کے باعث ہلاک ہونے والے ہوں گے اور بعض کے اعمال رائی کے برابر ہوں گے وہ نجات پائے گا یہاں تک کہ جب اللہ اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا اور لا الہ اللہ کی شہادت دینے والوں میں سے جس شخص کو نکالنا چاہے گا فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کو جہنم سے نکالیں، فرشتے اس کو سجدے کے نشانات کے باعث پہچان لیں گے اور اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہے کہ وہ مسلمان کے سجدے کے نشان کو کھائے۔ چنانچہ فرشتے ان کو نکال لیں گے اس حال میں کہ وہ کوئلہ کی طرح ہوں گے پھر ان پر پانی بہایا جائے گا جسے ماء الحیات کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح تر وتازہ ہو جائیں گے کہ جس طرح کہ دریا کے کنارے کوڑے کرکٹ میں دانہ لگتا ہے ایک شخص دوزخ کی طرف رخ کر کے کھڑا رہ جائے گا اور عرض کرے گا کہ اے پروردگار اس کی ہوا نے جھلسا دیا ہے اور اس کی چمک نے جلا دیا ہے اس لئے میرا چہرہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے پس وہ اللہ سے دعا کرتا رہے گا اللہ فرمائے گا کہ اگر میں تم کو یہ دیدوں تو مجھے امید ہے

کہ تو اس کے علاوہ بھی مانگے گا وہ عرض کرے گا کہ تیری عزت کی قسم میں اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگوں گا چنانچہ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا پھر اس کے بعد عرض کرے گا کہ اے رب مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا اللہ فرمائیں گے کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے علاوہ مجھ سے کچھ نہیں مانگے گا۔

اے آدم تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے عہد شکنی کی وہ اسی طرح دعا کرتا رہے گا اللہ فرمائے گا کہ مجھے امید ہے کہ اگر میں تجھ کو یہ دیدوں تو اس کے علاوہ تو مجھ سے سوال نہ کرے گا وہ شخص عرض کرے گا کہ تیری عزت کی قسم اب اس کے علاوہ میں تجھ سے کوئی سوال نہ کروں گا پھر اللہ سے عہد و پیمان باندھے گا کہ اس کے سوا کچھ نہیں سوال کرے گا پس اللہ اس کو جنت کے دروازے کے قریب کردے گا پس جب اس چیز کو دیکھے گا جو جنت میں ہے تو جب تک اللہ چاہے گا وہ خاموش رہے گا پھر عرض کیا یا رب مجھے جنت میں داخل کردے۔ پھر اللہ فرمائیں گے کہ تو نے نہیں کہا تھا کہ اب اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگوں گا افسوس اے ابن آدم۔ تو نے وعدہ خلاف کیا وہ عرض کرے یا رب مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت نہ بنا۔ وہ اسی طرح دعا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہنسے گا جب اللہ ہنسے گا تو جنت میں داخل کردے گا۔

جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اللہ فرمائیں گے کہ اپنی آرزو بیان کر چنانچہ وہ آرزو بیان کرے گا یہاں تک کہ اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائے گا تو اللہ اس سے فرمائے گا کہ یہ تیری آرزو ہے اور اتنا ہی اور بھی۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ یہ مرد جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والوں میں ہوگا۔ عطاء کا بیان ہے کہ ابو سعید خدری ابو ہریرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حدیث میں کوئی اختلاف نہیں کیا، یہاں تک کہ جب ھذا لک ومثلہ معہ تک پہنچے تو ابو سعید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ھذا وعشر امثالہ۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے مثلہ معہ کو یاد رکھا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1517)

دنیا میں انبیائے کرام کی بعثت کے مقاصد کا بیان

اس دنیا میں پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصد روئے زمین پر حقیقی شہنشاہ اور حاکم مطلق (اللہ تعالیٰ) کی حاکمیت کا نفاذ کرنا ہوتا ہے، پیغمبر کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دین و شریعت کی صورت میں حاکمیت الٰہ کا جو مشن لے کر آیا ہے اس کو ہر ممکن جدوجہد کے ذریعہ پھیلائے لوگوں کو اپنے دین کے دائرہ میں لانے کی پوری پوری کوشش کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کی جدوجہد اور سعی کے نتیجہ میں جو معاشرہ بن گیا ہے اس پر دنیا کے کسی غیر دینی روایت وقانون اور کسی آدمی وگروہی بالادستی کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے بلکہ صرف خدائی حکمرانی یعنی دین وشریعت کی حکومت قائم ہو اور پھر کسی کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ وہ دین وشریعت کا دشمن و مخالف اور باغی بن کر اس معاشرہ (اسلامی ریاست) میں رہ سکے جو لوگ بغاوت وسرکشی اختیار کریں اور خدائی حکمرانوں کے تحت آنے سے منکر ہوں ان کے خلاف وہی کاروائی کی جائے جو کسی بھی معاشرہ میں آئین وحکومت کے باغیوں کے خلاف ہوتی ہے، اسی حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدائی حکمرانی باغیوں اور دین وشریعت کے دشمنوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ اپنی سرکشی اور دشمنی کو ترک کر کے

ہماری معاشرہ یعنی (اسلامی ریاست) میں رہنے کے حقوق حاصل نہ کرلیں اور انہیں یہ حقوق ملنے کی ایک تو یہی صورت ہے کہ وہ کفر وسرکشی کے بجائے ایمان واسلام اختیار کرلیں یعنی صدق دل سے اس بات کا اقرار اور زبان سے اظہار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، پھر اپنے عمل سے ثابت کریں کہ ان کا یہ اقرار اور زبان سے اظہار مخلصانہ ہے (یعنی اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کی پیروی کریں) خصوصاً پابندی سے نماز پڑھیں، زکوۃ ادا کریں اور دوسرے فرائض پر عمل کریں۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢبِمَا يَفْعَلُوْنَ ○
ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، بیشک گمان حق سے معمولی سا بھی بے نیاز نہیں کرسکتا،
یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

آباؤ واجداد کی تقلید میں بتوں کی پوجا کرنے والوں کا بیان

"وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ" فِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ "اِلَّا ظَنًّا" حَيْثُ قَلَّدُوْا فِيْهِ اٰبَاءَ هُمْ "اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا" فِيْمَا الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ الْعِلْمُ "اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ" فَيُجَازِيْهِمْ عَلَيْهِ،

ان میں سے اکثر لوگ بتوں کی عبادت کر کے صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہیں بیشک گمان حق سے معمولی سا بھی بے نیاز نہیں کرسکتا، کیونکہ اس میں علم مطلوب ہوتا ہے یقیناً اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ پس اس پر وہ ان کو جزاء دے گا۔

لوگوں کا آباؤ اجداد کے دین شرک میں چلے جانے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شب وروز کا سلسلہ اس وقت ختم نہیں ہوگا (یعنی یہ دنیا اس وقت تک فنا کے گھاٹ نہیں اترے گی اور قیامت نہیں آئے گی جب تک لات وعزی کی پوجا نہ کی جانے لگے گی (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ) ،الصف:9) تو چونکہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مذاہب باطل میں مذہب اسلام سچا اور غالب ہے اور کم سے کم عرب میں بت پرستی کا رواج ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا، اس لئے یقین کی حد تک) میرا خیال تھا کہ بت پرستی کا خاتمہ ہونے والا ہے (اور یہ کہ آئندہ کبھی بت پرستی نہیں ہوگی، لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر دے رہے ہیں ؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درحقیقت ایسا ہی ہوگا (یعنی اسلام کی روشنی غالب رہے گی اور کفر وشرک کا چراغ گل رہے گا مگر اس وقت تک کے لئے) جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا (چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کو یوں واضح فرمایا ہے کہ) پھر اللہ تعالیٰ

ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جس کے ذریعہ ہر وہ شخص مرجائے گا۔

جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اور (دنیا میں) صرف وہی شخص باقی بچے گا جس میں کوئی نیکی نہیں ہوگی (یعنی اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی شخص باقی نہیں بچے گا جس میں ایمان واسلام ہو جو قرآن پڑھنے والا، نماز، روزہ، حج اور دوسرے ارکان اسلام ادا کرنے والا ہو اور علم دین کا حامل ہو) پس تمام لوگ اپنے آباء واجداد کے دین یعنی کفر وشرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 90)

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰـكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں
جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔

قرآن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کا بیان

"وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰن اَنْ يُّفْتَرٰى" اَىْ افْتِرَاء "مِنْ دُوْنِ اللّٰه" اَىْ غَيْره "وَلٰكِنْ" اُنْزِلَ "تَصْدِيق الَّذِىْ بَيْن يَدَيْهِ" مِنْ الْكُتُب "وَتَفْصِيل الْكِتَاب" تَبْيِين مَا كَتَبَهُ اللّٰه مِنَ الْاَحْكَام وَغَيْرهَا "لَا رَيْب" شَكّ "فِيْهِ مِنْ رَبّ الْعَالَمِيْنَ" مُتَعَلِّق بِتَصْدِيقِ اَوْ بِاُنْزِلَ الْمَحْذُوْف وَقُرِءَ بِرَفْعِ تَصْدِيق وَتَفْصِيل بِتَقْدِيرِ هُوَ،

اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اللہ کے سوا اس کو اپنی طرف سے گھڑ کر بنائے۔ لیکن اس کو نازل کیا گیا کہ وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور سب کی تفصیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام وغیرہ فرض کیے ہیں ان کا بیان ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ یہاں پر "مِنْ رَبِّ الْعَالَمِيْن" یہ تصدیق یا انزل محذوف کے متعلق ہے۔ اور ایک قرأت میں تصدیق رفع کے ساتھ ھو کی تقدیر کے ساتھ آیا ہے۔

قرآن مجید کے اعجاز کا بیان

قرآن صرف اس لحاظ سے ہی معجزہ نہیں کہ اس میں فصاحت و بلاغت بے مثل ہے روانی اور سلاست ہے زبان میں شیرینی ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی بے مثل ہے کہ اس میں پوری انسانیت کی رہنمائی کے لئے جو جامع اور ہمہ گیر ہدایات دی گئی ہیں وہ اللہ کے سوا کوئی دے ہی نہیں سکتا اور اس لحاظ سے بھی بے مثل ہے کہ اس کی آیات میں جتنا بھی غور کیا جائے، نئے سے نئے مفہوم ومعانی سامنے آتے چلے جاتے ہیں نیز اس لحاظ سے بھی کہ اس میں پیش کردہ دلائل انتہائی سادہ اور عام فہم ہیں جن سے سب لوگ فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ اور یہ صفات صرف اللہ کے کلام میں ہی پائی جاسکتی ہیں جس طرح کوئی انسان اللہ کے بنائے ہوئے چاند سورج

جیسا چاند سورج، اس کی بنائی ہوئی زمین جیسی زمین اور آسمان جیسا آسمان نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح کوئی انسان اللہ کے کلام جیسا کلام بھی پیش نہیں کر سکتا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے آپ نے خود گھڑ لیا ہے، آپ فرما دیجئے: پھر تم اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ، اللہ کے سوا
جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

فصاحت و بلاغت میں قرآن مجید کے اعجاز کا بیان

"اَمْ" بَلْ "يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ" اخْتَلَقَهُ مُحَمَّد "قُلْ فَاْتُوا بِسُوْرَةٍ مِثْلِه "فِي الْفَصَاحَة وَالْبَلَاغَة عَلٰى وَجْه الِافْتِرَاء فَاِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاء مِثْلِيْ "وَادْعُوَا" لِلْاِعَانَةِ عَلَيْهِ "مَنْ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْن اللّٰه" اَيْ غَيْره "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِيْ اَنَّهُ افْتِرَاء فَلَمْ تَقْدِرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ،

کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے آپ یعنی حضرت محمد ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے، آپ فرما دیجئے پھر تم فصاحت و بلاغت میں اس کی مثل کوئی سورت لے آؤ، کیونکہ تم اہل عرب ہو تم میں بڑے فصحاء ہیں تم ان کو بھی مدد کے لئے بلا لو اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم اس کے دعویٰ افتراء میں سچے ہو۔ پس تم کی اس طاقت نہیں رکھتے ہو۔

قرآن مجید کی اعجازی صفات کا بیان

قرآن کریم کے اعجاز کا اور قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا بیان ہو رہا ہے کہ کوئی اس کا بدل اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس جیسا قرآن بلکہ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی کسی کے بس کی نہیں۔ یہ بے مثل قرآن بے مثل اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت، اس کی وجاہت و حلاوت، اس کے معنوں کی بلندی، اس کے مضامین کی عمدگی بالکل بے نظیر چیز ہے۔ اور یہی دلیل ہے اس کی کہ یہ قرآن اس اللہ کی طرف سے ہے جس کی ذات بے مثل صفتیں بے مثل، جس کے اقوال بے مثل، جس کے افعال بے مثل، جس کا کلام اس چیز سے عالی اور بلند کہ مخلوق کا کلام اس کے مشابہ ہو سکے۔ یہ کلام تو رب العالمین کا ہی کلام ہے، نہ کوئی اور اسے بنا سکے، نہ یہ کسی اور کا بنایا ہوا۔ یہ تو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، ان پر نگہبانی کرتا ہے، ان کا اظہار کرتا ہے، ان میں جو تحریف تبدیل تاویل ہوئی ہے اسے بے حجاب کرتا ہے، حلال و حرام جائز و ناجائز غرض کل امور شرع کا شافی اور پورا بیان فرماتا ہے۔ پس اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں اگلی خبریں ہیں اس میں آنے والی پیش گوئیاں ہیں اور آنے والی خبریں ہیں۔ سب جھگڑوں کے فیصلے ہیں سب احکام کے حکم ہیں۔ اگر تمہیں اس کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے۔ تو اسے گھڑا ہوا سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کہہ لیا ہے تو جاؤ تم سب مل کر ایک ہی سورۃ اس جیسی بنا لاؤ اور کل انسان اور جنوں سے مدد بھی لے لو۔ یہ تیسرا مقام ہے جہاں کفار کو مقابلے پر بلا کر عاجز کیا گیا

ہے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہوں تو اس کے مقابلے میں اسی جیسا کلام پیش کریں۔لیکن یہ ہے ناممکن یہ خبر بھی ساتھ ہی دے دی تھی کہ انسان و جنات سب جمع ہو جائیں ایک دوسرے کا ساتھ دیں لیکن اس قرآن جیسا بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔اس پورے قرآن کے مقابلہ سے جب وہ عاجز ولاچار ثابت ہو چکے تو ان سے مطالبہ ہوا کہ اس جیسی صرف دس سورتیں ہی بنا کر لاؤ۔سورہ ہود کے شروع کی (قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ -11 ھود:13) میں یہ فرمان ہے۔جب یہ بھی ان سے نہ ہو سکا تو اور آسانی کر دی گئی اور سورہ بقرہ میں جو مدنی ہے فرمایا کہ اچھا ایک ہی سورت اس جیسی بنا کر پیش کرو۔۔وہاں بھی ساتھ ہی فرمایا کہ نہ یہ تمہارے بس کی بات ہے نہ ساری مخلوق کے بس کی بات۔ پس اس الہامی کتاب کو جھٹلا کر عذاب الٰہی مول نہ لو۔اس وقت کلام کی فصاحت وبلاغت پر پورا زور تھا۔

عرب اپنے مقابلے میں سارے جہاں کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔اپنی زبان پر بڑا گھمنڈ تھا،اس لیے اللہ تعالیٰ نے وہ قرآن اتارا کہ سب سے پہلے انہیں شاعروں اور زبان دانوں اور عالموں کی گردنیں اس کے سامنے خم ہوئیں جیسے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے نے کہ مردوں کو بحکم الٰہی جلا دینا۔مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بحکم رب شفا دے دینا،دُنیا کے سب سے پہلے معالجوں اور اطباء کو اللہ کی راہ پر لا کھڑا کر دیا۔کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ کام دوا کا نہیں اللہ کا ہے۔جادوگروں نے سانپ کو جو حضرت موسیٰ کی لکڑی تھی دیکھتے ہی آپ کی نبوت کا یقین کر لیا اور عاجز ودرماندہ ہو گئے۔اسی طرح اس قرآن نے فصیح وبلیغ لوگوں کی زبانیں بند کر دیں۔ان کے دلوں میں یقین آ گیا کہ بیشک یہ کلام انسان کا کلام نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نبیوں کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ ان کی وجہ سے لوگ ان پر ایمان لائے۔

میرا ایسا معجزہ قرآن ہے پس مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت ان کے بہت ہی زیادہ ہوں گے۔یہ (کافر) لوگ بغیر سوچے سمجھے،بغیر علم حاصل کئے اسے جھٹلانے لگے۔اب تک تو اس کے مصداق اور حقیقت تک بھی یہ نہیں پہنچے۔اپنی جہالت و سفاہت کی وجہ سے اس کی ہدایت اس کے علم سے محروم رہ گئے اور چلانا شروع کر دیا کہ ہم اسے نہیں مانتے۔ان سے پہلے کی امتوں نے بھی اللہ کے کلام کو اسی طرح جھٹلا دیا تھا جس بنا پر وہ ہلاک کر دیئے گئے۔تو آپ نے دیکھ لیا کہ ان کا کیسا برا انجام ہوا۔کس طرح ان کے پرخچے اڑے؟ ہمارے رسولوں کو ستانے ان کے نہ ماننے کا کبھی انجام اچھا نہیں ہوا۔تمہیں ڈرنا چاہیے کہیں انہیں آفتوں کا نشانہ تم بھی نہ بنو۔تیری امید کے بھی بعض لوگ تو اس پر ایمان لائے تجھے رسول برحق مانا ہے۔تیری باتوں سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ اور بعض اور ضلالت کے مستحق اس کے سامنے ہیں۔وہ عادل ہے ظالم نہیں۔ہر ایک کو اس کا حصہ دیتا ہے۔وہ برکت اور بلندی والا پاک اور انتہائی حسن والا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔(تفسیر محمدی،سورہ یونس،بیروت)

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ۝

بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا، حالانکہ اس کی اصل حقیقت ابھی ان کے پاس نہیں
آئی تھی۔اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جوان سے پہلے تھے۔پس دیکھو ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

سابقہ اقوام کی ہلاکت میں موجودہ کفار کے لئے سبق ہونے کا بیان

"بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ " اَیْ الْقُرْاٰن وَلَمْ يَتَدَبَّرُوهُ "وَلَمَّا" لَمْ "يَأْتِهِمْ تَأْوِيله" عَاقِبَةَ مَا فِيهِ مِنْ الْوَعِيد "كَذٰلِكَ" التَّكْذِيب "كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ " رُسُلهمْ "فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الظَّالِمِينَ" بِتَكْذِيبِ الرُّسُل اَیْ اٰخِر اَمْرهمْ مِنْ الْهَلَاك فَكَذٰلِكَ نُهْلِك هٰؤُلَاءِ،

بلکہ انہوں نے اس چیز یعنی قرآن کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا، یعنی انہوں نے قرآن کو سمجھا نہیں اور اس نہ اس میں غور وفکر کیا۔حالانکہ اس کی اصل حقیقت ابھی ان کے پاس نہیں آئی تھی۔یعنی انجام کے اعتبار سے جوان کے لئے وعید آئی ہے اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جوان سے پہلے رسولان گرامی تھے۔پس دیکھو ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔یعنی جنہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی آخر کاروہ ہلاک ہو گئے۔لہٰذا ہم ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دیں گے۔

تأویل کا لغوی معنی کا بیان

لفظ" اَول" کا اصل معنی ہے" الرجوع إلى الأصل " کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف لوٹنا اور موئلا بمعنی مرجع (ٹھکانا) استعمال بھی اسی وجہ سے ہے۔کسی آدمی کی" آل" کو بھی اسی وجہ سے اس کا نام دیا جاتا ہے چونکہ وہ اپنے خاندان کے لیے مرجع ہوتا ہے۔یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں لوٹنا اور اصل کی طرف لوٹنا ان دو معنوں کا مجموعہ تأویل ہے۔گویا کسی لفظ کی تأویل کا مطلب ہیکہ اس کو اس کے اصلی معنی پر محمول کرنا۔(اللغۃ لابن فارس،مفرادات القرآن للراغب)

تأویل کا اصطلاحی معنی کا بیان

اصطلاحی طور پر اس کے تین اطلاقات ہیں۔تأویل بمعنی تفسیر (متکلم کی کلام کی وضاحت وتشریح کرنے کی کوشش کرنا) جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں اللّٰهم علمه التأويل ۔علماء کہتے ہیں اس سے مراد تفسیر ہے۔اور ابن جریر طبری اپنی تفسیر مین کہتے ہیں القول في تأويله كذا

کسی چیز کی حقیقت اس کی تأویل ہوگی (عندالسلف) مثلا لفظ ویل کی حقیقت جہنم کی ایک وادی ویل ہے۔خواب کی تعبیر کو تأویل بھی اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔قرآن میں یہ معنی کثرت سے موجود ہے۔تأویل کے یہ دو اطلاق متقدمین کے ہاں رائج ہیں تأویل کا ایک تیسرا اطلاق متاخرین کے ہاں بھی مشہور ہوا ہے (التدمریۃ ص 91-92) اور وہ ہے۔

کسی لفظ کے دو محتمل معانی میں سے مرجوح معنی کو راجح معنی پر ترجیح دینا کسی دلیل کی بنیاد پر۔(عندالمتأخرین) جب تأویل مذمت کے سیاق میں ہو تو یہی تیسرا اطلاق مراد ہوتا ہے۔اور نصوص صفات میں تأویل سے مراد بھی یہی تأویل ہے۔جیسا کہ ظاہر

ہے اس صورت میں تاویل کی صحت کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔

تاویل کی شروط: 1۔لفظ اس مؤول معنی کا احتمال رکھتا ہو۔2۔مرجوح کو راجح پر ترجیح دینے کی دلیل ہونا چاہیے۔تاویل، تفسیر ،تفویض میں قدر مشترک اور فرق کیا ہے۔

بعض مفسرین نے "تاویل" کے معنی "تفسیر" کے لیے ہیں۔یعنی مطالب قرآن ان کے دماغ میں نہیں اترے اور بعض نے قرآنی پیشین گوئیاں مراد لی ہیں۔یعنی تکذیب کی ایک وجہ بعض سادہ لوحوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کے متعلق قرآن نے جو خبریں دی ہیں۔ان کے وقوع کا ابھی وقت نہیں آیا۔لہٰذا وہ منتظر ہیں کہ ان کا ظہور کب ہوتا ہے۔مگر سوچنا چاہیے کہ یہ وجہ تکذیب کی کیسے ہوسکتی ہے؟

قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے داخلی اور خارجی ثبوت

کسی چیز کو جھٹلانے کے لیے دو طرح کے ثبوت درکار ہوتے ہیں ایک خارجی شہادت یا شہادات اور دوسرے داخلی شہادت یا شہادات۔خارجی شہادت کی نفی تو اس طرح ہوتی ہے کہ کسی معترض نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ کوئی شخص آپ کو آ کر قرآن سکھلا جاتا تھا یا آپ قرآن سیکھنے کے لیے کبھی کسی کے پاس گئے ہوں یا یہ کام خط و کتابت یا قاصدوں کے ذریعہ سرانجام پاتا ہو اور داخلی شہادات کی نفی اس طرح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے جو بھی خبر دی یا پیشین گوئی کی وہ کبھی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی بلکہ تاریخ اور وقوع کے اعتبار سے درست ہی ثابت ہوئی ان دو وجوہ کو علمی یا یقینی قرار دیا جاسکتا ہے ان کے علاوہ اور کوئی معقول وجہ نہیں ہوسکتی جس کی بنا پر قرآن کو جھٹلایا جاسکے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝
ان میں سے کوئی تو اس پر ایمان لائے گا اور انہی میں سے کوئی اس پر ایمان نہ لائے گا، اور آپ کا رب فساد انگیزی
کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

قرآن و رسالت محمدی ﷺ پر ایمان نہ لانے والے کفار کے لئے تہدید کا بیان

"وَمِنْهُمْ" اَیْ اَهْلِ مَكَّة "مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ" لِعِلْمِ اللّٰهِ ذٰلِكَ مِنْهُمْ "وَمِنْهُمْ مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ" اَبَدًا "وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ" تَهْدِيْد لَهُمْ،

ان میں سے یعنی اہل مکہ میں سے کوئی تو اس پر ایمان لائے گا یعنی جن کو اس کا علم حاصل ہو جائے گا اور انہی میں سے کوئی اس پر کبھی بھی ایمان نہ لائے گا، اور آپ کا رب فساد انگیزی کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔اس کفار کے لئے تہدید ہے۔

وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور گمراہی کا مستحق کون ہے اس کے لئے گمراہی کا راستہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں شک نہیں۔جو جس بات کا مستحق ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ چیز

اس کو عطا کر دیتا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۝
اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے، تم اس عمل سے بری الذمہ ہو
جو میں کرتا ہوں اور میں ان اعمال سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو۔

اعمال کے بدلے میں ان کی جزاء ہونے کا بیان

"وَاِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ" لَهُمْ "لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ" اَيْ لِكُلٍّ جَزَاء عَمَله "اَنْتُمْ بَرِيْئُوْنَ مِمَّا اَعْمَل وَاَنَا بَرِيْء مِمَّا تَعْمَلُوْنَ" وَهٰذَا مَنْسُوخ بِآيَةِ السَّيْف،

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے، یعنی ہر عمل کی جزاء اسی کے لئے ہے۔ تم اس عمل سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں ان اعمال سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو۔ یہ حکم جہاد والی آیت سے منسوخ ہے۔

فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ مشرکین تجھے جھوٹا ہی بتلاتے رہیں تو تو ان سے اور ان کے کاموں سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دے۔ اور کہہ دے کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ میرے اعمال میرے ساتھ۔ جیسے کہ وہ سورۃ (قل یاایھا الکافرون) میں بیان ہوا ہے۔ اور جیسے کہ حضرت خلیل اللہ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہیں۔ جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ ان میں سے بعض تیرا پاکیزہ کلام بھی سنتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کا بلند و بالا کلام بھی ان کے کانوں میں پڑ رہا ہے۔ لیکن ہدایت نہ تیرے ہاتھ نہ ان کے ہاتھ گو یہ فصیح و صحیح کلام دلوں میں گھر کرنے والا، انسانوں کو پورا نفع دینے والا ہے۔ یہ کافی اور وافی ہے ہے لیکن بہروں کو کون سنا سکے؟ یہ دل کے کان نہیں رکھتے۔ اللہ ہی کے ہاتھ ہدایت ہے۔ یہ تجھے دیکھتے ہیں، تیرے پاکیزہ اخلاق، تیری ستھری تعلیم تیری نبوت کی روشن دلیلیں ہر وقت ان کے سامنے ہیں لیکن ان سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مومن تو انہیں دیکھ کر ایمان بڑھاتے ہیں۔ لیکن ان کے دل اندھے ہیں عقل وبصیرت ان میں نہیں ہے۔ مومن وقار کی نظر ڈالتے ہیں اور یہ حقارت کی۔ ہر وقت ہنسی مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ پس اپنے اندھے پن کی وجہ سے راہ ہدایت دیکھ نہیں سکتے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ۝
اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے خواہ وہ کچھ عقل بھی نہ رکھتے ہوں۔

قرآن کو سن کر اس میں شک کرنے والوں کا بیان

"وَمِنْهُمْ مَنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ" اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰن "اَفَاَنْتَ تُسْمِع الصُّمّ" شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِي عَدَم الِانْتِفَاع

بِمَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ "وَلَوْ كَانُوا" مَعَ الصَّمَمِ "لَا يَعْقِلُوْنَ" يَتَدَبَّرُوْنَ،

اوران میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، یعنی جب آپ قرآن پڑھتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے یعنی جو آپ کے تلاوت کردہ سے کچھ فائدہ حاصل کرنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ فائدہ حاصل کرنے والوں کی طرح ہیں۔ خواہ وہ بہرے ہونے کے سبب کچھ عقل بھی نہ رکھتے ہوں۔ یعنی وہ عقل بھی نہیں رکھتے کہ وہ کہیں غور وفکر کرتے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس کے ہر ہر حرف کو ہزاروں سے ہزاروں آدمی نقل کرتے ہیں لیکن ایک حرف میں بھی اختلاف نہیں ہے، اگر کوئی شخص اس میں تحریف یا کمی بیشی کی کوشش کرتا بھی ہے تو وہ اسی وقت رسوا ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ بخلاف دوسری کتابوں کے جن کو اللہ ذوالجلال نے صرف ایک نبی کی قوم کی طرف نازل کیا ساری مخلوق کی طرف نہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی بلکہ ان کے بہت سارے معانی میں تحریف اور تبدیلی واقع ہو چکی ہے جب کہ قرآن کو زمانہ کی وسعت کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف نازل فرمایا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت آخری رسالت ہے پس قرآن مجید سینوں اور سطروں میں محفوظ ہو گیا ہے اور تاریخ کے حوادثات اس کو ثابت کر رہے ہیں۔

کتنے ہی ایسے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی آیات میں تحریف کر کے مسلمانوں کے ہاں رائج کرنے کی کوشش کی لیکن بہت جلد اس کا عیب واضح ہو گیا حتی کہ مسلمان بچوں کے ہاتھوں اس کا کھوکھلا پن ظاہر ہو گیا۔

لہٰذا قرآن مجید میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے جیسا سورہ بقرہ کے شروع میں قرآن نے اس بات کا چیلنج کر دیا ہے جو آج تک موجود ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک موجود رہے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝
ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے خواہ وہ کچھ بصارت بھی نہ رکھتے ہوں۔

آنکھوں کے اندھے نہیں بلکہ دل کے اندھے کفار کا بیان

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ " شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِيْ عَدَمِ الْاِهْتِدَاء بَلْ اَعْظَم "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَار وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْب الَّتِيْ فِي الصُّدُوْر،

ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے خواہ وہ کچھ بصارت بھی نہ رکھتے ہوں۔ یعنی ہدایت نہ ملنے کے سبب اندھوں کے مشابہ ہیں۔ بلکہ اس سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ آنکھوں کے اندھے نہیں بلکہ ان کے دل اندھے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں۔

اور آپ سے قرآن پاک اور احکام دین سنتے ہیں اور بغض وعداوت کی وجہ سے دل میں جگہ نہیں دیتے اور قبول نہیں کرتے تو یہ سننا بیکار ہے اور وہ ہدایت سے نفع نہ پانے میں بہروں کی مثل ہیں۔

بعض لوگ بظاہر قرآن شریف اور آپ کا کلام مبارک سنتے ہیں اور آپ کے معجزات و کمالات دیکھتے ہیں مگر دیکھنا سننا وہ نافع ہے جو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے ہو۔ یہ آپ کے اختیار میں نہیں کہ آپ دل کے بہروں کو اپنی بات سنا دیں۔ بحالیکہ وہ سخت بہرہ پن کی وجہ سے قطعاً کسی کلام کو نہ سمجھ سکتے ہوں یا دل کے اندھوں کو راہ حق دکھلا دیں جبکہ انہیں کچھ بھی نہ سوجھتا ہو۔ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی کان رکھتے ہیں یا نگاہ کرتے ہیں اس توقع پر کہ آپ ہمارے دل پر تصرف کر دیں جیسا بعضوں پر ہو گیا، سو یہ بات اللہ کے ہاتھ ہے۔" بعض مفسرین نے لَا یَعْقِلُوْنَ سے مطلق عقل کی اور لا یبصرون سے بصیرت کی نفی مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے اندھے، بہرے جو علاوہ نہ سننے اور نہ دیکھنے کے ہر قسم کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ ان کو آپ کس طرح سنا اور دکھا کر منوا سکتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۝
بے شک اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور لیکن لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

ظلم کی ممانعت کا بیان

اس میں بھی اللہ کی حکمت کار ہے کہ ایک تو دیکھے اور سنے اور نفع پائے دوسرا دیکھے سنے اور نفع سے محروم رہے۔ اسے اللہ کا ظلم نہ سمجھو وہ تو سراسر عدل کرنے والا ہے، کسی پر کبھی کوئی ظلم وہ روا نہیں رکھتا۔ لوگ خود اپنا برا آپ ہی کر لیتے ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام کر دیا ہے۔ خبردار ایک دوسرے پر ظلم ہرگز نہ کرنا۔ اس کے آخر میں ہے اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جنہیں میں جمع کر رہا ہوں پھر تمہیں ان کا بدلہ دونگا۔ پس جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر بجالائے اور جو اس کے سوا کچھ اور پائے وہ صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے۔ (صحیح مسلم)

صفوان بن سلیم، عدہ، چند اصحاب رسول ﷺ کے بیٹوں سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپوں سے جو ایک دوسرے کے عزیز تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لے گا تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے حجت کروں گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1285)

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ
الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۝
اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے سوا دنیا میں ٹھہرے ہی نہ تھے، وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔
بیشک وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔

قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد باہمی پہچان کا بیان

"وَيَوْم يَحْشُرهُمْ كَانْ " اَیْ كَاَنَّهُم "لَمْ يَلْبَثُوا " فِي الدُّنْيَا اَوْ الْقُبُوْر "اِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَار "لِهَوْلِ مَا رَاَوْا وَجُمْلَة التَّشْبِيه حَال مِنْ الضَّمِيْر "يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنهمْ" يَعْرِف بَعْضهمْ بَعْضًا اِذَا بُعِثُوا ثُمَّ يَنْقَطِع التَّعَارُف لِشِدَّةِ الْاَهْوَال وَالْجُمْلَة حَال مُقَدَّرَة اَوْ مُتَعَلِّق الظَّرْف "قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللّٰه" بِالْبَعْثِ، وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ،

اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے سوا دنیا یا قبروں میں ٹھہرے ہی نہ تھے، کیونکہ جو سختی وہ دیکھیں گے اور یہاں جملہ مشبہ "یَحْشُرھُمْ" ضمیر سے حال ہے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ یعنی ان کو اٹھایا جائے گا اس کے بعد سختی کے سبب پہچان ختم ہو جائے گی۔ اور جملہ "یَحْشُرھُمْ" کی ھم ضمیر سے حال مقدرہ ہے یا یوم ظرف کے متعلق ہے۔ بیشک وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔

جب قیامت قائم ہوگی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کی قبروں سے اٹھا کر میدان قیامت میں جمع کرے گا۔ اس وقت انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا گھڑی بھر دن ہم رہے تھے۔ صبح یا شام ہی تک ہمارا رہنا ہوا تھا۔ کہیں گے کہ دس روز دنیا میں گزارے ہوں گے۔ تو بڑے بڑے حافظے والے کہیں گے کہاں کے دس دن تم تو ایک ہی دن رہے۔ قیامت کے دن یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ایک ساعت ہی رہے وغیرہ۔

زندہ ہونے کے بعد دنیاوی زندگی کا ساعت بھر معلوم ہونے کا بیان

قیامت کے دن کی مدت پچاس ہزار سال ہے اس کے مقابلہ میں انہیں اپنی دنیا کی زندگی یوں محسوس ہوگی کہ بس چند گھنٹے ہی دنیا میں گزارے تھے اس دن وہ ایک دوسرے کو ایسے ہی پہچانتے ہوں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے مگر کوئی کسی کے کام نہ آ سکے گا ہر ایک کو بس اپنی اپنی ہی پڑی ہوگی بلکہ ایک دوسرے سے اپنے کسی دکھ سکھ اور ہمدردی کی بات چیت کے بھی روادار نہ ہوں گے اور اگر اپنا کوئی رشتہ دار نظر آئے گا تو اس سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوششیں کریں گے بعض علماء نے (يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ 45یونس:45) کو دنیاوی زندگی سے متعلق کر کے یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں بس چند گھنٹے ایک دوسرے کی جان پہچان کے لیے ٹھہرے تھے اور حقیقی زندگی کا آغاز تو اب ہو رہا ہے۔

ایسی آیتیں قرآن کریم میں بہت سی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ دنیا کی زندگی آج بہت تھوڑی معلوم ہوگی۔ سوال ہوگا کہ کتنے سال دنیا میں گزارے،" جواب دیں گے کہ ایک دن بلکہ اسے بھی کم شمار والوں سے پوچھ لو۔ جواب ملے گا کہ واقعہ میں دار دنیا دار آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے اور فی الحقیقت وہاں کی زندگی بہت ہی تھوڑی تھی لیکن تم نے اس کا خیال زندگی بھر نہ کیا۔ اس وقت بھی ہر ایک دوسرے کو پہچانتا ہوگا جیسے دنیا میں تھے ویسے ہی وہاں بھی ہوں گے رشتے کنبے کو، باپ بیٹوں الگ الگ پہچان لیں گے۔ لیکن ہر ایک نفسا نفسی میں مشغول ہوگا۔ جیسے فرمان الٰہی ہے کہ صور کے پھونکتے ہی حسب ونسب فنا ہو جائیں گے۔ کوئی دوست اپنے

کسی دوست سے کچھ سوال تک نہ کرے گا۔ جو اس دن کو جھٹلاتے رہے وہ آج گھاٹے میں رہیں گے ان کے لیے ہلاکت ہو گی انہوں نے اپنا ہی برا کیا اور اپنے والوں کو بھی برباد کیا۔ اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہو گا کہ ایک دوسرے سے دور ہے دوستوں کے درمیان تفریق ہے، حسرت وندامت کا دن ہے۔

میت کو اچھا کفن دینے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفنائے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھا کفن دے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 114)

ابن عدی کی روایت ہے کہ اپنے مردوں کو اچھا کفن دو اس لئے کہ وہ مردے اپنی قبروں میں آپس میں (ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں) بہر حال اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا پورا ہو اور بغیر کسی اسراف کے لطیف و پاکیزہ ہو اور سفید ہو خواہ دھلا ہوا ہو یا نیا ہو۔ اچھے کفن سے وہ اعلیٰ وقیمتی کپڑوں کے کفن مراد نہیں ہیں جو بعض جاہل دنیادار از راہ ناموری اور تکبر کے استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسا کفن سخت حرام ہے۔ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسراف کرنے والوں نے یہ جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ بہت زیادہ قیمتی کپڑے کفن میں دیتے ہیں یہ شرعی اعتبار سے ممنوع ہے کیونکہ اس سے مال کا خواہ مخواہ ضائع ہونا لازم آتا ہے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ ۝
اور خواہ ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات بخش دیں، تو انھیں
ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

کفار کے لئے کفر اور تکذیب نبوت کے سبب سخت عذاب ہونے کا بیان

"وَاِمَّا" فِيهِ اِدْغَام نُوْن اِنْ الشَّرْطِيَّة فِيْ مَا الْمَزِيدَة "نُرِيَنَّكَ بَعْض . الَّذِیْ نَعِدهُمْ" بِهِ مِنْ الْعَذَاب فِیْ حَيَاتك وَجَوَاب الشَّرْط مَحْذُوْف اَیْ فَذَاكَ "اَوْ نَتَوَفَّيَنَّك" قَبْل تَعْذِيبهمْ "فَاِلَيْنَا مَرْجِعهمْ ثُمَّ اللّٰه شَهِيْد" مُطَّلِع "عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ" مِنْ تَكْذِيبهمْ وَكُفْرهمْ فَيُعَذِّبهُمْ اَشَدّ الْعَذَاب،

لفظ اما کے اندر ان شرطیہ اور ما زائدہ کا ادغام ہے۔ اور خواہ ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جس عذاب کا ان کی زندگی میں ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، یہ جواب شرط محذوف کا ہے یا ہم آپ کو وفات بخش دیں، یعنی ان کو عذاب دینے پہلے آپ کو اپنی جانب لالیں، تو انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ یعنی ان کی تکذیب اور ان کے کفر کو وہ جانتا ہے لہٰذا ان کو وہ سخت عذاب دے گا۔

دنیا میں کفار کے لئے عذاب وسختیوں کا بیان

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں کے بہت سے عذاب اور ان کی ذلت و

رسوائیاں آپ کی حیات دنیا ہی میں آپ کو دکھائے گا چنانچہ بدر وغیرہ میں دکھائی گئیں اور جو عذاب کافروں کے لئے بسبب کفرو تکذیب کے آخرت میں مقرر فرمایا ہے وہ آخرت میں دکھائے گا۔

کافروں اور مشرکوں کے لیے سب سے بڑا دکھ اور عذاب اسلام کا غلبہ اور ان کی ذلت آمیز شکست ہی ہوسکتا تھا تو اس عذاب کا بہت بڑا حصہ تو رسول اللہ کی زندگی میں ہی آپ نے خود اور سب مسلمانوں اور کافروں نے دیکھ لیا اسلام بدستور آگے بڑھتا رہا اور ترقی کی منازل بڑی تیزی سے طے کرتا گیا اور غزوہ بدر سے لے کر غزوہ تبوک تک کافروں کو میدان جنگ میں بھی اور معاشرتی طور پر بھی شکست اور ذلت ہی نصیب ہوتی رہی۔ رہی سہی کسر اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے بعد نکال دی اور دور عثمانی تک ایک وقت ایسا آیا جب کہ قریب قریب ساری دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجتا تھا اور کفر پوری طرح مغلوب ومقہور ہو چکا تھا۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝
اور ہر امت کے لیے ایک رسول آتا رہا ہے، تو جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا
جاتا ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے۔

سابقہ رسولان گرامی کی تکذیب کرنے والے کفار کا عذاب موجود کفار کے لئے بہ طور عبرت ہونے کا بیان

"وَلِكُلِّ اُمَّة" مِنْ الْاُمَم "رَسُول فَاِذَا جَاءَ رَسُولهمْ" اِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوْهُ "قُضِيَ بَيْنهمْ بِالْقِسْطِ" بِالْعَدْلِ فَيُعَذَّبُوْنَ وَيُنَجَّى الرَّسُول وَمَنْ صَدَّقَهُ "وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" بِتَعْذِيبِهِمْ بِغَيْرِ جُرْم فَكَذٰلِكَ نَفْعَل بِهٰؤُلَاءِ،

اور امتوں میں سے ہر امت کے لیے ایک رسول آتا رہا ہے، تو جب ان کا رسول آتا ہے پس انہوں نے اس کی تکذیب کی تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے یعنی ان کو عذاب دیا جاتا ہے جبکہ رسول مکرم اور ان کے ساتھ ان کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دے دی جاتی ہے۔ اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے۔ یعنی ان کو عذاب جرم کے بغیر نہیں دیا جاتا لہٰذا ان کفار کے ساتھ بھی ہم ان جیسوں والا سلوک کریں گے۔

قیامت کے ہر امت کا فیصلہ اس کے رسول مکرم کی گواہی سے ہوگا

اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات دی جاتی اور تکذیب کرنے والوں کو عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا۔ اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں آخرت کا بیان ہے اور معنی یہ ہیں کہ روز قیامت ہر امت کے لئے ایک رسول ہوگا جس کی طرف وہ منسوب ہوگی جب وہ رسول موقف میں آئے گا اور مومن وکافر پر شہادت دے گا تب ان میں فیصلہ کیا جائے گا کہ مومنوں کو نجات ہوگی اور کافر گرفتار عذاب ہوں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یونس، لاہور)

عذاب ونجات ہونے کا بیان

حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ گدھے پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے درمیان صرف کجاوے کا پچھلا حصہ حائل تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ! جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا ہو، اسے عذاب نہ دے (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 22)

عرب کے گدھے ہماری طرف کے گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز اور طاقتور ہوتے ہیں اس لئے وہاں سواری کے لئے گدھے بھی استعمال کئے جاتے تھے اور ان پر سواری کی جاتی تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو ایک مان لیا اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی بھیجی ہوئی رسالت پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اس پر عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی آدمی اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر دوزخ کی آگ بالکل حرام ہو جائے گی۔ اگر چہ وہ کتنا ہی بدعمل اور بدکار ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرح اس پر ہمیشہ کے لئے عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ٠
اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو

عذاب کو جلدی طلب کرنے والے کفار کا بیان

"وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْد" بِالْعَذَابِ "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِيْهِ،

اور کہتے ہیں یہ وعدہ عذاب کب آئے گا اگر تم اس وعدے میں سچے ہو۔

سورہ یونس آیت ۴۸ کے شانِ نزول کا بیان

جب آیت "اِمَّا نُرِيَنَّكَ" میں عذاب کی وعید دی گئی تو کافروں نے براہِ سرکشی یہ کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس عذاب کا آپ وعدہ دیتے ہیں وہ کب آئے گا، اس میں کیا تاخیر ہے، اس عذاب کو جلد لائیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ
اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ٠
فرما دیجئے، میں اپنی ذات کے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ نفع کا مگر جس قدر اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے
ایک میعاد ہے، جب ان کی میعاد آ پہنچتی ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

کفار کے طلب عذاب کے باوجود نبی کریم ﷺ کا ان کے لئے عذاب طلب نہ کرنے کا بیان

"قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا" اَدْفَعهُ "وَلَا نَفْعًا" اَجْلِبهُ "اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰه" اَنْ يُّقْدِرنِيْ عَلَيْهِ فَكَيْفَ اَمْلِكُ لَكُمْ حُلُول الْعَذَاب "لِكُلِّ اُمَّة اَجَل" مُدَّة مَعْلُومَة لِهَلَاكِهِمْ "اِذَا جَاءَ اَجَلهمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ" يَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ "سَاعَة وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" يَتَقَدَّمُوْنَ عَلَيْهِ،

فرما دیجئے، میں اپنی ذات کے لئے نہ کسی نقصان کا مالک ہوں اور نہ نفع کا، مگر جس قدر اللہ چاہے۔ یعنی جس جس قدر اس نے مجھے اختیار عطا کیا ہے۔ لہٰذا میں کیسے تمہیں عذاب دے دوں؟ ہر امت کے لئے ایک میعاد ہے، یعنی ان کی ہلاکت کی مدت مقرر ہے۔ جب ان کی میعاد آ پہنچتی ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

عذاب کے آنے کی مدت کا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہونے کا بیان

مطلب یہ ہے کہ اللہ عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جس وقت رسول کی دعوت کسی شخص یا گروہ کو پہنچی اور اس نے اس کو ماننے سے انکار کیا یا ماننے میں تامل کیا اس پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق اور ہر گروہ کو اس کی اجتماعی حیثیت کے مطابق سوچنے سنبھلنے کے لئے کافی وقت دیتا ہے اور اس بات کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی مہلت ملنی چاہئے۔ پھر وہ مہلت جب پوری ہو جاتی ہے اور وہ شخص یا گروہ اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتا تب اللہ تعالیٰ اس پر عذاب کا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ کا مقرر کردہ مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے اور نہ وقت آ جانے کے بعد ایک لحہ ٹل سکتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ٥
آپ فرما دیجئے، ذرا غور تو کرو اگر تم پر اس کا عذاب راتوں رات یا دن دہاڑے آ پہنچے وہ کیا چیز ہے کہ مجرم
لوگ اس سے جلدی چاہتے ہیں؟

اچانک دن یا رات میں عذاب کے نازل ہو جانے کا بیان

"قُلْ اَرَاَيْتُمْ" اَخْبِرُوْنِيْ "اِنْ اَتَاكُمْ عَذَابه" اَيْ اللّٰه "بَيَاتًا" لَيْلًا "اَوْ نَهَارًا مَاذَا" اَيّ شَيْء "يَسْتَعْجِل مِنْهُ" اَيْ الْعَذَاب "الْمُجْرِمُوْنَ" الْمُشْرِكُوْنَ فِيْهِ وَضَعَ الظَّاهِر مَوْضِع الْمُضْمَر وَجُمْلَة الِاسْتِفْهَام جَوَاب الشَّرْط: كَقَوْلِك اِذَا اَتَيْتُك مَاذَا تُعْطِيْنِيْ وَالْمُرَاد بِهِ التَّهْوِيْل اَيْ مَا اَعْظَم مَا اسْتَعْجَلُوْهُ،

آپ فرما دیجئے، تم مجھے بتاؤ تو سہی اگر تم پر اللہ کا عذاب راتوں رات یا دن دہاڑے آ پہنچے، وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے مجرم لوگ یعنی مشرکین جلدی عذاب چاہتے ہیں؟ یہاں پر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے۔ اور یہ جملہ استفہام جواب شرط ہے۔ جس طرح تیرا یہ قول ہے۔ ''اِذَا اَتَيْتُك مَاذَا تُعْطِيْنِيْ'' مراد اس سے یہ ہے کہ عذاب کی سختی کو بیان کرنا ہے۔ لہٰذا وہ کیونکر جلد

25 بازی میں آکر اس کو طلب کرتے ہیں۔

رات کو سوتے ہوئے یا دن میں جب تم دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو، اگر اچانک خدا کا عذاب آجائے تو مجرم جلدی کر کے کیا بچاؤ کر سکیں گے؟ جب بچاؤ نہیں کر سکتے پھر وقت پوچھنے سے کیا فائدہ؟ مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ عذاب الٰہی کے آنے میں کون سی ایسی خوشی اور مزے کی بات ہے، جس کی وجہ سے مجرمین جلدی طلب کر رہے ہیں۔ یا یہ کہ تعجب کا مقام ہے کہ مجرمین کیسی سخت خوفناک چیز کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مجرم کے لائق تو یہ تھا کہ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ اٹھتا اور ڈر کے مارے ہلاک ہو جاتا۔ (البحر المحیط، سورہ یونس، بیروت)

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝
کیا پھر جونہی وہ (عذاب) آپڑے گا تو اس پر ایمان لاؤ گے؟ کیا اب! حالانکہ یقیناً تم اسی کو جلدی طلب کیا کرتے تھے۔

عذاب کے وقت قبول کیے ہوئے ایمان کے مقبول نہ ہونے کا بیان

"اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ" حَلَّ بِكُمْ "آمَنْتُمْ بِهِ" اَیْ اللّٰهِ اَوْ الْعَذَابِ عِنْدَ نُزُوْلِهِ وَالْهَمْزَةُ لِاِنْكَارِ التَّاْخِيرِ فَلَا يُقْبَلُ مِنْكُمْ وَيُقَالُ لَكُمْ "آلْآنَ" تُؤْمِنُوْنَ "وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُوْنَ" اسْتِهْزَاءً ،

کیا پھر جونہی وہ عذاب آپڑے گا تو اللہ پر ایمان لاؤ گے؟ یا نزول عذاب کے وقت؟ یہاں پر ہمزہ انکار تاخیری کے لئے آیا ہے۔ تو اس وقت تم سے قبول نہ کیا جائے گا بلکہ تم سے کہہ دیا جائے گا کہ اب ایمان لائے ہو؟ حالانکہ یقیناً تم اسی کو جلدی طلب کیا کرتے تھے۔ یعنی پہلے اس سے مذاق کرتے تھے۔

عذاب واقع ہو جانے کے بعد ایمان لانے کا فائدہ نہ ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تین باتیں جب ظہور میں آجائیں گی تو پھر کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اور کفر سے توبہ کرنا کہ جس نے اس سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا، کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ اس شخص کا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل کرنا فائدہ مند ہوگا اگر اس نے اس سے پہلے وہ نیک عمل نہ کیا ہوگا (یعنی اس وقت گناہوں سے توبہ کرنا بھی معتبر نہ ہوگا) اور وہ تین باتیں یہ ہیں، آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، دجال اور دابۃ الارض کا نکلنا۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 33)

مطلب یہ ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر چونکہ قیامت کا آنا متعین ہو جائے گا اور اس وقت اس دنیا کی پر فریب زندگی کا پردہ اس طرح چاک ہو جائے گا کہ آخرت کی زندگی اور وہاں کے احوال، نظر و مشاہدہ میں آجائیں گے اس لئے اس وقت کفر اور گناہوں سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا معتبر نہیں ہوگا کیونکہ ایمان تو وہی معتبر ہے جو غیب پر یقین کے ساتھ ہو۔ یہاں حدیث میں مغرب کی طرف سے آفتاب کے طلوع ہونے کو باقی دونوں سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جب کہ وقوع پذیر ہونے کے اعتبار سے اس کا نمبر بعد میں

ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے قبول ہونے کا اصل مدار اسی پر ہے یعنی توبہ اور ایمان کا قبول نہ ہونا اسی وقت ہوگا جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا، لہٰذا پہلے اس کا ذکر کیا گیا اور اس کے ساتھ دو اور نشانیوں یعنی دجال اور دابۃ الارض کے نکلنے کو بھی ملا دیا گیا۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○
پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر وہی جو کماتے تھے۔

ظالم کفار کے لئے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا بیان

"ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْد" اَیْ الَّذِیْ تَخْلُدُوْنَ فِیْهِ "هَلْ" مَا "تُجْزَوْنَ اِلَّا" جَزَاء،

پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو یعنی اس میں ہمیشہ رہو۔ تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر اسی کی جزاء ہے جو کماتے تھے۔

جہنم کے عذاب کے برحق ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس دن جہنم کو اس طرح لایا جائے کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو کھینچ رہے ہوں گے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 477)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، دو کان ہوں گے جن سے وہ سنے گی اور زبان ہوگی جس سے وہ بات کرے گی۔ وہ کہے گی مجھے تین آدمیوں کو نگلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (1) سرکش ظالم (2) مشرک (3) تصویریں بنانے والا (مصور) یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 478)

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○
اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ بات سچ ہے؟ فرما دیجئے: ہاں میرے رب کی قسم یقیناً وہ بالکل حق ہے۔
اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔

وعدہ عذاب کے بارے میں پوچھنے والوں کا بیان

"وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ" يَسْتَخْبِرُوْنَكَ "اَحَقٌّ هُوَ" اَیْ مَا وَعَدْتَنَا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ وَالْبَعْثِ "قُلْ اِیْ" نَعَمْ "وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ" بِفَائِتِيْنَ الْعَذَاب،

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ بات سچ ہے؟ یعنی جس عذاب اور بعث کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فرما دیجئے، ہاں میرے رب کی قسم یقیناً وہ بالکل حق ہے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ یعنی عذاب سے اپنے آپ کو بچانے والے نہیں ہو۔

غفلت کے نشہ میں چور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعی ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر پھر از سر نو ہم کو موجود کیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دے اور گناہوں کا مزہ عذاب دے کر چکھائے۔ ممکن نہیں کہ اس کے قبضہ سے نکل بھاگو اور فرار ہو کر (معاذ اللہ) اسے عاجز کر سکو۔

عذاب کے برحق ہونے کا بیان

قرآن مجید میں یہ وہ مقامات ہیں جن سے عذاب قبر ثابت ہوتا ہے، اور اس میں ہر قسم کے لوگ ہیں کافر و مشرک منافق اور گناہگاران سب کے بارے میں عذاب قبر کی وعید ہے اس کے بعد (سورہ یس) کے حوالے سے عذاب قبر کی نفی کی جو کوشش کی ہے اس کے بارے میں ہم یہ بات کہتے ہیں کہ اس آیت سے عذاب قبر کی نفی نہیں ہے اور یہی بات ابن کثیر نے اس آیت کی حوالے سے نقل کی ہے کہ اس سے قبر کے عذاب کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ جس ہول و شدت کو اور جس تکلیف اور مصیبت کو یہ اب دیکھیں گے اس کی نسبت تو قبر کے عذاب بے حد خفیف ہی تھے۔

اب اس بات کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو ایک کمرے میں بند کر دیا جائے اور صبح شام اس کو مارا پیٹا جائے اس کے چھ سال بعد اس کو ایک پنجرے میں ڈال دیا جائے جس میں وہ صرف بیٹھ سکتا ہو اور اس پنجرے کو اتنا گرم کر دیا جائے کہ اس کی کھال اس سے جھلس جاتی ہو تو وہ شخص ضرور کہے گا کہ اس سے اچھا تو میں اس کمرے میں تھا، پس اسی طرح جب مردے قبر سے نکلیں گے تو وہ بھی قیامت کے عذاب کو دیکھ کر قبر کو خواب گاہ کہیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ قتادہ کا ایک قول اس آیت کے حوالہ سے منقول ہے کہ پہلے نفخہ اور دوسرے نفخہ کے درمیان یہ سو جائیں گے اس لئے اب اٹھ کر یوں کہیں گے "ہائے ہمیں کس نے ہماری خواب گاہوں سے اُٹھا دیا۔ (تفسیر طبری، سورہ یونس، بیروت)

وَلَوْ اَنَّ لِکُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِہٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَۃَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَہُمْ بِالْقِسْطِ وَہُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝
اگر ہر ظالم شخص کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ یقیناً اسے عذاب کے بدلہ میں دے ڈالے، اور جب عذاب کو
دیکھیں گے تو اپنی ندامت چھپائے پھریں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

روئے زمین کے خزانوں کا فدیہ ایمان نہ بن سکنے کا بیان

"وَلَوْ اَنَّ لِکُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ" کَفَرَتْ "مَا فِی الْاَرْضِ" جَمِیْعًا مِنَ الْاَمْوَال "لَافْتَدَتْ بِہٖ" مِنَ الْعَذَاب یَوْم الْقِیَامَۃ "وَاَسَرُّوا النَّدَامَۃَ" عَلٰی تَرْک الْاِیْمَان "لَمَّا رَاَوُا الْعَذَاب" اَخْفَاھَا رُؤَسَاؤُھُمْ عَنْ

الضُّعَفَاء الَّذِیْنَ اَضَلُّوھُمْ مَخَافَة التَّعْيِيْر "وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ" بَيْن الْخَلَائِق "بِالْقِسْطِ" بِالْعَدْلِ "وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" شَيْئًا،

اگر ہر ظالم یعنی کافر شخص کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہو جو زمین میں مال و دولت ہے تو وہ قیامت کے دن عذاب کے بدلہ میں فدیہ دے ڈالے، اور وہ ایمان نہ لانے کی ندامت کو چھپائیں گے اور جب عذاب کو دیکھیں گے یعنی ان کے رہنما ان کمزور لوگوں کو چھپائیں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تو اپنی ندامت چھپائے پھریں گے اور ان کے یعنی مخلوق کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہیں ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا اگر تیرے لئے زمین بھر کے برابر سونا ہوتا تو کیا تو اسے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ کر دیتا تو وہ کہے گا جی ہاں تو اس سے کہا جائے گا تجھ سے اس سے بھی آسان چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2584)

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
سن لو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سن لو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں اکثر کو خبر نہیں ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب کے برحق ہونے کا بیان

"اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَات وَالْاَرْض اَلَا اِنَّ وَعْد اللّٰه" بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاء "حَقّ" ثَابِت "وَلٰكِنَّ اَكْثَرهمْ" اَيْ النَّاس "لَا يَعْلَمُوْنَ" ذٰلِكَ،

سن لو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سن لو بیشک اللہ کا وعدہ بعث و جزاء کے بارے میں سچا یعنی ثابت ہے مگر ان میں اکثر لوگوں کو خبر نہیں ہے۔ یعنی وہ اس کو نہیں جانتے۔

مالک آسمان و زمین مختار کل کائنات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے وعدے سچے ہیں وہ پورے ہو کر ہی رہیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ جلانے مارنے والا وہی ہے، سب باتوں پر وہ قادر ہے۔ جسم سے علیحدہ ہونے والی چیز کو، اس کے بکھر کر بگڑ کر ٹکڑے ہونے کو وہ جانتا ہے اس کے حصے کن جنگلوں میں کن دریاؤں میں کہاں ہیں وہ خوب جانتا ہے۔

مرنے کے بعد زندہ ہو کر دوبارہ اٹھنے کا معاملہ اس قدر حقیقت پر مبنی ہے کہ اس کے ثبوت میں انبیاء و رسل علیہم السلام پر اتاری جانے والی جملہ آسمانی شریعتوں اور الہامی کتابوں میں تواتر کے ساتھ آیات و نصوص ذکر ہوئی ہیں اور پھر اس عقیدے کو ہر پیغمبر علیہ السلام کی امت میں سے لوگوں نے قبول کیا ہے اور تم اے منکرین یوم بعث! کیونکر اس حقیقت کا انکار کرتے ہو، جبکہ تم کسی فلسفی اور مفکر کی طرف سے کہی گئی ہر بات کو فوراً سچ مانتے ہوئے قبول کر لیتے ہو، خواہ یہ خبر اپنے وسائل اور ذرائع کے اعتبار سے کسی بھی طرح بعث و نشور کے بارے خبریں دینے والے ذرائع و وسائل سے مطابقت نہ رکھتے ہوں، نہ خبر کو منتقل کرنے کے لحاظ سے اور نہ واقعاتی شہادت (گواہی) کی رو سے؟

کسی ایک کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مخلوق (پیدا کی گئی کوئی بھی چیز) عدم کے بعد وجود میں آتی ہے اور یہ کہ ہر مخلوق حادث یعنی اپنے وجود میں آنے سے قبل وہ کچھ نہ تھی، تو وہ ذات برحق، جس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، اس کو عدم سے وجود میں لایا ہے، جبکہ اس سے پہلے وہ کوئی چیز نہ تھی، اس بات پر زیادہ قادر ہے کہ ایک چیز کو وجود میں لانے کے بعد (جب وہ ختم ہو جائے) تو اسی کو دوبارہ وجود میں لے آئے۔ جیسا کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی (اللہ) تو ہے، جو خلقت کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا، اور یہ اس پر زیادہ آسان ہے۔ (روم ۲۷)

هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝
وہی زندگی بخشا اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

زندگی اور موت اور لوٹنے کا بیان

"هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ،

وہی زندگی بخشا اور موت دیتا ہے اور آخرت میں اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزاء دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص کو اس کے اونٹ نے کچل دیا اس حال میں کہ وہ محرم تھا اور ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دو کپڑوں میں کفن دو، نہ اس کو خوشبو لگاؤ اور نہ اس کے سر کو ڈھانپو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھائے گا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1212)

ان آیات میں آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت نامہ، وعدہ الٰہی کے برحق، زندگی اور موت پر اس کا اختیار ہے، جو ذات اتنے اختیار کی مالک ہے، اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ اور اس نے حساب کتاب کے لئے ایک دن مقرر کیا ہوا ہے۔ اسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ ایک دن ضرور آئے گا اور ہر نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزا اور سزا دی جائے گی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کے لئے شفا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

عقائد فاسدہ سے بچانے کے لئے قرآن میں شفا ہونے کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ " اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ "قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ " كِتَابٌ فِيهِ مَا لَكُمْ وَمَا عَلَيْكُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰن "وَشِفَاء " دَوَاء "لِمَا فِي الصُّدُوْر " مِنَ الْعَقَائِد الْفَاسِدَة وَالشُّكُوك "وَهُدًى" مِنَ الضَّلَال "وَرَحْمَة لِلْمُؤْمِنِيْنَ" بِهٖ،

اے اہل مکہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی یعنی کتاب جو تمہارے لئے ہے اور اس میں تمہارے لئے احکام ہیں اور وہ قرآن ہے اور عقائد فاسدہ اور شکوک وشبہات سے بچانے کے لئے دلوں کے لئے شفا یعنی دواء ہے اور ایمان والوں کے لیے گمراہی سے ہدایت اور رحمت ہے۔

اس آیت میں قرآن کریم کے آنے اور اس کے موعظت وشفا و ہدایت و رحمت ہونے کا بیان ہے کہ یہ کتاب ان فوائدِ عظیمہ کی جامع ہے۔ موعظت کے معنی ہیں وہ چیز جو انسان کو مرغوب کی طرف بلائے اور خطرے سے بچائے۔ خلیل نے کہا کہ موعظت نیکی کی نصیحت کرنا ہے جس سے دل میں نرمی پیدا ہو۔ شفاء سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک قلبی امراض کو دور کرتا ہے۔ دل کے امراض اخلاقِ ذمیمہ، عقائدِ فاسدہ اور جہالت مُہلِکہ ہیں، قرآن پاک ان تمام امراض کو دور کرتا ہے۔ قرآن کریم کی صفت میں ہدایت بھی فرمایا کیونکہ وہ گمراہی سے بچاتا اور راہِ حق دکھاتا ہے اور ایمان والوں کے لئے رحمت اس لئے فرمایا کہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یونس، لاہور)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں الرُّقیٰ بفاتحۃ الکتاب فاتحہ سے دم کرنا کے عنوان سے باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ صحابہ کرام کا قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ پر گزر ہوا۔ انہوں نے ان صحابہ کرام کی مہمان نوازی نہ کی۔ اسی اثناء میں ان لوگوں کے سردار کو سانپ یا بچھو کا ڈنگ لگا۔ بستی والوں نے کہا تمہارے پاس کوئی دواء یا دم کرنے والا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا جی ہاں۔ تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی (کھانا نہیں کھلایا) ہم (بھی) دم نہیں کریں گے جب تک بکریوں کا پورا ریوڑ ہمیں نہ دو۔ اب ان لوگوں نے بکریوں کا ریوڑ ان حضرات کو دیا توفجعل یقرأ بأم القرآن حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم، جھاڑ شروع کر دیا۔ لعاب دہن جمع کر کے زخم پر لگاتے جاتے۔ وہ شخص ٹھیک ہو گیا۔ بکریوں کا ریوڑ ان کے سپرد کرنے لگے تو صحابہ کرام کہا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں لیں گے۔ پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپ ہنس پڑے۔ فرمایا: تجھے کیسے پتہ چل گیا کہ یہ دم ہے؟ لو! اور میرا حصہ مجھے دو۔ (بخاری، الصحیح، 5:2166، رقم 5404)

قرآن کی چار صفات اور ان کی ترتیب

موعظت 'شفا' ہدایت اور رحمت:۔ اس آیت میں قرآن کریم کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت موعظت ہے موعظت ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جو انسان کی توجہ کو دنیا کے انہماک سے ہٹا کر اللہ کی یاد اور روزِ آخرت کی طرف مبذول کرے اور اس سے دلوں میں رقت اور دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے لگاؤ پیدا ہو۔ دوسری صفت یہ ہے کہ یہ قرآن دلوں کی بیماریوں مثلاً شرک اور کفر کا عقیدہ، حسد، بغض، خودغرضی، بخل، لالچ وغیرہ کے لیے شفا کا کام دیتا ہے جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہے یہ روگ از خود اس کے دل سے دور ہو جاتے ہیں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ قرآن انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی پوری طرح

رہنمائی کرتا ہے وہ ہر فرد کے الگ الگ حقوق متعین کرتا ہے اور ایسے قوانین بتلاتا ہے جس سے فرد، معاشرہ اور حکومت میں سے کسی کے حقوق مجروح بھی نہ ہوں اور کسی دوسرے پر زیادتی بھی نہ ہو۔ اور اس کی چوتھی صفت یہ ہے کہ جو شخص قرآن پر عمل پیرا ہوتا ہے یا جو معاشرہ یا حکومت اس کی اتباع کرتی ہے اس پر اس دنیا میں بھی اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ہوگا۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

قرآن کے ذریعے سربلندی اور ذلت :۔ سیّدنا عمر کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو سربلندی عطا فرمائے گا اور بہت سے لوگوں کو ذلیل کرے گا" (مسلم۔ کتاب فضائل القرآن)

قرآن کریم کی دوسری صفت شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ارشاد فرمائی، شفاء کے معنے بیماری دور ہونے کے ہیں، اور صدور، صدر کی جمع ہے جس کے معنی سینہ کے ہیں، مراد اس سے قلب ہے۔

معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم دلوں کی بیماریوں کا کامیاب علاج اور صحت وشفاء کا نسخہ اکسیر ہے، حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوا کہ وہ خاص دلوں کی بیماری کے لئے شفاء ہے، جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں۔ (روح المعانی)

مگر دوسرے حضرات نے فرمایا کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی وروحانی ہو یا بدنی اور جسمانی، مگر روحانی بیماریوں کی تباہی انسان کے لئے جسمانی بیماریوں سے زیادہ شدید ہے اور اس کا علاج بھی ہر شخص کے بس کا نہیں، اس لئے اس جگہ ذکر صرف قلبی اور روحانی بیماریوں کا کیا گیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جسمانی بیماریوں کے لئے شفاء نہیں ہے۔

روایات حدیث اور علمائے امت کے بے شمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے قلبی امراض کے لئے اکسیر اعظم ہے اسی طرح وہ جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے سینے میں تکلیف ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ، یعنی قرآن شفاء ہے ان تمام بیماریوں کی جو سینوں میں ہوتی ہیں۔ (تفسیر روح المعانی، یونس، بیروت)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○
فرمادیجئے، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تم پر ہوا ہے)
پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔

اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا بیان

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰه" الْإِسْلَام "وَبِرَحْمَتِهٖ" الْقُرْآن "فَبِذٰلِكَ" الْفَضْل وَالرَّحْمَة "فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْر مِمَّا يَجْمَعُوْنَ" مِنْ الدُّنْيَا بِالْيَاءِ وَالتَّاء ،

فرما دیجئے، اللہ کے فضل یعنی اسلام اور اس کی رحمت یعنی قرآن کے باعث ہے (جو بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے وہ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔ یہاں پر یجمع یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔

رحمت مصطفوی ﷺ پر اظہار خوشی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، قرآن کریم کی آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، اور حاصل اس کا بھی پہلی تفسیر سے کچھ مختلف نہیں، کیونکہ عمل بالقرآن یا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی کے مختلف عنوانات ہیں۔

اس آیت میں مشہور قراءت کے مطابق فَلْيَفْرَحُوْا بصیغہ غائب آیا ہے، حالانکہ اس کے اصل مخاطب اس وقت کے موجودین، حاضرین تھے، جس کا مقتضی یہ تھا کہ اس جگہ صیغہ خطاب کا استعمال کیا جاتا۔

جیسا کہ بعض قراءتوں میں آیا بھی ہے، مگر مشہور قراءت میں صیغہ غائب استعمال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلام کی رحمت عامہ صرف اس وقت کے حاضرین وموجودین کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والی نسلوں کو بھی شامل ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ یونس، بیروت)

ائمہ تفسیر کے نزدیک فضل ورحمت کا مفہوم

اب ہم ذیل میں سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں مذکور الفاظ۔ فضل اور رحمت۔ کی تفسیر اور توضیح وتشریح چند مستند ائمہ تفاسیر کی آراء کی روشنی میں بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکے:

1۔ علامہ ابن جوزی (510۔579ھ) سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں۔

إن فضل الله : العلم، ورحمته : محمد صلى الله عليه وآله وسلم. رواه الضحاك عن ابن عباس.

ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک فضل اللہ سے مراد علم (یعنی قرآن) ہے، اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر، 40:4)۔

2۔ ابوحیان اندلسی (682۔749ھ) ضحاک کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں

وقال ابن عباس فيما روى الضحاك عنه : الفضل : العلم، والرحمة : محمد صلى الله عليه وآله وسلم. (تفسیر البحر المحیط، 171:5)

ضحاک نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم (یعنی قرآن) اور رحمت سے مراد محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

3۔امام سیوطی (849۔911ھ) نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے

وأخرج أبو الشيخ عن ابن عباس رضى الله عنهما فى الآية، قال : فضل الله : العلم، ورحمته : محمد صلى الله عليه وآله وسلم. قال الله تعالىٰ : (وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ)

(الأنبياء، 107:21، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، 330:4)

ابوشیخ نے اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل اللہ سے مراد علم (یعنی قرآن) ہے، اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: (اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر)۔

4۔علامہ آلوسی (1217۔1270ھ) بیان کرتے ہیں۔

و أخرج أبو الشيخ عن ابن عباس رضى الله عنهما أن الفضل العلم والرحمة محمد صلى الله عليه وآله وسلم، وأخرج الخطيب وابن عساكر عنه تفسير الفضل بالنبى عليه الصلاة والسلام.

ابوشیخ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم ہے اور رحمت سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ خطیب اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فضل سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، 141:11)

مذکورہ تفاسیر سے واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فضل سے مراد العلم لیتے ہیں اور العلم سے مراد قرآن حکیم ہے جس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء، 113:4)

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اگر فضل سے مراد علم یا قرآن حکیم لیں تو پھر بھی اس کا ضمنی مفہوم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے واسطے سے ہمیں قرآن مجید ملا۔ امام المفسرین جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اللہ کا فضل اور سرتاپا اس کی رحمت ہے۔ سورۃ یونس کی آیت نمبر 58 میں مذکورہ الفاظ۔ **فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا** ۔ کے مفہوم کو جشنِ میلاد کی خوشیاں منانے کے حوالے سے اُجاگر کرتا ہے۔ جشنِ میلاد کو عید مسرت کی حیثیت سے منانے کو اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی ومسرت کے اظہار کا ذریعہ گردانا گیا ہے اور اس کا ذکر اس قرینے اور شدّ ومد سے کیا گیا ہے کہ کوئی صاحبِ فکر مسلمان اس بات سے انکار نہیں کرے گا۔ مذکورہ بالا عباراتِ تفاسیر نے فضل ورحمت کے معانی اس طرح کھول کر بیان کر دیے ہیں

کہ اس کے اَسرار و رموز بالکل عیاں ہو گئے ہیں، اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر مسرتوں اور شادمانیوں کی صورت میں جشنِ عید منانا منشائے خداوندی ہے۔

علامہ طبرسی (م 548ھ) نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

ومعنى الآية قل لهؤلاء الفرحين بالدنيا المعتدين بها الجامعين لها إذا فرحتم بشيء فافرحوا بفضل الله عليكم ورحمته لكم بانزال هذا القرآن وارسال محمد إليكم فإنكم تحصلون بهما نعيمًا دائمًا مقيمًا هو خير لكم من هذه الدنيا الفانية ، عن قتادة ومجاهد وغيرهما قال أبو جعفر الباقر عليه السلام : (فَضْلُ اللهِ) رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم.

(طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، 5:177، 178)

اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جو دنیا کی خوشیوں میں مگن اور اس کے ذریعے (دوسروں پر) ظلم و زیادتی کرنے والے اور ہر وقت اس کو جمع کرنے والے ہیں کہ اگر تم کوئی خوشی منانا ہی چاہتے ہو تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر جشنِ مسرت مناؤ جو نزولِ قرآن اور ولادت و بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں تمہیں عطا ہوئے ہیں۔ پس بے شک تم ان دونوں (نزولِ قرآن اور ولادت و بعثتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوشی منانے) کے بدلے میں ہمیشہ قائم رہنے والی نعمت (جنت) حاصل کرو گے جو تمہارے لیے اِس فانی دنیا سے بہت بہتر ہے۔ حضرت قتادہ اور مجاہد کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی روایت ہے کہ امام ابو جعفر محمد الباقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے فضل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

تفاسیر میں بیان کیے گئے تمام معانی، ان کے رموز اور ضمنی تشریحات و تعبیرات سے یہی مفہوم اَخذ ہوتا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت جو اُس کے فضل اور رحمت کی صورت میں نازل ہوئی وہ قرآن اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جشنِ مسرت و شادمانی منانے کے قابل صرف دو چیزیں ہیں: ایک قرآن کا نزول اور دوسرا ولادتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پر فرمانِ اِلٰہی۔ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ حجت ہے۔ اگر کوئی خوشی منانی ہے تو اس رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے دن سے زیادہ اور کوئی دن اس کا حق دار و سزاوار نہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ
قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝
تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام و حلال ٹھہرا لیا، تم فرماؤ
کیا اللہ نے اُس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

اپنی جانب سے حلت وحرمت کا حکم اللہ کی جانب منسوب کرنے والے مکذبین کا بیان

"قُلْ اَرَاَيْتُمْ" اَخْبِرُوْنِىْ "مَا اَنْزَلَ اللّٰه " خَلَقَ "لَكُمْ مِنْ رِزْق فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا " كَالْبَحِيْرَةِ وَالسَّائِبَة وَالْمَيْتَة "قُلْ اٰللّٰه اَذِنَ لَكُمْ " فِىْ ذٰلِكَ بِالتَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيم لَا "اَمْ" بَلْ "عَلَى اللّٰه تَفْتَرُوْنَ" تُكَذِّبُوْنَ بِنِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ،

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا یعنی تمہارے لئے پیدا کیا۔اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام و حلال ٹھہرالیا، جس طرح بحیرہ، سائبہ اور مردار ہے۔تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یعنی ان کی حلت وحرمت کی اجازت دی ہے؟ نہیں بلکہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔یعنی اس کی نسبت اس کی طرف کر کے بہتان باندھتے ہو۔

سائبہ ایجاد کرنے والے کے عذاب کا بیان

ابوالیمان شعیب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے سعید بن میسّب کو کہتے ہوئے سنا کہ بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے (نذر میں مخصوص کر کے آدمیوں کو استعمال کرنے سے) روک دیا جائے اور آدمیوں میں سے کوئی شخص نہ دوھے۔اور سائبہ وہ جانور ہے جس کو کفار اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے پھر اس پر کوئی چیز نہ لادی جاتی۔سعید بن میسّب بیان کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میں نے عمرو بن عامر بن لحی کو دیکھا کہ وہ آگ میں آنتیں کھینچ رہا ہے اور یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے سائبہ کی ایجاد کی؟ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 780)

طیب چیزوں کی حلت جبکہ خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان

حضرت عوف بن مالک بن فضلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میلا کچیلا جسم بال بکھرے ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا، تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔آپ نے فرمایا کہ کس قسم کا مال؟ میں نے کہا اونٹ، غلام، گھوڑے، بکریاں وغیرہ غرض ہر قسم کا مال ہے۔ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تجھے سب کچھ دے رکھا ہے تو اس کا اثر بھی تیرے جسم پر ظاہر ہونا چاہیے۔پھر آپ نے پوچھا کہ تیرے ہاں اونٹنیاں بچے بھی دیتی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔فرمایا وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں پھر تو اپنے ہاتھ میں چھری لے کر کسی کا کان کاٹ کے اس کا نام بحیرہ رکھ لیتا ہے۔کسی کی کھال کاٹ کر حرام نام رکھ لیتا ہے۔پھر اسے اپنے اوپر اور اپنے والوں پر حرام سمجھ لیتا ہے؟ میں نے کہا ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن اللہ نے تجھے جو دیا ہے وہ حلال ہے۔اللہ تعالیٰ کا بازو تیرے بازو سے قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چھری تیری چھری سے بہت زیادہ تیز ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لوگوں کے فعل کی پوری مذمت بیان فرمائی ہے جو اپنی طرف سے بغیر شرعی دلیل کے کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔انہیں اللہ نے قیامت کے عذاب کے سے دھمکایا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا کیا خیال ہے؟ یہ کس ہوا میں ہیں۔کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ بے بس ہو

کر قیامت کے دن ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر اپنا فضل وکرم ہی کرتا ہے۔ وہ دنیا میں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسی کا فضل ہے کہ اس نے دنیا میں بہت سی نفع کی چیزیں لوگوں کے لیے حلال کر دی ہیں۔ صرف انہیں چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ جو بندوں کو نقصان پہنچانے والی اور ان کے حق میں مضر ہیں۔ دنیوی طور پر یا اُخروی طور پر۔ لیکن اکثر لوگ ناشکری کر کے اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اپنی جانوں کو خود تنگی میں ڈالتے ہیں۔ مشرک لوگ اسی طرح از خود احکام گھڑ لیا کرتے تھے اور انہیں شریعت سمجھ بیٹھتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل)

مفسر قرآن صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کو اپنی طرف سے حلال یا حرام کرنا ممنوع اور خدا پر افتراء ہے (اللہ کی پناہ) آج کل بہت لوگ اس میں مبتلاء ہیں، ممنوعات کو حلال کہتے ہیں اور مباحات کو حرام۔ بعض سود کو حلال کرنے پر مصر ہیں، بعض تصویروں کو، بعض کھیل تماشوں کو، بعض عورتوں کی بے قیدیوں اور بے پردگیوں کو، بعض بھوک ہڑتال کو جو خودکشی ہے مباح سمجھتے ہیں اور حلال ٹھہراتے ہیں اور بعض لوگ حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر مصر ہیں جیسے محفلِ میلاد کو، فاتحہ کو، گیارہویں کو اور دیگر طریقہ ہائے ایصالِ ثواب کو، بعض میلادِ شریف و فاتحہ و توشہ کی شیرینی و تبرک کو جو سب حلال و طیب چیزیں ہیں ناجائز و ممنوع بتاتے ہیں، اسی کو قرآن پاک نے خدا پر افتراء کرنا بتایا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، یونس، لاہور)

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝
اور ایسے لوگوں کا روز قیامت کے بارے میں کیا خیال ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، بیشک اللہ لوگوں پر
فضل فرمانے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہیں۔

انسان کا اپنے انجام سے غفلت برتنے کا بیان

"وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِب" اَیْ اَیّ شَیْء ظَنّهُمْ بِهِ "يَوْمَ الْقِيَامَة" اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهٗ لَا يُعَاقِبهُمْ ! لَا "اِنَّ اللّٰه لَذُو فَضْل عَلَى النَّاس" بِاِمْهَالِهِمْ وَالْاِنْعَام عَلَيْهِمْ، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ،

اور ایسے لوگوں کا روز قیامت کے بارے میں کیا خیال ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں، یعنی گمان والی کیا چیز ہے۔ کہیں وہ یہ گمان تو نہیں کر بیٹھے ہیں انہیں پکڑ نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسا نہیں ہے وہ لوگ غور سے سن لیں کہ بیشک اللہ اموال دیکر اور جانور دیکر لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہیں۔

قیامت کے دن ان حلال اور حرام بنانے والوں سے کیسا سلوک کیا جائے گا؟ اس دن انھیں جو مار پڑے گی اور دکھ کا عذاب سہنا پڑے گا اس کے متعلق بھی ان افتراء پردازوں نے کبھی غور کیا ہے؟ اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان ہے جس نے ہر وقت انھیں ہر اچھے اور برے کام کے انجام سے مطلع کر دیا ہے لیکن بجائے اس کے کہ لوگ اللہ کی اس مہربانی پر اس کے شکر گزار ہوتے لیکن وہ تو اس کی

حدود کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں پھر اسی کے نام سے منسوب بھی کر دیتے ہیں۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ اس کی طرف سے جس قدر بھی قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اور تم جو عمل بھی کرتے ہو مگر ہم تم سب پر گواہ و نگہبان ہوتے ہیں جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو، اور آپ کے رب سے ایک ذرہ برابر بھی نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں ہے۔

ہر بڑی یا چھوٹی چیزوں کا کتاب مبین میں ہونے کا بیان

"وَمَا تَكُوْن" يَا مُحَمَّد "فِيْ شَاْن" اَمْر "وَمَا تَتْلُوَا مِنْهُ" اَيْ مِنَ الشَّاْن اَوْ اللّٰه "مِنْ قُرْاٰن" اَنْزَلَهُ عَلَيْك "وَلَا تَعْمَلُوْنَ" خَاطَبَهُ وَاُمَّته "مِنْ عَمَل اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا" رُقَبَاء "اِذْ تُفِيضُوْنَ" تَاْخُذُوْنَ "فِيْهِ" اَيْ الْعَمَل "وَمَا يَعْزُب" يَغِيب "عَنْ رَبّك مِنْ مِثْقَال" وَزْن "ذَرَّة" اَصْغَر نَمْلَة "فِي الْاَرْض وَلَا فِي السَّمَاء وَلَا اَصْغَر مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَر اِلَّا فِيْ كِتَاب مُبِيْن" بَيِّن هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ،

اور یا محمد ﷺ آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ اس کی طرف سے جس قدر بھی قرآن پڑھ کر سناتے ہیں یعنی جو آپ ﷺ کی طرف نازل ہوا ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے ہو مگر ہم تم سب پر گواہ و نگہبان ہوتے ہیں یہاں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کو خطاب ہے۔ جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو، اور آپ کے رب سے ایک ذرہ برابر بھی نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے ذرہ سے چھوٹی چیز چیونٹی ہے۔ اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں ہے۔ یعنی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

کسی چیز و مخلوق کا بھی علم الٰہی سے باہر نہ ہونے کا بیان

وہ خشکی و تری کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے ہر پتے کے جھڑنے کی اسے خبر ہے۔ زمین کے اندھیروں میں جو دانہ ہو، جو تر و خشک چیز ہو، سب کتاب مبین میں موجود ہے۔ الغرض درختوں کا ہلنا۔ جمادات کا ادھر ادھر ہونا، جانداروں کا حرکت کرنا، کوئی چیز روئے زمین کی اور تمام آسمانوں کی ایسی نہیں، جس سے علیم و خبیر اللہ بے خبر ہو۔

ایک اور آیت میں ہے کہ زمین کے ہر جاندار کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ جب کہ درختوں، ذروں جانوروں اور تمام تر و خشک چیزوں کے حال سے اللہ عزوجل واقف ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بندوں کے اعمال سے وہ بے خبر ہو۔ جنہیں عبادت رب کی

بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمان ہے اس ذی عزت بڑے رحم وکرم والے اللہ پر تو بھروسہ رکھ جو تیرے قیام کی حالت میں تجھے دیکھتا رہتا ہے سجدہ کرنے والوں میں تیرا آنا جانا بھی دیکھ رہا ہے۔ یہی بیان یہاں ہے کہ تم سب ہماری آنکھوں اور کانوں کے سامنے ہو۔ حضرت جبرائیل نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کی بابت سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھ ہی رہا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
خبردار! بیشک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ وغمگین ہوں گے۔

اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں خوف اور آخرت میں غم نہ ہونے کا بیان

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" فِي الْاٰخِرَة،

خبردار! بیشک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں غمزدہ ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بعض بندوں میں سے ایسے انسان ہیں جو نبی ہیں نہ شہید۔ (لیکن) اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی ان کی تحسین کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ؛ ہمیں خبر دیں وہ کون لوگ ہوں گے؟

آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محض اللہ کی وجہ سے محبت کرتے ہیں حالانکہ وہ لوگ ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں نہ ہی ان کو ان سے کوئی مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے منور ہوں گے اور بے شک وہ نور پر فائز ہوں گے۔ اور جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غم زدہ ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سنن ابوداؤد۔ رقم الحدیث۔ ۳۵۲۸)

ولی کی تعریف کا بیان

ولی سے مراد وہ شخص ہے جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ ہیشگی کے ساتھ عبادت کرنے والا ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے چہرہ دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔ بزار کی مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے۔ (فتح الباری۔ ج ۱۱۔ ۳۴۲۔ عمدۃ القاری، جز ۳۔ ص ۸۹۔ مطبوعہ مصر)

فیض ولایت میں مراتب کے لحاظ کا بیان

امت کے افراد کو یہ درجہ ولایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہوسکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیض صحبت

صحابہ کرام کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجہ ولایت تمام امت کے اولیاء واقطاب سے بالاتر تھا بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے وسائط بڑھتے جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق پڑ جاتا ہے، یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے آپ کی سنت کے پیرو ہیں ایسے لوگوں کی کثرت سے مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو، یہی نسخہ ہے درجہ ولایت حاصل کرنے کا جو تین جزء سے مرکب ہے۔ کسی ولی اللہ کی صحبت، اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت، بشرطیکہ یہ کثرت ذکر مسنون طریقہ پر ہو، کیونکہ کثرت ذکر سے آئینہ قلب کو جلا ہوتی ہے تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے، قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے، اس کو بیہقی نے بروایت ابن عمر نقل فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ آپ نے فرمایا المرء مع من احب یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت وصحبت انسان کے لئے حصول ولایت کا ذریعہ ہے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت رزین کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رزین سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کہ اہل ذکر کی مجلس وصحبت کو لازم پکڑو اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لئے کرو جس سے نفرت کرو اللہ کے لئے کرو۔ (تفسیر مظہری، سورہ یونس، لاہور)

اولیائے کرام کے دشمن اللہ سے جنگ کرنے والے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں اور میرا کوئی بندہ مومن میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ہو جیسے ادائیگی فریضہ کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے ہمیشہ نوافل کے ذریعے (یعنی ان طاعات وعبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔

اور جب میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور مکروہات سے میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندہ مومن کی جان قبض کرنے

میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 787)

میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں۔ اس بارے میں علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس بندہ پر ان افعال واعمال کو آسان کر دیتا ہوں جن کا تعلق ان اعضاء سے ہے اور اس کو ان اعمال وافعال کے کرنے کی توفیق دیتا ہوں یہاں تک کہ گویا وہ اعضاء ہی بن جاتا ہوں۔

بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے حواس اور اس کے اعضاء کو اپنی رضا وخوشنودی کا وسیلہ بنا دیتا ہے چنانچہ وہ بندہ اپنے کان سے صرف وہی بات سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے یا اسی طرح وہ اپنی آنکھ سے صرف انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

بعض حضرات اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اس بندہ پر اپنی محبت غالب کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ اس چیز کو سنتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اس کا مددگار وکارساز ہوتا ہے اور اس کے کان اس کی آنکھ اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کو ان چیزوں سے بچاتا ہے جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ میں تردد کرتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنی اس عنایت کے سبب جو اس بندہ کے شامل حال ہوتی ہے اس کی زندگی ختم کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ موت اس کے لئے کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہوتی لیکن موت سے چونکہ مفر نہیں اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اس دنیا میں جو بھی جاندار آیا ہے اس کو موت کی آغوش میں ضرور ہی جانا ہے اس لئے اس کو موت دیتا ہوں پھر یہ کہ اس کی موت بھی اس کے لئے بھلائی ہی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ موت کے بعد ہی عظیم الشان سعادتوں اور درجات عالیہ کو پہنچتا ہے مثلاً حضور باری تعالیٰ اور جنت وغیرہ کی لازوال نعمتیں موت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں۔ اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ تردد کے معنی ہیں ایسی دو چیزوں کی درمیان تحیر اور پس وپیش کرنا جن کے بارہ میں یہ یقینی علم نہ ہو کہ ان دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پر تردد کے اس معنی کا اطلاق قطعاً ناممکن اور محال ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے کسی فیصلہ کو پورا کرنے میں اس طرح تاخیر توقف نہیں کرتا کہ جس طرح کہ کوئی متردد شخص اپنے کسی کام اور معاملہ کرتا ہے اس بندہ کی روح قبض کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ میں اس میں کچھ توقف کرتا ہوں تا کہ اس بندہ مومن پر موت آسان ہو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ خود موت کے آنے کا مشتاق ہو جائے پھر اس کے بعد وہ زمرہ مقربین میں داخل ہو کر اعلیٰ علیین میں اپنی جگہ حاصل کر لے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝
وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

ایمان اور تقویٰ اختیار والے نیک بندوں کا بیان

"اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ" اللّٰہ بِامْتِثَالِ اَمْرِہ وَنَھْیِہٖ

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔ یعنی اس کے اوامر ونواہی پر عمل کر کے تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

قیامت کے دن تین قسم کے اولیاء کے مقاصد اعمال کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اولیا اللہ کی تین قسمیں کر کے انہیں جناب باری کے سامنے لایا جائے گا۔ پہلے قسم والوں میں سے ایک سے سوال ہوگا کہ تم لوگوں نے یہ نیکیاں کیوں کیں؟ وہ جواب دیں گے کہ پروردگار تو نے جنت بنائی اس میں درخت لگائے، ان درختوں میں پھل پیدا کئے، وہاں نہریں جاری کیں، حوریں پیدا کیں اور نعمتیں تیار کیں، پس اسی جنت کے شوق میں ہم راتوں کو بیدار رہے اور دنوں کو بھوک پیاس اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تو تمہارے اعمال جنت کے حاصل کرنے کے لیے تھے۔ میں تمہیں جنت میں جانے کی اجازت دیتا ہوں اور یہ میرا خاص فضل ہے کہ جہنم سے تمہیں نجات دیتا ہوں۔ گو یہ بھی میرا فضل ہی ہے کہ میں تمہیں جنت میں پہنچاتا ہوں پس یہ اور اس کے سب ساتھی بہشت بریں میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر دوسری قسم کے لوگوں میں سے ایک سے پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ نیکیاں کیسے کیں؟ وہ کہے گا پروردگار تو نے جہنم کو پیدا کیا۔ اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کے لیے وہاں طوق وزنجیر، حرارت، آگ، گرم پانی اور گرم ہوا کا عذاب رکھا وہاں طرح طرح کے روح فرسا دکھ دینے والے عذاب تیار کئے۔ پس میں راتوں کو جاگتا رہا، دنوں کو بھوکا پیاسا رہا، صرف اس جہنم سے ڈر کر تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے تجھے اس جہنم سے آزاد کیا اور تجھ پر میرا یہ خاص فضل ہے کہ تجھے اپنی جنت میں لے جاتا ہوں پس یہ اور اس کے ساتھی سب جنت میں چلے جائیں گے پھر تیسری قسم کے لوگوں میں سے ایک کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تم نے نیکیاں کیوں کیں؟ وہ جواب دے گا کہ صرف تیری محبت میں اور تیرے شوق میں۔ تیری عزت کی قسم میں راتوں کو عبادت میں جاگتا رہا اور دنوں کو روزے رکھ کر بھوک پیاس سہتا رہا، یہ سب صرف تیرے شوق اور تیری محبت کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ اعمال صرف میری محبت اور میرے اشتیاق میں ہی کئے۔ لے اب میرا دیدار کر لے۔ اسوقت اللہ تعالیٰ جل جلالہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنا دیدار کرائے گا، فرمائے گا دیکھ لے، یہ ہوں میں، پھر فرمائے گا یہ میرا خاص فضل ہے کہ میں تجھے جہنم سے بچاتا ہوں اور جنت میں پہنچاتا ہوں میرے فرشتے تیرے پاس پہنچتے رہیں گے اور میں خود بھی تجھ پر سلام کہا کروں گا، پس وہ مع اپنے ساتھیوں کے جنت میں چلا جائے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ یونس، بیروت)

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝
انہی لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں کے لیے کوئی تبدیلی نہیں،
یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

نیک بندوں کے لئے دنیا میں بشارات ہونے کا بیان

"لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" فُسِّرَتْ فِي حَدِيْث صَحَّحَهُ الْحَاكِم بِالرُّؤْيَا الصَّالِحَة يَرَاهَا الرَّجُل اَوْ تُرٰى لَهٗ "وَفِي الْاٰخِرَة" الْجَنَّة وَالثَّوَاب "لَا تَبْدِيل لِكَلِمَاتِ اللّٰه" لَا خُلْف لِمَوَاعِيدِهٖ "ذٰلِكَ" الْمَذْكُور "هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"

انہی لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔ جس کی تفسیر حدیث میں کی گئی ہے کہ وہ نیک خواب ہیں جن کو شخص دیکھتا ہے یا اس کو دکھائے جاتے ہیں۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور آخرت میں جنت اور ثواب ہے۔ اللہ کی باتوں کے لیے کوئی تبدیلی نہیں، یعنی وہ اپنے وعدوں کا خلاف نہیں کرتا۔ یہی ذکر کردہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اچھے خوابوں کا مؤمن کے لئے بشارت ہونے کا بیان

ایک مصری شخص سے منقول ہے کہ انہوں نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت (لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِـرَةِ، یونس: 64) کی تفسیر پوچھی (ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے) انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے اس کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی ہے مجھ سے کسی نے اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے تم پہلے شخص ہو جس نے اس کی تفسیر پوچھی ہے۔ اس بشارت سے مراد مومن کا نیک خواب ہے جو وہ دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وہ عبدالعزیز سے وہ ابوصالح سمان سے وہ عطاء بن یسار سے وہ ایک مصری شخص سے اور وہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔ احمد بن عبدہ ضبی اسے حماد بن زید سے وہ عاصم سے وہ ابوصالح سے وہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اس سند میں عطاء بن یسار سے روایت نہیں۔ اس باب میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1049)

حضرت ابوالدرداء سے جب اس کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا تم نے آج مجھ سے وہ باب پوچھی جو تم سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی سوائے اس شخص کے جس نے یہی سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کے دینے سے پہلے نہیں فرمایا تھا کہ تجھ سے پہلے میرے کسی امتی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ خود انہی صحابی سے جب سائل نے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے بھی یہ فرما کر پھر تفسیر مرفوع حدیث سے بیان فرمائی۔ اور روایت میں ہے حضرت عبادہ نے سوال کیا کہ آخرت کی بشارت تو جنت ہے دنیا کی بشارت کیا ہے۔ فرمایا نیک خواب جسے بندہ دیکھے یا اس کے لیے اوروں کو دکھائے جائیں۔ یہ نبوت کا چوالیسواں یا ستر واں جز ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ انسان نیکیاں کرتا ہے پھر لوگوں میں اس کی تعریف ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی دنیوی بشارت ہے۔ (مسلم)

فرماتے ہیں کہ دنیا کی بشارت نیک خواب ہیں جن سے مومن کو خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ یہ نبوت کا انچاسواں حصہ ہے اس

کے دیکھنے والے کو اسے بیان کرنا چاہیے اور جو اس کے سوا دیکھے وہ شیطانی خواب ہیں تا کہ اسے غم زدہ کر دے۔ چاہیے کہ ایسے موقعہ پر تین دفعہ بائیں جانب تھتکار دے۔ اللہ کی بڑائی بیان کرے اور کسی سے اس خواب کو بیان نہ کرے۔ (مسند احمد بن حنبل)

نیک لوگوں کے لئے دنیا وآخرت میں خوشخبری ہونے کا بیان

اس خوش خبری سے یا تو وہ مراد ہے جو پرہیزگار ایمانداروں کو قرآن کریم میں جابجا دی گئی ہے یا بہترین خواب مراد ہے جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لئے دیکھا جاتا ہے جیسا کہ کثیر احادیث میں وارد ہوا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ولی کا قلب اور اس کی روح دونوں ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں تو وقت خواب اس کے دل میں سوائے ذکر ومعرفت الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لئے ولی جب خواب دیکھتا ہے تو اس کی خواب حق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا اس شخص کے لئے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں، فرمایا یہ مومن کے لئے بشارت عاجلہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضائے الٰہی اور اللہ کے محبت فرمانے اور خَلق کے دل میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کو زمین میں مقبول کر دیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ملائکہ وقت موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دیتے ہیں۔ عطا کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت تو وہ ہے جو ملائکہ وقت موت سناتے ہیں اور آخرت کی بشارت وہ ہے جو مومن کو جان نکلنے کے بعد سنائی جاتی ہے کہ اس سے اللہ راضی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یونس، بیروت)

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
ان کی گفتگو آپ کو غمگین نہ کرے۔ بیشک ساری عزت وغلبہ اللہ ہی کے لئے ہے (جو جسے چاہتا ہے دیتا ہے)،
وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے

رحمت مصطفوی ﷺ کا انکار ایمان کے سبب اظہار افسوس کا بیان

"وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلهمْ" لَسْت مُرْسَلًا وَغَيْره "اِنَّ" اسْتِئْنَاف "الْعِزَّة" الْقُوَّة "لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْع" لِلْقَوْلِ "الْعَلِيْم" بِالْفِعْلِ فَيُجَازِيهِمْ وَيَنْصُرك،

اے محبوب مکرم ﷺ، ان کی گفتگو آپ کو غمگین نہ کرے۔ یعنی جو کہتے ہیں کہ رسول نہیں ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے بیشک ساری عزت وغلبہ اللہ ہی کے لئے ہے، وہ ان کے قول کو خوب سننے والا، ان کے فعل کو جاننے والا ہے۔ پس وہ انہیں ان کی سزا دے گا اور ان کی خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔

عزت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے

ان مشرکوں کی باتوں کا کوئی رنج وغم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ سے ان پر مدد طلب کر اس پر بھروسہ رکھ، ساری عزتیں اسی کے ہاتھ میں،

وہ اپنے رسول کو اور مومنوں کو عزت دے گا۔ وہ بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے وہ ان کی حالتوں سے پورا خبردار ہے۔ آسمان وزمین کا وہی مالک ہے۔ اس کے سوا جن جن کو تم پوجتے ہو ان میں سے کوئی کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا کوئی نفع نقصان ان کے بس کا نہیں۔ پھر ان کے عبادت بھی محض بیدلیل ہے۔ صرف گمان، اٹکل، جھوٹ اور افترا ہے۔ حرکت، رنج وتعب، تکلیف اور کام کاج سے راحت وآرام سکون واطمینان حاصل کرنے کے لیے اللہ نے رات بنادی ہے۔ دن کو اس سے روشن اور اجالے والا بنادیا ہے تاکہ تم اس میں کام کاج کرو۔ معاش اور روزی کی فکر، سفر تجارت، کاروبار کرسکو، ان دلیلوں میں بہت کچھ عبرت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو ان آیتوں کو دیکھ کر ان خالق کی عظمت وجبروت کا تصور باندھتے اور اس خالق ومالک کی قدر عزت کرتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○
جان لو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب اللہ ہی کے ہیں، اور جو لوگ اللہ کے سوا کی پرستش کرتے ہیں
شریکوں کی پیروی نہیں کرتے، بلکہ وہ صرف وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض غلط اندازے لگاتے رہتے ہیں

مشرکین کا ملکیت والی چیزوں کی پرستش کرنے کا بیان

"اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمَاوَات وَمَنْ فِي الْاَرْض " عَبِيْدًا وَمُلْكًا وَخَلْقًا "وَمَا يَتَّبِع الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ " يَعْبُدُوْنَ "مِنْ دُوْن اللّٰه" اَيْ غَيْره اَصْنَامًا "شُرَكَاء " لَهُ عَلَى الْحَقِيقَة تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ "اِنْ" مَا "يَتَّبِعُوْنَ" فِيْ ذٰلِكَ "اِلَّا الظَّنّ" اَيْ ظَنّهمْ اَنَّهَا اٰلِهَة تَشْفَع لَهُمْ "وَاِنْ" مَا "هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ" يَكْذِبُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ،

جان لو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب اللہ ہی کے بندے، بادشاہت اور مملوک ہیں، اور جو لوگ اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں در حقیقت اپنے گھڑے ہوئے شریکوں کی پیروی بھی نہیں کرتے، بلکہ وہ صرف اپنے وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں کہ ان کے معبود ان کی سفارش کریں گے۔ حالانکہ وہ ان کو جھٹلانے والے ہیں۔ اور وہ محض غلط اندازے لگاتے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو فرماتے کہ اے میرے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے، تو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو چیزیں ہیں ان کا نگران ہے، تیری ہی لئے حمد ہے تیرے ہی لئے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں پر حکومت ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو آسمان اور زمین کی روشنی ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے۔ تیرا قول حق ہے،

جنت حق ہے، جہنم حق ہے، تمام نبی حق ہیں اور محمد حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے میرے اللہ میں نے اپنی گردن تیرے لئے جھکا دی اور میں تجھ پر ایمان لایا تجھی پر میں نے بھروسہ کیا، تیری طرف میں متوجہ ہوا، تیری ہی مدد سے میں نے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف میں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، میرے اگلے پچھلے اور ظاہری اور چھپے ہوئے گناہوں کو بخش دے تو ہی آگے اور پیچھے کرنے والا ہے، تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں سفیان نے کہا کہ عبدالکریم نے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی زیادتی کے ساتھ روایت کی ہے سفیان نے کہا کہ سلیمان بن ابی مسلم نے اس کو طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سنا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1072)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝
وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی، تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن کیا۔ بے شک اسی میں ان لوگوں
کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

دن کی روشنی سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل کا بیان

"هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا" اِسْنَادُ الْاِبْصَارِ اِلَیْهِ مَجَازٌ لِاَنَّهٗ یُبْصَرُ فِیْهِ "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ" دَلَالَاتٍ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ تَعَالٰی "لِقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ" سَمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ.

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی، تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن کیا۔ یہاں پر ابصار کی اسناد دن کی طرف مجازی ہے کیونکہ اس میں دیکھا جاتا ہے۔ بے شک اسی میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں یعنی اللہ کی توحید پر دلائل ہیں۔ جو سنتے ہیں۔ یعنی وہ سن کر غور کرتے ہیں اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک رات رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے ہاں تھے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہا تو بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی کہ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن رات کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1167)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو یہ دعا مانگا کرتے تھے، کہ یا اللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے، تو ہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور جو کچھ اس میں ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو آسمان اور زمین کی روشنی ہے، تیرا قول حق ہے اور تیرا وعدہ بھی حق ہے اور تیری ملاقات بھی حق ہے اور جنت بھی حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے۔

یا اللہ میں تیرا مطیع ہوں اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر ہی بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا، تیری ہی مدد سے میں نے

دشمنوں کا مقابلہ کیا، تجھی سے میں جھگڑے کا انصاف چاہتا ہوں، تو میرے اگلے اور پچھلے، ظاہر، پوشیدہ، گناہوں کو بخش دے، تو میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم سے ثابت بن محمد نے اوران سے سفیان نے اسی طرح بیان کیا اور اتنا زیادہ بیان کیا کہ (انت الحق و قولك الحق) ۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2284)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ
اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝
وہ کہتے ہیں، اللہ نے بیٹا بنالیا ہے، وہ اس سے پاک ہے، وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے
سب اسی کی مِلک ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر وہ کہتے ہو جسے تم بھی نہیں جانتے؟

اللہ تعالیٰ ہر طرح کی اولاد سے پاک ہے

"قَالُوا" اَیْ الْیَهُوْد وَالنَّصَارٰی وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلَائِکَة بَنَات اللّٰه "اتَّخَذَ اللّٰه وَلَدًا" قَالَ تَعَالٰی لَهُمْ "سُبْحَانه" تَنْزِیهًا لَهُ عَنْ الْوَلَد "هُوَ الْغَنِیّ" عَنْ کُلّ اَحَد وَاِنَّمَا یَطْلُب الْوَلَد مَنْ یَحْتَاج اِلَیْهِ "لَهُ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْاَرْض" مُلْکًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا "اِنْ" مَا "عِنْدکُمْ مِنْ سُلْطَان" حُجَّة "بِهٰذَا" الَّذِیْ تَقُوْلُوْنَهُ "اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰه مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" اسْتِفْهَام تَوْبِیخ،

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں، اللہ نے اپنے لئے بیٹا بنالیا ہے یعنی جس طرح انہوں نے گمان کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا وہ بیٹا بنانے سے پاک ہے، وہ ہر اس چیز سے جس کو اولاد کی ضرورت ہوتی ہے اس سے بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں جو بادشاہت مخلوق اور مملوک ہیں سب اسی کی مِلک ہے، تمہارے پاس اس قولِ باطل کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جسے تم خود بھی نہیں جانتے؟ یہاں استفہام بہ طور توبیخ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہ ہونے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر مردوں میں تو بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوئی ابن وہب یونس ابن شہاب سعید بن مسیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قریش کی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والی تمام عورتوں (یعنی عرب عورتوں) سے بہتر ہیں سب سے زیادہ بچہ سے محبت رکھنے والی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرنے والی ہیں اس کے بعد ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئیں۔ اس کے متابع حدیث زہری کے بھتیجے اور اسحاق کلبی نے زہری سے روایت کی ہے اور قول الٰہی اے اہل کتاب اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ کی شان میں غلط بات نہ کہو مسیح عیسیٰ بن مریم تو کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول اور اس

کے ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اس کی طرف سے ایک جان ہیں سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین اللہ ہیں باز آ جاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہے ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ کلمتہ سے مراد (اللہ کا یہ فرمانا ہے کہ) کن بس وہ کام ہو جاتا ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ روح منہ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے انہیں زندہ کیا اور روح دی اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 695)

ساری مخلوق صرف اس کی ملکیت ہے

جو لوگ اللہ کی اولاد مانتے تھے، ان کے عقیدے کا بطلان بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اس سے پاک ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے، سب اس کے محتاج ہیں، زمین و آسمان کی ساری مخلوق اس کی ملکیت ہے، اس کی غلام ہے، پھر ان میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو جائے تمہارے اس جھوٹ اور بہتان کی خود تمہارے پاس بھی کوئی دلیل نہیں۔ تم تو اللہ پر بھی اپنی جہالت سے باتیں بنانے لگے۔ تمہارے اس کلمے سے تو ممکن ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ٹوٹ جائیں کہ تم اللہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ہو؟ بھلا اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اسے تو یہ لائق نہیں زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہے۔ سب اس کی شمار میں ہیں۔ سب کی گنتی اس کے پاس ہے۔ ہر ایک تنہا تنہا اس کے سامنے پیش ہونے والا ہے۔ یہ افترا پرداز گروہ ہر کامیابی سے محروم ہے۔ دنیا میں انہیں کچھ مل جائے تو وہ عذاب کا پیش خیمہ اور سزاؤں کی زیادت کا باعث ہے۔ آخر ایک وقت آئے گا جب عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ سب کا لوٹنا اور سب کا اصلی ٹھکانا تو ہمارے ہاں ہے۔ یہ کہتے تھے اللہ کا بیٹا ہے ان کے اس کفر کا ہم اس وقت ان کو بدلہ چکھائیں گے جو نہایت سخت اور بہت بدترین ہوگا۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ٥
فرما دیجئے، بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

مشرکین کے لئے کامیابی نہ ہونے کا بیان

"قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِب" بِنَسَبِہِ الْوَلَدَ اِلَیْہِ "لَا یُفْلِحُونَ" لَا یَسْعَدُوْنَ،

فرما دیجئے، بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں یعنی اس کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہو، وہ فلاح نہیں پائیں گے یعنی وہ کامیاب نہ ہوں گے۔

اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی یعنی اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ جانا محض دنیا کی عارضی خوش حالی، کامیابی نہیں۔ جیسا کہ بہت سے لوگ کافروں کی عارضی خوشحالی سے مغالطے کا اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا: "یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں پھر ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے" یعنی یہ دنیا کا عیش، آخرت کے

مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد انھیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہیں جو اسباب ظاہر کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوہ ازیں یہ عارضی کامیابیاں اللہ کے قانون مہلت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہیں۔ جس کی وضاحت اس سے قبل بعض جگہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ○
دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر ہم انھیں بہت سخت عذاب چکھائیں گے،
اس کی وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے۔

موت کے بعد کفار کے لئے سخت عذاب ہونے کا بیان

لَهُمْ "مَتَاع" قَلِيل "فِي الدُّنْيَا" يَتَمَتَّعُوْنَ بِهِ مُدَّة حَيَاتهمْ "ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعهمْ" بِالْمَوْتِ "ثُمَّ نُذِيقهمْ الْعَذَاب الشَّدِيْد" بَعْد الْمَوْت، بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ،

ان کے لئے دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے، یعنی وہ اپنی زندگی کی مدت میں فائدہ اٹھاتے ہیں پھر موت کے ساتھ ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے، پھر ہم انہیں موت کے بعد بہت سخت عذاب چکھائیں گے، اس کی وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزا و احباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مومن کہتا ہے، میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو اللہ نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔

چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے۔ اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مومن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم الفاظ صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 123)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ○

اوران پرنوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایئے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم! اگرتم پر میرا قیام اور میرا اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا گراں گزر رہا ہے تو میں نے تو صرف اللہ ہی پرتوکل کرلیا ہے لہٰذا تم اکٹھے ہوکر اپنی تدبیر کو پختہ کرلو اور اپنے شریکوں کو بھی پھرتمہاری تدبیر تم پر مخفی نہ رہے، پھر میرے ساتھ کر گزرو اور کوئی مہلت نہ دو۔

کفار مکہ کے سامنے قوم نوح کا واقعہ بتانے کا بیان

"وَاتْلُ" يَا مُحَمَّد "عَلَيْهِمْ" اَیْ كُفَّار مَكَّة "نَبَاَ" خَبَر "نُوح" وَيُبْدَل مِنْهُ "اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ" شَقَّ "عَلَيْكُمْ مَقَامِي" لُبْثِي فِيكُمْ "وَتَذْكِيرِي" وَعْظِي اِيَّاكُمْ "بِآيَاتِ اللّٰه فَعَلَى اللّٰه تَوَكَّلْت فَاَجْمِعُوا اَمْركُمْ" اِعْزِمُوا عَلٰى اَمْر تَفْعَلُوْنَهُ بِيْ "وَشُرَكَاءَكُمْ" الْوَاو بِمَعْنٰى مَعَ "ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْركُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّة" مَسْتُوْرًا بَلْ اَظْهِرُوْهُ وَجَاهِرُوْنِي بِهِ "ثُمَّ اقْضُوا اِلَيَّ" اُمْضُوا فِيمَا اَرَدْتُمُوهُ "وَلَا تُنْظِرُوْنِ" تُمْهِلُوْنِ فَاِنِّيْ لَسْت مُبَالِيًا بِكُمْ،

اور یا محمد ﷺ آپ ان کفار مکہ کو نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایئے، یہاں نباء نوح سے اذ قال بدل ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم! اگر تم پر میرا قیام یعنی میرا تمہارے ہاں رہنا اور میرا اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت یعنی ذکر و وعظ کرنا گراں گزر رہا ہے تو میں نے تو صرف اللہ ہی پر توکل کرلیا ہے (اور تمہارا کوئی ڈر نہیں) لہٰذا تم اکٹھے ہوکر میری مخالفت میں اپنی تدبیر کو پختہ کرلو اور اپنے گھڑے ہوئے شریکوں کو بھی ساتھ لے آؤ یہاں پر واؤ بہ معنی مع ہے۔ پھر تمہاری تدبیر کا کوئی پہلو تم پر مخفی نہ رہے، یعنی چھپا ہوا نہیں رہنا چاہیے بلکہ اس کو ظاہر کردو۔ اور مجھے بھی بتادو۔ پھر میرے ساتھ جو جی میں آئے کر گزرو اور کوئی مہلت نہ دو۔ کیونکہ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بہ طور عبرت بیان کرنا

اے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دے کہ ان کا اور ان کی قوم کا کیا حشر ہوا جس طرح کفار مکہ تجھے جھٹلاتے اور ستاتے ہیں، قوم نوح نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ بالآخر سب کے سب غرق کر دیئے گئے، سارے کافر دریا برد ہوگئے۔ پس انہیں بھی خبردار رہنا چاہیے اور میری پکڑ سے بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مرتبہ ان سے صاف فرمادیا کہ اگر تم پر یہ گراں گزرتا ہے کہ میں تم میں رہتا ہوں اور تمہیں اللہ

کی باتیں سنا رہا ہوں، تم اس سے چڑتے ہو اور مجھے نقصان پہنچانے در پے ہو تو سنو میں صاف کہتا ہوں کہ میں تم سے نڈر ہوں۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ میں تمہیں کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ میں تم سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ تم سے جو ہو سکے کر لو۔ میرا جو بگاڑ سکو بگاڑ لو۔ تم اپنے ساتھ اپنے شریکوں اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بھی بلا لو اور مل جل کر مشورے کر کے بات کھول کر پوری قوت کے ساتھ مجھ پر حملہ کرو، تمہیں قسم ہے جو میرا بگاڑ سکتے ہو اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو، مجھے بالکل مہلت نہ دو، اچانک گھیر لو، میں بالکل بے خوف ہوں، اس لیے کہ تمہاری روش کو میں باطل جانتا ہوں۔ میں حق پر ہوں، حق کا ساتھی اللہ ہوتا ہے، میرا بھروسہ اسی کی عظیم الشان ذات پر ہے، مجھے اس کی قدرت کے بڑائی معلوم ہے۔ یہی حضرت ہود نے فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جس جس کی بھی تم پوجا کر رہے ہو۔ میں تم سے اور ان سے بالکل بری ہوں، خوب کان کھول کر سن لو، اللہ بھی سن رہا ہے تم سب مل کر میرے خلاف کوشش کرو، میں تو تم سے مہلت بھی نہیں مانگتا۔ میرا بھروسہ اپنے اور تمہارے حقیقی مربی پر ہے۔

فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡـتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ‌ ۙ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝
پس اگر تم نے منہ پھیر لیا ہے تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے
کہ میں سر تسلیم خم کئے رکھوں۔

اللہ کا حکم بغیر کسی دنیاوی غرض کے بیان کرنا

"فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ" عَنْ تَذْكِيرِی "فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِنْ اَجْر" ثَوَاب عَلَيْهِ فَتَوَلَّوْا "اِنْ" مَا "اَجْرِیَ" ثَوَابِی، اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ،

پس اگر تم نے میری نصیحت سے اعراض کر لیا ہے تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ یعنی ثواب تو نہیں مانگا، میرا اجر یعنی ثواب تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سرِ تسلیم خم کئے رکھوں۔

اسلام کے اتفاقی مذہب ہونے کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں اگر تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ میری اطاعت سے منہ پھیر لو تو میرا اجر ضائع نہیں جائے گا۔ کیونکہ میرا اجر دینے والا میرا مربی ہے، مجھے تم سے کچھ نہیں لینا۔ میری خیر خواہی، میری تبلیغ کسی معاوضے کی بنا پر نہیں، مجھے تو جو اللہ کا حکم ہے میں اس کی بجا آوری میں لگا ہوا ہوں، مجھے اس کی طرف سے مسلمان ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سو الحمد اللہ میں مسلمان ہوں اللہ کا پورا فرمان بردار ہوں۔ تمام نبیوں کا دین اول سے آخر تک صرف اسلام ہی رہا ہے۔ گو احکامات میں قدرے اختلاف رہا ہو۔ جیسے فرمان ہر ایک کے لیے راہ اور طریقہ ہے دیکھئے یہ نوح علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں یہ ہیں ابراہیم علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں۔ اللہ ان سے فرماتا ہے اسلام لا۔ وہ جواب دیتے ہیں رب العلمین کے لیے میں اسلام لایا۔ اسی کی وصیت آپ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو کرتے ہیں کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو پسند فرما لیا

ہے۔خبردار یادرکھنا مسلم ہونے کی حالت میں ہی موت آئے۔حضرت یوسف علیہ السلام اپنی دعا میں فرماتے ہیں اللہ مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ اگر تم مسلمان ہو تو اللہ پر توکل کرو۔آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے والے جادوگر اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں تو ہمیں مسلمان اٹھانا بلقیس کہتی ہیں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوتی ہوں۔قرآن فرماتا ہے کہ تورات کے مطابق وہ انبیاء حکم فرماتے ہیں جو مسلمان ہیں۔حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں آپ گواہ رہیے ہم مسلمان ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع کی دعا کے آخر میں فرماتے ہیں۔میں اول مسلمان ہوں۔

انبیائے کرام کا دنیاوی مال و دولت سے مرعوب نہ ہونے کا بیان

احنف بن قیس نے بیان کیا کہ میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص آیا جس کے بال اور کپڑے سخت تھے اور شکل سے پراگندی ظاہر ہوتی تھی یہاں تک کہ لوگوں کے پاس کھڑا ہوکر اس نے سلام کیا اور کہا کہ مال جمع کرنے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ایک پتھر جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر وہ ان کی چھاتی پر رکھا جائے گا جو ان کے مونڈھے کی ہڈی کے پاس سے (آر پار ہوکر) نکل جائے گا اور وہ پتھر ہلتا رہے گا پھر وہ مڑا اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا میں بھی اس کے پیچھے گیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، میں نے اس سے کہا کہ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس بات سے ناراض ہوئے جو تم نے کہی،اس نے کہا وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے، حالانکہ میرے خلیل (دوست) نے کہا ہے، میں نے پوچھا آپ کے خلیل کون ہیں؟ کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا اے ابوذر کیا تم احد پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ دن کا کون سا حصہ باقی رہ گیا ہے اور میں گمان کرنے لگا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی ضرورت کے لئے بھیج دیں گے، میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ مجھے پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین اشرفیوں کے سوا میں کل خرچ (خیرات) نہ کروں اور یہ لوگ کچھ بھی نہیں سمجھتے یہ لوگ دنیا جمع کرتے ہیں اور ان سے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگوں گا اور نہ دین کے متعلق کوئی بات ان سے پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ سے مل جاؤں۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1347)

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ۝
پھر آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا پس ہم نے انھیں اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انہیں جانشین بنا دیا
اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، سو آپ دیکھئے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ڈرائے گئے تھے۔

اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کے سبب قوم نوح کی ہلاکت کا بیان

"فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ" السَّفِينَة "وَجَعَلْنَاهُمْ" اَیْ مَنْ مَّعَهٗ "خَلَائِف" فِي الْاَرْض

"وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" بِالطُّوفَانِ "فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ" مِنْ اِهْلَاكِهِمْ فَكَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِمَنْ كَذَّبَ،

پھر آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا پس ہم نے انھیں اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انھیں زمین میں جانشین بنا دیا اور اُن لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں یعنی طوفان کو جھٹلایا تھا، سو آپ دیکھئے کہ ان لوگوں کا انجام ہلاکت کے ذریعے کیسا ہوا جو ڈرائے گئے تھے۔ پس جس نے آپ کی تکذیب کی ہم اس کے ساتھ بھی ویسا ہی کریں گے۔

اس موقع پر نوح علیہ السلام کے واقعات کو ذکر کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تسلی دینا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلا رہی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سابقہ پیغمبر بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے تھے اور انہوں نے صبر اور برداشت کا کمال مظاہرہ کیا تھا لہٰذا آپ کو صبر اور برداشت سے کام لینا چاہیے اور دوسرا مقصد جھٹلانے والوں کو متنبہ کرنا ہے کہ جن لوگوں نے ہمارے انبیاء کو جھٹلایا تھا ان کے انجام پر غور کر لو اور خوب سمجھ لو اگر تم اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی ایسا ہی انجام ہونے والا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلانے والوں پر اللہ کا عذاب اس صورت میں آیا کہ نیچے زمین سے پانی کے چشمے جاری ہونے لگے اور اوپر سے موسلا دھار بارش ہونے لگی اور یہ عمل مفسرین کے قول کے مطابق چھ ماہ تک جاری رہا اور پانی سطح زمین سے اتنا بلند ہوا کہ پہاڑ تک اُس میں غرق ہو گئے۔ مجرمین بھلا کیسے بچ سکتے تھے۔ بچے صرف وہی چند لوگ جو ایمان لائے تھے اور نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے چھ ماہ بعد بارشیں بھی ختم ہو گئیں اور زمین بھی پانی کو جذب کرنے لگی کچھ ہواؤں نے پانی کو خشک کیا کشتی تو جودی پہاڑ پر ٹک گئی تھی چالیس دن بعد جب زمین کی سطح خشک ہو گئی تو یہی مومن جو کشتی میں سوار تھے زمین پر اتر آئے اور کافروں کی زمینوں پر قابض ہوئے اور آئندہ نسل انہی سے چلی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا
بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ۝
پھر ہم نے ان کے بعد رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پس وہ لوگ ایسے نہ
ہوئے کہ اس پر ایمان لے آتے، جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔

معجزات انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والوں کے دلوں پر ایمان نہ لانے کی مہر لگانے کا بیان

"ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ" اَیْ نُوحٍ "رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ" كَاِبْرَاهِيْمَ وَهُوْدٍ وَصَالِحٍ "فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" الْمُعْجِزَاتِ "فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ" اَیْ قَبْلَ بَعْثِ الرُّسُلِ اِلَيْهِمْ "كَذٰلِكَ نَطْبَعُ" نَخْتِمُ "عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ" فَلَا تَقْبَلُ الْاِيْمَانَ كَمَا طَبَعْنَا عَلٰى قُلُوْبِ اُولٰٓئِكَ،

پھر ہم نے ان کے بعد یعنی نوح علیہ السلام کے بعد رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا وہ ان کے پاس واضح نشانیاں یعنی معجزات لے کر آئے۔ پس وہ لوگ ایسے نہ ہوئے کہ اس بات پر ایمان لے آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ یعنی پہلے بھیجے گئے رسولان گرامی کی تکذیب کر آئے ہیں۔ اسی طرح ہم سرکشی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ ایمان قبول نہ کریں گے گویا جس طرح ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھی انسان زمین پر آباد تھے۔ جب ان میں بت پرستی شروع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو ان میں بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ جب قیامت کے دن لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سفارش کی درخواست لے کر جائیں گے تو کہیں گے کہ آپ پہلے رسول ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

نوح کے بعد ہود صالح لوط ابراہیم شعیب وغیرہ انبیاء کو اپنی اپنی قوم کی طرف کھلے ہوئے نشانات دے کر بھیجا، لیکن جس جہالت اور کفر کی حالت میں وہ لوگ اپنے اپنے پیغمبر کی بعثت سے پہلے تھے اور جن چیزوں کو پیشتر سے جھٹلاتے چلے آ رہے تھے، یہ توفیق نہ ہوئی کہ انبیاء کے تشریف لانے اور سمجھانے کے بعد ان کو مان لیتے۔ بلکہ جن اصول صحیحہ کی تکذیب پہلے قوم نوح کر چکی تھی، ان سبھوں نے بھی ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور جب پہلی مرتبہ منہ سے "نہ" نکل گئی، ممکن نہ تھا کہ پھر کبھی "ہاں" نکل سکے، اسی بے ایمانی اور تکذیب حق پر آخر تک اڑے رہے۔

نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے لئے مقام فکر کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس زمانے گزرے اور وہ سب اسلام میں ہی گزرے ہیں۔ اسی لیے فرمان اللہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے آنے والے ہم نے ان کی بدکرداریوں کے باعث ہلاک کر دیا۔ مقصود یہ کہ ان باتوں کو سن کر مشرکین عرب ہوشیار ہو جائیں کیونکہ وہ سب سے افضل واعلیٰ نبی کو جھٹلا رہے ہیں۔ پس جب کہ ان کے کم مرتبہ نبیوں اور رسولوں کے جھٹلانے پر ایسے دہشت افزاء عذاب سابقہ لوگوں پر نازل ہو چکے ہیں تو اس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھٹلانے پر ان سے بھی بدترین عذاب ان پر نازل ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝
پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا
تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بعثت کا بیان

"ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِه مُوسَى وَهَارُوْنَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ " قَوْمه "بِـايَاتِنَا" التِّسع "فَاسْتَكْبَرُوا" عَنْ الْإِيْمَان بِهَا، وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ،

پھران کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں یعنی اس کی قوم کی طرف اپنی نشانیاں یعنی سات نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے قبول کرنے کی بہ جائے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

ان نبیوں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا۔ اپنی دلیلیں اور حجتیں عطا فرما کر بھیجا۔ لیکن آل فرعون نے بھی اتباع حق سے تکبر کیا اور تھے بھی پکے مجرم اور قسمیں کھا کر کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ حالانکہ دل قائل تھے کہ یہ حق ہے لیکن صرف اپنی بڑھی چڑھی خود رائی اور ظلم کی عادت سے مجبور تھے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا کہ اللہ کے سچے دین کو جادو کہہ کر کیوں اپنی ہلاکت کو بلا رہے ہو؟ کہیں جادوگر بھی کامیاب ہوتے ہیں؟ ان پر اس نصیحت نے بھی اُلٹا اثر کیا اور دو اعتراض اور جڑ دیئے کہ تم تو ہمیں اپنے باپ دادا کی روش سے ہٹا رہے ہو۔ اور اس سے نیت تمہاری یہی ہے کہ اس ملک کے مالک بن جاؤ۔ سو بکتے رہو ہم تو تمہاری ماننے کے نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○
تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا بولے یہ تو ضرور کھلا جادو ہے۔

معجزات کو برحق ماننے کی بہ جائے جادو کہنے والوں کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَ هُمْ الْحَقّ مِنْ عِنْدنَا قَالُوْا إِنَّ هٰذَا لَسِحر مُبِيْن" بَيِّن ظَاهِر،

توجب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا بولے یہ تو ضرور کھلا جادو ہے۔

جادو کی بعض معروف اقسام کا بیان

ان میں پہلی قسم جو سب سے بڑی قسم سمجھی جاتی ہے کلدانیوں اور بابل کا سحر ہے اور اسی کو باطل کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اس سحر کے علم کی اصل ہاروت و ماروت سے چلی ہے کہا جاتا ہے کہ بابل کے لوگ ہاروت و ماروت سے اس سحر کا علم اور طریقہ سیکھتے تھے اور پھر اس کے ذریعہ اپنے مقصد حاصل کیا کرتے تھے، نیز انہوں اس میں مختلف تحقیق و تجربے کئے تھے اور اس کے علم کو بہت وسیع و ہمہ گیر بنایا، اسی طرح کلدانیین، جو بابل میں سکونت رکھتے تھے اس علم کے حصول کے لئے مختلف محنت و جستجو میں لگے رہتے تھے اور اس کے ذریعہ نت نئی چیزیں پیدا کرتے تھے۔

تاریخ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ بابل کے حکماء اور اس فن کے ماہرین نے نمرود کے زمانہ میں اپنے شہر بابل میں کہ جو نمرود کا دار السلطنت تھا اس سحر کے ذریعہ ایسے چھ ہوشربا اور محیر العقول طلسمات بنا رکھے تھے، جن کی حقیقت و کیفیت جاننے سے

انسان کی عقل وذہانت عاجز رہتی تھی۔ اول یہ کہ انہوں نے تانبے کی ایک بطخ بنا رکھی تھی جو شہر میں ناپسندیدہ اور مضر افراد کے داخل ہونے کی خبر دیتی تھی، چنانچہ اگر کسی دوسرے ملک سے کوئی جاسوس یا دشمن یا کوئی چور وغیرہ شہر میں داخل ہوتا تو اس بطخ میں سے مخصوص آواز نکلنے لگتی تھی، شہر کے تمام لوگ اس آواز کو سن کر اس کا مقصد جان لیتے تھے۔ اور اس طرح وہ اس جاسوس اور چور کو پکڑ لیتے تھے، دوسرے یہ کہ انہوں نے ایک نقارہ بنا رکھا تھا جس کا مصرف یہ تھا کہ شہر میں جس شخص کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو وہ اس نقارہ پر چوٹ مارتا، جس کے نتیجے میں اس سے یہ آواز نکلتی کہ تمہاری فلاں چیز فلاں جگہ ہے، چنانچہ تلاش کرنے کے بعد وہ اسی جگہ سے ملتی۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے گم شدہ لوگوں کو دریافت کرنے کے لئے ایک آئینہ بنا رکھا تھا۔ جب شہر میں کسی کے گھر کا کوئی فرد غائب ہو جاتا تو وہ اس آئینے کے پاس آتا اور اس میں اپنے گمشدہ فرد کو حال دیکھ لیتا وہ گمشدہ خواہ کسی شہر میں ہوتا، خواہ جنگل میں اور خواہ کسی کشتی وغیرہ میں سفر کرتے ہوئے یا کسی پہاڑ پر، اسی طرح خواہ وہ بیمار ہوتا یا تندرست، خواہ مفلس وقلاش ہوتا یا مال دار اور خواہ زخمی ہوتا یا مقتول، غرضیکہ وہ جس جگہ اور جس حالت میں ہوتا اسی جگہ اور اسی حالت کے ساتھ اس آئینہ میں نمودار ہو جاتا۔

چوتھا طلسم یہ تھا کہ انہوں نے ایک حوض بنایا تھا جس کے کنارے وہ سال بھر میں ایک دن جشن مناتے تھے چنانچہ شہر کے تمام سردار اور معززین اپنی پسند کے مشروب لے کر اس حوض کے کنارے جمع ہوتے اور جو شخص اپنے ساتھ جو مشروب لاتا اس کو اس حوض میں ڈال دیتا، پھر جب ساقی کا فرض انجام دینے والے لوگ اس کے کنارے کھڑے ہو کر لوگوں کو پلانا شروع کرتے اور اس حوض میں سے نکال نکال کر دیتے تو ہر شخص اس کو وہی پسندیدہ مشروب ملتا جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔

پانچواں طلسم یہ تھا کہ انہوں نے لوگوں کے لڑائی جھگڑوں کو نمٹانے کے لئے ایک تالاب بنایا تھا اگر دو آدمیوں کا آپس میں کوئی تنازعہ ہوتا اور یہ ثابت نہ ہو پاتا کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ تو دونوں فریق اس تالاب کے کنارے آتے اور پھر اس میں اتر جاتے چنانچہ جو شخص حق پر ہوتا اس تالاب کا پانی اس کے ناف کے نیچے رہتا اور وہ غرق نہ ہوتا اور جو شخص حق پر نہ ہوتا اس کے سر سے اوپر چلا جاتا اور اس کو ڈبو دیتا ہاں اگر وہ فریق مخالف کے حق کو مان لیتا اور اپنے دعوے کو ترک کر دیتا تو پھر غرقابی سے نجات پاتا۔

اور چھٹا طلسم یہ تھا کہ انہوں نے نمرود کے محل کے میدان میں ایک درخت لگا رکھا تھا، جس کے سایہ میں درباری بیٹھتے تھے لوگوں کی تعداد جس قدر بڑھتی رہتی اسی قدر اس کا سایہ بھی بڑھتا رہتا تھا یہاں تک کہ اگر تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تو سایہ بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہو جاتا تھا مگر جب اس عدد سے ایک آدمی بھی زیادہ ہو جاتا تو پھر سایہ بالکل ختم ہو جاتا تھا اور تمام لوگ دھوپ میں بیٹھے رہ جاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس بارے میں بابل کے لوگ ہی شغف و دلچسپی نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا بادشاہ نمرود بھی بہت زیادہ غلو رکھتا تھا اور اس علم کی پوری طرح سرپرستی کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سحر کی یہ قسم سب سے زیادہ سخت اور مشکل ہے لیکن اگر کوئی شخص سخت ترین ریاض ومحنت اور مسلسل جدوجہد اس کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور اس فن کو جان لیتا ہے اور پھر اس کی اتنی زبردست طاقت وقدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ وہ انسانی عادت مخالف امور کو ظاہر کرنے اور انسانی عادات کے موافق امور کو روک دینے پر قادر ہو جاتا۔ جیسے وہ ان امراض کا علاج بھی کر سکتا ہے جس کے معالجہ سے دنیا بھر کے طبیب عاجز ہو گئے ہوں مثلاً

برص اور جذام وغیرہ کیونکہ ایسا شخص روحانیات یعنی طاقتوں (جیسے جن وشیاطین) کے ذریعہ تدبیر وعمل کرتا ہے جب کہ طبیب جسمانیت (دواؤں) کے ذریعہ تدبیر کرتا ہے۔

اس قصے کو قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے، اس لیے کہ یہ عجیب وغریب قصہ ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے بہت ڈرتا بچتا رہا۔ لیکن قدرت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی کے ہاں پلوایا اور شاہزادوں کی طرح عزت کے گہوارے میں جھلایا۔ جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو ایک ایسا سبب کھڑا کر دیا کہ یہاں سے آپ چلے گئے۔ پھر جناب باری نے ان سے خود کلام کیا۔ نبوت و رسالت دی اور اسی کے ہاں پھر بھیجا۔ فقط ایک ہارون علیہ السلام کو ساتھ دے کر آپ نے یہاں آکے اس عظیم الشان سلطان کے رعب ودبدبے کی کوئی پرواہ نہ کر کے اسے دین حق کی دعوت دی۔ اس سرکش نے اس پر بہت برا منایا اور کمینہ پن پر اتر آیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں رسولوں کی خود ہی حفاظت کی وہ وہ معجزات اپنے نبی کے ہاتھوں میں ظاہر کئے کہ ان کے دل ان کی نبوت مان گئے۔ لیکن تاہم ان کا نفس ایمان پر آمادہ نہ ہوا اور یہ اپنے کفر سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوئے۔ آخر اللہ کا عذاب آہی گیا اور ان کی جڑیں کاٹ دی گئیں۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝
موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں کہتے ہو، جب وہ تمھارے پاس آیا، کیا جادو ہے یہ؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔

جادو کے کامیاب نہ ہونے کا بیان

"قَالَ مُوْسَى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ اَسِحْر هٰذَا " اِنَّهٗ لَسِحْر وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَتَى بِه وَاَبْطَلَ سِحْرَ السَّحَرَةِ وَالِاسْتِفْهَام فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ،

موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم حق کے بارے میں کہتے ہو، جب وہ تمہارے پاس آیا، کیا جادو ہے یہ؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ کیونکہ جادو باطل یعنی مٹ جاتا ہے۔ اور یہاں دونوں مقامات پر استفہام انکاری ہے۔

یعنی حق کو جادو کہتے ہو، کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ اور کیا جادو کرنے والے نبوت کا دعویٰ کر کے حق وباطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتے ہیں۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکنا ان کوتاہ فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کر سکیں۔ پیغمبر کے روشن چہرے، پاکیزہ اخلاق، نور تقویٰ، پرشوکت وعظمت احوال میں بدیہی شہادت اس کی موجود ہوتی ہے کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے انھیں کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔ پھر پیغمبر کو "ساحر" کہنا کس درجہ بے حیائی یا دیوانگی ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ
وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝
وہ کہنے لگے، کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم ہمیں اس طریقہ سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور

زمین میں تم دونوں کی بڑائی رہے؟ اور ہم لوگ تم دونوں کو ماننے والے نہیں ہیں۔

باپ دادا کی تقلید کے نام سے گمراہی کا بیان

"قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا" لِتَرُدَّنَا "عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَ نَا وَتَكُوْنَا لَكُمَا الْكِبْرِيَاء " الْمُلْك "فِي الْاَرْض" اَرْض مِصْر "وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ" مُصَدِّقِيْنَ،

وہ کہنے لگے، کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم ہمیں اس سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو گامزن پایا اور زمین یعنی سرزمین مصر میں تم دونوں کی بڑائی قائم رہے؟ اور ہم لوگ تم دونوں کو ماننے والے نہیں ہیں۔

فرعون اور درباریوں کے اس جواب سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ سیّدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جادوگر نہیں ہیں۔ جادوگر کو تو معاشرہ کی ایک حقیر سی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ اس کی بھلا بڑائی قائم ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ حقیقت کا اعتراف کر لیتے تو اپنے تمام مناصب سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے وہی جواب دیا جو دلیل سے عاجز اور ضدی لوگ دیا کرتے ہیں کہ تم تو ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے برگشتہ کرنے آئے ہو مگر ہم تمہارے جھانسے میں کبھی نہیں آئیں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍo
اور فرعون نے کہا میرے پاس ہر ماہر فن جادوگر لے کر آؤ۔

فرعون نے ماہر جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم جاری کر دیا

"وَقَالَ فِرْعَوْنَ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيْم" فَائِق فِيْ عِلْم السِّحْر،

اور فرعون نے کہا میرے پاس ہر ماہر فن جادوگر لے کر آؤ۔ یعنی جو جادو میں بڑا ماہر ہو۔

جادو اور معجزے کے درمیان مقابلے کا بیان

فرعون نے جادوگروں اور شعبدہ بازوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس کے لیے انتظام کئے۔ قدرت نے بھرے میدان میں اسے شکست فاش دی اور خود جادوگر حق کو مان گئے وہ سجدے میں گر کر اللہ اور اس کے دونوں نبیوں پر وہیں ایمان لائے اور اپنے ایمان کا غیر مشتبہ الفاظ میں سب کے سامنے فرعون کی موجودگی میں اعلان کر دیا۔ اس وقت فرعون کا منہ کالا ہو گیا اور اللہ کے دین کا بول بالا ہوا۔ اس نے اپنی سپاہ اور جادوگروں کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ آئے، صفیں باندھ کر کھڑے ہوئے، فرعون نے ان کی کمر ٹھوکی انعام کے وعدے دیئے، انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ بولو اب ہم پہلے اپنا کرتب دکھائیں یا تم پہل کرتے ہو۔ آپ نے اسی بات کو بہتر سمجھا کہ ان کے دل کی بھڑاس پہلے نکل جائے۔ لوگ ان کے تماشے اور بال کے ہتھکنڈے پہلے دیکھ لیں۔ پھر حق آئے اور باطل کا صفایا کر جائے۔ یہ اچھا اثر ڈالے گا، اس لیے آپ نے انہیں فرمایا کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے شروع کر دو۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں ہیبت زدہ کرنے کا زبردست مظاہرہ کیا۔ جس

سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بھی خطرہ پیدا ہو گیا فوراً اللہ کی طرف سے وحی اتری کہ خبردار ڈرنا مت۔ اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دے۔ وہ ان کے سوڈھکو سلے صاف کردے گی۔ یہ جادو کے مکر صفت ہے۔ اس میں اصلیت کہاں انہیں فوج و فلاح کیسے نصیب ہو؟ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سنبھل گئے اور زور دے کر پیشگوئی کی کہ تم تو یہ سب جادو کے کھلونے بنالائے ہو دیکھنا اللہ تعالیٰ انہیں بھی درہم برہم کردے گا۔ تم فسادیوں کے اعمال دیرپا ہو ہی نہیں سکتے۔

حضرت لیث بن ابی سلیم فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان آیتوں میں اللہ کے حکم سے جادو کی شفا ہے۔ ایک برتن میں پانی لے کر اس پر یہ آیتیں پڑھ کر دم کردیں جائیں اور جس پر جادو کردیا گیا ہو اس کے سر پر وہ پانی بہادیا جائے (آیت فلما القوا سے کرہ المجرمون) تک یہ آیتیں اور (فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ،الاعراف:118) سے چار آیتوں تک اور (اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ، طٰہٰ:69)۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ یونس، بیروت)

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ٥
تو جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا پھینکو جو کچھ تم پھینکنے والے ہو۔

جادوگروں کو ان کے کرتب دیکھانے کے حکم کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَى" بَعْدَ مَا قَالُوْا لَهُ "اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ"

تو جب جادوگر آگئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بات کے بعد کہ ہم ڈالیں، ان سے کہا پھینکو جو کچھ تم پھینکنے والے ہو۔

ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اپنا کرتب دکھلانے میں تم پہل کرتے ہو یا ہم کریں اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تم کو دکھلانا ہے دکھلاؤ کیونکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد حق کا آنا اور باطل کو نیچا دکھا کر ملیامیٹ کردینا زیادہ موثر اور غلبہ حق کو زیادہ واضح کرنے والا ہے۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ٥
پھر جب انہوں نے ڈال دیں تو موسیٰ نے کہا، جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے، بیشک اللہ ابھی اسے باطل کردے گا،
یقیناً اللہ مفسدوں کے کام کو درست نہیں کرتا۔

جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کا بہ طور جادو سانپ بن جانے کا بیان

"فَلَمَّا اَلْقَوْا" حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ "قَالَ مُوسَى مَا" اسْتِفْهَامِيَّة مُبْتَدَأ خَبَره "جِئْتُمْ بِهِ السِّحْر" بَدَل وَفِي قِرَاءَة بِهَمْزَةٍ وَاحِدَة اِخْبَار فَمَا اسْم مَوْصُول مُبْتَدَأ "اِنَّ اللّٰه سَيُبْطِلُهُ" اَيْ سَيَمْحَقُهُ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ،

پھر جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا، یہاں پر ما برائے استفہام مبتداء ہے اور

"جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ" اس کی خبر ہے۔ السحر یہ ماجئتم سے بدل ہے۔ ایک قرأت میں ایک ہمزہ کے ساتھ خبر ہے اور ما موصولہ مبتداء ہے۔ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے، بیشک اللہ ابھی اسے باطل یعنی مٹا دے گا، یقیناً اللہ مفسدوں کے کام کو درست نہیں کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ تھا جس کے ذریعہ وہ بڑے بڑے کام انجام دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرعون کی جانب سے ان کے اور اس زمانہ کے مشہور ساحروں اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہوا تو اللہ نے ان کو عصا ہی کے ذریعے اس طرح کامیابی عنایت فرمائی کہ ان جادوگروں نے جب اپنے سحر و جادو کے بل بوتہ پر رسیوں کو سانپ بنا کر زمین پر ڈالا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے دیکھتے دیکھتے ایک عظیم اور ہیبت ناک اژدھے کا روپ دھار کر تمام سانپوں کو نگل لیا۔

وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝
اور اللہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دیتا ہے اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ حق کو ظاہر کرنے والا ہے

"وَيُحِقّ" يُثْبِت وَيُظْهِر "اللّٰه الْحَقّ بِكَلِمَاتِهِ" بِمَوَاعِيدِهِ،وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ،

اور اللہ اپنے کلمات سے یعنی اپنے وعدوں سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دیتا ہے یعنی حق کو ظاہر کر دیتا ہے اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کرتے رہیں۔

یعنی اپنے حکم، اپنی قضاء وقدر اور اپنے اس وعدے سے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جادوگروں پر غالب کرے گا۔

نبی کریم ﷺ کے ذریعے کفر کے مٹ جانے کا بیان

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں میں محو کرنے والا ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹاتا ہے۔

اور حاشر ہوں کہ (قیامت کے دن) سب لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں۔ (کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 786)

کفر سے نجات اور عجائب قدرت کا بیان

فروہ بن ابی المغراء علی بن مسہر ہشام ان کے والد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ایک حبشی عورت جو کسی عرب کی لونڈی تھی۔ ایمان لائی اور مسجد (کے قریب) میں اس کی ایک جھونپڑی تھی جس میں وہ رہتی تھی وہ فرماتی ہیں کہ وہ ہمارے پاس آ کر ہم سے باتیں کرتی اور جب وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتی تو یہ کہا کرتی کہ اور ہار والا دن پروردگار کی عجائبات

قدرت میں سے ہے ہاں اسی نے مجھے کفر کے شہر سے نجات عطا فرمائی! جب اس نے بہت دفعہ یہ کہا تو اس سے حضرت عائشہ نے پوچھا۔ ہار والا دن (کیسا واقعہ ہے) اس نے کہا میرے آقا کی ایک لڑکی باہر نکلی اس پر ایک چمڑے کا ہار تھا وہ ہار اس کے پاس سے گر گیا تو ایک چیل گوشت سمجھ کر اس پر جھپٹی اور لے گئی۔ لوگوں نے مجھ پر تہمت لگائی اور مجھے سزا دی۔ حتیٰ کہ میرا معاملہ یہاں تک بڑھا کہ انہوں نے میری شرمگاہ کی بھی تلاشی لی۔ لوگ میرے اردگرد تھے اور میں اپنی مصیبت میں مبتلا تھی۔ کہ دفعتاً وہ چیل آئی جب وہ ہمارے سروں پر آ گئی تو اس نے وہ ہار ڈال دیا۔ لوگوں نے اسے لے لیا تو میں نے کہا تم نے اسی کی تہمت مجھ پر لگائی تھی حالانکہ میں اس سے بالکل بری تھی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1069)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ
وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝
تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں
انھیں ہٹنے پر مجبور نہ کر دیں اور بیشک فرعون زمین پر سر اٹھانے والا تھا، اور بیشک وہ حد سے گزر گیا۔

فرعون اور اس کے درباریوں سے خوف زدہ ہونے کا بیان

"فَمَا اٰمَنَ لِمُوسَى اِلَّا ذُرِّيَّة" طَائِفَة "مِنْ" اَوْلَاد "قَوْمه" اَيْ فِرْعَوْن "عَلٰى خَوْف مِنْ فِرْعَوْن وَمَلَئِهِ اَنْ يَّفْتِنهُمْ" يَصْرِفهُمْ عَنْ دِينه بِتَعْذِيبِهِ "وَاِنَّ فِرْعَوْن لَعَالٍ" مُتَكَبِّر "فِي الْاَرْض" اَرْض مِصْر "وَاِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ" الْمُتَجَاوِزِينَ الْحَدّ بِادِّعَاءِ الرُّبُوْبِيَّة،

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انھیں ہٹنے پر مجبور نہ کر دیں اور بیشک فرعون زمین پر سر اٹھانے والا تھا، اور بیشک وہ حد سے گزر گیا۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپ اپنی امت کے ایمان لانے کا نہایت اہتمام فرماتے تھے اور ان کے اعراض کرنے سے مغموم ہوتے تھے، آپ کی تسکین فرمائی گئی کہ باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنا بڑا معجزہ دکھایا پھر بھی تھوڑے لوگوں نے ایمان قبول کیا، ایسی حالتیں انبیاء کو پیش آتی رہی ہیں۔ آپ اپنی امت کے اعراض سے رنجیدہ نہ ہوں۔" مِنْ قَوْمِهٖ "میں جو ضمیر ہے وہ یا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اس صورت میں قوم کی ذُرّیّت سے بنی اسرائیل مراد ہوں گے جن کی اولاد مصر میں آپ کے ساتھ تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرعون کے قتل سے بچ رہے تھے کیونکہ جب بنی اسرائیل کے لڑکے بحکم فرعون قتل کئے جاتے تھے تو بنی اسرائیل کی بعض عورتیں جو قوم فرعون کی عورتوں کے ساتھ کچھ رسم و راہ رکھتی تھیں وہ جب بچہ جنتیں تو ان کی جان کے اندیشہ سے وہ بچہ فرعونی قوم کی عورتوں کو دے ڈالتیں، ایسے بچے جو فرعونیوں کے گھروں میں پلے تھے اس روز حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آئے جس دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو

جادوگروں پر غلبہ دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے اور قوم فرعون کی ذُرِّیّت مراد ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ قوم فرعون کے تھوڑے لوگ تھے جو ایمان لائے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ یونس، لاہور)

وَقَالَ مُوسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ۝
اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم فرماں بردار ہو۔

ایمان اور توکل کرنے کا حکم دینے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں کہ اگر تم مومن مسلمان ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو جو اس پر بھروسہ کرے وہ اسے کافی ہے عبادت وتوکل دونوں ہم پلہ چیزیں ہیں۔فرمان رب ہے (فَاعْبُدْهُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ،ھود:123)اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ۔ایک اور آیت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ کہہ دے کہ رب رحمٰن پر ہم ایمان لائے اور اسی کی ذات پاک پر ہم نے توکل کیا۔فرماتا ہے مشرق ومغرب کا رب جو عبادت کے لائق معبود ہے، جس کے سوا پرستش کے لائق اور کوئی نہیں۔تو اسی کو اپنا وکیل و کارساز بنالے۔تمام ایمانداروں کو جو سورت پانچوں نمازوں میں تلاوت کرنے کا حکم ہوا اس میں بھی ان کی زبانی اقرار کرایا گیا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کا حیرت انگیز واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا واقعہ کہ وہ ایک دن اپنے گھر والوں کے پاس آیا یعنی کہیں باہر سے آ کر گھر میں داخل ہوا تو اس نے گھر والوں پر محتاجگی اور فاقہ وفقر کے آثار دیکھے، وہ یہ دیکھ کر اپنے اللہ کے حضور اپنی حاجات پیش کرنے اور یکسوئی کے ساتھ اس کی بارگاہ میں عرض ومناجات کرنے کے لئے جنگل کی طرف چلا گیا، ادھر جب اس کی بیوی نے یہ دیکھا کہ شوہر کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ شرم کی وجہ سے گھر سے باہر چلا گیا ہے تو وہ اٹھی اور چکی کے پاس گئی، چکی کو اس نے اپنے آگے رکھا یا اس نے چکی کے اوپر کا پاٹ نیچے کے پاٹ پر رکھا اور یا یہ معنی ہیں کہ اس نے اس امید میں چکی کو صاف کیا اور تیار کر کے رکھ دیا کہ شوہر باہر سے آئے گا تو کچھ لے کر آئے گا۔

اس کو پیس کر روٹی پکالوں گی پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا، اس کے بعد اللہ سے یہ دعا کی۔الٰہی! ہم تیرے محتاج ہیں، تیرے غیر سے ہم نے اپنی امید منقطع کر لی ہے، تو خیر الرازقین ہے اپنے پاس سے ہمیں رزق عطا فرما۔پھر جو اس نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتی ہے کہ چکی کا گرانڈ آٹے سے بھرا ہوا ہے۔راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب وہ آٹا گوندھ کر تنور کے پاس گئی تا کہ اس میں روٹیاں لگائے تو تنور کو روٹیوں سے بھرا ہوا پایا یعنی اللہ کی قدرت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ خود بخود اس آٹے کی روٹیاں بن کر تنور میں جا لگیں یا یہ کہ آٹا تو اپنی جگہ چکی کے گرانڈ میں پڑا رہا اور تنور میں غیب سے روٹیاں نمودار ہو گئیں راوی کہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد جب

خاوند بارگارہ رب العزت میں عرض ومناجات اور دعا سے فارغ ہو کر گھر آیا تو بیوی سے پوچھا کہ کیا میرے جانے کے بعد تمہیں کہیں سے کچھ غلہ وغیرہ مل گیا تھا کہ تم نے یہ روٹیاں تیار کر رکھی ہیں؟

بیوی نے کہا ہاں یہ ہمیں اللہ کی طرف سے ملا ہے (یعنی یہ عام طریقہ کے مطابق کسی انسان نے ہمیں نہیں دیا ہے بلکہ یہ رزق محض غیب سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے) خاوند نے یہ سنا تو اس کو بہت تعجب ہوا اور وہ اٹھ کر چکی کے پاس گیا اور چکی کو اٹھایا تاکہ اس کا کرشمہ دیکھے) پھر جب اس واقعہ کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا قصہ سن کر فرمایا" جان لو" اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر وہ شخص اس چکی کو اٹھا نہ لیتا تو وہ چکی مسلسل قیامت کے دن تک گردش میں رہتی اور اس سے آٹا نکلتا رہتا۔ (احمد، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1238)

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
تو انہوں نے عرض کیا، ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے، اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم لوگوں کے لئے نشانہ ستم نہ بنا۔

توکل کرتے ہوئے فتنے سے بچنے کی دعا مانگنے کا بیان

"فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ" اَیْ لَا تُظْهِرهُمْ عَلَيْنَا فَيَظُنُّوْا اَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتَتِنُوْا بِنَا،

تو انہوں نے عرض کیا، ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے، اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم لوگوں کے لئے نشانہ ستم نہ بنا، یعنی انہیں ہم پر غالب نہ کر کیونکہ انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ وہ حق پر ہیں۔ لہٰذا کہیں وہ ہمیں تختہ پر لٹکا دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر انہوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ خالص خدا پر ہے۔ اسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان ظالموں کا تختہ مشق نہ بنائے اس طرح کہ یہ ہم پر اپنے زور وطاقت سے ظلم ڈھاتے رہیں اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ میں ہے۔ اور ان ظالموں یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ ڈینگ مارنے کا موقع ملے گا کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم پر ایسا تسلط وتفوق کیوں حاصل ہوتا اور تم اس قدر پست وذلیل کیوں ہوتے۔ یہ خیال ان گمراہوں کو اور زیادہ گمراہ کر دے گا۔ گویا ایک حیثیت سے ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا۔

اپنے آپ کو شر اور فتنوں سے بچانے کا بیان

یحییٰ ولید ابن جابر بسر ابوادریس سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگ (اکثر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت دریافت کرتے رہتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شر اور فتنوں کی بابت پوچھا کرتا تھا اس خیال سے کہ کہیں میں کسی شر وفتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ ایک روز میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں گرفتار اور شر میں مبتلا تھے پھر خداوند تعالیٰ نے ہم کو اس بھلائی (یعنی اسلام) سے سرفراز کیا کیا اس بھلائی کے بعد بھی

کوئی برائی پیش آنے والی ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا اس بدی و برائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ فرمایا ہاں! لیکن اس میں کدورتیں ہوں گی۔ میں نے عرض کیا وہ کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا کدورت سے مراد وہ لوگ ہیں جو میرے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کرکے اور لوگوں کو میری راہ کے خلاف راہ بتائیں گے تو ان میں دین بھی دیکھے گا اور دین کے خلاف امور بھی ہیں۔ عرض کیا کیا اس بھلائی کے بعد بھی برائی ہوگی؟ فرمایا ہاں! کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بلائیں گے جو ان کی بات مان لیں گے وہ ان کو دوزخ میں دھکیل دیں گے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کا حال مجھ سے بیان فرمایئے فرمایا وہ ہماری قوم سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے۔ میں نے عرض کیا اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں فرمایا مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو اور ان کے امام کی اطاعت کرو، میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور امام بھی نہ ہو۔ (تو کیا کروں) فرمایا تو ان تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جا اگرچہ تجھے کسی درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت میں تجھ کو موت آ جائے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 857)

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ٥
اور تو ہمیں اپنی رحمت سے کافروں کی قوم سے نجات بخش دے

کفار کے شر سے بچنے کے لئے دعا مانگنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا سر (رکوع سے) اٹھاتے تھے تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (اور) رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، کچھ لوگوں کے لئے دعا کرتے تھے اور ان کے نام لیتے (اور فرماتے تھے، کہ اے اللہ ولید بن ولید کو اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیع اور کمزور مسلمانوں کو (کفار مکہ کے پنجہ ظلم) سے نجات دے، اے اللہ اپنی پامالی (قبیلہ) مضر پر سخت کر دے اور اس کو ان پر قحط سالیاں بنا دے، جیسے یوسف علیہ السلام (کے زمانے) کی قحط سالیاں اور اس زمانے میں (قبیلہ) مضر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف تھے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 776)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ روزہ کیسا ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ بہتر دن ہے اسی دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارے اعتبار سے زیادہ موسیٰ کے حقدار ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1926)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ○

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھروں کو ٹھکانا مقرر کرلو اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنالو اور نماز قائم کرو، اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دے۔

فرعون کا بنی اسرائیل کو نماز سے روکنے کا بیان

"وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسَى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّآ" اتَّخِذَا "لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَاجْعَلُوْا بُيُوتَكُمْ قِبْلَة" مُصَلًّى تُصَلُّوْنَ فِيْهِ لِتَاْمَنُوْا مِنَ الْخَوْف وَكَانَ فِرْعَوْن مَنَعَهُمْ مِنَ الصَّلَاة "وَاَقِيْمُوا الصَّلَاة" اَتِمُّوهَا "وَبَشِّرْ الْمُؤْمِنِيْنَ" بِالنَّصْرِ وَالْجَنَّة،

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھروں کو ٹھکانا مقرر کرلو اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنالو، تا کہ ان کو خوف سے امن ملے کیونکہ فرعون نے ان کو نماز سے روکا تھا۔ نماز قائم کرو، یعنی اس کو پورا کرو اور ایمان والوں کو مدد اور جنت کی خوش خبری دے دو۔

بنی اسرائیل کے لئے الگ مکان وعبادتگاہیں بنانے کا بیان

بنی اسرائیل اپنے مذہب کے مطابق اس کے پابند تھے کہ نماز صرف اپنے عبادت خانوں میں ادا کریں، فرعون جو ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیتا اور ان پر ظلم ڈھاتا تھا، اس نے یہ دیکھ کر ان کے تمام عبادت خانوں کو مسمار کردیا تا کہ یہ اپنے مذہب کے مطابق نماز نہ پڑھ سکیں، اس پر حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دونوں پیغمبروں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو وہ حکم دیا جو اس آیت میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے مصر میں مکان نئے بنائے جائیں اور ان مکانات کا رخ قبلہ کی طرف ہو، تا کہ وہ انہیں سکونتی مکانات میں نماز ادا کرسکیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں میں اگرچہ عام حکم یہی تھا کہ نمازیں صرف عبادت خانوں میں پڑھی جائیں، لیکن اس خاص حادثہ کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لئے اس کی عارضی اجازت دے دی گئی کہ گھروں ہی میں نماز ادا کرلیا کریں اور اپنے گھروں کا رخ قبلہ کی طرف سیدھا رکھیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ضرورت کے وقت بھی ان کو مخصوص گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی جن کا رخ قبلہ کی طرف کیا گیا تھا، عام گھروں اور عام مقامات پر نماز کی اجازت اس وقت بھی نہیں تھی، جس طرح امت محمدیہ کو شہر اور جنگل کے ہر مقام پر نماز ادا کرنے کی سہولت حاصل ہے

اور جس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ یہود اپنی نمازوں میں صخرہ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں اس کو اس زمانہ پر محمول کیا جائے گا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے، یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ قیام مصر کے

زمانہ میں آپ کا قبلہ بیت اللہ ہی ہو۔اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لئے استقبال قبلہ کی شرط انبیاء سابقین کے زمانہ میں بھی تھی،اسی طرح طہارت اور ستر عورت کا تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں شرط نماز ہونا بھی معتبر روایات سے ثابت ہے۔

گھروں کو قبلہ رخ بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان میں نمازیں ادا کی جائیں اس لئے اس کے بعد اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا حکم دے کر یہ ہدایت کردی گئی کہ اگر فرعون عبادت گاہوں میں نماز ادا کرنے سے روکتا ہے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی اپنے گھروں میں ادا کرو۔آخر آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ مؤمنین کو آپ خوشخبری سنادیں کہ ان کا مقصود پورا ہوگا، دشمن پر ان کو غلبہ نصیب ہوگا اور آخرت میں جنت ملے گی۔(تفسیر روح المعانی،سورہ یونس،بیروت)

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ
سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝
اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! بیشک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں اسباب زینت اور مال و دولت
دے رکھی ہے،اے ہمارے رب! تا کہ وہ تیری راہ سے بہکادیں۔اے ہمارے رب! تو ان کی دولتوں کو برباد کردے
اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

فرعون کا اپنی دولت واختیار کے سبب لوگوں کو دین الٰہی سے دور کرنے کا بیان

"وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَاَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا " اٰتَيْتَهُمْ ذٰلِكَ "لِيُضِلُّوا" فِيْ "عَنْ سَبِيْلِكَ" دِيْنِك "رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ" اَمْسَخْهَا "وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" اطْبَعْ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثِقْ "فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْم" الْمُؤْلِم دَعَا عَلَيْهِمْ وَاَمَّنَ هَارُوْنَ عَلٰى دُعَائِهِ،

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے ہمارے رب! بیشک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں اسباب زینت اور مال و دولت کی کثرت دے رکھی ہے،اے ہمارے رب! (کیا تو نے انھیں یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے) تا کہ وہ (لوگوں کو کبھی لالچ اور کبھی خوف دلا کر) تیری راہ یعنی دین سے بہکادیں۔اے ہمارے رب! تو ان کی دولتوں کو برباد کردے یعنی ختم کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے یعنی ان پر مہر لگادے اور اس پر توثیق کردے کہ وہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے دعائے ضرر فرمائی اور ہارون علیہ السلام نے اس پر آمین کہی۔

متکبر فرعون کے مال و دولت کی ہلاکت کا بیان

جب فرعون اور فرعونیوں کا تکبر،تجبر،تعصب بڑھتا ہی گیا۔ظلم وستم بیرحمی اور جفا کاری انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ کے صابر نبیوں نے ان کے لیے بددعا کی کہ یا اللہ تو نے انہیں دنیا کی زینت و مال خوب خوب دیا اور تو بخوبی جانتا ہے کہ وہ تیرے حکم کے مطابق مال

خرچ نہیں کرتے۔ یہ صرف تیری طرف سے انہیں ڈھیل اور مہلت ہے۔ یہ مطلب تو ہے جب لیضلّوا پڑھا جائے جو ایک قرأت ہے اور جب لِيُضِلُّوا پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ یہ اس لئے کہ وہ اوروں کو گمراہ کریں جن کی گمراہی تیری چاہت میں ہے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہی لوگ اللہ کے محبوب ہیں ورنہ اتنی دولت مندی اور اس قدر عیش وعشرت انہیں کیوں نصیب ہوتا ہے؟ اب ہماری دعا ہے کہ ان کے یہ مال تو غارت اور تباہ کردے۔ چنانچہ ان کے تمام مال اسی طرح پتھر بن گئے۔ سونا چاندی ہی نہیں بلکہ کھیتیاں تک پتھر کی ہوگئیں۔

حضرت محمد بن کعب اس سورہ یونس کی تلاوت امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کر رہے تھے جب اس آیت تک پہنچے تو خلیفۃ المسلمین نے سوال کیا کہ یہ طمس کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ان کے مال پتھر بنا دیئے گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا صندوقچہ منگوا کر اس میں سے سفید چنا نکال کر دکھایا جو پتھر بن گیا تھا۔ اور دعا کی کہ پروردگار ان کے دل سخت کردے ان پر مہر لگا دے کہ انہیں عذاب دیکھنے تک ایمان لانا نصیب نہ ہو۔ یہ دعائے ضرر صرف دینی حمیت اور دینی دل سوزی کی وجہ سے تھی یہ غصہ اللہ اور اس کے دین کی خاطر تھا۔ جب دیکھ لیا اور مایوسی کی حد آ گئی حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے کہ الٰہی زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ ورنہ اوروں کو بھی بہکائیں گے اور جو نسل ان کی ہوگی وہ بھی انہیں جیسی بے ایمان بدکار ہوگی۔ جناب باری نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں بھائیوں کی یہ دعا قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝
ارشاد ہوا: بیشک تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی، سو تم دونوں ثابت قدم رہنا اور ایسے لوگوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔

فرعون اور فرعونیوں کی دولت کا پتھروں میں تبدیل ہو جانے کا بیان

"قَالَ" تَعَالٰی "قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا" فَمُسِخَتْ أَمْوَالُهِمْ حِجَارَةً وَلَمْ يُؤْمِنْ فِرْعَوْنُ حَتّٰى أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ "فَاسْتَقِيمَا" عَلَى الرِّسَالَةِ وَالدَّعْوَةِ إِلٰى أَنْ يَّأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ "وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" فِي اسْتِعْجَالِ قَضَائِي رُوِيَ أَنَّهُ مَكَثَ بَعْدَهَا أَرْبَعِيْنَ سَنَةً،

ارشاد ہوا یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی، لہٰذا ان کا مال ودولت پتھروں مین تبدیل ہو گیا۔ اور فرعون ایمان نہ لایا حتیٰ کہ وہ ڈوب کر مر گیا۔ پس تم دونوں اپنی رسالت ودعوت پر ثابت قدم رہنا یہاں تک کہ ان کے پاس عذاب آجائے۔ اور ایسے لوگوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ لوگ جلد بازی کرنے کے بارے میں میرا فیصلہ نہیں جانتے اور یہ روایت کیا گیا ہے کہ اس دعائے ضرر کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس سال ان میں رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ اسی وقت وحی آئی کہ " ہماری یہ دعا مقبول ہوگئی" سے دلیل پکڑی گئی ہے کہ آمین کا کہنا بمنزلہ دعا کرنے کے ہے کیونکہ دعا کرنے والے صرف حضرت موسیٰ تھے آمین کہنے والے حضرت ہارون تھے لیکن اللہ نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی پس مقتدی کے آمین کہہ لینے سے گویا فاتحہ کا

پڑھ لینے والا ہے۔ پس اب تم دونوں بھائی میرے حکم پر مضبوطی سے جم جاؤ۔ جو میں کہوں بجالاؤ۔ اسی دعا کے بعد فرعون چالیس ماہ زندہ رہا کوئی کہتا ہے چالیس دن رہا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

دعا کی نسبت حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں کی طرف کی گئی باوجود یکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آمین کہنے والا بھی دعا کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے لہٰذا اس کے لئے اِخفاء ہی مناسب ہے۔ (تفسیر مدارک، سورہ یونس، بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اور اس کی مقبولیت کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ
الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝
اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا،
یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے پالیا تو اس نے کہا میں ایمان لے آیا کہ بے شک حق یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں
جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں سے ہوں۔

فرعون کے منہ میں اقرار ایمان کے وقت کیچڑ ڈالنے کا بیان

"وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ " لَحِقَهُمْ "فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُه بَغْیًا وَعَدْوًا" مَفْعُوْل لَهُ "حَتّٰٓی اِذَا اَدْرَكَهُ الْغَرَق قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهُ" اَیْ بِاَنَّهُ وَفِیْ قِرَاءَ ة بِالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا "لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهِ بَنُو اِسْرَائِیْل وَاَنَا مِنْ الْمُسْلِمِیْنَ " كَرَّرَهُ لِیُقْبَلَ مِنْهُ فَلَمْ یُقْبَلْ وَدَسَّ جِبْرِیْل فِیْ فِیْهِ مِنْ حَمْاَة الْبَحْر مَخَافَةَ اَنْ تَنَالَهُ الرَّحْمَة وَقَالَ لَهُ:

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، عدوا یہ مفعول لہ ہے۔ یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے پالیا تو اس نے کہا میں ایمان لے آیا کہ بے شک حق یہ ہے، یہاں پر انہ اصل میں بانہ ہے اور جملہ مستأنفہ کی صورت میں کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی وہی معبود ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اور میں فرماں برداروں سے ہوں۔ یہاں ایمان کو مکرر ذکر کیا گیا ہے تا کہ قبول کیا جائے لیکن نہیں قبول کیا گیا بلکہ جبرائیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں کیچڑ ڈالنا شروع کر دی اس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں رحمت اس کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔ اور اس سے کہہ دیا گیا۔ جو آئندہ آیت میں ہے۔

دریائے نیل، فرعون اور قوم بنی اسرائیل کا واقعہ

بنی اسرائل جب اپنے نبی مکرم علیہ السلام کے ساتھ چھ لاکھ کی تعداد میں جو بال بچوں کے علاوہ تھی۔ مصر سے نکل کھڑے ہوئے

اور فرعون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے بڑا ہی تاؤ کھایا اور زبردست لشکر جمع کر کے اپنے تمام لوگوں کو لے کر ان کے پیچھے لگا۔ اس نے تمام لاؤ لشکر کو تمام سرداروں، فوجوں، رشتے کنبے کے تمام لوگوں اور کل ارکان سلطنت کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اپنے پورے ملک میں کسی صاحب حیثیت شخص کو باقی نہیں چھوڑا تھا۔ بنی اسرائیل جس راہ گئے تھے اسی راہ یہ بھی بہت تیزی سے جا رہا تھا۔ ٹھیک سورج چڑھے، اس نے انہیں اور انہوں نے اسے دیکھ لیا۔ بنی اسرائیل گھبرا گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے لو اب پکڑ لئے گئے کیونکہ سامنے دریا تھا اور پیچھے لشکر فرعون نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ آگے بڑھتے تو ڈوب جاتے پیچھے ہٹتے تو قتل ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسکین دی اور فرمایا میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے تمہیں لے جا رہا ہوں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے کوئی نہ کوئی نجات کی راہ بتلا دے گا۔ تم بیفکر رہو۔ وہ سختی کو آسانی سے تنگی کو فراخی سے بدلنے پر قادر ہے۔ اسی وقت وحی ربانی آئی کہ اپنی لکڑی دریا پر مار دے۔ آپ نے یہی کیا۔ اس وقت پانی پھٹ گیا، راستے دے دیئے اور پہاڑوں کی طرح پانی کھڑا ہو گیا۔ ان کے بارہ قبیلے تھے بارہ راستے دریا میں بن گئے۔

تیز اور سوکھی ہوائیں چل پڑیں جس نے راستے خشک کر دیئے اب نہ تو فرعونیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے کا کھٹکا رہا نہ پانی میں ڈوب جانے کا۔ ساتھ ہی قدرت نے پانی کی دیواروں میں طاق اور سوراخ بنا دیئے کہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کو بھی دیکھ سکے۔ تاکہ دل میں یہ خدشہ بھی نہ رہے کہ کہیں وہ ڈوب نہ گیا ہو۔ بنو اسرائیل ان راستوں سے جانے لگے اور دریا پار اتر گئے۔ انہیں پار ہوتے ہوئے فرعونی دیکھ رہے تھے۔ جب یہ سب کے سب اس کنارے پہنچ گئے اب لشکر فرعون بڑھا اور سب کے سب دریا میں اتر گئے ان کی تعداد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ گھوڑے تو صرف سیاہ رنگ کے تھے جو باقی رنگ کے تھے ان کی تعداد کا خیال کر لیجئے۔ فرعون بڑا کائیاں تھا۔ دل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت جانتا تھا۔ اسے یہ رنگ دیکھ کر یقین ہو چکا تھا کہ یہ بھی بنی اسرائیل کی غیبی تائید ہوئی ہے وہ چاہتا تھا کہ یہاں سے واپس لوٹ جائے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ قدرت کا قلم چل چکا تھا۔

اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار آ گئے۔ ان کے جانور کے پیچھے فرعون کا گھوڑا لگ گیا۔ آپ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ فرعون کا گھوڑا اسے گھسیٹتا ہوا دریا میں اتر گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز لگائی کہ بنی اسرائیل گزر گئے اور تم یہاں ٹھیر گئے۔ چلو ان کے پیچھے اپنے گھوڑے بھی میری طرح دریا میں ڈال دو۔ اسی وقت ساتھیوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو مہمیز کیا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے پیچھے تھا کیونکہ ان کے جانوروں کو ہنکائیں غرض بغیر ایک کے بھی باقی رہے سب دریا میں اتر گئے۔ جب یہ سب اندر پہنچ گئے اور ان کا سب سے آگے کا حصہ دوسرے کنارے کے قریب پہنچ چکا، اسی وقت جناب باری قادر و قیوم کا دریا کو حکم ہوا اب مل جا اور ان کو ڈبو دے۔ پانی کے پتھر بنے ہوئے پہاڑ فوراً پانی ہو گئے اور اسی وقت یہ سب غوطے کھانے لگے اور فوراً ڈوب گئے ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ پانی کی موجوں نے انہیں اوپر تلے کر کر کے ان کے جوڑ جوڑ الگ الگ کر دیئے۔ فرعون جب موجوں میں پھنس گیا اور سکرات موت کا اسے مزہ آنے لگا تو کہنے لگا کہ میں لاشریک رب واحد پر ایمان لاتا ہوں۔ جس

پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عذاب کے دیکھ چکنے کے بعد عذاب کے آ جانے کے بعد ایمان سود مند نہیں ہوتا۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ٥
کیا اب؟ حالانکہ بے شک تو نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں سے تھا۔

فرعون کا گمراہی میں حد بڑھ جانے کے سبب ایمان سے محروم ہو جانے کا بیان

"آلْاٰنَ" تُؤْمِن "وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ" بِضَلَالِك وَاِضْلَالِك عَنْ الْاِیْمَان،

کیا اب؟ حالانکہ بے شک تو نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں سے تھا۔ یعنی تیرا دوسروں کو اور خود کو ایمان سے گمراہ کرنے پر فیصلہ ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو فرما چکا ہے اور یہ قاعدہ جاری کر چکا ہے۔ اسی لیے فرعون کو جواب ملا کہ اس وقت یہ کہتا ہے حالانکہ اب تک شر و فساد پر تلا رہا۔ پوری عمر اللہ کی نافرمانیاں کرتا رہا۔ ملک میں فساد مچاتا رہا۔ خود گمراہ ہو کر اوروں کو بھی راہ حق سے روکتا رہا۔ لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے کا امام تھا۔ قیامت کے دن بے یار و مددگار رہے گا۔ فرعون کا اس وقت کا قول اللہ تعالیٰ علام الغیوب نے اپنے علم غیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس واقعے کی خبر دیتے وقت جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ کاش آپ اس وقت ہوتے اور دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں اس کی بات پوری ہونے پر اللہ کی رحمت اس کی دست گیری نہ کر لے۔ ابن عباس فرماتے ہیں ڈوبتے وقت فرعون نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ایمان کا اقرار کرنا شروع کیا جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں مٹی بھرنی شروع کی۔ اس فرعون کثیر بن زاذان ملعون کا منہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت بند کر رہے تھے اور اس کے منہ کیچڑ ٹھونس رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ٥
پس آج ہم تیرے جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشان ہو سکے اور بیشک اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

اہل دنیا کے لئے فرعون کی لاش کو بہ طور عبرت محفوظ کر لینے کا بیان

"فَالْیَوْمَ نُنَجِّیك " نُخْرِجك مِنْ الْبَحْر "بِبَدَنِك" جَسَدك الَّذِیْ لَا رُوح فِیْهِ "لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفك" بَعْدك "آیَة" عِبْرَة فَیَعْرِفُوْا عُبُودِیَّتك وَلَا یَقْدَمُوْا عَلٰی مِثْل فِعْلك وَعَنْ ابْن عَبَّاس اَنَّ بَعْض بَنِیْ اِسْرَائِیْل شَكُّوْا فِیْ مَوْته فَاُخْرِجَ لَهُمْ لِیَرَوْهُ "وَاِنَّ كَثِیْرًا مِنْ النَّاس " اَیْ اَهْل مَكَّة "عَنْ آیَاتنَا لَغَافِلُوْنَ" لَا یَعْتَبِرُوْنَ بِهَا،

پس آج ہم تیرے بے جان جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان ہو سکے یعنی وہ تیری عبودیت کا
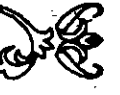
پہچان لیں اور تیری طرح کی سرکشی نہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض بنی اسرائیل کو اس کی موت کے بارے میں شک ہوا تو فرعون کی لاش کو اس لئے نکالا گیا تا کہ وہ اس کو دیکھ لیں۔ اور بیشک اکثر لوگ یعنی اہل مکہ میں سے ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ جو ان میں غور وفکر نہیں کرتے۔

کہتے ہیں کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت میں شک پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ اس کی لاش بلند ٹیلے پر خشکی میں ڈال دے تا کہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کا معائنہ کر لیں۔ چنانچہ اس کا جسم معہ اس کے لباس کے خشکی پر ڈال دیا گیا تا کہ بنی اسرائیل کو معلوم ہو جائے اور ان کے لیے نشانی اور عبرت بن جائے اور وہ جان لیں کہ غضب الٰہی کو کوئی چیز دفع نہیں کر سکتی۔ باوجود ان کھلے واقعات کے بھی اکثر لوگ ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔ کچھ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ان فرعونیوں کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مع مسلمانوں کے نجات پانا عاشورے کے دن ہوا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے تو یہودیوں کو اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہ نسبت ان کے زیادہ حقدار ہو تم بھی اس عاشورے کے دن کا روزہ رکھو۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝
اور فی الواقع ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے عمدہ جگہ بخشی اور ہم نے انھیں پاکیزہ رزق عطا کیا تو انہوں نے کوئی اختلاف
نہ کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم ودانش آ پہنچی۔ بیشک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور کا فیصلہ
فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کا اللہ کی نعمتوں میں اختلاف کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ بَوَّاْنَا" اَنْزَلْنَا "بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ" مَنْزِلَ كَرَامَةٍ وَهُوَ الشَّامُ وَمِصْرُ "وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّیِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا" بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ "حَتّٰی جَاءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ" مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ بِاِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَتَعْذِیْبِ الْكَافِرِیْنَ،

اور فی الواقع ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے عمدہ جگہ بخشی یعنی عزت والی جگہ دی جو شام اور مصر ہے اور ہم نے انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا تو انہوں نے کوئی اختلاف نہ کیا یعنی بعض کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس علم ودانش آ پہنچی۔ بیشک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور یعنی دین کے کاموں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف
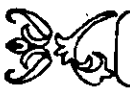
کرتے تھے۔ان کے دین میں فیصلہ کرنے کا معنی یہ ہے اہل ایمان کا دین قبول کر کے انہیں نجات جبکہ کفار کا نظریہ رد کر کے انہیں عذاب دے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بوانا۔ ہم نے جگہ دی۔ ہم نے مناسب مقام تیار کیا۔ ہم نے ٹھہرنے کی جگہ تیار کی۔ تبویۃ سے ماضی جمع متکلم۔ مبوا۔ اسم ظرف۔ ٹھہرنے کی جگہ، مسکن۔ بواء اس جگہ کو کہتے ہیں جو ہموار ہو اور اس کے کچھ اجزاء اوپر نیچے نہ ہوں۔ صدق۔ راستی۔ سچائی۔ نام۔ نیک۔ سچی بات۔ عمدہ۔ پسندیدہ۔ صدق یصدق کا مصدر ہے اس کے معنی لغت میں سچ کہنے اور سچ کر دکھانے کے ہیں۔ اور چونکہ یہ ذکر خیر کا سبب ہے اس لئے مجازاً نیک نام۔ ثناء اور ذکر خیر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

الصدق ۔ الکذب کی ضد ہے۔ اصل میں یہ دونوں قول کے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔ خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہو یا زمانہ مستقبل کے ساتھ۔ وعدہ کی قبیل سے ہو یا وعدہ کی قبیل سے نہ ہو۔ الغرض یہ بالذات قول ہی کے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔ پھر قول میں بھی صرف خیر کے لئے آتے ہیں دیگر اصناف کلام میں استعمال نہیں ہوتے۔ اسی لئے ارشاد ہے **ومن اصدق من اللہ قیلا** اور خدا سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔

العلم ۔ سے مراد تورات ہے۔ اور اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہیں جو تورات کے مدرجات کی تاویل میں ان میں پیدا ہوگئے۔ اور نتیجۃً وہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن ہے۔ اور اختلاف سے مراد یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف ہے بعض تورات میں مذکور نشانیوں کی بناء پر صحیح تاویل کرتے ہوئے قرآن اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور بعض نے بغض وحسد کی بناء پر انکار کر دیا۔ (تفسیر خازن، سورہ یونس، بیروت)

بنی اسرائیل کے لئے مصر وشام میں رہنے کے لئے جگہ ہونے کا بیان

اللہ نے جو نعمتیں بنی اسرائیل پر انعام فرمائیں ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ شام اور ملک مصر میں بیت المقدس کے آس پاس انہیں جگہ دی۔ تمام وکمال ملک مصر پر ان کی حکومت ہوگئی۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد دولت موسویہ قائم ہوگئی۔ جیسے قرآن میں بیان ہے کہ ہم نے ان کمزور بنی اسرائیلیوں کے مشرق مغرب کے ملک کا مالک کر دیا۔ برکت والی زمین انکے قبضے میں دے دی اور ان پر اپنی سچی بات کی سچائی کھول دی ان کے صبر کا پھل انہیں مل گیا۔ فرعون، فرعونی اور ان کے کاریگریاں سب نیست ونابود ہوئیں اور آیتوں میں ہے کہ ہم نے فرعونیوں کو باغوں سے دشمنوں سے، خزانوں سے بہترین مقامات اور مکانات سے نکال باہر کیا۔ اور بنی اسرائیل کے قبضے میں یہ سب کچھ کر دیا۔

وہاں عمالقہ کی قوم کا قبلہ تھا انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے درخواست کی، انہیں جہاد کا حکم ہوا یہ نامردی کر گئے جس کے بدلے انہیں چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں پھرنا پڑا۔ وہیں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ان کے بعد یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر بیت المقدس کو فتح کیا۔

یہاں بخت نصر کے زمانے تک انہیں کا قبضہ رہا پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ انہوں نے اسے لے لیا پھر یونانی بادشاہوں نے وہاں قبضہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک وہاں یونانیوں کا ہی قبضہ رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضد میں ان ملعون یہودیوں نے شاہ یونان سے ساز باز کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے احکام انہیں باغی قرار دے کر نکلوا دیئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ السلام کو تو اپنی طرف چڑھا لیا اور آپ کے کسی حواری پر آپ کی شباہت ڈال دی انہوں نے آپ کے دھوکے میں اسے قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا۔ یقیناً جناب روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ہاتھوں قتل نہیں ہوئے۔ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا۔ اللہ عزیز وحکیم ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ
لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝
پھر اگر تو اس کے بارے میں کسی شک میں ہے جو ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے
کتاب پڑھتے ہیں، بلاشبہ یقیناً تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہے، سو تو ہرگز شک کرنے والوں سے نہ ہو۔

اللہ کی کتاب میں بیان کردہ قصص کے برحق ہونے کا بیان

"فَاِنْ كُنْتَ" يَا مُحَمَّد "فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ" مِنَ الْقَصَص فَرْضًا "فَاسْاَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتَاب" التَّوْرَاة "مِنْ قَبْلك" فَاِنَّهُ ثَابِت عِنْدهمْ يُخْبِرُوك بِصِدْقِهِ قَالَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا اَشُكّ وَلَا اَسْاَل" "لَقَدْ جَاءَك الْحَقّ مِنْ رَبّك فَلَا تَكُوْنَن مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" الشَّاكِّيْنَ فِيْهِ۔

یا محمد ﷺ اگر آپ اس کے بارے میں کسی شک میں ہے جو ہم نے تیری طرف قصص کو نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لیں، جو تجھ سے پہلے کتاب تورات پڑھتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی سچائی کی خبر دیں گے تو اس پر نبی کریم ﷺ نے کہا میں کوئی شک نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی سوال کرتا ہوں۔ بلاشبہ یقیناً تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں سے نہ ہو۔

آیات قرآنی کی تکذیب کرنے والوں میں شامل نہ ہونے کا بیان

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
اور ہرگز ان میں نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

عُلَمائے اہل کتاب مثل حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے تاکہ وہ تجھ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اطمینان دلائیں اور آپ کی نعت وصفت جو توریت میں مذکور ہے وہ سنا کر شک رفع کریں۔ شک انسان کے نزدیک کسی امر میں دونوں طرفوں کا برابر ہونا ہے خواہ وہ اس طرح ہو کہ دونوں جانب برابر قرینے پائے جائیں خواہ اس طرح کہ کسی طرف بھی کوئی قرینہ

نہ ہو۔ محققین کے نزدیک شک اقسام جہل سے ہے اور جہل وشک میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر ایک شک جہل ہے اور ہر جہل شک نہیں۔ جو براہین لائحہ وآیات واضحہ سے اتنا روشن ہے کہ اس میں شک کی مجال نہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ یونس، بیروت)

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ٥
بیشک وہ جن پر تیرے رب کی بات ٹھیک ثابت ہو چکی ہے ایمان نہ لائیں گے۔

اللہ کے عذاب کا فیصلہ لینے والوں کے ایمان نہ لانے کا بیان

"اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ" وَجَبَتْ "عَلَیْهِمْ كَلِمَۃ رَبِّكَ" بِالْعَذَابِ،

بیشک وہ جن پر تیرے رب کی بات عذاب کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے ایمان نہ لائیں گے۔

اس آیت میں بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر دراصل بات ان لوگوں کو سنانی مقصود ہے جو آپ کی دعوت میں شک کر رہے تھے یعنی مشرکین عرب جو آسمانی کتابوں کے علم سے نا آشنا تھے چنانچہ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم اہل کتاب کے منصف مزاج علماء سے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو کہ جس چیز کی دعوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں اس میں اور پچھلے انبیاء کی دعوت میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔

پس ایسے لوگوں پر ایمان کی توقع ہی نہیں رکھنی چاہیے کہ انہوں نے ایمان لانا ہی نہیں۔ تا کہ اس قطع طمع کے بعد آپ کو پریشانی نہ ہو۔ سو اس ارشاد ربانی میں اس سنت الٰہی کا حوالہ ہے جو اللہ پاک کی اس کائنات میں کارفرما ہے کہ جو لوگ عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں وہ شدہ شدہ ایمان باللہ اور قبول حق کی اہلیت وصلاحیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان پر مہر جباریت لگ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے خسارے اور محرومی میں مبتلا ہو کر رہتے ہیں۔ (تفسیر المنار، سورہ یونس، بیروت)

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ٥
اگرچہ سب نشانیاں ان کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

عذاب کے بعد قبول ایمان کے مفید نہ ہونے کا بیان

"وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ" فَلَا یَنْفَعُهُمْ حِیْنَئِذٍ،

اگرچہ سب نشانیاں ان کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ لہٰذا اب ان کے ایمان کا ان کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

اگر بیہودہ شکوک کا علاج نہ کیا جائے تو چند روز میں شک ترقی کر کے امتراء (جدل) اور "امتراء" ترقی کر کے تکذیب کی حد تک جا پہنچے گا جس کا نتیجہ خسران وخرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تکذیب کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد بھی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر دنیا جہان کے سارے نشان دیکھ لے تب بھی ایمان نہ

لائے۔ اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے گا۔ جبکہ اس یقین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۝
پھر قوم یونس کے سوا کوئی اور ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لائی ہو اور اسے اس کے ایمان لانے نے فائدہ دیا ہو جب ایمان لے
آئے تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک مدت تک منافع سے بہرہ مند رکھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا عذاب دیکھ کر سچی توبہ کرنے کا بیان

"فَلَوْلَا" فَهَلَّا "كَانَتْ قَرْيَة" اُرِيْدَ اَهْلُهَا "آمَنَتْ" قَبْلَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهَا "فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا" لٰكِنْ "قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّا اٰمَنُوْا" عِنْدَ رُؤْيَةِ اَمَارَةِ الْعَذَابِ وَلَمْ يُؤَخِّرُوْا اِلٰى حُلُوْلِهٖ "كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ اِلٰى حِيْنٍ" انْقِضَاءِ آجَالِهِمْ،

پھر قوم یونس کی بستی کے سوا کوئی اور ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو عذاب آجانے سے پہلے ایمان لائی ہوتی اور اسے اس کے ایمان لانے نے فائدہ دیا ہوتا۔ جب قوم یونس کے لوگ نزول عذاب سے قبل صرف اس کی نشانی دیکھ کر ایمان لے آئے جبکہ انہوں نے عذاب آنے تک انتظار نہ کیا۔ تو ہم نے ان سے دنیاوی زندگی میں ہی رسوائی کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک مدت تک منافع سے بہرہ مند رکھا۔ یعنی ان کی عمروں کی مدت پوری ہو کر موت آنے تک ان کے لئے نفع رکھ دیا۔

قوم یونس کی سچی توبہ کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر انبیاء پیش کیے گئے کسی نبی کے ساتھ تو لوگوں کا ایک گروہ تھا۔ کسی کے ساتھ صرف ایک آدمی کوئی محض تنہا۔ پھر آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا بیان کیا۔ پھر اپنی امت کا، اس سے بھی زیادہ ہونا۔ زمین کے مشرق مغرب کی سمت کو ڈھانپ لینا بیان فرمایا۔ الغرض تمام انبیاء میں سے کسی کی ساری امت نے انہیں نبی نہیں مانا۔ سوائے اہل نینوی کے جو حضرت یونس علیہ السلام کی امت کے لوگ تھے۔ یہ بھی اس وقت جب نبی علیہ السلام کی زبان سے عذاب کی خبر معلوم ہوگئی۔ پھر اس کے ابتدائی آثار بھی دیکھ لیے۔ ان کے نبی علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ اس وقت یہ سارے کے سارے اللہ کے سامنے جھک گئے اس سے فریاد شروع کی، اس کی جناب میں عاجزی اور گریہ وزاری کرنے لگے، اپنی مسکینی ظاہر کرنے لگے۔ اور دامن رحمت سے لپٹ گئے۔ سارے کے سارے میدان میں نکل کھڑے ہوئے اپنی بیویوں، بچوں اور جانوروں کو بھی ساتھ اٹھا کر لے گئے۔ اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے دعائیں مانگنے لگے کہ یارب عذاب ہٹا لے۔ رحمت رب جوش میں آئی، پروردگار نے ان سے عذاب ہٹا لیا اور دنیا کی رسوائی کے عذاب سے انہیں بچا لیا۔ اور ان کی عمر تک کی انہیں مہلت دے دی اور اس دنیا کا فائدہ انہیں پہنچایا۔ یہاں جو فرمایا کہ دنیا کا عذاب ان سے ہٹا لیا۔ اس سے بعض

نے کہا ہے کہ اُخروی عذاب دور نہیں۔لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لے کے دوسری آیت میں ہے (فَـآمَـنُـوْا فَـمَـتَّـعْـنٰـهُـمْ اِلٰـی حِیْـنٍ ،الصافات:148) وہ ایمان لائے اور ہم نے انہیں زندگی کا فائدہ دیا۔اس سے ثابت ہوا کہ وہ ایمان لائے۔اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان آخرت کے عذاب سے نجات دینے والا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ کس بستی اہل کفر کا عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا ان کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوا۔سوائے قوم یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے نبی ان میں سے نکل گئے اور انہوں نے خیال کرلیا کہ اب اللہ کا عذاب آیا چاہتا ہے،اس وقت توبہ استغفار کرنے لگے ٹاٹ پہن کر خشوع وخضوع سے میلے کچیلے میدان میں آ کھڑے ہوئے بچوں کو ماؤں سے دور کردیا۔جانوروں کے تھنوں سے ان کے بچوں کو الگ کردیا۔اب جو رونا دھونا اور فریاد شروع کی تو چالیس دن رات اسی طرح گزار دیئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی سچائی دیکھ لی۔ان کی توبہ وندامت قبول فرمائی اور ان سے عذاب دور کردیا،یہ لوگ موصل کے شہر نینوئی کے رہنے والے تھے۔فلولا کی فھلا قرأت بھی ہے ان کے سروں پر عذاب رات کی سیاہی کے ٹکڑوں کی طرح گھوم رہا تھا ان کے علماء نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ جنگل میں نکل کھڑے ہو اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہم سے اپنے عذاب کو دور کردے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ یونس،بیروت)

موت یا عذاب دیکھ کر ایمان لانے یا توبہ کرنے کی بحث کا بیان

موت کو دیکھنے اور دنیوی عذاب کو دیکھنے میں فرق ہے،موت کو دیکھنے کے بعد توبہ کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہے،اور اس میں کوئی استثناء بھی نہیں ہے،لیکن عذاب میں استثناء ہوسکتا ہے،ممکن ہے کسی قوم میں خدا کے عذاب کے وقت لوگ توبہ کرے اور اس توبہ کی وجہ سے وہ عذاب ٹل جائے۔

شیخ طوسی کا یہ کلام مطلق ہے کہ عذاب کے وقت یہ لوگ مجبور ہوجاتے ہیں اور جب انسان مجبور ہوکر توبہ کرتا ہے تو اس کا یہ توبہ قبول نہیں ہے،انہوں نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ موت کے آثار کو دیکھنے کے بعد کرنے والے توبہ کے برخلاف دنیوی عذاب کے وقت جو توبہ کرتے ہیں وہ توبہ قبول ہے اور عذاب الٰہی ٹل سکتا ہے اپنی اس مطلب کے لئے اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِين، کیا کوئی بستی ایسی ہے کہ (بروقت) ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لیے سودمند ثابت ہوا ہو سوائے قوم یونس کے؟ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے ٹال دیا اور ایک مدت تک انہیں (زندگی سے) بہرہ مند رکھا

سورہ مبارکہ غافر کی آخری آیت جس میں فرماتا ہے سنۃ اللہ قد خلت فی عبادہ اس کے مطابق خدا کا قانون یہ ہے کہ خدا جس وقت کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو اس وقت وہ قوم اگر ایمان لے آئے ،تو یہاں استثناء ہوسکتا ہے،اور اس کے لئے بہترین شاہد حضرت یونس کا واقعہ ہے۔

ہم یہاں ابھی یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے، اس بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ دنیاوی عذاب بھی موت کی طرح ہے، جس طرح موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے، اسی طرح عذاب کے نازل ہوتے وقت بھی توبہ قبول نہیں ہے، جس طرح موت کے وقت کسی کا بھی توبہ قبول نہیں ہے اسی طرح عذاب دنیوی کے وقت بھی کسی کا توبہ قبول نہیں ہوسکتا۔

دوسرا نظریہ: شیخ طوسی فرماتا ہے دنیوی عذاب اور موت میں فرق ہے، موت کے وقت کسی کا توبہ قبول نہیں اور وہاں توبہ کسی فائدہ کا نہیں ہے، لیکن دنیوی عذاب میں استثناء ممکن ہے اور اس کا شاہد و گواہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے۔

ہم یہاں اس مطلب کی وضاحت کے لئے خود آیہ کریمہ کے بارے میں کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ اس میں "لولا" نافیہ ہے یا تحذیزیہ؟ بعض نے بتایا ہے قرآن کریم میں جہاں بھی "لولا" ذکر ہوا ہے وہ "ہل لا" تحریزیہ کے معنی میں ہے مگر دو جگہوں پر کہ ان میں سے ایک مورد یہی آیہ کریمہ ہے، اس آیہ کریمہ میں "لولا" "ہل لا" کے معنی میں نہیں ہے، "ھل لا" تحریزیہ سرزنش کر کے سوال کرنے کے لئے استعال ہوتا ہے! لیکن اس آیہ کریمہ میں بتایا ہے کہ لولا "ما" نافیہ کے معنی میں ہے لو لا كانت قرية يعني ما كانت قرية آمنت کوئی بھی بستی ایمان نہیں لائے کہ یہ ایمان ان کے لئے سودمند ہو، ایک دفعہ ہم آیہ کریمہ کا اس طرح معنی کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے فرما رہا ہے کوئی بھی بستی والے نے ایمان نہیں لائے کہ ان کی ایمان ان کے لئے سودمند ہو، یعنی گذشتہ اقوام اور بستی والوں جن کو ہم نے عذاب میں مبتلاء کیا ہے، اگر وہ عذاب کے نازل ہوتے وقت ایمان لاتے، تو ان کا یہ ایمان ان کے لئے سودمند نہیں تھا!

لیکن اگر ہم "لولا" کو تحریزیہ قرار دیں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خداوند سرزنش کرتے ہوئے سوال کر رہا ہے هل لا كانت قرية من القرى التي اهلكناها تابت عن الكفر وأخلصت في الإيمان یعنی خداوند متعالیٰ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام نے ہمارے عذاب نازل ہونے سے پہلے ایمان نہیں لائے تا کہ وہ ایمان ان کے لئے سودمند ہو؟ صرف ایک قوم نے ایمان لایا وہ حضرت یونس کا قوم ہے۔

پس "لولا" نافیہ ہونے کی صورت میں خداوند متعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام نے ایمان نہیں لایا، ہمارے عذاب نازل ہونے سے پہلے کیوں ایمان نہیں لائے تا کہ یہ ایمان ان کے لئے سودمند ہو! اور اگر "لولا" کو تحریزیہ قرار دیں تو معنی یہ ہوگا کہ خدا فرمانا چاہتا ہے گذشتہ اقوام جن پر ہم نے عذاب نازل کیا تھا کیوں ہمارے عذاب نازل ہونے سے پہلے ایمان نہیں لائے تا کہ یہ ایمان ان کے لئے سودمند ثابت ہو جائے صرف ایک قوم نے ایمان لایا وہ حضرت یونس کا قوم ہے اور جب انہوں نے ایمان لایا تو ہم نے دنیا کی خوار اور ذلیل کرنے والی عذاب کو ان سے ٹال لیا **إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ**

قوم یونس کا بزرگ کی رہنمائی پر دعا مانگنے کا بیان

ایک اور روایت یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں یہ لوگ توبہ کرنے پر راضی ہوئے تھے اور زندگی کو گناہوں سے پاک کرنا چاہتے تھے حتی یہاں تک راضی ہوا تھا کہ وہ غصبی پتھر جو دیوار کی بنیاد میں ہوا سے بھی نکال کر گھر کو پاک وصاف کرے

بعض نقل میں ہے کہ حضرت یونس نے دیکھا لوگ ان کی بات کو نہیں سن رہے ہیں تو اسی قوم میں ایک بزرگ شخص تھا اس کے پاس مشورت کرنے کے لئے آئے، اس زاہد شخص نے کہا؛ آپ شہر سے باہر نکل کر ان کے لئے بددعا کریں، جب حضرت یونس شہر سے باہر نکل گے تو خرجوا إلى شيخ من بقية علماء هم لوگ علماء میں سے کسی ایک عالم کے پاس آئے فقالوا قد نزل من العذاب اس عالم سے عرض کیا: ہم پر عذاب نازل ہورہا ہے ہم کیا کریں؟ انہوں نے کہا انہوں نے لوگوں کو یہ دعا تعلیم دی:، لوگوں نے اس ذکر اور دعا کو اتنا دھرایا کہ خدا نے عذاب کو ان سے اٹھالیا، شاید اس ذکر اور دعا میں خدا کے اسماء اعظم میں سے کوئی اسم ہوگا جس کی وجہ سے خدا نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔

یہاں پر یہ مطلب قابل ذکر ہے کہ کیا حضرت یونس کا واقعہ اس قانون سے استثناء ہے، یعنی یوں بتایا جائے کہ جہاں پر بھی خدا کی طرف سے عذاب نازل ہوا ہو اگر عذاب کے نازل ہوتے وقت لوگ ایمان لے آئے "فلم يك ينفعهم ايمانهم "ان کا یہ ایمان کسی فائدہ کا نہیں ہے اور یہ توبہ ان کے لئے سودمند نہیں اور خدا نے ایسے توبہ کو قبول نہیں کیا ہے، مگر ایک مورد کو خدا نے قبول کیا ہے وہ حضرت یونس کے قوم کا توبہ ہے۔ (معادر دقرآن، ج ۳ ص ۲۰۱، ایران)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝
اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر
جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔

ایمان قبول کرنے کے لئے اختیار دینے کا بیان

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاس" بِمَا لَمْ يَشَاْهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ "حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ" لَا،

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔ جب رب نے انھیں جبراً مومن نہیں بنایا۔

ایمان لانا سعادت ازلی پر موقوف ہے، ایمان وہی لائیں گے جن کے لئے توفیق الٰہی مُساعِد ہو۔ اس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ سب ایمان لے آئیں اور راہِ راست اختیار کریں پھر جو ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں ان کا آپ کو غم ہوتا ہے اس کا آپ کو غم نہ ہونا چاہیئے کیونکہ ازل سے جو شقی ہے وہ ایمان نہ لائے گا۔

ایمان کی ہدایت دینے یا نہ دینے میں حکمت کا بیان

اللہ کی حکمت ہے کہ کوئی ایمان لائے اور کسی کو ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ ورنہ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو تمام انسان ایمان دار ہو جاتے۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو اسی دین پر کاربند کر دیتا۔ لوگوں مین اختلاف تو باقی ہی نہ رہے۔ سوائے ان کے جن پر رب کا رحم

ہو، انہیں اسی لیے پیدا کیا ہے، تیرے رب کا فرمان حق ہے کہ جہنم انسانوں اور جنوں سے پر ہوگی۔ کیا ایماندار نا امید نہیں ہو گئے؟ یہ کہ اللہ اگر چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت کر سکتا تھا۔ یہ تو ناممکن ہے کہ تو ایمان ان کے دلوں کے ساتھ چپکا دے، یہ تیرے اختیار سے باہر ہے۔ ہدایت وضلالت اللہ کے ہاتھ ہے۔ تو ان پر افسوس اور رنج وغم نہ کر اگر یہ ایمان نہ لائیں تو تو اپنے آپ کو ان کے پیچھے ہلاک کر دے گا؟

اس کا علم اس کی حکمت اس کا عدل اسی کے ساتھ ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا۔ وہ ان کو ایمان سے خالی، ان کے دلوں کو نجس اور گندہ کر دیتا ہے جو اللہ کی قدرت، اللہ کی برھان، اللہ کے احکام کی آیتوں میں غور فکر نہیں کرتے۔ عقل و سمجھ سے کام نہیں لیتے، وہ عادل ہے، حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یونس، بیروت)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۝
اور کسی شخص کو قدرت نہیں کہ وہ بغیر اذنِ الٰہی کے ایمان لے آئے۔ وہ کفر کی گندگی انہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

کفر کی نجاست برے لوگوں پر ڈالنے کا بیان

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰه" بِاِرَادَتِهٖ "وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ" اَلْعَذَاب "عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ" يَتَدَبَّرُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰه۔

اور کسی شخص کو قدرت نہیں کہ وہ بغیر اذنِ الٰہی یعنی اس کے ارادے کے ایمان لے آئے۔ وہ کفر کی گندگی یعنی عذاب انہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ یعنی جو اللہ کی آیات میں غور وفکر نہیں کرتے۔

اور البتہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کی نجاست پر اس نے مزید نجاست کا اضافہ کیا ہے اور مرتے دم تک کفر پر ڈٹے رہے۔

اسلامی اعتقادت ونظریات اور بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور عائد شدہ فرائض پر عمل کرنا ایمان ہے اور ان پر بدیہی مسلمات میں سے کسی ایک بات کا انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود ہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے پھر علماء کی تصریح ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں، چنانچہ فقہاء ایسے افعال پر بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں جو قلبی واعتقادی کفر کے صحیح ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے دامن پر سب سے بدنما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادات اور اس کی حدود عظمت میں کسی کو شریک بنالینا نہ صرف اعتقادی حیثیت سے ایمان واسلام سے صریح بیزاری کا اظہار ہے، بلکہ فطرت پر ایک بہت بڑا ظلم اور عقل ودانش سے سب سے بڑی بغاوت بھی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کر کے اس کی فطرت کو کفر وشرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک وصاف رکھا ہے، اب اگر انسان اپنی فطرت کو شرک کی نجاست سے ملوث کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی فطرت

اور اپنے ضمیر کی صداقت آمیز آواز کا گلا گھونٹ کر مذہب وانسانیت دونوں حیثیت سے تباہی و بربادی کے غار میں گرتا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝
تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے اور آیتیں اور رسول انھیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں۔

زمین وآسمان میں غور وفکر کے سبب دلائل توحید کا بیان

"قُلْ" لِکُفَّارِ مَکَّۃَ "اُنْظُرُوْا مَاذَا" اَیْ الَّذِیْ "فِی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْض" مِنَ الْاٰیَاتِ الدَّالَّۃِ عَلٰی وَحْدَانِیَّۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی "وَمَا تُغْنِی الْاٰیَاتُ وَالنُّذُر" جَمْع نَذِیْر اَیْ الرُّسُل "عَنْ قَوْم لَا یُؤْمِنُوْنَ" فِیْ عِلْم اللّٰہِ اَیْ مَا تَنْفَعھُمْ،

تم کفار مکہ کے لئے فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے یعنی کونسی ذات ہے؟ اور آیات یعنہ وہ دلائل جو اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں اور ڈر سنانے والے مراد رسولان گرامی انہیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں۔ یعنی جو اللہ کے علم میں ہیں لہٰذا انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اس کی قدرتوں میں اس کی پیدا کردہ نشانیوں میں غور وفکر کرو۔ آسمان وزمین اور ان کے اندر کی نشانیاں بیشمار ہیں۔ ستارے سورج، چاند رات دن اور ان کا اختلاف کبھی دن کی کمی، کبھی راتوں کا چھوٹا ہو جانا، آسمانوں کی بلندی ان کی چوڑائی ان کا حسن وزینت اس سے بارش برسانا اس بارش سے زمین کا ہرا بھرا ہو جانا اس میں طرح طرح کے پھل پھول کا پیدا ہونا، اناج اور کھیتی کا اگنا، مختلف قسم کے جانوروں کا اس میں پھیلا ہوا ہونا، جن کی شکلیں جداگانہ، جن کے نفع الگ الگ جن کے رنگ الگ الگ، دریاؤں میں عجائبات کا پایا جانا، ان میں طرح طرح کی ہزار ہا قسم کی مخلوق کا ہونا، ان میں چھوٹی بڑی کشتیوں کا چلنا، یہ اس رب قدیر کی قدرتوں کے نشان کیا تمہاری رہبری، اس کی توحید اس کی جلالت اس کی عظمت اس کی یگانگت اس کی وحدت اس کی عبادت، اس کی اطاعت، اس کی ملکیت کی طرف نہیں کرتی؟ یقین مانو نہ اس کے سوا کوئی پروردگار، نہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت ہے درحقیقت بے ایمانوں کے لیے اس سے زیادہ نشانیاں بھی بے فائدہ ہیں۔

فَھَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۝
پس کیا یہ لوگ انہی لوگوں جیسے دِنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ فرمادیجئے کہ تم بھی انتظار کرو
میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

سابقہ اقوام کی تباہی کی مثل تباہی کا انتظار کرنے والوں کا بیان

"فَھَلْ" فَمَا "یَنْتَظِرُوْنَ" بِتَکْذِیْبِك "اِلَّا مِثْل اَیَّام الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلھمْ" مِنَ الْاُمَم اَیْ مِثْل وَقَائِعھمْ مِنَ الْعَذَاب "قُلْ فَانْتَظِرُوْا" ذٰلِكَ "اِنِّیْ مَعَکُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ"،

پس کیا یہ لوگ انہی لوگوں کے برے دنوں جیسے دِنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے امم گزر چکے ہیں؟ یعنی ان کی مثل واقعات گزر چکے ہیں۔فرما دیجئے کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

اہل عرب کے نزدیک ایام کے مفہوم کا بیان

فھل ینتظرون ۔میں ہل نافیہ ہے۔ایام ۔یوم کی جمع ہے۔دن۔وقت کے علاوہ یہ لفظ عذاب اور نعمت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔علامہ قرطبی فرماتے ہیں:والعرب تسمی العذاب ایاما والنعم ایاما ۔لقولہ تعالیٰ وذکرھم بایام اللہ،عرب عذاب کو بھی ایام کہتے ہیں۔اور نعمت کع بھی ایام کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ذکرہم بایام اللہ۔اور انہیں یاد دلاو اللہ کی نعمتیں۔یا پھر ایام سے مراد وقائع۔واقعات بھی مراد ہوسکتا ہے۔جیسے عرب پہلے واقعات کو ایام العرب کہتے ہیں۔اس صورت میں آیت ہذا میں ایام الذین خلوا من قبلھم سے مراد ہے ان لوگوں کے واقعات وحالات جو ان سے قبل گزر چلے ہیں (یعنی جب اتمام حجت اور حق کے روز روشن کی طرح ظاہر ہوجانے پر بھی وہ نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آئے تو ان پر مختلف طریقوں سے اللہ کا عذاب نازل ہوا۔(تفسیر قرطبی،سورہ یونس،بیروت)

عذاب کا انتظار کرنے والوں کے لئے عذاب کا بیان

مسروق روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہے تو وہ اس کو بیان کرے اور جو نہیں جانتا ہے تو اس کو کہنا چاہئے کہ اللہ زیادہ جانتا ہے اس لئے کہ یہ علم کی بات ہے کہ جو جس چیز کو نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ زیادہ جانتا ہے اللہ بزرگ و برتر نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے میں تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والا ہوں اور عنقریب میں تم سے دخان (دھواں) کے معنی بیان کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو اسلام کی طرف بلایا اور ان لوگوں نے تاخیر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا اللہ یوسف علیہ السلام کی قحط سالی کی طرح قحط سالی کے ذریعہ ان کے خلاف میری مدد کر چنانچہ قحط نے ان لوگوں کو گھیر لیا اور ہر چیز ختم ہوگئی یہاں تک کہ وہ لوگ مردار اور چمڑے کھانے لگے یہ حالت ہوگئی کہ آسمان کی طرف کوئی شخص نظر اٹھاتا تو بھوک کے سبب سے اسے دھواں نظر آتا اللہ عزوجل نے فرمایا انتظار کرو اس دن کا جس دن آسمان کھلا دھواں لائے گا لوگوں پر چھا جائے گا یہ دردناک عذاب ہوگا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے دعا کی اے ہمارے خدا! ہم سے عذاب دور کر ہم ایمان لاتے ہیں انہیں نصیحت کہاں حالانکہ ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آچکا پھر وہ اس سے پھر گئے اور کہنے لگے کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے بیشک ہم تھوڑے دن کے لئے عذاب دور کردیں گے۔ابن مسعود نے کہا کہ قیامت میں بھی عذاب دور کیا جائے گا ابن مسعود کا بیان ہے کہ عذاب دور کردیا گیا پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے تو اللہ نے انہیں بدر کے دن پکڑا اللہ نے فرمایا جس دن ہم سخت پکڑیں گے ہم اس وقت انتقام لے لیں گے۔(صحیح بخاری:جلد دوم:حدیث نمبر 2018)

ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ۠

پھر ہم اپنے رسولوں کو بچا لیتے ہیں اوران لوگوں کو بھی جو اس طرح ایمان لے آتے ہیں، ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچا لیں۔

اہل ایمان کو کفار و مشرکین کی سختیوں سے نجات دینے کا بیان

"ثُمَّ نُنَجِّی" الْمُضَارِع لِحِكَايَةِ الْحَال الْمَاضِی "رُسُلنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا" مِنْ الْعَذَاب "كَذٰلِكَ" الْإِنْجَاء "حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ" النَّبِیّ صَلَّى اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابه حِیْن تَعْذِیْب الْمُشْرِكِیْنَ،

پھر ہم اپنے رسولوں کو بچا لیتے ہیں یہاں ماضی کی حکایت حال ہے۔ اوران لوگوں کو بھی عذاب سے بچا لیتے ہیں جو اس طرح ایمان لے آتے ہیں، یہ نجات ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچا لیں۔ یہاں نجات سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب مکرم ہیں جن پر مشرکین سختیاں کرتے تھے۔

حضرت ابو بردہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میری مثال اور اس کی مثال جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں اس لئے تم بچو، تم بچو، ایک جماعت نے اس کا کہنا مانا اور رات ہی کو کسی محفوظ مقام کی طرف نکل پڑے ان لوگوں نے نجات پائی۔ ایک جماعت نے اسے جھوٹا سمجھا۔ صبح کے وقت لشکر ان پر آن پڑا اور انہیں قتل کر دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1429)

یوم نجات کو بہ طور شکر منانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ روزہ کیسا ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ بہتر دن ہے اسی دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی تھی، اس لئے حضرت موسیٰ نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارے اعتبار سے زیادہ موسیٰ کے حقدار ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1926)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۠

فرمادیجئے، اے لوگو! اگر تم میرے دین میں ذرا بھی شک میں ہو تو کہ میں ان کی پرستش نہیں کر سکتا جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو لیکن میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت سے ہمکنار کرتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے رہوں۔

کفار مکہ کا دین میں شک کرنے کا بیان

"قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاس " اَیْ اَهْلَ مَكَّة "اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِنْ دِیْنِیْ " اَنَّهٗ حَقٌّ "فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اَیْ غَیْرِہٖ وَهُوَ الْاَصْنَام لِشَكِّكُمْ فِیْهِ "وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ "یَقْبِضُ اَرْوَاحَكُمْ "وَاُمِرْتُ اَنْ" اَیْ بِاَنْ، اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ،

فرمادیجئے، اے لوگو یعنی اے اہل مکہ! اگر تم میرے دین میں ذرا بھی شک میں ہو کہ وہ حق ہے، تو کہ میں ان بتوں وغیرہ کی پرستش نہیں کر سکتا جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو کیونکہ اس دین میں تمہیں شک ہے۔ لیکن میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری ارواح کو قبض کر کے تمہیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے رہوں۔

اس آیت کی تفسیر سورہ کافرون کی تفسیر سے ملتی جلتی ہے جو حسب ذیل ہے۔ ان کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی اللہ کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے ان بتوں کو اور جن جن کو تم اللہ کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک لہ کو نہ پوجو پس ما یہاں پر معنی میں من کے ہے پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقے پر جو اسے پسند ہو اور جیسے وہ چاہے اسی لیے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجالاؤ گے بلکہ تم نے تو اپنی طرف سے طریقے مقرر کر لیے ہیں جیسے اور جگہ ہے ان یتبعون الا الظن الخ یہ لوگ صرف وہم و گمان اور خواہش نفسانی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے پس جناب نبی اللہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر طرح اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی کا اعلان فرما دیا ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہوگا اور طریقہ عبادت ہوگا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور طریقہ عبادت ان کا وہ ہے جو سرور رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اسی لیے کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں جو اللہ کے پیغمبر ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے معبود بھی اللہ کے سوا غیر ہیں اور طریقہ عبادت بھی اللہ کا بتلایا ہوا نہیں اسی لیے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لیے میرا میرے لیے جیسے اور جگہ ہے وان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریون مما اعمل وانا بری مما تعملون یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لیے میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا

عمل ہے تم میرے اعمال سے الگ ہو اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں اور جگرہ فرمایا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے تمہارے ساتھ ہے۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝
اور یہ کہ آپ ہر باطل سے بچ کر اپنا رخ دین پر قائم رکھیں اور ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

دین حنیف پر قائم رہنے کا بیان

"و" "قِيْلَ لِيْ "اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيفًا" مَائِلًا اِلَيْهِ،

اور یہ کہ آپ ہر باطل سے بچ کر اپنا رخ دین پر قائم رکھیں یعنی جو ہر شرک سے پاک ہے۔اور ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

علمائے یہود و نصاریٰ کے نزدیک بھی دین حنیف کے حجت ہونے کا بیان

موسیٰ نے کہا کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا اور میرا خیال ہے کہ ان سے یہ روایت بھی ابن عمر ہی نے بیان کی ہو گی کہ زید بن عمرو بن نفیل دین حق کی تلاش و اتباع میں ملک شام کی طرف گئے تو ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔زید نے ان کے مذہب کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ ممکن ہے میں تمہارا دین اختیار کرلوں لہٰذا مجھے بتاؤ اس نے کہا تم اس وقت تک ہمارے دین پر نہیں ہو سکتے جب تک غضب الٰہی سے اپنا حصہ نہ لے لو۔زید نے کہا میں غضب الٰہی سے ہی بھاگتا ہوں اور اس کے غضب کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا اور نہ مجھ میں اس کی طاقت ہے تو کیا تم مجھے کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو اس نے کہا میں حنیف کے سوا اور کوئی مذہب (تمہارے لئے) نہیں جانتا زید نے کہا حنیف کیا چیز؟ اس نے کہا دین ابراہیمی نہ یہود تھے اور نہ نصرانی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے لہٰذا زید وہاں سے نکل آئے اور ایک نصرانی عالم سے ملاقات کی اور زید نے اس سے بھی اسی طرح بیان کیا اس نے کہا کہ تم ہمارے دین پر آؤ گے۔تو اللہ کی لعنت سے اپنا حصہ تمہیں لینا پڑے گا زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگتا ہوں اور اللہ کی لعنت و غضب کو میں بالکل برداشت نہیں کرسکتا اور نہ مجھ میں طاقت ہے۔کیا تم کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ تمہارے لئے حنیف کے سوا اور کوئی مذہب نہیں جانتا انہوں نے کہا حنیف کیا چیز ہے؟ اس نے کہا دین ابراہیم علیہ السلام وہ نہ یہود تھے اور نہ نصرانی اور بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے جب زید نے ان کی گفتگو حضرت ابراہیم کے بارے میں سن لی تو وہاں سے چل دیئے جب باہر آئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔لیث نے کہا کہ مجھے ہشام نے بواسطہ اپنے والد اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا لکھا اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے اپنی پشت لگائے کھڑا ہوا دیکھا وہ کہہ رہے تھے اے جماعت قریش! میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔اور وہ موودۃ (یعنی وہ نوزائیدہ لڑکی جسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا) کو بھی بچا لیتے تھے وہ اس آدمی سے جو اپنی لڑکی

کوقتل کرنے کا ارادہ کرتا یہ فرماتے کہ اسے قتل نہ کرو اور میں تمہارے بجائے اس کی خدمت کروں گا تو وہ اسے (پرورش کے لئے) لے جاتے جب وہ بڑی ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے اگر تم چاہو تو میں یہ لڑکی تمہارے حوالہ کر دوں اور تمہارے منشا ہو تو میں ہی اس کی خدمت کرتا رہوں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1062)

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○
اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکار جو نہ تجھے نفع دے اور نہ تجھے نقصان پہنچائے، پھر اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً
تو اس وقت ظالموں سے ہوگا۔

نفع ونقصان کی مالک نہ ہونے والی چیزوں کی پرستش کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَدْعُ" تَعْبُد "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعكَ" اِنْ عَبَدْته "وَلَا يَضُرّك" اِنْ لَّمْ تَعْبُدهُ "فَاِنْ فَعَلْت" ذٰلِكَ فَرْضًا ،

اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو عبادت نہ کرو جو نہ تجھے نفع دے یعنی جب اس کی عبادت کرے اور اگر اس کی عبادت نہ کرے تو نہ تجھے نقصان پہنچائے، پھر اگر تو نے بہ فرض محال ایسا کیا تو یقیناً تو اس وقت ظالموں سے ہوگا۔

نفع ونقصان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن سفر کے دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ لڑکے! اللہ تعالیٰ کے تمام احکام امر و نہی کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا خیال رکھے گا اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے ان چیزوں پر عمل کرو گے جن پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے اجتناب کرو گے جن سے اجتناب کرنے کا اس نے حکم دیا۔ نیز تم ہر وقت اور ہر معاملہ میں اسی کی رضا وخوشنودی کے طالب رہو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی تمہارا خیال رکھے بایں طور کہ تمہیں دنیا میں بھی ہر طرح کی آفات اور مصیبتوں سے بچائے گا اور آخرت میں بھی ہر عذاب وسختی سے محفوظ رکھے گا، جیسا کہ فرمایا گیا ہے (ومن کان للہ کان اللہ لہ) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال رکھو گے تو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاؤ گے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو ہر لحہ یاد رکھو گے، اس کے نظام قدرت میں غور وفکر کرو گے اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو گے تو تم اس کی بے پایاں رحمتوں اور اس کے انعامات کو اپنے سامنے پاؤ گے) جب تم سوال کا ارادہ کرو تو صرف اللہ تعالیٰ کے آگے دس سوال دراز کرو، جب تم میں مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اگر بفرض محال یہ ساری مخلوق اس بات پر اتفاق کر لے کہ وہ سب مل کر تمہیں کسی دنیاوی یا اخروی معاملہ میں کوئی فائدہ پہنچا دے تو ہرگز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکے گی، علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے تمام لوگ مل کر بھی تمہیں کسی طرح کا کوئی نقصان وضرر پہنچانا

چاہیں تو وہ ہرگز تمہیں کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچا سکیں گے علاوہ صرف اس چیز کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا کر رکھ دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔ (احمد، ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1230)

شیطان کا بتوں کی پوجا کروانے کا بیان

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے سنا اور ان کے پاس ایک آدمی نے آکر عرض کیا یہ حدیث کیسے ہے جسے آپ روایت کرتے ہیں کہ قیامت اس اس طرح قائم ہوگی اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے زمین پر کوئی بھی ایسا آدمی باقی نہیں رہے گا کہ اس کی روح قبض کر لی جائے گی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی پہاڑ کے اندر داخل ہو گیا تو وہ اس میں اس تک پہنچ کر اسے قبض کر کے ہی چھوڑے گی اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا پھر برے لوگ ہی باقی رہ جائیں گے جو چڑیوں کی طرح جلد باز اور بے عقل درندہ صفت ہوں گے وہ کسی نیکی کو نہ پہچانیں گے اور نہ برائی کو برائی تصور کریں گے ان کے پاس شیطان کسی بھیس میں آئے گا تو وہ کہے گا کیا تم میری بات نہیں مانتے تو وہ کہیں گے کہ تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے تو شیطان انہیں بتوں کی پوجا کرنے کا حکم دے گا اور وہ اسی بت پرستی میں ڈوبے ہوئے ہوں گے ان کا رزق اچھا ہوگا اور ان کی زندگی عیش وعشرت کی ہوگی پھر صور پھونکا جائے گا جو بھی اس کی آواز سنے گا وہ اپنی گردن کو ایک مرتبہ ایک طرف جھکائے گا اور دوسری طرف سے اٹھائے گا اور جو شخص سب سے پہلے صور کی آواز سنے گا وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہوگا وہ بے ہوش ہو جائے گا۔

اور دوسرے لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے پھر اللہ بھیجے گا یا اللہ شبنم کی طرح بارش نازل کرے گا جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے پھر صور میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھتے ہوں گے پھر کہا جائے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف آؤ اور ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا پھر کہا جائے گا دوزخ کے لئے ایک جماعت نکالو تو کہا جائے گا کتنے لوگوں کی جماعت کہا جائے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2880)

عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے اتنے میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کیا چیز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس سے ملنے کا، اس کے پیغمبروں کا اور حشر کا یقین رکھو اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز پابندی سے پڑھو، فرض کی گئی زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول احسان کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو

(کم از کم اتنا یقین رکھو) کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اس نے عرض کیا قیامت کب ہوگی؟ ارشاد فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے اس بات کا زیادہ جاننے والا نہیں ہے، ہاں میں تمہیں اس کی علامات بتاتا ہوں: جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی یہ قیامت کی علامات میں سے ہے جب ننگے بدن اور ننگے پاؤں رہنے والے لوگوں کے سردار ہو جائیں گے تو یہ قیامت کی علامت ہے جب اونٹوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارتیں بنا کر فخر کریں گے تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے، قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت مبارکہ تلاوت فرمائی (اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ لقمان:34) پھر وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو واپس لاؤ لوگوں نے اس کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ جبرائیل آئے تھے تا کہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 100)

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ
یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝
اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرلے تو کوئی
اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں، وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے فضل سے خیر نصیب ہونے کا بیان

"وَاِنْ یَّمْسَسْكَ" "یُصِبْكَ" "اللّٰهُ بِضُرٍّ" كَفَقْرٍ وَمَرَضٍ "فَلَا كَاشِفَ" رَافِعَ "لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَادَّ" دَافِعَ "لِفَضْلِهٖ" الَّذِیْ اَرَادَكَ بِهٖ "یُصِیْبُ بِهٖ" اَیْ بِالْخَیْرِ، مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ،

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے جس طرح فقر اور مرض ہے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرلے یعنی تجھ سے بھلائی کو دور کردے، تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں، یعنی جس کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے بھلائی کو پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

دم کے وسیلہ سے اللہ کی طرف سے شفاء ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت سفر میں جا رہی تھی ایک عرب کے قبیلہ میں ان کا پڑاؤ ہوا تو انہوں نے ان قبیلہ والوں سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا لیکن اہل قبیلہ نے انکار کر دیا میزبانی سے۔ راوی کہتے ہیں کہ (اتفاقاً) اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انہوں نے اس کا ہر چیز سے علاج معالجہ کیا لیکن اسے کسی چیز نے نفع نہیں دیا۔ ان میں سے بعض لوگ کہنے لگے کہ کاش تم اس جماعت کے پاس جاتے جس نے

تمہارے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جو تمہارے سردار کو نفع بخش دے (پس ان میں سے کچھ لوگ صحابہ کے پاس آئے) اور کہا کہ ہمارے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے پس کہا تم میں سے کسی کے پاس کوئی تعویذ وغیرہ ہے۔

جماعت میں سے ایک شخص نے کہا میں تعویز کرتا ہوں لیکن ہم نے تم سے مہمان نوازی چاہی تو تم نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کر دیا لہٰذا میں تعویز نہیں کروں گا حتی کہ تم کوئی اجرت وغیرہ مقرر کرو میرے لئے، انہوں نے ان کے واسطے بکریوں کا ایک ریوڑ اجرت کے طور پر مقرر کیا تو وہ ان کے سردار کے پاس آئے اور اس پر سورت فاتحہ پڑھی اور پڑھ کر پھونکنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اس کو شفاء ہوگئی گویا کہ کسی بندش سے چھوٹ گیا، راوی کہتے ہیں پھر انہوں نے جس پر معاہدہ کیا تھا اسے پورا کیا، ان لوگوں نے کہا کہ اسے تقسیم کر لو، لیکن تعویز کرنے والے صاحب نے کہا کہ ایسا نہ کرو یہاں تک کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پاس پہنچ جائیں اور ان سے اس کے حکم کے بارے میں معلوم کر لیں، پس اگلی صبح ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ ذکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں کہاں سے معلوم ہے کہ یہ سورت فاتحہ تعویز ہے تم نے اچھا کیا اپنے ساتھ میرا بھی حصہ مقرر کرو۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 25)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی مصیبت کو دور کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے کسی مومن سے دنیا میں مصیبتوں کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں کو دور کرے گا اور جس نے تنگ دست پر آسانی کی اللہ اس پر دنیا میں اور آخرت میں آسانی کرے گا اور اللہ اس بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جو اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے اور جو ایسے راستے پر چلا جس میں علم کی تلاش کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ذریعہ جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کی تعلیم میں مصروف ہوتے ہیں ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود فرشتوں میں کرتے ہیں اور جس شخص کو اس کے اپنے اعمال نے پیچھے کر دیا تو اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2352)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝

فرما دیجئے: اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق آ گیا ہے، سو جس نے راہِ ہدایت اختیار کی بس وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہو گیا بس وہ اپنی ہی ہلاکت کے لئے گمراہ ہوتا ہے اور میں تمہارے اوپر داروغہ نہیں ہوں۔

ہدایت کا ثواب جبکہ گمراہی کا عذاب اختیار کرنے والے کے لئے ہونے کا بیان

"قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاس" اَيْ اَهْل مَكَّة "قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقّ مِنْ رَبّكُمْ فَمَنْ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ" لِاَنَّ ثَوَاب اهْتِدَائِهِ لَهُ "وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلّ عَلَيْهَا" لِاَنَّ وَبَال ضَلَاله عَلَيْهَا "وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ" فَاُجْبِركُمْ عَلَى الْهُدٰى،

فرما دیجئے، اے لوگو یعنی اے اہل مکہ! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق آ گیا ہے، لہٰذا جس نے راہِ ہدایت اختیار کی بس وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے کیونکہ اس کی ہدایت کو ثواب اسی کے لئے ہے۔ اور جو گمراہ ہو گیا بس وہ اپنی ہی ہلاکت کے لئے گمراہ ہوتا ہے یعنی اس کی گمراہی کا نقصان اسی پر ہے۔ اور میں تمہارے اوپر وکیل نہیں ہوں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں تمہیں ہدایت پر مجبور کروں۔

غار حرا کی وحی اور پیغام حق کے آنے کا بیان

عروہ بن زبیر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غار حرا میں تنہا رہنے لگے اور قبل اس کے کہ گھر والوں کے پاس آنے کا شوق ہو وہاں تحنث کیا کرتے، تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے اور اس کے لئے توشہ ساتھ لے جاتے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے، حق آیا، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھ، آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا چنانچہ آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو، تو لوگوں نے کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان

نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسید بن عبدالعزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا، نابینا اور بوڑھے ہو گئے تھے، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو آپ سے ورقہ نے کہا اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ تو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، بیان کر دیا، ورقہ نے آپ سے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا، کاش میں نوجوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب دیا، ہاں! جو چیز تو لے کر آیا ہے اس طرح کی چیز جو بھی لے کر آیا اس سے دشمنی کی گئی، اگر میں تیرا زمانہ پاؤں تو میں تیری پوری مدد کروں گا، پھر زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی کا آنا کچھ دنوں کے لئے بند ہو گیا۔

ابن شہاب نے کہا کہ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ جابر بن عبداللہ انصاری وحی کے رکنے کی حدیث بیان کر رہے تھے، تو اس حدیث میں بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما رہے تھے کہ ایک بار میں جا رہا تھا تو آسمان سے ایک آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ تھا، جو میرے پاس حرا میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور واپس لوٹ کر میں نے کہا مجھے کمبل اڑھا دو مجھے کمبل اڑھا دو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، (یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ) اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے، پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا اور لگاتار آنے لگی۔ عبداللہ بن یوسف اور ابوصالح نے اس کے متابع حدیث بیان کی ہے اور ہلال بن رواد نے زہری سے متابعت کی ہے، یونس اور معمر نے فوادہ کی جگہ بوادرہ بیان کیا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 3)

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے برحق ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے سلام عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کا جواب دیکر فرمایا کہ جا نماز پڑھ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس نے پھر نماز پڑھی اس کے بعد آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا نماز پڑھ اس لئے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس نے پھر نماز پڑھی اسی تین طرح مرتبہ (آپ نے فرمایا) تب اس نے کہا جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس ذات کی قسم! میں اس سے بہتر نہیں پڑھ سکتا لہٰذا آپ مجھے تعلیم فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ، بعد اس کے جس قدر تجھے قرآن یاد ہو پڑھ، اس کے بعد رکوع کر جب اطمینان سے رکوع کر لے تو اس کے بعد سر اٹھا کر کھڑا ہو جا اس کے بعد سجدہ کر جب اطمینان سے سجدہ کر چکے تو اس

کے بعد سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا اس کے بعد (دوسرا) سجدہ کر جب اطمینان سے سجدہ کر چکے تو اپنی پوری نماز میں اسی طرح کر۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 765)

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝
آپ اسی کی اتباع کریں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کرتے رہیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دے،
اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

وحی کی اتباع اور صبر کرنے کا بیان

"وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ" مِنْ رَبِّكَ "وَاصْبِرْ" عَلَى الدَّعْوَةِ وَأَذَاهُمْ "حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ" فِيهِمْ بِأَمْرِهِ "وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ" أَعْدَلُهُمْ وَقَدْ صَبَرَ حَتَّىٰ حُكِمَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ بِالْقِتَالِ وَأَهْلِ الْكِتَابِ بِالْجِزْيَةِ،

آپ اسی کی اتباع کریں جو آپ کے رب کی جانب سے آپ پر وحی کی جاتی ہے اور دعوت اور ان کی تکالیف پر صبر کرتے رہیں یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرما دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ یعنی سب سے زیادہ عدل فرمانے والا ہے۔ پس آپ ﷺ نے صبر کیا حتیٰ کہ مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم آ گیا اور اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم آ گیا۔

وحی کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کا بیان

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا کہ اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جو کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنی ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ، (القرآن سورۃ الانعام:112)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنا دیا جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی (چکنی چپڑی) باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں، اور اگر آپ کا ربّ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر پاتے، سو آپ انہیں (بھی) چھوڑ دیں اور جو کچھ وہ بہتان باندھ رہے ہیں۔

ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنی ہے خفیہ طریقے سے خبر دینا، اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں، ازہری نے کہا ہے اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ بشر کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے یا الہام کے ذریعے یا خواب کے ذریعے یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی

تھی یا جس طرح حضرت سیّدنا محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں اگر چہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کے ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کے آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے پھر جب یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے، پھر مجھ سے بات کرتا ہے، جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو یاد کر لیتا ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے سخت سردی کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔

وحی کا مختلف احوال کے ساتھ آنے کا بیان

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ: اِنْ کَانَ لَیُوحٰی اِلَیْہِ وَھُوَ عَلٰی نَاقَتِہٖ فَیَضْرِبُ حِزَامِھَا مِنْ ثِقَلِ مَا یُوحٰی اِلَیْہِ۔ (فتح الباری)

اگر وحی اس حالت میں آتی کہ آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی بیٹھ جاتی۔ بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔ (بیہقی، ابواب کیفیت وحی)

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ (مصنف بن ابی شیبہ)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسانی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اَجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری)

صبر کے سبب نعمت صبر عطا ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا۔

آپ نے ان کو دیدیا یہاں تک کہ جو کچھ تھا آپ کے پاس ختم ہو گیا۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا، میں تم سے بچا نہیں رکھوں گا اور جو شخص سوال سے بچنا چاہے تو اللہ اسے بچالیتا ہے جو شخص بے پروائی چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ بے پرواہ بنا دے گا اور جو شخص صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرے گا اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت نہیں ملی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1412)

شعب ابی طالب میں کفار مکہ کی تکالیف پر اہل ایمان کے صبر کا بیان

اعلان نبوت کے ساتویں سال نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے بہادران قریش بھی دامن اسلام میں آ گئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سرداران قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ اسکیم بنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تا کہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔

چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔

(۱) کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔ (۲) کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔ (۳) کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات و بات نہ کرے۔ (۴) کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔

قریش کا تین برس تک مشکلات میں زندگی گزارنے کا واقعہ

منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سرداران قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام شعب ابی طالب تھا پناہ گزین ہوئے۔ ابولہب کے سوا خاندان بنو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بنا پر اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ اور ان کے بچے بھوک پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دن رات رویا کرتے تھے۔ سنگدل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔ (زرقانی علی المواہب)

بعض قریشیوں کا مظالم پر رحم آ جانے کا واقعہ

مسلسل تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آ گیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک اٹھائی۔ چنانچہ ہشام بن

عمرو عامری، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے کفار قریش کو مخاطب کر کے اپنی پر جوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ ہم لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ تقریر سن کر ابوجہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ زمعہ نے ابوجہل کو للکارا اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابوجہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی خم ٹھونک کر ابوجہل کو جھڑک دیا اور ابوالبختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابوجہل! اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب ہم اس کے پابند ہیں۔

سورہ یونس کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ یونس کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی

سورت ھود کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ ھُوْد (مَکِّیَّۃ اِلَّا الْاٰیَات 12 و 17 و 114 فَمَدَنِیَّۃ وَاٰیَاتُھَا 123 نَزَلَتْ بَعْد سُورَۃ یُونُس)

سورت ھود مکی ہے۔ البتہ آیت ۱۲، ۱۷، ۱۱۴ مدنی ہیں اور اس کی آیات ۱۲۳ ہیں اور یہ سورت یونس کے بعد نازل ہوئی ہے۔
اور اس میں دس رکوع اور ایک سو تئیس آیات اور ایک ہزار چھ سو کلمے اور نو ہزار پانچ سو سرسٹھ حرف ہیں۔

سورہ ھود کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے اگرچہ قوم ثمود کے علاوہ دوسری بھی سابقہ اقوام کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قوم ثمود کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت فرمائی گئی۔ جس کے سبب اس کا نام بھی سورہ ہود رکھا گیا ہے۔
حدیث شریف میں ہے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم حضور پر پیری کے آثار نمودار ہوگئے، فرمایا مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور سورہ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا۔ (ترمذی) غالباً یہ اس وجہ سے فرمایا کہ ان سورتوں میں قیامت وبعث وحساب وجنت ودوزخ کا ذکر ہے۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝
،الف لام راء۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں، پھر ایک خبیر کمال حکمت والے کی طرف سے ان کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

قرآن میں بیان کردہ احکام کے محکم ہونے کا بیان

"الر" اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ ھٰذَا "کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُہٗ" بِعَجِیْبِ النَّظْمِ وَبَدِیْعِ الْمَعَانِیْ "ثُمَّ فُصِّلَتْ" بُیِّنَتْ بِالْاَحْکَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ "مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ" اَیْ اللّٰہ،

،الف لام راء۔ اللہ ہی اس کی مراد کو بہتر جاننے والا ہے۔
یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں، یعنی اس کی آیات کا نظم وبدیع المعانی ہونے میں قابل تعجب انداز ہے۔ پھر ایک خبیر کمال حکمت والے کی طرف سے ان کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس میں احکام، قصص اور مواعظ کو بیان کیا گیا ہے۔ جو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے بیان ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کا ایک محکم کتاب ہونے کا بیان

قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو محکم بنایا گیا ہے، لفظ محکم احکام سے بنا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کلام کو ایسا درست کیا جائے جس میں کسی لفظی اور معنوی غلطی یا فساد کا احتمال نہ رہے، اس بناء پر آیات کے محکم بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ان آیات کو ایسا بنایا ہے کہ ان میں کسی لفظی غلطی یا معنوی فساد اور خلل یا باطل کا کوئی امکان و احتمال نہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ محکم اس جگہ منسوخ کے مقابلہ میں ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن کی آیات کو اللہ تعالیٰ نے مجموعی حیثیت سے محکم غیر منسوخ بنایا ہے یعنی جس طرح پچھلی کتابیں تورات وانجیل وغیرہ نزول قرآن کے بعد منسوخ ہوگئیں، اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد چونکہ سلسلہ نبوت ووحی ہی ختم ہوگیا اس لئے یہ کتاب تا قیامت منسوخ نہ ہوگی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ھود، بیروت)

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۝
یہ کہ اللہ کے سوا تم کسی کی عبادت مت کرو، بیشک میں تمہارے لئے اسی کی جانب سے ڈر سنانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

عبادت کا حق صرف اللہ کے لئے ہونے کا بیان

"اَ" اَیْ بِاَنْ "لَا تَعْبُدُوا اِلَّا اللّٰهِ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِیْر" بِالْعَذَابِ اِنْ كَفَرْتُمْ "وَبَشِیر" بِالثَّوَابِ اِنْ اٰمَنْتُمْ،

یہ کہ اللہ کے سوا تم کسی کی عبادت مت کرو، بیشک میں تمہارے لئے اسی کی جانب سے عذاب کا ڈر سنانے والا یعنی اگر تم کفر کرو اور ثواب کی بشارت دینے والا ہوں۔ یعنی اگر تم ایمان لے آؤ۔

شرک سے پاک عبادت جنت میں لے جانے والی ہے

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو کیا ہوگیا، اس کو کیا ہوگیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کا کسی کو شریک نہ بنا، نماز قائم کر اور زکوۃ دے اور صلہ رحمی کر اور بہز کا بیان ہے کہ مجھ سے شعبہ نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے محمد بن عثمان اور ان کے والد عثمان بن عبداللہ نے بیان کیا کہ موسیٰ بن طلحہ سے انہوں نے ابوایوب سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کیا ابوعبداللہ نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ محمد غیر محفوظ ہو بلکہ وہ عمرو ہو۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1336)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جب میں اس کو کروں تو جنت میں داخل ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور فرض نماز قائم کر اور فرض زکوۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ۔ تو اس اعرابی نے کہا کہ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اس پر زیادتی نہ کروں گا جب وہ چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی جنتی دیکھنا اچھا معلوم ہو تو وہ اس شخص کو دیکھے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1337)

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ
كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝
اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا فائدہ دے گا ایک ٹھہرائے وعدہ تک
اور ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا اور اگر منہ پھیرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

شرک سے توبہ کرنے اور اطاعت اختیار کرنے کا بیان

"وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ" مِنَ الشِّرْكِ "ثُمَّ تُوْبُوْا" ارْجِعُوا "اِلَيْهِ" بِالطَّاعَةِ "يُمَتِّعْكُمْ" فِي الدُّنْيَا "مَتَاعًا حَسَنًا" بِطِيبِ عَيْش وَسِعَة رِزْق "اِلٰى اَجَل مُسَمًّى" هُوَ الْمَوْت "وَيُؤْتِ" فِي الْاٰخِرَة "كُلّ ذِیْ فَضْل" فِي الْعَمَل "فَضْله" جَزَاءَهُ "وَاِنْ تَوَلَّوْا" فِيهِ حَذْف اِحْدَى التَّاءَيْنِ اَیْ تُعْرِضُوا "فَاِنِّیْ اَخَاف عَلَيْكُمْ عَذَاب يَوْم كَبِير" هُوَ يَوْم الْقِيَامَة،

اور یہ کہ اپنے رب سے شرک کرنے پر معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو یعنی اطاعت کے ذریعے، تمہیں دنیا میں بہت اچھا فائدہ دے گا، یہاں پر لفظ حسنا سے مراد پاکیزہ وسعت والا ہے۔ ایک ٹھہرائے ہوئے وعدہ تک جو موت ہے اور ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا یعنی آخرت میں اس کی جزاء ملے گی۔ اور اگر منہ پھیرو یہاں تولوا میں دونوں تاؤں میں سے ایک تاء کا حذف ہے۔ یعنی تعرضوا تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ جو قیامت کا دن ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں استغفار و توبہ کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 856)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی کثرت سے استغفار و توبہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہ میں مبتلا ہوتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام عبدیت کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ شاید مجھ سے اللہ کی بندگی و عبادت میں کوئی قصور ہو گیا ہو اور میں وہ بندگی نہ کر سکا ہوں جو رب ذوالجلال والاکرام کی شان کے لائق ہے۔ نیز اس سے مقصود امت کو استغفار و توبہ کی ترغیب

دلاتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود یکہ معصوم اور خیر المخلوقات تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دن میں ستر بار توبہ واستغفار کی تو گنہگاروں کو بطریق اولیٰ استغفار وتوبہ بہت کثرت سے کرنی چاہئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ روئے زمین پر عذاب الٰہی سے امن کی دو ہی پناہ گاہیں تھیں ایک تو اٹھ گئی دوسری باقی ہے لہٰذا اس دوسری پناہ گاہ کو اختیار کرو، جو پناہ گاہ اٹھ گئی وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی تھی اور جو باقی ہے وہ استغفار ہے

اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے۔ آیت (وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون)۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس حالت میں عذاب میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے جب تک وہ استغفار کرتے ہوں۔

شرک ختم کرنے کے لئے جہاد کرنے کا بیان

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی (بھی گواہی دیں) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ پس جب یہ (باتیں) کرنے لگیں تو مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال بچالیں گے سوائے حق اسلام کے اور ان لوگوں کا حساب اللہ کے حوالے ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب ایمان)

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، اور وہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

سب کا اللہ کی طرف لوٹ کر جانے کا بیان

"اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر" وَمِنْهُ الثَّوَاب وَالْعَذَاب،

تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، اور وہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔ یعنی اس کی جانب سے ثواب اور عذاب ہے۔

سب کا رجوع بہر حال اللہ ہی کی طرف ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر مٹ کر یونہی ختم ہو جائیں گے، جیسا کہ کیڑے مکوڑے ختم ہو جاتے ہیں، وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ اسی طرح جو کہتے ہیں کہ ہم مر کر کسی دوسرے جون میں آجائیں گے وہ بھی بالکل غلط کہتے ہیں، نیز جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہمارا معاملہ ہمارے من گھڑت شریکوں اور سفارشیوں کے حوالے ہے وہ بھی غلط کہتے ہیں، پس سب کو بہر حال لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ اور ایسا کرنا اسکے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ جو چاہے۔ اور جیسا چاہے کرے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

سن لو! بلاشبہ وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں، تا کہ اس سے چھپے رہیں، سن لو! جب وہ اپنے کپڑے اچھی طرح لپیٹ لیتے ہیں
وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ سینوں کے علم کو جاننے والا ہے

وَنَزَلَ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيّ عَنْ ابْن عَبَّاس فِيمَنْ كَانَ يَسْتَحْيِ اَنْ يَتَخَلّٰى اَوْ يُجَامِع فَيُفْضِي اِلَى السَّمَاء وَقِيْلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ "اَلَا اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ" اَىْ اللّٰه "اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابهمْ" يَتَغَطَّوْنَ بِهَا "يَعْلَم" تَعَالٰى "مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ" فَلَا يُغْنِيْ اسْتِخْفَاؤُهُمْ "اِنَّهٗ عَلِيْم بِذَاتِ الصُّدُوْر" اَىْ بِمَا فِي الْقُلُوْب

امام بخاری علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔ یہ حکم اس شخص کے بارے میں نازل ہوا ہے جو قضائے حاجت یا بیوی سے جماع کرنے میں اس وجہ سے شرمائے کہ اس کا عمل آسمان کی طرف چڑھنے والا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔

سن لو! بلاشبہ وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں، تا کہ وہ اللہ سے چھپے رہیں، سن لو! جب وہ اپنے کپڑے اچھی طرح لپیٹ لیتے ہیں وہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں لہٰذا ان کے چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔

سورہ ہود آیت ۵ کے سبب نزول کا بیان

محمد بن عبید بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ یہ آیت کس باب میں اتری ہے تو انہوں نے کہا: کچھ لوگ رفع حاجت کے وقت یا اپنی بیویوں سے صحبت کرتے وقت آسمان کی طرف ستر کھولنے سے (پروردگار سے) شرماتے اور شرم کے مارے جھکے جاتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بہت شیریں گفتار شخص تھا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آتا تو بہت خوشامد کی باتیں کرتا اور دل میں بغض وعداوت چھپائے رکھتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے سینوں میں عداوت چھپائے رکھتے ہیں جیسے کپڑے کی تہ میں کوئی چیز چھپائی جاتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بعضے منافقین کی عادت تھی کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا ہوتا تو سینہ اور پیٹھ جھکاتے اور سر نیچا کرتے چہرہ چھپا لیتے تا کہ انھیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ نہ پائیں۔ (تفسیر قرطبی، ج ۹ ص ۱۱، بیروت)

ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ سے بندے کا کوئی حال چھپا ہی نہیں ہے لہٰذا چاہیئے کہ وہ شریعت کی اجازتوں پر عامل رہے۔

اللہ ہر ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والا ہے

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ آسمان کی طرف اپنی شرم گاہ کا رخ کرنا وہ مکروہ جانتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآت میں تشنونی ہے۔ مجامعت کے وقت اور تنہائی میں وہ عریانی سے حجاب کرتے تھے کہ پاخانہ کے وقت آسمان تلے ننگے ہوں یا مجامعت اس حالت میں کریں۔ وہ اپنے سروں کو ڈھاپ لیتے اور یہ بھی مراد ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں شک کرتے تھے اور کام برائی کے کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ برے کام یا برے عمل کے وقت وہ جھک جھک کر اپنے سینے دوہرے کر ڈالتے گویا کہ وہ اللہ سے شرمارہے ہیں۔ اور اس سے چھپ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راتوں کو کپڑے اوڑھے ہوئے بھی جو تم کرتے ہو اس سے بھی اللہ تو خبردار ہے۔ جو چھپاؤ جو کھولو، جو دلوں اور سینوں میں رکھو، وہ سب کو جانتا ہے، دل کے بھید سینے کے راز اور ہر ایک پوشیدگی اس پر ظاہر ہے۔

زہیر بن ابوسلمہ اپنے مشہور معلقہ میں کہتا ہے کہ تمہارے دلوں کی کوئی بات اللہ تعالیٰ پر چھپی ہوئی نہیں، تم گو کسی خیال میں ہو لیکن یاد رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ تمہارے بد خیالات پر وہ تمہیں یہیں سزا کرے اور ہوسکتا ہے کہ وہ نامہ اعمال میں لکھ لیے جائیں اور قیامت کے دن پیش کیے جائیں یہ جاہلیت کا شاعر ہے۔ اسے اللہ کا، اس کے کامل علم کا، قیامت کا اور اس دن کی جزا سزا کا، اعمال نامے کا اور قیامت کے دن اس کے پیش ہونے کا اقرار ہے۔

اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم کے پاس سے گزرتے تو سینہ موڑ لیتے اور سر ڈھانپ لیتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

حیاء اور پردہ اپنانے کا بیان

حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو میدان میں ننگا نہاتے ہوئے دیکھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ بہت حیاء دار ہے (یعنی اپنے بندوں سے حیاداروں کا سا معاملہ کرتا ہے، بایں طور کہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور بہت پردہ پوش ہے (یعنی اپنے بندوں کے گناہ اور عیوب کو پوشیدہ رکھتا ہے) وہ حیاء اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی (میدان میں) نہائے تو اسے چاہیے کہ وہ پردہ کر لیا کرے۔ (ابوداؤد اور نسائی مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 420)

اور نسائی کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی نہانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کسی چیز سے پردہ کر لیا کرے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اہم اور عظیم مسئلے کو بیان کرنا چاہتے یا کسی خاص چیز سے آگاہ کرنا چاہتے تو منبر پر تشریف لے جاتے اور پہلے اللہ جل شانہ کی حمد وثنا کرتے اس کے بعد اصل مسئلے کو بیان فرماتے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک آدمی کو دیکھا وہ شرم کو بالائے طاق رکھ کر ایک کھلی جگہ میدان میں ننگا نہا رہا

ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین شرم وحیاء پر بل پڑ گئے، فوراً مسجد نبوی میں پہنچے منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم وحیاء کی اہمیت کو بڑے بلیغ اور ناصحانہ انداز میں بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ رب قدوس کی ذات پاک تمام محاسن واوصاف کی جامع ہے چنانچہ شرم وحیاء اور پردہ پوشی جو بہت بڑے وصف ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے اوصاف کی نورانی کرنوں سے اپنے دل و دماغ کو روشن کریں، اس کی جو صفات ہیں ان کو حتی الامکان اپنے اندر پیدا کریں اس لئے وہ پسند کرتا ہے۔ بندے شرم وحیاء کے اصولوں پر کاربند رہیں، ان عظیم اوصاف سے اپنے دامن کو مالا مال کریں اور پردہ پوشی کو کسی حال میں ترک نہ کریں، لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ شرم اور پردے کے معاملے میں غفلت اور لاپرواہی نہ برتیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (ایک ساتھ) دو آدمی پاخانہ کے لئے (اس طرح) نہ جائیں کہ دونوں اپنی شرم گاہ کھولے ہوئے ہوں اور باتیں کرتے ہوئے ہوں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوجاتا ہے۔" (مسند احمد بن حنبل ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 335)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○
اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر اس کا رزق اللہ پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو
اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر بات کتاب روشن میں ہے۔

ہر مخلوق کے رزق کا اللہ کے فضل وکرم پر ہونے کا بیان

"وَمَا مِنْ" زَائِدَة "دَابَّة فِي الْاَرْض" هِيَ مَا دَبَّ عَلَيْهَا "اِلَّا عَلَى اللّٰه رِزْقهَا" تَكَفَّلَ بِهِ فَضْلًا مِنْهُ تَعَالٰى "وَيَعْلَم مُسْتَقَرّهَا" مَسْكَنهَا فِي الدُّنْيَا اَوْ الصُّلْب "وَمُسْتَوْدَعهَا" بَعْد الْمَوْت اَوْ فِي الرَّحِم "كُلّ" مِمَّا ذُكِرَ "فِيْ كِتَاب مُبِيْن" بَيِّن هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ،

یہاں پر من زائدہ ہے۔ اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا جاندار نہیں ہے۔ یعنی جاندار وہ ہے جو زمین پر چلتا ہے مگر اس کا رزق اللہ پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اس کی کفالت ہے۔ اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو یعنی دنیا میں جہاں اس نے ٹھہرنا ہے یا باپ کی صلب میں رہنا ہے۔ اور موت کے بعد اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، یا رحم میں اس کا ٹھہرنا اس کو وہ جانتا ہے۔ ہر بات یعنی جو ذکر کی گئی ہے وہ کتاب روشن میں ہے۔ جو لوح محفوظ ہے۔

اللہ کی طرف سے رزق پہنچنے کا بیان

امام قرطبی نے اس آیت کے تحت ابو موسیٰ اور ابو مالک وغیرہ قبیلہ اشعریین کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جو کچھ توشہ اور کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا وہ ختم ہوگیا، انہوں نے اپنا ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں اس غرض کے لئے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرمادیں، یہ شخص جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پہنچا تو اندر سے آواز آئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے ہیں وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اس شخص کو یہ آیت سن کر خیال آیا کہ جب اللہ نے سب جانداروں کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر ہم اشعری بھی اللہ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں وہ ضرور ہمیں بھی رزق دیں گے، یہ خیال کر کے وہیں سے واپس ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کچھ حال نہیں بتلایا، واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خوش ہو جاؤ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد آرہی ہے، اس کے اشعری ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ ان کے قاصد نے حسب قرارداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے اور آپ نے انتظام کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے وہ یہ سمجھ کر مطمئن بیٹھ گئے،

اور ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دیکھا کہ دو آدمی ایک (قصعہ) گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا اٹھائے لا رہے ہیں، قصعہ ایک بڑا برتن ہوتا ہے جیسے تشلہ یا سینی، لانے والوں نے یہ کھانا اشعریین کو دے دیا، انہوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی بچ رہا تو ان لوگوں نے یہ مناسب سمجھا کہ باقی کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں تاکہ اس کو آپ اپنی ضرورت میں صرف فرمادیں، اپنے دو آدمیوں کو یہ کھانا دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔

اس کے بعد یہ سب حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا تب انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا کہ ہم نے اپنے فلاں آدمی کو آپ کے پاس بھیجا تھا، اس نے یہ جواب دیا، جس سے ہم نے سمجھا کہ آپ نے کھانا بھیجا ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میں نے نہیں بلکہ اس ذات قدوس نے بھیجا ہے جس نے ہر جاندار کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ہود، بیروت)

رزق اور موت کا بندے کو ڈھونڈنے کا بیان

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رزق بندے کی اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح انسان کو اس کی موت ڈھونڈتی ہے۔ اس روایت کو ابونعیم نے کتاب حلیہ میں نقل کیا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1239)

مطلب یہ ہے کہ رزق اور موت دونوں کا پہنچنا ضروری ہے کہ جس طرح کہ اس بات کی کوئی حاجت نہیں ہوتی کہ کوئی اپنی موت کو ڈھونڈے اور اس کو پائے بلکہ خود موت اس کے پاس ہر صورت میں اور یقینی طور پر آتی ہے، اسی طرح رزق کا معاملہ ہے کہ اس کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو کچھ مقدر میں ہوتا ہے وہ ہر صورت میں لازمی طور پر پہنچتا ہے، خواہ اس کو ڈھونڈا جائے یا نہ ڈھونڈا جائے۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ڈھونڈنے کی صورت میں رزق نہیں ملتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حصول رزق کے لئے سعی تلاش بھی تقدیر الٰہی اور نظام قدرت کے مطابق ہے البتہ جہاں تک قلبی اعتماد و بھروسہ کا تعلق ہے او وہ صرف اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے نہ کہ سعی و تلاش پر۔ لہٰذا اس سلسلے میں صحیح راہ یہ ہے کہ اول انسان کو اللہ پر توکل اعتماد کرنا چاہئے اور یہ پختہ یقین

رکھنا چاہئے کہ رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز اگر رزق ملنے میں کوئی رکاوٹ اور تاخیر ہو جائے تو اضطراب و بے چینی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے پھر اس اعتقاد کے ساتھ اپنی ضرورت و حاجت اور ہمت وطاقت کے بقدر معتدل و مناسب طریقہ پر حصول معاش کی سعی وتلاش میں لگنا چاہئے کہ اصل رازق تو اللہ تعالیٰ ہے، لیکن یہ بھی طریقہ عبودیت ہے کہ اپنا رزق حاصل کرنے کے لئے مناسب جد وجہد اور تلاش وسعی کی جائے؛ ملا علی قاری نے حدیث کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ یہی نہیں کہ جس طرح انسان کو اس کی موت کا پہنچنا یقینی ہے اسی طرح اس کے رزق کا بھی اس تک پہنچنا یقینی ہے بلکہ انسان کو اس کا رزق اس کی موت سے بھی پہلے اور موت سے بھی جلدی پہنچتا ہے، کیونکہ جب کسی کی موت آتی ہے تو وہ اپنا رزق اس سے پہلے پا چکا ہوتا ہے جس کو وہ اپنے مقدر میں لے کر اس دنیا میں آیا تھا، چنانچہ اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد آیت (اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم) سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے نیز میرک نے منذری سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں اور بزار نے بھی روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی بہتر سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ان الرزق لیطلب العبد اکثر مما یطلبہ اجلہ اس سے بھی مذکورہ بالا بات کی تائید ہوتی ہے۔ ملا علی قاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابونعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں بطریقہ مرفوع یہ بات بھی نقل کی ہے لو ان ابن ادم ھرب من رزقہ کما یھرب من الموت لادرکہ رزقہ کما یدرکہ الموت اگر انسان اپنے رزق سے بھی اس طرح بھاگے جس طرح وہ اپنی موت سے بھاگتا ہے تو یقیناً اس کا رزق بھی اس کو اسی طرح پالے جس طرح کہ اس کی موت اس کو پالیتی ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ
لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ
لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝
اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور اس کا تخت اقتدار پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ
تم میں سے کون عمل کے اعتبار سے بہتر ہے؟ اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو کافر یقیناً
کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زمین وآسمان کی تخلیق کے ذریعے کفار پر حجت قائم کرنے کا بیان

"وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْاَرْض فِیْ سِتَّة اَیَّام" اَوَّلهَا الْاَحَد وَاٰخِرهَا الْجُمُعَة "وَكَانَ عَرْشه عَلَی الْمَاء" وَهُوَ عَلٰی مَتْن الرِّیح "لِیَبْلُوَكُمْ" مُتَعَلِّق بِخَلَقَ اَیْ خَلَقَهُمَا وَمَا فِیْهِمَا مِنْ مَنَافِع لَكُمْ وَمَصَالِح لِیَخْتَبِرَكُمْ "اَیّكُمْ اَحْسَن عَمَلًا" اَیْ اَطْوَع لِلّٰهِ "وَلَئِنْ قُلْت" یَا مُحَمَّد لَهُمْ "اِنَّكُمْ مَبْعُوثُوْنَ مِنْ بَعْد الْمَوْت لَیَقُوْلَن الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ" مَا "هٰذَا" الْقُرْاٰن النَّاطِق بِالْبَعْثِ اَوْ الَّذِیْ

تَقُوْلُهٗ "اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" بَیِّنٌ وَفِیْ قِرَاءَ ةٍ سَاحِرٌ وَالْمُشَارُ اِلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ،

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا یعنی اس کی ابتداء یکشنبہ جبکہ آخری دن جمعہ تھا اور تخلیق اَرضی سے قبل اس کا تخت اقتدار پانی پر تھا اور اس نے اس سے زندگی کے تمام آثار کو اور تمہیں پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے، یہاں پر "" یہ لفظ خلق کے متعلق ہے۔ یعنی ان دونوں کو پیدا کیا اور جو کچھ ان دونوں کے اندر تمہارے لئے فائدے مند ہیں اور تمہاری مصلحت کے لئے بنایا ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اللہ کی اطاعت کر کے عمل کے اعتبار سے بہتر ہے؟ اور یا محمد ﷺ اگر آپ ان سے فرمائیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو کافر یقیناً یہ کہیں گے کہ یہ قرآن جو بعث کی دلیل دے رہا ہے یا جو آپ ﷺ فرمارہے ہیں یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ ایک قرأت میں ساحر ہے اور اس کا مشار الیہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔

مخلوقات کی تخلیق کے دنوں کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو جو چھ دن میں پیدا کیا تو کون سی چیز کس دن پیدا ہوئی ہے؟

سنو بعض چیزوں کے متعلق میں بتاتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مٹی زمین کو ہفتے کے دن پیدا کیا۔ اس زمین پر پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا درختوں کو پیر کے دن پیدا کیا بدی اور خراب چیزوں کو منگل کے دن پیدا کیا روشنی کو بدھ کے دن پیدا کیا جانوروں کو روئے زمین پر جمعرات کے دن پھیلایا اور آدم کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا اور یہ آخری پیدائش دن کے بالکل آخری حصے میں عصر کے بعد سے رات تک کے درمیان میں عمل میں آئی۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 297)

السبت یعنی ہفتے کے دن سے اس دن کا وہ بالکل آخری حصہ مراد ہے جس پر دن کا اختتام ہو جاتا ہے، جس کو عربی میں "عشیۃ الاحد" یعنی اتوار کی رات کا ابتدائی حصہ کہتے ہیں اس اعتبار سے وہ وقت گویا اتوار ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے پس یہ روایت قرآن کریم کی اس آیت (وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ کہ منافی نہیں ہے۔ وخلق النور یوم الاربعاء" (اور روشنی کو بدھ کے دن پیدا کیا میں مسلم نے نور ہی کا لفظ نقل کیا ہے اور مشکوۃ کے صحیح نسخوں میں بھی یہ لفظ اسی طرح رکے ساتھ) ہے مشکوۃ کے ایک نسخے میں یہ لفظ نون کے ساتھ یعنی نون ہے جس کے معنی مچھلی کے ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ نور یعنی روشنی اور نون یعنی مچھلی دونوں کو ایک ہی دن یعنی بدھ کے دن پیدا کیا گیا ہو حدیث کے آخری جزو سے معلوم ہوا کہ مخلوقات کی پیدائش کا آخری دن جمعہ تھا اس دن تمام چیزوں کی پیدائش کا سلسلہ پایہ اختتام کو پہنچا اور تمام مخلوقات اس روئے زمین پر جمع ہو گئی چنانچہ اس دن کا نام جمعہ رکھے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے نیز اس دن کا وہ وقت کہ جس میں آدم کی تخلیق پر مخلوقات کے سلسلہ تخلیق و پیدائش کی تکمیل ہوئی دن کا بالکل آخری حصہ تھا اس مناسبت سے اس دن کے آخری لمحوں (عصر کے بعد سے رات شروع ہونے تک) کو ساعت قبولیت کے شرف سے نوازا گیا چنانچہ اکثر علماء کہتے ہیں جمعہ کے دن اس آخری حصے میں اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

زمین وآسمان کی تخلیق وآسمانوں کی باہمی مسافت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا گذرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابر کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے صحابہ کرام نے اپنی عادات کے مطابق جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عنان یعنی ابر ہے اور یہ ابر زمین کے رویا ہے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرف ہانکتا ہے جو نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اس کو پکارتے ہیں۔ پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے اوپر (جو آسمان ہے وہ) کیا چیز ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تمہارے اوپر کی چیز رقیع ہے جو ایک محفوظ چھت اور نہ گرنے والی موج ہے پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے پھر فرمایا جانتے ہو کہ آسمان کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آسمان کے بعد پھر اوپر نیچے دو آسمان ہیں اور ان دونوں آسمانوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے ہر آسمان کا ذکر کیا، یہاں تک کہ ساتوں آسمان کے بارے میں بتایا کہ ان میں سے ہر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ وہی ہے جو زمین سے آسمان کے درمیان ہے (یعنی پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر۔ اس کے بعد فرمایا اس ساتویں اور آخری آسمان کے اوپر عرش ہے اور اس عرش اور اس کے نیچے آسمان کے درمیان وہی فاصلہ ہے جو آسمانوں کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اوپر کی) زمین ہے پھر فرمایا: جانتے ہو اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے اور ان دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت (بقدر فاصلہ) ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات زمینیں گنائیں اور بتایا کہ ان میں سے ہر ایک زمین سے دوسری زمین تک کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر ہے اور پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم سب سے نیچے والی زمین پر رسی لٹکاؤ تو اللہ تعالیٰ ہی پر اترے گی۔" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ،الحدید: 3) یعنی وہی (اللہ) اول وہی (قدیم) ہے (کہ اس کے لئے کوئی ابتداء نہیں ہے) اور آخر (باقی) ہے (کہ اس کے لئے کوئی انتہاء اور اختتام نہیں ہے) اور (اپنی صفات کے اعتبار سے ظاہر) ہے اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) باطن ہے اور (دونوں جہاں کی) تمام (کلی و جزئی) چیزوں کو جاننے والا ہے (کہ اس کا علم نہایت کامل و اکمل ہے اور ایک ایک چیز کے ہر ہر گوشہ پر محیط ہے۔ اس روایت کو احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے، نیز ترمذی نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ارشاد کے بعد اس آیت کو پڑھنا اس

پر دلالت کرتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اور اس کی حکومت ہر جگہ ہے اور وہ بذات خود (یعنی اس کی تجلی) عرش پر ہے جیسا کہ خود اسی نے اپنی کتاب میں اپنا وصف بیان کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 298)

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ
مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۠
اور اگر ہم ان سے چند مقررہ دنوں تک عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اسے کس چیز نے روک رکھا ہے، خبردار!
جس دن وہ ان پر آئے گا ان سے پھیرا نہ جائے گا اور وہ انھیں گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

عذاب کے مؤخر ہونے پر کفار کے مذاق کا بیان

"وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰى" مَجِیء "اُمَّةٍ" اَوْقَات "مَعْدُوْدَةٍ لَيَقُوْلُنَّ" اِسْتِهْزَاء "مَا يَحْبِسُهٗ" مَا يَمْنَعُهُ مِنَ النُّزُوْلِ "اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا" مَدْفُوعًا "عَنْهُمْ وَحَاقَ" نَزَلَ "بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ" مِنَ الْعَذَابِ،

اور اگر ہم ان سے چند مقررہ دنوں تک عذاب کو مؤخر کر دیں یعنی جو وقت ان کے عذاب کے لئے مقرر کیا ہے تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اس عذاب کو کس چیز نے نازل ہونے سے روک رکھا ہے، خبردار! جس دن وہ عذاب ان پر آئے گا تو ان سے پھیرا نہ جائے گا یعنی اس کو پھر کوئی دور نہ کر سکے گا۔ اور وہ عذاب انھیں گھیر لے گا جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اخرنا۔ ہم روک لیں۔ ہم تاخیر کر دیں۔ ماضی جمع متکلم۔ تاخیر (تفعیل) سے۔ امۃ۔ مدت۔ جماعت۔ طریقہ۔ دین۔ ہر وہ جماعت جس میں کسی قسم کا کوئی رابطہ اشتراک موجود ہو۔ اسے امت کہا جاتا ہے۔ خواہ یہ اتحاد مذہبی وحدت کی بناء پر ہو (جیسے امت محمدیہ) یا عصری وحدت کی وجہ سے (جیسے پچھلی امتیں) امت باعتبار لفظ کے واحد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

جہاں بھی امت کے معنی مدت کے ہوں گے وہاں اس کا مضاف محذوف ہوگا۔ اور مضاف الیہ قائم مقام مضاف کے سمجھا جائے گا۔ مثلاً آیۃ موجودہ میں اصل میں یوں تھا۔ ولئن اخرنا عنهم العذاب انى زمن امة معدودة ۔ زمن کو حذف کر کے امۃ کو اس کا قائم مقام سمجھا گیا۔ امت کے مجازی معنی طریقہ اور دین کے بھی ہیں عربی میں ہے فلان لا امۃ لہ۔ فلاں کا کوئی دین اور مذہب نہیں ہے۔

الا۔ حرف تنبیہ۔ خبردار ہو جاو۔ جان لو۔ دیکھو۔ سن رکھو۔ کان کھول کر سن لو۔ حرف بسیط ہے۔ مرکب نہیں ہے۔ حـــاق ۔ الحیوق الحیقان (باب ضرب) کے معنی کسی چیز کو گھیر نے اور اس پر نازل ہونے کے ہیں۔ ب کے ساتھ آئے تو متعدی ہوتا ہے۔ وحاق بهم ما كانوا به يستهزءون اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اسی نے ان کو گھیر لیا۔

سورہ ہود آیت ۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (اقترب للناس حسابھم) سورہ انبیاء 1) لوگوں کا حساب (اعمال کے وقت) نزدیک آ پہنچا ہے۔

تو لوگوں نے کہا کہ قیامت قریب آ گئی ہے لہٰذا رک جاؤ چنانچہ لوگ کچھ عرصہ رکے رہے لیکن پھر اپنی بری بری تدبیریں کرنا شروع کر دیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ، ابن جریر نے بھی ابن جریج سے اس کے مثل روایت ذکر کی ہے۔ (سیوطی 154، طبری 12۔5)

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ○
اور اگر ہم انسان کو اپنی جانب سے رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں پھر ہم اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں
تو وہ نہایت مایوس ناشکر گزار ہو جاتا ہے۔

اللہ کی نعمتوں کے چھن جانے پر مایوس ہونے والوں کا بیان

"وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَان" الْكَافِر "مِنَّا رَحْمَة" غِنًى وَّصِحَّة "ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوس" قَنُوط مِنْ رَحْمَة اللّٰه "كَفُوْر" شَدِيْد الْكُفْر بِهٖ،

اور اگر ہم انسان یعنی کافر کو اپنی جانب سے رحمت یعنی دولت و تندرستی کا مزہ چکھاتے ہیں پھر ہم اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ نہایت مایوس ناشکر گزار ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو کر شدید کفر کرتا ہے۔

دو نعمتوں کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے (ایک) تندرستی (دوسرے) خوش حالی، ایک دوسری سند سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1361)

اللہ کی رحمت سے مایوسی کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے جو آپس میں دوست تھے ان میں سے ایک تو عبادت میں بہت ریاضت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں گناہگار ہوں یعنی وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ عبادت کرنے والے نے اس سے کہنا شروع کیا جس چیز میں تم مبتلا ہو یعنی گناہ میں اس سے باز آ جاؤ گنہگار اس کے جواب میں کہتا کہ تم میرے پروردگار پر چھوڑ دو! کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے وہ مجھے معاف کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس عابد نے اس شخص کو ایسے گناہ میں مبتلا دیکھا جسے وہ بہت بڑا گناہ سمجھتا تھا اس نے اس سے کہا کہ تم اس گناہ سے باز آ جاؤ

گنہگار نے جواب دیا کہ تم مجھے میری پروردگار پر چھوڑ دو، کیا تم میرے داروغہ بنا کر بھیجے گئے ہو؟ (عابد نے یہ سن کر) کہا کہ اللہ کی قسم! اللہ تمہیں کبھی نہیں بخشے گا اور نہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیج کر ان کی روحیں قبض کرائیں اور پھر جب وہ دونوں یعنی ان کی روحیں حق تعالیٰ کے حضور برزخ میں یا عرش کے نیچے حاضر ہوئیں تو حق تعالیٰ نے گنہگار سے تو فرمایا کہ تو میری رحمت کے سبب جنت میں داخل ہو جا اور دوسرے سے فرمایا کہ کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ میرے بندے کو میری رحمت سے محروم کر دے؟ اس نے کہا کہ نہیں پروردگار پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مامور ہیں فرمایا کہ اس کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ (احمد، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 879)

چونکہ عبادت کرنے والے نے اپنی عبادت اور اپنے نیکی اعمال پر غرور و تکبر کا اعتماد کیا اور اس گنہگار کو اپنے سے حقیر جان کر اس سے یہ کہا کہ حق تعالیٰ تمہیں نہیں بخشے گا اس لئے اسے مستحق عذاب قرار دیا گیا اسی لئے کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو گناہ اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھنے کا باعث ہو وہ اس طاقت عبادت سے بہتر ہے جو غرور و تکبر اور نخوت میں مبتلا نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نہ مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھتا ہو۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 83) مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور بخشش پر کامل اعتقاد اور اس کے وعدہ رحم و کرم پر اعتقاد رکھنا چاہئے اور ہمہ وقت اس کے کرم اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہے۔ نیز یہ کہ ہر شخص اللہ کے ساتھ ہر وقت اچھا گمان رکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ بدگمانی رحمت مایوسی کی حالت میں مر جائے اور وہ مبتلائے قہر الٰہی ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ اخروی سعادت کی علامت یہ ہے کہ زندگی کے پورے عرصے میں خوف غالب رہے اور جب مرنے کے قریب پہنچے تو اس کی رحمت و بخشش کی امید غالب رہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ "اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھنے" سے مراد نیک اعمال کرنا ہے۔ یعنی اپنی زندگی میں اچھے اعمال کرنے چاہئیں تا کہ موت کے وقت اللہ کے ساتھ اچھا گمان رہے کیونکہ جس کی زندگی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کی خاطر عبادات و نیک اعمال میں گزاری ہوگی۔ وہ مرنے کے وقت اللہ کے ساتھ یہی نیک گمان قائم کئے رہے گا کہ انشاء اللہ میرے ساتھ اچھا ہی معاملہ ہوگا اس کے برخلاف جس کی زندگی اللہ کی نافرمانی اور برے اعمال میں گزری ہوگی وہ موت کے وقت اللہ کے ساتھ برا ہی گمان رکھے گا کیونکہ جب موت سر پر کھڑی ہوگی تو اسے اپنی زندگی کے برے اعمال یاد آئیں گے اس وقت اسے یہ خیال پیدا ہوگا کہ میرے ساتھ اچھا معاملہ نہیں ہوگا۔ نیز علماء لکھتے ہیں کہ "امید" کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے اور امید رکھے خدمت مولیٰ کرے اور نظر اس کی عطا پر رکھے نہ کہ جھوٹی امید جو عمل سے باز رکھے اور گناہوں کا باعث ہو، یہ امید نہیں ہے بلکہ آرزو اور غرور ہے۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول منقول ہے کہ "اگر تم میں سے کوئی شخص (جو بے عمل ہے) یہ کہتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہوں تو وہ جھوٹ کہتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا تو نیک عمل بھی کرتا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝

اور بے شک اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں کسی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہو تو یقیناً ضرور کہے گا سب تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئیں۔ بلاشبہ وہ یقیناً بہت پھولنے والا، بہت فخر کرنے والا ہے۔

نعمتوں کے مل جانے پر تکبر و غرور کرنے والوں کا بیان

"وَلَئِنْ اَذَقْنَاهُ نَعْمَاء بَعْد ضَرَّاء " فَقْر وَشِدَّة "مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَن ذَهَبَ السَّيِّئَات عَنِّي " الْمَصَائِب وَلَمْ يَتَوَقَّع زَوَالهَا وَلَا شُكْر عَلَيْهَا "اِنَّهُ لَفَرِح" بَطِر "فَخُور" عَلَى النَّاس بِمَا أُوتِيَ،

اور بے شک اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں کسی تکلیف یعنی فقر اور شدید غربت کے بعد جو اسے پہنچی ہو تو یقیناً ضرور کہے گا سب تکلیفیں یعنی مصائب مجھ سے دور ہو گئیں۔ حالانکہ وہ اس سے دور نہیں ہوئی ہیں کیونکہ اس نے ان پر شکر نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ یقیناً بڑائی میں آکر بہت پھولنے والا، لوگوں پر بہت فخر کرنے والا ہے۔ بہ سبب اس کے جو اس کی عطا کیا گیا ہے۔

تکبر کے پسند و ناپسند ہونے کا بیان

حضرت جابر ابن عتیک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض تکبر کو تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند فرماتا ہے چنانچہ جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ لڑائی کے وقت آدمی کا تکبر کرنا ہے (یعنی جہاد میں جب کفار سے مقابلہ ہو تو اپنی قوت و برتری اور کفار کی حقارت و کمتری کے اظہار کے لئے خوب اکڑے اور اپنی بڑائی و شجاعت کو بڑے فخر و غرور کے ساتھ بیان کرے) اور وہ تکبر بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں ہو (یعنی جب صدقہ و خیرات دے تو خوشدلی اور بے پروائی کے ساتھ دے اور زیادہ سے زیادہ دینے کو بھی تھوڑا جانے) اور جس تکبر کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کرتا ہے وہ اپنے نسب پر فخر کا تکبر ہے اور ایک روایت میں فی الفخر کی بجائے فی البغی ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ ظلم کا تکبر ہے یعنی وہ تکبر جو بلا کسی حق استحقاق کیا جائے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں) (احمد ابوداؤد نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 515)

اپنے نسب پر فخر کا تکبر یہ ہے کہ جو شخص اعلی حسب و نسب اور اچھے خاندان کا ہو وہ یہ کہتا پھرے کہ مجھے نسب میں برتری اور امتیاز حاصل ہے اور میرے باپ دادا اعلیٰ نسل و خاندان کے افراد ہونے کی وجہ سے بزرگ و افضل ہیں یہ ایسا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو برتری و فوقیت اور بزرگی و فضیلت اسی شخص کو حاصل ہے جو دین کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہو چنانچہ ارشاد ربانی ہے ایت (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ و بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں اس روایت میں فی الفخر کی بجائے فی الفقر ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ فقر کا تکبر ہے مطلب یہ کہ اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص حالت فقر میں اپنی قناعت اور اپنے صبر و توکل پر تکبر کرے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تکبر اس تکبر سے بدتر ہے جو اپنے غنا اور اپنی ثروت پر کیا جاتا ہے لیکن فقر کا تکبر اس صورت میں برا

اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے جب کہ وہ فقراء کے مقابلہ پر کیا جائے ہاں اگر وہ تکبر امراء و اغنیاء کے مقابلہ پر ہو تو اچھا اور پسندیدہ ہے کیونکہ ایسے تکبر کو تو صدقہ کہا گیا ہے

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝
سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کرتے رہے، تو ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے

خوشحالی میں بھی نیک عمل کرنے والوں کے لئے جنت ہونے کا بیان

"اِلَّا" لٰکِنْ "الَّذِیْنَ صَبَرُوْا" عَلَی الضَّرَّاءِ "وَعَمِلُوا الصَّالِحَات" فِی النَّعْمَاءِ "اُولٰئِکَ لَھُمْ مَغْفِرَۃ وَاَجر کَبِیْر" ھُوَ الْجَنَّۃ،

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے سختی پر صبر کیا اور نعمتوں کی حالت میں نیک عمل کرتے رہے، ایسے لوگوں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ جو جنت ہے۔

لفظ صبر عربی زبان میں اردو محاورہ سے بہت عام معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اصلی معنی لفظ صبر کے باندھنے اور روکنے کے ہیں، قرآن و سنت کی اصطلاح میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے، اس لئے مفہوم صبر میں تمام گناہوں اور خلاف شرع کاموں سے پرہیز آ گیا، اور عمل صالح میں تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات آ گئے، معنی یہ ہو گئے کہ اس عام انسانی کمزوری سے وہ لوگ بچے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور حساب قیامت کے خوف کی وجہ سے ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتے رہیں گے جو اللہ و رسول کو ناپسند ہے اور ہر ایسے عمل کی طرف دوڑیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں۔

سختی کے وقت صبر کرنے پر بخشش ہو جانے کا بیان

ابو اسحاق موسیٰ سالم حضرت عمرو بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام ابو النضر سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اوفی نے ایک خط بھیجا جس کو میں نے پڑھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ دوران جہاد میں سورج ڈھلنے کے منتظر رہے اور آفتاب ڈھل جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تم دشمن سے دوبدو ہونے کی خواہش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی طلب کرو اور جب تم دشمن سے مقابلہ کرو تو صبر کرو اور سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ پھر فرمایا کہ اے اللہ کتاب نازل فرمانے والے اور بادلوں کو چلانے والے اور کافروں کو لرزاں و خیزاں بھگانے والے مالک تو ان کافروں کو شکست دے دے اور ہم کو ان پر فتح عنایت فرما۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 231)

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌۢ بِہٖ صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ
کَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَہٗ مَلَکٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝

بھلا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے اور اس سے آپ کا سینہء (اَطہر) تنگ
ہونے لگے (اس خیال سے) کہ کفار یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا
اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، (ایسا ہرگز ممکن نہیں۔اے رسولِ معظم!) آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں
(کسی کو دنیوی لالچ یا سزا دینے والے نہیں)، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اللہ کی وحی کا کما حقہ مخلوق تک پہنچنے کا بیان

"فَلَعَلَّكَ" يَا مُحَمَّد "تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَى إلَيْك" فَلَا تُبَلِّغهُمْ إيَّاهُ لِتَهَاوُنِهِمْ بِهِ "وَضَائِق بِهِ صَدْرك" بِتِلَاوَتِهِ عَلَيْهِمْ لِأَجْلِ "أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا" هَلَّا "أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْز أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَك" يُصَدِّقهُ كَمَا اقْتَرَحْنَا "إنَّمَا أَنْتَ نَذِير" فَمَا عَلَيْك إلَّا الْبَلَاغ لَا الْإِتْيَان بِمَا اقْتَرَحُوهُ "وَاَللَّه عَلَى كُلّ شَيْء وَكِيل" حَفِيظ فَيُجَازِيهِمْ،

یا محمد ﷺ بھلا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے یعنی آپ ﷺ وہ حصہ ان کو نہ پہنچائیں جو ان کے بارے میں حکم آیا ہے۔اور اس سے آپ کا سینہء (اَطہر) تنگ ہونے لگے یعنی اس کی تلاوت ان پر کرنا کیونکہ کفار یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، (ایسا ہرگز ممکن نہیں۔اے رسولِ معظم ﷺ) آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔پس وہ انہیں اس پر جزاء دے گا۔

سورہ ہود آیت ۱۲ کے شانِ نزول کا بیان

عبداللہ بن اُمیہ مخزومی نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں اور آپ کا خدا ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے آپ پر خزانہ کیوں نہیں اتارا یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جو آپ کی رسالت کی گواہی دیتا۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کا کما حقہ دین پہنچا دینے کا بیان

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا۔لوگو! یعنی سال کی گردش پوری ہوگئی اپنی اس وضع کے موافق جس پر کہ وہ اس روز تھا جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا (یعنی سال اپنی وضع کے مطابق بارہ مہینے کا پورا ہو گیا ہے) سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جس میں سے چار مہینے باحرمت ہیں تین تو مسلسل ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چھوتا مضر کا رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول! زیادہ جانتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مہینہ کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا بے شک ذی الحجہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ نے فرمایا کیا یہ بلدہ (مکہ کا ایک نام ہے) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ بے شک! بلدہ ہی ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ بے شک یہ یوم نحر ہی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یاد رکھو تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر ہمیشہ کے لئے اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ تمہارے اس دن میں، تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں! اور اے لوگو! تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارہ میں سوال کرے گا! خبردار! میری وفات کے بعد تم ضلالت کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو! آگاہ! کیا میں نے (احکام الٰہی کا پہنچانے کا) اپنا فرض ادا کر دیا؟ ہم نے عرض کیا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ پروردگار تو (ان لوگوں کے اس اقرار پر) گواہ رہ (تا کہ یہ قیامت کے دن اپنے اس اقرار کا انکار نہ کریں) پھر (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، کیونکہ بعض وہ لوگ جنہیں کوئی بات پہنچائی جائے اس بات کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1206)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسے جی سے بنا لیا، تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور
اللہ کے سوا جو مل سکیں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

قرآن کے اعجاز پر پوری ملت کفر کے لئے چیلنج کا بیان

"اَمْ" بَلْ اَ "يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ" اَیِ الْقُرْاٰن "قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِه" فِی الْفَصَاحَة وَالْبَلَاغَة "مُفْتَرَيَات" فَاِنَّكُمْ عَرَبِيُّوْنَ فُصَحَاء مِثْلِیْ تَحَدَّاهُمْ بِهَا اَوَّلًا ثُمَّ بِسُوْرَةٍ "وَادْعُوا" لِلْمُعَاوَنَةِ عَلٰى ذٰلِكَ "مَنْ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰه" اَیْ غَيْره "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِیْ اَنَّهُ افْتِرَاء ،

کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے قرآن کو اپنی طرف سے بنالیا، تم فرماؤ کہ تم ایسی فصاحت و بلاغت والی دس دس سورتیں بنا کر لے آؤ حالانکہ تم میں بڑے بڑے عرب کے فصحاء موجود ہیں لہٰذا پہلے ان سب کو بھی جمع کرلو۔ پھر سورت بنانا شروع کرو اور اللہ کے سوا جو مل سکیں یعنی اللہ کے سوا جو اس کی طاقت رکھتے ہوں، سب کو بلالو اگر تم قرآن پر دعویٰ افتراء میں سچے ہو۔

اس جیسا قرآن لانا تو کہاں؟ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی ساری دنیا مل کر بنا کر نہیں لاسکتی اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسی اس کی ذات مثال سے پاک، ویسے ہی اس کی صفات بھی بے مثال۔ اس کے کام جیسا مخلوق کا کلام ہو یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی ذات اس سے بلند بالا پاک اور منفرد ہے معبود اور رب صرف وہی ہے۔ جب تم سے یہی نہیں ہوسکتا اور اب تک نہیں ہو سکا تو یقین کرلو کہ تم اس کے بنانے سے عاجز ہو اور دراصل یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کا علم، اس کے حکم احکام اور اسکی روک ٹوک اسی کلام میں ہیں اور ساتھ ہی مان لو کہ معبود برحق صرف وہی ہے بس آؤ اسلام کے جھنڈے تلے کھڑے ہو جاؤ۔

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
پس اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو یقین رکھو کہ قرآن فقط اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا
کوئی معبود نہیں، پس کیا تم اسلام پر رہو گے۔

حجت قاطعہ قائم ہو جانے کے بعد اسلام پر قائم رہنے کا بیان

"فَاِ" نْ "لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ " اَیْ مَنْ دَعَوْتُمُوْهُمْ لِلْمُعَاوَنَةِ "فَاعْلَمُوْا" خِطَاب لِلْمُشْرِكِيْنَ "اَنَّمَا اُنْزِلَ " مُلْتَبِسًا "بِعِلْمِ اللّٰه " وَلَيْسَ افْتِرَاء عَلَيْهِ "وَاَنْ" مُخَفَّفَة اَیْ اَنَّهُ "لَا اِلٰـــهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" بَعْد هٰذِهِ الْحُجَّة الْقَاطِعَة اَیْ اَسْلِمُوْا،

لہٰذا اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں یعنی جن کو تم اپنی مدد کے لئے بلاؤ تو اے مشرکو! یقین رکھو کہ قرآن فقط اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ اور یہاں پر اَن مخففہ ہے یعنی انہ ہے۔ اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم اسلام پر ثابت قدم رہو گے۔ یعنی اس حجت قاطعہ کے بعد تم اسلام لے آؤ گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 7)

کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے کم تر ہو۔ اس طرح یہ شان بھی مومن کامل ہی کی ہوسکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔ ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر وشرک سے اس درجہ بیزاری ونفرت رکھنا کہ اس کے تصور وخیال کی گندگی سے بھی دل پاک وصاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کلمالک اور اس پر جزاء وانعام کا مستحق تو وہی آدمی ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ٥
جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے
اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔

ریا کار کے لئے دنیا میں اجر مل جانے کا بیان

"مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا" بِاَنْ اَصَرَّ عَلَى الشِّرْكِ وَقِيْلَ هِيَ فِي الْمُرَائِيْنَ "نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ" اَيْ جَزَاءَ مَا عَمِلُوْهُ مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ "فِيْهَا" بِاَنْ نُوَسِّعَ عَلَيْهِمْ رِزْقَهُمْ "وَهُمْ فِيْهَا" اَيْ الدُّنْيَا "لَا يُبْخَسُوْنَ" يُنْقَصُوْنَ شَيْئًا،

جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو یعنی شرک پر اصرار کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ریا کاری کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں پورا دے دیں گے یعنی جو انہوں کوئی صدقہ یا صلہ رحمی وغیرہ کی ہوگی اور اس دنیا میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ یعنی ان کے رزق میں کمی نہ آئے گی۔

ریا کاری کرنے والے کے لئے ذلت کا بیان

سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی لوگوں کو سنانے کے لئے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ذلت لوگوں کو سنائے گا اور جو آدمی لوگوں کے دکھاوے کے لئے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ریا کاروں کی سزا دے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2975)

دنیا کی زیب وزینت کو اپنانے کا بیان

عطاء بن یسار نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر بیٹھے اور ہم بھی

آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد تم لوگوں کے متعلق دنیا کی زیب وزینت سے ڈرتا ہوں کہ اس کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھی چیز بری چیز کو لائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو اس شخص سے کہا گیا، کیا بات ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا ہے اور حضور تجھ سے گفتگو نہیں کرتے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے، آپ نے چہرے سے پسینہ پونچھا اور فرمایا کہ سوال کرنے والا کہاں ہے۔ گویا اس کی تعریف کی اور فرمایا: اچھی چیز بری چیز پیدا نہیں کرتی مگر موسم ربیع میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو مار ڈالتی ہے، یا تکلیف میں بتلا کر دیتی ہے مگر اس جانور کو جو ہری گھاس چرے یہاں تک کہ جب دونوں کو پیٹ بھر جائیں، تو وہ آفتاب کی طرف رخ کر کے لید اور پیشاب کرے اور چرتا رہے، اسی طرح یہ مال سرسبز وشاداب اور میٹھا ہے، کیا ہی بہتر ہے مسلمان کا مال، کہ اس میں سے مسکین، یتیم اور مسافروں کو دیتا ہے، یا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس کو ناحق لیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے، جو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1408)

أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہوگیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا
اور بیکار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔

دنیا میں اعمال کے ضائع ہوجانے کا بیان

"أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّار وَحَبِطَ" بَطَلَ "مَا صَنَعُوا" مَا صَنَعُوهُ "فِيهَا" أَيْ الْآخِرَة فَلَا ثَوَاب لَهُ،

یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہوگیا جو کچھ انہوں نے اس میں یعنی عمل میں رکاری وغیرہ کی اور بیکار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔ یعنی آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہ ہوگا۔

ریاکاروں کے اعمال برباد ہوجانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ، حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگ دور ہو گئے تو ان سے اہل شام میں سے ناتل نامی آدمی نے کہا اے شیخ آپ ہمیں ایسی حدیث بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا وہ کہے گا میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو تو اس لئے لڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے تحقیق! وہ کہا جا چکا پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک

کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور دوسرا شخص جس نے علم حاصل کیا اور اسے لوگوں کو سکھایا اور قرآن کریم پڑھا اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا پھر اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لئے قرآن مجید پڑھا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا تو نے علم اس لئے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس کے لئے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا جا چکا پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور تیسرا وہ شخص ہوگا جس پر اللہ نے وسعت کی تھی اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا اسے بھی لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انہیں پہچان لے گا اللہ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا وہ کہے گا میں نے تیرے راستہ میں جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہو تیری رضا حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کیا اللہ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو نے ایسا اس لئے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے تحقیق! وہ کہا جا چکا پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 426)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ
اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ
اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○
تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس کی تائید کر رہا ہو اور
اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی جو امام اور رحمت تھی، یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور گروہوں میں سے جو اس کا
انکار کرے تو آگ ہی اس کے وعدے کی جگہ ہے۔ سو تو اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہ، یقیناً یہی تیرے رب
کی طرف سے حق ہے اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

قرآن کا اللہ کی طرف برحق ہونے کا بیان

"اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَة" بَيَان "مِنْ رَبّه" وَهُوَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ الْمُؤْمِنُوْنَ وَهِيَ الْقُرْاٰن "وَيَتْلُوْهُ" يَتْبَعهُ "شَاهِد" لَهُ بِصِدْقِهِ "مِنْهُ" اَيْ مِنَ اللّٰه وَهُوَ جِبْرِيْل "وَمِنْ قَبْله" الْقُرْاٰن "كِتَاب مُوْسٰى" التَّوْرَاة شَاهِد لَهُ اَيْضًا "اِمَامًا وَرَحْمَة" حَال كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ؟ لَا "اُولٰئِكَ" اَيْ مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَة "يُؤْمِنُوْنَ بِهِ" اَيْ بِالْقُرْاٰنِ فَلَهُمْ الْجَنَّة "وَمَنْ يَكْفُر بِهِ مِنَ الْاَحْزَاب" جَمِيْع الْكُفَّار "فَالنَّار مَوْعِده فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَة" شَكّ "مِنْهُ" مِنَ الْقُرْاٰن "اِنَّهُ الْحَقّ مِنْ رَبّك وَلٰكِنَّ اَكْثَر النَّاس" اَيْ اَهْل مَكَّة،

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو یعنی وہ نبی کریم ﷺ یا اہل ایمان ہیں اور وہ دلیل قرآن ہے۔ اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس کی تائید کر رہا ہو یعنی اللہ کی طرف سے اس کی تصدیق کرنے والے جبرائیل ہیں اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب تورات بھی اسی طرح جو امام اور رحمت تھی، یہاں پر لفظ امام اور رحمت یہ دونوں حال ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اس قرآن پر یہ لوگ ایمان لاتے ہیں لہٰذا ان کے لئے جنت ہے اور گروہوں یعنی کفار کی جماعتوں میں سے جو اس کا انکار کرے تو آگ ہی اس کے وعدے کی جگہ ہے۔ لہٰذا تو اس قرآن کے بارے میں کسی شک میں نہ رہ، یقیناً یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور لیکن اکثر لوگ یعنی اہل مکہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

ہر بچے کی پیدائش کا فطرت اسلام پر ہونے کا بیان

ابن شہاب کہتے ہیں کہ ہر وفات پانے والے بچے پر نماز پڑھی جائے گی اگرچہ وہ زانیہ کا ہی ہو۔ اس لئے کہ بچہ فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین یا صرف اس کا باپ مسلمان ہونے کا دعوی کرے اور اگر اس کی ماں اسلام پر نہ ہو تو وہ چلا کر روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی اور جو چلا کر نہ روئے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ وہ ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔

پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور صحیح سالم عضو والا بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت آخر تک تلاوت کرتے اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1296)

دین حق اور نبی برحق کا اقرار کرتے رہنے کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو خوابگاہ میں جانے کا ارادہ کرے۔ تو وضو کر جس طرح نماز کے لئے وضو کرتا ہے پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جا اور کہہ کہ اے میرے اللہ میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالہ کر دیا اور میں نے اپنے معاملات تیرے سپرد کر دیئے اور تجھ کو اپنا پشت پناہ بنایا، تیرے عذاب سے ڈرتا ہوں اور تیری رحمت کا امیدوار ہوں اور تجھ سے پناہ کی اور نجات کی جگہ تیرے سوا کوئی نہیں میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور تیرے نبی پر ایمان لایا، جو تو نے بھیجا، اگر یہ پڑھ کر تو سو جائے اور تو مر جائے تو فطرت (یعنی اسلام) پر مرے گا، ان کلمات کو سب باتوں سے آخر میں پڑھ (یعنی اس کے بعد کوئی بات نہ کر اور سو جا) میں نے عرض کیا کہ کیا وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ کہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ کہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1261)

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میری دعوت کو سنے اور اس کے باوجود میری لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان نہ لائے تو وہ اہل جہنم میں سے ہوگا۔ (صحیح مسلم)

اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے جو بہت سے یہود و نصاری یا دوسرے مذہب کے پیروؤں کے بعض ظاہری اعمال کی بناء پر ان کو حق پر کہتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان کے بغیر صرف ظاہری اعمال کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں، یہ قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور حدیث کی اس صحیح روایت سے کھلا تصادم ہے۔

یہود و نصاریٰ کے لئے اسلام کو دین ماننے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میری بات سنے (شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 386)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ط اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ
هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ج اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ o
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے، ایسے ہی لوگ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے
اور گواہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، جان لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اللہ کی طرف شرک کی نسبت کرنے والے ظالم کا بیان

"وَمَنْ" اَیْ لَا اَحَد "اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَی عَلَی اللّٰه كَذِبًا" بِنِسْبَةِ الشَّرِيْك وَالْوَلَد اِلَيْهِ "اُولٰئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبّهمْ" يَوْم الْقِيَامَة فِيْ جُمْلَة الْخَلْق "وَيَقُوْل الْاَشْهَاد" جَمْع شَاهِد وَهُمْ الْمَلَائِكَة يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَی الْكُفَّار بِالتَّكْذِيْبِ "هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبّهمْ اَلَا لَعْنَة اللّٰه عَلَی الظَّالِمِيْنَ" الْمُشْرِكِيْنَ،

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے، یعنی اس کی جانب شریک کی نسبت کرتا ہے اور اس کی طرف بیٹے کی نسبت کرتا ہے۔ ایسے ہی تمام لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے، یہاں اشہاد یہ شہادت کی جمع ہے اور وہ فرشتے ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے پیغام رسالت کی گواہی دیں گے اور کفار کی تکذیب کرنے کی گواہی بھی دیں گے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، جان لو کہ ظالموں یعنی مشرکین پر اللہ کی لعنت ہے۔

قیامت کے منافق و کافر کی گواہی کے سبب رسوائی کا بیان

صفوان بن محرز مازنی سے روایت کرتے ہیں، کہ میں ابن عمر کے ساتھ ایک بار ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا جا رہا تھا، کہ ایک شخص سامنے آیا اور کہا کہ تم نے سرگوشی کرنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس طرح سنا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ مومن کو قریب بلائے گا اور اس پر اپنا پردہ ڈال کر اسے چھپائے گا، پھر فرمائے گا، کیا تمہیں فلاں فلاں گناہ معلوم ہے؟

وہ کہے گا ہاں! اے میرے پروردگار! یہاں تک کہ وہ جب اس سے گناہوں کا اقرار کرا لے گا، تو وہ مومن اپنے دل میں سمجھے گا، کہ وہ تو اب تباہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہ پر پردہ ڈالا، آج میں تیرے گناہ کو بخش دیتا ہوں، پھر نیکیوں کی کتاب اسے دی جائے گی، لیکن کافر اور منافق تو ان کے متعلق گواہی دیں گے کہ یہی لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا سن لو کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2338)

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ روز قیامت کفار اور منافقین کو تمام خَلق کے سامنے کہا جائے گا کہ یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، ظالموں پر خدا کی لعنت اس طرح وہ تمام خَلق کے سامنے رسوا کیے جائیں گے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○
جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے بھی وہی ہیں۔

دین اسلام کی راہ سے روکنے والے فسادیوں کا بیان

"الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰه" دِيْنِ الْإِسْلَام "وَيَبْغُوْنَهَا" يَطْلُبُوْنَ السَّبِيل "عِوَجًا" مُعْوَجَّة "وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ" تَاْكِيد، كَافِرُوْنَ،

جو اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یعنی راستے تلاش کرتے ہیں اور آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے بھی وہی ہیں۔ یہ بہ طور تاکید ہے۔

یعنی اللہ پر افتراء کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی لعنت ہے ان لوگوں کے ایسے ایجاد کیے ہوئے جھوٹ ہی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے اور اس میں کجروی اختیار کرنے کا سبب بن جاتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنی اخروی نجات کے لیے ایسے ایجاد کردہ سہارے اللہ کے ذمے لگا رکھے ہیں۔ یہ لوگ حقیقتاً آخرت کے منکر ہی ہوتے ہیں کیونکہ آخرت میں اعمال کی باز پرس کا جو تصور شریعت نے پیش کیا ہے یہ لوگ اسے قطعاً ملحوظ نہیں رکھتے۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ
لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ○
یہ لوگ زمین میں عاجز کر سکنے والے نہیں اور نہ ہی ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہیں۔ ان کے لئے عذاب
دوگنا کر دیا جائے گا، نہ وہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ دیکھ ہی سکتے تھے۔

کفار سے حق کو سننے یا دیکھنے کے لئے قوت سلب کر لینے کا بیان

"اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ" لِلّٰهِ "فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اَىْ غَيْرِه "مِنْ اَوْلِيَاءَ" اَنْصَار يَمْنَعُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابه "يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَاب" بِاِضْلَالِهِمْ غَيْرهمْ "مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ" لِلْحَقِّ "وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ" ـهُ اَىْ لِفَرْطِ كَرَاهَتهمْ لَهُ كَاَنَّهُمْ لَمْ يَسْتَطِيْعُوا ذٰلِكَ،

یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کر سکنے والے نہیں اور نہ ہی ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہیں۔ یعنی ان کے وہ مددگار جو ان کو عذاب سے بچا سکیں، ان کے لئے عذاب دوگنا کر دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے۔ لہٰذا نہ وہ حق بات سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ حق کو دیکھ ہی سکتے تھے۔ یعنی سخت کراہت کے سبب گویا ان میں ایسی طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ حق کو سن سکیں۔

قتادہ نے کہا کہ وہ حق سننے سے بہرے ہو گئے تو کوئی خیر کی بات سن کر نفع نہیں اٹھاتے اور نہ وہ آیات قدرت کو دیکھ کر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○
یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا اور جو بہتان وہ باندھتے تھے وہ سب ان سے جاتے رہے۔

مشرکین کا اپنے آپ کو جہنم کی طرف لے جانے کا بیان

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسهمْ" لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّار الْمُؤَبَّدَة عَلَيْهِمْ "وَضَلَّ" غَابَ "عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ" عَلَى اللّٰهِ مِنْ دَعْوَى الشَّرِيْك،

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو جہنم کی طرف چلا لیا ہے جو ان کا ٹھکانہ بن گیا ہے۔ اور جو بہتان وہ باندھتے تھے وہ سب ان سے جاتے رہے۔ یعنی جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا دعویٰ کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے (فضل وکرم اور اپنی رحمت کے) قریب کرے گا اور (پھر) اس کو اپنی حفاظت اور اپنی عنایت کے سائے میں چھپائے گا تا کہ وہ اہل محشر پر اپنے گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کے کھل جانے کی وجہ سے شرمندہ اور رسوا نہ ہو) پھر اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے پوچھے گا کہ کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، یعنی کیا تجھے یاد اور اعتراف ہے کہ تو نے دنیا میں فلاں فلاں گناہ کئے تھے؟ وہ (مؤمن) عرض کرے گا کہ ہاں اے پروردگار (مجھے اپنا وہ گناہ یاد ہے اور اپنی بدعملی کا اعتراف کرتا ہوں غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف واقرار کرائے گا اور وہ (مؤمن) اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ (ان گناہوں کی پاداش) میں اب ہلاک ہوا، اب تباہ ہوا! لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں اور ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور آج بھی میں

تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا" پس اس (مؤمن) کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا (اور برائیوں کا اعمالنامہ کالعدم کر دیا جائے گا) اور جہاں تک کافروں اور منافق لوگوں کا تعلق ہے تو ان کو تمام مخلوق کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کفر و شرک کے ذریعہ) اپنے رب پر بہتان باندھا تھا، جان لو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 125)

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝
یہ بالکل حق ہے کہ یقیناً وہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

مشرکین کے لئے آخرت میں نقصان ہونے کا بیان

"لَا جَرَمَ" حَقًّا، اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ،

یہ بالکل حق ہے کہ یقیناً وہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

ایک شخص اللہ کے کسی حکم کی تعمیل ہی نہیں کرتا اسے اس کی سزا ملے گی اور ایک دوسرا شخص تعمیل تو کرتا ہے مگر غلط طریقے سے کرتا ہے اور کسی دوسرے کو بھی اس میں شریک بنالیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس غلط تعمیل کرنے والے کو زیادہ نقصان ہوگا ایک تو اس نے تعمیل کی مشقت اٹھائی دوسرے اسے سزا بھی زیادہ ملے تو اس سے بڑھ کر زیادہ نقصان اٹھانے والا کون ہو سکتا ہے؟

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے رہے یہی لوگ اہل جنت ہیں
وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ایمان اور اللہ کی بارگاہ سے رجوع کر کے سکون پانے والوں کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات وَاَخْبَتُوْا" سَكَنُوْا وَاطْمَاَنُّوا اَوْ اَنَابُوا، اُولٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ،

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اپنے رب کے حضور عاجزی کرتے رہے یعنی اس کی طرف انہوں نے رجوع کیا اور سکون پایا یہی لوگ اہل جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اہل جنت کے اعلیٰ احوال کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم اور دنیا سے بیزار ہوتے ہیں اور ہم آخرت والوں میں سے ہوتے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں سے مانوس اور اولاد سے ملتے جلتے ہیں تو ہمارے دل

بدل جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت میں رہو جس طرح میرے پاس سے جاتے ہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کریں اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک نئی مخلوق لے آئے گا کہ وہ گناہ کریں پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی سے۔ میں نے پوچھا جنت کس چیز سے بنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی، اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے۔ اس کے کنکر موتی اور یاقوت (سے) ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا نعمتوں میں رہے گا اور کبھی مایوس نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس میں رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ عادل حاکم، روزہ دار جب افطار کرتا ہے اور مظلوم کی بددعا۔ چنانچہ جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہی کروں۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں اور میرے نزدیک یہ غیر متصل ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث دوسری سند سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 426)

جن کے دل ایمان والے، جن کے جسمانی اعضا فرماں برداری کرنے والے تھے، قول وفعل سے فرمان رب بجالانے والے اور رب کی نافرمانی سے بچنے والے تھے یہ لوگ جنت کے وارث ہوں گے۔ بلند وبالا بالا خانے، بچھے بچھائے تخت، جھکے ہوئے خوشوں اور میوؤں کے درخت ابھرے ابھرے فرش، خوبصورت بیویاں، قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل، چاہت کے لذیذ کھانے پینے اور سب سے بڑھ کر دیدار الٰہی یہ نعمتیں ہوں گی جو ان کے لیے ہمیشگی کے لیے ہوں گی۔ نہ انہیں موت آئے گی نہ بڑھاپا، نہ بیماری، نہ غفلت، نہ رفع حاجت ہوگی، نہ تھوک، نہ ناک مشک، نہ بو والا پسینہ آیا اور غذا ہضم ہوگئی۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝
دونوں فریقوں کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے والے اور سننے والے کی سی ہے۔ کیا دونوں کا حال برابر ہے؟
کیا تم پھر نصیحت قبول نہیں کرتے۔

مسلمان اور کافر کی مثال دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے کی طرح ہونے کا بیان

"مَثَل" صِفَة "الْفَرِيْقَيْنِ" الْكُفَّار وَالْمُؤْمِنِيْنَ "كَالْاَعْمَى وَالْاَصَمّ" هٰذَا مَثَل الْكَافِر "وَالْبَصِير وَالسَّمِيْع" هٰذَا مَثَل الْمُؤْمِن "هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا" لَا "اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ" فِيْهِ اِدْغَام التَّاء فِي الْاَصْل فِي الذَّال تَتَّعِظُوْنَ،

دونوں فریقوں یعنی کفار اور مؤمنین کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے والے اور سننے والے کی سی ہے۔ یعنی کافر اندھا اور

بہرہ ہے جبکہ مؤمن سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔کیا دونوں کا حال برابر ہے؟ کیا تم پھر بھی نصیحت قبول نہیں کرتے۔ یہاں پر تذکروں میں تاء کا اصل میں ذال میں ادغام ہے یعنی کیا تم پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

کافر اور مسلمان برابر نہیں ہوسکتے

شقی لوگ اور یہ مومن متقی لوگ بالکل وہی نسبت رکھتے ہیں جو اندھے بہرے اور بینا۔ اور سننے میں ہے کافر دنیا میں حق کو دیکھنے میں اندھے تھے اور آخرت کے دن بھی بھلائی کی راہ نہیں پائیں گے نہ اسے دیکھیں گے۔ وہ حقانیت کی دلیلوں کی سننے سے بہرے تھے، نفع دینے والی بات سنتے ہی نہ تھے، اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور سناتا۔ اس کے برخلاف مومن سمجھدار، ذکی، عاقل، عالم، دیکھتا، بھالتا، سوچتا، سمجھتا حق و باطل میں تمیز کرتا۔ بھلائی لے لیتا، برائی چھوڑ دیتا، دلیل اور شبہ میں فرق کرلیتا اور باطل سے بچتا، حق کو مانتا۔ بتلایئے یہ دونوں کیسے برابر ہوسکتے ہیں؟ تعجب ہے کہ پھر بھی تم ایسے دو مختلف شخصوں میں فرق نہیں سمجھتے۔ ارشاد ہے (لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ، 5الحشر:20) دوزخی اور جنتی ایک نہیں ہوتے جنتی تو بلکل کامیاب ہیں اور آیت میں ہے اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں، اندھیرا اور اُجالا برابر نہیں، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ اللہ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا۔ تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، ہر ہر امت میں ڈرانے والا ہو چکا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
اور بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہارے لیے صریح ڈرسنانے والا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ان کی قوم کی طرف بعثت کا بیان

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمه اِنِّي " اَیْ بِاَنِّیْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ عَلٰى حَذْفِ الْقَوْلِ "لَكُمْ نَذِير مُبِيْن" بَيِّنِ الْاِنْذَار،

اور بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا یہاں پر ایک قرأت کے مطابق انی حذف قول کے سبب کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ کہ میں تمہارے لیے ڈرسنانے والوں میں صریح ڈرسنانے والا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید کا بیان

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر اہل زمین کی طرف آپ ہی آئے تھے۔ آپ نوح بن ملک بن مقوشلخ بن اخنوخ (یعنی ادریس علیہ السلام یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا) بن برد بن مہلیل بن قنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

ائمہ نسب جیسے امام محمد بن اسحاق وغیرہ نے آپ کا نسب نامہ اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں حضرت نوح

جیسا کوئی اور نبی امت کی طرف سے ستایا نہیں گیا۔ ہاں انبیاء قتل ضرور کیئے گئے۔ انہیں نوح اسی لئے کہا گیا کہ یہ اپنے نفس کا رونا بہت روتے تھے۔ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس زمانے تھے جو اسلام پر گذرے تھے۔ اصنام پرستی کا رواج اسی طرح شروع ہوا کہ جب میں نیک بندے فوت ہوگئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنالیں اور ان میں ان بڑوں کی تصویریں بنا لیں تا کہ ان کا حال اور ان کی عبادت کا نقشہ سامنے رہے اور اپنے آپ کو ان جیسا بنانے کی کوشش کریں لیکن کچھ زمانے کے بعد ان تصویروں کے مجسمے بنا لئے کچھ اور زمانے کے بعد انہی بتوں کو پوجا کرنے لگے اور ان کے نام انہی بڑوں کے ناموں پر رکھ لئے۔ ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ۔ جب بت پرستی کا رواج ہو گیا، اللہ نے اپنے رسول حضرت نوح کو بھیجا آپ نے انہیں اللہ واحد کی عبادت کی تلقین کی اور کہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن تمہیں عذاب نہ ہو۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝
کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہونے کا بیان

"اَنْ" اَیْ بِاَنْ "لَا تَعْبُدُوا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ" اِنْ عَبَدْتُمْ غَیْرَہ "عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ" مُؤْلِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ،

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔ یعنی اگر تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کی تو تمہارے لئے دردناک دنیا و آخرت میں عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کے بعد مبعوث ہوئے اور نو سو پچاس سال اپنی قوم کو دعوت فرماتے رہے اور طوفان کے بعد ساٹھ برس دنیا میں رہے تو آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی، اس کے علاوہ عمر شریف کے متعلق اور بھی قول ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ ہود، بیروت)

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ
هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝
پس ان کی قوم کے کفر کرنے والے سرداروں نے کہا، ہمیں تو تم ہمارے اپنے ہی جیسا ایک بشر دکھائی دیتے ہو اور ہم نے
کسی کو تمہاری پیروی کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے ہمارے سطحی رائے رکھنے والے پست و حقیر لوگوں کے،
اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کوئی فضیلت و برتری بھی نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

قوم نوح کے نمبرداروں نے مقام نبوت کو بشریت کی دلیل دیکر تکذیب کر دی

"فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِه" وَهُمُ الْاَشْرَاف "مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا" وَلَا فَضْلَ لَكَ عَلَیْنَا

"وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا" اَسَافِلُنَا كَالْحَاكَةِ وَالْاَسَاكِفَة "بَادِءَ الرَّاْیِ" بِالْهَمْزِ وَتَرْكِه اَیْ ابْتِدَاءً مِنْ غَيْرِ تَفَكُّرٍ فِيْكَ وَنَصْبُه عَلَى الظَّرْفِ اَیْ وَقْتَ حُدُوْثِ اَوَّلِ رَاْيِهِمْ "وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ" فَتَسْتَحِقُّوْنَ بِهِ الْاِتِّبَاعَ مِنَّا "بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ" فِیْ دَعْوَى الرِّسَالَةِ اَدْرَجُوا قَوْمَه مَعَهُ فِی الْخِطَابِ،

پس ان کی قوم کے کفر کرنے والے سرداروں یعنی نمبردار تھے انہوں نے کہا، ہمیں تو تم ہمارے اپنے ہی جیسا ایک بشر دکھائی دیتے ہو لہٰذا تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اور ہم نے کسی (معزز شخص) کو تمہاری پیروی کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے ہمارے سطحی رائے رکھنے والے پست وحقیر لوگوں کے، یعنی جیسے موچی اور جولاہے ہیں یہاں پر الرأی ہمزہ اور ترک ہمزہ دونوں طرح آیا ہے یعنی جنہوں نے ابتدائی طور پر کوئی غور وفکر نہیں کیا۔ اور یہاں پر بادی ظرفیت کے سبب منصوب بھی ہے۔ یعنی سب سے پہلے انہوں نے کچھ سوچا سمجھا ہی نہیں ہے۔ اور ہم تمہارے اندر اپنے اوپر کوئی فضیلت و برتری بھی نہیں دیکھتے کہ جس کی وجہ ہم تمہاری اتباع کرنے کے حقدار ہوں بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یعنی جو تم نے دعویٰ رسالت کیا ہے۔ اس خطاب میں انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی جمع کرلیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ان کی قوم کے لئے ہونے کا بیان

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی بعثت و نبوت صرف اپنی قوم کے لئے تھی ساری دنیا کے لئے عام نہ تھی اور ان کی قوم عراق میں آباد بظاہر مہذب مگر شرک میں مبتلا تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ یہ تھی اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ اس کے پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت ہے جو اصل اصول ہے، دوسرے جملہ میں شرک وکفر سے پرہیز کرنے کی تلقین ہے جو اس قوم میں وباء کی طرح پھیل گیا تھا۔ تیسرے جملہ میں اس عذاب عظیم کے خطرہ سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہوسکتا ہے اور دنیا میں طوفان کا عذاب بھی۔ (تفسیر کبیر، سورہ اعراف، بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرمارہے ہیں کہ تم اس بات کو انوکھا اور تعجب والا نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے کسی انسان پر اپنی وحی نازل فرمائے اور اسے اپنی پیغمبری سے ممتاز کردے تاکہ وہ تمہیں ہوشیار کردے پھر تم شرک وکفر سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نجات پالو اور تم پر گوناگوں رحمتیں نازل ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ان دلیلوں اور وعظوں نے ان سنگدلوں پر کوئی اثر نہ کیا یہ انہیں جھٹلاتے رہے مخالفت سے باز نہ آئے ایمان قبول نہ کیا صرف چند لوگ سنور گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے مکالمہ کرنے کا بیان

سب سے پہلے کافروں کی طرف رسول بنا کر بت پرستی سے روکنے کے لیے زمین پر حضرت نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے۔

آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں اگر تم غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑو گے تو عذاب میں پھنسو گے۔ دیکھو تم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو۔ اگر تم نے خلاف ورزی کی تو قیامت کے دن کے دردناک سخت عذابوں میں مجھے تمہارے لینے کا خوف ہے۔ اس پر قومی کافروں کے رؤسا اور امراء بول اُٹھے کہ آپ کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں ہم جیسے ہی انسان ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو چھوڑ کر تم ایک ہی کے پاس وحی آئے۔ اور ہم اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ایسے رذیل لوگ آپ کے حلقے میں شامل ہو گئے ہیں کوئی شریف اور رئیس آپ کا فرماں بردار نہیں ہوا اور یہ لوگ بے سوچے سمجھے بغیر غور و فکر کے آپ کی مجلس میں آن بیٹھے ہیں اور ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس نئے دین نے تمہیں کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچایا کہ تم خوش حال ہو گئے ہو تمہاری روزیاں بڑھ گئی ہوں یا خلق وخلق میں تمہیں کوئی برتری ہم پر حاصل ہو گئی ہو۔ بلکہ ہمارے خیال سے تم سب سے جھوٹے ہو۔ نیکی اور صلاحیت اور عبادت پر جو وعدے تم ہمیں آخرت ملک کے دے رہے ہو ہمارے نزدیک تو یہ سب بھی جھوٹی باتیں ہیں۔ ان کفار کی بے عقلی تو دیکھئے اگر حق کے قبول کرنے والے نچلے طبقہ کے لوگ ہوئے تو کیا اس سے حق کی شان گھٹ گئی؟ حق حق ہی ہے خواہ اس کے ماننے والے بڑے لوگ ہوں خواہ چھوٹے لوگ ہوں۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ حق کی پیروی کرنے والے ہی شریف لوگ ہیں۔ چاہے وہ مسکین مفلس ہی ہوں اور حق سے روگردانی کرنے والے ہیں ذلیل اور رذیل ہیں گو وہ غنی مالدار اور امیر امراء ہوں۔

ہاں یہ واقع ہے کہ سچائی کی آواز کو پہلے پہل غریب مسکین لوگ ہی قبول کرتے ہیں اور امیر کبیر لوگ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ فرمان قرآن ہے کہ تجھ سے پہلے جس جس بستی میں ہمارے انبیاء آئے وہاں کے بڑے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے آپ باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے ہم تو انہیں کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔

شاہ روم ہرقل نے جو ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس کی تابعداری کی ہے یا ضعیف لوگوں نے؟ تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے جس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کے تابعدار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ حق کی فوری قبولیت بھی کوئی عیب کی بات نہیں، حق کی وضاحت کے بعد رائے فکر کی ضرورت ہی کیا؟ بلکہ ہر عقل مند کا کام یہی ہے کہ حق کو ماننے میں سبقت اور جلدی کرے۔ اس میں تامل کرنا جہالت اور کند ذہنی ہے۔ اللہ کے تمام پیغمبر بہت واضح اور صاف اور کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اس میں کچھ نہ کچھ جھجک ضرور پائی سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ انہوں نے کوئی تردد و تامل نہ کیا واضح چیز کو دیکھتے ہی فوراً بے جھجک قبول کر لیا ان کا تیسرا اعتراض ہم کوئی برتری تم میں نہیں دیکھتے یہ بھی ان کے اندھے پن کی وجہ سے ہے اپنی ان کی آنکھیں اور کان نہ ہوں اور ایک موجود چیز کا انکار کریں تو فی الواقع اس کا نہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ تو نہ حق کو دیکھیں نہ حق کو سنیں بلکہ اپنے شک میں غوطے لگاتے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت میں ڈبکیاں مارتے رہتے ہیں۔ جھوٹے مفتری خالی ہاتھ رذیل اور نقصانوں والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَعُمِّیَتۡ عَلَیۡکُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا وَ اَنۡتُمۡ لَہَا کٰرِہُوۡنَ ۝

کہا، اے میری قوم! بتاؤ تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر بھی ہوں اور اس نے مجھے اپنے حضور سے رحمت بھی بخشی ہو مگر وہ تمہارے اوپر پوشیدہ کر دی گئی ہو، تو کیا ہم اسے تم پر جبراً مسلّط کر سکتے ہیں حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔

اسلام لانے والے غریبوں کے لئے مبارک ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام غربت میں شروع ہوا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا لہٰذا غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 156)

مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی اسلام غریبوں میں ہی رہ جائے گا۔ یعنی ابتداء اسلام میں مسلمان غریب اور کم تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ آئے گا، لہٰذا ان غرباء کے لئے جن کے قلوب ایمان واسلام کی روشنی سے پوری طرح منور ہوں گے خوش بختی وسعادت ہے۔ اس لئے کہ آخر زمانہ میں یہی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب وسنت کے علوم ومعارف سے اپنی زندگیوں کو منور کریں گے۔

عقل کے اندھوں کو مقام نبوت کی پہچان نہ ہونے کا بیان

"قَالَ یَا قَوْمِ اَرَاَیْتُمْ" اَخْبِرُوْنِیْ "اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ" بَیَان "مِنْ رَبِّیْ وَاٰتَانِیْ رَحْمَۃً" نُبُوَّۃً "مِنْ عِنْدہ فَعَمِیَتْ" خَفِیَتْ "عَلَیْکُمْ" وَفِیْ قِرَاءَۃ بِتَشْدِیْدِ الْمِیم وَالْبِنَاء لِلْمَفْعُوْلِ "اَنُلْزِمُکُمُوْھَا" اَنُجْبِرُکُمْ عَلٰی قَبُولھَا "وَاَنْتُمْ لَھَا کَارِھُوْنَ" لَا نَقْدِر عَلٰی ذٰلِکَ،

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! بتاؤ تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر بھی ہوں اور اس نے مجھے اپنے حضور سے خاص رحمت یعنی نبوت بھی بخشی ہو مگر وہ تمہارے اوپر اندھوں کی طرح پوشیدہ کر دی گئی ہو، ایک قرأت کے مطابق یہاں پر علیکم کا میم شد کے ساتھ بھی بناء بر مفعول پڑھا گیا ہے۔ تو کیا ہم اسے تم پر جبراً مسلّط کر سکتے ہیں یعنی کیا ہم زبردستی تم پر لاگو کر سکتے ہیں، حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ لہٰذا ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

نبی مکرم کے اوصاف حمیدہ بھی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں

یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہیے لیکن وہ امتیاز مال ودولت ملک وحکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلٰی اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ، خداترسی، حق پرستی، دردمندی، خلائق اور ان صریح آیات ونشانات پیش کرنے سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت واکمال نعمت ان کے اندر قائم کرتا یا ان کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے۔ وہ وحی

الٰہی اور ربانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں ان پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں۔ لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اس نور الٰہی کے دیکھنے سے قاصر رہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کرا سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نفور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لیے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا کوہ صفا پر اپنے اقارب کو دعوت ایمان دینے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) اور ان میں سے خاص لوگوں کو ڈرایئے نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور کوہ صفا پر چڑھ کر یا صباحاہ! کہہ کر پکارنے لگے لوگوں نے کہا یہ کون ہے؟ اور آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتلاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے دامن سے نکلنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں تم سے جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا ہوں ابولہب نے کہا تبا لک (تیری ہلاکت ہو) کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا پھر وہ اٹھ کر چل دیا تو آیت (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ، لہب) نازل ہوئی اعمش نے اس دن اسی طرح پڑھا تھا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2208)

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝
اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی مال و دولت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور میں ان لوگوں کو
جو ایمان لے آئے ہیں دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔ بیشک یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے بہرہ یاب ہونے والے ہیں
اور میں تو درحقیقت تمہیں جاہل قوم دیکھ رہا ہوں۔

ایمان والوں کو مطالبہ کفار کے سبب نہ چھوڑنے کا بیان

"وَيَا قَوْمِ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ" عَلٰى تَبْلِيغ الرِّسَالَة "مَالًا" تُعْطُونِيهِ "اِنْ" مَا "اَجْرِى" ثَوَابِى "اِلَّا عَلَى اللّٰه وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا" كَمَا اَمَرْتُمُوْنِىْ "اِنَّهُمْ مُلَاقُو رَبّهمْ" بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيهِمْ وَيَأْخُذ لَهُمْ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ وَطَرَدَهُمْ "وَلٰكِنِّىْ اَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ" عَاقِبَة اَمْركُمْ،

اور اے میری قوم! میں تم سے اس دعوت و تبلیغ رسالت پر کوئی مال و دولت بھی طلب نہیں کرتا، میرا اجر یعنی ثواب تو صرف اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اور میں تمہاری خاطر ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں یعنی جیسے تم مجھے ان کے

بارے میں حکم دیا ہے۔(تم انھیں حقیر مت سمجھو یہی حقیقت میں معزز ہیں)۔ بیشک یہی لوگ موت کے بعد اپنے رب کی ملاقات سے بہرہ یاب ہونے والے ہیں لہٰذا ان کو ثواب دیا جائے گا۔ اور میں تو درحقیقت تمہیں جاہل قوم دیکھ رہا ہوں۔ یعنی تمہارے انجام کو دیکھ رہا ہوں۔

بلا اجرت خیر خواہ سے ناروا سلوک کرنے والوں کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا کی سچی نوبت یقین اور واضح چیز میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے آ چکا ہے۔ بہت بڑی رحمت ونعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تم اسے نہ دیکھ سکے نہ تم نے اس کی قدر دانی کی نہ اسے پہنچانا بلکہ بے سچے سمجھے تم نے اسے دھکے دے دیئے اسے جھٹلانے لگ گئے اب بتاؤ کہ تمہاری اس ناپسندیدگی کی حالت میں میں کیسے یہ کرسکتا ہوں کہ تمہیں اس کا ماتحت بنا دوں؟

وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝
اور اے میری قوم! اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا اگر میں انھیں دور ہٹا دوں؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

اللہ کے سوا اللہ کے عذاب سے بچانے والی مدد نہ ہونے کا بیان

"وَیٰا قَوْمِ مَنْ یَّنْصُرنِی" یَمْنَعُنِیْ "مِنَ اللّٰه" اَیْ عَذَابه "اِنْ طَرَدْتهم" اَیْ لَا نَاصِر لِیْ "اَفَلَا" فَهَلَّا "تَذَكَّرُوْنَ" بِاِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الْاَصْل فِي الذَّال تَتَّعِظُوْنَ،

اور اے میری قوم! اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا یعنی کون ہے جو میری مدد کر کے مجھے اللہ کے عذاب سے بچائے؟ اگر میں انھیں دور ہٹا دوں؟ تو میرا کوئی مددگار نہ ہوگا تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ یہاں پر تذکرون میں تائے ثانیہ کا اصل میں ذال میں ادغام ہے۔ یعنی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ
تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝
اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہ کہ میں (اللہ کے بتائے بغیر) خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا
ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر جان رہی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ انھیں ہرگز کوئی بھلائی
نہ دے گا، اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، بیشک میں اسی وقت ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

ذاتی علم غیب وخزانوں کی ملکیت اللہ کے لئے ہونے کا بیان

"وَلَا اَقُوْل لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِن اللّٰه وَلَا" "اِنِّیْ" "اَعْلَم الْغَیْب وَلَا اَقُوْل اِنِّیْ مَلَك" "بَلْ اَنَا بَشَر مِثْلكُمْ"

"وَلَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِی" تَحْتَقِر "اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ" قُلُوْبِهِمْ "اِنِّیْ اِذًا" اِنْ قُلْتُ ذٰلِکَ، لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ،

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تمہاری طرح انسان ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جنہیں تمہاری نگاہیں حقیر جان رہی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ انہیں ہرگز کوئی بھلائی نہ دے گا، اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، اگر ایسا کہوں تو بیشک میں اسی وقت ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے شبہات کا جواب

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی قوم نے آپ کی نبوت میں تین شبہے کئے تھے۔ ایک شبہہ تو یہ ہے کہ " مَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ " کہ ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے یعنی تم مال و دولت میں ہم سے زیادہ نہیں ہو، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا

(قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ 50) -6 الانعام:50)

یعنی میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں تو تمہارا یہ اعتراض بالکل بے محل ہے، میں نے کبھی مال کی فضیلت نہیں جتائی اور دنیوی دولت کا تم کو متوقع نہیں کیا اور اپنی دعوت کو مال کے ساتھ وابستہ نہیں کیا پھر تم یہ کہنے کے کیسے مستحق ہو کہ ہم تم میں کوئی مالی فضیلت نہیں پاتے اور تمہارا یہ اعتراض محض بے ہودہ ہے۔

دوسرا شبہہ قوم نوح نے یہ کیا تھا۔ (وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ 27) -11 ھود:27)

یعنی ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری کسی نے پیروی کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے۔ سرسری نظر سے مطلب یہ تھا کہ وہ بھی صرف ظاہر میں مومن ہیں باطن میں نہیں، اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں تو میرے احکام غیب پر مبنی ہیں تاکہ تمہیں یہ اعتراض کرنے کا موقع ہوتا جب میں نے یہ کہا ہی نہیں تو اعتراض بے محل ہے اور شرع میں ظاہر ہی کا اعتبار ہے لہٰذا تمہارا اعتراض بالکل بیجا ہے۔

نیز (وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ، فرمانے میں قوم پر ایک لطیف تعریض بھی ہے کہ کسی کے باطن پر حکم کرنا اس کا کام ہے جو غیب کا علم رکھتا ہو میں نے تو اس کا دعویٰ نہیں کیا باوجودیکہ نبی ہوں تم کس طرح کہتے ہو کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے۔

تیسرا شبہہ اس قوم کا یہ تھا کہ (وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ 27) -11 ھود:27)

یعنی ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں، اس کے جواب میں فرمایا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں یعنی میں نے

اپنی دعوت کو اپنے فرشتہ ہونے پر موقوف نہیں کیا تھا کہ تمہیں یہ اعتراض کا موقع ملتا کہ جتاتے تو تھے وہ اپنے آپ کو فرشتہ اور تھے بشر لہٰذا تمہارا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ ہود، لاہور)

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝
وہ کہنے لگے، اے نوح! بیشک تم ہم سے جھگڑ چکے سوتم نے ہم سے بہت جھگڑا کرلیا، بس اب ہمارے پاس وہ لے آؤ
جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم سچے ہو۔

کفار کا نوح علیہ السلام سے عذاب طلب کرنے کا بیان

"قَالُوْا یَا نُوح قَدْ جَادَلْتَنَا" خَاصَمْتَنَا "فَاَکْثَرْت جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدنَا" بِهٖ مِنْ الْعَذَاب "اِنْ کُنْت مِنْ الصَّادِقِیْنَ" فِیْهِ،

وہ کہنے لگے، اے نوح! بیشک تم ہم سے جھگڑ چکے لہٰذا تم نے ہم سے بہت جھگڑا کرلیا، بس اب ہمارے پاس وہ عذاب لے آؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم اس بات میں سچے ہو۔

قوم نوح کی عجلت پسندی کی حماقت

قوم نوح کی عجلت بیان ہو رہی ہے کہ عذاب مانگ بیٹھے۔ کہنے لگے بس حجتیں تو ہم نے بہت سی سن لیں۔ آخری فیصلہ ہمارا یہ ہے کہ ہم تو تیری تابعداری نہیں کرنے کے اب اگر تو سچا ہے تو دعا کر کے ہم پر عذاب لے آؤ۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ بھی میرے بس کی بات نہیں اللہ کے ہاتھ ہے۔ اسے کوئی عاجز کرنے والا نہیں اگر اللہ کا ارادہ ہی تمہاری گمراہی اور بربادی کا ہے تو پھر واقعی میری نصیحت بے سود ہے۔ سب کا مالک اللہ ہی ہے تمام کاموں کی تکمیل اسی کے ہاتھ ہے۔ متصرف، حاکم، عادل، غیر ظالم، فیصلوں کے امر کا مالک، ابتداء پیدا کرنے والا، پھر لوٹانے والا، دنیا و آخرت کا تنہا مالک وہی ہے۔ ساری مخلوق کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۝
آپ نے کہا وہ تو تم پر اللہ ہی لائے گا، اگر اس نے چاہا اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں۔

اللہ کے حکم کے مطابق عذاب کے نازل ہونے کا بیان

"قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیکُمْ بِهِ اللّٰه اِنْ شَاءَ" تَعْجِیله لَکُمْ فَاِنَّ اَمْره اِلَیْهِ لَا اِلَیَّ "وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ" بِفَائِتِیْنَ اللّٰه،

آپ نے کہا وہ تو تم پر اللہ ہی لائے گا، یعنی اگر وہ تم پر جلدی چاہے گا تو جلدی لے آئے گا کیونکہ عذاب لانا یہ اسی کا امر ہے اس میں میرا دخل نہیں ہے۔ اگر اس نے چاہا اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں۔ یعنی اللہ کے عذاب سے بچ نکلنے

والے نہیں ہو۔

وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِىۡۤ اِنۡ اَرَدْتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَـكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ‌ؕ
هُوَ رَبُّكُمۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَؕ‏
اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی خواہ میں تمہیں نصیحت کرنے کا ارادہ کروں اگر اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالیا ہو،
وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ازلی کفار کے لئے نصیحت کے فائدے مند نہ ہونے کا بیان

"وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي اِنْ اَرَدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ" اَیْ اِغْوَاءَ کُمْ وَجَوَاب الشَّرْط دَلَّ عَلَيْهِ "وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي "هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ،

اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی خواہ میں تمہیں نصیحت کرنے کا ارادہ کروں اگر اللہ نے تمہیں گمراہ کرنے یعنی تمہاری گمراہی کا ارادہ فرمالیا ہو، یہ جواب شرط ہے جس کی اس پر دلیل ہے۔ یعنی میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی۔ وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

البتہ تمہارے عذاب پر اصرار اور ہٹ دھرمی سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ تم پر وہ عذاب آ کر رہے گا اور میں تمہاری کتنی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں اس کا کچھ فائدہ ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ پھر یہ معاملہ یہیں تک محدود نہ رہے گا کہ اللہ کا عذاب تمہیں ہلاک کر دے بلکہ آخرت میں بھی اللہ تم سب کو حاضر کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دے گا۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَـرٰٮهُ‌ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ‏
کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو خود گھڑ لیا ہے، فرما دیجئے: اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرے جرم (کا وبال)
مجھ پر ہوگا اور میں اس سے بری ہوں جو جرم تم کر رہے ہو۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرنے والے کفار کا بیان

"اَمْ" بَلْ "يَقُوْلُوْنَ" اَیْ كُفَّار مَكَّة "افْتَرَاهُ" اخْتَلَقَ مُحَمَّد الْقُرْاٰن "قُلْ اِنْ افْتَرَيْته فَعَلَيَّ اِجْرَامِي" اِثْمِي اَیْ عُقُوْبَته "وَاَنَا بَرِیْءٌ مِمَّا تُجْرِمُوْنَ" مِنْ اِجْرَامكُمْ فِیْ نِسْبَة الْاِفْتِرَاء اِلَیَّ،

(اے حبیب مکرم ﷺ) کیا یہ لوگ یعنی کفار مکہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے، فرما دیجئے: اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں اس سے بری ہوں جو جرم تم کر رہے ہو۔ یعنی جو میری طرف افتراء کی نسبت کر رہے ہو۔

کفار کا الزام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جواب

یہ درمیانی کلام اس قصے کے بیچ میں اس کی تائید اور تقریر ہے کہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ یہ کفار تجھ پر اس قرآن کے از خود گھڑ لینے کا الزام لگا رہے ہیں تو جواب دے کہ اگر ایسا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے میں جانتا ہوں کہ اللہ کے عذاب کیسے کچھ ہیں؟ پھر کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ پر جھوٹ افتراء گھڑ لوں؟ ہاں اپنے گناہوں کے ذمے دار تم آپ ہو۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو بھی نوح کے قصہ کا جزو بتلایا ہے۔ یعنی ان کی قوم نے کہا کہ جن باتوں کو نوح خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود ان کی گھڑنت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہل مکہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اس کا تعلق خاص نوح کے قصہ سے تھا گویا وہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ نے جھوٹ بنالی ہے۔ واقعہ میں ان قصوں کی کوئی اصل نہیں۔

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝
اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا،
پس تو اس پر غمگین نہ ہو جو وہ کرتے رہے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے قبول ہونے کا بیان

"وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ" تَحْزَنْ "بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ" مِنَ الشِّرْكِ فَدَعَا عَلَیْهِمْ بِقَوْلِهٖ "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ" اِلَخ فَاَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ.

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا، پس تو اس پر غمگین نہ ہو جو وہ شرک کرتے رہے ہیں۔ پس آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے رب انہیں زمین میں نہ چھوڑ، الخ، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کرلیا۔

صدیوں کے وعظ ونصیحت کے بعد عذاب آنے کا بیان

امام بغوی لکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تقریباً ایک ہزار سال کی عمر دراز عطا فرمائی، اس کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دینے اور قوم کی اصلاح کرنے کی فکر اور پیغمبرانہ جدوجہد کا بھی یہ درجہ عطا فرمایا کہ اس طویل مدت عمر میں ہمیشہ اپنی قوم کو دین حق اور کلمہ توحید کی دعوت دیتے رہے، قوم کی طرف سے سخت سخت ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑا ان کی قوم ان پر پتھراؤ کرتی یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے پھر جب ہوش آتا دعا کرتے کہ یا اللہ میری قوم کو معاف کردے یہ بے وقوف جاہل جانتے نہیں، قوم کی ایک نسل کے بعد دوسری کو دوسری کے بعد تیسری کو اس امید پر دعوت دیتے کہ شاید یہ حق کو قبول کرلیں۔

جب اس عمل پر صدیاں گزر گئیں تو رب العزت کے سامنے ان کی حالت زار کی شکایت کی جو سورۂ نوح میں مذکور ہے (آیت) رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا، فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا، اور اتنے طویل مصائب کے بعد اس مرد خدا

کی زبان پر یہ دعا آئی (آیت) رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ، یعنی اے میرے پروردگار ان کی تکذیب کے بالمقابل آپ میری مدد کیجئے۔قوم نوح کا ظلم وجور سے گزر جانے کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان آیات سے خطاب فرمایا جو اوپر مذکور ہیں۔(تفسیر بغوی، سورہ ہود، بیروت)

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○
اورتم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا،
وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے لئے کشتی بنانے کے حکم کا بیان

"وَاصْنَعِ الْفُلْكَ" السَّفِينَة "بِاَعْيُنِنَا" بِمَرْاَى مِنَّا وَحِفْظنَا "وَوَحْيِنَا" اَمْرِنَا "وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِمْ،

اورتم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے یعنی جس کا مشاہدہ ہم کریں، ایک کشتی بناؤ جس کی ہم حفاظت کریں اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا، وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔یعنی انہوں نے کفر کیا ہے لہٰذا ان کی ہلاکت سے متعلق پھر کچھ نہ کہنا۔

چالیس سال میں تیار ہونے والی کشتی کا بیان

قوم نوح نے جب عذابوں کی مانگ جلدی مچائی تو آپ نے اللہ سے دعا کی الٰہی زمین پر کسی کافر کو رہتا بستا نہ چھوڑ۔ پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں، تو میری مدد کر۔ اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا تو ان پر افسوس نہ کر نہ ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ ہمارے دیکھتے ہی ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اب ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے ہیں۔ بعض سلف کہتے ہیں حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر تختے بنالو۔ اس میں ایک سو سال گزر گئے پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے ایک قول ہے چالیس سال لگے۔ امام محمد بن اسحٰق توراۃ سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی لکڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی اس کا طول اسی ۸۰ ہاتھ تھا اور عرض پچاس ۵۰ ہاتھ کا تھا۔ اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی تھے قتادہ کا قول ہے کہ لمبائی تین سو ہاتھ کی تھی۔ ابن عباس کا فرمان ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ طول دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک سو ہاتھ کی تھی واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی اس میں تین درجے تھے ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے اور اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ ان میں چھوٹا دروازہ تھا، اوپر سے بالکل بند تھی۔ ابن جریر نے ایک غریب اثر عبداللہ بن عباس سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم الٰہی کسی ایسے مردہ کو جلاتے

جس نے کشتی نوح دیکھی ہوتو ہمیں اسے معلومات ہوتیں آپ انہیں لے کر ایک ٹیلے پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی پھر آپ نے ایک لکڑی اس ٹیلے پر مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو اسی وقت ایک بڈھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھاپے میں مرا تھا۔ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوانی میں لیکن اب دل پر دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہوگئی اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا اچھا حضرت نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔ اس نے کہا وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی تین درجوں کی تھی۔

ایک میں جانور اور چوپائے تھے، دوسرے میں انسان، تیسرے میں پرند، جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے خنزیر نر مادہ نکل آئے اور وہ میل کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کیے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے بلی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف لپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہوگیا؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوے کو خبر لینے کے لیے بھیجا لیکن وہ ایک لاش پر بیٹھ گیا، دیر تک وہ واپس نہ آیا تو آپ نے اس کے لیے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی۔ اسی لیے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا اس سے معلوم ہوگیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔

آپ نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لیے امن وانس کی دعا کی پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا اے رسول اللہ آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلئے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آسکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جا، وہ اسی وقت مٹی ہوگیا۔ نوح علیہ السلام تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعنہ دیتے کیونکہ انہیں جھوٹا جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام فرماتے اچھا دل خوش کر لو وقت آ رہا ہے کہ اس کا پورا بدلہ لے لیا جائے۔ ابھی جان لو گے کہ کون اللہ کے عذاب سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آ چمٹتا ہے جو کبھی ٹالے نہ ٹلے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا
مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝
اور نوح علیہ السلام کشتی بناتے رہے اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔
نوح (علیہ السلام انہیں جواباً) کہتے، اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو (کل) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے تم تمسخر کر رہے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے کفار کے مذاق کا بیان

"وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ" حِكَايَة حَال مَاضِيَة "وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأ" جَمَاعَة "مِنْ قَوْمه سَخِرُوْا مِنْهُ" اسْتَهْزَئُوا بِهِ "قَالَ إِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَر مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ" إِذَا نَجَوْنَا وَغَرِقْتُمْ،

اور نوح علیہ السلام کشتی بناتے رہے یہ حال ماضی کی حکایت ہے۔اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔نوح علیہ السلام انھیں جواباً کہتے، اگر آج تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو کل ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے تم تمسخر کر رہے ہو۔یعنی جب ہم نجات پائیں گے اور تم غرق ہو جاؤ گے۔

کشتی بنانے پر قوم کا مذاق اڑانا:۔وہ مذاق یہ کرتے تھے کہ جہاز جتنی بڑی کشتی جو تم بنا رہے ہو اسے کیا خشکی پر چلاؤ گے؟ یہاں نہ تو نزدیک کوئی دریا ہے جس میں اسے چلا سکو۔بارشوں کو ہم ترس رہے ہیں خشک سالی بھی ہے اور کسی دریا وغیرہ میں سیلاب کا خطرہ بھی نہیں تو پھر اسے بنا کر کیا کرو گے؟

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۝
پس تم جلد ہی جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

رسوا کر دینے والے عذاب کا بیان

"فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ" مَوْصُولَة مَفْعُوْل الْعِلْم "يَأْتِيه عَذَاب يُخْزِيه وَيَحِلّ" يَنْزِل، عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ،

پس تم جلد ہی جان لو گے یہاں پر من موصولہ تعلمون کا مفعول ہے۔کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

وہ نوح علیہ السلام کو دیوانہ سمجھ رہے تھے اور نوح علیہ السلام انھیں دیوانہ سمجھ رہے تھے کیونکہ انہوں نے قوم کو خبردار کر دیا تھا کہ تم پر سیلاب کا عذاب آنے والا ہے وہ اپنی قوم پر اس بات سے حیران تھے کہ عنقریب ان لوگوں کی تباہی ہونے والی ہے اور انھیں اپنی ذرا بھی فکر نہیں الٹا مجھے دیوانہ سمجھ کر مذاق اڑا رہے ہیں۔نوح علیہ السلام نے انھیں جواب دیا، کوئی بات نہیں آج تم ہمارا مذاق اڑا لو، جلد ہی ایسا وقت آنے والا ہے جب ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ
اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ۝

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش سے ابلنے لگا ہم نے فرمایا (اے نوح!) اس کشتی میں ہر جنس میں سے دو عدد پر مشتمل جوڑا سوار کرلو اور اپنے گھر والوں کو بھی (لے لو) سوائے ان کے جن پر فرمان پہلے صادر ہو چکا ہے اور جو کوئی ایمان لے آیا ہے۔ اور چند کے سوا ان کے ساتھ کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نجات دلانے کے لئے کشتی میں سوار کرانے کا بیان

"حَتّٰى" غَايَةٌ لِلصُّنْعِ "إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا" بِإِهْلَاكِهِمْ "وَفَارَ التَّنُّور" لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوحٍ . "قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا" فِي السَّفِينَةِ "مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ" ذَكَرًا وَأُنْثٰى أَيْ مِنْ كُلِّ أَنْوَاعِهِمَا "اثْنَيْنِ" ذَكَرًا وَأُنْثٰى وَهُوَ مَفْعُول وَفِي الْقِصَّة أَنَّ اللّٰه حَشَرَ لِنُوحٍ السِّبَاع وَالطَّيْر وَغَيْرهَا فَجَعَلَ يَضْرِب بِيَدَيْهِ فِي كُلّ نَوْع فَتَقَع يَده الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَر وَالْيُسْرٰى عَلَى الْأُنْثٰى فَيَحْمِلهُمَا فِي السَّفِينَة "وَأَهْلَكَ" أَيْ زَوْجَته وَأَوْلَاده "إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْل" أَيْ مِنْهُمْ بِالْإِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَته وَوَلَده كَنْعَان بِخِلَافِ سَام وَحَام وَيَافِث فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتهمْ الثَّلَاثَة "وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيل" قِيلَ كَانُوا سِتَّة رِجَال وَنِسَاءَهُمْ وَقِيلَ: جَمِيع مَنْ كَانَ فِي السَّفِينَة ثَمَانُونَ نِصْفهمْ رِجَال وَنِصْفهمْ نِسَاء،

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم یعنی ان کی ہلاکت کا عذاب آ پہنچا اور تنور پانی کے چشموں کی طرح جوش سے ابلنے لگا یہ حضرت نوح علیہ السلام کے لئے نشانی کے طور پر تھا۔ ہم نے فرمایا اے نوح، اس کشتی میں ہر جنس میں سے نر اور مادہ یعنی ان دونوں کی تمام اقسام کو دو عدد پر مشتمل جوڑا سوار کرلو۔ یہاں پر اثنین یہ احمل کا مفعول ہے۔ اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو پرندے، درندے وغیرہ اور اسی طرح ہر قسم کے جوڑوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنا دایاں ہاتھ ڈالتے تو مذکر جانداروں پر پڑتا اور بایاں ہاتھ ڈالتے تو مؤنث جانداروں پر پڑتا تو آپ ان کو کشتی میں سوار کر لیتے۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی لے لو سوائے ان کے جن پر ہلاکت کا فرمان پہلے صادر ہو چکا ہے۔ یعنی آپ کی بیوی اور آپ کے بیٹے کنعان بہ خلاف سام، حام اور یافت کے کیونکہ ان کو اور ان تینوں کی بیویوں کو کشتی پر سوار کیا۔ اور جو کوئی ایمان لے آیا ہے اسے بھی ساتھ لے لو، اور چند لوگوں کے سوا ان کے ساتھ کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ چھ مرد اور ان کی عورتیں تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے جو سارے اس کشتی میں تھے ان کی اسی ۸۰ تھی جن میں نصف مرد اور نصف عورتیں تھیں۔

طوفان نوح سے نجات پانے والے ۸۰ اہل ایمان کا بیان

حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ قوم نوح پر طوفان کا عذاب اس وقت آیا جب کہ وہ اپنی کثرت وقوت کے اعتبار سے بھرپور تھے۔ عراق کی زمین اور اس کے پہاڑ ان کی کثرت کے سبب تنگ ہو رہے تھے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ نافرمان

لوگوں کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ عذاب اس وقت بھیجتے ہیں جب وہ اپنی کثرت، قوت اور دولت میں انتہاء کو پہنچ جائیں اور اس میں بدمست ہو جائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں کتنے آدمی تھے اس میں روایات مختلف ہیں۔ ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اسی ۸۰ آدمی تھے جن میں ایک کا نام جرہم تھا یہ عربی زبان بولتا تھا۔ بعض روایات میں یہ تفصیل بھی آئی ہے کہ اسی ۸۰ کے عدد میں چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ طوفان کے بعد یہ سب حضرات موصل میں جس جگہ مقیم ہوئے اس بستی کا نام ثمانون مشہور ہو گیا۔

قوم نوح پر عذاب الٰہی کے نزول کا بیان

حسب فرمان ربی آسمان سے موسلا دھار لگا تار بارش برسنے لگی اور زمین سے بھی پانی ابلنے لگا اور ساری زمین پانی سے بھر گئی اور جہاں تک منظور رب تھا پانی بھر گیا اور حضرت نوح کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔ تنور کے ابلنے سے بقول ابن عباس یہ مطلب ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے بھی پانی ابل پڑا۔ یہی قول جمہور سلف وخلف ہے کا ہے۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ تنور صبح کا نکلنا اور فجر کا روشن ہونا ہے یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ غالب پہلا قول ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں یہ تنور کوفے میں تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے ہند میں ایک نہر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں جزیرہ میں ایک نہر ہے جسے عین الوردہ کہتے ہیں۔

الغرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنے ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق میں سے ہر قسم کا ایک ایک جوڑا نر مادہ سوار کر لو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لیے بھی یہی حکم تھا۔ جیسا نباتات۔ کہا گیا ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے درہ کشتی میں آیا اور سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لٹک گیا جب اس کے دو اگلے پاؤں کشتی میں آ گئے اس کا اپنا دھڑ اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکا کیونکہ دم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوح جلدی کر رہے تھے یہ بہتیرا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا آج تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو آ یا تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آیا۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا، آخر اسے بخار چڑھ آیا تب اسے سوار کر لیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کر لیے تو لوگوں نے کہا شیر کی موجودگی میں یہ مویشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی یہ ہمارا کھانا اور دیگر چیزیں خراب کر رہے ہیں تو اللہ کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے دبک کر کونے کھدرے میں بیٹھ رہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

اوراس نے کہااس میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اوراس کا ٹھہرنا ہے۔ بے شک میرا رب

یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بسم اللہ پڑھ کر کشتی پر سوار ہونے کا بیان

"وَقَالَ" نُوح "ارْكَبُوا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَاهَا وَمَرْسَاهَا" بِفَتْحِ الْمِيمَيْنِ وَضَمِّهِمَا مَصْدَرَانِ اَیْ جَرْيِهَا وَرَسْوِهَا اَیْ مُنْتَهٰى سَيْرِهَا "اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْر رَحِيم" حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْنَا،

اوراس نے کہااس میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اوراس کا ٹھہرنا ہے۔ یہاں پر ''مَجْرَاهَا وَمَرْسَاهَا'' دونوں میم کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ آئے ہیں اور یہ دونوں مصادر ہیں۔ یعنی چلنے کی جگہ اور ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ بے شک میرا رب یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ کیونکہ اسی نے ہمیں ہلاکت سے بچایا ہے۔

بسم اللہ کی برکت کا بیان

مفسرین نے کہا جب طوفان نوح نے اس دنیا کو اپنے خوفناک عذاب کے چنگل میں گھیر لیا اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں سوار ہوئے تو وہ بھی خوف غرق سے ہراساں ولرزاں تھے انہوں نے غرق سے نجات پانے اوراس عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے لئے بسم اللہ مجریہا ومرسہا کہا اس کلمہ کی برکت سے ان کی کشتی غرقابی سے محفوظ وسالم رہی مفسرین کہتے ہیں کہ جب اس آدھے کلمہ کی وجہ سے اتنے ہیبت ناک طوفان سے نجات حاصل ہوئی تو جو شخص اپنی پوری عمر اس پورے کلمہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اپنے ہر کام کی ابتداء کرنے کا التزام کرے وہ نجات سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے؟ علماء لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں انیس حروف ہیں دوزخ کے موکل بھی انیس ہیں لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہر حرف کے ذریعہ ان میں سے ہر ایک کی بلا دفع ہو سکتی ہے نیز علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ دن رات کو چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں پانچ گھنٹوں کے لئے تو پانچ وقت کی نمازیں مقرر فرمائی گئیں اور بقیہ انیس گھنٹوں کے لئے یہ انیس حروف عطا فرمائے گئے تا کہ ان انیس گھنٹوں میں ہر نشست و برخاست ہر حرکت وسکون اور ہر کام کے وقت ان انیس حروف کے ذریعہ برکت وعبادت حاصل ہو یعنی ان حروف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی برکت سے یہ انیس گھنٹے بھی عبادت میں لکھے جائیں۔

کشتی نوح کا صرف اہل ایمان کے لئے نجات بننے کا بیان

حضرت نوح کو حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا حام بھی انہیں کافروں میں تھا وہ الگ ہو گیا۔ یا آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ کے رسول کی منکر تھی اور تیری قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر

بہت ہم کم لوگ ایمان لائے تھے ابن عباس فرماتے ہیں کل اسی (80) آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب بہتر (72) اشخاص تھے۔ایک قول ہے صرف دس (10) آدمی تھے ایک قول ہے حضرت نوح تھے اوران کے تین لڑکے تھے سام، حام، یافث اور چار عورتیں تھیں۔ تین تو ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی حام کی بیوی اور کہا گیا ہے کہ خود حضرت نوح کی بیوی۔لیکن اس میں نظر ہے ظاہر یہ ہے حضرت نوح کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی۔اس لیے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی تو جس طرح لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی اسی طرح یہ بھی ہلاک ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر،سورہ ہود، بیروت)

وَ هِيَ تَجۡرِيۡ بِهِمۡ فِيۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ وَ نَادٰى نُوۡحُ ِۨابۡنَهٗ وَ كَانَ فِيۡ مَعۡزِلٍ
يّٰبُنَيَّ ارۡكَبۡ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ۝
اور وہ انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موج میں چلی جاتی تھی،اورنوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ ایک علیحدہ جگہ میں تھا،
اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ (شامل) نہ ہو۔

کشتی نوح سے بھی کفار سے الگ رہنے کی آواز آنے کا بیان

"وَهِيَ تَجۡرِيۡ بِهِمۡ فِيۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ" فِي الِارۡتِفَاعِ وَالۡعِظَمِ "وَنَادٰى نُوۡح ابۡنه" كَنۡعَان "وَكَانَ فِيۡ مَعۡزِلٍ" عَنِ السَّفِيۡنَةِ،يَا بُنَيَّ ارۡكَبۡ مَعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكَافِرِيۡنَ،

اور وہ لے کر پہاڑوں جیسی اونچی اور بڑی موج میں چلی جاتی تھی،اورنوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو آواز دی اور وہ کشتی سے ایک علیحدہ جگہ میں تھا،اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو۔

عذاب سے نجات ورحمت اہل ایمان کے لئے ہونے کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر بھی رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک ٹھہرے آپ نے ایک درخت بویا تھا جو سو سال تک بڑھتا اور بڑا ہوتا رہا پھر اسے کاٹ کر تختے بنا کر کشتی بنانی شروع کی۔کافر لوگ مذاق اڑاتے کہ یہ اس خشکی میں کشتی کیسے چلائیں گے؟ آپ جواب دیتے تھے کہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے جب آپ بنا چکے اور پانی زمین سے ابلنے اور آسمان سے برسنے لگا اور گلیاں اور راستے پانی سے ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت کی تھی وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا،تہائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر کو چڑھی۔دو تہائی کو پہنچی جب پانی وہاں بھی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھا لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔کعب احبار، مجاہد اور ابن جبیر سے بھی اس بچے اور اس کی

ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ ہود، بیروت)

اونچی عمارات اور پہاڑوں کا عذاب الٰہی سے نہ بچا سکنے کا بیان

آیت میں بتلایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے سب اہل وعیال کشتی میں سوار ہو گئے مگر ایک لڑکا جس کا نام کنعان بتلایا جاتا ہے سوار ہونے سے رہ گیا تو پدرانہ شفقت سے حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو پکارا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں آ جاؤ، کافروں کے ساتھ نہ رہو کہ غرق ہو جاؤ گے، یہ لڑکا کافروں دشمنوں کے ساتھ ساز باز رکھتا تھا اور حقیقت میں کافر تھا مگر غالبا حضرت نوح علیہ السلام کو اس کے کافر ہونے کا یقینی طور پر علم نہ تھا اور اگر علم تھا تو کفر سے توبہ کر کے ایمان لانے کی دعوت کے طور پر اس کو کشتی میں سوار ہونے اور کافروں کا ساتھ چھوڑنے کی نصیحت فرمائی، مگر اس بدبخت نے اس وقت بھی طوفان کو سرسری سمجھا اور کہنے لگا کہ آپ فکر نہ کریں، میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا، حضرت نوح علیہ السلام نے پھر متنبہ کیا کہ ظالم کس خیال میں ہے آج کوئی اونچی عمارت یا پہاڑ کسی کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں اور بچنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اس پر رحم فرما دیں، باپ بیٹے کی یہ گفتگو دور سے چل ہی رہی تھی کہ ایک موج اس طوفان کی آئی اور بیٹے کو بہا لے گئی، تاریخی روایات کے لحاظ سے چالیس گز اونچائی پر تھا۔

اس آیت میں طوفان کے ختم ہونے اور حالات کے ہموار ہونے کا بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین کو خطاب کر کے حکم دیا (آیت) یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ، اے زمین تو اپنا پانی نگل لے، مراد یہ تھی کہ جس قدر پانی زمین سے ابلا تھا اس کے لئے یہ حکم دے دیا کہ اس کو پھر زمین اپنے اندر اتار لے، آسمان کو حکم دیا گیا کہ اب پانی برسنا بند کر دے، اس طرح زمین سے نکلا ہوا پانی پھر زمین میں چلا گیا اور آسمان سے آئندہ پانی برسنا بند ہو گیا، آسمان سے برسا ہوا جتنا پانی زمین پر موجود تھا اس کو قدرت نے دریاؤں اور نہروں کی شکل دے دی جائے اس سے انسان فائدہ اٹھائے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ہود، بیروت)

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ
اِلَّا مَنْ رَّحِمَۚ وَ حَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ٥
اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لوں گا، جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ کہا آج اللہ کے فیصلے سے کوئی بچانے والا
نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی تو وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہو گیا۔

اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی پناہوں کے کام نہ آنے کا بیان

"قَالَ سَاٰوِی اِلٰی جَبَل یَعْصِمنِی" یَمْنَعنِیْ "مِنَ الْمَاء لَا عَاصِم الْیَوْم مِنْ اَمْر اللّٰه" عَذَابه "اِلَّا" لٰكِنْ "مَنْ رَحِمَ" اللّٰه فَهُوَ الْمَعْصُوم، وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْج فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ،

اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لوں گا، جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ یعنی جس کے ذریعے میں پانی سے بچ

جاؤں گا۔ کہا آج اللہ کے فیصلے یعنی عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے یعنی رحم کردہ ہی بچ سکے گا۔ اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی تو وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہوگیا۔

وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ
وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝
اور کہا گیا اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تو تھم جا اور پانی نیچے اتار دیا گیا اور کام تمام کردیا گیا
اور وہ جودی پر جا ٹھہری اور کہا گیا ظالم لوگوں کے لیے دوری ہو۔

قوم نوح کے تباہی وہلاکت کا قصہ تمام ہوگیا

"وَقِيْلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِيْ مَاءَ كِ" اَلَّذِيْ نَبَعَ مِنْكِ فَشَرِبَتْهُ دُوْنَ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَصَارَ اَنْهَارًا وَبِحَارًا "وَيَا سَمَاءُ اَقْلِعِيْ" اَمْسِكِيْ عَنِ الْمَطَرِ فَاَمْسَكَتْ "وَغِيْضَ" نَقَصَ "الْمَاءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ" تَمَّ اَمْرُ هَلَاكِ قَوْمِ نُوحٍ "وَاسْتَوَتْ" وَقَفَتِ السَّفِيْنَةُ "عَلَى الْجُوْدِيِّ" جَبَلٌ بِالْجَزِيْرَةِ بِقُرْبِ الْمُوْصِلِ "وَقِيْلَ بُعْدًا" هَلَاكًا "لِلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ،

اور کہا گیا اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے یعنی وہ پانی جو تجھ سے نکلا ہے تو زمین نے وہ سارا پانی پی لیا سوائے اس پانی کے جو آسمان سے آیا تھا۔ تو وہ آسمانی پانی نہریں اور سمندر بن گیا۔ اور اے آسمان! تو تھم جا یعنی بارش کو روک دے تو بارش رک گئی جس کی وجہ سے پانی کم ہوگیا۔ اور پانی نیچے اتار دیا گیا اور کام تمام کردیا گیا یعنی قوم نوح کی ہلاکت کا قصہ تمام ہوگیا۔ اور وہ کشتی جو جودی پر جا ٹھہری وہ موصل کے قریب ایک جزیرے میں پہاڑ ہے۔ اور کہا گیا ظالم لوگوں یعنی کفار کے لیے دوری یعنی ہلاکت ہو۔

عذاب کے طوفان کے ختم ہوجانے کے بعد واپس زمین پر آنے کا بیان

روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو درحقیقت غضب الٰہی اور مظلوم پیغمبر کی دعائے ضر کا عذاب تھا غرق ہوگئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نگل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہوگیا۔ پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہوگیا یعنی تمام کافر نابود ہوگئے، صرف کشتی والے مومن ہی بچے۔ کشتی بحکم ربی جودی پر رکی۔

مجاہد کہتے ہیں یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے سب پہاڑ ڈبو دیئے گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لیے یہیں ثابت وسالم رکھی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی بہترین اور مضبوط سینکڑوں کشتیاں بنیں بگڑیں بلکہ راکھ اور خاک ہوگئیں۔ ضحاک فرماتے ہیں جودی نام کا پہاڑ موصل میں ہے۔

بعض کہتے ہیں طور پہاڑ کو ہی جودی بھی کہتے ہیں۔ زر بن حبیش کو ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف کے زاویہ میں نماز بکثرت پڑھتے ہوئے دیکھ کر نوبہ بن سالم نے پوچھا کہ آپ جو جمعہ کے دن برابر یہاں اکثر نماز پڑھا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کشتی نوح یہیں لگی تھی۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بال بچوں سمیت کل اسی (80) آدمی تھے۔ ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ شریف کی طرف کر دیا۔ یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ شریف کا طواف کرتی رہی۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں وہ ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔ وہ ایک مردار کے کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔ آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتوں کے درخت کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لے کر واپس آیا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہوگئی ہے۔ پس آپ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بناڈال دی جسے ثمانین کہتے ہیں۔

ایک دن صبح کو جب لوگ جاتے تو ہر ایک کی زبان بدلی ہوئی تھی۔ ایسی زبانیں بولنے لگے جن میں سب سے اعلیٰ اور بہترین عربی زبان تھی۔ ایک کو دوسرے کا کلام سمجھنا محال ہو گیا۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب زبانیں معلوم کرا دیں، آپ ان سب کے درمیان مترجم تھے۔ ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیتے تھے۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ کشتی نوح مشرق مغرب کے درمیان چل پھر رہی تھی پھر جودی پر ٹھہر گئی۔ حضرت قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں رجب کی دسویں تاریخ مسلمان اس میں سوار ہوئے تھے پانچ ماہ تک اسی میں رہے انہیں لے کر کشتی جودی پر مہینے بھر تک ٹھہری رہی۔ آخر محرم کے عاشورے کے دن وہ سب اس میں سے اترے۔ (تفسیر محمدی، سورہ ہود، بیروت)

دس محرم کے دن کشتی نوح کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنے کا بیان

تفسیر طبری اور بغوی میں ہے کہ نوح علیہ السلام دس (۱۰) ماہ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، چھ مہینہ تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی، جب بیت اللہ شریف کے مقام پر پہنچی تو سات مرتبہ طواف کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت کو بلند کر کے غرق سے بچالیا تھا، پھر دس (۱۰) محرم یوم عاشورا میں طوفان ختم ہو کر کشتی جبل جودی پر ٹھہری، حضرت نوح علیہ السلام نے اس روز شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا اور کشتی میں جتنے آدمی ساتھ تھے سب کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ہود، بیروت)

وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ۝
اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میرا لڑکا (بھی) تو میرے گھر والوں میں
داخل تھا اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کنعان کی حالت معلوم کرنے کے لئے کہا

"وَنَادٰی نُوح رَبّه فَقَالَ رَبّ اِنَّ ابْنِی" کَنْعَان "مِنْ اَهْلِی" وَقَدْ وَعَدْتنِیْ بِنَجَاتِهِمْ "وَاِنَّ وَعْدك الْحَقّ"

الَّذِیْ لَا خُلْفَ فِیْهِ "وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ" اَعْلَمُهُمْ وَاَعْدَلُهُمْ،

اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میرا لڑکا (بھی) تو میرے گھر والوں میں داخل تھا اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

یادرہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے تھا۔ اور میری اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن ہے کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا، میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ

(وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ

27)-23المؤمنون:27)

یعنی تیرے اہل کو بھی تو کشتی میں چڑھا لے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے وہ بوجہ اپنے کفر کے انہیں میں سے تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ○
ارشاد ہوا، اے نوح! بیشک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے، پس مجھ سے وہ سوال نہ کیا کرو
جس کا تمہیں علم نہ ہو، میں تمہیں نصیحت کئے دیتا ہوں کہ کہیں تم نادانوں میں سے (نہ) ہو جانا۔

کفار کے لئے عذاب الٰہی سے نجات نہ ہونے کا بیان

"قَالَ" تَعَالٰی "یَا نُوحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ" النَّاجِینَ اَوْ مِنْ اَهْلِ دِیْنِكَ "اِنَّهٗ" اَیْ سُؤَالُكَ اِیَّایَ بِنَجَاتِهٖ "عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ" فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَلَا نَجَاةَ لِلْكَافِرِیْنَ وَفِیْ قِرَاءَ ةٍ بِكَسْرِ مِیمِ عَمِلَ فِعْلٌ وَنَصْبِ غَیْرَ فَالضَّمِیْرُ لِابْنِهٖ "فَلَا تَسْاَلْنِی" بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ "مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" مِنْ اِنْجَاءِ ابْنِكَ "اِنِّیْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ" بِسُؤَالِكَ مَا لَمْ تَعْلَمْ،

اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے ارشاد فرمایا، بیشک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں ہے یعنی وہ نجات پانے والوں یا تیرے دین والوں میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے، یعنی نجات پانے والے کام نہیں تھے۔ کیونکہ وہ کافر ہے۔ اور کفار کے لئے کوئی نجات نہیں ہے۔ اور ایک قرأت میں میم کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ عمل فعل کے ساتھ لفظ غیر کو نصب بھی دیا گیا ہے اور ضمیر کا مرجع آپ کا بیٹا ہے۔ پس مجھ سے وہ سوال نہ کیا کرو یہاں پر تسالنی تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ جس کا تمہیں علم نہ ہو، یعنی

تمہارے بیٹے کی نجات کے بارے میں تمہیں نہیں بتایا گیا۔ میں تمہیں نصیحت کئے دیتا ہوں کہ کہیں تم نہ جاننے والوں سے نہ ہو جانا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝
عرض کیا، اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہ ہو،
اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم (نہ) فرمائے گا (تو) میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اللہ کے فیصلے کے خلاف دعا مانگنے کی ممانعت کا بیان

"قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ" مِنْ "اَنْ اَسْاَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْم وَاِلَّا تَغْفِر لِي " مَا فَرَطَ مِنِّي، وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ،

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہ ہو، یعنی جس کی مجھے حکمت معلوم نہ ہو۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم (نہ) فرمائے گا (تو) میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ
وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝
فرمایا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان طبقات پر ہیں
جو تمہارے ساتھ ہیں، اور (آئندہ پھر) کچھ طبقے ایسے ہوں گے جنہیں ہم (دنیوی نعمتوں سے) بہرہ یاب فرمائیں گے
پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب آپہنچے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا سلامتی و برکت لیکر نازل ہونے کا بیان

"قِيْلَ يَا نُوح اهْبِطْ " انزِلْ مِنَ السَّفِينَة "بِسَلَامٍ" بِسَلَامَةٍ اَوْ بِتَحِيَّةٍ "مِنَّا وَبَرَكَات " خَيْرَات "عَلَيْك وَعَلٰى اُمَم مِمَّنْ مَعَك " فِي السَّفِينَة اَيْ مِنْ اَوْلَادهمْ وَذُرِّيَّتهمْ وَهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ "وَاُمَم" بِالرَّفْعِ مِمَّنْ مَعَك "سَنُمَتِّعُهُمْ" فِي الدُّنْيَا "ثُمَّ يَمَسّهُمْ مِنَّا عَذَاب اَلِيم" فِي الْاٰخِرَة وَهُمْ الْكُفَّار،

فرمایا گیا، اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ کشتی سے اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان طبقات پر ہیں جو تمہارے کشتی میں ساتھ ہیں، جو ان کی اولادیں اور ان کی اولادیں جو اہل ایمان کی ہیں۔ یہاں پر لفظ امم کی رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور کچھ طبقے ایسے ہوں گے جنہیں ہم دنیاوی نعمتوں سے بہرہ یاب فرمائیں گے پھر انھیں آخرت میں ہماری طرف سے دردناک عذاب آپہنچے گا۔ اور وہ کفار ہیں۔

طوفان نوح کا آخری منظر

کشتی ٹھہری اور اللہ کا سلام آپ پر اور آپ کے تمام مومن ساتھیوں پر اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک جو ایماندار آنے والے ہیں سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدے سے مستفید ہونے اور پھر عذاب میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کے مومنوں کی سلامتی اور برکت اور کافروں کی سزا پر مبنی ہے۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرمالیا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا اُبلنا بند ہوگیا ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جو اب تک پانی برسا رہے تھے بند کر دیئے گئے۔ زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہوگیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہوگیا اور بقول اہلِ توراۃ کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح "جودی" پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے کوے کو پانی کی تحقیق کے لیے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا، آپ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا۔ اپنے پاؤں رکھنے کو اسے جگہ نہ ملی، آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا، پھر سات دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا۔ شام کو وہ واپس آیا، اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لیے ہوئے تھا اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی ہے۔ الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ
فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ۠
یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے قبل نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم،
پس آپ صبر کریں۔ بیشک بہتر انجام پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

قصہ قوم نوح کا آنے والوں کے لئے سبق وعبرت ہونے کا بیان

"تِلْكَ" اَیْ هٰذِهِ الْاٰیَات الْمُتَضَمِّنَة قِصَّة نُوح "مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْب" اَخْبَار مَا غَابَ عَنْك "نُوحِیهَا اِلَیْكَ" یَا مُحَمَّد "مَا كُنْتَ تَعْلَمهَا اَنْت وَلَا قَوْمك مِنْ قَبْل هٰذَا" الْقُرْاٰن "فَاصْبِرْ" عَلَی التَّبْلِیغ وَاَذَی قَوْمك كَمَا صَبَرَ نُوح "اِنَّ الْعَاقِبَة" الْمَحْمُوْدَة "لِلْمُتَّقِیْنَ"،

حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کا یہ بیان ان غیب کی خبروں میں سے ہے یا محمد ﷺ جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے یعنی قرآن سے قبل نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس آپ لوگوں کو دعوت دینے پر اور اپنی قوم کی تکالیف پر صبر کریں۔ جس طرح نوح علیہ السلام نے صبر کیا۔ بیشک بہتر انجام پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

یہ تاریخ ماضی وحی کے ذریعے بیان کی گئی ہے

قصہ نوح اور اسی قسم کے گذشتہ واقعات وہ ہیں جو تیرے سامنے نہیں ہوئے لیکن بذریعہ وحی کے ہم تجھے انکی خبر کر رہے ہیں اور تو لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت اس طرح کھول رہا ہے کہ گویا ان کے ہونے کے وقت تو وہیں موجود تھا۔ اس سے پہلے نہ تو تجھے ہی انکی کوئی خبر تھی نہ تیری قوم میں سے کوئی اور ان کا علم رکھتا تھا۔ کہ کسی کو بھی گمان ہو کہ شاید تو نے اس سے سیکھ لیے ہوں پاس صاف بات ہے کہ یہ اللہ کی وحی سے تجھے معلوم ہوئے اور ٹھیک اسی طرح جس طرح اگلی کتابوں میں موجود ہیں۔ پس اب تجھے ان کے ستانے جھٹلانے پر صبر و برداشت کرنا چاہیے ہم تیری مدد پر ہیں تجھے اور تیرے تابعداروں کو ان پر غلبہ دیں گے، انجام کے لحاظ سے تم ہی غالب رہوگے، یہی طریقہ اور پیغمبروں کا بھی رہا۔

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۝
اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا
تمہارے لئے کوئی معبود نہیں، تم اللہ پر محض بہتان باندھنے والے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت کا قوم عاد طرف ہونے کا بیان

"وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ" اَرْسَلْنَا اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِیلَة "هُوْدًا قَالَ یَا قَوْمِ اُعْبُدُوا اللّٰه" وَحِّدُوْهُ "مَا لَكُمْ مِنْ" زَائِدَة "اِلٰـه غَیْره اِنْ" مَا "اَنْتُمْ" فِیْ عِبَادَتكُمْ الْاَوْثَان "اِلَّا مُفْتَرُوْنَ" كَاذِبُوْنَ عَلَى اللّٰه،

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے قبیلہ میں سے ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے کہا، اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں، یہاں پر من زائدہ ہے۔ لہٰذا تم بتوں کی عبادت کرنے والے نہ بنو۔ تم اللہ پر شریک رکھنے کا محض بہتان باندھنے والے ہو۔

قوم ہود کے طرف ہدایت آنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا، انہوں نے قوم کو اللہ کی توحید کی دعوت دی۔ اور اس کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ سے روکا۔ اور بتلایا کہ جن کو تم پوجتے ہو ان کی پوجا خود تم نے گھڑ لی ہے۔ بلکہ ان کے نام اور وجود تمہارے خیالی ڈھکوسلے ہیں۔ ان سے کہا کہ میں اپنی نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔ میرا ثواب میرا رب مجھے دے گا۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم یہ موٹی سی بات بھی عقل میں نہیں لاتے کہ یہ دنیا آخرت کی بھلائی کی تمہیں راہ دکھانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت ہود علیہ السلام کو ہم نے نبی بنا کر بھیجا یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ یہ عاد اولیٰ ہیں۔ یہ جنگل میں ستونوں میں رہتے تھے۔ فرمان ہے آیت (الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی

البلاد) یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ عاد ارم کے ساتھ تیرے رب نے کیا کیا؟ جو بلند قامت تھے دوسرے شہروں میں جن کی مانند لوگ پیدا ہی نہیں کیے گئے۔ یہ لوگ بڑے قوی طاقتور اور لانبے چوڑے قد کے تھے جیسے فرمان ہے کہ عادیوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟ کیا انہیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا یقیناً ان سے زیادہ طاقت والا ہے۔ وہ ہماری آیتوں سے انکار کر بیٹھے ان کے شہر یمن میں احقاف تھے، یہ ریتلے پہاڑ تھے۔

حضرت علی نے حضرت موت کے ایک شخص سے کہا کہ تو نے ایک سرخ ٹیلہ دیکھا ہو گا جس میں سرخ رنگ کی راکھ جیسی مٹی ہے اس کے آس پاس پیلو اور بیری کے درخت بکثرت ہیں وہ ٹیلہ فلاں جگہ حضرموت میں ہے اس نے کہا امیر المومنین آپ تو اس طرح کے نشان بتا رہے ہیں گویا آپ نے بچشم خود دیکھا ہے آپ نے فرمایا نہیں دیکھا تو نہیں لیکن ہاں مجھ تک حدیث پہنچی ہے کہ وہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کی بستیاں یمن میں تھیں اسی لئے ان کے پیغمبر وہیں مدفون ہیں آپ ان سب میں شریف قبیلے کے تھے اس لئے کہ انبیاء ہمیشہ حسب نسب کے اعتبار سے عالی خاندان میں ہی ہوتے رہے ہیں لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور سے سخت اور زوردار تھی اسی طرح دلوں کے اعتبار سے بھی بہت سخت تھی جب اپنے نبی کی زبانی اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی نصیحت کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جو خود انہیں کے خاندان سے تھے۔ اور ابو البرکات جونی جو انساب عرب کے بڑے ماہر مشہور ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ ہود علیہ السلام کے بیٹے یعرب بن قحطان ہیں جو یمن میں جا کر آباد ہوئے اور یمنی اقوام انھیں کی نسل ہیں۔ اور عربی زبان کی ابتداء انھیں سے ہوئی اور یعرب کی مناسبت سے ہی زبان کا نام عربی اور اس کے بولنے والوں کو عرب کہا گیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ عربی زبان تو عہد نوح علیہ السلام سے جاری تھی کشتی نوح علیہ السلام کے ایک رفیق جرہم تھے جو عربی زبان بولتے تھے۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ اعراف، بیروت)

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
اے قوم! میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم سوچتے نہیں؟

اللہ کا پیغام پہنچانے کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہونے کا بیان

"يَا قَوْمِ لَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ" عَلَى التَّوْحِيْدِ "اَجْرًا اِنْ" مَا "اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ" خَلَقَنِيْ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ،

اے قوم! میں اس کی توحید پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تم سوچتے نہیں؟

اور تم سے کوئی اجرت طلب کرنے والا نہیں۔ تم استغفار میں لگ جاؤ، گذشتہ گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو۔ اور توبہ کرو، آئندہ کے لیے گناہوں سے رک جاؤ۔ یہ دونوں باتیں جس میں ہوں اللہ تعالیٰ [illegible]

کام اس پر سہل کرتا ہے۔اس کی نشانی کی حفاظت کرتا ہے۔سنوایسا کرنے سے تم پر بارشیں برابر عمدہ اور زیادہ برسیں گی اور تمہاری قوت وطاقت میں دن دونی رات چوگنی برکتیں ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے جو شخص استغفار کولازم پکڑ لے اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے، ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور روزی تو اسی جگہ سے پہنچاتا ہے جو خود اس کے خواب وخیال میں بھی ہو۔

وَ یٰـقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّ یَزِدۡکُمۡ
قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمۡ وَ لَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِیۡنَ٥
اور میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا
اور تمہاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا۔

شرک سے وغیرہ جیسے گناہوں سے توبہ کرنے کا بیان

"وَیَا قَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ "مِنَ الشِّرۡکِ "ثُمَّ تُوۡبُوۡا" ارۡجِعُوا "اِلَیۡہِ" بِالطَّاعَۃِ "یُرۡسِلِ السَّمَاء "الۡمَطَر وَکَانُوۡا قَدۡ مَنَعُوۡہُ "عَلَیۡکُمۡ مِدۡرَارًا" کَثِیۡر الدُّرُوۡر "وَیَزِدۡکُمۡ قُوَّۃ اِلَی "مَعَ "قُوَّتکُمۡ" بِالۡمَالِ وَالۡوَلَد "وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِیۡنَ" مُشۡرِکِیۡنَ،

اور اے میری قوم! تم اپنے رب سے شرک جیسے گناہ سے بخشش مانگو پھر اس کی جناب میں اطاعت کے ساتھ رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا اور مال واولاد کے ذریعے تمہاری قوت کو بڑھائے گا اور تم مجرم بنتے یعنی شرک کرتے ہوئے اس سے روگردانی نہ کرنا۔

توبہ واستغفار کے سبب رزق ومال میں اضافہ ہونے کا بیان

ایمان لا کر جب قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب تین سال تک بارش موقوف کردی اور نہایت شدید قحط نمودار ہوا اور ان کی عورتوں کو بانجھ کردیا جب یہ لوگ بہت پریشان ہوئے تو حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں اور اس کے حضور توبہ واستغفار کریں تو اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا اور ان کی زمینوں کو سرسبز وشاداب کرکے تازہ زندگی عطا فرمائے گا اور قوت واولاد دے گا۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ امیر معاویہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ سے امیر معاویہ کے ایک ملازم نے کہا کہ میں مالدار آدمی ہوں مگر میرے کوئی اولاد نہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جس سے اللہ مجھے اولاد دے۔آپ نے فرمایا استغفار پڑھا کرو،اس نے استغفار کی یہاں تک کثرت کی کہ روزانہ سات سو مرتبہ استغفار پڑھنے لگا اس کی برکت سے اس شخص کے دس بیٹے ہوئے۔یہ خبر حضرت معاویہ کو ہوئی تو انہوں نے اس شخص سے فرمایا کہ تو نے حضرت امام سے یہ کیوں نہ دریافت کیا کہ یہ عمل حضور نے کہاں سے فرمایا۔

دوسری مرتبہ جب اس شخص کو امام سے نیاز حاصل ہوا تو اس نے یہ دریافت کیا، امام نے فرمایا کہ تو نے حضرت ہود کا قول نہیں سنا جو انہوں نے فرمایا۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ٥
وہ بولے: اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لیکر نہیں آئے ہو اور نہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو
چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

قوم عاد کا باطل معبودوں کو ترک نہ کرنے کا بیان

"قَالُوْا یَا ھُوْد مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ" بُرْهَانٍ عَلٰی قَوْلِكَ "وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ" اَیْ لِقَوْلِكَ، وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ،

وہ بولے! اے ہود! تم اپنی اس بات ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لیکر نہیں آئے ہو اور نہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہی ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

قوم ہود کے مطالبات کا بیان

قوم ہود نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت سن کر جواب دیا کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں اس کی کوئی دلیل وحجت تو ہمارے پاس آپ لائے نہیں۔ اور یہ ہم کرنے سے رہے کہ آپ کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور ہم چھوڑ ہی دیں۔ نہ وہ آپ کو سچا ماننے والے ہیں نہ آپ پر ایمان لانے والے۔ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چونکہ تو ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روک رہا ہے اور انہیں عیب لگا تا ہے۔ اس لیے جھنجلا کر ان میں سے کسی کی مار تجھ پر پڑی ہے تیری عقل چل گئی ہے۔ یہ سن کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہی ہے تو سنو میں نہ صرف تمہیں ہی بلکہ اللہ کو بھی گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا جس جس کی عبادت ہورہی ہے سب سے بری اور بیزار ہوں اب تم ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ اوروں کو بھی بلا لو اور اپنے ان سب جھوٹے معبودوں کو بھی ملا لو اور تم سے جو ہو سکے مجھے نقصان پہنچا دو۔ مجھے کوئی مہلت نہ لینے دو۔ نہ مجھ پر کوئی ترس کھاؤ۔ جو نقصان تمہارے بس میں ہو مجھے پہنچانے میں کمی نہ کرو۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ٥
ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھے کوئی آفت پہنچادی ہے۔ اس نے کہا میں تو اللہ کو
گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔

مشرکین کا اپنے معبودوں کی طرف مصیبت پہنچانے کی نسبت کرنے کا بیان

"اِنْ" مَا "نَقُوْلُ" فِیْ شَاْنِكَ "اِلَّا اعْتَرَاكَ" اَصَابَكَ "بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْءٍ" فَخَبَلَكَ لِسَبِّكَ اِیَّاهَا فَاَنْتَ

تَھْذِیْ "قَالَ اِنِّیْ اُشْھِدُ اللّٰہَ" عَلَیَّ "وَاشْھَدُوْا اَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ" تُشْرِکُوْنَہٗ بِہٖ،

ہم آپ کے بارے میں سوا اس کے کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھے کوئی آفت پہنچا دی ہے۔یعنی ہمارے معبودوں میں سے کسی کے پیچھے پڑ گیا جس کی وجہ سے اس نے تمہیں اس طرح کا بنا دیا ہے۔آپ نے کہا میں تو اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔یعنی جو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔

اللہ پر بھروسہ رکھنے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا

میرا توکل ذات رب پر ہے وہ میرا اور تمہارا سب کا مالک ہے ناممکن کہ اس کی منشاء بغیر میرا بگاڑ کوئی بھی کر سکے۔دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضے میں اور اس کی ملکیت میں ہیں۔کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اس کی باشاہی سے الگ ہو۔وہ ظالم نہیں جو تمہارے منصوبے پورے ہونے دے وہ صحیح راستے پر ہے۔بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں،مومن پر وہ اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جو مہربانی ماں باپ کو اولاد پر ہوتی ہے وہ کریم ہے اس کے کرم کی کوئی حد نہیں۔اسی وجہ سے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں۔حضرت ہود علیہ السلام کے اس فرمان پر دوبارہ غور کیجئے کہ آپ نے عادیوں کے لیے اپنے اس قول میں توحید ربانی کی بہت سے دلیلیں بیان کر دیں۔بتادیا کہ جب اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا جب اس کے سوا کسی چیز پر کسی کا قبضہ نہیں تو پھر وہی ایک مستحق عبادت ٹھہرا۔اور جن کی عبادت تم اس کے سوا کر رہے ہو وہ سب باطل ٹھہرے۔اللہ ان سے پاک ہے ملک تصرف قبضہ اختیار اسی کا ہے سب اسی کی ماتحتی میں ہیں۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

مِنْ دُوْنِہٖ فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ٥
اس کے سوا۔سو تم سب میرے خلاف تدبیر کرلو،پھر مجھے مہلت نہ دو۔

جھوٹے معبودوں سمیت حق کی طاقت کا مقابلہ کرنے کے چیلنج کا بیان

"مِنْ دُوْنِہٖ فَکِیْدُوْنِیْ" احْتَالُوْا فِیْ ھَلَاکِیْ "جَمِیْعًا" اَنْتُمْ وَاَوْثَانُکُمْ "ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِیْ" تُمْھِلُوْنِ،

اس کے سوا،مجھے شکست دینے کی تدبیر کرلو،لہٰذا تم اور تمہارے سارے بت میرے خلاف تدبیر کرلیں،پھر مجھے مہلت نہ دو مجھے تمہاری اور تمہارے معبودوں کی اور تمہاری مکاریوں کی کچھ پروا نہیں اور مجھے تمہاری شوکت وقوت سے کچھ اندیشہ نہیں، جن کو تم معبود کہتے ہو وہ جماد وبیجان ہیں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر،ان کی کیا حقیقت کہ وہ مجھے دیوانہ کر سکتے۔یہ حضرت ہود علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ آپ نے ایک زبردست جبار،صاحب قوت وشوکت قوم سے جو آپ کے خون کی پیاسی اور جان کی دشمن تھی اس طرح کے کلمات فرمائے اور اصلاً خوف نہ کیا اور وہ قوم باوجود انتہائی عداوت اور دشمنی کے آپ کو ضرر پہنچانے سے عاجز رہی۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِھَا ؕ
اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ٥

بیشک میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، کوئی چلنے والا ایسا نہیں مگر وہ اسے اس کی چوٹی سے پکڑے
ہوئے ہے (یعنی مکمل طور پر اس کے قبضہ قدرت میں ہے)۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلنے سے ملتا) ہے۔

کسی بھی مخلوق میں نفع ونقصان کی طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے

"اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ " زَائِدَة "دَابَّة" نَسَمَة تَدِبّ عَلَی الْاَرْض "اِلَّا هُوَ اٰخِذ بِنَاصِيَتِهَا " اَیْ مَالِکهَا وَقَاهِرهَا فَلَا نَفْع وَلَا ضَرَر اِلَّا بِاِذْنِهِ وَخَصَّ النَّاصِيَة بِالذِّکْرِ لِاَنَّ مَنْ اَخَذَ بِنَاصِيَتِهِ يَکُوْن فِیْ غَايَة الذُّلّ "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاط مُسْتَقِيْم" اَیْ طَرِيْق الْحَقّ وَالْعَدْل،

بیشک میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، یہاں پر مِن زائدہ ہے۔ کوئی چلنے والا جاندار ایسا نہیں مگر وہ اسے اس کی چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔ یعنی مکمل طور پر اس کے قبضہ قدرت میں ہے لہٰذا اس کی طاقت کے بغیر کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں اور یہاں پیشانی کو پکڑنے کے ذکر کو خاص طور پر اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ حقارت وذلت کی انتہاء پیشانی سے پکڑنے میں ہے۔ بیشک میرا رب حق وعدل میں سیدھی راہ پر چلنے سے ملتا ہے۔

مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غالب آجانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن سفر کے دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ لڑکے! اللہ تعالیٰ کے تمام احکام امر ونہی کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا خیال رکھے گا اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے ان چیزوں پر عمل کرو گے جن پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں سے اجتناب کرو گے جن سے اجتناب کرنے کا اس نے حکم دیا۔ نیز تم ہر وقت اور ہر معاملہ میں اسی کی رضا وخوشنودی کے طالب رہو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی تمہارا خیال رکھے بایں طور کہ تمہیں دنیا میں بھی ہر طرح کی آفات اور مصیبتوں سے بچائے گا اور آخرت میں بھی ہر عذاب وسختی سے محفوظ رکھے گا، جب تم سوال کا ارادہ کرو تو صرف اللہ تعالیٰ کے آگے دس سوال دراز کرو، جب تم (یعنی اگر بفرض محال یہ ساری مخلوق اس بات پر اتفاق کرلے کہ وہ سب مل کر تمہیں کسی دنیاوی یا اخروی معاملہ میں کوئی فائدہ پہنچادے تو ہرگز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکے گی، علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے تمام لوگ مل کر بھی تمہیں کسی طرح کا کوئی نقصان وضرر پہنچانا چاہیں تو وہ ہرگز تمہیں کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچا سکیں گے علاوہ صرف اس چیز کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا کر رکھ دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔ (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1230)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْکُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَيْرَکُمْ ؕ
وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ ۝

پھر بھی اگر تم روگردانی کرو تو میں نے واقعۃً وہ تمہیں پہنچا دیئے ہیں جنہیں لے کر میں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں، اور میرا رب
تمہاری جگہ کسی اور قوم کو قائم مقام بنا دے گا، اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

شرک کے ذریعے اسلام کے نہ مٹ سکنے کا بیان

"فَاِنْ تَوَلَّوْا" فِيهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّاءَيْنِ اَىْ تُعْرِضُوا "فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا" بِاِشْرَاكِكُمْ "اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ" رَقِيْبٌ،

پھر بھی اگر تم روگردانی کرو، یہاں پر تولوا میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ تو میں نے واقعۃً وہ تمام احکام تمہیں پہنچا دیئے ہیں جنہیں لے کر میں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں، اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو قائم مقام بنا دے گا، اور تم اپنے اس شرک کے ذریعے اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ یعنی حفاظت کرنے والا ہے۔

ہود علیہ السلام کا قوم کو جواب

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنا کام تو میں پورا کر چکا، اللہ کی رسالت تمہیں پہنچا چکا، اب اگر تم منہ موڑ لو اور نہ مانو تو تمہارا وبال تم پر ہی ہے نہ کہ مجھ پر۔ اللہ کو قدرت ہے کہ وہ تمہاری جگہ انہیں دے جو اس کی توحید کو مانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں۔ اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں، تمہارا کفر اسے کوئی نقصان نہیں دینے کا بلکہ اس کا وبال تم پر ہی ہے۔ میرا رب بندوں پر شاہد ہے۔ ان کے اقوال افعال اس کی نگاہ میں ہیں۔ آخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ خیر و برکت سے خالی، عذاب و سزا سے بھری ہوئی آندھیاں چلنے لگیں۔ اس وقت حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی جماعت مسلمین اللہ کے فضل و کرم اور اس کے لطف و رحم سے نجات پا گئے۔ سزاؤں سے بچ گئے، سخت عذاب ان پر سے ہٹا لئے گئے۔ یہ تھے عادی جنہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اللہ کے پیغمبروں کی مان کر نہ دی۔ یہ یاد رہے کہ ایک نبی کا نافرمان کل نبیوں کا نافرمان ہے۔ یہ انہیں کی مانتے رہے جو ان میں ضدی اور سرکش تھے۔ اللہ کی اور اس کے مومن بندوں کی لعنت ان پر برس پڑی۔ اس دنیا میں بھی ان کا ذکر لعنت سے ہونے لگا اور قیامت کے دن بھی میدان محشر میں سب کے سامنے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ اور پکار دیا جائے گا کہ عادی اللہ کے منکر ہیں۔ حضرت سدی کا قول ہے کہ ان کے بعد جتنے نبی آئے سب ان پر لعنت ہی کرتے آئے ان کی زبانی اللہ کی لعنتیں بھی ان پر ہوتی رہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝
اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ہمراہ ایمان لائے تھے، اپنی طرف سے عظیم رحمت کے ساتھ
نجات دی اور انھیں ایک بہت سخت عذاب سے بچا لیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور اہل ایمان کی نجات کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا" عَذَابُنَا "نَجَّيْنَا هُوْدًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ" هِدَايَةٍ "مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ

غَلِيظ" شَدِيْد،

اور جب ہمارا حکم یعنی عذاب آیا تو ہم نے ہود علیہ السلام کو اوران لوگوں کو جو اس کے ہمراہ ایمان لائے تھے، اپنی طرف سے عظیم رحمت یعنی ہدایت کے ساتھ نجات دی اور انھیں ایک بہت سخت عذاب سے بچالیا۔

سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورہ "اعراف" میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مکان گر گئے چھتیں اڑ گئیں، درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی ان کو نجات دے دی۔

وَ تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۝
اور یہ عاد تھے جنھوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر زبردست جابر،
سخت عناد والے کے حکم کی پیروی کی۔

قوم عاد کا حق کے دشمن سرداروں کی اتباع کرنے کا بیان

"وَتِلْكَ عَاد" اِشَارَة اِلٰى اٰثَارِهِمْ اَیْ فَسِيحُوا فِي الْاَرْض وَانْظُرُوْا اِلَيْهَا ثُمَّ وَصَفَ اَحْوَالَهُمْ فَقَالَ "جَحَدُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُله" جُمِعَ لِاَنَّ مَنْ عَصَى رَسُوْلًا عَصَى جَمِيْعَ الرُّسُل لِاشْتِرَاكِهِمْ فِيْ اَصْلِ مَا جَائُوا بِهٖ وَهُوَ التَّوْحِيْد "وَاتَّبَعُوا" اَیْ السَّفَلَة "اَمْر كُلّ جَبَّار عَنِيد" مُعَانِد لِلْحَقِّ مِنْ رُؤَسَائِهِمْ،

یہاں پر ان کے نشانات کو دیکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تم زمین میں سیر کرو اور ان لوگوں کے حالات میں غور وفکر کرو پس فرمایا کہ اور یہ قوم عاد تھی جنھوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، یہاں رسل یہ رسول کی جمع ہے کیونکہ اپنے مشترکہ کردار کے ذریعے بہت سارے رسولان گرامی کی تکذیب کی۔ یعنی جو رسول مکرم علیہ السلام بھی ان کے پاس توحید کا پیغام لے کر آیا۔ اور ہر زبردست جابر، سخت عناد والے حاکم کی پیروی کی۔ یعنی ان کے وہ حکمران جو حق کے دشمن تھے۔

جو قد آور، مضبوط اور شاہ زور قوم اس طمطراق سے گزر بسر کر رہی تھی اور اس کا ڈنکا بجتا تھا ان کے تباہ شدہ کھنڈرات کو دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرو کہ اللہ کی آیات سے انکار کے نتیجہ میں انھیں یہ سزا ملی تھی اور رسول تو ان کی طرف صرف ہود آئے تھے لیکن اللہ نے رسولوں کا لفظ غالباً اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ تمام رسولوں کی دعوت ایک ہی انداز کی رہی ہے جو توحید اور اصول دین پر مشتمل ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک رسول کی تکذیب حقیقتاً سب رسولوں کی تکذیب کے مترادف ہوتی ہے۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۠
اوران کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی۔سن لو! بے شک عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔
سن لو! عاد کے لیے ہلاکت ہے، جو ہود کی قوم تھی۔

اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں پر دنیا میں بھی لعنت ہونے کا بیان

"وَاُتْبِعُوا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً" مِنَ النَّاس "وَیَوْمَ الْقِیَامَة " لَعْنَة عَلٰی رُئُوس الْخَلَائِق "اَلَا اِنَّ عَادًا كَفَرُوا" جَحَدُوا "رَبَّهمْ اَلَا بُعْدًا" مِنْ رَحْمَة اللّٰه، لِعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ .

اوران لوگوں کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی ساری مخلوق کے سامنے ان پر لعنت کی جائے گی۔ سن لو! بے شک عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔ یعنی انکار کیا۔ سن لو! عاد کے لیے ہلاکت ہے، یعنی رحمت دوری ہو، جو ہود کی قوم تھی۔

قیامت کے دن مشرکین کا بتوں کے ساتھ آنے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں) کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں دیکھو گے۔" (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار الٰہی کے ثبوت کو واضح کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا کہ) کیا تم لوگ دوپہر کے وقت جب کہ آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہ ہو، سورج کو دیکھنے میں کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو؟" لوگوں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا" تو پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ وتکلیف محسوس نہیں کرو گے، ہاں جیسا کہ تم ان دونوں (یعنی سورج وچاند) میں سے کسی کو دیکھنے میں رکاوٹ وتکلیف محسوس کرتے ہو۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب قیامت کا دن برپا ہوگا (اور تمام مخلوق میدان محشر میں جمع ہوگی، تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جو طبقہ (دنیا میں) جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے رہے، چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں اور انصاب کو پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں بچے گا اور سب کے سب دوزخ میں جاگریں گے۔ کیونکہ انصاب اور بت کہ جن کی پوجا ہوتی تھی، دوزخ میں پھینکے جائیں گے، لہٰذا ان کے ساتھ ان کی پوجا کرنے والے بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے) یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے سوا کوئی موجود نہیں رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ خواہ نیک ہوں یا بد، تو تمام جہانوں کا پروردگار ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا کہ تم کس کے منتظر ہو؟ ہر طبقہ اس چیز کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہے جس کی وہ عبادت کرتا تھا (تو تم پھر یہاں کیوں کھڑے ہو، تم بھی کیوں نہیں چلے جاتے وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں ان لوگوں سے کہ جو دنیا میں غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اب اپنے معبودوں کے پیچھے پیچھے دوزخ میں چلے جائیں گے) پوری طرح جدائی اختیار کر رکھی تھی حالانکہ ہم (اپنی دنیاوی ضرورتوں میں) ان لوگوں (کی مدد واعانت) کے ضرورت مند تھے لیکن ہم نے کبھی

ان کی صحبت و ہمنشینی کو گوارا نہیں کیا (اور نہ کبھی ان کی اتباع کی بلکہ ہمیشہ ان کے مدمقابل رہے اور صرف تیری رضا کی خاطر ان سے جنگ وجدال کرتے رہے، پس اب جب کہ ہم ان کے کسی طرح سے ضرورت مند بھی نہیں ہیں اور ان سب کی منزل بھی دوزخ ہے، تو ہم ان کے ساتھ کیسے چلے جاتے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 151)

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝
اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو (بھیجا)۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے
اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور اس میں تمہیں آباد فرمایا سو تم اس سے معافی مانگو
پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم ثمود کی طرف بعثت کا بیان

"و" اَرْسَلْنَا "اِلٰى ثَمُوْد اَخَاهُمْ" مِنْ الْقَبِيلَة "صَالِحًا قَالَ يَا قَوْم اُعْبُدُوا اللّٰه" وَحِّدُوْهُ "مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰـه غَيْره هُوَ اَنْشَاَكُمْ" اِبْتَدَاَ خَلْقكُمْ "مِنْ الْاَرْض" بِخَلْقِ اَبِيكُمْ اٰدَم مِنْهَا "وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا" جَعَلَكُمْ عُمَّارًا تَسْكُنُوْنَ بِهَا "فَاسْتَغْفِرُوْهُ" مِنْ الشِّرْك "ثُمَّ تُوْبُوا" اِرْجِعُوا "اِلَيْهِ" بِالطَّاعَةِ . "اِنَّ رَبِّيْ قَرِيب" مِنْ خَلْقه بِعِلْمِهِ "مُجِيْب" لِمَنْ سَاَلَهُ،

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے قبیلہ سے صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے کہا، اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، جس نے تمہیں ابتدائی طور پر خلق کیا۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا یعنی اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی تخلیق کی۔ اور اس میں تمہیں آباد فرمایا یعنی تمہارے لئے عمارتیں بنوائیں تا کہ تم ان میں سکون کرو۔ لہٰذا تم شرک سے بچنے کے لئے اس سے معافی مانگو پھر اس کے حضور اطاعت کرتے ہوئے توبہ کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے یعنی اپنے علم کے ساتھ اپنی مخلوق کے قریب ہے۔ جو اس سے دعا کرے تو وہ دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام ثمودیوں کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قوم کو آپ نے اللہ کی عبادت کرنے کی اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے باز آنے کی نصیحت کی۔ بتلایا کہ انسان کی ابتدائی پیدائش اللہ تعالیٰ نے مٹی سے شروع کی ہے۔ تم سب کے باپ باوا آدم علیہ السلام اسی مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی نے اپنے فضل سے تمہیں زمین پر بسایا ہے کہ تم اس میں گزران کر رہے ہو۔ تمہیں اللہ سے استغفار کرنا چاہیے۔ اس کی طرف جھکے رہنا چاہیے۔ وہ بہت ہی قریب ہے اور قبول فرمانے والا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۝

انہوں نے کہا اے صالح! یقیناً تو ہم میں وہ تھا جس پر اس سے پہلے امیدیں رکھی گئی تھیں، کیا تو ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں اور بے شک ہم اس بات کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے، یقیناً ایک بے چین رکھنے والے شک میں ہیں۔

باطل معبودوں کی پوجا سے روکنے کے سبب توحید میں شک کرنے والوں کا بیان

"قَالُوْا يَا صَالِحِ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا" نَرْجُو اَنْ تَكُوْنَ سَيِّدًا "قَبْلَ هٰذَا" الَّذِيْ صَدَرَ مِنْكَ "اَتَنْهَانَا اَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا" مِنَ الْاَوْثَانِ "وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ" مِنَ التَّوْحِيْدِ "مُرِيْبٍ" مُوْقِعٍ فِي الرَّيْبِ،

انہوں نے کہا اے صالح! یقیناً تو ہم میں وہ تھا کہ تو ہمارا سردار ہوگا، جبکہ اس سے پہلے امیدیں رکھی گئی تھیں، کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں یعنی بتوں کی عبادت سے منع کرتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں اور بے شک ہم اس بات کے بارے میں جس توحید کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے، یقیناً ایک بے چین رکھنے والے شک میں ہیں

باپ دادا کے معبود ہی ہم کو پیارے ہیں

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا بیان ہو رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ تو یہ بات زبان سے نکال۔ اس سے پہلے تو ہماری بہت کچھ اُمیدیں تجھ سے وابستہ تھیں، لیکن تو نے ان سب پر پانی پھر دیا۔ ہمیں پرانی روش اور باپ دادا کے طریقے اور پوجا پاٹ سے ہٹانے لگا۔ ہمیں تو تیری اس نئی رہبری میں بہت بڑا شک شبہ ہے۔ آپ نے فرمایا سنو میں اعلیٰ دلیل پر ہوں۔ میرے پاس رب کی نشانی ہے، مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے میرے پاس اللہ کی رسالت کی رحمت ہے۔ اب اگر میں تمہیں اس کی دعوت نہ دوں اور اللہ کی نافرمانی کروں اور اس کی عبادت کی طرف تمہیں نہ بلاؤں تو کون ہے جو میری مدد کر سکے اور اللہ کے عذاب سے مجھے بچا سکے؟ میرا ایمان ہے کہ مخلوق میرے کام نہیں آ سکتی تم میرے لیے محض بے سود ہو۔ سوائے میرے نقصان کے تم مجھے اور کیا دے سکتے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ۝

صالح (علیہ السلام) نے کہا، اے میری قوم! ذرا سوچو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور مجھے اس کی جانب سے رحمت نصیب ہوئی ہے، اگر میں اس کی نافرمانی کر بیٹھوں تو کون شخص ہے جو اللہ سے بچانے میں

میری مدد کرسکتا ہے؟ پس سوائے نقصان پہنچانے کے تم میرا کچھ نہیں بڑھا سکتے۔

اللہ کے عذاب سے بچانے والا کون ہے

"قَالَ يَا قَوْمِ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ" بیان "مِنْ رَّبِّيْ وَاٰتَانِيْ مِنْهُ رَحْمَةً" نبوۃ "فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ" يَمْنَعُنِيْ "مِنَ اللّٰهِ" اَىْ عَذَابه "اِنْ عَصَيْته فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ" بِاَمْرِكُمْ لِيْ بِذٰلِكَ "غَيْرَ تَخْسِيْرٍ" تَضْلِيْل،

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم! ذرا سوچو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہوں اور مجھے اس کی جانب سے رحمت یعنی نبوت نصیب ہوئی ہے، (اس کے بعد اس کے احکام تم تک نہ پہنچا کر) اگر میں اس کی نافرمانی کر بیٹھوں تو کون شخص ہے جو اللہ کے عذاب سے بچانے میں میری مدد کرسکتا ہے؟ پس اور تمہارا یہ معاملہ میرے لئے سوائے نقصان پہنچانے کے کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ نقصان دینے والا ہے۔

نبوت و رسالت ایک عظیم الشان اور جلیل القدر رحمت خداوندی

سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ان لوگوں کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ذرا سوچو اور غور کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت سے بھی نوازا ہو۔ یعنی اگر میں نور فطرت پر بھی قائم ہوں اور اس کے بعد بھی اللہ نے مجھے اپنی طرف ایک اور خاص رحمت سے بھی نوازا ہو یعنی نبوت سے۔ سو رحمت سے یہاں پر مراد نبوت و رسالت ہے جو اللہ پاک کی سب سے بڑی رحمت ہے۔ جس سے وہ اپنے خاص چنے ہوئے بندوں کو محض اپنے کرم و احسان اور اپنی عنایت و مہربانی سے نوازتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو نبوت سے سرفرازی محض حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور عطاء و بخشش سے ہوتی ہے نہ کہ کسی انسانی کسب و عمل سے۔

اور اگر "رحمۃ" میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی "ایک عظیم الشان رحمت" اور ظاہر ہے کہ نبوت اور رسالت سے بڑھ کر عظیم الشان رحمت اور کونسی ہوسکتی ہے جو کہ سعادت دارین کی سرفرازی کی راہنمائی کرتی ہے۔ بہرکیف حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں جو دعوت تم لوگوں کو دے رہا ہوں یہ میری فطرت کی آواز و پکار بھی ہے اور نور نبوت و رسالت کا تقاضا بھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں نوروں سے نوازا ہے اور مجھے نورٌ علیٰ نور کا مصداق بنایا ہے۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝
اور اے میری قوم! یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیے نشانی تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے بری طرح
ہاتھ نہ لگانا کہ تم کو نزدیک عذاب پہنچے گا۔

اللہ کی نشانی اونٹنی کو قتل کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَيَا قَوْمِ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً" حَال عَامِله الْإِشَارَة "فَذَرُوهَا تَأْكُل فِي أَرْض اللّٰه وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ" عَقْر "فَيَأْخُذكُمْ عَذَاب قَرِيب" إِنْ عَقَرْتُمُوهَا،

اور اے میری قوم! یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیے نشانی ہے۔ یہاں پر آیہ حال ہے اس کا عامل اسم اشارہ ہے۔ تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے بری طرح ہاتھ نہ لگانا یعنی ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کرنا اور اگر تم نے اس کو ہلاک کر دیا تو پھر تمہیں پکڑنے والا عذاب قریب ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور اونٹنی والے معجزے کا بیان

حضرت صالح فرماتے ہیں لوگوں تمہارے پاس دلیل الٰہی آ چکی جس میں میری سچائی ظاہر ہے۔ ان لوگوں نے حضرت صالح سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ ایک سنگلاخ چٹان جوان کی بستی کے ایک کنارے پڑی تھی جس کا نام کاتبہ تھا اس سے آپ ایک اونٹنی نکلائیں جو گابھن ہو (دودھ دینے والی اونٹنی جو دس ماہ کی حاملہ ہو) حضرت صالح نے ان سے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تم ایمان قبول کر لو گے؟ انہوں نے پختہ وعدے کئے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھی دعا کی ان سب کے دیکھتے ہی چٹان نے ہلنا شروع کیا اور چیخ گئی اس کے بیچ سے ایک اونٹنی نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی ان کے سردار جندع بن عمرو نے تو اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی۔ باقی جو اور سردار تھے وہ ایمان لانے کے لئے تیار تھے مگر ذواب بن عمرو بن لبید نے اور حباب نے جو بتوں کا مجاور تھا اور رباب بن ہمر بن جلمس وغیرہ نے انہیں روک دیا۔ حضرت جندع کا بھتیجا شہاب نامی تھا یہ ثمودیوں کا بڑا عالم فاضل اور شریف شخص تھا اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن انہی بدبختوں نے اسے بھی روکا جس پر ایک مومن ثمودی مہوش بن غنمہ نے کہا کہ آل عمرو نے شہاب کو دین حق کی دعوت دی قریب تھا کہ وہ مشرف باسلام ہو جائے اور اگر ہو جاتا تو اس کی عزت سیوا ہو جاتی مگر بدبختوں نے اسے روک دیا اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر لگا دیا۔ اس حاملہ اونٹنی کو اس وقت بچہ ہوا ایک مدت تک دونوں ان میں رہے۔ ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی۔ اس دن اس قدر دودھ دیتی کہ یہ لوگ اپنے سب برتن بھر لیتے

ایک روایت میں ہے کہ ہجر کی بستی کے پاس آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معجزے نہ طلب کرو دیکھو قوم صالح نے معجزہ طلب کیا جو ظاہر ہوا یعنی اونٹنی جو اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے جاتی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں ایک دن اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن یہ سب اس کا دودھ پیتے تھے اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر ان پر ایک چیخ آئی اور یہ جتنے بھی تھے سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔ بجز اس ایک شخص کے جو حرم شریف میں تھا لوگوں نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ فرمایا ابو غال یہ بھی جب حد حرم سے باہر آیا تو اسے بھی وہی عذاب ہوا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں تو نہیں لیکن مسلم شریف۔ کی شرط پر ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ثمودی قبیلے کی طرف سے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ تمام نبیوں کی طرح آپ نے بھی اپنی امت کو سب سے پہلے توحید الٰہی سکھائی کہ فقط اس کی عبادت کریں اس کے سوا اور کوئی

لائق عبادت نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے جتنے بھی رسول آئے سب کی طرف یہی وحی کی جاتی رہی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، صرف میری ہی عبادت کرو اور ارشاد ہے ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچو۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ۝
توانہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، تو اس نے کہا اپنے گھروں میں تین دن خوب فائدہ اٹھالو، یہ وعدہ ہے
جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔

معجزاتی اونٹنی کو قتل کرنے کے سبب تین دن بعد عذاب آنے کا بیان

"فَعَقَرُوهَا" عَقَرَهَا قِدَار بِاَمْرِهِمْ "فَقَالَ" صَالِح "تَمَتَّعُوا" عِیشُوا "فِیْ دَارِكُمْ ثَلَاثَة اَیَّام" ثُمَّ تَهْلَكُوْنَ "ذٰلِكَ وَعْد غَیْر مَكْذُوب" فِیْهِ،

توانہوں نے یعنی قدار نامی شخص نے قوم کے حکم سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، تو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا اپنے گھروں میں تین دن خوب فائدہ اٹھالو، اس کے بعد تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے یہ وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔

قوم ثمود کی تباہی کا بیان

امام ابن جریر وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ عنیزہ بنت غنم بن مجلز جو ایک بڑھیا کافرہ تھی اور حضرت صالح سے بڑی دشمنی رکھتی تھی اس کی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں اور تھی بھی یہ عورت مالدار۔ اس کے خاوند کا نام ذواب بن عمرو تھا جو ثمودیوں کا ایک سردار تھا یہ بھی کافر تھا۔ اسی طرح ایک اور عورت تھی جس کا نام صدقہ بنت محیا بن زہیر بن مختار تھا۔ یہ بھی حسن کے علاوہ مال اور حسب نسب میں بڑھی ہوئی تھی اس کے خاوند مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔ اس سرکش عورت نے ان کو چھوڑ دیا۔ اب یہ دونوں عورتیں لوگوں کو اکساتی تھیں کہ کوئی آمادہ ہو جائے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر دے، صدقہ نامی عورت نے ایک شخص حباب کو بلایا اور اس سے کہا کہ میں تیرے گھر آ جاؤں گی اگر تو اس اونٹنی کو قتل کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا، اس پر اس نے مصدع بن مہرج بن محیا کو بلایا جو اس کے چچا کا لڑکا تھا اور اسے بھی اسی بات پر آمادہ کیا۔ یہ خبیث اس کے حسن و جمال کا مفتوں تھا اس برائی پر آمادہ ہو گیا۔ ادھر عنیزہ نے قدار بن سالف بن جذع کو بلا کر اس سے کہا کہ میری ان خوبصورت نوجوان لڑکیوں میں سے جسے تو پسند کرے اسے میں تجھے دے دوں گی اسی شرط پر کہ تو اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈال۔ یہ خبیث بھی آمادہ ہو گیا یہ تھا بھی زنا کاری کا بچہ، سالف کی اولاد میں نہ تھا، جیسان نامی ایک شخص سے اس کی بدکار ماں نے زنا کاری کی تھی اسی سے یہ پیدا ہوا تھا اب دونوں چلے اور اہل ثمود اور دوسرے شریروں کو بھی اس پر آمادہ کیا چنانچہ سات شخص اور بھی اس پر آمادہ ہو گئے اور یہ نو فسادی شخص اس بدارادے پر تل گئے۔

اس شہر میں نو شخص تھے جن میں اصلاح کا مادہ ہی نہ تھا سراسر فسادی ہی تھے۔ چونکہ یہ لوگ قوم کے سردار تھے ان کے کہنے سننے

سے تمام کفار بھی اس پر راضی ہو گئے اور اونٹنی کے واپس آنے کا راستے میں یہ دونوں شریر اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ گئے جب اونٹنی نکلی تو پہلے مصدع نے اسے تیر مارا جو اس کی ران کی ہڈی میں پیوست ہو گیا اسی وقت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو کھلے منہ قدار کے پاس بھیجا اس نے کہا قدار کیا دیکھتے ہو اٹھو اور اس کا کام تمام کر دو۔ یہ اس کا منہ دیکھتے ہی دوڑا اور اس کے دونوں پچھلے پاؤں کاٹ دیئے اونٹنی چکرا کر گری اور ایک آواز نکالی جس سے اس کا بچہ ہوشیار ہو گیا اور اس راستے کو چھوڑ کر پہاڑی پر چلا گیا یہاں قدار نے اونٹنی کا گلا کاٹ دیا اور وہ مر گئی اس کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور تین مرتبہ بلبلایا۔ حسن بصری فرماتے ہیں اس نے اللہ کے سامنے اپنی ماں کے قتل کی فریاد کی پھر جس چٹان سے نکلا تھا اسی میں سما گیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ گھبرائے ہوئے موقعہ پر پہنچے دیکھا کہ اونٹنی بیجان پڑی ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور فرمایا بس اب تین دن میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے، ہوا بھی یہی۔ بدھ کے دن ان لوگوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اور چونکہ کوئی عذاب نہ آیا اس لئے اترا گئے اور ان مفسدوں نے ارادہ کر لیا کہ آج شام کو صالح کو بھی مار ڈالو اگر واقعی ہم ہلاک ہونے والے ہی ہیں تو پھر یہ کیوں بچا رہے؟ اور اگر ہم پر عذاب نہیں آتا تو بھی آؤ روز روز کے اس جھنجھٹ سے پاک ہو جائیں۔

چنانچہ قرآن کریم کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے مل کر مشورہ کیا اور پھر قسمیں کھا کر اقرار کیا کہ رات کو صالح کے گھر پر چھاپہ مارو اور اسے اور اس کے گھرانے کو تہ تیغ کر دو اور صاف انکار کر دو کہ ہمیں کیا خبر کہ کس نے مارا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے ان کے اس مکر کے مقابل ہم نے بھی مکر کیا اور یہ ہمارے مکر سے بالکل بے خبر رہے اب انجام دیکھ لو کہ کیا ہوا؟ رات کو یہ اپنی بدنیتی سے حضرت صالح کے گھر کی طرف چلے آپ کا گھر پہاڑی کی بلندی پر تھا ابھی یہ اوپر چڑھ ہی رہے تھے جو اوپر سے ایک چٹان پتھر کی لڑھکتی ہوئی آئی اور سب کو ہی پیس ڈالا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○
پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی طرف سے عظیم رحمت کے ساتھ
بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تیرا رب ہی بے حد قوت والا، سب پر غالب ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا" بِاِهْلَاكِهِمْ "نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ" وَهُمْ اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ "بِرَحْمَةٍ مِّنَّا" نَجَّيْنَاهُمْ "وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ" بِكَسْرِ الْمِيمِ اِعْرَابًا وَفَتْحِهَا بِنَاءً لِاِضَافَتِهِ اِلٰى مَبْنِيٍّ وَهُوَ الْاَكْثَرُ "اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ" الْغَالِبُ،

پھر جب ہمارا حکم یعنی ان کی ہلاکت کا حکم آ گیا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اور وہ چار ہزار تھے۔ اپنی طرف سے عظیم رحمت کے ساتھ بچالیا یعنی ان کو نجات دی، اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچایا۔ یہاں پر یومئذ کی میم کا اعراب معرب ہونے کی صورت میں کسرہ جبکہ مبنی ہونے کی صورت میں فتحہ جبکہ اس کی اضافت مبنی کی جانب ہو اور یہی اکثر علمائے نحات کا قول ہے۔ بے شک تیرا رب ہی بے حد قوت والا، سب پر غالب ہے۔

وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ٥
اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں چیخ نے پکڑ لیا، تو انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔

اپنے گھروں میں مردہ اوندھے پڑے رہے

"وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَة فَاَصْبَحُوا فِيْ دِيَارِهِمْ جَاثِمِيْنَ" بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَب مَيِّتِيْنَ،

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں چیخ نے پکڑ لیا، تو انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔ یعنی وہ اپنے گھروں میں اوندھے مردہ پڑے ہوئے تھے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ تین روز جمعرات، جمعہ اور ہفتہ تھے، اتوار کے روز ان پر عذاب نازل ہوا (آیت) وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ ،یعنی ان ظالموں کو پکڑ لیا ایک سخت آواز نے، یہ سخت آواز حضرت جبریل علیہ السلام کی تھی جس میں ساری دنیا کی بجلیوں کی کڑک سے زیادہ ہیبت ناک آواز تھی جس کو انسانی قلب و دماغ برداشت نہیں کر سکا، ہیبت سے سب کے دل پھٹ گئے اور سب کے سب ہلاک ہوئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ٥
گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے، یاد رکھو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا تھا۔ خبردار! (قوم) ثمود کے لئے دوری ہے۔

گھروں کے مالک گویا گھروں میں جیسے رہتے ہی نہ تھے

"كَاَنْ" مُخَفَّفَة وَاسْمهَا مَحْذُوْف اَىْ كَاَنَّهُمْ "لَمْ يَغْنَوْا" يُقِيْمُوْا "فِيْهَا" فِيْ دَارِهِمْ "اَلَا اِنَّ ثَمُوْدَ كَفَرُوْا رَبّهمْ اَلَا بُعْدًا لِثَمُوْدِ" بِالصَّرْفِ وَتَرْكه عَلٰى مَعْنَى الْحَيّ وَالْقَبِيلَة،

یہاں پر کان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی اصل میں کانھم ہے۔ گویا وہ کبھی اپنے ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے، یاد رکھو! قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا تھا۔ خبردار! قوم ثمود کے لئے رحمت سے دوری ہے۔ لفظ ثمود منصرف ہے جب اس کا معنی حی سے لیا جائے اور غیر منصرف ہے جبکہ اس کا معنی قبیلہ ہو۔

جمعرات کو شروع ہر کر ہفتہ تک عذاب کا وعدہ پورا ہو گیا

ان کا تو یہ حشر ہوا ادھر جمعرات کے دن تمام ثمودیوں کے چہرے زرد پڑ گئے جمعہ کے دن ان کے چہرے آگ جیسے سرخ

ہو گئے اور ہفتے کے دن جو مہلت کا آخری دن تھا ان کے منہ سیاہ ہو گئے تین دن جب گذر گئے تو چوتھا دن اتوار صبح ہی صبح سورج کے روشن ہوتے ہی اوپر آسمان سے سخت کڑا کا ہوا جس کی ہولناک دہشت انگیز چنگھاڑ نے ان کے کلیجے پھاڑ دیئے ساتھ ہی نیچے سے زبردست زلزلہ آیا ایک ہی ساعت میں ایک ساتھ ہی ان سب کا ڈھیر ہو گیا، مردوں سے مکانات، بازار، گلی، کوچے بھر گئے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے اول سے آخر تک سارے کے سارے تباہ ہو گئے شان رب دیکھئے کہ اس واقعہ کی خبر دنیا کو پہنچانے کے لئے ایک کافرہ عورت بچادی گئی، یہ بھی بڑی خبیثہ تھی حضرت صالح علیہ السلام کی عداوت کی آگ سے بھری ہوئی تھی اسکی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں لیکن ادھر عذاب آیا ادھر اس کے پاؤں کھل گئے اپنی بستی سے سرپٹ بھاگی اور تیز دوڑتی ہوئی دوسرے شہر میں پہنچی اور وہاں جا کر ان سب کے سامنے سارا واقعہ بیان کر ہی چکنے کے بعد ان سے پانی مانگا۔ ابھی پوری پیاس بھی نہ بجھی تھی کہ عذاب الٰہی آ پڑا اور وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہاں ابو دغال نامی ایک شخص اور بچ گیا تھا یہ یہاں نہ تھا حرم کی پاک زمین میں تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد جب یہ اپنے کسی کام کی غرض سے حد حرم سے باہر آیا اسی وقت آسمان سے پتھر آیا اور اسے بھی جہنم واصل کیا ثمودیوں میں سے سوائے حضرت صالح اور انکے مومن صحابہ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ اعراف، بیروت)۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝
اور بیشک ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوشخبری لے کر آئے، انہوں نے سلام کہا،
ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کہا، پھر دیر نہ کی یہاں تک کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں کی میزبانی کے لئے کھانا لانے کا بیان

"وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاهِيْم بِالْبُشْرَى" بِإِسْحَاق وَيَعْقُوب بَعْده "قَالُوْا سَلَامًا" مَصْدَر "قَالَ سَلَام" عَلَيْكُمْ "فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذ" مَشْوِيّ،

اور بیشک ہمارے فرستادہ فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس اسحاق و یعقوب کی خوشخبری لے کر آئے، انہوں نے سلام کہا، لفظ سلام مصدر ہے ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً سلام کہا، پھر آپ علیہ السلام نے دیر نہ کی یہاں تک کہ ان کی میزبانی کے لئے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

ابراہیم علیہ السلام کی بشارت اولاد اور فرشتوں سے گفتگو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وہ فرشتے بطور مہمان بشکل انسان آتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کی خوشخبری اور حضرت ابراہیم کے ہاں فرزند ہونے کی بشارت لے کر اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ آ کر سلام کرتے ہیں۔ آپ ان کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔ اس لفظ کو پیش سے کہنے میں علم بیان کے مطابق ثبوت و دوام پایا جاتا ہے۔ سلام کے بعد ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے مہمان داری پیش کرتے ہیں۔ بچھڑے کا گوشت جسے گرم پتھروں پر سینک لیا گیا تھا، لاتے ہیں۔ جب دیکھا

کہ ان نو وارد مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے ہی نہیں، اس وقت ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے اور کچھ دل میں خوف کھانے لگے حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ہلاکت قوم لوط کے لیے جو فرشتے بھیجے گئے وہ بصورت نوجوان انسان زمین پر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پر اترے آپ نے انہیں دیکھ کر بڑی تکریم کی، جلدی جلدی اپنا بچھڑا لے کر اس کو گرم پتھوں پر سینک کر لا حاضر کیا اور خود بھی ان کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئے، آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ کھلانے پلانے کے کام کاج میں لگ گئیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔ وہ کھانے سے رکے اور کہنے لگے ابراہیم ہم جب تلک کسی کھانے کی قیمت نہ دے دیں کھایا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا ہاں قیمت دے دیجئے انہوں نے پوچھا کیا قیمت ہے، آپ نے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنا اور کھانا کھا کر الحمد اللہ کہنا یہی اس کی قیمت ہے۔ اس وقت حضرت جبرائیل نے حضرت میکائیل کی طرف دیکھا اور دل میں کہا کہ فی الواقع یہ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جو انہوں نے کھانا شروع نہ کیا تو آپ کے دل میں طرح طرح کے خیالات گذرنے لگے۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ
اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ ؕ
پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انھیں اجنبی سمجھا اور دل میں ان سے کچھ خوف محسوس کرنے لگے،
انہوں نے کہا، آپ مت ڈریئے، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

قوم لوط کی ہلاکت کے لئے فرشتوں کے آنے کا بیان

"فَلَمَّا رَاٰی اَیۡدِیھمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرھمۡ" بِمَعۡنٰی اَنۡکَرَھُمۡ "وَاَوۡجَسَ" اَضۡمَرَ فِیۡ نَفۡسہ "مِنۡھُمۡ خِیۡفَۃً" خَوۡفًا "قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوط" لِنُھۡلِکَھُمۡ،

پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے یعنی انہوں نے کھانے انکار کر دیا تو انھیں اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے کچھ خوف محسوس کرنے لگے، یعنی اپنے دل میں اندیشہ کرنے لگے انہوں نے کہا، آپ مت ڈریئے! ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ان کو ہم ہلاک کر دیں۔

فرشتوں کا کھانا نہ کھانے کا بیان

امام طبری نے اس جگہ نقل کیا ہے اول جب فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو یہ کہا تھا کہ ہم مفت کا کھانا نہیں کھاتے اگر آپ قیمت لے لیں تو کھائیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ ہاں اس کھانے کی ایک قیمت ہے وہ ادا کر دو، وہ قیمت یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لو اور آخر میں اس کی حمد کرو، جبریل امین نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خلیل بنایا ہے یہ اسی کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہنا سنت ہے۔

وَامْرَاَتُـهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰـهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ○

اوران کی اہلیہ کھڑی تھیں تو وہ ہنس پڑیں، سو ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام) کی اور اسحاق (علیہ السلام) کے بعد یعقوب (علیہ السلام) کی بشارت دی۔

حضرت اسحاق ویعقوب کی بشارت پر اظہار تعجب کا بیان

"وَامْرَاَتُه" اَیْ اِمْرَاَةُ اِبْرَاهِيْم سَارَّة "قَآئِمَةٌ" تَخْدُمُهُمْ "فَضَحِكَتْ" اِسْتِبْشَارًا بِهَلَاكِهِمْ "فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاق وَمِنْ وَّرَاء " بَعْد "اِسْحَاق يَعْقُوْب" وَلَدُه تَعِيْش اِلٰى اَنْ تَرَاهُ،

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سارہ پاس ہی کھڑی تھیں تاکہ ان کی خدمت کریں تو وہ ہنس پڑیں، یعنی خوشی سے کہا اے کم نصیبی، پس ہم نے ان کی زوجہ کو اسحاق علیہ السلام کی اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔ وہ زندہ رہے تاکہ ان کی خوشیوں کو دیکھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے اظہار تعجب کا بیان

حضرت سارہ نے دیکھا کہ خود حضرت ابراہیم ان کے اکرام میں یعنی ان کے کھانے کی خدمت میں ہیں، تاہم وہ کھانا نہیں کھاتے تو ان مہمانوں کی عجیب حالت پر انہیں بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ حضرت ابراہیم کو خوف زدہ دیکھ کر فرشتوں نے کہا آپ خوف نہ کیجئے۔ اب دہشت دور کرنے کے لیے اصلی واقعہ کھول دیا کہ ہم کوئی انسان نہیں فرشتے ہیں۔ قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں کہ انہیں ہلاک کریں۔ حضرت سارہ کو قوم لوط کی ہلاکت کی خبر نے خوش کر دیا۔ اسی وقت انہیں ایک دوسری خوشخبری بھی ملی کہ اس ناامیدی کی عمر میں تمہارے ہاں بچہ ہوگا۔ انہیں عجب تھا کہ جس قوم پر اللہ کا عذاب اتر رہا ہے، وہ پوری غفلت میں ہے۔ الغرض فرشتوں نے آپ کو اسحاق نامی بچہ پیدا ہونے کی بشارت دی۔ اور پھر اسحاق کے ہاں یعقوب کے ہونے کی بھی ساتھ ہی خوش خبری سنائی۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی تو بشارت دی گئی تھی اور ساتھ ہی ان کے ہاں بھی اولاد ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ یہ سن کر حضرت سارہ علیہ السلام نے عورتوں کی عام عادت کے مطابق اس پر تعجب ظاہر کیا کہ میاں بیوی دونوں کے اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں اولاد کیسی؟ یہ تو سخت حیرت کی بات ہے۔ فرشتوں نے کہا امر اللہ میں کیا حیرت؟ تم دونوں کو اس عمر میں ہی اللہ بیٹا دے گا گو تم سے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور تمہارے میاں کی عمر بھی ڈھل چکی ہے۔ لیکن اللہ کی قدرت میں کمی نہیں وہ جو چاہے ہو کر رہتا ہے، اے نبی کے گھر والو تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں، تمہیں اس کی قدرت میں تعجب نہ کرنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ تعریفوں والا اور بزرگ ہے۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ○

وہ کہنے لگیں، وائے حیرانی، کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے یہ شوہر بوڑھے ہیں؟ بیشک یہ تو بڑی عجیب چیز ہے۔

بڑھاپے میں عطائے اولاد کی بشارت پر تعجب کرنے کا بیان

"قَالَتْ يَا وَيْلَتٰى " كَلِمَةٌ تُقَالُ عِنْدَ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَالْاَلِفُ مُبْدَلَةٌ مِنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ "ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ " لِيْ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ سَنَةً "وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا " لَهُ مِائَةٌ اَوْ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً وَنَصْبُه عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيْهِ مَا فِيْ ذَا مِنَ الْاِشَارَةِ "اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ" اَنْ يُوْلَدَ وَلَدٌ لِهَرِمَيْنِ،

وہ کہنے لگیں، وائے حیرانی، یہ کلمہ کسی عظیم کام کے وقت کہا جاتا ہے۔اور یہاں پر ویلتیٰ کا الف یائے اضافت سے تبدیل ہوکر آیا ہے۔کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں یعنی میری عمر ۹۹ سال ہوگئی ہے۔اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں؟ یعنی ان کی عمر ۱۲۰ سال ہوگئی ہے۔یہاں پر شیخا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل جو اسم اشارہ ھذا میں ہے۔اور بیشک یہ تو بڑی عجیب چیز ہے۔یعنی تعجب ہے کہ بوڑھے زوجین کے ہاں اولاد ہو۔

اس وقت سیدہ سارہ کی عمر سو سال سے چند سال کم تھی اور حیض مدت سے بند ہو چکا تھا اور سیّدنا ابراہیم کی عمر سو سال سے چند سال زائد تھی لہٰذا سیدہ سارہ کا بطور تعجب ایسے الفاظ کہنا ایک فطری امر تھا اگرچہ اس میں دل کی خوشی بھی شامل تھی۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝
انہوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو!
بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔

اللہ کی قدرت میں تعجب کرنے کا بیان

"قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ " قُدْرَتِه "رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه عَلَيْكُمْ " يَا "اَهْلَ الْبَيْتِ " بَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ "اِنَّهٗ حَمِيْدٌ" مَحْمُوْدٌ "مَجِيْدٌ" كَرِيْمٌ،

انہوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم یعنی اس کی قدرت سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔یعنی بڑی عزت والا ہے۔

فرشتے کہنے لگے کہ ایک پیغمبر کی بیوی ہو کر اللہ کے کام پر تعجب کرتی ہو؟ اللہ جو چاہے وہ اس کے کرنے پر قادر ہے اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں پر تو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی جن میں سے ایک ہونے والا بچہ اسحاق کی پیدائش بھی ہے۔

نماز والے درود کے الفاظ کے ماخذ کا بیان

جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات وخوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، کیا ان کے لیے یہ کوئی تعجب کا مقام ہے؟ ان کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔انھیں لائق ہے کہ بشارت سن کر تعجب کی جگہ خدا کی تحمید وتمجید

کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝
پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف جاتا رہا اور ان کے پاس بشارت آ چکی تو ہمارے ساتھ قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد فرشتوں کا قوم لوط کے پاس جانے کا بیان

"فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ الرَّوْع" اَلْخَوْف "وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى" بِالْوَلَدِ اَخَذَ "يُجَادِلُنَا" يُجَادِل رُسُلنَا "فِي" شَأْن، فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ

پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف جاتا رہا اور ان کے پاس بیٹے کی بشارت آ چکی تو ہمارے فرشتوں کے ساتھ قوم لوط کے معاملے میں جھگڑنے لگے۔

حضرت ابراہیم کی بردباری اور سفارش

مہمانوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے حضرت ابراہیم کے دل میں جو دہشت سمائی تھی۔ ان کا حل کھل جانے پر وہ دور ہوگئی۔ پھر آپ نے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی خوش خبری بھی سن لی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ فرشتے قوم لوط کی ہلاکت کے لیے بھیجے گئے ہیں تو آپ فرمانے لگے کہ اگر کسی بستی میں تین سو مومن ہوں کیا پھر بھی وہ بستی ہلاک کی جائے گی؟ حضرت جرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر چالیس ہوں؟ جواب ملا پھر بھی نہیں۔ دریافت کیا اگر تیس ہوں۔ کہا گیا پھر بھی نہیں۔ یہاں تک کے تعداد گھٹاتے گھٹاتے پانچ کی بابت پوچھا تو فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ پھر ایک ہی کی نسبت سوال کیا اور یہی جواب ملا تو آپ نے فرمایا پھر اس بستی کو حضرت لوط علیہ السلام کی موجودگی میں تم کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے کہا ہمیں وہاں حضرت لوط کی موجودگی کا علم ہے اسے اور اس کے اہل خانہ کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں گے۔ اب آپ کو اطمینان ہوا اور خاموش ہوگئے۔ حضرت ابراہیم بردبار، نرم دل اور رجوع رہنے والے تھے اس آیت کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی بہترین صفتیں بیان فرمائیں ہیں۔ حضرت ابراہیم کی اس گفتگو اور سفارش کے جواب میں فرمان باری ہوا کہ اب آپ اس سے چشم پوشی کیجئے۔ قضاء حق نافذ و جاری ہوگئی اب عذاب آئے گا اور وہ واپس نہ جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝
بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے متحمل مزاج، آہ وزاری کرنے والے ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔

قوم لوط کی ہلاکت والے فرشتوں سے مجادلہ کرنے کا بیان

"اِنَّ اِبْرَاهِيْم لَحَلِيْم" كَثِيْر الْاَنَاة "اَوَّاه مُنِيْب" رَجَّاع فَقَالَ لَهُمْ اَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَة فِيْهَا ثَلَاثمِائَة مُؤْمِن ؟

قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا مِائَتَا مُؤْمِنٍ ؟ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعُوْنَ مُؤْمِنًا ؟ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ مُؤْمِنًا ؟ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانَ فِيْهَا مُؤْمِنٌ وَاحِدٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا اِلَخ،

بیشک ابراہیم علیہ السلام بڑے متحمل مزاج، آہ وزاری کرنے والے ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ کیاتم ایسی بستی کو ہلاک کروگے جس میں تین سومؤمن رہتے ہیں توانہوں نے کہا کہ نہیں،تو آپ نے فرمایا کیاان کو ہلاک کرتے ہوجن میں دوسومؤمن ہوں توانہوں نے کہا کہ نہیں تو پھر آپ نے فرمایا کہ کیاان کو ہلاک کرتے ہوجن میں چالیس مؤمن ہوں توانہوں نے کہانہیں تواس کے بعد آپ نے کہا کہ کیاایسی بستی جس میں چودہ مومن ہوں توانہوں نے کہانہیں تو پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم ان میں ایک بھی مومن کودیکھ لوتو پھر توانہوں نے کہا کہ نہیں۔تواس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس بستی میں تولوط علیہ السلام بھی ہیں توانہوں نے کہا کہ ان کی نجات کے بارے میں ہم بھی جانتے ہیں،الخ۔

يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝
اے ابراہیم! اسے رہنے دے، بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا حکم آچکا اور یقیناً یہ لوگ!
ان پروہ عذاب آنے والا ہے جو ہٹایا جانے والانہیں۔

عذاب کے فرشتوں سے اعراض کرنے کا بیان

فَلَمَّا اَطَالَ مُجَادَلَتَهُمْ قَالُوْا: "يَا اِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا " الْجِدَالِ "اِنَّهٗ قَدْ جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ" بِهَلَاكِهِمْ، وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ،

اے ابراہیم! اسے رہنے دے، یعنی ان سے مباد لہ کولمبا کرنا چھوڑ دو، بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا حکم آچکا ہے جو ان کی ہلاکت کا ہے۔اور یقیناً یہ لوگ! ان پروہ عذاب آنے والا ہے جو ہٹایا جانے والانہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ جوان آیات میں مذکور ہے اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چند فرشتے جن میں جبریل امین بھی شامل تھے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے، جو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں فلسطین پہنچے جس کا واقعہ پچھلی آیات میں بیان ہو چکا ہے، اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے جن کا مقام وہاں سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر تھا اللہ تعالیٰ شانہ جس قوم کوعذاب میں پکڑتے ہیں اس پران کے عمل کے مناسب ہی عذاب مسلط فرماتے ہیں، اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے یہ فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں بھیجے گئے جب وہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے توان کو بشکل انسانی دیکھ کرانہوں نے بھی مہمان سمجھا اوراس وقت وہ سخت فکر وغم میں مبتلا ہوگئے کہ مہمانوں کی مہمانی نہ کی جائے تو یہ شان پیغمبری کے خلاف ہے اوراگران کومہمان بنایا جاتا ہے تو اپنی قوم کی خباثت معلوم ہے، اس کا خطرہ ہے کہ وہ مکان پر چڑھ آئیں اوران مہمانوں کواذیت پہنچائیں اور وہ ان کی مدافعت نہ کرسکیں، اوردل میں کہنے لگے کہ آج بڑی سخت مصیبت کا دن ہے۔

اللہ جل شانہ نے اس عالم کو عجیب عبرت کی جگہ بنایا ہے جس میں اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے بیشار مظاہر ہوتے ہیں، آزر بت پرست کے گھر میں اپنا خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا کر دیا، حضرت لوط علیہ السلام جیسے مقبول و برگزیدہ پیغمبر کے گھر میں ان کی بیوی کافروں سے ملتی اور حضرت لوط علیہ السلام کی مخالفت کرتی تھی، جب یہ محترم مہمان حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں مقیم ہوگئے تو ان کی بیوی نے ان کی قوم کے اوباش لوگوں کو خبر کر دی کہ آج ہمارے گھر میں اس طرح کے مہمان آئے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ہود، بیروت)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ۝
اور جب ہمارے فرستادہ فرشتے لوط (علیہ السّلام) کے پاس آئے، وہ ان کے آنے سے پریشان ہوئے اور
ان کے باعث طاقت کمزور پڑ گئی اور کہنے لگے، یہ بہت سخت دن ہے۔

خوبصورت فرشتوں کو دیکھ کر لوط علیہ السلام کے اندیشے کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ" حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ "وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا" صَدْرًا لِأَنَّهُمْ حِسَان الْوُجُوه فِيْ صُورَة أَضْيَاف فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمه "وَقَالَ هٰذَا يَوْم عَصِيب" شَدِيْد،

اور جب ہمارے فرستادہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے پریشان ہوئے اور ان کے باعث ان کی طاقت کمزور پڑ گئی کیونکہ فرشتے نہایت خوب رُو تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کی بری عادت کا علم تھا سو ممکنہ فتنہ کے اندیشہ سے پریشان ہوئے۔ اور کہنے لگے، یہ بہت سخت دن ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے گھر فرشتوں کا نزول۔

حضرت ابراہیم کو یہ فرشتے اپنا بھید بتا کر وہاں سے چل دیئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کے زمین میں یا ان کے مکان میں پہنچے۔ مرد خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے تاکہ قوم لوط کی پوری آزمائش ہو جائے، حضرت لوط ان مہمانوں کو دیکھ کر قوم کی حالت سامنے رکھ کر سٹ پٹا گئے، دل ہی دل میں پیچ تاب کھانے لگے کہ اگر انہیں مہمان بناتا ہوں تو ممکن ہے خبر پا کر لوگ چڑھ دوڑیں اور اگر مہمان نہیں رکھتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے۔ زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا ہیبت ناک دن ہے۔ قوم والے اپنی شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ مجھ میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ کیا ہوگا؟ قتادہ فرماتے ہیں۔ حضرت لوط اپنی زمین پر تھے کہ یہ فرشتے بصورت انسان آئے اور ان کے مہمان بنے۔ شرما شرمی انکار تو نہ سکے اور انہیں لے کر گھر چلے، راستے میں صرف اس نیت سے کہ یہ اب بھی واپس چلے جائیں ان سے کہا کہ واللہ یہاں کے لوگوں سے زیادہ برے اور خبیث لوگ اور کہیں نہیں ہیں۔ کچھ دور جا کر پھر یہی کہا غرض گھر پہنچنے تک چار بار یہی کہا۔ فرشتوں کو اللہ کا حکم بھی یہی تھا کہ جب تک ان کا نبی، ان کی برائی نہ بیان کرے انہیں ہلاک نہ کرنا۔

سدی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چل کر دوپہر کو یہ فرشتے نہر سدوم پہنچے وہاں حضرت لوط کی صاحبزادی جو پانی لینے گئی تھیں، مل گئیں۔ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہاں ہم کہیں ٹھہر سکتے ہیں۔اس نے کہا آپ یہیں رکیئے میں واپس آ کر جواب دوں گی۔انہیں ڈر لگا کہ اگر قوم والوں کے ہاتھ یہ لگ گئے تو ان کی بڑی بے عزتی ہوگی۔یہاں آ کر والد صاحب سے ذکر کیا کہ شہر کے دروازے پر چند پردیسی نوعمر لوگ ہیں، میں نے تو آج تک نہیں دیکھے، جاؤ اور انہیں ٹھہراؤ ورنہ قوم والے انہیں ستائیں گے۔اس بستی کے لوگوں نے حضرت لوط سے کہہ رکھا تھا کہ دیکھو کسی باہر والے کو تم اپنے ہاں ٹھیرایا نہ کرو۔ہم آپ سب کچھ کرلیا کریں گے۔آپ نے جب یہ حالت سنی تو جا کر چپکے سے انہیں اپنے گھر لے آئے۔کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔مگر آپ کی بیوی جو قوم سے ملی ہوئی تھی، اسی کے ذریعہ بات پھوٹ نکلی۔اب کیا تھا۔دوڑے بھاگے آ گئے، جسے دیکھو خوشیاں مناتا جلدی جلدی لپکتا چلا آتا ہے ان کی تو یہ خوخصلت ہوگئی تھی اس سیاہ کاری کو تو گویا انہوں نے عادت بنالیا تھا۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ
هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ○
اورلوط (علیہ السلام) کی قوم ان کے پاس دوڑتی ہوئی آ گئی، اور وہ پہلے ہی برے کام کیا کرتے تھے۔لوط (علیہ السلام) نے
کہا اے میری (نافرمان) قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے (بطریق نکاح) پاکیزہ وحلال ہیں سو تم اللہ
سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو! کیا تم میں سے کوئی بھی نیک سیرت آدمی نہیں ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو برائی سے روکنے کا آخری خطاب

"وَجَاءَهُ قَوْمه" لَمَّا عَلِمُوْا بِهِمْ "يُهْرَعُوْنَ" يُسْرِعُوْنَ "اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْل" قَبْل مَجِيئِهِمْ "كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَات" وَهِيَ اِتْيَان الرِّجَال فِي الْاَدْبَار "قَالَ" لُوط "يَا قَوْم هَؤُلَاءِ بَنَاتِي" فَتَزَوَّجُوهُنَّ "هُنَّ اَطْهَر لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰه وَلَا تُخْزُونِي" تَفْضَحُونِ "فِيْ ضَيْفِي" اَضْيَافِي "اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُل رَشِيد" يَاْمُر بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَى عَنْ الْمُنْكَر،

اور لوط علیہ السلام کی قوم مہمانوں کی خبر سنتے ہی ان کے پاس دوڑتی ہوئی آ گئی، اور وہ پہلے ہی برے کام کیا کرتے تھے۔وہ مردوں کی دبر میں لواطت کرتے تھے۔لوط علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم! یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لئے بطریق نکاح پاکیزہ وحلال ہیں لہٰذا تم ان سے شادیاں کرو۔تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں اپنی بے حیائی کے باعث مجھے رسوا نہ کرو! کیا تم میں سے کوئی بھی نیک سیرت آدمی نہیں ہے۔جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

انبیائے کرام کا باپ کی مانند قوم کو عذاب سے بچانے کا بیان

اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ ۔۔۔ نصیحت کرنے لگے کہ تم اس بدخصلت کو چھوڑو اپنی خواہشیں عورتوں سے پوری کرو۔

بناتی یعنی میری لڑکیاں۔ اس لیے فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی آپ کو منع کر چکے تھے کہ کسی کو اپنے ہاں نہ ٹھیرایا کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور دنیا آخرت کی بھلائی انہیں بجھائی اور کہا کہ عورتیں ہی اس بات کے لیے موزوں ہیں۔ ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کرنا ہی پاک کام ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ سمجھا جائے کہ آپ نے اپنی لڑکیوں کی نسبت یہ فرمایا تھا نہیں بلکہ نبی اپنی پوری امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابن جریج فرماتے ہیں یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت لوط نے عورتوں سے بے نکاح ملاپ کرنے کو فرمایا ہو۔ نہیں مطلب آپ کا ان سے نکاح کر لینے کے حکم کا تھا۔ فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو میرا کہا مانو، عورتوں کی طرف رغبت کرو، ان سے نکاح کر کے حاجت روائی کرو۔ مردوں کی طرف اس رغبت سے نہ آؤ اور خصوصاً یہ تو میرے مہمان ہیں، میری عزت کا خیال کرو کیا تم میں ایک بھی سمجھدار، نیک راہ یافتہ بھلا آدمی نہیں۔ اس کے جواب میں ان سرکشوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار ہی نہیں یہاں بھی بناتک یعنی تیری لڑکیاں کے لفظ سے مراد قوم کی عورتیں ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے یعنی ہمارا ارادہ ان لڑکوں سے ملنے کا ہے۔ پھر جھگڑا اور نصیحت بے سود ہے۔

لوط علیہ السلام کی بدنصیب قوم کا بیان

فرمان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا تو ان کے واقعہ کو بھی یاد کر، حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا اور آپ ہی کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا نبی بنا کر سدوم نامی بستی کی طرف بھیجا آپ نے انہیں اور آس پاس کے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اپنی اطاعت کی طرف بلایا نیکیوں کے کرنے برائیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ جن میں ایک برائی اغلام بازی تھی جو ان سے پہلے دنیا سے مفقود تھی۔ اس بدکاری کے موجد یہی ملعون لوگ تھے۔

عمرو بن دینار یہی فرماتے ہیں۔ جامع دمشق کے بانی خلیفہ ولید بن عبدالملک کہتے ہیں اگر یہ خبر قرآن میں نہ ہوتی تو میں تو اس بات کو کبھی نہ مانتا کہ مرد مرد سے حاجت روائی کر لے اسی لئے حضرت لوط علیہ السلام نے ان حرام کاروں سے فرمایا کہ تم سے پہلے تو یہ ناپاک اور خبیث فعل کسی نے نہیں کیا۔ عورتوں کو جو اس کام کے لئے تھیں چھوڑ کر تم مردوں پر ریجھ رہے ہو؟ اس سے بڑھ کر اسراف اور جہالت اور کیا ہوگی؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ ہیں میری بچیاں یعنی تمہاری قوم کی عورتیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کی چاہت نہیں، ہم تو تمہارے ان مہمان لڑکوں کے خواہاں ہیں مفسرین فرماتے ہیں جس طرح مرد مردوں میں مشغول تھے عورتیں عورتوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝
بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے۔

قوم لوط کا اپنے عمل پر فخر کرنے کا بیان

"قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ" حَاجَة "وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ" مِنْ اِتْیَانِ الرِّجَال،

بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق یعنی ضرورت نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے۔ یعنی مردوں کے پاس آتے ہیں۔

لوطی کی سزا میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو اس باب میں حضرت جابر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم ابن عباس کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو عمرو بن ابی عمر سے روایت کیا ہے اور فرمایا قوم لوط کا سا عمل کرنے والا ملعون ہے قتل کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی مذکور ہے کہ چوپائے سے بدفعلی کرنے والا بھی ملعون ہے۔ عاصم بن عمرو بن سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کو عاصم کے علاوہ کسی اور نے بھی سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہو عاصم بن عمر حفظ کے اعتبار سے حدیث میں ضعیف ہیں لوطی عمل کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسے سنگسار کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء وفقہاء تابعین، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر اسی طرح حد جاری کی جائے جس طرح زانی پر حد جاری کی جاتی ہے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1498)

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ٥
لوط (علیہ السلام) نے کہا کاش! مجھ میں تمہارے مقابلہ کی ہمت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا طاقت کے ذریعے قوم سے مقابلہ کرنے کے اظہار کا بیان

"قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّة" طَاقَة "اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْد" عَشِیْرَة تَنْصُرنِیْ لَبَطَشْت بِكُمْ فَلَمَّا رَاَتْ الْمَلَائِكَة ذٰلِكَ،

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا! کاش! مجھ میں تمہارے مقابلہ کی ہمت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا۔ یعنی میں کسی قبیلے کی طاقت کا سہارا لیتا اور تم سے مقابلہ کرتا،

حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میری نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی تو انہیں دھمکایا کہ اگر مجھ میں قوت، طاقت ہوتی یا

میرا کنبہ، قبیلہ زوردار ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت ہو لوط علیہ السلام پر کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ مراد اس سے ذات اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ آپ کے بعد پھر جو پیغمبر بھیجا گیا وہ اپنے آبائی وطن میں ہی بھیجا گیا۔ ان کی اس افسردگی، کامل ملال اور سخت تنگ دلی کے وقت فرشتوں نے آپ کو ظاہر کر دیا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ ہم تک یا آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ آپ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے خود ان سب کے پیچھے رہیے۔ اور سیدھے اپنی راہ چلے جائیں قوم والوں کی آہ وبکا پر ان کے چیخنے چلانے پر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَهْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ
اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ○
جب فرشتوں نے معاملہ دیکھا تو انہوں نے کہا تمہارے رب کی طرف سے ہم تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں یہ لوگ تم تک ہرگز نہ
پہنچ سکیں گے، پس آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ حصہ میں لے کر نکل جائیں اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے مگر اپنی عورت کو،
یقیناً اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو انھیں پہنچے گا۔ بیشک ان کا مقررہ وقت صبح ہے، کیا صبح قریب نہیں ہے۔

قوم لوط پر صبح کے وقت عذاب نازل ہونے کا بیان

"قَالُوْا یَا لُوط اِنَّا رُسُل رَبّك لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْك" بِسُوءٍ "فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ" طَائِفَة "مِنَ اللَّیْل وَلَا یَلْتَفِت مِنْكُمْ اَحَد" لِئَلَّا یَرَی عَظِیْم مَا یَنْزِل بِهِمْ "اِلَّا امْرَاَتك" بِالرَّفْعِ بَدَل مِنْ اَحَد وَفِیْ قِرَاءَة بِالنَّصْبِ اسْتِثْنَاء مِنَ الْاَهْل اَیْ فَلَا تَسْرِ بِهَا "اِنَّهٗ مُصِیْبهَا مَا اَصَابَهُمْ" فَقِیْلَ لَمْ یَخْرُج بِهَا وَقِیْلَ خَرَجَتْ وَالْتَفَتَتْ فَقَالَتْ وَاقَوْمَاه فَجَاءَهَا حَجَر فَقَتَلَهَا وَسَاَلَهُمْ عَنْ وَقْت هَلَاكهمْ فَقَالُوْا "اِنَّ مَوْعِدهمْ الصُّبْح" فَقَالَ اُرِیْد اَعْجَل مِنْ ذٰلِكَ قَالُوْا "اَلَیْسَ الصُّبْح بِقَرِیْبٍ"

جب فرشتوں نے معاملہ دیکھا تو انہوں نے کہا ہم تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں۔ یہ لوگ آپ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، پس آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ حصہ میں لے کر خروج فرمائیں اور تم میں سے کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھے کیونکہ عذاب بڑا ہے جو ان پر نازل کیا جائے گا۔ مگر اپنی عورت کو ساتھ نہ لینا، یہاں پر امرأۃ کو احد سے بدل ہونے کے سبب مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں اہل سے استثناء کی صورت میں منصوب ہے۔ یقیناً سے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو انھیں پہنچے گا۔ پس کہا گیا کہ وہ آپ کے ساتھ نہ جائے اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ نکلی تو تھی لیکن واپس مڑ کر دیکھنے لگی اور کہنے لگی ہائے میری قوم تو ایک پتھر اس پر آ کر لگا جس سے وہ مرگئی۔ پس جب آپ نے ان سے عذاب کے وقت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بیشک ان کے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے، تو آپ نے کہا کہ میں اس سے جلدی چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا صبح قریب نہیں ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ؀
پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصہ کو نچلا حصہ کر دیا اور ہم نے اس پر پتھر اور پکی ہوئی مٹی کے
کنکر برسائے جو پے در پے گرتے رہے۔

قوم لوط پر بستی کو آسمان کی طرف بلند کر کے ان پر الٹا دینے کا بیان

"فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا" بِاِهْلَاكِهِمْ "جَعَلْنَا عَالِيَهَا" اَیْ قُرَاهُمْ "سَافِلَهَا" اَیْ بِاَنْ رَفَعَهَا جِبْرِيْلُ اِلَى السَّمَاءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ "وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيْلٍ" طِيْنٍ طُبِخَ بِالنَّارِ "مَنْضُوْد" مُتَتَابِعٍ،

پھر جب ہمارا حکم یعنی ان کو ہلاکت کا عذاب آ پہنچا تو ہم نے الٹ کر اس بستی کے اوپر کے حصہ کو نچلا حصہ کر دیا یعنی جبرائیل علیہ السلام نے بستی کو آسمان کی طرف بلند کر کے نیچے زمین کی جانب پھینک دیا اور ہم نے اس پر پتھر اور پکی ہوئی مٹی کے کنکر برسائے ،طین وہ جس کو پکایا گیا ہو۔ جو پے در پے گرتے رہے۔

آج کے ایٹم بم اس وقت کے پتھروں کی بارش

سورج کے نکلنے کے وقت اللہ کا عذاب ان پر آ گیا۔ ان کی بستی سدوم نامی تہ و بالا ہوگئی۔ عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانک لیا۔ آسمان سے پکی مٹی کے پتھر ان پر برسنے لگے۔ جو سخت، وزنی اور بہت بڑے بڑے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے سجین سجیل دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ ان پتروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس کے نام کا پتھر تھا اسی پر گرتا تھا۔ وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا، کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا ہے وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اُسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں۔ آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر انہیں زمین پر الٹ دیا۔ ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہوگئے اکے دکے جو رہ گئے تھے ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بینام ونشان کر دیئے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں۔ ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ چیزیں کچھ ان سے دور نہ تھیں۔ سنن کی حدیث میں ہے کسی اگر تم لواطت کرتا ہوا پاؤ تو اوپر والے نیچے والے دونوں کو قتل کر دو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

جو آپ کے رب کی طرف سے نشان کئے ہوئے تھے، اور یہ (سنگ ریزوں کا عذاب) ظالموں سے (اب بھی) کچھ دور نہیں ہے۔

ہلاک ہونیوالوں کے نام پتھروں پر لکھے ہوئے ہونے کا بیان

"مُسَوَّمَة" مُعَلَّمَة عَلَيْهَا اسْم مَنْ يُرْمَى بِهَا "عِنْدَ رَبِّكَ" ظَرْف لَهَا "وَمَا هِيَ" الْحِجَارَة اَوْ بِلَادهمْ "مِنَ الظَّالِمِيْنَ" اَيْ اَهْل مَكَّة .

جو آپ کے رب کی طرف سے نشان کئے ہوئے تھے، یعنی ان سنگریزوں پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس شخص نے اس سے ہلاک ہونا تھا۔ اور یہ پتھروں کا عذاب ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں ہے۔ یعنی یہ بستیاں اہل مکہ سے دور نہیں ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل کا عذاب سے محفوظ رہنے کا بیان

حضرت لوط اور ان کا گھرانا اللہ کے ان عذابوں سے بچ گیا جو لوطیوں پر نازل ہوئے بجز آپ کے گھرانے کے اور کوئی آپ پر ایمان نہ لایا جیسے فرمان رب ہے آیت (فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین) یعنی وہاں جتنے مومن تھے ہم نے سب کو نکال دیا۔ لیکن بجز ایک گھر والوں کے وہاں ہم نے کسی مسلمان کو پایا ہی نہیں۔ بلکہ خاندان لوط میں سے بھی خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہلاک ہوئی کیونکہ یہ بدنصیب کافرہ ہی تھی بلکہ قوم کے کافروں کی طرف دار تھی اگر کوئی مہمان آتا تو اشاروں سے قوم کو خبر پہنچا دیتی اسی لئے حضرت لوط سے کہہ دیا گیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جانا بلکہ اسے خبر بھی نہ کرنا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساتھ تو چلی تھی لیکن جب قوم پر عذاب آیا تو اس کے دل میں ان کی محبت آ گئی اور رحم کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگی وہیں اسی وقت وہی عذاب اس بدنصیب پر بھی آ گیا لیکن زیادہ ظاہر قول پہلا ہی ہے یعنی نہ اسے حضرت لوط نے عذاب کی خبر کی نہ اسے اپنے ساتھ لے گئے یہ یہیں باقی رہ گئی اور پھر ہلاک ہوگئی۔ (غابرین) کے معنی بھی باقی رہ جانے والے ہیں۔ جن بزرگوں نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کئے ہیں وہ بطور لزوم کے ہیں۔ کیونکہ جو باقی تھے وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مسلمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہر سے نکلتے ہی عذاب الٰہی ان پر بارش کی طرح برس پڑا وہ بارش پتھروں اور ڈھیلوں کی تھی جو ہر ایک پر بالخصوص نشان زدہ اسی کے لئے آسمان سے گر رہے تھے۔ گو اللہ کے عذاب کو بے انصاف لوگ دور سمجھ رہے ہوں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں۔ اے پیغمبر آپ خود دیکھ لیجئے کہ اللہ کی نافرمانیوں اور رسول اللہ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند اور بیٹیوں کے ہمراہ روانہ ہوئی تھی، لیکن جب شہر تباہ ہونے کی آواز اور ہلاک ہونے والوں کا شور سنا تو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا اور بولی "ہائے میری قوم" وہیں ایک پتھر اس پر آ پڑا، جس نے اسکا سر پھاڑ کر اسے اسکی قوم سے ملا دیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ہود، بیروت)

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا
الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ○
اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام کو بھیجا)، انہوں نے کہا! اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے
اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور میں تم پر
ایسے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں جو گھیر لینے والا ہے۔

اہل مدین کی جانب شعیب علیہ السلام کی بعثت کا بیان

"و" اَرْسَلْنَا "اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا قَالَ یَا قَوْمِ اُعْبُدُوا اللّٰه" وَحِّدُوْهُ "مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰه غَیْره وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَال وَالْمِیزَان اِنِّیْ اَرَاکُمْ بِخَیْرٍ" نِعْمَة تُغْنِیکُمْ عَنْ التَّطْفِیْف "وَاِنِّیْ اَخَاف عَلَیْکُمْ" اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا "عَذَاب یَوْم مُحِیط" بِکُمْ یُهْلِککُمْ وَوَصْف الْیَوْم بِهِ مَجَاز لِوُقُوْعِهِ فِیْهِ،

اور ہم نے اہلِ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں یعنی اس نے تمہیں لطف وعنایات دے رکھی ہیں۔ اور میں تم پر ایسے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں یعنی اگر تم ایمان نہ لاؤ، تو اس کا عذاب تمہیں گھیر لینے والا ہے۔ جو تمہیں ہلاک کردے گا۔ یہاں پر عذاب کے واقع میں یوم کی صفت مجازی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا تعارف

مشہور مؤرخ حضرت امام محمد بن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگ مدین بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ حضرت شعیب میکیل بن یشجر کے لڑکے تھے ان کا نام سریانی زبان میں یژون تھا۔ یہ یاد رہے کہ قبیلے کا نام بھی مدین تھا اور اس بستی کا نام بھی یہی تھا یہ شہر معان سے ہوتے ہوئے حجاز جانے والے کے راستے میں آتا ہے۔ آیت قرآن ولما ورد ماء مدین میں شہر مدین کے کنویں کا ذکر موجود ہے اس سے مراد ایکہ والے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ بیان کریں گے۔ آپ نے بھی تمام رسولوں کی طرح انہیں توحید کی اور شرک سے بچنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے میری نبوت کی دلیلیں تمہارے سامنے آ چکی ہیں۔ خالق کا حق بتا کر پھر مخلوق کے حق کی ادائیگی کی طرف رہبری کی اور فرمایا کہ ناپ تول میں کمی کی عادت چھوڑ و لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ کہو کچھ اور کرو کچھ یہ خیانت ہے فرمان ہے آیت (ویل للمطففین) ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے (ویل) ہے۔ اللہ اس بدخصلت سے ہر ایک کو بچائے۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کا اور وعظ بیان ہوتا ہے۔ آپ کو بہ سبب فصاحت عبارت اور عمدگی وعظ کے خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ اعراف، بیروت)

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝
اوراے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو
اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو۔

اہل مدین کو ناپ تول کی کمی سے ممانعت کا بیان

"وَيَا قَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ" اَتِمُّوهُمَا "بِالْقِسْطِ" بِالْعَدْلِ "وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَ هُمْ" لَا تُنْقِصُوهُمْ مِنْ حَقِّهِمْ شَيْئًا "وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ" بِـالْقَتْلِ وَغَيْرِهٖ مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَة اَفْسَدَ وَمُفْسِدِيْنَ حَال مُؤَكِّدَة لِمَعْنٰى عَامِلِهَا تَعْثَوْا،

اوراے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو یعنی ان کے حقوق میں کمی نہ کیا کرو۔ اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو۔ یعنی قتل وغیرہ کے ذریعے فساد نہ کرو۔ یہاں تعثوا یہ عثی میں کسرہ کے ساتھ آیا ہے جس کا معنی افسد یعنی اس نے فساد کیا ہے۔ اور یہ حال تاکیدی ہے۔ اور عامل کے معنی کے لئے ہے جو تعثوا ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۝
جو اللہ کے دیئے میں بچ رہے، تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

اللہ کے عطا کردہ رزق پر راضی رہنے کا بیان

"بَقِيَّةُ اللّٰه" رِزْقه الْبَاقِي لَكُمْ بَعْدَ اِيفَاء الْكَيْل وَالْوَزْن "خَيْر لَكُمْ" مِنْ الْبَخْس "وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ" رَقِيب اُجَازِيكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ اِنَّمَا بُعِثْت نَذِيرًا،

جو اللہ کے دیئے میں بچ رہے، یعنی ناپ تول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہی تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم کمی کرو۔ اگر تم ایمان والے ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔ یعنی تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دی جائے گی جبکہ میں تو صرف ڈرسنانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

اہل مدین کی جانب حضرت شعیب کی آمد

عرب کا قبیلہ جو حجاز وشام کے درمیان معان کے قریب رہتا تھا ان کے شہروں کا نام اور خود ان کا نام بھی مدین تھا۔ ان کی جانب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ آپ ان میں شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور انہیں میں سے

تھے۔ اسی لیے اخاہم کے لفظ سے بیان کیا یعنی ان کے بھائی آپ نے بھی انبیاء کی عادت اور سنت اور اللہ کے پہلے اور تاکیدی حکم کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ناپ تول کی کمی سے روکا کہ کسی کا حق نہ مارو۔ اور اللہ کا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کر رکھا ہے۔ اور اپنا ڈر ظاہر کیا کہ اپنی مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکت سے اگر باز نہ آؤ گے تو تمہاری یہ اچھی حالت بدحالی سے بدل جائے گی۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا
مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○
انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے،
یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں کریں جو چاہیں، یقیناً تو تو نہایت بردبار، بڑا سمجھ دار ہے۔

اہل مدین کا اپنے نبی مکرم کے حکم سے اعراض کرنے کا بیان

"قَالُوْا" لَهٗ اسْتِهْزَاء "يَا شُعَيْبُ اَصَلَاتُكَ تَاْمُرُكَ" بِتَكْلِيفِ "اَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا" مِنَ الْاَصْنَام "اَوْ" نَتْرُكَ "اَنْ نَفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاء" اَلْمَعْنٰى هٰذَا اَمْر بَاطِل لَا يَدْعُو اِلَيْهِ دَاعٍ بِخَيْرٍ "اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيد" قَالُوْا ذٰلِكَ اسْتِهْزَاء،

انہوں نے بہ مذاق کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے یعنی تمہیں مکلف کرتی ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے، یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں کریں جو چاہیں، یعنی جو کچھ ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں اس کو چھوڑ دیں تمہارا اس کے بارے میں حکم دینا باطل ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ بلانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اور انہوں نے بہ طور مذاق کہا کہ یقیناً تو تو نہایت بردبار، بڑا سمجھ دار ہے۔

پرانے معبودوں سے دستبرداری سے انکار

حضرت اعمش فرماتے ہیں صلوٰۃ سے مراد یہاں قرأت ہے۔ وہ لوگ ازراہ مذاق کہتے ہیں کہ واہ آپ اچھے رہے کہ آپ کو آپ کی قرآت نے حکم دیا کہ ہم باپ دادوں کی روش کو چھوڑ کر اپنے پرانے معبودوں کی عبادت سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ اور بھی لطف ہے کہ ہم اپنے مال کے بھی مالک نہ رہیں کہ جس طرح جو چاہیں اس میں تصرف کریں کسی کو ناپ تول میں کم نہ دیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں واللہ واقعہ یہی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا حکم یہی تھا کہ آپ انہیں غیر اللہ کی عبادت اور مخلوق کے حقوق کے غصب سے روکیں۔ ثوری فرماتے ہیں کہ ان کے اس قول کا مطلب کہ جو ہم چاہیں، اپنے مالوں میں کریں یہ ہے کہ زکوٰۃ کیوں دیں؟ نبی اللہ کو ان کا حلیم ورشید کہنا ازراہ مذاق وحقارت تھا۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ ھود، بیروت)

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝

اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق عطا کیا ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری بجائے میں (خود) اس کا ارتکاب کروں جس سے تمھیں منع کرتا ہوں، میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جتنی کر سکوں اور میری توفیق اللہ کے سوا کسی سے نہیں، میں نے اسی پر بھروسا کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

رزق حلال کے اندر حرام ملانے کی حرمت کا بیان

"قَالَ یَا قَوْمِ اَرَاَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِنْ رَبِّیْ وَرَزَقَنِیْ رِزْقًا حَسَنًا " حَلَالًا اَفَاُشَوِّبُهُ بِالْحَرَامِ مِنَ الْبَخْسِ وَالتَّطْفِیْفِ "وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ " وَاَذْهَبَ "اِلٰی مَا اَنْهَاكُمْ عَنْهُ " فَاَرْتَكِبَهُ "اِنْ" مَا "اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ" لَكُمْ بِالْعَدْلِ "مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ "قُدْرَتِیْ عَلٰی ذٰلِكَ وَغَیْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ "اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ" اَرْجِعُ،

اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق عطا کیا ہو۔ یعنی میں اس پاکیزہ رزق میں ناپ تول کی کمی کر کے کیوں حرام مکس کروں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمہاری بجائے میں خود اس کا ارتکاب کروں جس سے تمہیں منع کرتا ہوں، میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جتنی کر سکوں لہٰذا تمہارے لئے انصاف یہی ہے۔ اور میری توفیق اللہ کے سوا کسی سے نہیں، یعنی میرا طاقت اسی کی اطاعت سے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

ناپ تول میں انصاف کرو

پہلے تو اپنی قوم کو ناپ تول کی کمی سے روکا۔ اب لین دین کے دونوں وقت عدل و انصاف کے ساتھ پورے پورے ناپ تول کا حکم دیتے ہیں۔ اور زمین میں فساد اور تباہ کاری کرنے کو منع کرتے ہیں۔ ان میں رہزنی اور ڈاکے مارنے کی بدخصلت بھی تھی۔ لوگوں کے حق مار کر نفع اٹھانے سے اللہ کا دیا ہوا نفع بہت بہتر ہے۔ اللہ کی یہ وصیت تمہارے لیے خیریت لیے ہوئے ہے۔ عذاب سے جیسے ہلاکت ہوتی ہے اس کے مقابلے میں رحمت سے برکت ہوتی ہے۔ ٹھیک تول کر پورے ناپ کر حلال سے جو نفع ملے اسی میں برکت ہوتی ہے۔ خبیث و طیب میں کیا مساوات؟ دیکھو میں تمہیں ہر وقت دیکھ نہیں رہا۔ تمہیں برائیوں کا ترک اور نیکیوں کا فعل اللہ ہی کے لیے کرنا چاہیے نہ کہ دنیا دکھاوے کے لیے۔

وَ یٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ ھُوْدٍ
اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْکُمْ بِبَعِیْدٍ۝
اور اے میری قوم! مجھ سے دشمنی ومخالفت تمہیں یہاں تک نہ ابھار دے کہ تم پر وہ آ پہنچے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح
کو پہنچا تھا، اور قوم لوط تم سے کچھ دور نہیں۔

سابقہ اقوام کے عذاب سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

"وَیَا قَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ" یَکْسِبَنَّکُمْ "شِقَاقِیْ" خِلَافِیْ فَاعِل یَجْرِم وَالضَّمِیْر مَفْعُوْل اَوَّل وَالثَّانِیْ "اَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِثْل مَا اَصَابَ قَوْم نُوح اَوْ قَوْم هُوْد اَوْ قَوْم صَالِح" مِنَ الْعَذَاب "وَمَا قَوْم لُوط" اَیْ مَنَازِلهمْ اَوْ زَمَن هَلَاکهمْ "مِنْکُمْ بِبَعِیْدٍ" فَاعْتَبِرُوْا،

اور اے میری قوم! مجھ سے دشمنی ومخالفت تمہیں یہاں تک نہ ابھار دے، یہاں پر شقاقی یہ یجرم کا فاعل ہے جبکہ کم ضمیر اس کا مفعول اول ہے اور دوسرا مفعول "اَنْ یُّصِیْبَکُمْ" کہ جس کے باعث تم پر وہ عذاب آ پہنچے جیسا عذاب قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا تھا، اور قوم لوط کی بستیاں یا ان کا زمانہ تم سے کچھ دور نہیں۔ لہٰذا تم عبرت حاصل کرو۔

میری عداوت میں اپنی بربادی مت مول لو

فرماتے ہیں کہ میری عداوت اور بغض میں آ کر تم اپنے کفر اور اپنے گناہوں پر جم نہ جاؤ ورنہ تمہیں وہ عذاب پہنچے گا جو تم سے پہلے ایسے کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کو پہنچا ہے۔ خصوصاً قوم لوط جو تم سے قریب زمانے میں ہی گذری ہے اور قریب جگہ میں ہے تم اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگو۔ آئندہ کے لیے گناہوں سے توبہ کرو۔ ایسا کرنے والوں پر میرا رب بہت ہی مہربان ہو جاتا ہے اور ان کو اپنا پیارا بنا لیتا ہے ابولیلی کندی کہتے ہیں کہ میں اپنے مالک کا جانور تھامے کھڑا تھا۔ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھے آپ نے اوپر سے سر بلند کیا اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا میری قوم کے لوگو مجھے قتل نہ کرو۔ تم اسی طرح تھے۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھائیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ۝
اور تم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کے حضور توبہ کرو، بیشک میرا رب نہایت مہربان محبت فرمانے والا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کا بیان

"وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیم" بِالْمُؤْمِنِیْنَ۔ "وَدُوْد" مُحِبّ لَهُمْ،

اور تم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کے حضور توبہ کرو، بیشک میرا رب اہل ایمان کے ساتھ نہایت مہربان محبت فرمانے

والا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے یہ خوف کرتے ہوئے کہ قیامت برپا ہوگئی، یہاں تک کہ مسجد آئے اور لمبے قیام اور رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی نماز میں ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، پھر فرمایا یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ بھیجتا ہے یہ کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے نہیں ہوتیں لیکن اللہ اس کو اپنے بندوں کو ڈرانے کے واسطے بھیجتا ہے جب تم اس میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا اور استغفار کی طرف جلدی کرو۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2110)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ
وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝
وہ بولے: اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تمہیں اپنے معاشرے میں ایک کمزور شخص جانتے ہیں،
اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تم ہماری نگاہ میں کوئی عزت والے نہیں ہو۔

اپنے نبی مکرم کو رجم کرنے کا ارادہ رکھنے والی بدبخت قوم مدین کا بیان

"قَالُوْا" اِيذَانًا بِقِلَّةِ الْمُبَالَاة "يَا شُعَيْب مَا نَفْقَه" نَفْهَم "كَثِيْرًا مِمَّا تَقُوْل وَاِنَّا لَنَرَاك فِيْنَا ضَعِيْفًا" ذَلِيْلًا "وَلَوْلَا رَهْطك" عَشِيْرَتك "لَرَجَمْنَاك" بِالْحِجَارَةِ "وَمَا اَنْت عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ" كَرِيْم عَنْ الرَّجْم وَاِنَّمَا رَهْطك هُمْ الْاَعِزَّة،

اہل مدین نے اپنی توجہ نہ دیتے ہوئے کہا کہ اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں یعنی تم ہمیں کہتے ہو اور ہم تمہیں اپنے معاشرے میں ایک کمزور شخص جانتے ہیں، اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور ہمیں اسی کا لحاظ ہے ورنہ تم ہماری نگاہ میں کوئی عزت والے نہیں ہو۔ کیونکہ ہمیں تمہیں رجم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ صرف تمہارے خاندان کے معزز ہونے کے سبب ہم نے ایسا نہیں کیا۔

قوم مدین کا جواب اور اللہ کا عتاب

قوم مدین کے کہا کہ اے شعیب آپ کی اکثر باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں۔ اور خود آپ بھی ہم میں بے انتہا کمزور ہیں۔ سعید وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی نگاہ کم تھی۔ مگر آپ بہت ہی صاف گو تھے، یہاں تک کہ آپ کو خطیب الانبیاء کا لقب حاصل تھا۔ سدی کہتے ہیں اس وجہ سے کمزور کہا گیا ہے کہ آپ اکیلے تھے۔ مراد اس سے آپ کی حقارت تھی۔ اس لیے کہ آپ کے کنبے والے بھی آپ کے دین پر نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تو پتھر مار مار کر تیرا قصہ ہی ختم کر دیتے۔ یا یہ کہ تجھے دل

کھول کر برا کہتے۔ہم میں تیری کوئی قدر و منزلت، رفعت و عزت نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا بھائیو تم مجھے میری قرابت داری کی وجہ سے چھوڑتے ہو۔ اللہ کی وجہ سے نہیں چھوڑتے تو کیا تمہارے نزدیک قبیلے والے اللہ سے بھی بڑھ کر ہیں اللہ کے نبی کو برائی پہنچاتے ہوئے اللہ کا خوف نہیں کرتے افسوس تم نے کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ اس کی کوئی عظمت و اطاعت تم میں نہ رہی۔ خیر اللہ تعالیٰ تمہارے تمام حال احوال جانتا ہے وہ تمہیں پورا بدلہ دے گا۔ (تفسیر محمدی، سورہ ہود، بیروت)

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِىۡۤ اَعَزُّ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ۝
شعیب (علیہ السلام) نے کہا، اے میری قوم! کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ معزز ہے، اور تم نے اسے اپنے
پس پشت ڈال رکھا ہے۔ بیشک میرا رب تمہارے کاموں کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

دنیاوی اعزاز کا خیال کرتے ہوئے اللہ کی شریعت کا خیال نہ رکھنے والوں کا بیان

"قَالَ يَا قَوۡمِ اَرَهۡطِي اَعَزّ عَلَيۡكُمۡ مِنۡ اللّٰه" فَتَتۡرُكُوا قَتۡلِي لِاَجۡلِهِمۡ وَلَا تَحۡفَظُونِي لِلّٰهِ "وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ" اَيۡ اللّٰه "وَرَاءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا" مَنۡبُوۡذًا خَلۡف ظُهُوۡرِكُمۡ لَا تُرَاقِبُوۡنَهٗ "اِنَّ رَبِّيۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡط" عِلۡمًا فَيُجَازِيۡكُمۡ،

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ معزز ہے، یعنی میرے قبیلہ کی خاطر مجھے قتل کرنے دور رہتے ہو لیکن اللہ کے لئے میری حفاظت نہیں کرتے۔ اور تم نے اسے یعنی اللہ تعالیٰ کو گویا اپنے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ یعنی پس پشت ڈالنے کے سبب حفاظت نہیں کر سکتے ہو، بیشک میرے رب کا علم تمہارے سب کاموں کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ پس تمہیں اس کی سزاء دی جائے گی۔

یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کے دکھلا رہا ہوں گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عزت اور اس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصور بھی نہیں آتا۔ جو قوم خدا تعالیٰ کو بھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈال دے اسے یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں۔ تم کوئی کام کرو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لیے بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔

وَ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ رَقِيۡبٌ ۝
اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ تم عنقریب جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آ پہنچتا ہے
جو رسوا کر ڈالے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے، اور تم بھی انتظار کرتے رہو اور میں تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

قیام حجت کے بعد بھی دین کا انکار کرنے والوں کے لئے انتظار عذاب کا بیان

"وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ" حَالَتِکُمْ "اِنِّیْ عَامِلٌ" عَلٰی حَالَتِیْ "سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ" مَوْصُوْلَۃ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ "یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ وَمَنْ ھُوَ کَاذِبٌ وَّارْتَقِبُوْا" انْتَظِرُوْا عَاقِبَۃَ اَمْرِکُمْ "اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ" مُنْتَظِرٌ،

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ یعنی اپنی حالت پر کام کرتے رہو میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں۔ تم عنقریب جان لو گے، یہاں پر من موصولہ ہے۔ جو تعلمون کا مفعول ہے۔ کہ کس پر وہ عذاب آ پہنچتا ہے جو رسوا کر ڈالے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے، اور تم بھی اپنے انجام کا انتظار کرتے رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

مدین والوں پر عذاب الٰہی آنے کا بیان

جب اللہ کے نبی علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو تھک کر فرمایا اچھا تم اپنے طریقے پر چلے جاؤ میں اپنے طریقے پر قائم ہوں۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والے عذاب کن پر نازل ہوتے ہیں اور اللہ کے نزدیک جھوٹا کون ہے؟ تم منتظر رہو میں بھی انتظار میں ہوں۔ آخرش ان پر بھی عذاب الٰہی اترا اس وقت نبی اللہ اور مومن بچا دیئے گئے ان پر رحمت رب ہوئی اور ظالموں کو تہس نہس کر دیا گیا۔ وہ جل بجھے۔ بےحس وحرکت رہ گئے۔ ایسے کہ گویا کبھی اپنے گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ اور جیسے کہ ان سے پہلے کے ثمودی تھے اللہ کی لعنت کا باعث بنے ویسے ہی یہ بھی ہو گئے۔ ثمودی ان کے پڑوسی تھے اور گناہ اور بدامنی میں انہیں جیسے تھے اور یہ دونوں قومیں عرب ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّاۚ وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ
ظَلَمُوا الصَّیْحَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ۝
اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت کے باعث بچا لیا اور
ظالموں کو خوفناک آواز نے آ پکڑا، سو انہوں نے صبح اس حال میں کی کہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

عذاب الٰہی میں مبتلاء ہونے والوں کا گھروں میں مردہ پڑے ہونے کا بیان

"وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا" بِاِھْلَاکِھِمْ "نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَۃُ" صَاحَ بِھِمْ جِبْرِیْلُ "فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جَاثِمِیْنَ" بَارِکِیْنَ عَلَی الرُّکَبِ مَیِّتِیْنَ،

اور جب ہمارا حکم یعنی ان کی ہلاکت کا عذاب آ پہنچا تو ہم نے شعیب (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت کے باعث بچا لیا اور ظالموں کو خوفناک آواز نے آ پکڑا، جو جبرائیل کی چیخ تھی۔ سو انہوں نے صبح اس حال میں کی کہ اپنے گھروں میں مردہ حالت میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ یعنی گھٹنوں کے بل اوندھے مردہ پڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے فرمایا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم پر اول تو ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی جیسے جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر تہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی۔ پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر ان پر برسا اور زلزلہ بھی آیا جس سے یہ سب لوگ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ اس طرح اس قوم پر زلزلہ اور عذاب ظلہ دونوں جمع ہو گئے۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ اعراف، بیروت)

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝
گویا وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھی۔ سنو! مدین کے لئے ہلاکت ہے جیسے ثمود ہلاک ہوئی تھی۔

عذاب طاری ہونے والوں کا اپنے مکانوں میں مردہ پڑے ہونے کا بیان

"كَاَنْ" مُخَفَّفَة: اَیْ كَاَنَّهُمْ "لَمْ يَغْنَوْا" يُقِيْمُوا، فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ،

یہاں پر کان مخففہ ہے یعنی اصل میں کانھم ہے۔ گویا وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھی۔ سنو! (اہلِ) مدین کے لئے ہلاکت ہے جیسے (قوم) ثمود ہلاک ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کبھی دو امتیں ایک ہی عذاب میں مبتلا نہیں کی گئیں بجز حضرت شعیب وصالح علیہما السلام کی اُمتوں کے لیکن قوم صالح کو ان کے نیچے سے ہولناک آواز نے ہلاک کیا اور قوم شعیب کو اوپر سے۔ (خزائن العرفان)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظاہری دلیل لے کر آنے کا بیان

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِيْنٍ" بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر بھیجا۔ یعنی ظاہری دلیل دیکر بھیجا ہے۔

قبطی قوم کا سردار فرعون اور موسیٰ علیہ السلام

فرعون اور اس کی جماعت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیتوں اور ظاہر باہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے فرعون کی اطاعت نہ چھوڑی۔ اسی کی گمراہ روش پر اس کے پیچھے لگے رہے۔ جس طرح یہاں انہوں نے اس کی فرمان برداری ترک نہ کی اور اسے اپنا سردار مانتے رہے۔ اسی طرح قیامت کے دن اسی کے پیچھے یہ ہوں گے اور وہ اپنی پیشوائی میں انہیں سب کو اپنے ساتھ ہی جہنم میں لے جائے گا اور خود دگنا عذاب برداشت کرے گا۔ یہی حال بروں کی تابعداری

کرنے والوں کا ہوتا ہے وہ کہیں گے بھی کہ اللہ انہیں لوگوں نے ہمیں بہکایا تو انہوں دوگنا عذاب دے۔ مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جنڈا امرؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں لے کر جہنم کی طرف جائے گا۔ اس آگ کے عذاب پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔ قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو دو لعنتیں پڑ گئیں۔ یہ اور لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے۔ اس لیے ان پر دوہری لعنت پڑی۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَـلَائِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝
فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، تو (قوم کے) سرداروں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم درست نہ تھا۔

قوم فرعون کے سرداروں کی اتباع کا بیان

"اِلٰی فِرْعَوْن وَمَلَئِهٖ فَاتَّبَعُوا اَمْرَ فِرْعَوْن وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْن بِرَشِيدٍ" سَدِيْد،

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، تو (قوم کے) سرداروں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم درست نہ تھا۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰـمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝
وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا بالآخر انھیں آتش دوزخ میں لا گرائے گا، اور وہ داخل کیے جانے کی کتنی بری جگہ ہے۔

قیامت کے دن گمراہوں کو ان کے گمراہ رہنماؤں کے تابع کرنے کا بیان

"يَقْدُم" يَتَقَدَّم "قَوْمه يَوْم الْقِيَامَة" فَيَتْبَعُوْنَهٗ كَمَا اتَّبَعُوهُ فِي الدُّنْيَا "فَاَوْرَدَهُمْ" اَدْخَلَهُمْ "النَّار وَبِئْسَ الْوِرْد الْمَوْرُود" هِيَ،

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا یعنی ان سے کہا جائے گا تم آج بھی اسی طرح اتباع کرو جس طرح دنیا میں تم ان کی اتباع کرتے تھے۔ بالآخر انھیں آتش دوزخ میں لا گرائے گا، اور وہ داخل کیے جانے کی کتنی بری جگہ ہے۔ وہی ان کا اصلی ٹھکانہ ہے۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰـمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝
اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی، کتنا برا عطیہ ہے جو انھیں دیا گیا ہے۔

کفار کے لئے دنیا و قیامت کے دن تک لعنت ہونے کا بیان

"وَاُتْبِعُوا فِيْ هٰذِهٖ" اَيْ الدُّنْيَا "لَعْنَة وَيَوْم الْقِيَامَة" لَعْنَة "بِئْسَ الرِّفْد" الْعَوْن "الْمَرْفُود" رِفْدهمْ،

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے رہے گی، کتنا برا عطیہ ہے جو انھیں

دیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ۝
یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں ان میں سے کچھ برقرار ہیں اور کچھ نیست و نابود ہو گئیں۔

بستیاں سمیت لوگوں کا عذاب میں ہلاک ہو جانے کا بیان

"ذٰلِكَ" اَلْمَذْكُور مُبْتَدَأ خَبَره "مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقُصّهُ عَلَيْكَ" يَا مُحَمَّد "مِنْهَا" اَيْ الْقُرٰى "قَائِم" هَلَكَ اَهْله دُوْنه "وَحَصِيد" "و" مِنْهَا "حَصِيد" هَلَكَ بِاَهْلِهِ فَلَا اَثَر لَهُ كَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْد بِالْمَنَاجِلِ،

یہاں ذلک جو ذکر کیا گیا ہے یہ مبتداء ہے اور ''مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقُصّهُ عَلَيْكَ ''اس کی خبر ہے۔اے رسول معظم حضرت محمد ﷺ جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جن میں رہنے والے ہلاک ہو گئے۔لیکن ان میں سے بعض بستیاں موجود ہیں اور کچھ بستیاں اپنے رہنے والوں کی طرح نیست و نابود ہو گئیں۔جس کھیت درانتی سے کاٹ کر صاف کیا جاتا ہے ایسے صفائی ہو گئی ہے۔

عبرت کدے کچھ آباد ہیں کچھ ویران

نبیوں اور ان کی امتوں کے واقعات بیان فرما کر ارشاد باری ہوتا ہے کہ یہ ان بستیوں والوں کے واقعات ہیں۔جنہیں ہم تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک آباد ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ہم نے انہیں ظلم سے ہلاک نہیں کیا۔بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے اپنے اوپر اپنے ہاتھوں ہلاکت مسلط کر لی۔اور جن معبودان باطل کے انہیں سہارے تھے وہ بروقت انہیں کچھ کام نہ آ سکے۔بلکہ ان کی پوجا پاٹ نے انہیں اور غارت کر دیا۔دونوں جہاں کا وبال ان پر آ پڑا۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ۝
اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا،سو ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے
ان کے کچھ کام نہ آئے،جب آپ کے رب کا حکم آیا،اور وہ تو صرف ان کی ہلاکت و بربادی میں ہی اضافہ کر سکے۔

انسانوں کا اپنی جانوں پر خود ظلم کرنے کا بیان

"وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ" بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ ذَنْب "وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسهمْ" بِالشِّرْكِ "فَمَا اَغْنَتْ" دَفَعَتْ "عَنْهُمْ اٰلِهَتنَا الَّتِيْ يَدْعُوْنَ" يَعْبُدُوْنَ "مِنْ دُوْن اللّٰه" اَيْ غَيْره "مِنْ" زَائِدَة "شَيْء لَمَّا جَاءَ اَمْر رَبّك" عَذَابه

"وَمَا زَادُوْهُمْ" بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا "غَيْرَ تَتْبِيْبٍ" تَخْسِيرٍ،
اور ہم نے ان کو بغیر گناہ کے ہلاک کر کے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے خود شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، للہذا ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے، یہاں پر مِن زائدہ ہے۔ جب آپ کے رب کا حکم عذاب آیا، اور ان جھوٹے معبودوں کی عبادت تو صرف ان کی ہلاکت و بربادی میں ہی اضافہ کر سکی۔

شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ) ، الانعام:82) (وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا) تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر یہ بات شاق گزری تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو (یعنی اس سے گناہ نہ ہوا ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں جو تم خیال کر رہے ہو اس آیت میں ظلم کا مطلب وہ ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 327)

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝
اور اسی طرح آپ کے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہے جب وہ بستیوں کی اس حال میں گرفت فرماتا ہے کہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔
بیشک اس کی گرفت دردناک سخت ہوتی ہے۔

مہلت کے بعد ظالموں کی سخت پکڑ کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" مِثْلِ ذٰلِكَ الْاَخْذِ "اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى" اُرِيْدَ اَهْلَهَا "وَهِيَ ظَالِمَةٌ" بِالذُّنُوْبِ: اَىْ فَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِنْ اَخْذِهٖ شَيْءٌ "اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ" رَوَى الشَّيْخَانِ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ" الْاٰيَةَ،

اور اسی طرح آپ کے رب کی پکڑ ہوا کرتی ہے جب وہ بستیوں کی اس حال میں گرفت فرماتا ہے یعنی ارادہ کرتا ہے کہ جو گناہوں کے سبب ظالم بن چکی ہوتی ہیں۔ للہذا کوئی چیز اس کی پکڑ سے بچانے والی نہیں ہے۔ بیشک اس کی گرفت دردناک سخت ہوتی ہے۔

سورہ ہود آیت ۱۰۲ کی تفسیر کا بیان

امام بخاری ومسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو

مہلت دیتا ہے یہاں تک اس کو پکڑ لیتا ہے پھر اس کو چھوڑتا نہیں۔ اس آیت میں اسی طرح کی پکڑ مراد ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو فرصت دیتا ہے اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم کو مہلت دیتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر ہرگز نہیں چھوڑتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ، ہود۔102) (اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اور اس کی پکڑ سخت تکلیف دہ ہے)۔ یہ آیت صحیح غریب ہے اور ابواسامہ بھی یزید سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہوئے یملی کا لفظ بیان کرتے ہیں۔ ابراہیم یہ حدیث ابواسامہ سے وہ یزید بن عبداللہ سے وہ اپنے دادا سے وہ ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے وہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ اور بغیر شک کے یملی کا لفظ بیان کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1053)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝
بیشک ان میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جس کے لئے سارے
لوگ جمع کئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔

قیامت کے دن تمام خلائق کے جمع ہونے کا بیان

"اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ" الْمَذْكُوْر مِنَ الْقَصَص "لَاٰيَةً" لَعِبْرَة "لِمَنْ خَافَ عَذَاب الْاٰخِرَة ذٰلِكَ" اَىْ يَوْم الْقِيَامَة "يَوْم مَجْمُوع لَهُ" فِيهِ "النَّاس وَذٰلِكَ يَوْم مَشْهُوْد" يَشْهَدهُ جَمِيع الْخَلَائِق،

بیشک ان ذکر کردہ واقعات میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یہ روزِ قیامت وہ دن ہے جس کے لئے سارے لوگ جمع کئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔ یعنی تمام مخلوقات موجود ہوں گی۔

قیامت کے دن عذاب سے نجات پانے کا بیان

کافروں کی اس ہلاکت اور مومنوں کی نجات میں صاف دلیل ہے ہمارے ان وعدوں کی سچائی پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کئے ہیں جس دن تمام اول و آخر کے لوگ جمع کئے جائیں گے۔ ایک بھی باقی نہ چھوٹے گا اور وہ بڑا بھاری دن ہوگا تمام فرشتے، تمام رسول، تمام مخلوق حاضر ہوگی۔ حاکم حقیقی عادل کامل انصاف کرے گا۔ قیامت کے قائم ہونے میں دیر کی وجہ یہ ہے کہ رب یہ بات پہلے ہی مقرر کر چکا ہے کہ اتنی مدت تک دنیا بنی آدم سے آباد رہے گی۔ اتنی مدت خاموشی پر گزرے گی پھر فلاں وقت قیامت قائم ہوگی۔ جس دن قیامت آ جائے گی۔ کوئی نہ ہوگا جو اللہ کی اجازت کے بغیر لب بھی کھول سکے۔ مگر رحمٰن جسے اجازت دے اور وہ بات بھی ٹھیک بولے۔ تمام آوازیں رب رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی۔

بخاری و مسلم کی حدیث شفاعت میں ہے اس دن صرف رسول ہی بولیں گے اور ان کا کلام بھی صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ

سلامت رکھ، یا اللہ سلامتی دے۔ مجمع محشر میں بہت سے تو برے ہوں گے اور بہت سے نیک۔ اس آیت کے اترنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ پھر یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اعمال اس بنا پر ہیں جس سے پہلے ہی فراغت کر لی گئی ہے یا کسی نئی بنا پر؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس حساب پر جو پہلے سے ختم ہو چکا ہے جو قلم چل چکا ہے لیکن ہر ایک کے لیے وہی آسان ہو گا۔ جس کے لیے اس کی پیدائش کی گئی ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ
اور ہم اسے صرف مقررہ مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں۔

مقرر وقت کے لئے تاخیر ہونے کا بیان

"وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ" لِوَقْتٍ مَعْلُوم عِنْد اللّٰه،

اور ہم اسے صرف مقررہ مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں۔

سیّدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور ہم باتیں کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ قیامت کا ذکر کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ دس نشانیاں اس سے پہلے نہیں دیکھ لو گے۔ پھر ذکر کیا دھوئیں کا، دجال کا، زمین کے جانور کا، سورج کے مغرب سے نکلنے کا، عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کا، یاجوج ماجوج کے نکلنے کا، تین جگہ خسف کا یعنی زمین کا دھنسنا ایک مشرق میں، دوسرے مغرب میں، تیسرے جزیرہ عرب میں۔ اور ان سب نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی محشر کی طرف لے جائے گی (محشر شام کی زمین ہے) (صحیح مسلم 2037)

اس کے علاوہ بھی احادیث پاک میں قیامت کی بہت سی نشانیوں کا ذکر آیا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور یہ قیامت کی سب سے بڑی نشانی ہوگی، جس سے ہر شخص کو نظر آئے گا کہ اب زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہوا چاہتا ہے اور اب اس نظام کے توڑ دینے اور قیامت کے برپا ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ اس نشانی کو دیکھ کر لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہو جائے گا مگر یہ اس عالم کی نزع کا وقت ہوگا، جس طرح نزع کی حالت میں توبہ قبول نہیں ہوتی، اسی طرح جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ؕ
جب وہ دن آئیگا کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا، پھر ان میں بعض بد بخت ہونگے اور بعض نیک بخت ہونگے۔

قیامت کے دن اللہ کی اجازت کے بغیر کلام نہ ہو سکنے کا بیان

"یَوْمَ یَاْتِ" ذٰلِكَ الْیَوْم "لَا تَكَلَّم" فِیهِ حَذْف اِحْدَی التَّاءَیْنِ "نَفْس اِلَّا بِاِذْنِهٖ" تَعَالٰی "فَمِنْهُمْ" اَیْ

الْخَلْق "شَقِيّ وَ" مِنْهُمْ "سَعِيد" كُتِبَ كُلّ فِي الْاَزَل،

جب وہ دن آئے گا کوئی شخص بھی اس کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا، یہاں پر تکلم میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ پھر ان میں بعض یعنی بعض مخلوق سے بد بخت ہوں گے اور بعض نیک بخت ہوں گے ہر ایک کے لئے ازل میں تقدیر لکھ دی گئی ہے۔

قیامت کا دن فیصلے کا دن ہے

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت (فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ، ہود: 105) نازل ہوئی تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا عمل اس چیز کے لئے کرتے ہیں جو لکھی جا چکی ہے یا ابھی نہیں لکھی ہے (یعنی تقدیر)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی چیز کے لئے جس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے اور اسے لکھا جا چکا لیکن ہر شخص کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ ہم اس کو صرف عبدالملک بن عمرو کی روایت سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1054)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس مال ومتاع نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوۃ لے کے آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر بہتان لگایا ہوگا کسی کا مال غصب کیا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا لہٰذا ان برائیوں کے بدلے میں اس کی نیکیاں مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی لیکن اس کا ظلم ابھی باقی ہوگا چنانچہ مظلوموں کے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دیا جائے گا اور پھر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 314)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۝
پس جو لوگ بد بخت ہوں گے دوزخ میں ہوں گے ان کے مقدر میں وہاں چیخنا اور چلّانا ہوگا۔

کفار جہنم میں صرف چیخ و پکار کر سکیں گے

"فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا" فِيْ عِلْمه تَعَالٰى "فَفِي النَّار لَهُمْ فِيْهَا زَفِير" صَوْت شَدِيْد "وَشَهِيق" صَوْت ضَعِيف،

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں پڑے ہوں گے ان کے مقدر میں وہاں سخت چیخنا اور کمزور آواز میں چلّانا ہوگا۔

عذاب یافتہ لوگوں کی چیخ و پکار کا بیان

گدھے کے چیخنے میں جیسے زیر و بم ہوتا ہے ایسے ہی ان کی چیخیں ہوں گی۔ یہ یاد رہے کہ عرب کے محاوروں کے مطابق قرآن

کریم نازل ہوا ہے۔ وہ ہمیشگی کے محاورے کو اسی طرح بولا کرتے ہیں کہ یہ ہمیشگی والا ہے جب تک آسمان وزمین کو قیام ہے۔ یہ بھی ان کے محاورے میں ہے کہ یہ باقی رہے گا جب تک دن رات کا چکر بندھا ہوا ہے۔ پس ان الفاظ سے ہیشگی مراد ہے نہ کہ قید۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمین وآسمان کے بعد دار آخرت میں ان کے سوا اور آسمان وزمین ہو پس یہاں مراد جنس ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر جنت کا آسمان وزمین ہے۔ اس کے بعد اللہ کی منشا کا ذکر ہے جیسے (النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ،الانعام:128) میں ہے۔ اس استثنا کے بارے میں بہت سے قول ہیں جنہیں جوزی نے زادالمیسر میں نقل کیا ہے۔ ابن جریر نے خالد بن معدان، ضحاک، قتادہ اور ابن سنان کے اس قول کو پسند فرمایا ہے کہ موحد گنہگاروں کی طرف استثناء عائد ہے۔ (تفسیر زادالمیسر ،سورہ ہود، بیروت)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اورزمین قائم رہیں مگر یہ کہ جو آپ کا رب چاہے۔
بیشک آپ کا رب جو ارادہ فرماتا ہے کرگزرتا ہے۔

کفار کے لئے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا بیان

"خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتْ السَّمَاوَات وَالْاَرْض " اَیْ مُدَّة دَوَامهمَا فِی الدُّنْيَا "اِلَّا" غَيْر "مَا شَاءَ رَبّك" مِنْ الزِّيَادَة عَلٰى مُدَّتهمَا مِمَّا لَا مُنْتَهَى لَهُ وَالْمَعْنٰى خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا،

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اورزمین قائم رہیں یعنی ان دونوں کے دوام تک دنیا کی مدت ہے مگر یہ کہ جو آپ کا رب چاہے۔ یعنی اگر وہ چاہے تو ان دونوں کی مدت کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ (یعنی جو اس وقت قائم ہوں گے) بیشک آپ کا رب جو ارادہ فرماتا ہے کرگزرتا ہے۔ یعنی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان وزمین سے مراد جنس ہے۔ یعنی دنیا کے آسمان وزمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان وزمین ان کے علاوہ اور ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، (يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، ابراہیم:48)، اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے۔ اور آخرت کے یہ آسمان وزمین، جنت اور دوزخ کی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان وزمین مراد ہے نہ کہ دنیا کے آسمان وزمین جو فنا ہو جائیں گے۔ ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۭ عَطَاۗءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (جو اس وقت ہوں گے)
قائم رہیں مگر یہ کہ جو آپ کا رب چاہے، یہ وہ عطا ہوگی جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

نیک لوگوں کے لئے ہمیشہ جنت میں ہونے کا بیان

"وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوا" بِفَتْحِ السِّين وَضَمّهَا "فَفِي الْجَنَّة خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتْ السَّمٰوَات وَالْاَرْض اِلَّا" غَيْر "مَا شَاءَ رَبّك" كَمَا تَقَدَّمَ وَدَلَّ عَلَيْهِ فِيْهِمْ قَوْله "عَطَاء غَيْر مَجْذُوذ" عَطَاء "غَيْر مَجْذُوذ" مَقْطُوع وَمَا تَقَدَّمَ مِنْ التَّاْوِيْل هُوَ الَّذِيْ ظَهَرَ وَهُوَ خَال مِنْ التَّكَلُّف وَاللّٰه اَعْلَم بِمُرَادِهِ،

اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (جو اس وقت ہوں گے) قائم رہیں مگر یہ کہ جو آپ کا رب چاہے، اس کی تاٗویل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔اور جو نہ ختم ہونے والی انتہاء پر دلالت کرنے والا ہے۔ یہ وہ عطا ہوگی جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔ وہی اس کو ظاہر کرے گا جو تکلف سے بے پرواہ ہے۔اللہ ہی اس کی مراد زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

جنت کی نعمتوں کے دائمی ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم اور دنیا سے بیزار ہوتے ہیں اور ہم آخرت والوں میں سے ہوتے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں سے مانوس اور اولاد سے ملتے جلتے ہیں تو ہمارے دل بدل جاتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت میں رہو جس طرح میرے پاس سے جاتے ہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کریں اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک نئی مخلوق لے آئے گا کہ وہ گناہ کریں پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی سے۔میں نے پوچھا جنت کس چیز سے بنی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی، اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے۔اس کے کنکر موتی اور یاقوت (سے) ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔جو اس میں داخل ہوگا نعمتوں میں رہے گا اور کبھی مایوس نہ ہوگا۔ہمیشہ اس میں رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔پھر جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔عادل حاکم، روزہ دار جب افطار کرتا ہے اور مظلوم کی بددعا۔چنانچہ جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہی کروں۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 426)

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ
وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝
پس تو اس کے بارے میں جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، کسی شک میں نہ رہ، یہ لوگ عبادت نہیں کرتے مگر جیسے ان سے پہلے ان
کے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور بے شک ہم یقیناً انھیں ان کا حصہ پورا پورا دینے والے ہیں، جس میں کوئی کمی نہ کی گئی ہوگی۔

مشرکین کا بتوں سمیت عذاب میں گرفتار ہونے کا بیان

"فَلَا تَكُ" يَا مُحَمَّد "فِيْ مِرْيَةٍ" شَكٍّ "مِمَّا يَعْبُد هٰؤُلَاءِ" مِنْ الْاَصْنَام اِنَّا نُعَذِّبهُمْ كَمَا عَذَّبْنَا مَنْ قَبْلهمْ وَهٰذَا تَسْلِيَة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُد اٰبَاؤُهُمْ" اَيْ كَعِبَادَتِهِمْ "مِنْ قَبْل" وَقَدْ عَذَّبْنَاهُمْ "وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ" مِثْلهمْ "نَصِيْبهمْ" حَظّهمْ مِنْ الْعَذَاب "غَيْر مَنْقُوْص" اَيْ تَامًّا،

یا محمد ﷺ پس آپ ان بتوں کے بارے میں جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، کسی شک میں نہ رہیں یقیناً ہم انہیں ایسے ہی عذاب دیں گے جس طرح اس سے پہلے ہم انہیں عذاب دیا۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی ہے، یہ لوگ عبادت نہیں کرتے مگر جیسے ان سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے یعنی ان کی عبادت ان پہلوں کی طرح ہے۔ اور بے شک ہم یقیناً انھیں ان کا عذاب سے حصہ پورا پورا دینے والے ہیں، جس میں کوئی کمی نہ کی گئی ہوگی۔ یعنی مکمل عذاب دیں گے۔

اس کی تفسیر سابقہ آیات کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝
اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی پھر اس میں اختلاف کیا جانے لگا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات
پہلے صادر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا گیا ہوتا، اور وہ یقیناً اس کے بارے میں پریشان کن شک میں مبتلا ہیں۔

اہل کتاب کا تورات وقرآن کی تصدیق وتکذیب میں شک کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَاب" التَّوْرَاة "فَاخْتُلِفَ فِيْهِ" بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْب كَالْقُرْاٰنِ "وَلَوْلَا كَلِمَة سَبَقَتْ مِنْ رَبّك" بِتَاْخِيْرِ الْحِسَاب وَالْجَزَاء لِلْخَلَائِقِ اِلٰى يَوْم الْقِيَامَة "لَقُضِيَ بَيْنَهمْ" فِي الدُّنْيَا فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ "وَاِنَّهُمْ" اَيْ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهِ "لَفِيْ شَكّ مِنْهُ مُرِيْب" مُوْقِع فِي الرِّيْبَة،

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات دی پھر اس کی تصدیق وتکذیب میں اختلاف کیا جانے لگا، جس طرح قرآن کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے صادر نہ ہو چکی ہوتی یعنی مخلوق کے

حساب وجزاء کا فیصلہ قیامت کے دن تک کے لئے مؤخر نہ کیا ہوتا تو ان کے درمیان اسی دنیا میں ضرور فیصلہ کر دیا گیا ہوتا، جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور وہ یقیناً اس قرآن کے بارے میں حیران کن شک میں مبتلا ہیں۔ یعنی وہ انتہائی شک میں مبتلاء ہیں

بنی اسرائیل کا تورات میں اختلاف کرنے کا بیان

موسیٰ علیہ السلام کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی، کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہ ہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف وتفریق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے کے بعد تمام مکذبین کا فوراً استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا۔ مگر اس کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہ ہوئی۔ ایک بات اس کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب واختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے، آیا خالق ومخلوق کا ٹھیک ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت وکرامت کا مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی راہنمائی کو خیر باد کہہ کر اپنے کو غضب وناراضگی کا مظہر ٹھہراتا ہے۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝
بیشک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، وہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً وہ اس سے خوب آگاہ ہے۔

اعمال کی پوری پوری جزاء دیے جانے کا بیان

"وَاِنْ" بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْد "كُلًّا" اَیْ كُلّ الْخَلَائِق "لَمَّا" مَا زَائِدَة وَاللَّام مُوَطِّئَة لِقَسَمٍ مُقَدَّر اَوْ فَارِقَة وَفِیْ قِرَاءَة بِتَشْدِيْدِ لَمَّا بِمَعْنٰى اِلَّا فَاِنْ نَافِيَة "لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبّك اَعْمَالهمْ" اَیْ جَزَاءَهَا "اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْر" عَالِم بِبَوَاطِنِهٖ كَظَوَاهِرِهٖ،

یہاں پر ان تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ اور کلا سے مراد تمام خلائق ہے اور لما میں ما زائدہ ہے جبکہ لام موطہ قسم مقدرہ کے لئے آیا ہے۔ یا لام فارقہ ہے۔ اور ایک قرأت میں لما شد کے ساتھ آیا ہے یعنی الا کے معنی میں ہے اور ان نافیہ ہے۔ بیشک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، وہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً وہ اس سے خوب آگاہ ہے۔ یعنی وہ ان کے باطن کو ان کے ظاہر کی طرح جانتا ہے۔

اس پر کچھ مخفی نہیں، اس میں نیکیوں اور تصدیق کرنے والوں کے لئے تو بشارت ہے کہ وہ نیکی کی جزا پائیں گے اور کافروں اور تکذیب کرنے والوں کے لئے وعید ہے کہ وہ اپنے عمل کی سزا میں گرفتار ہوں گے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
پس آپ ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی، جس نے آپ کی معیت میں رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!)
تم سرکشی نہ کرنا، بیشک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔

نیک لوگوں کے ساتھ دعا مانگنے کا بیان

"فَاسْتَقِمْ" عَلَى الْعَمَلِ بِاَمْرِ رَبِّكَ وَالدُّعَاءِ اِلَيْهِ "كَمَا اُمِرْتَ وَ" لِيَسْتَقِمْ "مَنْ تَابَ" اٰمَنَ "مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا" تُجَاوِزُوا حُدُوْدَ اللّٰهِ "اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ،

پس آپ ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی ثابت قدم رہے یعنی جس طرح حکم دیا گیا۔ جس نے آپ کی معیت میں اللہ کی طرف رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا، یعنی حد سے نہ بڑھو۔ بیشک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ پس وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔

استقامت کی دعا مانگنے کا بیان

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اس وقت جب کہ وہ حالت نزع میں تھے اپنے صاحبزادے (حضرت عبداللہ) کو یہ وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے جنازہ کے ہمراہ نہ تو کوئی نوحہ کرنے والی ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرنے لگو تو میرے اوپر مٹی آہستہ آہستہ (یعنی تھوڑی تھوڑی کر کے) ڈالنا پھر دفن کر دینے کے بعد میری قبر کے پاس دعائے استقامت و مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے اتنی دیر تک کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ میں تمہاری وجہ سے آرام پاجاؤں اور بغیر کسی وحشت و گھبراہٹ کے جان لوں کہ میں اپنے پروردگار کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 200)

چنانچہ ابوداؤد کی ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مردہ کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو جاتے اور صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے دعائے استقامت و اثبات مانگو کیونکہ اس وقت قبر میں اس سے سوال و جواب ہو رہا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ٥
اور تم ایسے لوگوں کی طرف مت جھکنا جو ظلم کر رہے ہیں ورنہ تمہیں آتشِ دوزخ آ چھوئے گی اور تمہارے لئے
اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

ظالموں کے ساتھ مل کر ظلم وغیرہ کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَرْكَنُوا" تَمِيْلُوْا "اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا" بِمَوَدَّةٍ اَوْ مُدَاهَنَةٍ اَوْ رِضًا بِاَعْمَالِهِمْ "فَتَمَسَّكُمْ" تُصِيْبُكُمْ "النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اَیْ غَيْرِهٖ "مِنْ" زَائِدَةٌ "اَوْلِيَاءَ" يَحْفَظُوْنَكُمْ مِنْهُ "ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ" تُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ،

اور تم ایسے لوگوں کی طرف مت مائل ہونا جو مودت یا مداہنت یا تمہاری رضامندی سے برے کاموں کے ذریعے ظلم کر رہے ہیں ورنہ تمہیں آتشِ دوزخ آ چھوئے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہاں پر من زائدہ ہے۔ یعنی جو تمہاری مدد کریں، پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ تمہیں کوئی اس کے عذاب سے روکنے والا نہ ہوگا۔

ظالموں اور فاسقوں سے دوستی کی ممانعت کا بیان

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ظالموں سے دوستی نہ کرو اور ان کا کہنا نہ مانو، ابن جریج نے فرمایا کہ ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو، ابوالعالیہ نے فرمایا کہ ان کے اعمال و افعال کو پسند نہ کرو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ہود، بیروت)

سدی نے فرمایا کہ ظالموں سے مداہنت نہ کرو یعنی ان کے برے اعمال پر سکوت یا رضا کا اظہار نہ کرو، عکرمہ نے فرمایا کہ ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو، قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ شکل و صورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کا اتباع کرنا یہ سب اسی ممانعت میں داخل ہے۔

قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ ظلم و جور کی ممانعت اور حرمت کے لئے اس آیت میں وہ انتہائی شدت ہے جو زیادہ تصور میں لائی جاسکتی ہے کیونکہ ظالموں کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلق ہی کو نہیں بلکہ ان کی طرف ادنیٰ درجہ کے میلان اور جھکاؤ اور ان کے پاس بیٹھنے کو بھی اس میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شخص اس عالم سے زیادہ مبغوض نہیں جو اپنی دنیوی مفاد کی خاطر کسی ظالم سے ملنے کے لئے جائے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ہود، بیروت)

حضرت انس سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن ظالم کی کس طرح مدد کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑلو (یعنی اس کو ظلم سے روکو)۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2341)

ظالموں کے پاس جانے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کو جاتے ہوئے مقام حجر سے گزرے تو فرمایا یہ ظالموں کی زمین ہے جہاں ان کے گھر تھے اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا تم اس طرف مت جاؤ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی عذاب آ جائے لہٰذا اس مقام سے روتے ہوئے گزرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کو چھپا لیا اور تیزی کے ساتھ اس جگہ نکل گئے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1606)

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝
اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کرو اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔
یہ یاد کرنے والوں کے لیے یاددہانی ہے۔

نمازوں کے سبب صغیرہ گناہوں کے معاف ہونے کا بیان

"وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ" الْغَدَاة وَالْعَشِیّ اَیْ: الصُّبْح وَالظُّهْر وَالْعَصْر "وَزُلَفًا" جَمْع زُلْفَة اَیْ: طَائِفَة "مِنَ اللَّيْلِ" الْمَغْرِب وَالْعِشَاء "اِنَّ الْحَسَنَات" كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْس "يُذْهِبْنَ السَّيِّئَات" الذُّنُوب الصَّغَائِر نَزَلَتْ فِيمَنْ قَبَّلَ اَجْنَبِيَّة فَاَخْبَرَهُ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلِيْ هٰذَا ؟ فَقَالَ "لِجَمِيعِ اُمَّتِيْ كُلّهمْ" رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ" عِظَة لِلْمُتَّعِظِيْنَ،

اور دن کے دونوں کناروں یعنی صبح ،ظہر اور عصر کے وقت میں نماز قائم کرو اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی ، یہاں زلفا یہ زلفہ کی جمع ہے یعنی مغرب اور عشاء کے وقت میں نماز قائم کریں۔ بے شک نیکیاں یعنی پانچ نمازیں برائیوں کو یعنی صغیرہ گناہوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ حکم اس شخص کے بارے میں نازل ہوا تھا جب ایک شخص نے اجنبیہ کا بوسہ لیا اور پھر اس کو نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا تو اس نے کہا کیا یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ تمام امت کے لئے ہے۔اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ یاد کرنے والوں کے لیے یاددہانی ہے۔یعنی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

نمازوں کے اوقات کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کہتے ہیں دن کے دونوں سرے سے مراد صبح کی اور مغرب کی نماز ہے۔قتادہ ضحاک وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے سرے سے مراد صبح کی نماز اور دوسرے سے مراد ظہر اور عصر کی نماز رات کی گھڑیوں سے مراد عشاء کی نماز بقول مجاہد وغیرہ مغرب وعشاء کی۔نیکیوں کو کرنا گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔

وضو کے سبب گناہوں کے معاف ہونے کا بیان

سنن میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس مسلمان سے کئی گناہ ہوجائے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے،تو اللہ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کیا پھر فرمایا اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا ہے اور آپ نے فرمایا ہے جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے،جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

نمازوں کے سبب اوقات فارغہ کی صغیرہ غلطیوں کی معافی کا بیان

مسند میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، وضو کیا، پھر فرمایا میرے اس وضو کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیا کرتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑا ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے،اس کے صبح سے لے کر اب تک کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، پھر عصر کی نماز پڑھے،تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، پھر مغرب کی نماز ادا کرے،تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔پھر عشاء کی نماز سے مغرب سے عشاء تک

کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے پھر صبح اٹھ کر نماز فجر پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، "بتلاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے مکان کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر ذرا سی بھی میل باقی رہ جائے گا"؟ لوگوں کے نے کہا ہر گز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بس یہی مثال ہے۔ پانچ نمازوں کی کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے"۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "پانچوں نمازیں اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان رمضان تک کا کفارہ ہے جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔

مسند احمد میں ہے "ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو مٹا دیتی ہے۔ بخاری میں ہے کہ کسی شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس گناہ کی ندامت ظاہر کی۔ اس پر یہ آیت اتری اس نے کہا کیا میرے لیے ہی یہ مخصوص ہے؟ آپ نے جواب دیا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لیے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں نے باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا، ہاں جماع نہیں کیا اب میں حاضر ہوں جو سزا میرے لیے آپ تجویز فرمائیں میں برداشت کرلوں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی اگر یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا۔ اسے واپس بلا لاؤ۔ جب وہ آ گیا تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس پر حضرت معاذ نے دریافت کیا کہ " کیا یہ اسی کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے ہے۔

مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزیاں تقسیم فرمائیں ہیں۔ اخلاق بھی تقسیم فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے۔ جس سے خوش ہو اور اسے بھی جس سے غضبناک ہو۔ لیکن دین صرف انہیں کو دیتا ہے جن سے اسے محبت ہو۔ پس جسے دین مل جائے یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اسکی زبان مسلمان نہ ہو جائے۔ اور بندہ ایماندار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اسکی ایذاؤں سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ لوگوں نے پوچھا ایذائیں کیا کیا؟ فرمایا دھوکہ اور ظلم۔ سنو جو شخص مال حرام کمائے پھر اس میں سے خرچ کرے اللہ اسے برکت سے محروم رکھتا ہے۔ اگر وہ اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا۔ اور جتنا کچھ اپنے بعد باقی چھوڑ مرے وہ سب اس کے لیے آگ دوزخ کا توشہ بنتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ ہود، بیروت)

سورہ ہود آیت ۱۱۴ کی تفسیر کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول

اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے شہر کے کنارے ایک عورت سے بوس وکنار کرلیا اور جماع کے علاوہ سب کچھ کیا۔ اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوں میرے بارے میں آپ فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ چھپایا تھا لہٰذا تمہیں بھی چاہئے تھا کہ اسے پردے میں ہی رہنے دیتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ شخص چلا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر بلوایا اور یہ آیات پڑھیں (وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ،ہود:114) (اور دن کے دونوں طرف اور کچھ حصہ رات کا نماز قائم کر، بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں، یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے)۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس شخص کے لئے خاص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ تمام لوگوں کے لئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسرائیل بھی سماک سے اسی طرح روایت کرتے ہیں، سماک ابراہیم سے وہ اسود سے اور وہ عبداللہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ پھر سفیان ثوری بھی سماک سے وہ ابراہیم سے اسی کے مثل بیان کرتے ہیں۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ محمد بن یحییٰ نیشاپوری بھی یہ حدیث سفیان ثوری سے اعمش اور وہ سماک سے وہ دونوں ابراہیم سے وہ عبدالرحمٰن بن یزید سے وہ عبداللہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس سند میں سفیان کی اعمش سے روایت کا ذکر نہیں کرتے۔ سلیمان تیمی یہ حدیث ابوعثمان نہدی سے وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1055)

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝
اور آپ صبر کریں پس بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

نیک اعمال کے ثواب کے ضائع نہ ہونے کا بیان

"وَاصْبِرْ" يَا مُحَمَّد عَلٰى اَذٰى قَوْمك اَوْ عَلَى الصَّلَاة "فَاِنَّ اللّٰه لَا يُضِيع اَجْر الْمُحْسِنِيْنَ" بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَة۔

یا محمد ﷺ آپ اپنی قوم کی اذیت پر یا نماز پر صبر کریں پس بے شک اللہ احسان کرنے والوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ یعنی جو صبر کے ساتھ اطاعت میں رہتا ہے۔

صبر اور عبادت احسان کا بیان

صبر کے لفظی معنی باندھنے کے ہیں اسی لئے اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے لئے بھی صبر بولا جاتا ہے جس کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ نیک کاموں کے کرنے پر اپنے نفس کو ثابت قدم رکھے اور یہ بھی کہ برے کاموں میں مبتلا ہونے سے اس کو روکے، اس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دینے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ جو احکام آیات مذکورہ میں آپ کو دیئے گئے ہیں مثلاً

استقامت، اقامت صلوۃ وغیرہ ان پر آپ مضبوطی سے قائم رہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخالفین کی مخالفت اور ایذاؤں پر صبر کی تلقین مقصود ہو، اور اس کے بعد جو یہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ محسنین یعنی نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے، اس میں بظاہر محسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات مذکورہ کے احکام امر و نہی کے پابند ہوں، یعنی دین میں استقامت کا مقام ان کو حاصل ہو، حدود شرعیہ کی پوری رعایت کرتے ہوں، ظالموں کے ساتھ دوستی اور بے ضرورت تعلق نہ رکھتے ہوں، نماز کو آداب کے ساتھ افضل وقت میں ادا کرنے کے پابند ہوں، تمام احکام دین پر ثابت قدم ہوں۔

اور خلاصہ ان سب کا وہی ہے جو احسان کی تعریف میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں، جب انسان کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے یقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے تو اس کے تمام اقوال وافعال خود بخود درست ہو جاتے ہیں، علماء سلف میں تین کلمے ایسے معروف تھے جو باہم ایک دوسرے کو لکھا کرتے تھے، وہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اول یہ کہ جو شخص آخرت کے لئے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے کاموں کو خود بخود درست فرما دیتا ہے اور ان کی ذمہ داری خود لے لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص اپنی باطنی حالت کو درست کر لے کہ قلب کا رخ سب سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی ظاہری حالت کو خود بخود درست فرما دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ کو صحیح و درست کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور تمام لوگوں کے درمیان کے معاملات کو خود درست فرما دیتا ہے، اصل عبارت ان تین کلمات کی یہ ہے: وکان اھل الخیر یکتب بعضھم الی بعض بثلاث کلمت، من عمل لاٰخرتہ کفاہ اللہ امر دنیاہ، ومن اصلح سریرتہ اصلح اللہ علانیتہ ومن اصلح فیما بینہ وبین اللہ اصلح اللہ ما بینہ و بین الناس ۔(تفسیر روح البیان، سورہ ہود، بیروت)

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○
پس تم سے پہلے کی امتوں میں ایسے صاحبان فضل وخرد کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد انگیزی سے روکتے بجز ان
میں سے تھوڑے سے لوگوں کے جنہیں ہم نے نجات دے دی، اور ظالموں نے عیش وعشرت کی پیروی کی جس میں وہ
پڑے ہوئے تھے اور وہ مجرم تھے۔

فساد وفتنوں سے بچنے والوں کے لئے نجات ہونے کا بیان

"فَلَوْلَا" فَهَلَّا "كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ" الْاُمَمِ الْمَاضِيَة "مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُو بَقِيَّة" اَصْحَاب دِيْن وَفَضْل "يَنْهَوْنَ عَنْ الْفَسَاد فِي الْاَرْض" الْمُرَاد بِهِ النَّفْي: اَيْ مَا كَانَ فِيهِمْ ذٰلِكَ "اِلَّا" لٰكِنْ "قَلِيْلًا مِمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ" نَهَوْا فَنَجَوْا وَمِنْ لِلْبَيَانِ "وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" بِالْفَسَادِ وَتَرْكِ النَّهْي "مَا اُتْرِفُوْا"

نَعِمُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ،

پس تم سے پہلے یعنی گذشتہ قوموں کی امتوں میں ایسے صاحبان فضل وخرد یعنی اہل دین کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو زمین میں فساد انگیزی سے روکتے، یہاں نفی مراد ہے۔ بجز ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے، جنہیں ہم نے نجات دے دی، یعنی وہ رک گئے تو وہ نجات پا گئے، یہاں پر من بیانیہ ہے۔ اور ظالموں نے فساد وترک نہی کے اسی راستے کی پیروی کی جس میں وہ پڑے ہوئے تھے اور وہ پرانے مجرم تھے۔

صاحب اقتدار لوگوں کا فتنہ وفساد دور کرنے کا بیان

حضرت ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سال بیٹھا میں نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں انبیاء حکومت کیا کرتے تھے جب ایک نبی کا وصال ہوتا تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا اور میرے بعد تو کوئی نبی نہیں ہوگا اور البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہونگے صحابہ نے عرض کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یکے بعد دیگرے ہر ایک کی بیعت پوری کرنا اور انہیں ان کا (وہ حق جو تم پر ہے) دیتے رہنا اور اللہ نے انہیں جن پر حکمران بنایا ہے اس کے بارے میں وہی ان سے باز پرس کرے گا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 712)

حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" خبردار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور (قیامت کے دن) تم سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا، لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی اور غلام مرد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جواب داہی کرنا ہوگی لہٰذا آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 819)

یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنے جسم کے اعضاء جو اس کا نگہبان ہے اور وہ اعضاء اس کی رعیت ہیں لہٰذا قیامت کے دن ہر شخص سے اس کے اعضاء حواس کے بارے میں بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ تم نے ان اعضاء کو کہاں کہاں اور کس کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کو حدیث میں اس لئے نقل نہیں کیا گیا کہ یہ بالکل ظاہر بات ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ٥
اور تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو بلاوجہ ہلاک کر دے اور ان کے لوگ اچھے ہوں۔

اہل ایمان کی بستیوں پر عذاب الٰہی نہ آنے کا بیان

"وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ" مِنهُ لَهُم "وَاَهْلُهَا مُصْلِحُونَ" مُؤمِنُونَ،

اور تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو بلا وجہ ہلاک کر دے اور ان کے لوگ اچھے ہوں۔ یعنی اہل ایمان ہوں۔

اس آیت میں فرمایا کہ آپ کا رب شہروں اور بستیوں کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا جبکہ ان کے بسنے والے نیکوکار یعنی مسلمان ہوں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ظلم و جور کا کوئی امکان نہیں، جن کو ہلاک کیا جاتا ہے وہ اسی کے مستحق ہوتے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے اور مصلحون سے مراد وہ لوگ ہیں جو باوجود مشرک کافر ہونے کے معاملات اور اخلاق اچھے رکھتے ہیں، کسی کو نقصان وایذاء نہیں پہنچاتے، جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے، اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ دنیا کا عذاب کسی قوم پر محض ان کے مشرک کافر ہونے کی وجہ سے نہیں آتا جب تک کہ وہ اعمال واخلاق میں بھی ایسے کام نہ کرنے لگیں جن سے زمین میں فساد پھیلتا ہے، پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آئے ان کے خاص خاص اعمال بد اس کا سبب بنے، نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، قوم شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کر کے فساد پھیلایا، قوم لوط علیہ السلام نے بدترین قسم کی بدکاری کو شیوہ بنایا، قوم موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام نے اپنے پیغمبروں پر ظلم ڈھائے، قرآن کریم نے دنیا میں ان پر عذاب آنے کا سبب انہی اعمال وافعال کو بتلایا ہے، نرے کفر وشرک کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں آتا اس کی سزا تو جہنم کی دائمی آگ ہے، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ ملک وسلطنت کفر وشرک کے ساتھ چل سکتے ہیں مگر ظلم وجور کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝
اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔

اللہ کی تقدیر کے مطابق تمام لوگوں کا امت واحدہ نہ ہونے کا بیان

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَاحِدَةً" اَهْلَ دِيْنٍ وَاحِدٍ "وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ" فِيالدِّيْنِ،

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا یعنی ایک دین پر جمع کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔ بلکہ وہ مسلسل دین میں اختلاف کرتے رہے۔

اختلاف کے اچھے یا برے ہونے کا بیان

اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی امت وملت بنا دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام انسانوں کو زبردستی قبول اسلام پر مجبور کر ڈالتے سب کے سب مسلمان ہی ہو جاتے ان میں کوئی اختلاف نہ رہتا مگر بتقاضائے حکمت اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اس نے انسان کو ایک قسم کا اختیار سپرد کر دیا ہے اس کے ماتحت وہ اچھا یا برا جو چاہے عمل کر سکتا ہے، اور انسان کی طبائع مختلف ہیں اس لئے راہیں مختلف ہوتی ہیں اور عمل مختلف ہوتے ہیں،

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ہمیشہ دین حق سے اختلاف کرتے ہی رہیں گے بجز ان لوگوں کے جن پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی، یعنی انبیاء علیہم السلام کا اتباع کرنے والے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف سے مراد اس جگہ دین حق اور تعلیم انبیاء کی مخالفت ہے، اجتہادی اختلاف جو ائمہ دین اور فقہاء اسلام میں ہونا ناگزیر ہے اور عہد صحابہ سے ہوتا چلا آیا ہے، وہ اس میں داخل نہیں، نہ وہ رحمت الٰہی کے خلاف ہے بلکہ مقتضائے حکمت و رحمت ہے، جن حضرات نے ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو اس آیت کی رو سے غلط، خلاف رحمت قرار دیا ہے، یہ خود سیاق آیت کے بھی خلاف ہے اور صحابہ و تابعین کے تعامل کے بھی خلاف ہے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○
ہاں البتہ سوائے اس شخص کے جس پر آپ کا رب رحم فرمائے، اور اسی لئے اس نے انھیں پیدا فرمایا ہے، اور آپ کے رب کا
فرمان پورا ہو چکا بیشک میں دوزخ کو جنّوں اور انسانوں میں سے سب (اہل باطل) سے ضرور بھر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے مختلف ہونے کا بیان

اِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبّكَ" اَرَادَ لَهُمُ الْخَيْر فَلَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيهِ "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" اَیْ اَهْلَ الِاخْتِلَاف لَهٗ وَاَهْلَ الرَّحْمَة لَهَا "وَتَمَّتْ كَلِمَة رَبّك" وَهِيَ، "لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ،

ہاں البتہ سوائے اس شخص کے جس پر آپ کا رب رحم فرمائے، اور اسی لئے اس نے انھیں پیدا فرمایا ہے، یعنی اہل اختلاف کو اختلاف کے لئے جبکہ اہل رحمت کو رحمت کے لئے پیدا کیا۔ اور آپ کے رب کا فرمان پورا ہو چکا بیشک میں دوزخ کو جنّوں اور انسانوں میں سے سب (اہل باطل) سے ضرور بھر دوں گا۔

اہل جہنم سے دوزخ کو بھر دینے کا بیان

حضرت انس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے (دوسری سند) خلیفہ، یزید بن زریع، سعید، قتادہ، حضرت انس (تیسری سند) معتمر، معتمر کے والد (سلیمان) قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ لوگ جہنم میں ڈالے جا رہے ہوں گے اور جہنم کہتی جائے گی کہ اور کچھ باقی ہے؟ یہاں تک کہ رب العالمین اس میں اپنا پاؤں رکھ دیں گے تو اس کے بعض بعض سے مل کر سمٹ جائیں، پھر وہ کہے گی کہ بس بس، تیری عزت اور تیری بزرگی کی قسم اور جنت میں جگہ باقی بچ جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوسری مخلوق پیدا کرے گا اور ان کو جنت کی بچی ہوئی جگہ میں ٹھہرائے گا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2283)

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ
وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے سب حالات آپ کو سنا رہے ہیں جس سے ہم آپ کے قلب (اَطہر) کو تقویت دیتے ہیں،

اور آپ کے پاس اس میں حق اور نصیحت آئی ہے اور اہل ایمان کے لئے عبرت ہے۔

سابقہ امم کے واقعات سے ایمان والوں کا نصیحت حاصل کرنے کا بیان

"وَكُلًّا" نُصِبَ بِنَقُصِ وَتَنْوِيْنه عِوَض الْمُضَاف اِلَيْهِ اَیْ كُلّ مَا يَحْتَاج اِلَيْهِ "نَقُصّ عَلَيْك مِنْ اَنْبَاء الرُّسُل مَا" بَدَل مِنْ كُلًّا "نُثَبِّت" نُطَمِّنُ "بِهِ فُؤَادك" قَلْبك "وَجَاءَك فِي هٰذِهِ" الْاَنْبَاء اَوْ الْاٰيَات "الْحَقّ وَمَوْعِظَة وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ" خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِي الْاِيْمَان بِخِلَافِ الْكُفَّار،

یہاں پر کلاً یہ نقص فعل کا معمول ہونے کے سبب منصوب ہے جبکہ اس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے۔ یعنی ہر وہ واقعہ جس کو سنانے کی ضرورت ہو۔ اور یہاں پر ما، جو ہے یہ کلا سے بدل ہے۔ اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے سب حالات آپ کو سنا رہے ہیں جس سے ہم آپ کے قلب (اَطہر) کو تقویت دیتے ہیں، اور آپ کے پاس اس سورت میں خبریں یا آیات جو حق اور نصیحت کے لئے آئی ہیں اور اہل ایمان کے لئے نصیحت ہیں۔ ان کا ذکر اس لئے خاص طور کیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے ایمان والوں کو نفع پہنچتا ہے جبکہ کفار کے لئے نہیں ہے۔

انبیاء کے حالات بار بار بیان کرنے کے اس میں تین فائدے بتلائے ہیں۔ ایک یہ کہ جن مشکلات سے آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ دوچار ہیں ایسے ہی حالات سے تمام سابقہ انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کو بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔ آخر اللہ نے مخالفین کا سر توڑ دیا اور انبیاء اور مومنوں کو بچالیا اور کامیاب کیا لہٰذا آپ صبر سے کام لیں اور اپنے عزم کو مضبوط رکھیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کے پیروکاروں تک سابقہ انبیاء کے صحیح صحیح حالات پہنچ جائیں جن کی آپ کو پہلے سے خبر نہیں تھی۔ تیسرے یہ کہ ان لوگوں کے حالات میں آپ سب کے لیے بہت سے اسباق موجود ہیں یعنی اللہ کے نافرمانوں کا بالآخر کیا انجام ہوتا ہے اور فرماں برداروں کا کیا؟

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝

اور کافروں سے فرماؤ تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

کفر کی یلغار کے باوجود اپنے دین حق پر قائم رہنے کا بیان

"وَقُلْ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتكُمْ" حَالَتكُمْ "اِنَّا عَامِلُوْنَ" عَلٰى حَالَتنَا تَهْدِيْد لَهُمْ،

اور کافروں سے فرماؤ تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ یعنی تم اپنی حالت پر رہو۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ یعنی ہم اپنی حالت پر قائم رہیں گے۔ اس میں ان کے لئے تہدید ہے۔

حق و باطل کے معرکہ میں حق کے غالب آنے کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے دن پچاس پیادوں پر

عبداللہ بن جبیر کو سردار مقرر کر کے فرمایا کہ اگر تم ہم کو اس حالت میں دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک کہ میں تم سے کہلا نہ بھیجوں اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے کافروں کو بھگا دیا ہے اور ان کو پامال کر دیا ہے تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا تا آنکہ میں تم کو کہلا نہ بھیجوں بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو شکست دے دی حضرت براء نے کہا کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اللہ کی قسم! وہ بھاگ رہی تھیں اور ان کے جھانجھ بج رہے تھے اور ان کی پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے تھیں کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے کہا لوگو! مال غنیمت! مال غنیمت! تمہارے ساتھی تو غالب آ گئے اب تم کیا دیکھ رہے ہو اس پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگو! کیا تم نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی طاق نسیان میں رکھ دیا تو اور لوگوں نے کہا کہ ہم تو کافروں کے پاس جا کر ان کا مال غنیمت لوٹیں گے چنانچہ یہ لوگ وہاں پہنچے تو ان کا رخ بدل گیا اور کفار بھاگتے ہوئے سامنے کی طرف آ گئے اور پھر سے لڑائی ہونے لگی اور مسلمان شکست خوردہ ہو گئے اور یہی معنی ہیں اس آیت وحکم الٰہی کے کہ جب رسول ان کو ان کے پیچھے سے بلا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سوائے بارہ آدمیوں کے اور کوئی نہ رہا اور مسلمانوں کے ستر آدمیوں کو کافروں نے شہید کر دیا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایک سو چالیس مشرکوں کو یوم بدر میں مارا تھا کہ ستر قتل ہوئے اور ستر قیدی ہاتھ آئے تھے تو ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ کیا ان میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں؟ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس کا جواب دینے سے منع کر دیا تھا پھر ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ (یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) اور پھر تین مرتبہ کہا کہ تم میں عمر بن الخطاب ہیں؟

اور پھر اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یہ تو سب مارے گئے۔ جس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ روک سکے اور کہا کہ اے اللہ کے دشمن اللہ کی قسم! جن لوگوں کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور جس بات سے تم رنجیدہ ہو وہ برقرار ہے ابوسفیان نے کہا آج بدر کے دن کا بدلہ نکل گیا اور لڑائی تو ڈول کی طرح ہے تم اپنے لوگوں میں سے بعض کے ناک کان کٹے پاؤ گے جس کا میں نے کوئی حکم نہیں دیا اور یہ بات مجھے ناگوار بھی معلوم نہیں ہوئی اس کے بعد ابوسفیان رجز پڑھنے لگا کہ اے ہبل بلند ہو جا اے ہبل اونچا ہو جا جس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ ہی سب سے زیادہ بلند اور بزرگ موجود ہے جس پر ابوسفیان نے کہا ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب سے کہا تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا امدادگار و معاون نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 305)

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○
اور تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

کفار کے انجام کا انتظار کرنے کا بیان

"وَانْتَظِرُوا" عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ "اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ" ذٰلِكَ،

اور تم اپنے انجام کا انتظار کرو ہم بھی تمہارے اسی انجام کا انتظار کرتے ہیں۔

تھوڑے ہی انتظار کے بعد کفار کے انجام کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ایک دن کعبہ کے سایہ میں نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل نے اور قریش کے چند لوگوں نے باہم مشورہ کیا، مکہ سے باہر ایک اونٹنی ذبح کی گئی تھی، ان لوگوں نے ایک آدمی بھیجا اور اس کی اوجھ لے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کو ڈال دیا پھر حضرت فاطمہ آئیں اور انہوں نے اسے اوپر سے ہٹایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! قریش کی گرفت کر اے اللہ قریش کی گرفت کر، اے اللہ قریش کی گرفت کر، ابوجہل بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور ابی بن خلف اور عتبہ بن ابی معیط کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائے ضرر کی تھی عبداللہ بن مسعود کہتے تھے کہ اللہ کی قسم میں نے ان کو بدر کے کنویں میں مقتول پڑا دیکھا اور ابواسحاق نے کہا کہ میں ساتواں بھول گیا اور یوسف بن ابی اسحاق نے ابواسحاق کے واسطہ سے امیہ بن خلف کا نام لیا اور شعبہ نے امیہ یا ابی کہا اور صحیح امیہ ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 203)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی کی طرف سب کاموں کا لوٹنا ہے تو اس کی عبادت کرو اور
اس پر بھروسہ رکھو، اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

زمین و آسمان میں پوشیدہ چیزوں کا علم اللہ کے لئے ہونے کا بیان

"وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْض " اَیْ عِلْم مَا غَابَ فِيْهِمَا "وَاِلَيْهِ يَرْجِع" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ يَعُود وَلِلْمَفْعُوْلِ يُرَدّ "الْاَمْر كُلّه" فَيَنْتَقِم مِمَّنْ عَصَى "فَاعْبُدْهُ" وَحْده "وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ" ثِقْ بِهِ فَاِنَّهٗ كَافِيك "وَمَا رَبّك بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" وَاِنَّمَا يُؤَخِّرهُمْ لِوَقْتِهِمْ وَفِي قِرَاءَة بِالْفَوْقَانِيَّةِ،

اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب یعنی جو کچھ ان دونوں میں پوشیدہ ہے اور اسی کی طرف سب کاموں کا لوٹنا

ہے، یہاں پر یرجع معروف اور مجہول بھی پڑھا گیا ہے۔اس کا عامل یرد ہے۔لہٰذا جس نے اس کی نافرمانی کی وہ اس سے انتقام لے گا۔تو اس کی عبادت کرو یعنی اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔اور اس پر مضبوط بھروسہ رکھو، کیونکہ وہ تمہیں کافی ہے۔اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔اور اسی نے ان کو ایک وقت تک کے لئے مہلت دی ہوئی ہے۔اور ایک قرأت میں تاءفوقانیہ کے ساتھ آیا ہے۔

زمین وآسمانوں کی بادشاہت اللہ کے لئے ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ رب العزت آسمانوں کو لپیٹ لے گا پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، زور والے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں تکبر والے کہاں ہیں پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں زور والے بادشاہ کہاں ہیں تکبر والے کہاں ہیں؟

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2550)

رسول اللہ ﷺ آسمانی خزانوں کے امین ہیں

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کچھ سونا سرخ رنگے ہوئے کپڑے میں بند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیجا اور اسے مٹی سے بھی جدا کیا گیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید خیل اور چوتھے علقمہ بن علاثہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کیا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ ہم اس کے زیادہ حقدار تھے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے۔حالانکہ میں آسمانوں کا امین ہوں میرے پاس آسمان کی خبریں صبح شام آتی ہیں تو ایک آدمی گھسی ہوئی آنکھوں والا بھرے ہوئے گالوں والا ابھری ہوئی پیشانی والا مونڈے ہوئے سر والا گھنی داڑھی والا اٹھے ہوئے ازار بند والا کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈرو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیری خرابی ہو کیا میں زمین والوں سے زیادہ حقدار نہیں ہوں کہ اللہ سے ڈروں، پھر وہ آدمی چلا گیا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں اس کی گردن نہ مار ڈالوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں شاید کہ یہ نماز پڑھتا ہو، خالد نے عرض کیا نماز پڑھنے والے کتنے ایسے ہیں جو زبان سے اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے نہیں مانتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں کے دلوں کو چیرنے اور ان کے پیٹ چاک کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پشت موڑ کر جاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا اس آدمی کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو عمدہ انداز سے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرے گی لیکن وہ ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گی وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں ان کو پالوں تو انہیں قوم ثمود کی طرح قتل کروں۔(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2445)

سورہ ہود کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ ہود کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی

یہ قرآن مجید کی سورت یوسف ھے

سورت یوسف کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ یُوسُفْ (مَكِّيَّة اِلَّا الْاٰيَات 1 و2 و3 و7 فَمَدَنِيَّة وَاٰيَاتهَا 111 نَزَلَتْ بَعْدَ سُوْرَةُ هُوْد)

سورہ یوسف مکی ہے۔ البتہ آیت ۱، ۲، ۳، ۷ مدنی ہیں۔ اور اس کی آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اور یہ سورہ ہود کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس میں بارہ رکوع اور ایک ہزار چھ سو کلمات اور سات ہزار ایک سو چھیاسٹھ ۶۶ حروف ہیں۔

سورہ یوسف کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا نام یوسف کیوں رکھا گیا ہے اس کی وجہ تسمیہ محتاج تعارف نہیں ہے کیونکہ اس کے اول سے آخر تک حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ جو احسن القصص ہے اور جس میں عجائب قدرت کا جگہ جگہ اور لحہ لحہ ظہور ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا صبر، تحمل بردباری، تقویٰ اور اسی طرح تمام اخلاق حسنہ پر مبنی اوصاف کمال تعریف کے لائق ہیں۔

سورت یوسف کی فضیلت کا بیان

اس سورت کی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے۔ کہ اپنے ماتحتوں کو سورہ یوسف سکھاؤ۔ جو مسلمان اسے پڑھے یا اسے اپنے گھر والوں کو سکھائے یا اپنے ماتحت لوگوں کو سکھائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ سکرات موت آسان کرتا ہے اور اسے اتنی قوت بخشتا ہے کہ وہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دلائل النبوۃ میں ہے کہ جب یہودیوں نے یہ سورت سنی تو وہ مسلمان ہوگئے۔ کیونکہ انکے ہاں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان تھا۔ یہ روایت کلبی کی ابوصالح سے اور ان کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ (تاریخ ابن عساکر، مطبوعہ بیروت)

سورت یوسف کے شانِ نزول کا بیان

علماء یہود نے اشراف عرب سے کہا تھا کہ سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرو کہ اولاد حضرت یعقوب ملک شام سے مصر میں کس طرح پہنچی اور ان کے وہاں جا کر آباد ہونے کا کیا سبب ہوا اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ کیا ہے؟ اس پر یہ سورۃ مبارکہ نازل ہوئی۔

بعض روایات میں ہے کہ یہود نے آزمائش کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں

بتلایئے کہ آل یعقوب ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا؟ ان کے جواب میں بذریعہ وحی یہ پورا قصہ نازل کیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت کا بڑا شاہد تھا کہ آپ امی محض تھے اور عمر بھر مکہ میں مقیم رہے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کوئی کتاب پڑھی پھر وہ تمام واقعات جو تورات میں مذکورہ صحیح بتلا دیئے بلکہ بعض وہ چیزیں بھی بتلا دیں جن کا ذکر تورات میں نہ تھا۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝
الف، لام راء، یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔

قرآن مجید کی آیات کا حق و باطل میں کرنے کا بیان

"الر" اَللّٰه اَعْلَم بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ "تِلْكَ" هٰذِهِ الْاٰيَات "اٰيَات الْكِتَاب" الْقُرْاٰن وَالْاِضَافَة بِمَعْنٰى مِنْ "الْمُبِيْن" الْمُظْهِر لِلْحَقِّ مِنْ الْبَاطِل،

الف لام، راء کی مراد کو اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ جبکہ آیات کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہاں پر اضافت من کے ذریعے ہوئی ہے۔ اور مبین سے مراد جو باطل سے الگ کر کے حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔

قبیلہ ربیعہ کا حق و باطل کے درمیان فرق پوچھنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب وفد عبدالقیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں یا یوں پوچھا کہ یہ کس قبیلے کا وفد ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ "قبیلہ ربیعہ کے افراد ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش آمدید، نہ دنیا میں تمہارے لئے رسوائی ہے اور نہ آخرت کی شرمندگی، اہل وفد نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان " کفار مضر" کا قبیلہ رہتا ہے اس لئے ہم آپ کی خدمت میں جلد جلد حاضر نہیں ہو سکتے صرف ان مہینوں میں آسکتے ہیں جن میں لڑنا حرام ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ایسے احکام ہمیں عطا فرما دیجئے جن پر ہم خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو (بھی) ہم اس سے آگاہ کر دیں جن کو اپنے پیچھے (وطن و قوم میں) چھوڑ آئے ہیں اور اس پر عمل کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں (اور اسی کے ساتھ) انہوں نے (ان) برتنوں کی بابت بھی پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا اور اول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا جانتے ہو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا) اس حقیقت کی شہادت دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پابندی سے نماز پڑھنا، زکوۃ دینا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا، مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کے دینے کا حکم بھی فرمایا۔ اور ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا: لاکھ کئے

ہوئے برتنوں سے، کدو کے تونبوں سے درخت کی کھوکھلی جڑوں سے بنائے ہوئے برتنوں سے، رال کئے ہوئے برتنوں سے اور فرمایا: ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرلو اور جن مسلمانوں کو اپنے پیچھے (وطن میں) چھوڑ آئے ہوان کو بھی باتوں سے آگاہ کردو۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر16)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰـهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○
بے شک ہم نے اس قرآن کوعربی میں نازل کیا تا کہ تم سمجھ سکو۔

قرآن مجید کا لغت عربی میں آنے کا بیان

"اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا" بِلُغَةِ الْعَرَب "لَعَلَّكُمْ" يَا اَهْل مَكَّة "تَعْقِلُوْنَ" تَفْقَهُوْنَ مَعَانِيه،

اے اہل مکہ! بے شک ہم نے اس قرآن کوعربی یعنی عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم سمجھ سکو۔یعنی تم اس کی معانی کو سمجھ سکو۔

قرآن مجید کا بہ ذریعہ لغت عرب سب کے لئے ہدایت ہونے کا بیان

قرآن مصدر ہے قَرَأَ يقرأ سے۔اس کے اصل معنی ہیں پڑھنا۔مصدر کوکسی چیز کے لیے جب نام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس شے کے اندر معنی مصدری بدرجہ کمال پایا جاتا ہے۔مثلا جب کسی شخص کو ہم بہادر کہنے کے بجائے بہادری کہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اندر شجاعت ایسی کمال درجہ کی پائی جاتی ہے کہ گویا وہ اور شجاعت ایک چیز ہیں۔پس اس کتاب کا نام قرآن (پڑھنا) رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عام وخاص سب کے پڑھنے کے لیے ہے اور بکثرت پڑھی جانے والی چیز ہے۔

قرآن ساری دنیا کے لیے ہدایت کی کتاب ہے۔لیکن چونکہ اس کے اولین مخاطب اہل عرب تھے۔اس لیے ضروری تھا کہ اسے عربی زبان میں نازل کیا جاتا۔تا کہ پہلے عرب اس کے مطالب کو خوب سمجھیں، پھر دوسرے لوگوں تک ان لوگوں کی زبان میں اسے پہنچائیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○
ہم تمہیں سب اچھا بیان سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگر چہ بیشک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو احسن قصص کہنے کا بیان

"نَحْنُ نَقُصّ عَلَيْكَ اَحْسَن الْقَصَص بِمَا اَوْحَيْنَا" بِاِيحَائِنَا "اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰن وَاِنْ" مُخَفَّفَة اَيْ وَاِنَّهُ،

ہم تمہیں سب اچھا بیان سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی وحی بھیجی اگر چہ، بیشک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔یہاں پر اِن مخففہ ہے یعنی انہ ہے۔

سورہ یوسف آیت ۳ کے سبب نزول کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ نبی پر قرآن نازل ہوا اور آپ نے صحابہ پر ایک زمانہ تک اس کی تلاوت فرمائی تو ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمیں کوئی حدیث سنائیں تو اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ (اللہ نزل احسن الحدیث) سورہ زمر 23) (مستدرک حاکم،2،345، نیسابوری 227، سیوطی 156)

ابن ابی حاتم نے روایت میں یہ الفاظ مزید ذکر کیے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمارے سامنے کچھ ذکر فرمائیں تو اللہ نے یہ فرمان نازل فرمایا۔ (الم یان للذین آمنو ان تخشع قلوبھم، (سورہ الحدید 16)

اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمارے سامنے کوئی قصہ بیان کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ابن مسعود سے اسی کے مثل روایت نقل کی ہے (زاد المیسر 4۔76)

اور عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول بہت اکتا گئے تھے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے کوئی بات بیان فرمائیں تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اللہ نزل احسن الحدیث) راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک مرتبہ وہ اکتا گئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حدیث سے اوپر اور قرآن سے کم درجے کی کوئی چیز بیان فرمائیں ان کی مراد قصص تھے تو اللہ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا۔ غرض انہوں نے حدیث کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کو بہترین حدیث پر رہنمائی فرمادی اور انہوں نے قصص کا ارادہ کیا تو اللہ نے بہترین قصہ کی طرف رہنمائی فرمادی۔ (مستدرک حاکم 2۔345، نیسابوری 227، طبری 12۔90)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا اجمالی بیان

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے ایک غلام کے طور پر خریدا اور اپنے گھر لایا تو ان کے ساتھ غلاموں کا سا معاملہ نہیں کیا بلکہ اپنی اولاد کی طرح عزت واحترام کے ساتھ رکھا اور گھریلو زندگی کی تمام ذمہ داریاں ان کے سپرد کردیں، حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی کا عالم تھا۔ جمال ورعنائی اور حسن وخوبروئی کے پیکر تھے، ادھر یہ کہ ہر وقت کا ساتھ، عزیز مصر کی بیوی دل پر قابو نہ رکھ سکی اور حضرت یوسف علیہ السلام پر پروانہ وار نثار ہونے لگی، مگر حضرت یوسف علیہ السلام، جو خانوادہ نبوت کے چشم وچراغ اور منصب نبوت کے لئے منتخب تھے، بھلا ان سے یہ کس طرح ممکن تھا کہ بے کرداری اور فحش میں مبتلا ہوکر عزیز مصر کی بیوی کے ارادہ بد کو پورا کردیتے، اس عورت نے پہلے تو آرائش حسن وزینت کی بے پناہ نمائش اور عشوہ طرازیوں کی بارش کے ذریعہ ان کو اپنے جال میں پھانسنا چاہا اور جب کامیاب نہ ہوئی تو زبردستی پر اتر آئی، مگر خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے خبث نفس کی گرفت سے بچالیا، پھر اس عورت کے ناکام عشق کا بھید اس کے شوہر عزیز مصر پر بھی کھل گیا لیکن اس نے حقیقت حال سے آگاہ ہوکر حضرت یوسف علیہ السلام کی ستائش کی اور اپنی عورت کو فہمائش کی اور خفت ورسوائی سے بچنے کے لئے معاملہ کو دبا دیا، مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی اور شدہ شدہ شاہی خاندان کی عورتوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور عزیز مصر کی بیوی اپنی ہم جولیوں اور سہیلیوں کی طنز وتعریض کا نشانہ بن کر رہ گئی اس صورت حال نے اس کو بوکھلا دیا اور اس نے طے کیا کہ طنز وتعریض کرنے والی عورتوں کو ایسا سبق دینا چاہیے کہ وہ

جس بات پر مجھ پر چھینٹے اڑاتی ہیں خود اس میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ ایک دن اس نے شاہی خاندان اور عمائدین شہر کی عورتوں کو دعوت دی اور جب سب نے دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے لئے چھری کانٹے ہاتھ میں لئے تو عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ باہر آئیں، وہ مالکہ کا حکم سن کر باہر نکلے اور جب عورتوں نے جمال یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو رخ انور کی تابانی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ چیزیں کاٹنے کے بجائے چھری کانٹوں سے ہاتھ کاٹ لئے اور یہ دیکھ کر عزیز مصر کی بیوی بہت محظوظ ہوئی اور فخرہ انداز میں کہنے لگی کہ یہی وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارے میں تم نے مجھے مطعون کر رکھا ہے اور تیرا ملامت کا نشانہ بنایا ہوا ہے، اب بتاؤ میرا عشق بیجا ہے یا بجا؟ عزیز مصر کی بیوی نے اس وقت یہ بھی کہا کہ بیشک میں نے اس شخص کو اپنے قابو میں کرنا اور اس کے دل کو اپنے پیچہ عشق میں لینا چاہا مگر یہ میرے قابو میں نہیں آیا، اب میں یہ کہے دیتی ہوں کہ اس نے میرا کہا نہ مانا تو قید خانہ کی ہوا کھائے گا اور بے عزت ہو کر رہے گا، معاملہ جب اس حد تک پہنچ گیا تو عزیز مصر نے باوجودیکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پاکباز اور پختہ کردار پرکھ لیا تھا، اپنی بیوی کی فضیحت و رسوائی دیکھ کر یہ طے کر لیا کہ یوسف علیہ السلام کو کچھ عرصہ کے لئے قید خانہ میں ڈال دے تاکہ یہ معاملہ لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے اور چرچے بند ہو جائیں اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ وہ نو برس تک قید خانہ میں پڑے رہے تا آنکہ بعض واقعات کے نتیجہ میں مصر کا بادشاہ فرعون تک ان کی بزرگی، جلالت قدر اور عظمت شان کا قائل ہو گیا تو اس نے ان کی رہائی کا حکم جاری کر دیا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیق کر و اور جن عورتوں نے مجھے دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں ان سے میرے کردار اور پاکیزگی کی چھان بین کرو، جب تک معاملہ کی اصل صورت سامنے نہیں آجائے گی اور میرا بے قصور اور صاحب عصمت ہونا پوری طرح ظاہر و ثابت نہیں ہو جائے گا میری عزت نفس جیل سے باہر آنا گوارا نہیں کرے گی، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام کی جگہ میں ہوتا اور مجھے اتنی طویل مدت تک قید خانہ میں رہنا پڑ جاتا تو رہائی کا پروانہ آتے ہی اس کو قبول کر لیتا اور جیل سے باہر آنے میں کوئی توقف نہ کرتا، نہ اس بات کا مطالبہ کرتا کہ صورت حال کی مکمل تحقیق و تفتیش ہو اور نہ اس تحقیق و تفتیش کے نتیجہ کے ساتھ اپنی رہائی کو مشروط کرتا! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبردست تعریف و تحسین اور ان کے صبر و ثبات اور متانت رائے کا اظہار و اعتراف ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ کوئی شخص ایک مدت دراز تک جیل کی کوٹھری میں بند اور وہاں کے مصائب و آلام میں مبتلا رہے اور جب اس کی رہائی کا پروانہ آئے تو وہ شخص اپنی عزت نفس کی خاطر اس پروانے کو ٹھکرا دے اور جیل سے باہر آنے سے اس وقت تک کے لئے انکار کر دے جب تک کہ اس کو بالکل بے داغ اور بے قصور قرار نہ دے دیا جائے۔ صبر و استقامت کی ایک ایسی مثال ہے جس کا کسی اور کے لئے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام ہی کا کمال تھا کہ انہوں نے بے مثل کردار کا ثبوت دیا تاہم یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس کردار اور ان کی شان استقامت کا ذکر جس انداز میں فرمایا وہ تواضع و کسر نفسی پر محمول ہے ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صبر و استقامت کا ایسا پیکر جلیل تھی جو حضرت یوسف

علیہ السلام ہی کے اس صبر و استقامت پر بھاری نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف تمام اولوالعزم انبیاء سے بلند و بالا ہے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ○
جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا اے میرے والد گرامی! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو اور سورج
اور چاند کو دیکھا ہے، میں نے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو والد گرامی کو خواب بتانے کا بیان

اُذْكُرْ "اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ" يَعْقُوْب "يَا اَبَتِ" بِالْكَسْرِ دَلَالَة عَلٰى يَاء الْاِضَافَة الْمَحْذُوْفَة وَالْفَتْح دَلَالَة عَلٰى اَلِف مَحْذُوْفَة قُلِبَتْ عَنْ الْيَاء "اِنِّىْ رَاَيْت" فِي الْمَنَام "اَحَد عَشَر كَوْكَبًا وَالشَّمْس وَالْقَمَر رَاَيْتهمْ" تَاْكِيد "لِيْ سَاجِدِيْنَ" جُمِعَ بِالْيَاءِ وَالنُّوْن لِلْوَصْفِ بِالسُّجُوْدِ الَّذِيْ هُوَ مِنْ صِفَات الْعُقَلَاء ،

آپ یاد کریں جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا اے میرے والد گرامی، یہاں پر یاابت، یہ تاء کی کسرہ کے ساتھ آیا ہے تا کہ حذف یائے اضافیہ پر دلالت کرے اور تاء کی فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے تا کہ الف محذوفہ پر دلالت کرے جو کہ یاء سے بدل کر آیا تھا۔ میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، یہاں رائیتھم تاکیدی ہے میں نے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں پر ساجدین کو یاء اور نون کے ساتھ جمع کیا گیا ہے کیونکہ یہ سجود کا وصف یعنی ستاروں کے لئے بہ طور وصف ہے جبکہ اصل میں اہل عقل کے لئے ہے۔

گیارہ ستاروں کی تعبیر گیارہ بھائیوں سے ہونے کا بیان

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ جب حضرت یوسف نے اپنے والد سے کہا اے میرے باپ میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب مجھے سجدہ کر رہے ہیں انہوں نے کہا اے میرے بیٹے اپنے بھائیوں سے خواب نہ بیان کرنا ورنہ تیرے لئے مکر کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اس طرح تمہارا رب تم کو منتخب کرے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنا انعام کامل کرے گا جیسا اس سے پہلے تمہارے دادا پڑدادا ابراہیم، اسحٰق پر اپنا انعام کامل کر چکا ہے واقعی تمہارا رب بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ حضرت یوسف نے کہا کہ اے میرے باپ یہ ہے کہ میرے خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے دیکھا تھا جس کو میرے لئے رب نے سچا کر دکھایا اور خدا نے میرے ساتھ احسان کیا، ایک تو یہ کہ مجھے قید سے نجات دی دوسرے یہ کہ تم سب کو جنگل سے یہاں لایا، بعد اس کے شیطان نے میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا، بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اسکی عمدہ تدبیر کرتا ہے وہ بڑا حکمت والا علم والا ہے، اے میرے رب تو نے مجھے سلطنت کا حصہ دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا، آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی کارساز ہے، دنیا و آخرت میں مجھ کو مسلمان کر کے فوت کر اور نیکوں سے ملا،

فاطر، بدیع، مبتدع، باری اور خالق کے معنی ایک ہی ہے بدو سے بادیہ آتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1917)

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب تھا جس کی تعبیر کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد ماں باپ تھے۔

قرطبی میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اگرچہ اس واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں مگر ان کی خالہ والد ماجد کے نکاح میں آ گئی تھیں خالہ خود بھی ماں کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے خصوصا جبکہ وہ والد کی زوجیت میں آ جائے تو عرفاً اس کو ماں ہی کہا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

یوسف علیہ السلام کے نسب مبارکہ کے کریم ہونے کا بیان

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا باپ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے۔ (یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم)۔ اور حدیث میں نسب بیان کیا گیا ہے۔ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (مسند احمد جلد، ص ۶)

انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آئی، پھر آپ نے نماز پڑھی اور کبھی کہتے تھے کہ آپ لیٹے یہاں تک کہ سانس کی آواز آئی، پھر آپ بیدار ہوئے اور آپ نے نماز پڑھی (علی بن عبداللہ کی) ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں ایک شب اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہا تو (میں نے دیکھا کہ) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھے، (جب تھوڑی رات رہ گئی) اور آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے خفیف وضو فرمایا (عمرو اس وضو کو بہت خفیف اور قلیل بتاتے تھے) اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے، پس میں نے بھی وضو کیا اسی کے قریب جیسا کہ آپ نے وضو کیا تھا، پھر میں آیا۔

اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا اور کبھی سفیان کہتے تھے کہ آپ کے شمال کی جانب (کھڑا ہو گیا) آپ نے مجھے پھیر لیا اور اپنی دائیں جانب کر لیا، جس قدر اللہ نے چاہا آپ نے نماز پڑھی، پھر آپ لیٹ گئے اور سو گئے، یہاں تک کہ آپ کے سانس کی آواز آئی، اتنے میں آپ کے پاس مؤذن آیا اور اس نے آپ کو نماز کی اطلاع دی، آپ اس کے ہمراہ نماز کے لئے اٹھ گئے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا (سفیان) کہتے ہیں ہم نے عمرو سے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سو جاتی تھی اور آپ کا دل نہ سوتا تھا، تو عمرو نے کہا کہ میں نے عبید بن عمیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انبیاء کا خواب وحی ہے، پھر انہوں نے (إِنِّىٓ أَرَىٰ فِى ٱلْمَنَامِ أَنِّىٓ أَذْبَحُكَ) کی تلاوت کی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 142)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے یا غیب کی ایسی دیکھے۔جن کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا تو اس کا ذریعہ بجز امداد والہام خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا جو اصل میں خاصہ نبوت ہے اس لئے اس کو ایک جزء نبوت قرار دیا گیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○
انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی
پُرفریب چال چلیں گے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بھائیوں سے خواب بیان کرنے کی ممانعت کا بیان

"قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوا لَكَ كَيْدًا" يَحْتَالُوْنَ فِيْ هَلَاكِكَ حَسَدًا لِعِلْمِهِمْ بِتَأْوِيْلِهَا مِنْ اَنَّهُمْ الْكَوَاكِب وَالشَّمْس اُمّك وَالْقَمَر اَبُوك "اِنَّ الشَّيْطَان لِلْاِنْسَانِ عَدُوّ مُبِيْن" ظَاهِر الْعَدَاوَة،

انہوں نے کہا! اے میرے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی پُرفریب چال چلیں گے۔یعنی وہ تجھے ہلاک کرنے کے لئے کوئی حیلہ بنائیں گے کیونکہ جب ان کو اس خواب کی تعبیر کا علم ہوگا کہ کواکب وہ برادران یوسف مراد ہیں جبکہ سورج سے والد گرامی اور چاند سے مراد والدہ ہیں۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔یعنی اس کی عداوت ظاہر ہے۔

یعقوب علیہ السلام کی تعبیر اور ہدایات کا بیان

حضرت یوسف کا یہ خواب سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تاکید کر دی کہ اسے بھائیوں کے سامنے نہ دہرانا کیونکہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اور بھائی آپ کے سامنے پس ہونگے یہاں تک کہ وہ آپ کی عزت وتعظیم کے لیے آپ کے سامنے اپنی بہت ہی لاچاری اور عاجزی ظاہر کریں اس لیے بہت ہی ممکن ہے کہ اس خواب کو سن کر اس کی تعبیر کو سامنے رکھ کر شیطان کے بہکاوے میں آ کر ابھی سے وہ تمہاری دشمنی میں لگ جائیں۔اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول طریق کار کرنے لگ جائیں اور کسی حیلے سے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیم بھی یہی ہے۔فرماتے ہیں تم لوگ کوئی اچھا خواب دیکھو تو خیر اسے بیان کر دو اور جو شخص کوئی برا خواب دیکھے تو جس کروٹ پر ہو وہ کروٹ بدل دے اور بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور اس کی برائی سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔اس صورت میں اسے وہ خواب کوئی نقصان نہ دے گا۔

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے وہ گویا پرند کے پاؤں پر ہے۔ ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہوگئی پھر وہ ہوجاتا ہے۔ اسی سے یہ حکم بھی لیا جاسکتا ہے۔ کہ نعمت کو چھپانا چاہئے۔ جب تک کہ وہ ازخود اچھی طرح حاصل نہ ہوجائے اور ظاہر نہ ہوجائے، جیسے کہ ایک حدیث میں ہے۔ ضرورتوں کے پورا کرنے پر ان کی چھپانے سے بھی مدد لیا کرو کیونکہ ہر وہ شخص جسے کوئی نعمت ملے لوگ اس کے حسد کے درپے ہوجاتے ہیں۔

خواب والے گیارہ ستاروں کے ناموں کا بیان

ایک روایت میں ہے کہ بستانہ نامی یہودیوں کا ایک زبردست عالم تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان گیارہ ستاروں کے نام دریافت کئے۔ آپ خاموش رہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے آسمان سے نازل ہو کر آپ کو نام بتائے آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا اگر میں تجھے ان کے نام بتادوں تو تو مسلمان ہوجائے گا اس نے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا سن ان کے نام یہ ہیں ، جریان، طارق۔ ذیال، ذوالکتفین۔ قابل۔ وثاب۔ عمودان۔ فلیق۔ مصبح۔ فروح۔ فرغ۔ یہودی نے کہا ہاں ہاں اللہ کی قسم ان ستاروں کے یہی نام ہیں۔ (ابن جریر، سورہ یوسف، بیروت)

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ
يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝
اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمالے گا اور تمہیں باتوں کے انجام تک پہنچنا سکھائے گا اور تم پر اور اولادِ یعقوب پر
اپنی نعمت تمام فرمائے گا جیسا کہ اس نے اس سے قبل تمہارے دونوں باپ ابراہیم اور اسحاق (علیہما السلام)
پر تمام فرمائی تھی۔ بیشک تمہارا رب خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

بنی اسرائیل میں نبوت کے لئے یوسف علیہ السلام کے انتخاب کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا رَاَيْت "يَجْتَبِيكَ" يَخْتَارك "رَبّك وَيُعَلِّمك مِنْ تَاْوِيْل الْاَحَادِيْث" تَعْبِير الرُّؤْيَا "وَيُتِمّ نِعْمَته عَلَيْك" بِالنُّبُوَّةِ "وَعَلٰى آل يَعْقُوْب" اَوْلَاده "كَمَا اَتَمَّهَا" بِالنُّبُوَّةِ "عَلٰى اَبَوَيْك مِنْ قَبْل اِبْرَاهِيْم وَاِسْحَاق اِنَّ رَبّك عَلِيْم" بِخَلْقِهِ "حَكِيْم" فِيْ صُنْعه بِهِمْ،

اسی طرح تمہارا رب تمہیں بزرگی کے لئے منتخب فرمالے گا یعنی خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا ہے۔ اور تمہیں باتوں کے انجام تک پہنچنا یعنی خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور تم پر اور اولادِ یعقوب پر نبوت کے ساتھ اپنی نعمت تمام فرمائے گا جیسا کہ اس نے اس سے قبل تمہارے دونوں باپ یعنی پردادا اور دادا ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر تمام فرمائی تھی۔ بیشک تمہارا رب مخلوق کو خوب جاننے والا ،ان کی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت اور نصیحت کا بیان

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کو انہیں ملنے والے مرتبوں کی خبر دیتے ہیں کہ جس طرح خواب میں اس نے تمہیں یہ فضیلت دکھائی اسی طرح وہ تمہیں نبوت کا بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں خواب کی تعبیر سکھا دے گا۔ اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دے گا یعنی نبوت۔ جیسے کہ اس سے پہلے وہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی عطا فرما چکا ہے جو تمہارے دادا اور پردادا تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے؟

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن شداد بن الہاد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔

تیسرا وعدہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری فرما دیں گے اس میں عطاء نبوت کی طرف اشارہ ہے اور اسی کی طرف اشارہ بعد کے جملوں میں ہے یعنی جس طرح ہم اپنی نعمت نبوت تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق علیہم السلام پر آپ سے پہلے پوری کر چکے ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ تعبیر خواب کا فن جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو دیا گیا اسی طرح ابراہیم و اسحاق علیہم السلام کو بھی سکھایا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝
بیشک یوسف اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

برادران یوسف علیہ السلام کے قصہ میں عبرت ہونے کا بیان

"لَقَدْ كَانَ فِي" خَبَر "يُوسُف وَإِخْوَته" وَهُمْ أَحَد عَشَر "آيَات" عِبَر "لِلسَّائِلِينَ" عَنْ خَبَرهمْ،

بیشک یوسف اور اس کے بھائیوں میں جو گیارہ تھے اس میں خبر پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یعنی ان کے اس واقعہ میں عبرتیں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی بی بی لیا بنت لیان آپ کے ماموں کی بیٹی ہیں ان سے آپ کے چھ فرزند ہوئے (۱) روبیل (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) زبولون (۶) یشجر اور چار بیٹے حرم سے ہوئے (۷) دان (۸) نفتالی (۹) جاو (۱۰) آشر، انکی مائیں زلفہ اور بلہہ۔ لیا کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح فرمایا ان سے دو فرزند ہوئے (۱۱) یوسف (۱۲) بنیامین۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحب زادے ہیں انھیں کو اسباط کہتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

یہود کا نبی کریم ﷺ سے قصہ یوسف علیہ السلام پوچھنے کا بیان

پوچھنے والوں سے یہود مراد ہیں جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال اور

اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کے خطۂ کنعان سے سرزمین مصر کی طرف منتقل ہونے کا سبب دریافت کیا تھا۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات بیان فرمائے اور یہود نے ان کو توریت کے مطابق پایا تو انھیں حیرت ہوئی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابیں پڑھنے اور علماء واحبار کی مجلس میں بیٹھنے اور کسی سے کچھ سیکھنے کے بغیر اس قدر صحیح واقعات کیسے بیان فرمائے۔ یہ دلیل ہے کہ آپ ضرور نبی ہیں اور قرآن پاک ضرور وحی الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم قدس سے مشرف فرمایا علاوہ بریں اس واقعہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں اور حکمتیں ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝
جب یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے کہا کہ واقعی یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ
محبوب ہیں حالانکہ ہم زیادہ قوی جماعت ہیں۔ بیشک ہمارے والد (ان کی محبت کی) کھلی وارفتگی میں گم ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کی محبت میں وارفتہ ہونے کا بیان

اُذْكُرْ "اِذْ قَالُوْا" اَیْ بَعْضُ اِخْوَةِ يُوْسُفَ لِبَعْضِهِمْ "لَيُوْسُفُ" مُبْتَدَأٌ "وَاَخُوْهُ" شَقِيْقُهُ بِنْيَامِيْنُ "اَحَبُّ" خَبَرٌ "اِلٰى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ" جَمَاعَةٌ "اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلَالٍ" خَطَأٍ "مُبِيْنٍ" بَيِّنٍ بِاِيْثَارِهِمَا عَلَيْنَا،

وہ وقت یاد کیجئے جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ واقعی یوسف علیہ السلام اور اس کا چھوٹا بھائی بن یامین ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہاں پر لیوسف مبتداء ہے اور احب خبر ہے۔ حالانکہ ہم زیادہ قوی جماعت ہیں۔ بیشک ہمارے والد (ان کی محبت کی) کھلی وارفتگی میں گم ہیں۔ یعنی ہمارے درمیان ان دونوں پر وارفتہ ہیں۔

اور یہ بات ان کے خیال میں نہ آئی کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا ان کی صِغرِ سِنی میں انتقال ہو گیا اس لئے وہ مزید شفقت ومحبت کے مَورِد ہوئے اور ان میں رُشد ونَجابت کی وہ نشانیاں پائی جاتی ہیں جو دوسرے بھائیوں میں نہیں ہیں یہ سبب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔ یہ سب باتیں خیال میں نہ لاکر انھیں اپنے والدِ ماجد کا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ محبت فرمانا شاق گزرا اور انہوں نے باہم مل کر یہ مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہئے جس سے ہمارے والد صاحب کو ہماری طرف زیادہ التفات ہو۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ شیطان بھی اس مجلسِ مشورہ میں شریک ہوا اور اس نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی رائے دی اور گفتگوئے مشورہ اس طرح ہوئی۔

اۨقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝
تم یوسف (علیہ السلام) کو قتل کر ڈالو یا دور کسی غیر معلوم علاقہ میں پھینک آؤ، تمہارے باپ کی توجہ خالصتاً تمہاری طرف
ہو جائے گی اور اس کے بعد تم (توبہ کر کے) صالحین کی جماعت بن جانا۔

یوسف علیہ السلام کے قتل وجلاوطنی کی سازش کا بیان

"اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا " اَیْ بِاَرْضٍ بَعِیْدَۃٍ "یَخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیْکُمْ " بِاَنْ یُّقْبِلَ عَلَیْکُمْ وَلَا یَلْتَفِتَ لِغَیْرِکُمْ "وَتَکُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ" اَیْ بَعْدَ قَتْلِ یُوْسُفَ اَوْ طَرْحِهٖ "قَوْمًا صَالِحِیْنَ" بِاَنْ تَتُوْبُوْا،

تم یوسف علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا دور کسی غیر معلوم علاقہ یعنی دور کی زمین میں پھینک آؤ، اس طرح تمہارے باپ کی توجہ خالصتاً تمہاری طرف ہو جائے گی یعنی تمہارے سوا کسی اور کی طرف نہ ہوگی۔ اور اس کے بعد یعنی یوسف علیہ السلام کو قتل یا دور کی زمین میں چھوڑ دینے کے بعد تم توبہ کر کے صالحین کی جماعت بن جانا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سازش کا بیان

فی الواقع حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعات اس قابل ہیں کہ ان کا دریافت کرنے والا ان سے بہت سی عبرتیں حاصل کر سکے اور نصیحتیں لے سکے۔ حضرت یوسف کے ایک ہی ماں سے دوسرے بھائی بنیامین تھے باقی سب بھائی دوسری ماں سے تھے۔ یہ سب آپس میں کہتے ہیں ہے کہ واللہ ابا جان ہم سے زیادہ ان دونوں کو چاہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ہم پر جو جماعت ہیں ان کو ترجیح دیتے ہیں جو صرف دو ہیں۔

پھر آپس میں کہتے ہیں ایک کام کرو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ یوسف کا پاپ ہی کاٹو۔ نہ یہ ہو نہ ہماری راہ کا کانٹا بنے۔ ہم ہی ہم نظر آئیں۔ اور ابا کی محبت صرف ہمارے ہی ساتھ رہے۔ اب اسے باپ سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں یا تو اسے مار ہی ڈالو۔ یا کہیں ایسی دور دراز جگہ پھینک آؤ کہ ایک کی دوسرے کو خبر ہی نہ ہو۔ اور یہ واردات کر کے پھر نیک بن جانا توبہ کر لینا اللہ معاف کرنے والا ہے یہ سن کر ایک نے مشورہ دیا جو سب سے بڑا تھا اس کا نام روبیل تھا۔ کوئی کہتا ہے یہودا تھا کوئی کہتا ہے شمعون تھا۔ اس نے کہا بھئی یہ تو ناانصافی ہے۔ بے وجہ، بے قصور صرف عداوت میں آ کر خون ناحق گردن پر لینا تو ٹھیک نہیں۔ یہ بھی کچھ اللہ کی حکمت تھی رب کو منظور ہی نہ تھا ان میں قتل یوسف کی قوت ہی نہ تھی۔ منظور رب تو یہ تھا کہ یوسف کو نبی بنائے، بادشاہ بنائے اور انہیں عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا کرے۔ پس ان کے دل روبیل کی رائے سے نرم ہو گئے اور طے ہوا کہ اسے کسی غیر آباد کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں۔ قتادہ کہتے ہیں یہ بیت المقدس کا کنواں تھا انہیں یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے مسافر وہاں سے گزریں اور وہ اسے اپنے قافلے میں لے جائیں پھر کہاں یہ اور کہاں ہم؟ بغیر قتل کیے مقصود حاصل ہوتا ہے تو کیوں ہاتھ خون سے آلود کرو۔ ان کے گناہ کا تصور تو کرو۔ یہ رشتے داری کے توڑنے، باپ کی نافرمانی کرنے، چھوٹے پر ظلم کرنے، بے گناہ کو نقصان پہنچانے بڑے بوڑھے کو ستانے اور حقدار کا حق کاٹنے حرمت وفضیلت کا خلاف کرنے بزرگی کو ٹالنے اور اپنے باپ کو دکھ پہنچانے اور اسے اس کے کلیجے کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے سکھ سے ہمیشہ کے لیے دور کرنے اور بوڑھے باپ، اللہ کے لاڈلے پیغمبر کو اس بڑھاپے میں ناقابل برداشت صدمہ پہنچانے اور اس بے سمجھ بچے کو اپنے مہربان باپ کی پیار بھری نگاہوں سے ہمیشہ اوجھل کرنے کے درپے ہیں۔ اللہ کے دو نبیوں کو دکھ دینا چاہتے ہیں۔ محبوب اور محبّ میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں، سکھ کی جانوں کو دکھ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ پھول سے

نازک بے زبان بچے کو اس کے مشفق مہربان بوڑھے باپ کی نرم و گرم گودی سے الگ کرتے ہیں۔ اللہ انہیں بخشے آہ شیطان نے کیسی الٹی پڑھائی ہے۔ اور انہوں نے بھی کیسی بدی پر کمر باندھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ○
ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو قتل مت کرو اور اسے کسی تاریک کنویں کی گہرائی میں
ڈال دو اسے کوئی راہ گیر مسافر اٹھالے جائے گا اگر تم کرنے والے ہو۔

تاریک کنوئیں میں ڈالنے کی رائے پر اتفاق کر لینے کا بیان

"قَالَ قَائِل مِنۡهُمۡ" هُوَ يَهُوذَا "لَا تَقۡتُلُوۡا يُوسُف وَاَلۡقُوهُ" اطۡرَحُوهُ "فِيۡ غَيَابَة الۡجُبّ" مُظۡلِم الۡبِئۡر وَفِيۡ قِرَاءَة بِالۡجَمۡعِ "يَلۡتَقِطهُ بَعۡض السَّيَّارَة" الۡمُسَافِرِيۡنَ "اِنۡ كُنۡتُمۡ فَاعِلِيۡنَ" مَا اَرَدۡتُمۡ مِنَ التَّفۡرِيۡق فَاكۡتَفُوۡا بِذٰلِكَ،

ان میں سے ایک کہنے والے یعنی یہودا نے کہا کہ یوسف (علیہ السلام) کو قتل مت کرو اور اسے کسی تاریک کنویں کی گہرائی میں ڈال دو، یعنی تاریک کنوئیں میں، ایک قرأت میں غیابہ کی جمع غیابات بھی آئی ہے۔ اسے کوئی راہ گیر مسافر اٹھالے جائے گا اگر تم کرنے والے ہو۔ یعنی اگر تم ان کو الگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، پس انہوں نے اس بات اکتفاء کرلیا۔

یہ کہنے والا "یہودا" تھا یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر تم یوسف کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اس کو بستی سے دور کسی گم نام کنوئیں میں ڈال دو۔ ابوحیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ "غیابت الجب" اس طاقچہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنوئیں (باؤلی) میں پانی سے ذرا اوپر بنا ہوا ہو۔ غرض یہ تھی کہ ہم خواہی نہ خواہی عمداً ہلاک کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد بہت ممکن ہے کوئی مسافر ادھر سے گزرے اور خبر پا کر کنوئیں سے نکال لے جائے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑیں گے گویا سانپ مرجائے گا اور لاٹھی نہ ٹوٹے گی۔

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ○
انہوں نے کہا، اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے
حالانکہ ہم یقینی طور پر اس کے خیر خواہ ہیں۔

برادران یوسف کی خیر خواہی کے اظہار کا بیان

"قَالُوۡا يَا اَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوسُف وَاِنَّا لَهٗ لَنَاصِحُوۡنَ" لَقَائِمُوۡنَ بِمَصَالِحِهٖ،

انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ

ہم یقینی طور پر اس کے خیر خواہ ہیں۔یعنی اس کی اصلاح پر قائم رہنے والے ہیں۔

ان بھائیوں نے والد کے سامنے درخواست ان لفظوں میں پیش کردی کہ اباجان یہ کیا بات ہے کہ آپ کو یوسف کیبارےمیں ہم پر اطمینان نہیں حالانکہ ہم اس کے پورے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں کل اس کو آپ ہمارے ساتھ (سیر وتفریح کیلئے) بھیج دیجئے کہ وہ بھی آزادی کے ساتھ کھائے پیئے اور کھیلے اور ہم سب اس کی پوری حفاظت کریں گے، بھائیوں کی اس درخواست سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی اس سے پہلے بھی ایسی درخواست کر چکے تھے جس کو والد بزرگوار نے قبول نہ کیا تھا اس لئے اس مرتبہ ذرا تاکید اور اصرار کے ساتھ والد کو اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○
آپ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے وہ خوب کھائے اور کھیلے اور بیشک ہم اس کے محافظ ہیں۔

برادران یوسف کا تیراندازی سکھانے اور کھیل کو حیلہ بنانے کا بیان

"اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا" اِلَى الصَّحْرَاءِ "نَرْتَعِ وَنَلْعَب" بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ فِيْهِمَا نَنْشَط وَنَتَّسِع،

آپ اسے کل ہمارے ساتھ صحراء بھیج دیجئے وہ خوب کھائے اور کھیلے، یہاں پر یہ دونوں الفاظ نون اور یاء کے ساتھ بھی آئے ہیں۔یعنی ہم تیراندازی کریں اور کھیلیں۔اور بیشک ہم اس کے محافظ ہیں۔

بڑے بھائی کی رائے پر اتفاق کرنے کا بیان

بڑے بھائی روبیل یا یہودا کے سمجھانے پر سب بھائیوں نے اس رائے پر اتفاق کرلیا کہ یوسف کو لے جائیں اور کسی غیر آباد کنویں میں ڈال آئیں۔یہ طے کرنے کے بعد باپ کو دھوکہ دینے اور بھائی کو پھسلا کر لے جانے اور اس پر آفت ڈھانے کے لیے سب مل کر باپ کے پاس آئے۔باوجودیکہ تھے بداندیش بدخواہ براچاہنے والے لیکن باپ کو اپنی باتوں میں پھنسانے کے لیے اور اپنی گہری سازش میں انہیں الجھانے کے لیے پہلے ہی جال بچھاتے ہیں کہ اباجی آخر کیا بات ہے جو آپ ہمیں یوسف کے بارے میں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں اس کی خیر خواہیاں ہم سے زیادہ کون کرسکتا ہے۔؟(يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ، یوسف:12) کی دوسری قرآت (آیت ترتع و نلعب) بھی ہے۔باپ سے کہتے ہیں کہ بھائی یوسف کو کل ہمارے ساتھ سیر کے لیے بھیجئے۔ان کا جی خوش ہوگا، دوگھڑی کھیل کودلیں گے، ہنس بول لیں گے، آزادی سے چل پھر لیں گے۔آپ بیفکر رہیے ہم سب اس کی پوری حفاظت کریں گے۔ہر وقت دیکھ بھال رکھیں گے۔آپ ہم پر اعتماد کیجئے ہم اس کے نگہبان ہیں۔

قَالَ اِنِّىْ لَيَحْزُنُنِىْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ○
اس نے کہا بے شک میں، یقیناً مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے کوئی بھیڑیا
کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو۔

بھیڑیے کے کھانے جانے کا اندیشہ بتانے کا بیان

"قَالَ اِنِّی لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا" اَیْ ذَهَابُکُمْ "بِهٖ" لِفِرَاقِهٖ "وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ" اَلْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَکَانَتْ اَرْضُهُمْ کَثِیْرَةَ الذِّئَابِ "وَاَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُوْنَ" مَشْغُوْلُوْنَ،

اس نے کہا بے شک میں، یقیناً مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور وہ کہیں تم سے الگ ہو جائے اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے، یہاں پر مراد جنس بھیڑیا ہے۔ کیونکہ وہاں ان کی زمین میں کثیر بھیڑیے رہتے تھے۔ اور تم اس سے غافل ہو۔ یعنی تم اپنے کھیل وتماشوں میں مصروف رہ جاؤ گے۔

بھیڑیوں سے متعلق خواب کی تعبیر کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب والد سے یہ درخواست کی کہ یوسف کو کل ہمارے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیجئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا اول تو مجھے اس نور نظر کے بغیر چین نہیں آتا دوسرے یہ خطرہ ہے کہ جنگل میں کہیں ایسا نہ کہ تمہاری غفلت کیوقت اس کو بھیڑیا کھا جائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کا خطرہ یا تو اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی اور یا اس وجہ سے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ السلام اس کیدامن میں نیچے ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر حملہ کرنا چاہا مگر ایک بھیڑیئے ہی نے مدافعت کر کے چھڑا دیا پھر یوسف علیہ السلام زمین کے اندر چھپ گئے، جس کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے یہ دس بھائی تھے اور جس بھیڑیئے نے مدافعت کر کے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ بڑے بھائی یہودا تھے اور زمین میں چھپ جانا کنویں کی گہرائی سے تعبیر تھی،

حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت میں منقول ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو اس خواب کی بناء پر خود ان بھائیوں سے خطرہ تھا انہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر بمصلحت پوری بات ظاہر نہیں فرمائی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

قَالُوْا لَئِنْ اَکَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○
انہوں نے کہا واقعی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم اس وقت یقیناً خسارہ اٹھانیوالے ہونگے۔

برادران یوسف کا اپنی طاقت کے ذریعے اندیشہ بھیڑیے کو دور کرنے کا بیان

"قَالُوْا لَئِنْ" لَامُ قَسَمٍ "اَکَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ" جَمَاعَةٌ "اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ" عَاجِزُوْنَ فَاَرْسَلَهُ مَعَهُمْ،

انہوں نے کہا واقعی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم یہاں پر لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اس وقت یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ خاسرون سے مراد عاجز ہونے والے ہیں۔ یعنی ایسا نہ ہوگا پس آپ ان کو ہمارے

ساتھ بھیج دیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ صحراء میں لے جانے کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کی یہ بات سن کر کہا کہ آپ کا یہ خوف وخطرہ عجیب ہے ہم دس آدمیوں کی قوی جماعت اس کی حفاظت کے لئے موجود ہے اگر ہم سب کے ہوتے ہوئے اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہمارا تو وجود ہی بیکار ہو گیا اور پھر ہم سے کسی کام کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پیغمبرانہ شان سے اولاد کے سامنے اس بات کو نہیں کھولا کہ مجھے خطرہ خود تم ہی سے ہے کہ اول تو اس سے سب اولاد کی دل شکنی تھی دوسرے باپ کے ایسا کہنے کے بعد خطرہ یہ تھا کہ بھائیوں کی دشمنی اور بڑھ جائے گی اور اس وقت چھوڑ بھی دیا تو دوسرے کسی وقت کسی بہانہ سے قتل کر دیں گے اس لئے اجازت دے دی مگر بھائیوں سے مکمل عہد و پیمان لیا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیں گے اور بڑے بھائی روبیل یا یہودا کو خصوصیت سے سپرد کیا کہ تم ان کی بھوک پیاس اور دوسری ضرورتوں کی پوری طرح خبر گیری کرنا اور جلد واپس لانا بھائیوں نے والد کے سامنے یوسف علیہ السلام کو اپنے مونڈھوں پر اٹھالیا اور باری باری سب اٹھاتے رہے کچھ دور تک حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ان کو رخصت کرنے کے لئے باہر گئے،

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس وقت یوسف علیہ السلام جس بھائی کے مونڈھے پر تھے اس نے ان کو زمین پر پٹک دیا یوسف علیہ السلام پیدل چلنے لگے مگر کم عمر تھے اُن کے ساتھ دوڑنے سے عاجز ہوئے تو دوسرے بھائی کی پناہ لی اس نے بھی کوئی ہمدردی نہ کی تو تیسرے، چوتھے ہر بھائی سے امداد کو کہا مگر سب نے یہ جواب دیا کہ تو نے جو گیارہ ستارے اور چاند سورج اپنے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے تھے ان کو پکار وہی تیری مدد کریں گے،

قرطبی نے اسی وجہ سے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کو کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب معلوم ہو گیا تھا وہ خواب ہی ان کی شدت غیظ وغضب کا سبب بنا، آخر میں یوسف علیہ السلام نے یہودا سے کہا کہ آپ بڑے ہیں آپ میری کمزوری اور صغرسنی اور اپنے والد ضعیف کیحال پر رحم کریں اور اس عہد کو یاد کریں جو والد سیآپ نے کئے ہیں آپ نے کتنی جلدی اس عہد و پیان کو بھلا دیا یہ سن کر یہودا کو رحم آیا اور ان سے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ بھائی تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچاسکیں گے،

یہودا کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور صحیح عمل کی توفیق ڈال دی تو یہودا نے اپنے دوسرے بھائیوں کو خطاب کیا کہ بے گناہ کا قتل انتہائی جرم عظیم ہے خدا سے ڈرو اور اس بچہ کو اس کے والد کے پاس پہنچا دو البتہ اس سے یہ عہد لے لیا کہ باپ سے تمہاری کوئی شکایت نہ کرے، بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں تمہارا کیا مطلب ہے تم یہ چاہتے ہو کہ باپ کے دل میں اپنا مرتبہ سب سے زیادہ کر لو اس لئے سن لو کہ اگر تم نے ہمارے ارادہ میں مزاحمت کی تو ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے، یہودا نے دیکھا کہ نو بھائیوں کے مقابلہ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتے تو کہا کہ اچھا اگر تم یہی طے کر چکے ہو کہ اس بچہ کو ضائع کرو تو میری بات سنو یہاں قریب ہی ایک پرانا

کنواں ہے جس میں بہت سے جھاڑ نکل آئے ہیں، سانپ، بچھو اور طرح طرح کے موذی جانور اس میں رہتے ہیں تم اس کو کنویں میں ڈال دو اگر اس کو کسی سانپ وغیرہ نے ڈس کر ختم کر دیا تو تمہاری مراد حاصل ہے اور تم اپنے ہاتھ سے اس کا خون بہانے سے بری رہے اور اگر یہ زندہ رہا تو کوئی قافلہ شاید یہاں آئے اور پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالے اور یہ نکل آئے تو وہ اس کو اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک میں پہنچادے گا اس صورت میں تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ
بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
پھر جب وہ اسے لے گئے اور سب اس پر متفق ہو گئے کہ اسے تاریک کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں تب ہم نے اس کی
طرف وحی بھیجی: (اے یوسف! پریشان نہ ہونا ایک وقت آئے گا) کہ تم یقیناً انہیں ان کا یہ کام جتلاؤ گے اور انہیں
(تمہارے بلند رتبہ کا) شعور نہیں ہوگا۔

برادران یوسف کا کنوئیں میں قتل کی غرض سے ڈالنے کا بیان

"فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا" عَزَمُوْا "اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيَابَتِ الْجُبِّ" وَجَوَاب لَمَّا مَحْذُوْف اَیْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ بِاَنْ نَزَعُوْا قَمِيصه بَعْد ضَرْبه وَاِهَانَته وَاِرَادَة قَتْله وَاَدْلَوْهُ فَلَمَّا وَصَلَ اِلٰى نِصْف الْبِئْر اَلْقَوْهُ لِيَمُوْتَ فَسَقَطَ فِى الْمَاء ثُمَّ اَوٰى اِلٰى صَخْرَة فَنَادَوْهُ فَاَجَابَهُمْ يَظُنّ رَحْمَتهمْ فَاَرَادُوا رَضْخه بِصَخْرَةٍ فَمَنَعَهُمْ يَهُوذَا "وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ" فِى الْجُبّ وَحْى حَقِيقَة وَلَهٗ سَبْع عَشْرَة سَنَة اَوْ دُوْنهَا تَطْمِينًا لِقَلْبِهٖ "لَتُنَبِّئَنَّهُمْ" بَعْد الْيَوْم "بِاَمْرِهِمْ" بِصَنِيعِهِمْ "هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" بِك حَال الْاِنْبَاء ،

پھر جب وہ اسے لے گئے اور سب اس پر متفق ہو گئے یعنی ارادہ کر لیا کہ اسے تاریک کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں، یہ لما محذوف کا جواب ہے۔ یعنی انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد انہوں نے ان کو مارنے پیٹنے کے بعد اور اہانت کے بعد قتل کے ارادے سے کنوئیں میں ڈال دیا پھر جب وہ نصف کنوئیں میں پہنچ گئے تو برادران یوسف نے چھوڑ دیا تا کہ وہ فوت ہو جائے تو آپ پانی میں جا گرے اس کے بعد آپ نے ایک پتھر کا سہارا لیا۔ تو انہوں نے آپ کو آواز دی آپ نے یہ گمان کرتے ہوئے ان کی آواز کا جواب دیا کہ شاید ان کو آپ پر رحم آ گیا ہے۔ تو اس پر انہوں نے ایک پتھر کے ذریعے آپ کو کچل دینے کا ارادہ کیا تو یہودا نے ایسا کرنے سے منع کیا۔ تب ہم نے اس کی کنوئیں کی تاریکی میں وحی بھیجی جو وحی برحق تھی۔ اس کی وقت آپ عمر مبارک سترہ سال تھی یا اس سے بھی کم تھی۔ آپ کے اطمینان کے لئے کہ اے یوسف! پریشان نہ ہونا ایک دن آئے گا کہ تم یقیناً انہیں ان کا یہ کام جتلاؤ گے اور انہیں تمہارے بلند رتبہ کا شعور نہیں ہوگا۔ یہ انباء کا حال ہے۔ یعنی اس وقت کی حالت یعنی شان کو نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہو گئے

سمجھا بجھا کر بھائیوں نے باپ کو راضی کر ہی لیا۔ اور حضرت یوسف کو لے کر چلے جنگل میں جا کر سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یوسف کو کسی غیر آباد کنویں کی تہ میں ڈال دیں۔ حالانکہ باپ سے یہ کہہ کر لے گئے تھے کہ اس کا جی بہلے گا، ہم اسے عزت کے ساتھ لے جائیں گے۔ ہر طرح خوش رکھیں گے۔ اس کا جی بہل جائے گا اور یہ راضی خوشی رہے گا۔ یہاں آتے ہی غداری شروع کر دی اور لطف یہ ہے کہ سب نے ایک ساتھ دل سخت کر لیا۔ باپ نے ان کی باتوں میں آ کر اپنے لخت جگر کو ان کے سپرد کر دیا۔ جاتے ہوئے سینے سے لگا کر پیار پچکار کر دعائیں دے کر رخصت کیا۔ باپ کی آنکھوں سے ہٹتے ہی ان سب نے بھائی کو ایذائیں دینی شروع کر دیں برا بھلا کہنے لگے اور چانٹا چٹول سے بھی باز نہ رہے۔ مارتے پیٹتے برا بھلا کہتے، اس کنویں کے پاس پہنچے اور ہاتھ پاؤں رسی سے جکڑ کر کنویں میں گرانا چاہا۔ آپ ایک ایک کے دامن سے چمٹتے ہیں اور ایک ایک سے رحم کی درخواست کرتے ہیں لیکن ہر ایک جھڑک دیتا ہے اور دھکا دے کر مار پیٹ کر ہٹا دیتا ہے مایوس ہو گئے سب نے مل کر مضبوط باندھا اور کنویں میں لٹکا دیا آپ نے کنویں کا کنارا ہاتھ سے تھام لیا لیکن بھائیوں نے انگلیوں پر مار مار کر اسے بھی ہاتھ سے چھڑا لیا۔ آدھی دور آپ پہنچے ہوں گے کہ انہوں نے رسی کاٹ دی۔ آپ تہ میں جا گرے، کنویں کے درمیان ایک پتھر تھا جس پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ عین اس مصیبت کے وقت عین اس سختی اور تنگی کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی جانب وحی کی کہ آپ کا دل مطمئن ہو جائے آپ صبر و برداشت سے کام لیں اور انجام کا آپ کو علم ہو جائے۔ وحی میں فرمایا گیا کہ غمگین نہ ہو یہ نہ سمجھ کہ یہ مصیبت دور نہ ہوگی۔ سن اللہ تعالیٰ تجھے اس سختی کے بعد آسانی دے گا۔ اس تکلیف کے بعد راحت ملے گی۔ ان بھائیوں پر اللہ تجھے غلبہ دے گا۔ یہ گو تجھے پست کرنا چاہتے ہیں لیکن اللہ کی چاہت ہے کہ وہ تجھے بلند کرے۔ یہ جو کچھ آج تیرے ساتھ کر رہے ہیں وقت آئے گا کہ تو انہیں ان کے اس کرتوت کو یاد دلائے گا اور یہ ندامت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اپنے قصور سن رہے ہوں گے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ تو وہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب برادران یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن یہ نہ پہچان سکے۔ اس وقت آپ نے ایک پیالہ منگوایا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا۔ آواز نکلی ہی تھی اس وقت آپ نے فرمایا لو یہ جام تو کچھ کہہ رہا ہے اور تمہارے متعلق ہی کچھ خبر دے رہا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے تمہارا ایک یوسف نامی سوتیلا بھائی تھا۔ تم اسے باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔ پھر اسے انگلی ماری اور ذرا سی دیر کان لگا کر فرمایا لو یہ کہہ رہا ہے کہ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس گئے۔

اور وہاں جا کر ان سے کہہ دیا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیئے نے کھا لیا۔ اب تو یہ حیران ہو گئے آپس میں کہنے لگے ہائے برا ہوا بھانڈا پھوٹ گیا اس جام نے تو تمام سچی سچی باتیں بادشاہ سے کہہ دیں۔ پس یہی ہے جو آپ کو کنویں میں وحی ہوئی کہ ان کے اس کے کرتوت کو تو انہیں ان کے بے شعوری میں جتائے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ یوسف، بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا تین دن کنوئیں میں ٹھہرنے کا بیان

امام قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس جگہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ جب ان کو ڈالنے لگے تو وہ کنویں کی من سے چمٹ گئے بھائیوں نے ان کا کرُتہ نکال کر اس سے ہاتھ باندھے، اس وقت پھر یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے رحم کی درخواست کی مگر وہی جواب ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھے سجدہ کرتے ہیں ان کو بلا وہی تیری مدد کریں گے پھر ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکایا جب نصف تک پہنچے تو اس کی رسی کاٹ دی اللہ تعالیٰ نے اپنے یوسف کی حفاظت فرمائی پانی میں گرنے کی وجہ سے کوئی چوٹ نہ آئی اور قریب ہی ایک پتھر کی چٹان نکلی ہوئی آئی صحیح سالم اس پر بیٹھ گئے بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا انہوں نے چٹان پر بٹھا دیا، یوسف علیہ السلام تین روز اس کنویں میں رہے ان کا بھائی یہودا دوسرے بھائیوں سے چھپ کر روزانہ ان کے لئے کھانا پانی لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا تھا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ٥
اور وہ اپنے باپ کے پاس رات کے وقت روتے ہوئے آئے۔

فریب و مکاری کا رونا رونے والے برادران یوسف کا بیان

"وَجَائُوا اَبَاهُمْ عِشَاء" وَقْت الْمَسَاء،

اور وہ (یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر) اپنے باپ کے پاس رات کے وقت (مکاری کا رونا) روتے ہوئے آئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی واپسی اور معذرت

چپ چاپ ننھے بھیا پر، اللہ کے معصوم نبی پر، باپ کی آنکھ کے تارے پر ظلم وستم کے کے پہاڑ توڑ کر رات ہوئے باپ کے پاس سرخ رو ہونے اور اپنی ہمدردی ظاہر کرنے کے لیے غمزدہ ہو کر روتے ہوئے پہنچے اور اپنے ملال کا یوسف کے نہ ہونے کا سبب یہ بیان کیا کہ ہم نے تیر اندازی اور ڈور شروع کی۔ چھوٹے بھائی کو اسباب کے پاس چھوڑا۔ اتفاق کی بات ہے اسی وقت بھیڑیا آ گیا اور بھائی کا لقمہ بنا لیا۔ چیڑ پھاڑ کر کھا گیا۔ پھر باپ کو اپنی بات صحیح طور پر جچانے اور ٹھیک باور کرانے کے لیے پانی سے پہلے بند باندھتے ہیں کہ ہم اگر آپ کے نزدیک سچے ہی ہوتے تب بھی یہ واقعہ ایسا ہے کہ آپ ہمیں سچا ماننے میں تامل کرتے۔ پھر جب کہ پہلے ہی سے آپ نے اپنا ایک کھٹکا ظاہر کیا ہوا اور خلاف ظاہر واقع میں ہی اتفاقاً ایسا ہی ہو بھی جائے تو ظاہر ہے کہ آپ اس وقت تو وہ ہمیں سچا مان ہی نہیں سکتے۔ ہیں تو ہم سچے ہی لیکن آپ بھی ہم پر اعتبار نہ کرنے میں ایک حد تک حق بجانب ہیں۔

قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ج
وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ٥

کہا اے ہمارے باپ! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اسے کوئی بھیڑیا کھا گیا اور تو ہر گز ہمارا اعتبار کرنے والا نہیں، خواہ ہم سچے ہوں۔

برادران یوسف کی جھوٹی تسلیاں دلانے کا بیان

"قَالُوْا يَا اَبَانَا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ " نَرْمِي "وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا" ثِيَابِنَا "فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ " بِمُصَدِّقٍ "لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ " عِنْدَكَ لَاتَّهَمْتَنَا فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ لِمَحَبَّةِ يُوْسُفَ فَكَيْفَ وَاَنْتَ تُسِيْءُ الظَّنَّ بِنَا،

کہا اے ہمارے باپ! بے شک ہم دوڑ میں یعنی تیر اندازی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان یعنی کپڑوں کے پاس چھوڑ دیا تو اسے کوئی بھیڑیا کھا گیا اور تو ہر گز ہمارا اعتبار کرنے والا نہیں، یعنی آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ خواہ ہم سچے ہوں۔ کیونکہ آپ یوسف کی محبت کے سبب ہمیں متہم کرو گے اور آپ کیسے ہمارے بارے میں اچھا گمان رکھ سکتے۔

کیونکہ یہ واقعہ ہی ایسا انوکھا ہے ہم خود حیران ہیں کہ ہو کیا گیا یہ تو تھا زبانی کھیل ایک کام بھی اسی کے ساتھ کر لائے تھے یعنی بکری کے ایک بچے کو ذبح کر کے اس کے خون سے حضرت یوسف کا پیراہن داغدار کر دیا کہ بطور شہادت کے ابا کے سامنے پیش کریں گے کہ دیکھو یہ ہیں یوسف بھائی کے خون کے دھبے ان کے کرتے پر۔ لیکن اللہ کی شان چور کے پاؤں کہاں؟ سب کچھ تو کیا لیکن کرتا پھاڑنا بھول گئے۔ اس کے لیے باپ پر سب مکر کھل گیا۔ لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبط کیا اور صاف لفظوں میں گو نہ کہا تاہم بیٹوں کو بھی پتہ چل گیا کہ ابا جی کو ہماری بات جچی نہیں فرمایا کہ تمہارے دل نے یہ تو ایک بات بنا دی ہے۔ خیر میں تو تمہاری اس مذبوحی حرکت پر صبر ہی کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے اس دکھ کو ٹال دے۔ تم جو ایک جھوٹی بات مجھ سے بیان کر رہے ہو اور ایک محال چیز پر مجھے یقین دلا رہے ہو اور اس پر میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس کی مدد شامل حال رہے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ ابن عباس کا قول ہے کہ کرتا دیکھ کر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تعجب ہے بھیڑیا یوسف کو کھا گیا اس کا پیراہن خون آلود ہو گیا مگر کہیں سے ذرا بھی نہ پھٹا۔ خیر میں صبر کروں گا۔ جس میں کوئی شکایت نہ ہو نہ کوئی گھبراہٹ ہو۔ کہتے ہیں کہ تین چیزوں کا نام صبر ہے اپنی مصیبت کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اپنے دل کا دکھڑا کسی کے سامنے نہ رونا اور ساتھ ہی اپنے نفس کا پاک نہ سمجھا۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ اس موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کی پوری حدیث کو بیان کیا ہے جس میں آپ پر تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے واللہ میری اور تمہاری مثال حضرت یوسف کے باپ کی سی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا اب صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری ان باتوں پر اللہ ہی سے مدد چاہی گئی ہے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ
فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝
اور وہ اس کی قمیص پر ایک جھوٹا خون لگا لائے۔اس نے کہا بلکہ تمہارے لیے تمہارے دلوں نے ایک کام مزین بنا دیا ہے،
لہٰذا، اچھا صبر ہے اور اللہ ہی ہے جس سے اس پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

قمیص پر جھوٹا خون لگانے والے برادران یوسف کا بیان

"وَجَائُوا عَلٰى قَمِيصه" مَحَلّه نَصب عَلَى الظَّرْفِيَّة اَىْ فَوْقه "بِدَمٍ كَذِب" اَىْ ذِىْ كَذِب بِاَنْ ذَبَحُوا سَخْلَة وَلَطَّخُوهُ بِدَمِهَا وَذُهِلُوا عَنْ شَقّه وَقَالُوا اِنَّهٗ دَمه "قَالَ" يَعْقُوب لَمَّا رَآهُ صَحِيحًا وَعَلِمَ كَذِبهم "بَلْ سَوَّلَتْ" زَيَّنَتْ "لَكُمْ اَنْفُسكُمْ اَمْرًا" فَفَعَلْتُمُوْهُ بِهٖ "فَصَبْر جَمِيل" لَا جَزَع فِيْهِ وَهُوَ خَبَر مُبْتَدَأ مَحْذُوف اَىْ اَمْرِى "وَاللّٰه الْمُسْتَعَان" الْمَطْلُوْب مِنْهُ الْعَوْن "عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ" تَذْكُرُوْنَ مِنْ اَمْر يُوسُف،

اور وہ اس کی قمیص پر ایک جھوٹا خون لگا لائے۔ یہاں علی قمیصہ کا اعراب ظرفیت کے سبب محل نصب میں ہے۔یعنی علی فوقہ ہے۔یعنی انہوں نے جھوٹا خون لگانے کے لئے ایک بھیڑیے کے بچے کو ذبح کیا اور اس کا خون قمیص سے لگا دیا لیکن قمیص کو پھاڑ دینا وہ بھول گئے۔اور انہوں نے کہا کہ یہی بھیڑیے کا خون ہے۔جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا تو جان لیا کہ یہ جھوٹ ہے۔اور کہا کہ بلکہ تمہارے لیے تمہارے دلوں نے ایک کام مزین بنا دیا ہے، جو کام تم نے کر ڈالا ہے۔لہٰذا میرا کام اچھا صبر ہے۔جس میں کوئی آہ وفغان نہ ہو۔اور یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔یعنی میرا معاملہ، اور اللہ ہی ہے جس سے اس پر مدد مانگی جاتی ہے یعنی اس کی مدد طلب کرنا ہے۔جو تم بیان کرتے ہو۔جو معاملہ تم یوسف کے بارے میں بتا رہے ہو۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ قمیص اپنے چہرہ مبارک پر رکھ کر بہت روئے اور فرمایا عجب طرح کا ہوشیار بھیڑیا تھا جو میرے بیٹے کو کھا تو گیا اور قمیص کو پھاڑا تک نہیں۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک بھیڑیا پکڑ لائے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یہ بھیڑیا ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھایا ہے آپ نے بھیڑیئے سے دریافت فرمایا وہ بحکم الٰہی گویا ہو کر کہنے لگا حضور نہ میں نے آپ کے فرزند کو کھایا اور نہ انبیاء کے ساتھ کوئی بھیڑیا ایسا کر سکتا ہے، حضرت نے اس بھیڑیئے کو چھوڑ دیا اور بیٹوں سے پوچھا کہ تم نے کوئی چال چلی ہے۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ
وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝
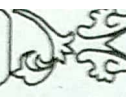
اور راہ گیروں کا ایک قافلہ آ پہنچا تو انہوں نے اپنا پانی بھرنے والا بھیجا سو اس نے اپنا ڈول (اس کنویں میں) لٹکایا،
وہ بول اٹھا: خوشخبری ہو یہ ایک لڑکا ہے، اور انہوں نے اسے قیمتی سامانِ تجارت سمجھتے ہوئے چھپا لیا، اور اللہ ان
کاموں کو جو وہ کر رہے تھے خوب جاننے والا ہے۔

برادرانِ یوسف کا آپ کو بھاگ جانے والا غلام کہنے کا بیان

"وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ" مُسَافِرُوْنَ مِنْ مَّدْيَنَ اِلٰى مِصْر فَنَزَلُوْا قَرِيبًا مِنْ جُبّ يُوسُف "فَاَرْسَلُوْا وَارِدهمْ" الَّذِىْ يَرِد الْمَاء لِيَسْتَقِيَ مِنْهُ "فَاَدْلٰى" اَرْسَلَ "دَلْوه" فِي الْبِئْر فَتَعَلَّقَ بِهَا يُوسُف فَاَخْرَجَهُ فَلَمَّا رَآهُ "قَالَ يَا بُشْرَاىَ" وَفِىْ قِرَاءَة بُشْرَى وَنِدَاؤُهَا مَجَاز اَىْ اُحْضُرِى فَهٰذَا وَقْتك "هٰذَا غُلَام" فَعَلِمَ بِهِ اِخْوَته فَاَتَوْهُ "وَاَسَرُّوْهُ" اَىْ اَخْفَوْا اَمْره جَاعِلِيهِ "بِضَاعَة" بِاَنْ قَالُوْا هٰذَا عَبْدنَا اَبَقَ وَسَكَتَ يُوسُف خَوْفًا مِنْ اَنْ يَقْتُلُوْهُ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ،

اور راہ گیروں یعنی مسافروں کا ایک قافلہ جو مدین سے مصر کی جانب جانا تھا وہ آ پہنچا تو انہوں چاہ یوسف کے قریب پڑاؤ ڈالا تو انہوں نے اپنا پانی بھرنے والا بھیجا تا کہ وہ پانی پی لیں۔ اس نے اپنا ڈول اس کنویں میں لٹکایا، جب اس نے ڈول کنوئیں لٹکا دیا تو یوسف علیہ السلام نے اس کو تھام لیا۔ تو اس نے آپ کو باہر نکالا تو وہ شخص آپ کو دیکھ کر بول اٹھا، مبارک ہو یہ ایک لڑکا ہے، یہاں ایک قرأت میں بشریٰ ہے۔ اور یہ لفظ مجازی طور پر نداء کے لئے بھی آیا ہے۔ یعنی اس وقت تم میرے پاس آ جاؤ۔ یعنی یہ غلام ہے پس جب اس معاملے کا پتہ برادران یوسف کو چلا تو وہ بھی آ پہنچے۔ جبکہ اہل قافلہ نے اسے قیمتی سامانِ تجارت سمجھتے ہوئے چھپا ہوا تھا۔ تو انہوں نے کہا یہ ہمارا بھاگ جانے والا غلام ہے۔ اس وقت بھی یوسف علیہ السلام خاموش رہے۔ اسی اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو قتل نہ کر دیں۔ اور اللہ ان کاموں کو جو وہ کر رہے تھے خوب جاننے والا ہے۔

کنوئیں سے بازار مصر تک کے احوال کا بیان

بھائی تو حضرت یوسف کو کنویں میں ڈال کر چل دیئے۔ یہاں تین دن آپ کو اسی اندھیرے کنویں میں اکیلے گذر گئے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کنویں میں گرا کر بھائی تماشا دیکھنے کے لیے اس کے آس پاس ہی دن بھر پھرتے رہے کہ دیکھیں وہ کیا کرتا ہے اور اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے؟ قدرت اللہ کی کہ ایک قافلہ وہیں سے گزرا۔ انہوں نے اپنے سقے کو پانی کے لے بھیجا۔ اس نے اسی کونے میں ڈول ڈالا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی کو مضبوط تھام لیا اور بجائے پانی کے آپ باہر نکلے۔ وہ آپ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا رہ نہ سکا با آواز بلند کہہ اٹھا کہ لو سبحان اللہ یہ تو نوجوان بچہ آ گیا۔ دوسری قرأت اس کی یابشرای بھی ہے۔ سدی کہتے ہیں بشریٰ سقے کے بھیجنے والے کا نام بھی تھا اس نے اس کا نام۔ لے کر پکار کر خبر دی کہ میرے ڈول میں تو ایک بچہ آیا ہے۔ لیکن سدی کا یہ قول غریب ہے۔ اس طرح کی قرآت پر بھی وہی معنی ہو سکتے ہیں اس کی اضافت اپنے نفس کی طرف ہے اور

یائے اضافت ساقط ہے۔ اسی کی تائید قرآت یابشرای سے ہوتی ہے جیسے عرب کہتے یانفس اصبری اور یاغلام اقبل اضافت کے حرف کو ساقط کر کے۔ اس وقت کسرہ دینا بھی جائز ہے اور رفع دینا بھی۔ پس وہ اسی قبیل سے ہے اور دوسری قرآت اس کی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔ ان لوگوں نے آپ کو بحیثیت پونجی کے چھپالیا قافلے کے اور لوگوں پر اس راز کا ظاہر نہ کیا بلکہ کہہ دیا کہ ہم نے کنویں کے پاس کے لوگوں سے اسے خریدا ہے، انہوں نے ہمیں اسے دے دیا ہے تاکہ وہ بھی اپنا حصہ نہ ملائیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ برادران یوسف نے شناخت چھپائی اور حضرت یوسف نے بھی اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ کہیں مجھے قتل ہی نہ کردیں۔ اس لیے چپ چاپ بھائیوں کے ہاتھوں آپ بک گئے۔ سقے سے انہوں نے کہا اس نے آواز دے کر بلالیا انہوں نے اونے پونے یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اللہ کچھ ان کی اس حرکت سے بے خبر نہ تھا وہ خوب دیکھ بھال رہا تھا وہ قادر تھا کہ اس وقت اس بھید کو ظاہر کردے لیکن اس کی حکمتیں اسی کے ساتھ ہیں اس کی تقدیر یونہی یعنی جاری ہوئی تھی۔ خلق وامرا اسی کا ہے وہ رب العالمین برکتوں والا ہے۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک طرح تسکین دی گئی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم آپ کو دکھ دے رہی ہے میں قادر ہوں کہ آپ کو ان سے چھڑا دوں انہیں غارت کردوں لیکن میرے کام حکمت کے ساتھ ہیں دیر ہے اندھیر نہیں بیفکر رہو، عنقریب غالب کروں گا اور رفتہ رفتہ ان کو پست کردوں گا۔ جیسے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے درمیان میری حکمت کا ہاتھ کام کرتا رہا۔ یہاں تک کا آخرانجام حضرت یوسف کے سامنے انہیں جھکنا پڑا اور ان کے مرتبے کا اقرار کرنا پڑا۔ بہت تھوڑے مول پر بھائیوں نے انہیں بیچ دیا۔ ناقص چیز کے بدلے بھائی جیسا بھائی دے دیا۔ اور اس کی بھی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی بلکہ اگر ان سے بالکل بلاقیمت مانگا جاتا تو بھی دے دیتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ قافلے والوں نے اسے بہت کم قیمت پر خریدا۔ لیکن یہ کچھ زیادہ درست نہیں اس لیے کہ انہوں نے تو اسے دیکھ کر خوشیاں منائی تھی اور بطور پونجی اسے پوشیدہ کردیا تھا۔ پس اگر انہیں اس کی بیر غبتی ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے؟ پس ترجیح اسی بات کو ہے کہ یہاں مراد بھائیوں کا حضرت یوسف کو گرے ہوئے نرخ پر بیچ ڈالنا ہے۔ نجس سے مراد حرام اور ظلم بھی ہے۔ لیکن یہاں وہ مراد نہیں لی گئی۔ کیونکہ اس قیمت کی حرمت کا علم تو ہر ایک کو ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نبی بن نبی بن نبی خلیل الرحمٰن علیہ السلام تھا۔ پس آپ تو کریم بن کریم بن کریم بن کریم تھے۔ پس یہاں مراد نقص کم تھوڑی اور کھوٹی بلکہ برائے نام قیمت پر بیچ ڈالنا ہے باوجود اس کے وہ ظلم وحرام بھی تھا۔ بھائی کو بیچ رہے ہیں اور وہ بھی کوڑیوں کے مول۔ چند درہموں کے بدلے بیس یا بائیس یا چالیس درہم کے بدلے۔ یہ دام لے کر آپس میں بانٹ لیے۔ اور اس کی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی انہیں نہیں معلوم تھا کہ اللہ کے ہاں ان کی کیا قدر ہے؟ وہ کیا جانتے تھے کہ یہ اللہ کے نبی بننے والے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اتنا سب کچھ کرنے پر بھی صبر نہ ہوا قافلے کے پیچھے ہولئے اور ان سے کہنے لگے دیکھو اس غلام میں بھاگ نکلنے کی عادت ہے، اسے مضبوط باندھ دو، کہیں تمہارے ہاتھوں سے بھی بھاگ نہ جائے۔ اسی طرح باندھے باندھے مصر تک پہنچے اور وہاں آپ کو بازار میں لیجا کر بیچنے لگے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے جو لے گا وہ خوش ہوجائے

گا۔ پس شاہ مصر نے آپ کو خرید لیا وہ تھا بھی مسلمان۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۝
اور یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے (جو موقع پر آ گئے تھے اسے اپنا بھگوڑا غلام کہہ کر انہی کے ہاتھوں) بہت کم قیمت گنتی کے
چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا کیونکہ وہ راہ گیر اس (یوسف علیہ السلام کے خریدنے) کے بارے میں (پہلے ہی) بے رغبت تھے۔

ناقص قیمت میں یوسف کو بیچنے والے برادران یوسف کا بیان

"وَشَرَوْهُ" بَاعُوهُ مِنْهُمْ "بَخْس" نَاقِص "دَرَاهِم مَعْدُوْدَة" عِشْرِيْنَ اَوْ اثْنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ "وَكَانُوا" اَیْ اِخْوَته "فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ" فَجَاءَتْ بِهِ السَّيَّارَة اِلٰى مِصْر فَبَاعَهُ الَّذِىْ اشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا وَزَوْجَى نَعْل وَثَوْبَيْنِ،

اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو موقع پر آ گئے تھے اسے اپنا بھگوڑا غلام کہہ کر انہی کے ہاتھوں بہت کم قیمت گنتی کے چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا یعنی جو بیس یا بائیس دراہم تھے۔ کیونکہ وہ راہ گیر اس یوسف علیہ السلام کے خریدنے کے بارے میں پہلے ہی بے رغبت تھے پھر راہ گیروں نے اسے مصر لے جا کر بیچ دیا۔ یعنی اس نے بھی بیس دینار اور دو جوڑے جوتے اور دو جوڑے کپڑوں کے بدلے میں بیچ دیا۔

قافلہ مصر سے خریداری یوسف کے متعلق معاملہ طے کرنے کا بیان

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ قافلہ ملک شام سے مصر جا رہا تھا راستہ بھول کر اس غیر آباد جنگل میں پہنچ گیا اور پانی لانے والوں کو کنویں پر بھیجا، لوگوں کی نظر میں یہ اتفاقی واقعہ تھا کہ شامی قافلہ راستہ بھول کر یہاں پہنچا اور اس غیر آباد کنویں سے سابقہ پڑا لیکن راز کائنات کا جاننے والا جانتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک مربوط اور مستحکم نظام کی ملی ہوئی کڑیاں ہیں یوسف علیہ السلام کا پیدا کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا ہی قافلہ کو راستہ سے ہٹا کر یہاں لاتا ہے اور اس کے آدمیوں کو اس غیر آباد کنویں پر بھیجتا ہے یہی حال ہے ان تمام حالات و واقعات کا جن کو عام انسان اتفاقی حوادث سمجھتے ہیں اور فلسفہ والے ان کو بخت و اتفاق کہا کرتے ہیں جو درحقیقت نظام کائنات سے ناواقفیت پر مبنی ہوتا ہے ورنہ سلسلہ تکوین میں کوئی بخت و اتفاق نہیں حق سبحانہ وتعالیٰ جس کی شان فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے مخفی حکمتوں کے تحت ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ ظاہری وقائع سے ان کا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا تو انسان ان کو اتفاقی حوادث قرار دیتا ہے۔

بہر حال ان کا آدمی جس کا نام مالک بن دُعبر بتلایا جاتا ہے اس کنویں پر پہنچا، ڈول ڈالا یوسف علیہ السلام نے قدرت کی امداد کا مشاہدہ کیا اس ڈول کی رسی پکڑ لی پانی کے بجائے ڈول کے ساتھ ایک ایسی ہستی کا چہرہ سامنے آ گیا جس کی آئندہ ہونے والی عظمت شان سے بھی قطع نظر کی جائے تو موجودہ حالت میں بھی اپنے حسن و جمال اور معنوی کمالات کے درخشاں نشانات ان کی

عظمت کے لئے کچھ کم نہ تھے ایک عجیب انداز سے کنویں کی گہرائی سے برآمد ہونے والے اس کم سن حسین اور ہونہار بچہ کو دیکھ کر پکار اٹھا، ارے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا ہے صحیح مسلم میں شب معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یوسف علیہ السلام سے ملا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کے حُسن میں سے آدھا ان کو عطا فرمایا ہے اور باقی آدھا سارے جہان میں تقسیم ہوا ہے،

یعنی چھپا لیا اس کو ایک مال تجارت سمجھ کر مطلب یہ ہے کہ شروع میں تو مالک بن دُعبر یہ لڑکا دیکھ کر تعجب سے پکار اٹھا مگر پھر معاملہ پر غور کر کے یہ قرار دیا کہ اس کا چرچا نہ کیا جائے اس کو چھپا کر رکھے تا کہ اس کو فروخت کر کے رقم وصول کرے اگر پورے قافلہ میں اس کا چرچا ہو گیا تو سارا قافلہ اس میں شریک ہو جائے گا۔

اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حقیقت واقعہ کو چھپا کر ان کو ایک مال تجارت بنا لیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ یہودا روزانہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کھانا پہنچانے کے لئے جاتے تھے تیسرے روز جب ان کو کنویں میں نہ پایا تو واپس آ کر بھائیوں سے واقعہ بیان کیا یہ سب بھائی جمع ہو کر وہاں پہنچے تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے پاس یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے تو ان سے کہا یہ لڑکا ہمارا غلام ہے بھاگ کر یہاں آ گیا ہے تم نے بہت برا کیا کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھا مالک بن دُعبر یہ اور ان کے ساتھی سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائیں گے اس لئے بھائیوں سے اُن کے خریدنے کی بات چیت ہونے لگی۔

تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ برادران یوسف نے خود ہی یوسف کو ایک مال تجارت بنا لیا اور فروخت کر دیا اللہ تعالیٰ کو ان کی سب کارگذاریاں معلوم تھیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب معلوم تھا کہ برادران یوسف کیا کریں گے اور ان سے خریدنے والا قافلہ کیا کرے گا، اور وہ اس پر پوری قدرت رکھتے تھے کہ ان سب کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیں لیکن تکوینی حکمتوں کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ان منصوبوں کو چلنے دیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

امام قرطبی نے فرمایا کہ عرب تجار کی عادت یہ تھی کہ بڑی رقموں کے معاملات وزن سے کیا کرتے تھے اور چھوٹی رقمیں جو چالیس سیر یا دہ نہ ہوں ان کے معاملات گنتی سے کیا کرتے تھے اس لئے دراہم کے ساتھ معدودہ کے لفظ نے یہ بتلا دیا کہ دراہم کی مقدار چالیس درہم کی بھی مختلف روایتیں منقول ہیں۔ زاہدین، زاہد کی جمع ہے جو زہد سے مشتق ہے زہد کے لفظی معنی بے رغبتی اور بیت توجہی کے آتے ہیں محاورات میں دنیا کی مال و دولت سے بے رغبتی اور اعراض کو کہا جاتا ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ برادران یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہش مند نہ تھے ان کا اصل مقصد تو یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا اس لئے تھوڑے سے دراہم میں معاملہ کر لیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ

عَلٰٓی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝
اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اسے عزت و اکرام سے ٹھہراؤ! شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے
یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو زمین (مصر) میں استحکام بخشا اور یہ اس لئے کہ ہم
اسے باتوں کے انجام تک پہنچنا سکھائیں، اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنوئیں سے مصر تک پہنچنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِیْ اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْر " وَهُوَ قطفير الْعَزِيز "لِامْرَاَتِهٖ" زُلَيْخا "اَكْرِمِی مَثْوَاهُ" مُقَامه عِنْدنَا "عَسٰى اَنْ يَّنْفَعنَا اَوْ نَتَّخِذهُ وَلَدًا" وَكَانَ حَصُورًا "وَكَذٰلِكَ" كَمَا نَجَّيْنَاهُ مِنْ الْقَتْل وَالْجُبّ وَعَطَّفْنَا عَلَيْهِ قَلْب الْعَزِيز "مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْض" اَرْض مِصْر حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ "وَلِنُعَلِّمهُ مِنْ تَاْوِيل الْاَحَادِيْث" تَعْبِيْر الرُّؤْيَا عُطِفَ عَلٰى مُقَدَّر مُتَعَلِّق بِمَكَّنَّا اَیْ لِنُمَلِّكهُ اَوْ الْوَاو زَائِدَة "وَاللّٰه غَالِب عَلٰى اَمْره" تَعَالٰى لَا يُعْجِزهُ شَیْء "وَلٰكِنَّ اَكْثَر النَّاس" وَهُمْ الْكُفَّار "لَا يَعْلَمُوْنَ" ذٰلِكَ،

اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا تھا اس کا نام قطفیر تھا اور وہ بادشاہِ مصر ریان بن ولید کا وزیر خزانہ تھا اسے عرف عام میں عزیز مصر کہتے تھے۔ اس نے اپنی بیوی زلیخا سے کہا: اسے عزت و اکرام سے ٹھہراؤ! شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، پس اس طرح ہم نے نجات دی یعنی ان کو قتل اور کنوئیں سے نجات دی۔ اور عزیز مصر کے دل میں ان کی الفت ڈال دی۔ اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین مصر میں استحکام بخشا یہاں تک کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ ہم اسے باتوں کے انجام تک پہنچنا یعنی علمِ تعبیر رؤیا سکھائیں، یہاں پر رؤیا کا عطف مکنا پر ہے۔ یعنی لنمکنہ یہاں پر واؤ زائدہ ہے۔ اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے یعنی اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یعنی وہ لوگ کفار ہیں جو اس بات کو نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بازار مصر میں خریداری کا بیان

امام تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ قافلہ ان کو لے کر مصر کے لئے روانہ ہو جائے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ چلے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس کو بھاگ جانے کی عادت ہے کھلا نہ چھوڑو بلکہ باندھ کر رکھو، اس دُرشہوار کی قدر و قیمت سے ناواقف قافلہ والے ان کو اسی طرح مصر تک لے گئے۔

آیات مذکورہ میں اس کے بعد کا قصہ اس طرح مذکور ہے اور قرآنی اعجاز کے ساتھ قصہ کے جتنے اجزاء خود بخود سمجھ میں آسکتے ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی مثلاً قافلہ کا مختلف منزلوں سے گذر کر مصر تک پہنچنا اور وہاں جا کر یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا وغیرہ سب کو چھوڑ کر یہاں سے بیان ہوتا ہے۔ اس شخص نے جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں خریدا اپنی بیوی سے کہ یوسف علیہ السلام کے ٹھرانے کا اچھا انتظام کرو۔ مطلب یہ ہے کہ قافلہ والوں نے ان کو مصر لیجا کر فروخت کرنے کا اعلان کیا۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیں یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدر کی تھی اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

جیسا کہ پہلے ارشاد قرآنی سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سب کچھ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ رب العزت کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے اجزاء ہیں مصر میں یوسف علیہ السلام کی خریداری کیلئے اس ملک کے سب سے بڑے عزت والے شخص کو مقدر فرمایا۔

یہ شخص جس نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو خریدا وہ ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا جس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے اور بادشاہ مصر اس زمانہ میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اُسید تھا، (جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا اور مسلمان ہو کر یوسف علیہ السلام کی زندگی میں انتقال کر گیا اور عزیز مصر جس نے خریدا تھا اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بتلایا گیا ہے عزیز مصر قطفیر نے یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ ان کو اچھا ٹھکانا دے عام غلاموں کی طرح نہ رکھے ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝
اور جب وہ اپنے کمالِ شباب کو پہنچ گیا ہم نے اسے حکم (نبوت) اور علم (تعبیر) عطا فرمایا، اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو صلہ بخشا کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت و تعبیر رؤیت کا علم عطا ہونے کا بیان

"وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّه" وَهُوَ ثَلَاثُونَ سَنَة اَوْ وَثَلَاث "آتَيْنَاهُ حُكْمًا" حِكْمَة "وَعِلْمًا" فِقْهًا فِي الدِّيْن قَبْل اَنْ يُّبْعَث نَبِيًّا "وَكَذٰلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُ "نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ" لِاَنْفُسِهِمْ،

اور جب وہ اپنے کمالِ شباب کو پہنچ گیا یعنی جس وقت آپ کی عمر مبارک تیس یا تینتیس سال ہوگئی۔ تو ہم نے اسے حکمِ نبوت اور علم تعبیر عطا فرمایا، اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو صلہ بخشا کرتے ہیں۔

حضرت علیہ السلام کا بازار مصر سے شاہی محل تک جانے کا بیان

رب کا لطف بیان ہو رہا ہے کہ جس نے آپ کو مصر میں خریدا، اللہ نے اس کے دل میں آپ کی عزت و وقعت ڈال دی۔ اس نے آپ کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اس میں خیر و صلاح ہے۔ یہ مصر کا وزیر تھا۔ اس کا نام قطفیر تھا۔ کوئی کہتا ہے اطفیر تھا۔ اس کے باپ کا نام دوحیب تھا۔ یہ مصر کے خزانوں کا داروغہ تھا۔ مصر کی سلطنت اس وقت ریان بن ولید کے ہاتھ تھی۔ یہ عمالیق میں سے ایک شخص تھا۔۔ عزیز مصر کی بیوی صاحبہ کا نام راعیل تھا۔ کوئی کہتا ہے زلیخا تھا۔ یہ رعابیل کی بیٹی تھیں۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ مصر میں جس نے آپ کو خریدا اس کا نام مالک بن ذعر بن قریب بن عنق بن مدیان بن ابراہیم تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ دوربین اور دور رس اور انجام پر نظریں رکھنے والے اور

عقلمندی سے تاڑنے والے تین شخص گزرے ہیں۔ایک تو یہی عزیز مصر کہ بیک نگاہ حضرت یوسف کو تاڑ لیا گیا اور جاتے ہی بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح آرام سے رکھو۔دوسری وہ بچی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیک نگاہ جان لیا اور جا کر باپ سے کا کہ اگر آپ کو آدمی کی ضرورت ہے تو ان سے معاملہ کر لیجئے یہ قوی اور باامانت شخص ہے۔تیسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ آپ نے دنیا سے رخت ہوتے ہوئے خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو سونپی۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنا ایک اور احسان بیان فرما رہا ہے کہ بھائیوں کے پھندے سے ہم نے چھڑایا پھر ہم نے مصر میں لا کر یہاں کی سرزمین پر ان کا قدم جما دیا۔کیونکہ اب ہمارا یہ ارادہ پورا ہونا تھا کہ ہم اسے تعبیر خواب کا کچھ علم عطا فرمائیں۔اللہ کے ارادہ کو کون ٹال سکتا ہے۔کون روک سکتا ہے؟ کون خلاف کر سکتا ہے؟ وہ سب پر غالب ہے۔سب اس کے سامنے عاجز ہیں جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے جو ارادہ کرتا ہے کر چکتا ہے۔لیکن اکثر لوگ علم سے خالی ہوتے ہیں۔اس کی حکمت کو مانتے ہیں نہ اس کی حکمت کو جانتے ہیں نہ اس کی باریکیوں پر ان کی نگاہ ہوتی ہے۔نہ وہ اس کی حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔جب آپ کی عقل کامل ہوئی جب جسم اپنی نشوونما تمام کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے آپ کو مخصوص کیا۔یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نیک کاروں کو اسی طرح بھلا بدلہ دیتے ہیں۔کہتے ہیں اس سے مراد تینتیس برس کی عمر ہے۔یا تیس سے کچھ اوپر کی یا بیس کی یا چالیس کی یا پچیس کی یا تیس کی یا اٹھارہ کی۔یا مراد جوانی کو پہنچنا ہے اور اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَیۡتَ لَكَ ؕ
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ○
اور اس عورت نے جس کے گھر وہ رہتے تھے آپ سے آپ کی ذات کی شدید خواہش کی اور اس نے دروازے بند کر دیئے
اور کہنے لگی: جلدی آ جاؤ، یوسف (علیہ السلام) نے کہا اللہ کی پناہ! بیشک وہ میرا مربی ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے
رکھا ہے۔بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا عصمت و پاکدامنی پر استقامت اختیار کرنے کا بیان

"وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا" هِیَ زُلَیۡخَا "عَنۡ نَفۡسه" اَیۡ طَلَبَتۡ مِنۡهُ اَنۡ یُّوَاقِعهَا "وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَاب" لِلۡبَیۡتِ "وَقَالَتۡ" لَهُ "هَیۡتَ لَكَ" اَیۡ هَلُمَّ وَاللَّامُ لِلتَّبۡیِینِ وَفِیۡ قِرَاءَة بِکَسۡرِ الۡهَاء وَاُخۡرَی بِضَمِّ التَّاء "قَالَ مَعَاذ اللّٰه" اَعُوۡذ بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ "اِنَّهٗ" الَّذِیۡ اشۡتَرَانِیۡ "رَبِّی" سَیِّدِی "اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ" مُقَامِی فَلَا اَخُونه فِیۡ اَهۡله "اِنَّهٗ" اَیۡ الشَّاۡن "لَا یُفۡلِح الظّٰلِمُوۡنَ" الزُّنَاة،

اور اس عورت زلیخا نے جس کے گھر وہ رہتے تھے آپ سے آپ کی ذات کی شدید خواہش کی یعنی واقع ہونے کے لئے طلب کیا اور اس نے گھر کے دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی جلدی آ جاؤ، میں تم سے کہتی ہوں۔یہاں پر لام بیانیہ ہے۔اور هیت ایک

قرأت میں ھاء کے کسرہ جبکہ دوسری قرات میں تاء کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ! یعنی اللہ مجھے محفوظ رکھے۔ بیشک وہ جو تمہارا شوہر ہے میرا مربّی ہے یعنی میرا بادشاہ ہے۔ اس نے مجھے بڑی عزت سے رکھا ہے۔ لہٰذا میں اس کے گھر والوں سے کیسے خیانت کرسکتا ہوں۔ بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔ یعنی زنا کرنے والے کامیاب نہیں ہوں گے۔

لفظ ھئیت کی لغت میں مختلف اقوال کا بیان

(آیت ھیت لک) کو بعض لوگ سریانی زبان کا لفظ کہتے ہیں بعض قبطی زبان کا بعض اسے غریب لفظ بتلاتے ہیں۔ کسائی اسی قرأت کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے اہل حوران کا یہ لغت ہے جو حجاز میں آ گیا ہے۔ اہل حوران کے ایک عالم نے کہا ہے کہ یہ ہماری لغت ہے۔

امام ابن جریر نے اس کی شہادت میں شعر بھی پیش کیا ہے۔ اس کے دوسری قرأت ھئت بھی ہے پہلی قرأت کے معنی تو آؤ کے تھے، اس کے معنی میں تیرے لیے تیار ہوں بعض لوگ اس قرأت کا انکار ہی کرتے ہیں۔ ایک قرأت ھئت بھی ہے۔ یہ قرأت غریب ہے۔ عام مدنی لوگوں کی یہی قرأت ہے۔ اس پر بھی شہادت میں شعر پیش کیا جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قاریوں کی قرأت یں قریب قریب ہیں پس جس طرح تم سکھائے گئے ہو پڑھتے رہو۔ گہرائی سے اور اختلاف سے اور لعن طعن سے اور اعتراض سے بچو اس لفظ کے یہی معنی ہیں کہ آ اور سامنے ہو وغیرہ۔ پھر آپ نے اس لفظ کو پڑھا کسی نے کہا اسے دوسری طرح بھی پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا درست ہے مگر میں نے تو جس طرح سیکھا ہے اسی طرح پڑھوں گا۔ یعنی ھَیتَ نہ کہ ھِیتُ یہ لفظ تذکیر تانیث واحد تثنیہ جمع سب کے لیے یکساں ہوتا ہے۔ جیسے (آیت ھیت لك ھیت لکم ھیت لکما ا ھیتا لکن ھیت لھن)۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ یوسف، بیروت)

عزیز مصر جس نے آپ کو خریدا تھا اور بہت اچھی طرح اولاد کے مثل رکھا تھا اپنی گھر والی سے بھی تاکیداً کہا تھا کہ انہیں کسی طرح تکلیف نہ ہو عزت واکرام سے انہیں رکھو۔ اس عورت کی نیت میں کھوٹ آ جاتی ہے۔ جمال یوسف پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ دروازے بھیڑ کر بن سنور کر برے کام کی طرف یوسف کو بلاتی ہے لیکن حضرت یوسف بڑی سختی سے انکار کر کے اسے مایوس کر دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تیرا خاوند میرا سردار ہے۔ اس وقت اہل مصر کے محاورے میں بڑوں کے لیے یہی لفظ بولا جاتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں تمہارے خاوند کی مجھ پر مہربانی ہے وہ میرے ساتھ سلوک واحسان سے پیش آتے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ میں ان کی خیانت کروں۔ یادرکھو چیز کو غیر جگہ رکھنے والے بھلائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔

بعض مفسرین سدی اور ابن اسحاق وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس خلوت میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو مائل کرنے کے لئے ان کے حُسن وجمال کی تعریف شروع کی کہا کہ تمہارے بال کس قدر حسین ہیں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بال موت کے بعد سب سے پہلے میرے جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے پھر کہا تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں تو فرمایا موت کے بعد یہ سب پانی ہو کر میرے چہرے پر بہہ جائیں گی پھر کہا تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے تو فرمایا کہ یہ سب مٹی کی غذا ہے اللہ تعالیٰ نے فکر آخرت آپ پر اس طرح

مسلط کردی کہ نوجوانی کے عالم میں دنیا کی ساری لذتیں ان کے سامنے گرد ہوگئیں صحیح ہے کہ فکر آخرت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو ہر جگہ ہر شر سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ
وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝
(یوسف علیہ السلام نے انکار کردیا) اور بیشک اس نے ان کا ارادہ کرلیا تھا، (شاید) وہ بھی اس کا قصد کرلیتے اگر انہوں نے اپنے رب کی
روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا۔ اس طرح کہ ہم ان سے تکلیف اور بے حیائی کو دور رکھیں، بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔

اللہ کی توفیق کے ذریعے گناہوں نے معصوم ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ " قَصَدَتْ مِنْهُ الْجِمَاع "وَهَمَّ بِهَا" قَصَدَ ذٰلِكَ "لَوْلَا اَنْ رَاٰى بُرْهَان رَبّه " قَالَ ابْن عَبَّاس مُثِّلَ لَهٗ يَعْقُوْب فَضَرَبَ صَدْره فَخَرَجَتْ شَهْوَته مِنْ اَنَامِله وَجَوَاب لَوْلَا لَجَامَعَهَا "كَذٰلِكَ" اَرَيْنَاهُ الْبُرْهَان "لِنَصْرِف عَنْهُ السُّوْء " الْخِيَانَة "وَالْفَحْشَاء " الزِّنَا "اِنَّهٗ مِنْ عِبَادنَا الْمُخْلِصِيْنَ " فِي الطَّاعَة وَفِيْ قِرَاءَة بِفَتْحِ اللَّام اَيْ الْمُخْتَارِيْنَ،

(یوسف علیہ السلام نے انکار کردیا) اور بیشک اس زلیخا نے جماع کا ارادہ کرلیا تھا، شاید وہ بھی اس کا قصد کرلیتے۔ اگر انہوں نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کو پیش کردیا جنہوں نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے شہوت انگلیوں کے پوروں کے ذریعے خارج ہوگئی۔ اور یہ لولا لجماعها کا جواب ہے۔ اس طرح اس لئے کیا گیا کہ ہم ان سے تکلیف اور بے حیائی یعنی زنا دونوں کو دور رکھیں، بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔ یہاں مخلصین ایک قرأت میں لام کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی اطاعت اختیار کرنے والے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کی برہان دیکھی اور اس ارادہ فاسدہ سے محفوظ رہے اور برہان عصمت نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوسِ طاہرہ کو اخلاقِ ذمیمہ وافعالِ رذیلہ سے پاک پیدا کیا ہے اور اخلاقِ شریفہ طاہرہ مقدسہ پر ان کی خلقت فرمائی ہے اس لئے وہ ہر نا کردنی فعل سے باز رہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت زلیخا آپ کے درپے ہوئی اس وقت آپ نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انگشت مبارک دندانِ اقدس کے نیچے دبا کر اجتناب کا اشارہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، لاہور)

یا انہوں نے بھی اس کو طاقت سے دور کرنے کا قصد کرلیا تھا۔ اگر وہ اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھ لیتے تو اپنے دفاع میں

سختی کر گزرتے اور ممکن ہے اس دوران ان کا قمیص آگے سے پھٹ جاتا جو بعد ازاں ان کے خلاف شہادت اور وجہ تکلیف بنتا، سو اللہ کی نشانی نے انھیں سختی کرنے سے روک دیا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط قَالَتْ
مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے آپ کا کرتہ مبارک پشت کی جانب سے پھاڑ دیا اور دونوں نے
اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، اس عورت نے کہا کیا جزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی کے ساتھ برائی کا
ارادہ کیا، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے، یا دردناک سزا ہو۔

عصمت یوسف علیہ السلام پر الزام وتہمت لگانے کا بیان

"وَاسْتَبَقَا الْبَاب" بَادَرَ اِلَيْهِ يُوسُف لِلْفِرَارِ وَهِيَ لِلتَّشَبُّثِ بِهِ فَاَمْسَكَتْ ثَوْبه وَجَذَبَتْهُ اِلَيْهَا "وَقَدَّتْ" شَقَّتْ "قَمِيصه مِنْ دُبُر وَاَلْفَيَا" وَجَدَا "سَيِّدهَا" زَوْجهَا "لَدَى الْبَاب" فَنَزَّهَتْ نَفْسهَا ثُمَّ "قَالَتْ مَا جَزَاء مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا" زِنًا "اِلَّآ اَنْ يُّسْجَن" يُحْبَس فِي سِجْن "اَوْ عَذَاب اَلِيْم" مُؤْلِم بِاَنْ يُضْرَب،

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے یعنی یوسف علیہ السلام وہاں سے نکل جانے کے لئے دروازے کی طرف تیز قدم چل دیئے جبکہ وہ خاتون ان کو پکڑ لینے کے لئے دوڑ پڑی تو اس نے آپ کی قمیص کو پکڑا۔ اور اس عورت نے آپ کا قمیص پشت کی جانب سے پھاڑ دیا اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، یعنی دروازے کے قریب پایا اس عورت نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کیا جزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی کے ساتھ برائی یعنی زنا کا ارادہ کیا، سوائے اس کے کہ اسے جیل میں قید کیا جائے، یا دردناک سزا ہو۔ یعنی اس کو مارتے ہوئے سزا دی جائے۔

الزام کی مدافعت اور بچے کی گواہی کا بیان

حضرت یوسف اپنے آپ کو بچانے کے لیے وہاں سے دروازے کی طرف دوڑے اور یہ عورت آپ کو پکڑنے کے ارادے سے آپ کے پیچھے بھاگی۔ پیچھے سے کرتا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ زور سے اپنی طرف گھسیٹا۔ جس سے حضرت یوسف پیچھے کی طرف گر جانے کی قریب ہو گئے لیکن آپ نے آگے کو زور لگا کر دوڑ جاری رکھی اس میں کرتا پیچھے سے بالکل بیطرح پھٹ گیا اور دونوں دروازے پر پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ عورت کا خاوند موجود ہے۔ اسے دیکھتے ہی اس نے چال چلی اور فوراً ہی سارا الزام یوسف کے سر تھوپ دیا اور اپنی پاک دامنی بلکہ عصمت اور مظلومیت جتانے لگی۔ سوکھا سا منہ بنا کر اپنے خاوند سے اپنی بپتا اور پھر پاکیزگی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے فرمائیے حضور آپ کی بیوی سے جو بدکاری کا ارادہ رکھے اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ قید سخت یا بری مار سے کم

تو ہرگز کوئی سزا اس جرم کی نہیں ہوسکتی۔ اب جب کہ حضرت یوسف نے اپنی آبرو کو خطرے میں دیکھا اور خیانت کی بدترین تہمت لگتی دیکھی تو اپنے اوپر سے الزام ہٹانے اور صاف اور سچی حقیقت کے ظاہر کر دینے کے لیے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھیں، میرے بھاگنے پر مجھے پکڑ رہی تھی، یہاں تک کہ میرا کرتا بھی پھاڑ دیا۔ اس عورت کے قبیلے سے ایک گواہ نے گواہی دی۔ اور مع ثبوت ودلیل ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیرہن کو دکھلو اگر وہ سامنے کے رخ سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اس نے اسے اپنی طرف لانا چاہا اس نے اسے دھکے دیئے۔ روکا منع کیا ہٹایا اس میں سامنے سے کرتا پھٹ گیا تو واقع قصور وار مرد ہے اور عورت جو اپنی بے گناہی بیان کرتی ہے وہ سچی ہے فی الواقع اس صورت میں وہ سچی ہے۔ اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا پاؤ تو عورت کے جھوٹ اور مرد کے سچ ہونے میں شبہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت اس پر مائل تھی یہ اس سے بھاگا وہ دوڑی، پکڑا، کرتا ہاتھ میں آ گیا اس نے اپنی طرف گھسیٹا اس نے اپنی جانب کھینچا وہ پیچھے کی طرف سے پھٹ گیا۔

ابن عباس فرماتے ہیں چار بچوں نے کلام کیا ہے۔ فرعون کی لڑکی کی مشاطہ کے لڑکے نے۔ حضرت یوسف کے گواہ نے۔ جریج کے صاحب نے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے۔ اسی تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے دیکھا تو حضرت یوسف کے پیراہن کو پیچھے کی جانب سے پھٹا ہوا دیکھا۔ اس کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ یوسف سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے وہ یوسف صدیق پر تہمت لگا رہی ہے تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو تم عورتوں کا فریب ہے۔ اس نوجوان پر تم تہمت باندھ رہی ہو اور جھوٹا الزام رکھ رہی ہو۔ تمہارے چلتر تو ہیں ہی چکر میں ڈال دینے والے۔ پھر حضرت یوسف سے کہتا ہے کہ آپ اس واقعہ کو بھول جائیے، جانے دیجئے۔ اس نامراد واقعہ کا پھر سے ذکر ہی نہ کیجئے۔ پھر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم اپنے گناہ سے استغفار کرو نرم آدمی تھا نرم اخلاق تھے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ جان رہا تھا کہ عورت معذور سمجھے جانے کے لائق ہے اس نے وہ دیکھا جس پر صبر کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے اسے ہدایت کر دی کہ اپنے برے ارادے سے توبہ کر۔ سراسر تو ہی خطا وار ہے۔ کیا خود اور الزام دوسروں کے سر رکھا۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ یوسف، بیروت)

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيصُهٗ قُدَّ
مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝
اس (یوسف) نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے اور اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی
اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔

یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہ کی گواہی کا بیان

"قَالَ" يُوسُف مُتَبَرِّئًا "هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِد مِنْ اَهْلهَا" ابْن عَمّهَا رُوِيَ اَنَّهُ كَانَ فِي الْمَهْد فَقَالَ "اِنْ كَانَ قَمِيصه قُدَّ مِنْ قُبُل" قُدَّام،

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے اور اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی، اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو یعنی سامنے والی جانب سے تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔

یہ مجھ سے فعلِ قبیح کی طلب گار ہوئی میں نے اس سے انکار کیا اور میں بھاگا۔ عزیز نے کہا یہ بات کس طرح باور کی جائے؟ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ گھر میں ایک چار مہینے کا بچہ پالنے میں تھا جو زلیخا کے ماموں کا لڑکا ہے اس سے دریافت کرنا چاہیئے، عزیز نے کہا کہ چار مہینے کا بچہ کیا جانے اور کیسے بولے؟ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو گویائی دینے اور اس سے میری بے گناہی کی شہادت ادا کرادینے پر قادر ہے، عزیز نے اس بچہ سے دریافت کیا قدرت الٰہی سے وہ بچہ گویا ہوا اور اس نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی اور زلیخا کے قول کو باطل بتایا، اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو یعنی سامنے والی جانب سے تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝
اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے۔

وقوعی حقیقت کے مطابق شہادت دینے کا بیان

"وَاِنْ كَانَ قَمِيصه قُدَّ مِنْ دُبُر" خلف، فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ،

اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے۔

قرائن کے ذریعے گواہی کا بیان

لیکن سیّدنا یوسف کا بیان زلیخا کے بالکل الٹ اور مبنی برحقیقت تھا۔ اب سوال یہ تھا یہ کیسے معلوم ہو کہ ان دونوں میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟ جب یہ بات گھر والوں میں پھیل گئی تو عزیز مصر کے خاندان سے ہی ایک آدمی کہنے لگا: ذرا یوسف کی قمیص کو تو دیکھو اگر وہ پیچھے سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یوسف آگے بھاگ رہا تھا اور زلیخا نے اسے پیچھے سے کھینچا ہے اور اس کھینچا تانی میں قمیص پھٹ گئی۔ اس صورت میں زلیخا جھوٹی ہوگی اور یوسف سچا ہوگا اور اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یوسف تقاضا کر رہا تھا اور زلیخا اپنی مدافعت کر رہی تھی۔ اس کھینچا تانی میں یوسف کی قمیص آگے سے پھٹ گئی۔ اس صورت میں یوسف جھوٹا ہے اور زلیخا سچی۔ یہ بات سب کو معقول معلوم ہوئی۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۝
پھر جب اس نے ان کا قمیص دیکھا وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے کہا: بیشک یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔
یقیناً تم عورتوں کا فریب بڑا ہوتا ہے۔

عورتوں کے مکروفریب کا بیان

"فَلَمَّا رَاٰی" زَوْجھَا "قَمِیصه قُدَّ مِنْ دُبُر قَالَ اِنَّهٗ " اَیْ قَوْلك "مَا جَزَاء مَنْ اَرَادَ" اِلَخ "مِنْ کَیْدکُنَّ" اَیَّھَا النِّسَاء،

پھر جب اس عزیزِ مصر نے ان کا قمیص دیکھا کہ وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے کہا بیشک یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ یعنی اس کے قول "مَا جَزَاء مَنْ اَرَاد" کی جزا ہے۔ یقیناً تم عورتوں کا فریب بڑا خطرناک ہوتا ہے۔

عورتوں کے فریب کا بڑا مکر ہونے کا بیان

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت میں (اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ ، یوسف:28) عزیزِ مصر کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ سے منقول ہے وہ کہا کرتے تھے کہ میں شیطان سے زیادہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کا ذکر کیا تو فرمایا کہ شیطان کا مکر کمزور ہے۔ (۴:۷۶) اور جب عورتوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ تمہارا مکر بہت بڑا ہے" اور درج ذیل حدیث بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

سیّدنا اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: "میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ سخت کوئی فتنہ نہیں چھوڑا" (بخاری، کتاب النکاح)

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ۠ ۝
اے یوسف! تم اس بات سے درگزر کرو اور (اے زلیخا!) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بیشک تو ہی خطا کاروں میں سے تھی۔

اشاعت واقعہ سے ممانعت کا بیان

"یُوسُف اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا" الْاَمْر وَلَا تَذْکُرهُ لِئَلَّا یَشِیع "وَاسْتَغْفِرِی" یَا زُلَیْخَا "لِذَنْبِك اِنَّك کُنْت مِنَ الْخَاطِئِینَ" الْاٰثِمِیْنَ وَاشْتَهَرَ الْخَبَر وَشَاعَ،

اے یوسف! تم اس بات سے درگزر کرو اور یعنی اس کا تذکرہ نہ کرنا کہیں یہ کہیں مشہور نہ ہو جائے اے زلیخا! تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بیشک تو ہی خطا کاروں میں سے تھی۔ یہ خبر مشہور بھی ہوگئی اور پھیل بھی گئی۔

خواتین مصر نے واقعہ کو پورے شہر میں پھیلا دیا

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ عزیزِ مصر کوئی بے حمیت آدمی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو گناہ سے پھر رسوائی سے بچانے کو فوق العادت انتظام فرمایا اسی انتظام کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ عزیزِ مصر کو غصہ سے مشتعل نہیں ہونے دیا ورنہ عام عادت کے مطابق ایسے موقع پر انسان تحقیق و تفتیش کے بغیر ہی ہاتھ چھوڑ بیٹھتا ہے اور زبان سے گالی گلوچ تو معمولی بات ہے اگر عام انسانی عادت کے مطابق عزیزِ مصر کو اشتعال ہو جاتا تو ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ سے یا زبان

سے یوسف علیہ السلام کی شان کے خلاف کوئی بات سرزد ہو جاتی یہ قدرت حق کے کرشمے ہیں کہ اطاعت حق پر قائم رہنے والے کی قدم قدم پر کس طرح حفاظت کی جاتی ہے۔

بعد کی آیتوں میں اور واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو پچھلے قصہ سے وابستہ ہے، وہ یہ کہ واقعہ چھپانے کے باوجود درباری لوگوں کی عورتوں میں پھیل گیا ان عورتوں نے عزیز کی بیوی کو لعن طعن کرنا شروع کیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ پانچ عورتیں عزیز مصر کے قریبی افسروں کی بیویاں تھیں۔

یہ عورتیں آپس میں کہنے لگیں کہ دیکھو کیسی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ عزیز مصر کی بیوی اتنے بڑے مرتبہ پر ہوتے ہوئے اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہو کر اس سے اپنی مطلب برآری چاہتی ہے، ہم تو اس کو بڑی گمراہی پر سمجھتے ہیں آیت میں لفظ فتاھا فرمایا ہے فتا کے معنی نوجوان کے ہیں، عرف میں مملوک غلام جب چھوٹا ہو تو اس کو غلام کہتے ہیں، جوان ہو تو لڑکے کو فتا اور لڑکی کو فتاۃ کہا جاتا ہے اس میں یوسف علیہ السلام کو زلیخا کا غلام یا تو اس وجہ سے کہا گیا کہ شوہر کی چیز کو بھی عادۃ بیوی کی چیز کہا جاتا ہے، اور یا اس لئے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو اپنے شوہر سے بطور ہبہ اور تحفہ لے لیا تھا۔ (قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ
اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہنا کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے مطلب براری کے لئے پھسلاتی ہے،
اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے، بیشک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔

خواتین مصر کی عار دلانے کا بیان

"وَقَالَ نِسْوَة فِي الْمَدِيْنَة" مَدِيْنَة مِصْر "امْـرَاَة الْعَزِيز تُرَاوِد فَتَاهَا" عَبْدهَا . "عَنْ نَفْسه قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا" تَـمْيِيز اَيْ دَخَلَ حُبّه شِغَاف قَلْبهَا اَيْ غِلَافه "اِنَّا لَنَرَاهَا فِيْ ضَلَال" اَيْ فِيْ خَطَأ "مُبِيْن" بَيِّن بِحُبِّهَا اِيَّاهُ،

اور شہر مصر میں (اُمراء کی) کچھ عورتوں نے کہنا کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے مطلب براری کے لئے پھسلاتی ہے، اس غلام کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے، یہاں لفظ حبا یہ تمیز ہے یعنی اس کی محبت اس کے دل میں داخل ہو گئی ہے۔ جس نے اس کے دل کو ڈھانپ لیا ہے۔ بیشک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔ یعنی ان کی اس محبت میں ان کو وارفتہ دیکھ رہیں ہیں۔

اس داستان کی خبر شہر میں ہوئی، چرچے ہونے لگے، چند شریف زادیوں نے نہایت تعجب وحقارت سے اس قصے کو دوہرایا کہ دیکھو عزیز کی بیوی ہے اور ایک غلام پر جان دے رہی ہے، اس کی محبت کو اپنے دل میں جمائے ہوئے ہے۔ شغف کہتے ہیں حد سے

گذری ہوئی قاتل محبت کو اور شغف اس سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ دل کے پردوں کو عورتیں شغاف کہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ عزیز کی بیوی صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ ان غیبتوں کا پتہ عزیز کی بیوی کو بھی چل گیا۔ یہاں لفظ مکر اس لیے بولا گیا ہے کہ بقول بعض خود ان عورتوں کا یہ فی الواقع ایک کھلا مکر تھا۔ انہیں تو دراصل حسن یوسف کے دیدار کی تمنا تھی یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔ عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اس میں اس نے اپنی معزوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے۔ اور ایک مجلس، محفل، اور بیٹھک درست کر لی جس میں پھل اور میوہ بہت تھا۔ اس نے تراش تراش کر چھیل چھیل کر کھانے کے لیے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں دیدیا یہ تھا ان عورتوں کے دھوکہ کا جواب انہوں نے اعتراض کر کے جمال یوسف دیکھنا چاہا اس نے آپ کو معذور ظاہر کرنے اور ان کے مکر کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں خود زخمی کر دیا اور خود ان ہی کے ہاتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ آئے۔ انہیں اپنی مالکہ کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے وہاں سے آگئے۔ عورتوں کی نگاہ جو آپ کے چہرے پر پڑی تو سب کی سب دہشت زدہ رہ گئیں۔ ہیبت وجلال اور رعب حسن سے بے خود ہو گئیں اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ
سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ
مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○
پس جب اس (زلیخا) نے ان کی مکارانہ باتیں سنیں (تو) انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مجلس آراستہ کی (پھر ان کے سامنے پھل رکھ
دیئے) اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور (یوسف علیہ السلام سے) درخواست کی کہ ذرا ان کے سامنے سے (ہو کر)
نکل جاؤ (تاکہ انہیں بھی میری کیفیت کا سبب معلوم ہو جائے)، سو جب انہوں نے یوسف (علیہ السلام کے حسنِ زیبا) کو دیکھا تو اس
(کے جلوہ جمال) کی بڑائی کرنے لگیں اور وہ (مدہوشی کے عالم میں پھل کاٹنے کے بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور (دیکھ لینے کے
بعد بے ساختہ) بول اٹھیں: اللہ کی پناہ! یہ تو بشر نہیں ہے، یہ تو بس کوئی برگزیدہ فرشتہ (یعنی عالمِ بالا سے اترا ہوا نور کا پیکر) ہے۔

حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ضیافت باقاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی۔ میٹھے ہاتھوں میں تھے، چاقو چل رہے تھے جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اُٹھیں ہاں ہاں ضرور۔ اسی وقت حضرت یوسف سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لائیے۔ آپ آئے پھر اس نے کہا جائیے آپ چلے گئے۔ آتے جاتے سامنے سے پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپ کو دیکھا دیکھتے ہی سب سکتے میں آگئیں ہوش حواس جاتے رہے بجائے لیموں کاٹنے کے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اور کوئی احساس تک نہ ہوا ہاں جب حضرت یوسف چلے گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی۔ تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے ہاتھ کاٹ لیا ہے۔ اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے جمال نے تو تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا پھر بتاؤ

میرا کیا حال ہوگا

عورتوں نے کہا واللہ یہ انسان نہیں۔ یہ تو فرشتہ ہے اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا۔ آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی۔ ان عورتوں نے حضرت یوسف جیسا تو کہاں ان کے قریب ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ آپ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا۔

چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ تیسرے آسمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسف اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا حسن قدرت کی فیاضیوں نے عنایت فرمایا تھا۔ اور روایت میں تہائی حسن یوسف کو اور آپ کی والدہ کو دیا گیا تھا۔ آپ کا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا۔ جب کبھی کوئی عورت آپ کے پاس کسی کام کے لیے آتی تو آپ اپنا منہ ڈھک کر اس سے بات کرتے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائے اور روایت میں ہے کہ حسن کے تین حصے کیے گئے تمام لوگوں میں دو حصے تقسیم کیے گئے اور ایک حصہ صرف آپ کو اور آپ کی ماں کو دیا گیا۔ یا حسن کی دو تہائیاں ان ماں بیٹے کو ملیں اور ایک تہائی میں دنیا کے تمام لوگ اور روایت میں ہے کہ حسن کے دو حصے کیے گئے ایک حصے میں حضرت یوسف اور آپ کی والدہ حضرت سارہ اور ایک حصے میں دنیا کے اور سب لوگ۔ سہیلی میں ہے کہ آپ کو حضرت آدم کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے کمال صورت کا نمونہ بنایا تھا اور بہت ہی حسین پیدا کیا تھا۔ آپ کی اولاد میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا اور حضرت یوسف کو ان کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ پس ان عورتوں نے آپ کو دیکھ کر ہی کہا کہ معاذ اللہ یہ انسان نہیں ذی عزت فرشتہ ہے۔ اب عزیز کی بیوی نے کہا بتلاؤ اب تو تم مجھے عذر والی سمجھو گی؟ اس کا جمال و کمال کیا ایسا نہیں کہ صبر و برداشت چھین لے؟ میں نے اسے ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا اب سمجھ لو کہ جہاں اس میں یہ بہترین ظاہری خوبی ہے وہاں عصمت وعفت کی یہ باطنی خوبی بھی بینظیر ہے۔ پھر دھمکانے لگی کہ اگر میری بات یہ نہ مانے گا تو اسے قید خانہ بھگتنا پڑے گا۔ اور میں اس کو بہت ذلیل کروں گی۔

پھل کاٹنے والی خواتین نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ دیا

"فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ" غِيبَتهِنَّ لَهَا "اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ" اَعَدَّتْ "لَهُنَّ مُتَّكَئًا" طَعَامًا يُقَطَّع بِالسِّكِّين لِلاتِّكَاءِ عِنْده وَهُوَ الْاُتْرُجّ "وَاٰتَتْ" اَعْطَتْ "كُلّ وَاحِدَة مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتْ" لِيُوسُف "اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهُ اَكْبَرْنَهُ" اَعْظَمْنَهُ "وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ" بِالسَّكَاكِين وَلَمْ يَشْعُرْنَ بِالْاَلَمِ لِشَغْلِ قَلْبهنَّ بِيُوسُف "وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ" تَنْزِيهًا لَهُ "مَا هٰذَا" اَيْ يُوسُف "بَشَرًا اِنْ" مَا "هٰذَا اِلَّا مَلَك كَرِيم" لِمَا حَوَاهُ مِنْ الْحُسْن الَّذِيْ لَا يَكُوْن عَادَة فِي النَّسَمَة الْبَشَرِيَّة وَفِي الْحَدِيْث (اَنَّهُ اُعْطِيَ شَطْر الْحُسْن ،

پس جب اس زلیخا نے ان کی مکارانہ باتیں یعنی غیبت میں کے طور پر کہی گئیں سنیں، تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مجلس

آراستہ کی، پھر ان کے سامنے پھل رکھ دیئے یعنی اس کے سامنے ترنج کا پھل دیا کہ وہ اس کے ٹیک لگانے کے وقت اس کو کھائیں، اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور یوسف علیہ السلام سے درخواست کی کہ ذرا ان کے سامنے سے ہو کر نکل جاؤ تا کہ انہیں بھی میری کیفیت کا سبب معلوم ہو جائے، سو جب انہوں نے یوسف (علیہ السلام کے حسنِ زیبا) کو دیکھا تو اس (کے جلوہ جمال) کی بڑائی کرنے لگیں اور وہ مدہوشی کے عالم میں پھل کاٹنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور یوسف علیہ السلام کو دیکھ لینے کے بعد بے ساختہ بول اٹھیں، اللہ کی پناہ، جس کے لئے پاکی ہے۔ یہ تو بشر نہیں ہے، یہ تو بس کوئی برگزیدہ فرشتہ ہے یعنی (یعنی عالمِ بالا سے اترا ہوا نور کا پیکر) ہے۔ یعنی ایسا حسن ہے جو عام کسی انسان کے پاس نہیں نہیں ہوا کرتا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ کل حسن کا نصف حسن یوسف علیہ السلام کو عطا کیا گیا ہے۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ
وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝
وہ بولی: یہی وہ (پیکرِ نور) ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں اور بیشک میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی مگر وہ سراپا
عصمت ہی رہا، اور اگر (اب بھی) اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے کہتی ہوں تو وہ ضرور قید کیا جائے گا اور وہ یقیناً بے آبرو کیا جائے گا۔

خواتین مصر کا پیکرحسن کا اعتراف کرنے کا بیان

"قَالَتْ" امْرَاَةُ الْعَزِيزِ لَمَّا رَاَتْ مَا حَلَّ بِهِنَّ "فَذٰلِكُنَّ" فَهٰذَا هُوَ "الَّـذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ" فِىْ حُبِّهٖ بَيَان لِعُذْرِهَا "وَلَـقَدْ رَاوَدْتُه عَنْ نَفْسه فَاسْتَعْصَمَ" امْتَنَعَ "وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا اٰمُرُهٗ" بِهٖ "لَيُسْجَنَن وَلَيَكُوْنًا مِنَ الصَّاغِرِيْنَ" الذَّلِيلِينَ فَقُلْنَ لَهٗ اَطِعْ مَوْلَاتك،

(زلیخا کی تدبیر کامیاب ہوگئی تب) وہ بولی، یہی وہ (پیکرِ نور) ہے جس کی محبت کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں یہ اپنے عذر کے طور پر کہا، اور بیشک میں نے ہی اپنی خواہش کی شدت میں اسے پھسلانے کی کوشش کی مگر وہ سراپا عصمت ہی رہا، یعنی اس نے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ اور اگر اب بھی اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے کہتی ہوں تو وہ ضرور قید کیا جائے گا اور وہ یقیناً بے آبرو کیا جائے گا۔ یعنی ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ تم اپنے مالکوں کی اطاعت کرو۔

وہ عورت بولی کہ دیکھ لو وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے برا بھلا کہتی تھیں اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور آئندہ یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو بیشک جیل خانے بھیجا جائے۔

اس عورت نے جب یہ دیکھا کہ میرا راز ان عورتوں پر فاش تو ہو ہی چکا ہے اس لئے ان کے سامنے ہی یوسف علیہ السلام کو ڈرانے دھمکانے لگی بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس وقت یہ سب عورتیں بھی یوسف علیہ السلام کو کہنے لگیں کہ یہ عورت تمہاری محسن ہے اس کی مخالفت نہیں کرنا چاہئے۔

اور چوروں اور قاتلوں اور نافرمانوں کے ساتھ جیل میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے میرا دل لیا اور میری نافرمانی کی اور فراق کی تلوار سے میرا خون بہایا تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی خوشگوار کھانا پینا اور آرام کی نیند سونا میسر نہ ہوگا جیسا میں جدائی کی تکلیفوں میں مصیبتیں جھیلتی اور صدموں میں پریشانی کے ساتھ وقت کاٹتی ہوں یہ بھی تو کچھ تکلیف اٹھائیں، میرے ساتھ حریر میں شاہانہ سریر پر عیش گوارا نہیں ہے تو قید خانے کے چبھنے والے بوریئے پر ننگے جسم کو دکھانا گوارا کریں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر مجلس سے اٹھ گئے اور مصری عورتیں ملامت کرنے کے بہانہ سے باہر آئیں اور ایک ایک نے آپ سے اپنی تمنّاؤں اور مرادوں کا اظہار کیا، آپ کو ان کی گفتگو بہت ناگوار ہوئی تو بارگاہ الٰہی میں۔ (خازن ومدارک وحسینی، سورہ یوسف، بیروت)

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے امید پوری ہونے کی کوئی شکل نہ دیکھی تو مصری عورتوں نے زلیخا سے کہا کہ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب دو تین روز حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں رکھا جائے تاکہ وہاں کی محنت ومشقت دیکھ کر انھیں نعمت و راحت کی قدر ہو اور وہ تیری درخواست قبول کریں، زلیخا نے اس رائے کو مانا اور عزیزِ مصر سے کہا کہ میں اس عبری غلام کی وجہ سے بدنام ہوگئی ہوں اور میری طبیعت اس سے نفرت کرنے لگی ہے، مناسب یہ ہے کہ ان کو قید کیا جائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ وہ خطاوار ہیں اور میں ملامت سے بری ہوں، یہ بات عزیز کے خیال میں آ گئی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ
اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝
یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس کام سے کہیں زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور
اگر تو نے ان کے مکر کو مجھ سے نہ پھیرا تو میں ان کی (باتوں کی) طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔

دنیا کے فتنوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنے کا بیان

"قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ" اَمِلْ "اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ" اَصِرْ "مِنَ الْجَاهِلِيْنَ" الْمُذْنِبِيْنَ وَالْقَصْد بِذٰلِكَ الدُّعَاء فَلِذَا قَالَ تَعَالٰى:

یوسف علیہ السلام نے سب کی باتیں سن کر عرض کیا اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس کام سے کہیں زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو نے ان کے مکر کو مجھ سے نہ پھیرا تو میں ان کی باتوں کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں نا جاننے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ یعنی جو جو گناہوں کا قصد کرتے ہیں۔ اس سے آپ کا ارادہ اللہ تعالیٰ سے دعا تھا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرنے کا بیان

بعض روایات میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام قید میں ڈالے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ نے قید میں

اپنے آپ کو خود ڈالا ہے کیونکہ آپ نے کہا تھا اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ یعنی اس کی نسبت مجھ کو جیل خانہ زیادہ پسند ہے اور اگر آپ عافیت مانگتے تو آپ کو مکمل عافیت مل جاتی اس سے معلوم ہوا کہ کسی بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے دعاء میں یہ کہنا کہ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ فلاں چھوٹی مصیبت میں مجھے مبتلا کردے مناسب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر مصیبت اور بلاء کے وقت عافیت ہی مانگنی چاہئے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی دعاء مانگنے سے ایک شخص کو منع فرمایا کہ صبر تو بلاء ومصیبت پر ہوتا ہے تو اللہ سے صبر کی دعاء مانگنے کے بجائے عافیت کی دعاء مانگو۔ (ترمذی)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے کوئی دعاء تلقین فرمادیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے رب سے عافیت کی دعاء مانگا کریں حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلقین دعاء کا سوال کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگا کریں۔ (طبرانی)

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی اور عورتوں کے مکروفریب کو ان سے دور کردیا۔ بیشک وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا کو قبول کرلیا

"فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّه" دُعَاءَهٗ "فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدهنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ" لِلْقَوْلِ "الْعَلِيْم" بِالْفِعْلِ،

لہٰذا ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی اور عورتوں کے مکروفریب کو ان سے دور کردیا۔ بیشک وہی قول کو خوب سننے والا فعل کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے جال سے بچانے کے لئے یہ سامان فرمادیا کہ عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو اگرچہ یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور تقویٰ وطہارت کی کھلی نشانیاں دیکھ کر ان کی پاکی کا یقین ہو چکا تھا مگر شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا اس کو ختم کرنے کے لئے ان کو مصلحت اس میں نظر آئی کہ کچھ عرصہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو جیل میں بند کردیا جائے تاکہ اپنے گھر میں ان شبہات کا کوئی موقع بھی باقی نہ رہے اور لوگوں کی زبانوں سے اس کا یہ چرچا بھی ختم ہو جائے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ○
پھر انہیں نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے ایک مدت تک قید کردیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کا بیان

"ثُمَّ بَدَا" ظَهَرَ "لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيَات" الدَّالَّات عَلٰى بَرَاءَة يُوسُف اَنْ يَّسْجُنُوهُ دَلَّ عَلٰى هٰذَا "لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْن" اِلٰى "حِيْن" يَنْقَطِع فِيهِ كَلَام النَّاس فَسُجِنَ،

پھر انہیں یوسف علیہ السلام کی پاک بازی کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے ایک مدت تک قید کر

دیں۔ اور اس حذف فاعل پر ""لَيَسْجُنُنَّه"" کی دلالت ہے۔ یعنی وہ دلائل جن سے یوسف علیہ السلام کی برأت ثابت ہوتی تھی۔ تا کہ لوگوں کے ہاں اس موضوع پر باتیں ختم ہو جائیں۔ لہٰذا آپ کو قید میں ڈال دیا گیا۔

اس کے باوجود اس ملک کی عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ یوسف ہی کو کسی نامعلوم مدت کے لیے قید میں ڈال دیا جائے۔ کیونکہ اب اصل مجرم صرف زلیخا نہ رہی تھی بلکہ اعیان سلطنت کی بیگمات بھی اس جرم میں اس کی ہم نوا اور برابر کی شریک بن چکی تھیں۔ اس واقعہ سے جہاں مردوں کی اپنی بیگمات کے سامنے بے بسی پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی انصاف کرنے والی عدالتیں بھی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے اصول پر اپنے فیصلے کیا کرتی تھیں اور نامعلوم مدت اس لیے تھی کہ نہ تو کوئی فرد جرم لگ سکتی تھی اور نہ ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ اس بے گناہی کی سزا کتنی مدت ہو سکتی ہے، اور غالباً اس میں یہ مصلحت سمجھی گئی کہ جب تک لوگ اور بالخصوص عورتیں یہ واقعہ بھول نہ جائیں یوسف کو قید میں رہنے دیا جائے۔

جیل میں قید اور استقامت کا بیان

ایک بزرگ عالم جیل میں تھے جمعہ کے روز اپنی قدرت کے مطابق غسل کرتے اور اپنے کپڑے دھو لیتے اور پھر جمعہ کے لئے تیار ہو کر جیل خانہ کے دروازے تک جاتے وہاں پہنچ کر عرض کرتے کہ یا اللہ میری قدرت میں اتنا ہی تھا آگے آپ کے اختیار میں ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ ان کی کرامت سے جیل کا دروازہ کھل جاتا اور یہ نماز جمعہ ادا کر لیتے لیکن اس نے اپنی حکمت سے اس بزرگ کو وہ مقام عالی عطا فرمایا جس سے ہزاروں کرامتیں قربان ہیں کہ ان کے اس عمل کی وجہ سے جیل کا دروازہ نہ کھلا مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے کام میں ہمت نہیں ہاری ہر جمعہ کو مسلسل یہی عمل جاری رکھا یہی وہ استقامت ہے جس کو اکابر صوفیاء نے کرامت سے بالاتر فرمایا ہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ
اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○
اور ان کے ساتھ دو جوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب
نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، اس میں سے
پرندے کھا رہے ہیں۔ (اے یوسف!) ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، بیشک ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھ رہے ہیں۔

قید خانہ کے دو ساتھیوں کے خوابوں کا بیان

"وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ" غُلَامَانِ لِلْمَلِكِ اَحَدُهُمَا سَاقِيْهِ وَالْاٰخَرُ صَاحِبُ طَعَامِهٖ فَرَاٰيَاهُ يُعَبِّرُ الرُّؤْيَا فَقَالَا لَنَخْتَبِرَنَّهٗ "قَالَ اَحَدُهُمَا" وَهُوَ السَّاقِيْ "اِنِّيْ اَرَانِيْ اَعْصِرُ خَمْرًا" اَيْ عِنَبًا "وَقَالَ الْاٰخَرُ" وَهُوَ صَاحِبُ الطَّعَامِ "اِنِّيْ اَرَانِيْ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا" خَبِّرْنَا "بِتَاْوِيْلِهٖ"

بِتَعْبِيْرِهٖ، اِنَّا نَرٰاكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ،

اور ان کے ساتھ دو جوان یعنی بادشاہ کے غلام بھی قید خانہ میں داخل ہوئے۔ان دونوں کا پتہ چلا کہ یوسف علیہ السلام خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں تو انہوں نے کہ ہم ان کو ضرور آزمالیتے ہیں۔ان میں سے ایک جو بادشاہ کی ساقی تھا اس نے کہا میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں انگور سے شراب نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے جو بادشاہ کی باورچی تھا اس نے کہا میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، اس میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔(اے یوسف!) ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، بیشک ہم آپ کو نیک لوگوں میں سے دیکھ رہے ہیں۔

جیل خانہ میں بادشاہ کے باورچی اور ساقی سے ملاقات

اتفاق سے جس روز حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ جانا پڑا اسی دن باشاہ کا ساقی اور نان بائی بھی کسی جرم میں جیل خانے بھیج دیئے گئے۔ساقی کا نام بندار تھا اور باورچی کا نام بحلث تھا۔ان پر الزام یہ تھا کہ انہوں نے کھانے پینے میں بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی تھی۔قید خانے میں بھی نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نیکیوں کی کافی شہرت تھی۔سچائی، امانت داری، سخاوت، خوش خلقی، کثرت عبادت، اللہ ترسی، علم وعمل، تعبیر خواب، احسان وسلوک وغیرہ میں آپ مشہور ہو گئے تھے۔جیل خانے کے قیدیوں کی بھلائی ان کی خیر خواہی ان سے مروت وسلوک ان کے ساتھ بھلائی اور احسان ان کی دلجوئی اور دلداری ان کے بیماروں کی تیمارداری خدمت اور دوادارو بھی آپ کا تشخص تھا۔یہ دونوں ہی ملازم حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت ہی محبت کرنے لگے۔

ایک دن کہنے لگے کہ حضرت ہمیں آپ سے بہت ہی محبت ہوگئی ہے۔آپ نے فرمایا اللہ تمہیں برکت دے۔بات یہ ہے کہ مجھے تو جس نے چاہا کوئی نہ کوئی آفت ہی مجھ پر لایا۔پھوپھی کی محبت، باپ کا پیار، عزیز کی بیوی کی چاہت، سب مجھے یاد ہے۔اور اس کا نتیجہ میری ہی نہیں بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔اب دونوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا ساقی نے دیکھا کہ وہ انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہے۔ابن مسعود کی قرأت میں خمرا کے بدلے لفظ عنبا ہے، اہل عمان انگور کو خمر کہتے ہیں۔اس نے دیکھا تھا کہ گویا اس نے انگور کی بیل بوئی ہے اس میں خوشے لگے ہیں، اس نے توڑے ہیں۔پھر ان کا شیرہ نچوڑ رہا ہے کہ بادشاہ کو پلائے۔یہ خواب بیان کر کے آرزو کی کہ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتلائیے۔اللہ کے پیغمبر نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں تین دن کے بعد جیل خانے سے آزاد کر دیا جائے گا اور تم اپنے کام پر یعنی بادشاہ کی ساقی گری میں لگ جاؤ گے۔دوسرے نے کہا جناب میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے آآ کر اس میں سے کھا رہے ہیں۔اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات تو یہی ہے کہ واقعہ ان دونوں نے یہی خواب دیکھے تھے اور ان کی صحیح تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی تھی۔لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ درحقیقت انہوں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا۔لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کے لیے جھوٹے خواب بیان کر کے تعبیر طلب کی تھی۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ
اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○
یوسف (علیہ السلام) نے کہا: جو کھانا تمہیں کھلایا جاتا ہے وہ تمہارے پاس آنے بھی نہ پائے گا کہ میں تم دونوں کو اس کی تعبیر
تمہارے پاس اس کے آنے سے قبل بتا دوں گا، یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے ہیں۔ بیشک میں نے
اس قوم کا مذہب (شروع ہی سے) چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خوابوں کی تعبیر کے ساتھ دعوت ایمان دینے کا بیان

"قَالَ" لَهُمَا مُخْبِرًا اَنَّهٗ عَالِمٌ بِتَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا "لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖ" فِيْ مَنَامِكُمَا "اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ" فِي الْيَقَظَةِ "قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا" تَاْوِيْلُه "ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ" فِيْهِ حَثٌّ عَلٰى اِيْمَانِهِمَا ثُمَّ قَوَّاهُ بِقَوْلِهٖ "اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ" دِيْنَ "قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ" تَاْكِيْد ،

یوسف علیہ السلام نے ان دونوں سے کہا کہ ہاں میں خوابوں کی تعبیر کا عالم ہوں۔ جو کھانا روز تمہیں کھلایا جاتا ہے وہ تمہارے پاس حالت بیداری میں آنے بھی نہ پائے گا کہ میں تم دونوں کو اس کی تعبیر تمہارے پاس اس کے آنے سے قبل بتا دوں گا، یہ (تعبیر) ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے ہیں۔ یہ فرمان ان کو دونوں کا ایمان کی طرف رغبت دلانا تھا، اس کے بعد اس میں مضبوطی کے لئے فرمایا کہ بیشک میں نے اس قوم کا مذہب شروع ہی سے چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ بہ طور تاکید ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو دعوت اسلام دینے کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ خواب کی تعبیر تو میں تمہیں بتا ہی دوں گا اور جس وقت تمہارا کھانا آیا کرتا ہے اس سے پہلے ہی بتا دوں گا اور اس سے پہلے یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ خوابوں کی تعبیر کا علم جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے تو یہ مجھ پر اللہ کا خاص احسان ہے اور اللہ کا فضل واحسان ان لوگوں پر ہی ہوا کرتا ہے جو اللہ ہی کے ہو کر رہتے ہیں۔ اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے۔ میں ان لوگوں (مصریوں) کا دین ہرگز قبول نہیں کرتا جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر، بلکہ میں تو اپنے بزرگوں سیّدنا ابراہیم اور سیّدنا یعقوب کے دین پر ہوں اور یہ بزرگ خالصتاً اللہ ہی کی عبادت کیا کرتے تھے کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہیں کیا کرتے تھے اور ایسا دین اختیار کر لینا ہی اللہ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے۔ کاش لوگ یہ بات سمجھ جائیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ
ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۝
اور میں نے تو اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے دین کی پیروی کر رکھی ہے، ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم کسی
چیز کو بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں، یہ (توحید) ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا (خاص) فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

دین ابراہیمی کی اتباع کے اظہار کا بیان

"وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَائِی اِبْرَاهِیم وَاِسْحَاق وَیَعْقُوب مَا كَانَ" یَنْبَغِی "لَنَا اَنْ نُشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ" زَائِدَة "شَیْء" لِعِصْمَتِنَا "ذٰلِكَ" التَّوْحِید "مِنْ فَضْلِ اللّٰه عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاس وَلٰكِنَّ اَكْثَر النَّاس" وَهُمْ الْكُفَّار "لَا یَشْكُرُوْنَ" اللّٰه فَیُشْرِكُوْنَ ثُمَّ صَرَّحَ بِدُعَائِهِمَا اِلَى الْاِیْمَان فَقَالَ:

اور میں نے تو اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کر رکھی ہے، ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں، یہاں پر من زائدہ ہے۔ یہ توحید ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ یعنی کفار کا شکر ادا نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو صراحت کے ساتھ ایمان کی طرف بلایا اور کہا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی حالت قید میں عبادت کا بیان

آپ دن میں روزہ دار رہتے ہیں، رات تمام نماز میں گزارتے ہیں جب کوئی جیل میں بیمار ہوتا ہے اس کی عیادت کرتے ہیں، اس کی خبر گیری رکھتے ہیں، جب کسی پر تنگی ہوتی ہے اس کے لئے کشائش کی راہ نکالتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تعبیر دینے سے پہلے اپنے معجزے کا اظہار اور توحید کی دعوت شروع کر دی اور یہ ظاہر فرما دیا کہ علم میں آپ کا درجہ اس سے زیادہ ہے جتنا وہ لوگ آپ کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ علم تعبیر ظن پر مبنی ہے اس لئے آپ نے چاہا کہ انھیں ظاہر فرما دیں کہ آپ غیب کی یقینی خبریں دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور اس سے مخلوق عاجز ہے۔

جس کو اللہ نے غیبی علوم عطا فرمائے ہوں اس کے نزدیک خواب کی تعبیر کیا بڑی بات ہے! اس وقت معجزے کا اظہار آپ نے اس لئے فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ ان دونوں میں ایک عنقریب سولی دیا جائے گا تو آپ نے چاہا اس کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کریں اور جہنم سے بچائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر عالم اپنی علمی منزلت کا اس لئے اظہار کرے کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں تو یہ جائز ہے۔ (مدارک وخازن، سورہ یوسف، بیروت)

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝
اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔

حالت قید میں دعوت توحید پہنچانے کا بیان

"یَا صَاحِبَیِ" سَاکِنَیِ "السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" خَیْرٌ ؟ اسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ،

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو یعنی جیل میں رہنے والو بتاؤ کیا الگ الگ بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ وہ بہتر ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے وہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے آئے ہیں۔ آپ نے انہیں تعبیر خواب بتا دینے کا اقرار کرلیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے انہیں توحید کا وعظ سنا رہے ہیں اور شرک سے اور مخلوق پرستی سے نفرت دلا رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ واحد جس نے ہر چیز پر قبضہ کر رکھا ہے جس کے سامنے تمام مخلوق پست و عاجز لاچار بے بس ہے۔ جس کا ثانی شریک اور ساجھی کوئی نہیں۔ جس کی عظمت وسلطنت چپے چپے اور ذرے ذرے پر ہے وہی ایک بہتر؟ یا تمہارے یہ خیالی کمزور اور ناکارے بہت سے معبود بہتر؟ پھر فرمایا کہ تم جن جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو بے سند ہیں۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ
الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝
تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے ہو مگر چند ناموں کی جو خود تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے
ان کی کوئی سند نہیں اتاری۔ حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے، اسی نے حکم فرمایا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو،
یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اہل شرک کا شرک کر کے عذاب کی طرف جانے کا بیان

"مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ" اَیْ غَیْرِهٖ "اِلَّآ اَسْمَاءً سَمَّیْتُمُوْهَا" سَمَّیْتُمْ بِهَا اَصْنَامًا "اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا" بِعِبَادَتِهَا "مِنْ سُلْطَانٍ" حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ "اِنِ" مَا "الْحُكْمُ" الْقَضَاءُ "اِلَّا لِلّٰهِ" وَحْدَهٗ "اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ ذٰلِكَ" التَّوْحِیْدُ "الدِّیْنُ الْقَیِّمُ" الْمُسْتَقِیْمُ "وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ" وَهُمُ الْكُفَّارُ "لَا یَعْلَمُوْنَ" مَا یَصِیْرُوْنَ اِلَیْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَیُشْرِكُوْنَ،

تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے ہو مگر چند ناموں کی یعنی جن کے نام تم نے بت رکھا ہے، جو خود تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنے پاس سے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کی عبادت کرنے کی کوئی سند یعنی دلیل وحجت نہیں اتاری۔ حکم کا اختیار صرف اللہ جو وحدہ لاشریک ہے اس کا ہے، اسی نے تمہیں اپنی توحید کا حکم فرمایا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا راستہ درست دین ہے لیکن اکثر لوگ یعنی جو کافر ہیں وہ نہیں جانتے۔ یعنی وہ شرک کر کے جس عذاب کی طرف جا رہے ہیں وہ اس کو نہیں جانتے۔

شاہی باورچی اور ساقی کے خواب کی تعبیر اور پیغام توحید

یہ نام اور ان کے لیے عبادت یہ تمہاری اپنی گھڑت ہے۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارے باپ دادے بھی اس مرض کے مریض تھے۔ لیکن کوئی دلیل اس کی تم لا نہیں سکتے بلکہ اس کی کوئی عقلی دلیل دنیا میں اللہ نے بنائی نہیں۔ حکم تصرف قبضہ، قدرت، کل کی کل اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا اور اپنے سوا کسی اور کی عبادت کرنے سے باز آنے کا قطعی اور حتمی حکم دے رکھا ہے۔ دین مستقیم یہی ہے کہ اللہ کی توحید ہو اس کے لئے ہی عمل وعبادت ہو۔ اسی اللہ کا حکم اس پر بیشمار دلیلیں موجود۔ لیکن اکثر لوگ ان باتوں سے ناواقف ہیں۔ نادان ہیں توحید وشرک کا فرق نہیں جانتے۔ اس لیے اکثر شک کے دلدل میں دھنسے رہتے ہیں۔ باوجود نبیوں کی چاہت کے انہیں یہ منصیب نہیں ہوتا۔ خواب کی تعبیر سے پہلے اس بحث کے چھیڑنے کی ایک خاص مصلحت یہ بھی کہ ان میں سے ایک کے لیے تعبیر نہایت بری تھی تو آپ نے چاہا کہ یہ اسے نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔ لیکن اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ خصوصا ایسے موقعہ پر جب کہ اللہ کے پیغمبر ان سے تعبیر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ یہاں تو صرف یہ بات ہے کہ انہوں نے آپ کی بزرگی وعزت دیکھ کر آپ سے ایک بات پوچھی۔ آپ نے اس کے جواب سے پہلے انہیں اس سے زیادہ بہتر کی طرف توجہ دلائی۔ اور دین اسلام ان کے سامنے مع دلائل پیش فرمایا۔ کیونکہ آپ نے دیکھا تھا کہ ان میں بھلائی کے قبول کرنے کا مادہ ہے۔ بات کو سوچیں گے۔ جب آپ اپنا فرض ادا کر چکے۔ احکام اللہ کی تبلیغ کر چکے۔ تو اب بغیر اس کے کہ وہ دوبارہ پوچھیں آپ نے ان کا جواب شروع کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ
فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؀
اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک اپنے مربّی (یعنی بادشاہ) کو شراب پلایا کرے گا، اور رہا دوسرا تو وہ پھانسی
دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر سے کھائیں گے، فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم دریافت کرتے ہو۔

خوابوں کی تعبیر میں ایک کی رہائی جبکہ دوسرے کی پھانسی کا بیان

"یَا صَاحِبَیِ السِّجْن اَمَّا اَحَدُکُمَا" اَیْ السَّاقِی فَیَخْرُج بَعْد ثَلَاث "فَیَسْقِی رَبّه" سَیِّده "خَمْرًا" عَلٰی عَادَته "وَاَمَّا الْاٰخَر" فَیَخْرُج بَعْد ثَلَاث "فَیُصْلَب فَتَاْکُل الطَّیْر مِنْ رَاْسه" هٰذَا تَاْوِیْل رُؤْیَاکُمَا فَقَالَا مَا رَاَیْنَا شَیْئًا فَقَالَ "قُضِیَ" تَمَّ "الْاَمر الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیَان" سَاَلْتُمَا عَنْهُ صَدَّقْتُمَا اَمْ کَذَّبْتُمَا،

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو، تم میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ وہ تین دن کے بعد رہا ہو کر اپنے مربّی یعنی بادشاہ کو شراب پلایا کرے گا، جس طرح پہلے اس کا طریقہ تھا۔ اور رہا دوسرا جس نے سر پر روٹیاں دیکھی ہیں تو وہ بھی تین دن کے بعد نکالا جائے گا اور اس کو پھانسی دی جائے گی۔ پھر پرندے اس کے سر سے گوشت نوچ کر کھائیں گے یہ ان کے اسی خواب کی تعبیر ہے

جس طرح انہوں نے دیکھا ہے۔تو ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں تھا۔تو اس پر آپ نے فرمایا جو ہم نے کہہ دیا تمہارے بارے میں یہ قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے۔جس کے بارے میں تم دریافت کرتے ہو۔خواہ وہ تم نے سچ بولا تھا یا جھوٹ بولا تھا۔

خواب اوران کی تعبیر بتانے کا بیان

اب اللہ کے برگزیدہ پیغمبران کے خواب کی تعبیر بتلا رہے ہیں لیکن یہ نہیں فرماتے کہ تیری خواب کی یہ تعبیر ہے اور تیرے خواب کی یہ تعبیر ہے تا کہ ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے۔ بلکہ مبہم کر کے فرماتے ہیں تم دو میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کا ساقی بن جائے گا یہ دراصل یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے شیرہ انگور تیار کرتے اپنے تئیں دیکھا تھا۔ اور دوسرے جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں۔اس کے خواب کی تعبیر یہ دی کہ اسے سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا مغز کھائیں گے۔ پھر ساتھ ہی فرمایا کہ یہ اب ہو کر ہی رہے گا۔اس لیے کہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو چکی وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ تعبیر سننے کے بعد ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو دراصل کوئی خواب دیکھا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا اب تو تمہارے سوال کے مطابق ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص خواہ مخواہ کا خواب گھڑ لے اور پھر اس کی تعبیر بھی دی دے دی جائے تو وہ لازم ہو جاتی ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خواب گویا پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک اس کی تعبیر نہ دے دی جائے جب تعبیر دے دی گئی پھر وہ واقع ہو جاتا ہے مسند ابو یعلی میں مرفوعا مروی ہے کہ خواب کی تعبیر سب سے پہلے جس نے دی اس کے لیے ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

تصرف انبیاء و اولیاء اور مقام ''کن'' کا بیان

اللہ تعالیٰ کے مقربین انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقام کن عطا فرمایا ہے کہ وہ کسی امر کے بارے میں فرما دیں کہ وہ ہو جائے تو وہ ہو جاتا ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال قرآن نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، اے میرے قید کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی۔ پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت کو نوچ کر) کھائیں گے تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے۔ (یوسف، ۴۱)

ابن سائب نے بیان کیا ہے کہ جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں انگور کے تین خوشوں سے شراب نچوڑ رہا ہوں تو آپ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ تین خوشوں سے مراد تین دن ہیں تین دن کے بعد بادشاہ تم کو بلوائے گا اور دوبارہ تم کو تمہارے منصب پر بحال کر دے گا۔ اور نانبائی سے فرمایا: تم نے برا خواب دیکھا ہے کہ تم روٹی کی تین زنجیریں اٹھائے ہوئے ہو۔ تین زنجیروں سے مراد تین دن ہیں تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلائے گا اور تم کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دے گا۔ اور پرندے تمہارے سر سے گوشت نوچ کر کھائیں گے۔ اس پر ان دونوں نے

کہا کہ ہم نے تو کوئی خواب دیکھا ہی نہیں تھا۔تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جس چیز کے متعلق تم نے سوال کیا اس کا اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے (یعنی تمہارے خوابوں کی تعبیر میں جو کچھ ہم نے کہہ دیا ہو گیا) یعنی اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ہے خواہ تم نے سچ بولا یا جھوٹ بولا۔عنقریب اسی طرح واقع ہوگا۔ (زاد المسیر ، ج ۴،ص ۵۹۷، بیروت)

اس بیان کردہ قرآن کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:''قضی الامر '' کہ جو ہم نے کہہ دیا وہ ہو گیا۔یہی وہ تصرف تھا جو لفظ کن کا مقام رکھتا ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ
ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ؀
اور اس نے اس سے کہا جس کے متعلق اس نے سمجھا تھا کہ بے شک وہ دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے کہ اپنے مالک کے پاس
میرا ذکر کرنا۔تو شیطان نے اسے اس کے مالک سے ذکر کرنا بھلا دیا تو وہ کئی سال قید خانے میں رہے۔

یوسف علیہ السلام کا سات سال یا بارہ سال قید میں رہنے کا بیان

"وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ " اَیْقَنَ "اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا " وَهُوَ السَّاقِی "اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ " سَیِّدِكَ فَقُلْ لَهٗ اِنَّ فِی السِّجْنِ غُلَامًا مَحْبُوسًا ظُلْمًا فَخَرَجَ "فَاَنْسَاهُ" اَیْ السَّاقِیَ "الشَّیْطَانُ ذِكْرَ "یُوسُف عِنْدَ "رَبِّهٖ فَلَبِثَ" مَكَثَ یُوسُف "فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ" قِیْلَ سَبْعًا وَقِیْلَ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ،

اور اس نے اس سے کہا جس کے متعلق اس نے سمجھا تھا کہ بے شک وہ دونوں میں سے رہا ہونے والا ساقی ہے اس سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس میرا ذکر کرنا۔یعنی ان سے کہنا کہ قید میں ایک شخص بہ طور ظلم مقید ہے۔پس جب وہ رہا ہو گیا تو شیطان نے اسے اس کے مالک سے ذکر کرنا بھلا دیا یعنی یوسف علیہ السلام کا قید میں ٹھہرنا بھلا دیا اس طرح یوسف علیہ السلام کئی سال قید خانے میں رہا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ سات سال قید میں رہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بارہ سال قید میں رہے۔

تعبیر بتا کر بادشاہ وقت کو اپنی یاد دہانی کی تاکید

جسے حضرت یوسف نے اس کے خواب کی تعبیر کے مطابق اپنے خیال میں جیل خانہ سے آزاد ہونے والا سمجھا تھا اس سے در پردہ علیحدگی میں کہ وہ دوسرا یعنی باورچی نہ سنے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے ذرا میرا ذکر بھی کر دینا۔لیکن یہ اس بات کو بالکل ہی بھول گیا۔یہ بھی ایک شیطانی چال ہی تھی جس سے نبی اللہ علیہ السلام کئی سال تک قید خانے میں ہی رہے۔پس ٹھیک قول یہی ہے کہ فانساہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع نجات پانے والا شخص ہی ہے۔گو یا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ضمیر حضرت یوسف کی طرف پھرتی ہے۔

ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یوسف یہ کلمہ نہ کہتے تو جیل خانے میں اتنی لمبی مدت نہ گزارتے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور سے کشادگی چاہی۔یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔اس لیے کہ سفیان بن وکیع اور

ابراہیم بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔ حسن اور قتادہ سے مرسلاً مروی ہے۔ گو مرسل حدیثیں کسی موقع پر قابل قبول بھی ہوں لیکن ایسے اہم مقامات پر ایسی مرسل روایتیں ہرگز احتجاج کے قابل نہیں ہوسکتیں۔

بضع لفظ تین سے نو تک کے لیے آتا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ حضرت ایوب بیماری میں سات سال تک مبتلا رہے اور حضرت یوسف قید خانے میں سات سال تک رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال تک رہا ابن عباس کہتے ہیں مدت قید بارہ سال تھی۔ ضحاک کہتے ہیں چودہ برس آپ نے قید خانے میں گزارے۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ یوسف، بیروت)

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ۝
اور بادشاہ نے کہا بے شک میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں، جنھیں سات دبلی کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے اور کچھ دوسرے
خشک (دیکھتا ہوں)، اے درباریو! مجھے میرے خواب کے بارے بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر کیا کرتے ہو۔

بادشاہ مصر کا معبران مصر سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کا بیان

"وَقَالَ الْمَلِكُ" مَلِكُ مِصْر الرَّیَّان بْن الْوَلِیْد "اِنِّیْ اَرٰی" اَیْ رَاَیْت "سَبْع بَقَرَات سِمَان یَاْكُلُهُنَّ" یَبْتَلِعهُنَّ "سَبْع" مِنْ الْبَقَر "عِجَاف" جَمْع عَجْفَاء "وَسَبْع سُنْبُلَات خُضْر وَاُخَر" اَیْ سَبْع سُنْبُلَات "یَابِسَات" قَدْ الْتَوَتْ عَلَی الْخُضْر وَعَلَتْ عَلَیْهَا "یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْیَایَ" بَیِّنُوْا لِیْ تَعْبِیْرهَا "اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ" فَاعْبُرُوْهَا،

اور بادشاہ یعنی مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے کہا بے شک میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں، جنھیں سات دبلی کھا رہی ہیں اور لفظ عجاف جس کی جمع عجفاء ہے۔ اور سات سبز خوشے اور کچھ دوسرے خشک دیکھتا ہوں، جو سبز خوشوں پر غالب آ گئے ہیں جوان کے ساتھ لپٹی ہوئی ہیں۔ اے درباریو! مجھے میرے خواب کی تعبیر کے بارے میں بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر کیا کرتے ہو۔ تو اس کی تعبیر بیان کرو۔

اکثر مفسرین اس طرف ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سات برس اور قید میں رہے اور پانچ برس پہلے رہ چکے تھے اور اس مدت کے گزرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حضرت یوسف کا قید سے نکالنا منظور ہوا تو مصر کے شاہِ اعظم ریان بن ولید نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے اس کو بہت پریشانی ہوئی اور اس نے ملک کے ساحروں اور کاہنوں اور تعبیر دینے والوں کو جمع کر کے ان سے اپنا خواب بیان کیا۔

طویل مدت کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اس رہا ہونے والے ساقی کو سیّدنا یوسف کا پیغام یاد دلایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ شاہ مصر کو ایک عجیب اور ڈراؤنا سا خواب آیا۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ سات دبلی گائیں ہیں جو اپنے سے بہت بھاری سات

موٹی تازی گائیوں کا گوشت کھا رہی ہیں اور گوشت کھا کر انھیں ختم ہی کر دیا ہے اور یہ سارا گوشت چٹ کر جانے کے بعد بھی وہ دبلی کی دبلی ہی ہیں۔ جیسے پہلے تھیں اور دوسرا منظر یہ دیکھا ہے کہ سات سوکھی بالیاں ہیں جو سات ہری بھری اور سرسبز بالیوں کے اوپر لپٹ گئی ہیں اور انھیں بھی سوکھا بنا دیا ہے۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ۝
بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔

اہم خواب کی تعبیر بتانے سے عاجز آنے والوں کا بیان

"قَالُوا" هٰذِهٖ "اَضْغَاث اَحْلَام" اَخْلَاط،

بولے پریشان خوابین ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔

یہ خواب اس بادشاہ کو آیا، عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس خواب کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کی رہائی عمل میں لانی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کے درباریوں، کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب پریشان کی تعبیر بتلانے سے عجز کا اظہار کر دیا، بعض کہتے ہیں کہ نجومیوں کے اس قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انہوں نے نفی کی، انہوں نے صرف خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ۝
اور ان دونوں میں سے جو رہا ہوا تھا اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا، اس نے کہا میں تمھیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، سو مجھے بھیجو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے آنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا" اَيْ مِنَ الْفَتَيَيْنِ وَهُوَ السَّاقِي "وَادَّكَرَ" فِيْهِ اِبْدَال التَّاء فِي الْاَصْل دَالًا وَاِدْغَامهَا فِي الدَّال اَيْ تَذَكَّرَ "بَعْد اُمَّة" حِيْنَ حَال يُوْسُف "اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِي" فَاَرْسَلُوْهُ فَاَتٰى يُوْسُف فَقَالَ:

اور ان دونوں میں سے جو رہا ہوا تھا یعنی ان دونوں جوانوں میں سے جو ساقی تھا۔ یہاں پر ادکر میں تاء کو اصل میں دال کے ساتھ تبدیل کیا گیا ہے اور اس کے بعد ذال میں ادغام کیا گیا ہے۔ (جس طرح باب افتعال کے صرفی قوانین میں ہے) اور اسے ایک مدت کے بعد یوسف علیہ السلام کی حالت یاد آئی۔ اس نے کہا میں تمھیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، سو مجھے بھیجو۔ پس وہ یوسف علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا۔

اس واقعہ کو دیکھ کر مدت مدید کے بعد اس رہا شدہ قیدی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی اور اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتلا سکوں گا اس وقت اس نے یوسف علیہ السلام کے کمالات اور تعبیر خواب میں مہارت اور پھر مظلوم ہو کر

قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کر کے یہ چاہا کہ مجھے جیل خانہ میں ان سے ملنے کی اجازت دی جائے بادشاہ نے اس کا انتظام کیا وہ یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا قرآن کریم نے اس تمام واقعہ کو صرف ایک لفظ فَاَرْسِلُوْنِ فرما کر بیان کیا ہے جس کے معنی ہیں مجھے بھیج دو یوسف علیہ السلام کا تذکرہ پھر سرکاری منظوری اور پھر جیل خانہ تک پہنچنا یہ واقعات خود ضمنی طور پر سمجھ میں آ جاتے ہیں اس لئے ان کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ یہ بیان شروع کیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ
سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّىْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝
اے یوسف! اے صدیق! ہمیں تعبیر دیجئے، سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دُبلی کھاتی ہیں اور سات ہری بالیں
اور دوسری سات سوکھی شاید میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں شاید وہ آگاہ ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے کا بیان

يَا "يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ" الْكَثِيْرُ الصِّدْقِ "اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَاُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّىْ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ" اَىِ الْمَلِكِ وَاَصْحَابِهِ "لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ" تَعْبِيْرَهَا،

اے یوسف! اے صدیق! یعنی آپ بہت زیادہ سچے ہیں۔ ہمیں تعبیر دیجئے، سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دُبلی کھاتی ہیں اور سات ہری بالیں اور دوسری سات سوکھی شاید میں لوگوں یعنی بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر جاؤں شاید وہ آگاہ ہوں۔ یعنی وہ اس تعبیر کو جان سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ فن مکمل عطا فرمایا تھا آپ نے خواب سنکر سمجھ لیا کہ سات بیل فربہ اور سات خوشے ہرے بھرے سے مراد سات سال ہیں جن میں پیداوار حسب دستور خوب ہوگی کیونکہ بیل کو زمین کے ہموار کرنے اور غلہ اُگھانے میں خاص دخل ہے اسی طرح سات بَیل لاغر کمزور اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے سال کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے اور کمزور سات بیلوں فربہ بیلوں کے کھا لینے سے یہ مراد ہے کہ پچھلے سات سال میں جو ذخیرہ غلہ وغیرہ کا جمع ہوگا وہ سب ان قحط کے سالوں میں خرچ ہو جائے گا صرف بیج کے لئے کچھ غلہ بچے گا۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِىْ سُنْبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۝
یوسف (علیہ السلام) نے کہا تم لوگ دائمی عادت کے مطابق مسلسل سات برس تک کاشت کرو گے سو جو کھیتی تم کاٹا کرو گے
اسے اس کے خوشوں میں (ذخیرہ کے طور پر) رکھتے رہنا مگر تھوڑا سا (نکال لینا) جسے تم کھالو۔

غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے پہلے سات سال آنے کا بیان

"قَالَ تَزْرَعُوْنَ" اَىْ اِزْرَعُوْا "سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا" مُتَتَابِعَةً وَهِىَ تَاْوِيْلُ السَّبْعِ السِّمَانِ "فَمَا حَصَدْتُّمْ

فَذَرُوۡهُ" اَیْ اُتْرُکُوْهُ "فِیۡ سُنۡبُلِه" لِئَلَّا یَفْسُد "اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ" فَادْرُسُوْهُ،

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تم لوگ دائمی عادت کے مطابق مسلسل سات برس تک کاشت کرو گے۔ یعنی یہ خوشحالی والے سات سالوں کی تعبیر ہے۔ لہٰذا جو کھیتی تم کاٹا کرو گے اسے اس کے خوشوں ہی میں ذخیرہ کے طور پر رکھتے رہنا یعنی خراب نہ ہونے دینا مگر تھوڑا سا نکال لینا جسے تم ہر سال کھالو۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو اس پر مطلع کر دیا تا کہ تعبیر خواب سے بھی کچھ زیادہ خبران کو پہنچے جس سے یوسف علیہ السلام کا فضل و کمال ظاہر ہو کر ان کی رہائی کا سبب بنے اور اس پر مزید یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف تعبیر خواب ہی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ایک حکیمانہ اور ہمدردانہ مشورہ بھی دیا وہ یہ کہ پہلے سات سال میں جو زیادہ پیداوار ہو اس کو گندم کے خوشوں ہی میں محفوظ رکھنا، تا کہ گندم کو پرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے غلہ کو کیڑا نہیں لگتا۔ (تفسیر خازن، سورہ یوسف، بیروت)

ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ یَّاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ۝
پھر اس کے بعد سات (سال) بہت سخت آئیں گے وہ اس کو کھا جائیں گے جو تم ان کے لئے پہلے جمع کرتے رہے تھے
مگر تھوڑا سا (بچ جائے گا) جو تم محفوظ کر لو گے۔

خوشحالی و قحط سالی کی تعبیر موٹی و کمزور گائیوں سے ہونے کا بیان

"ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡ بَعۡدِ ذٰلِكَ" اَیْ السَّبْعِ الْمُخْصِبَاتِ "سَبْعٌ شِدَادٌ" مُجْدِبَاتٌ صِعَابٌ وَهِیَ تَاْوِیْلُ السَّبْعِ الْعِجَافِ "یَاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ" مِنَ الْحَبِّ الْمَزْرُوْعِ فِی السِّنِیْنَ الْمُخْصِبَاتِ اَیْ تَاْكُلُوْنَهُ فِیْهِنَّ "اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ" تَدَّخِرُوْنَ،

پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت خشک سالی کے آئیں گے یعنی یہ سختی کے سال جو سات کمزور گائیں کی تعبیر ہیں۔ وہ اس ذخیرہ کو کھا جائیں گے جو تم ان کے لئے پہلے جمع کرتے رہے تھے یعنی جو غلہ و اناج تم خوشحالی کے سالوں میں جمع کرتے رہے ہو مگر تھوڑا سا بچ جائے گا جو تم محفوظ کر لو گے۔ یعنی جو تم نے ذخیرہ کیا ہو گا۔

شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں یوسف علیہ السلام تک رسائی

قدرت الٰہی نے یہ مقرر رکھا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے بعزت واکرام پاکیزگی برات اور عصمت کے ساتھ نکلیں۔ اس کے لیے قدرت نے یہ سبب بنایا کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے بھونچکا سا ہو گیا۔ دربار منعقد کیا اور تمام امراء، رؤسا، کاہن، منجم اور علماء کو خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کو جمع کیا۔ اور اپنا خواب بیان کر کے ان سب سے تعبیر دریافت کی۔ لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور سب نے لاچار ہو کر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کوئی باقاعدہ لائق تعبیر سچا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو سکے۔ یہ تو

یونہی پریشان خواب مخلوط خیالات اور فضول توہمات کا خاکہ ہے۔ اس کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔ اس وقت شاہی ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ وہ تعبیر خواب کے پورے ماہر ہیں۔ اس علم میں ان کو کافی مہارت ہے۔

یہ وہی شخص ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ بھگت رہا تھا یہ بھی اور اس کا ایک اور ساتھی بھی۔ اسی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر بھی کرنا۔ لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔ آج مدت مدید کے بعد اسے یاد آ گیا اور اس نے سب کے سامنے کہا کہ اگر آپ کو اس کی تعبیر سننے کا شوق ہے اور وہ بھی صحیح تعبیر تو مجھے اجازت دو۔ یوسف صدیق علیہ السلام جو قید خانے میں ہیں ان کے پاس جاؤں اور ان سے دریافت کر آؤں۔ آپ نے اسے منظور کیا اور اسے اللہ کے محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ امتہ کی دوسری قرأت امتہ بھی ہے۔ اس کے معنی بھول کے ہیں۔ یعنی بھول جانے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان یاد آیا۔ دربار سے اجازت لے کر یہ چلا۔ قید خانے پہنچ کر اللہ کے نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی علیہ السلام سے کہا کہ اے نرے سچے یوسف علیہ السلام بادشاہ نے اس طرح کا ایک خواب دیکھا ہے۔ اسے تعبیر کا اشتیاق ہے۔ تمام دربار بھرا ہوا ہے۔ سب کی نگاہیں لگیں ہوئی ہیں۔

آپ مجھے تعبیر بتلا دیں تو میں جا کر انہیں سناؤں اور سب معلوم کر لیں۔ آپ نے نہ تو اسے کوئی ملامت کی کہ تو اب تک مجھے بھولے رہا۔ باوجود میرے کہنے کے تو نے آج تک بادشاہ سے میرا ذکر بھی نہ کیا۔ نہ اس امر کی درخواست کی کہ مجھے جیل خانے سے آزاد کیا جائے بلکہ بغیر کسی تمنا کے اظہار کے بغیر کسی الزام دینے کے خواب کی پوری تعبیر سنا دی اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتا دی۔

فرمایا کہ سات فربہ گایوں سے مراد یہ ہے کہ سات سال تک برابر حاجت کے مطابق بارش برستی رہے گی۔ خوب ترسالی ہوگی۔ غلہ کھیت باغات خوب پھلیں گے۔ یہی مراد سات ہری بالیوں سے ہے۔ گائیں بیل ہی ہلوں میں جتتے ہیں ان سے زمین پر کھیتی کی جاتی ہے۔ اب ترکیب بھی بتلا دی کہ ان سات برسوں میں جو اناج غلہ نکلے۔ اسے بطور ذخیرے کے جمع کر لینا اور رکھنا بھی بالوں اور خوشوں سمیت تاکہ سڑے گلے نہیں خراب نہ ہو۔ ہاں اپنی کھانے کی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لینا۔ لیکن خیال رہے کہ ذرا سا بھی زیادہ نہ لیا جائے صرف حاجت کے مطابق ہی نکالا جائے۔ ان سات برسوں کے گزرتے ہی اب جو قحط سالیاں شروع ہوں گی وہ برابر سات سال تک متواتر رہیں گی۔ نہ بارش برسے گی نہ پیداوار ہوگی۔ یہی مراد ہے سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے ہے کہ ان سات برسوں میں وہ جمع شدہ ذخیرہ تم کھاتے پیتے رہو گے۔ یاد رکھنا ان میں کوئی غلہ کھیتی نہ ہوگی۔ وہ جمع کردہ ذخیرہ ہی کام آئے گا۔

تم دانے بوؤ گے لیکن پیداوار کچھ بھی نہ ہوگی۔ آپ نے خواب کی پوری تعبیر دے کر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ ان سات خشک سالیوں کے بعد جو سال آئے گا وہ بڑی برکتوں والا ہوگا۔ خوب بارشیں برسیں گی خوب غلے اور کھیتیاں ہوں گی۔ ریل پیل ہو جائے گی اور تنگی دور ہو جائے گی اور لوگ حسب عادت زیتون وغیرہ کا تیل نکالیں گے اور حسب عادت انگور کا شیرہ نچوڑیں گے۔ اور جانوروں کے تھن دودھ سے لبریز ہو جائیں گے کہ خوب دودھ نکالیں پئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝
پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کو بارش دی جائے گی اور لوگ اس میں (پھلوں کا) رس نچوڑیں گے۔

بارش کے ذریعے پھلوں کی خوشحالی والا سال آنے کا بیان

"ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ" اَيِ السَّبْعِ الْمُجْدِبَات "عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاس" بِالْمَطَرِ "وَفِيهِ يَعْصِرُونَ" الْاَعْنَاب وَغَيْرهَا لِخِصْبِهِ،

پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا یعنی خشک سالی کے بعد، جس میں لوگوں کو خوب بارش دی جائے گی اور اس سال اس قدر پھل ہوں گے کہ لوگ اس میں پھلوں کا رس نچوڑیں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ
مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝
اور بادشاہ نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو (فوراً) میرے پاس لے آؤ، پس جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس قاصد آیا
تو انہوں نے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا اور اس سے (یہ) پوچھ کہ ان عورتوں کا اب کیا حال ہے جنہوں نے
اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ بیشک میرا رب ان کے مکر و فریب کو خوب جاننے والا ہے۔

انگور کا اور تل زیتون کے تیل نکالیں گے، یہ سال کثیر الخیر ہوگا، زمین سرسبز و شاداب ہوگی، درخت خوب پھلیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ تعبیر سن کر واپس ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں جا کر تعبیر بیان کی، بادشاہ کو یہ تعبیر بہت پسند آئی اور اسے یقین ہوا کہ جیسا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ضرور ویسا ہی ہوگا۔ بادشاہ کو شوق پیدا ہوا کہ اس خواب کی تعبیر خود حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اظہار برأت تک قید میں رہنے کا بیان

"وَقَالَ الْمَلِكُ" لَمَّا جَاءَهُ الرَّسُول وَاَخْبَرَهُ بِتَاْوِيلِهَا "ائْتُونِي بِهٖ" اَيْ بِالَّذِي عَبَّرَهَا "فَلَمَّا جَاءَهُ" اَيْ يُوسُف "الرَّسُول" وَطَلَبَهُ لِلْخُرُوجِ "قَالَ" قَاصِدًا اِظْهَار بَرَاءَته "ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْاَلْهُ" اَنْ يَّسْاَل "مَا بَال" حَال "النِّسْوَة اللَّاتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيهنَّ اِنَّ رَبِّي" سَيِّدِي "بِكَيْدِهِنَّ عَلِيم" فَرَجَعَ فَاَخْبَرَ الْمَلِك فَجَمَعَهُنَّ،

اور جب اس قاصد نے خواب کی تعبیر بادشاہ کو بتائی تو یہ تعبیر سنتے ہی بادشاہ نے کہا یوسف (علیہ السلام) کو فوری طور پر میرے پاس لے آؤ، جس نے یہ تعبیر بتائی ہے۔ پس جب یوسف علیہ السلام کے پاس وہ قاصد آیا تو اس نے آپ قید سے باہر نکالنے کا

مطالبہ کیا تو یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت کے لئے کہا اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا اور اس سے یہ پوچھ کہ ان عورتوں کا اب کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ بیشک میرا رب یعنی میرا سردار ان کے مکر وفریب کو خوب جاننے والا ہے۔ تو وہ لوٹ کر بادشاہ کے پاس گیا اور یہ خبر پہنچائی تو بادشاہ نے ان خواتین کو جمع کیا۔

برأت عصمت تک قید سے باہر نہ آنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی مدت یوسف علیہ السلام قید میں رہے اگر میں رہتا تو قاصد کے آنے پر بادشاہ کی دعوت قبول کر لیتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ، یوسف:50) (پھر جب اس کے پاس قاصد پہنچا کہا اپنے آقا کے ہاں واپس جا اور اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے ہاتھ کاٹے تھے۔ بے شک میرا رب ان کے فریب سے خوب واقف ہے)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت لوط علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو وہ تمنا کرتے تھے کہ کسی مضبوط قلعے میں پناہ حاصل کریں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہر کسی قوم کی طرف انہی میں سے نبی بنا کر بھیجا۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1059)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں، جب انہوں نے کہا تھا رب انی کیف تحی الموتٰی ، اے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح جلائے گا، اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے جو رکن شدید کا سہارا پکڑنا چاہتے تھے۔

اور اگر میں قید خانے میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے تو میں یقیناً بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 270)

جیل خانہ اور یوسف علیہ السلام کی شان عصمت کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا۔ لیکن تاہم ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کچھ مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں رکھیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس میں ان سب نے یہ مصلحت سوچی ہو کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ عزیز کی بیوی اس کی چاہت میں مبتلا ہے۔ جب ہم یوسف کو قید کر دیں گے وہ لوگ سمجھ لیں گے کہ قصور اسی کا تھا اسی نے کوئی ایسی نگاہ کی ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ جب شاہ مصر نے آپ کو قید خانے سے آزاد کرنے کے لیے اپنے پاس بلوایا تو آپ نے وہیں سے فرمایا کہ میں نہ نکلوں گا جب تک میری برات اور میری پاکدامنی صاف طور پر ظاہر نہ ہو جائے اور آپ حضرات اس کی پوری تحقیق نہ کر لیں جب تک بادشاہ نے ہر طرح کے گواہ سے بلکہ خود عزیز کی بیوی سے پوری تحقیق نہ کر لی اور آپ کا بے قصور ہونا، ساری دنیا پر کھل نہ گیا آپ جیل خانے سے باہر نہ نکلے۔ پھر آپ باہر آئے جب کہ ایک دل بھی ایسا نہ تھا جس میں صدیق اکبر، نبی

اللہ پاکدامن اور معصوم رسول اللہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو۔ قید کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی کہ عزیز کی بیوی کی رسوائی نہ ہو۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ
قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝
اس نے کہا تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلانے کی کوشش کی؟ انھوں نے کہا اللہ کی پناہ!
ہم نے اس پر کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی بیوی نے کہا اب حق خوب ظاہر ہو گیا، میں نے ہی اسے اس کے نفس سے
پھسلانے کی کوشش کی تھی، اور بلاشبہ وہ یقیناً سچوں سے ہے۔

خواتین مصر سے اظہار برأت کرانے کا بیان

"قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ " شَانُكُنَّ "اِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُف عَنْ نَفْسه " هَلْ وَجَدْتُنَّ مِنهُ مَيْلًا اِلَيْكُنَّ "قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوء قَالَتْ امْرَاَة الْعَزِيز الْاٰن حَصْحَصَ " وَضَحَ "الْحَق اَنَا رَاوَدْته عَنْ نَفْسه وَاِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ" فِيْ قَوْله: "هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَفْسِي" فَاَخْبَرَ يُوسُف بِذٰلِكَ فَقَالَ،

اس نے کہا تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلانے کی کوشش کی؟ یعنی کیا تم نے اسے بھی کچھ عورتوں کی طرف مائل ہونا دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ، ہم نے اس پر کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ تو اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب حق خوب ظاہر ہو گیا، کیونکہ میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلانے کی کوشش کی تھی، اور بلاشبہ وہ یقیناً سچوں سے ہے۔ یعنی اس قول "هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَفْسِي" سے انہوں نے برأت کو بیان کر دیا۔ تو اس کی خبر جب یوسف علیہ السلام کو دی گئی تو اس وقت آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

تحقیق واقعہ کے بعد حق بات کے ظاہر ہو جانے کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہی قاصد رہائی کا پیغام دے کر ہلانے کے لئے آیا اور انہوں نے قاصد کو یہ جواب دیا کہ پہلے ان عورتوں سے میرے معاملہ کی تحقیق کر لو جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے اس میں بہت سی حکمتیں مضمر تھیں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو جیسے دین کامل عطا فرماتے ہیں ایسے ہی عقل کامل اور معاملات وحالات کی پوری بصیرت بھی عطا فرماتے ہیں یوسف علیہ السلام نیشاہی پیغام سے یہ اندازہ کر لیا کہ اب جیل سے رہائی کے بعد بادشاہ مصر مجھے کوئی اعزاز دیں گے، اس وقت دانشمندی کا تقاضا یہ تھا کہ جس عیب کی تہمت ان پر لگائی گئی تھی اور جس کی وجہ سے جیل میں ڈالا گیا تھا اس کی حقیقت بادشاہ اور سب لوگوں پر پوری طرح واضح ہو اور ان کی براءت میں کسی کو شبہ نہ رہے ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ شاہی اعزاز سے لوگوں کی زبانیں تو بند ہو جائیں گی مگر ان کے دلوں میں یہ خیالات کھٹکتے رہیں گے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے اپنے آقا کی بیوی پر دست درازی کی تھی اور ایسے حالات کا پیدا

ہو جانا بھی شاہی درباروں میں کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت بادشاہ بھی لوگوں کے ایسے خیالات سے متاثر ہو جائے اس لئے رہائی سے پہلے اس معاملہ کی صفائی اور تحقیق کو ضروری سمجھا اور مذکور الصدر دو آیتوں میں سے دوسری آیت میں خود یوسف علیہ السلام نے اپنے اس عمل اور رہائی میں تاخیر کرنے کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ سب عورتوں نے کہا کہ حاش للہ! ہمیں ان میں ذرا بھی کوئی برائی کی بات نہیں معلوم ہوئی عزیز کی بیوی کہنے لگی کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی میں نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک وہی سچے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تحقیقات میں عزیز مصر کی بیوی کا نام نہ لیا تھا مگر اللہ جل شانہ جب کسی کو عزت عطا فرماتے ہیں تو خود بخود لوگوں کی زبانیں ان کے صدق وصفائی کے لئے کھل جاتی ہیں اس موقع پر عزیز کی بیوی نے ہمت کر کے اظہار حق کا اعلان خود کر دیا یہاں تک جو حالات وواقعات یوسف علیہ السلام کیا آپ نے سنے ہیں ان میں بہت سے فوائد اور مسائل اور انسانی زندگی کے لئے اہم ہدایتیں پائی جاتی ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○
یہ اس لئے (کیا ہے) کہ وہ (عزیزِ مصر جو میرا محسن ومربّی تھا) جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی کوئی
خیانت نہیں کی اور بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر وفریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

عزیز مصر سے خیانت کی برأت کے لئے قید سے باہر نہ آنے کا بیان

"ذٰلِكَ" اَىْ طَلَبَ الْبَرَاءَة "لِيَعْلَمَ" الْعَزِيز "اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ" فِىْ اَهْلِه "بِالْغَيْبِ" حَال ثُمَّ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ فَقَالَ، وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ

یوسف علیہ السلام نے کہا میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ وہ (عزیزِ مصر جو میرا محسن ومربّی تھا) جان لے کہ میں نے اس کی غیابت میں یعنی پشت پیچھے اس کی کوئی خیانت نہیں کی اور کہا اور بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر وفریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

عزیز مصر کی یقین دہانی کی زیادہ فکر اس لئے ہوئی کہ یہ بہت بری صورت ہوگی کہ عزیز مصر کے دل میں میری طرف سے شبہات رہیں اور پھر شاہی اعزاز کی وجہ سے وہ کچھ نہ کہہ سکیں، تو ان کو میرا اعزاز بھی سخت ناگوار ہوگا اور اس پر سکوت ان کے لئے اور زیادہ تکلیف دہ ہوگا وہ چونکہ ایک زمانہ تک آقا کی حیثیت میں رہ چکا تھا اس لئے یوسف علیہ السلام کی شرافت نفس نے اس کی اذیت کو گوارا نہ کیا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ جب عزیز مصر کو براءت کا یقین ہو جائے گا تو دوسرے لوگوں کی زبانیں خود بند ہو جائیں گی۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
اور میں اپنے نفس کی برات دعویٰ نہیں کرتا، بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم
فرمادے۔ بیشک میرا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

شرارت نفس سے بری ہونے کا بیان

"وَمَا اُبَرِّءُ نَفْسِی" مِنَ الزَّلَل "اِنَّ النَّفْس" الْجِنْس "لَاَمَّارَةٌ" كَثِيْرَةُ الْاَمْر "بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا" بِمَعْنٰى مَنْ "رَحِمَ رَبِّی" فَعَصَمَهٗ،

اور میں اپنے نفس کی برات کا دعویٰ نہیں کرتا، کیونکہ وہ حقیر ہے۔ بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرما دے۔ یہاں پر ما بہ معنی من ہے۔ یعنی جس کو اللہ بچائے۔ بیشک میرا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

نفس امارہ کے قول سے مراد میں مفسرین کے اقوال کا بیان

عزیز مصر کی بیوی کہہ رہی ہے کہ میں اپنی پاکیزگی بیان نہیں کر رہی اپنے آپ کو نہیں سراہتی۔ نفس انسانی تمناؤں اور بری باتوں کا مخزن ہے۔ اس میں ایسے جذبات اور شوق اچھلتے رہتے ہیں۔ وہ برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ اسی کے پھندے میں پھنس کر میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ مگر جسے اللہ چاہے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ بخشش کرنا معافی دینا اس کی ابدی اور لازمی صفت ہے۔ یہ قول عزیز مصر کی عورت کا ہی ہے۔ یہی بات مشہور ہے اور زیادہ لائق ہے اور واقعہ کے بیان سے بھی زیادہ مناسب ہے۔ اور کلام کے معنی کے ساتھ بھی زیادہ موافق ہے۔ اما ماوردی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسے وارد کیا ہے۔

لیعلم سے اس دوسری آیت کے ختم تک انہی کا فرمان ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو صرف یہی ایک قول نقل کیا ہے چنانچہ ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بادشاہ نے عورتوں کو جمع کر کے جب ان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلایا پھسلایا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حاشاللہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے اقرار کیا کہ واقعی حق تو یہی ہے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ سب اس لئے تھا کہ میری امانت درای کا یقین ہو جائے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا وہ دن بھی یاد ہے؟ کہ آپ نے کچھ ارادہ کر لیا تھا؟ تب آپ نے فرمایا میں اپنے نفس کی برات تو نہیں کر رہا؟ بیشک نفس برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ الغرض ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلام حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔ لیکن پہلا قول یعنی اس کلام کا عزیز کی موت کا کلام ہونا ہی زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اوپر سے انہی کا کلام چلا آ رہا ہے جو بادشاہ کے سامنے سب کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔ اس وقت تو حضرت یوسف علی السلام وہاں موجود ہی نہ تھے۔ اس تمام قصے کے کھل جانے کے بعد بادشاہ نے آپ کو بلوایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ۝
اور بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنے لئے خاص کر لوں، سو جب بادشاہ نے آپ سے گفتگو
کی کہنے لگا (اے یوسف!) بیشک آپ آج سے ہمارے ہاں مقتدر، معتمد ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا دعائیں کرتے ہوئے قید سے باہر آنے کا بیان

"وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِىْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِىْ" اَجْعَلْهُ خَالِصًا لِّىْ دُوْنَ شَرِيْكٍ فَجَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَقَالَ: اَجِبِ الْمَلِكَ فَقَامَ وَوَدَّعَ اَهْلَ السِّجْنِ وَدَعَا لَهُمْ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَلَبِسَ ثِيَابًا حِسَانًا وَدَخَلَ عَلَيْهِ "فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ" لَهٗ "اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ" ذُوْ مَكَانَةٍ وَاَمَانَةٍ عَلٰى اَمْرِنَا فَمَاذَا تَرٰى اَنْ نَفْعَلَ؟ قَالَ: اِجْمَعِ الطَّعَامَ وَازْرَعْ زَرْعًا كَثِيْرًا فِىْ هٰذِهِ السِّنِيْنَ الْمُخْصِبَةِ وَادَّخِرِ الطَّعَامَ فِىْ سُنْبُلِهٖ فَتَاْتِىْ اِلَيْكَ الْخَلْقُ لِيَمْتَارُوْا مِنْكَ فَقَالَ: وَمَنْ لِّىْ بِهٰذَا؟

اور بادشاہ نے کہا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنے لئے مشیرِ خاص کرلوں، یعنی بغیر کسی شریک کے میں ان کو حاصل کرلوں، لہٰذا وہ قاصد آپ کے پاس آیا تو یوسف علیہ السلام اٹھے اور زندان والوں کو رخصت کیا اور ان کے لئے دعا فرمائی اس کے بعد غسل کیا اور عمدہ لباس زیب تن فرمایا اور بادشاہ کے پاس آئے۔ لہٰذا جب بادشاہ نے آپ سے بالمشافہ گفتگو کی تو نہایت متاثر ہوا اور کہنے لگا (اے یوسف!) بیشک آپ آج سے ہمارے ہاں مقتدر اور معتمد ہیں یعنی آپ کو اقتدار میں شریک کرلیا گیا ہے۔ پس اب آپ کا کیا خیال ہے اور ہمیں اب کیا کرنا چاہے۔ تو آپ نے فرمایا غلہ جمع کرواور اس کو جمع کرنے کے لئے آنے والے خوشحالی کے سالوں میں خوب زراعت کرو۔ اور غلے کو خوشوں میں رہنے دو۔ پس جب لوگ آپ کے پاس غلہ لینے آئیں تو بادشاہ نے کہہ دیا کہ میری طرف سے اس ذمہ داری کو کون نبھائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے اعزاز کے ساتھ دعوت

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ اپنا مخصوص بنالوں چنانچہ اس نے معزّزین کی ایک جماعت، بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز وسامان اور نفیس لباس لے کر قید خانہ بھیجی تاکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ ایوانِ شاہی میں لائیں۔ ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر بادشاہ کا پیام عرض کیا آپ نے قبول فرمایا اور قید خانہ سے نکلتے وقت قیدیوں کے لئے دعا فرمائی، جب قید خانہ سے باہر تشریف لائے تو اس کے دروازہ پر لکھا یہ بلا کا گھر، زندوں کی قبر اور دشمنوں کی بدگوئی اور سچوں کے امتحان کی جگہ ہے پھر غسل فرمایا اور پوشاک پہن کر ایوانِ شاہی کی طرف روانہ ہوئے جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو فرمایا میرا رب مجھے کافی ہے، اس کی پناہ بڑی اور اس کی ثناء برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر قلعہ میں داخل ہوئے، بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا کی کہ یاربّ میرے، تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور اس کی اور دوسروں کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ نے عربی میں سلام فرمایا، بادشاہ نے دریافت کیا یہ کیا زبان ہے؟ فرمایا یہ میرے عم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان ہے پھر آپ نے اس کو عبرانی زبان میں دعا کی، اس نے دریافت کیا یہ کون زبان ہے؟ فرمایا یہ میرے ابا کی زبان ہے، بادشاہ یہ دونوں زبانیں نہ سمجھ سکا باوجودیکہ وہ ستر زبانیں جانتا تھا پھر اس نے حضرت سے جس زبان میں گفتگو کی آپ نے اسی زبان میں اس کو جواب دیا، اس وقت آپ کی عمر شریف تیس سال کی تھی

اس عمر میں یہ وسعت علوم دیکھ کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی اور اس نے آپ کو اپنے برابر جگہ دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر پر اظہار تعجب کا بیان

بادشاہ نے درخواست کی کہ حضرت اس کے خواب کی تعبیر اپنے زبان مبارک سے سناویں، حضرت نے اس خواب کی پوری تفصیل بھی سنادی۔ جس جس شان سے کہ اس نے دیکھا تھا باوجودیکہ آپ سے یہ خواب پہلے مجملاً بیان کیا گیا تھا اس پر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا، کہنے لگا کہ آپ نے میرا خواب ہو بہو بیان فرمادیا خواب تو عجیب تھا ہی مگر آپ کا اس طرح بیان فرمادینا اس سے بھی زیادہ عجیب تر ہے، اب تعبیر ارشاد ہو جائے، آپ نے تعبیر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اب لازم یہ ہے کہ غلّے جمع کئے جائیں اور ان فراخی کے سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے اور غلّے مع بالوں کے محفوظ رکھے جائیں اور رعایا کی پیداوار میں سے خُمس لیا جائے، اس سے جو جمع ہوگا وہ مصر و حوالی مصر کے باشندوں کے لئے کافی ہوگا اور پھر خَلقِ خدا ہر ہر طرف سے تیرے پاس غلّہ خریدنے آئے گی اور تیرے یہاں اتنے خزائن و اموال جمع ہوں گے جو تجھ سے پہلوں کے لئے جمع نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا یہ انتظام کون کرے گا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، لاہور)

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○
یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا (اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو) مجھے سرزمینِ (مصر) کے خزانوں پر
(وزیر اور امین) مقرر کردو، بیشک میں (ان کی) خوب حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر کے خزانے دینے کا بیان

"قَالَ" یُوسُف "اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ" اَرْض مِصر "اِنِّیْ حَفِیظ عَلِیم" ذُو حِفْظ وَعِلْم بِاَمْرِهَا وَقِیْلَ کَاتِب حَاسِب،

یوسف علیہ السلام نے فرمایا اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو مجھے سرزمینِ مصر کے خزانوں پر وزیر اور امین مقرر کردو، بیشک میں خوب حفاظت کرنے والا اور اقتصادی امور کو خوب جاننے والا ہوں۔

حکومت کا عہدہ مختلف حالات میں قبول کرنے کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عہدہ کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ کہہ کر حاصل کیا اس کی خاص وجہ امام تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قرار دی ہے کہ بادشاہ مصر اس وقت مسلمان ہو چکا تھا مگر چونکہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں اس لئے عام مفسرین نے اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر کے معاملہ سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ وہ ان کے کام میں دخل نہ دے گا اور کسی خلاف شرع قانون جاری کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے گا بلکہ ان کو مکمل اختیارات دے گا جس کے ذریعہ وہ اپنی صوابدید اور قانون حق پر عمل کر سکیں گے ایسے مکمل اختیار کے ساتھ کہ کسی خلاف شرع قانون پر مجبور نہ ہو کوئی کافر یا ظالم کی

ملازمت اختیار کرلے تو اگر چہ اس کافر ظالم کے ساتھ تعاون کرنے کی قباحت پھر بھی موجود ہے مگر جن حالات میں اس کو اقتدار سے ہٹانا قدرت میں نہ ہو اور اس کا عہدہ قبول نہ کرنے کی صورت میں خلق اللہ کے حقوق ضائع ہونے یا ظلم وجور کا اندیشہ قوی ہو تو بمجبوری اتنے تعاون کی گنجائش حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہو جاتی ہے جس میں خود کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے کیونکہ درحقیقت یہ اس کے گناہ میں اعانت نہیں ہوگی گو سبب بعید کے طور پر اس سے بھی اس کی اعانت کا فائدہ حاصل ہو جائے اعانت کے ایسے اسباب بعیدہ کے بارے میں بحالات مذکورہ شرعی گنجائش ہے جس کی تفصیل حضرات فقہاء نے بیان فرمائی ہے سلف صالحین صحابہ وتابعین میں بہت سےحضرات کا ایسے ہی حالات میں ظالم وجابر حکمرانوں کا عہدہ قبول کر لینا ثابت ہے۔

علامہ ماوردی نے سیاست شرعیہ سے متعلق اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ بعض حضرات نے یوسف علیہ السلام کے اس عمل کی بناء پر کافر اور ظالم حکمرانوں کا عہدہ قبول کرنا اس شرط کے ساتھ جائز رکھا ہے کہ خود اس کو کوئی کام خلاف شرع نہ کرنا پڑے۔

اور بعض حضرات نے اس شرط کے ساتھ بھی اس کو اس لئے جائز نہیں رکھا کہ اس میں بھی اہل ظلم وجور کی تقویت اور تائید ہوتی ہے یہ حضرات یوسف علیہ السلام کے فعل کی مختلف توجیہات بیان کرتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات یا ان کی شریعت کے ساتھ مخصوص تھا اب دوسروں کے لئے جائز نہیں مگر جمہور علماء فقہاء نے پہلے ہی قول کو اختیار فرما کر جائز قرار دیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یوسف، بیروت)

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا
مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝
اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک (مصر) میں اقتدار بخشا (تاکہ) اس میں جہاں چاہیں رہیں۔
ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرماتے ہیں اور نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا سرزمین مصر پر عدل وانصاف قائم کرنے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَاِنْعَامِنَا عَلَيْهِ بِالْخَلَاصِ مِنَ السِّجْنِ "مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ" اَرْض مِصْر "يَتَبَوَّاُ" يَنْزِل "مِنْهَا حَيْثُ يَشَاء" بَعْد الضِّيق وَالْحَبْس وَفِى الْقِصَّة اَنَّ الْمَلِك تَوَّجَهُ وَخَتَّمَهُ وَوَلَّاهُ مَكَان الْعَزِيز وَعَزَلَهُ وَمَاتَ بَعْد فَزَوَّجَهُ امْرَاَته فَوَجَدَهَا عَذْرَاء وَوَلَدَتْ لَهُ وَلَدَيْنِ وَاَقَامَ الْعَدْل بِمِصْرَ وَدَانَتْ لَهُ الرِّقَاب، نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ،

اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو قید سے نجات دلا کر ملک مصر میں اقتدار بخشا، تاکہ اس مصر میں جہاں چاہیں رہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید وسختی کے بعد کا قصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے آپ کی تاج پوشی کی اور اپنی حکمرانی مہر آپ کے حوالے کردی اور آپ کو عزیز مصر کی جگہ حکمران مقرر کردیا اور عزیز مصر کو معزول کردیا جس کے بعد اس کا وصال ہوگیا۔ تو اس کے بعد

آپ کا نکاح جناب زلیخا سے کر دیا تو یوسف علیہ السلام نے انہیں کنواری دیکھا اور ان کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ اور اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے مصر میں ایسا عدل وانصاف قائم کیا کہ بڑے بڑے جاگیرداروں کی گردنیں جھک گئی۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرماتے ہیں اور نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سلطنت مصر کے مالک بن گئے

زمین مصر میں یوں حضرت یوسف علیہ السلام کی ترقی ہوئی۔ اب ان کے اختیار میں تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ جہاں چاہیں مکانات تعمیر کریں۔ یا اس تنہائی اور قید کو دیکھئے یا اب اس اختیار اور آزادی کو دیکھئے۔ سچ ہے رب جسے چاہے اپنی رحمت کا جتنا حصہ چاہے دے۔ صابروں کا پھل لاکر ہی رہتا ہے۔ بھائیوں کا دکھ سہا، اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے عزیز مصر کی عورت سے بگاڑ لی اور قید خانے کی مصیبتیں برداشت کیں۔ پس رحمت الٰہی کا ہاتھ بڑھا اور صبر کا اجر ملا۔ نیک کاروں کی نیکیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں۔ پھر ایسے باایمان تقویٰ والے آخرت میں بڑے درجے اور اعلیٰ ثواب پاتے ہیں۔ یہاں یہ ملا، وہاں کے ملنے کی تو کچھ نہ پوچھئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن میں آیا ہے کہ یہ دنیا کی دولت وسلطنت ہم نے تجھے اپنے احسان سے دی ہے اور قیامت کے دن بھی تیرے لئے ہمارے ہاں اچھی مہمانی ہے۔ الغرض شاہ مصر ریان بن ولید نے سلطنت مصر کی وزارت آپ کو دی، پہلے اسی عہدے پر اس عورت کا خاوند تھا۔ جس نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا، اسی نے آپ کو خرید لیا تھا۔ آخر شاہ مصر آپ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ کے خریدنے والے کا نام اطغر تھا۔ یہ انہی دنوں میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کی زوجہ راعیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ جب آپ ان سے ملے تو فرمایا کہو کیا یہ تمہارے اس ارادے سے بہتر نہیں ؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے آپ کو معلوم ہے کہ میں حسن وخوبصورتی والی دھن دولت والی عورت تھی میرے خاوند مردمی سے محروم تھے وہ مجھ سے مل ہی نہیں سکتے تھے۔ ادھر آپ کو قدرت نے جس فیاضی سے دولت حسن کے ساتھ مالا مال کیا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ پس مجھے اب ملامت نہ کیجئے۔ کہتے ہیں کہ واقعی حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں کنواری پایا۔ پھر ان کے بطن سے آپ کو دولڑکے ہوئے افراثیم اور میشا۔ افراثیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع کے والد ہیں اور رحمت نامی صاحبزادی ہوئی جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی راستے میں کھڑی تھیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی بیوی ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز کی بیوی راستے میں کھڑی تھیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کی سواری نکلی تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ الحمد اللہ اللہ کی شان کے قربان جس نے اپنی فرمانبرداری کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہی پر پہنچایا اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلامی پر لا اتارا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ○

اور یقیناً آخرت کا اجران لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور روشِ تقویٰ پر گامزن رہے۔

دنیا کے اجر سے آخرت کے اجر کا بہتر ہونے کا بیان

"وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ" مِنْ اَجْرِ الدُّنْيَا وَدَخَلَتْ سُنُو الْقَحْطِ وَاَصَابَ اَرْضَ كَنْعَانَ وَالشَّام،

اور یقیناً دنیا کے اجر سے آخرت کا اجران لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور روشِ تقویٰ پر گامزن رہے۔اور اس کے بعد قحط کے سال شروع ہوئے اور اس قحط کے اثرات ملک کنعان اور شام تک پہنچ گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تاج وتخت عطا ہونے کا بیان

سب ان کے تحت تصرّف ہے۔اَمارت طلب کرنے کے ایک سال بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کر آپ کی تاج پوشی کی اور تلوار اور مہر آپ کے سامنے پیش کی اور آپ کو طلائی تخت پر تخت نشین کیا جو جواہرات سے مُرصّع تھا اور اپنا ملک آپ کو تفویض کیا اور قطفیر (عزیزِ مصر) کو معزول کر کے آپ کو اس کی جگہ والی بنایا اور تمام خزائن آپ کو تفویض کئے اور سلطنت کے تمام امور آپ کے ہاتھ میں دے دیئے اور خود مثل تابع کے ہوگیا کہ آپ کی رائے میں دخل نہ دیتا اور آپ کے ہر حکم کو مانتا، اسی زمانہ میں عزیزِ مصر کا انتقال ہوگیا۔بادشاہ نے اس کے انتقال کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کر دیا، جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام زلیخا کے پاس پہنچے اور اس سے فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تو چاہتی تھی؟ زلیخا نے عرض کیا اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے میں خوبرو تھی، نوجوان تھی، عیش میں تھی اور عزیزِ مصر عورتوں سے سروکار ہی نہ رکھتا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حسن وجمال عطا کیا ہے، میرا دل اختیار سے باہر ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم کیا ہے، آپ محفوظ رہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو باکرہ پایا اور اس سے آپ کے دو فرزند ہوئے افرائیم اور میشا اور مصر میں آپ کی حکومت مضبوط ہوئی، آپ نے عدل کی بنیادیں قائم کیں، ہر زن ومرد کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے قحط سالی کے ایام کے لئے غلّوں کے ذخیرے جمع کرنے کی تدبیر فرمائی۔

قحط سالی کے سالوں اور تدبیر حکمرانی کا بیان

اس کے لئے بہت وسیع اور عالی شان انبار خانے تعمیر فرمائے اور بہت کثیر ذخائر جمع کئے، جب فراخی کے سال گزر گئے اور قحط کا زمانہ آیا تو آپ نے بادشاہ اور اس کے خدم کے لئے روزانہ صرف ایک وقت کا کھانا مقرر فرما دیا، ایک روز دوپہر کے وقت بادشاہ نے حضرت سے بھوک کی شکایت کی، آپ نے فرمایا یہ قحط کی ابتداء کا وقت ہے پہلے سال میں لوگوں کے پاس جو ذخیرے تھے سب ختم ہوگئے، بازار خالی رہ گئے۔اہل مصر حضرت یوسف علیہ السلام سے جنس خریدنے لگے اور ان کے تمام درہم دینار آپ کے پاس آ

دوسرے سال زیور اور جواہرات سے غلہ خریدے اور وہ تمام آپ کے پاس آ گئے، لوگوں کے پاس زیور و جواہر کی قسم سے کوئی چیز نہ رہی۔

تیسرے سال چوپائے اور جانور دے کر غلے خریدے اور ملک میں کوئی کسی جانور کا مالک نہ رہا۔ چوتھے سال میں غلے کے لئے تمام غلام اور باندیاں بیچ ڈالیں۔

پانچویں سال تمام اراضی وعملہ و جاگیریں فروخت کر کے حضرت سے غلہ خریدا اور یہ تمام چیزیں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں۔ چھٹے سال جب کچھ نہ رہا تو انہوں نے اپنی اولادیں بیچیں، اس طرح غلے خرید کر وقت گذارا۔ ساتویں سال وہ لوگ خود بک گئے اور غلام بن گئے اور مصر میں کوئی آزاد مرد و عورت باقی نہ رہا، جو مرد تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام تھا، جو عورت تھی وہ آپ کی کنیز تھی اور لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سی عظمت وجلالت کبھی کسی بادشاہ کو میسر نہ آئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کہ تو نے دیکھا اللہ کا مجھ پر کیسا کرم ہے، اس نے مجھ پر ایسا احسانِ عظیم فرمایا اب ان کے حق میں تیری کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا جو حضرت کی رائے اور ہم آپ کے تابع ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کیا اور ان کے تمام املاک اور کل جاگیریں واپس کیں۔ اس زمانہ میں حضرت نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں ملاحظہ فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ اتنے عظیم خزانوں کے مالک ہو کر آپ بھوکے رہتے ہیں؟ فرمایا اس اندیشہ سے کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں، سبحان اللہ کیا پاکیزہ اخلاق ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ مصر کے تمام زن و مرد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدے ہوئے غلام اور کنیزیں بنانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام کی شان میں آئے تھے اور مصر کے ایک شخص کے خریدے ہوئے ہیں بلکہ سب مصری ان کے خریدے اور آزاد کئے ہوئے غلام ہوں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اس حالت میں صبر کیا اس کی یہ جزا دی گئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، لاہور)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○
اور یوسف کے بھائی آئے، پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انھیں پہچان لیا اور وہ اسے نہ پہچاننے والے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت برادران یوسف کے آنے کا بیان

"وَجَاءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ" اِلَّا بِنيَامِين لِيَمْتَارُوْا لِمَا بَلَغَهُمْ اَنَّ عَزِيزَ مِصْر يُعْطِى الطَّعَام بِثَمَنِهِ "فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ" اَنَّهُمْ اِخْوَته "وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُوْنَ" لَايَعْرِفُوْنَهُ لِبُعْدِ عَهْدهمْ بِهِ وَظَنّهمْ هَلَاكه فَكَلَّمُوْهُ بِالْعِبْرَانِية فَقَالَ كَالْمُنْكِرِ عَلَيْهِمْ: مَا اَقْدَمَكُمْ بِلَادِى؟ فَقَالُوْا لِلْمِيرَةِ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ عُيُون قَالُوْا مَعَاذ اللّٰه قَالَ فَمِنْ اَيْنَ اَنْتُمْ؟ قَالُوْا مِنْ بِلَاد كَنْعَان وَاَبُوْنَا يَعْقُوْب نَبِىّ اللّٰه قَالَ وَلَهُ اَوْلَاد غَيْركُمْ؟ قَالُوْا نَعَمْ كُنَّا اثْنَى عَشَر فَذَهَبَ اَصْغَرنَا هَلَكَ فِى الْبَرِّيَّة وَكَانَ اَحَبّنَا اِلَيْهِ وَبَقِىَ شَقِيقه فَاحْتَبَسَهُ لِيَتَسَلّٰى

بِهٖ عَنْهُ فَاَمَرَ بِاِنْزَالِهِمْ وَاِكْرَامِهِمْ،

اور یوسف کے بھائی آئے، یعنی جب اہل کنعان کو پتہ چلا کہ عزیز مصر قیمت کے بدلے میں غلہ دے رہا ہے تو وہ بنیامین کے سوا غلہ لینے کے لئے آئے۔ پھر آپ کے پاس داخل ہوئے تو آپ نے ان کو پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یوسف علیہ السلام کو مدت ہوگئی تھی اور ان کے خیال کے مطابق آپ کا وصال ہو چکا ہوگا۔ تو انہوں نے آپ سے عبرانی زبان میں کلام کیا تو آپ نے عبرانی زبان سے انجان ہونے کی طرح کلام کیا کہ تم کس لئے آئے تو انہوں نے کہا ہم غلہ لینے کے لئے آئے ہیں۔ کہ تم کہاں سے آئے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم کنعان کے شہروں سے آئے ہیں۔ تو کہا کہ تم جاسوس لگتے ہو تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ! ہم تو اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کنعان سے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے علاوہ ان کی اور اولاد نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم بارہ بھائی ہیں۔ ہمارا ایک بھائی بچپن میں جنگلوں میں ہلاک ہوگیا ہے۔ جس کے ہمارے والد گرامی بہت محبت کرتے تھے۔ اور اب اس کے چھوٹے بھائی کو تسلی کے لئے اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پس آپ نے ان کو ٹھہرانے اور مہمان نوازی کرنے کا حکم دیا۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب قحط کی شدّت ہوئی اور بلائے عظیم عام ہوگئی، تمام بلا دوأمصار قحط کی سخت تر مصیبت میں مبتلا ہوئے اور ہر جانب سے لوگ غلّہ خریدنے کے لئے مصر پہنچنے لگے، حضرت یوسف علیہ السلام کسی کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلّہ نہیں دیتے تاکہ مساوات رہے اور سب کی مصیبت رفع ہو، قحط کی جیسی مصیبت مصر اور تمام بلاد میں آئی ایسی ہی کنعان میں بھی آئی، اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کے سوا اپنے دسوں بیٹوں کو غلّہ خریدنے مصر بھیجا۔

چالیس سال کی مدت بعد برادران یوسف کی ملاقات کا بیان

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے سے اب تک چالیس سال کا طویل زمانہ گزر چکا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہوگا اور یہاں آپ تخت سلطنت پر شاہانہ لباس میں شوکت و شان کے ساتھ جلوہ فرما تھے، اس لئے انہوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ سے عبرانی زبان میں گفتگو کی، آپ نے بھی اسی زبان میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا ہم شام کے رہنے والے ہیں، جس مصیبت میں دنیا مبتلا ہے اسی میں ہم بھی ہیں، آپ سے غلہ خریدنے آئے ہیں، آپ نے فرمایا کہیں تم جاسوس تو نہیں ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں ہم جاسوس نہیں ہیں، ہم سب بھائی ہیں، ایک باپ کی اولاد ہیں، ہمارے والد بہت بزرگ معمّر صدیق ہیں اور ان کا نام نامی حضرت یعقوب ہے، وہ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کتنے بھائی ہو؟ کہنے لگے تھے تو ہم بارہ مگر ایک بھائی ہمارا ہمارے ساتھ جنگل گیا تھا، ہلاک ہوگیا اور وہ والد صاحب کو ہم سب سے زیادہ پیارا تھا، فرمایا اب تم کتنے ہو؟ عرض کیا دس، فرمایا گیارہواں کہاں ہے؟ کہا وہ والد صاحب کے پاس ہے کیونکہ جو ہلاک ہوگیا وہ اسی کا حقیقی بھائی تھا اب والد صاحب کی اسی سے کچھ تسلی ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان بھائیوں کی بہت عزت کی اور بہت خاطر و مدارات سے ان کی میزبانی فرمائی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، بیروت)

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ ج

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ۝

اور جب اس نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو کہا میرے پاس اپنے اس بھائی کو لے کر آنا جو تمھارے باپ

سے ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بے شک میں ماپ پورا دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے یعقوب علیہ السلام کی طرف جانے والے غلہ کا بیان

"وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ" وَفّٰى لَهُمْ كَيْلَهُمْ "قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ" أَيْ بِنْيَامِيْنَ لِأَعْلَمَ صِدْقَكُمْ فِيمَا قُلْتُمْ "أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ" أُتِمُّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ، وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ،

اور جب اس نے انہیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو کہا میرے پاس اپنے اس بھائی کو لے کر آنا جو تمھارے باپ سے ہے، یعنی بینامین کو بھی لے کر آنا۔ تاکہ تم نے جو کہا میں تمہاری صداقت اس میں دیکھوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بے شک میں ماپ پورا دیتا ہوں یعنی بغیر کسی کمی کے بھر بھر کر غلہ دے رہا ہوں۔ اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔

فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ۝

پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لیے میرے پاس نہ کوئی ماپ ہوگا اور نہ میرے قریب آنا۔

دوبارہ غلہ لینے کے لئے نبیامین کو ساتھ لانے کے مطالبہ کا بیان

"فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي" أَيْ مِيرَةَ "وَلَا تَقْرَبُونِي" نَهْيٌ أَوْ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ فَلَا كَيْلَ أَيْ تُحْرَمُوا وَلَا تَقْرَبُوا،

پھر اگر تم اسے یعنی بنیامین کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لیے میرے پاس نہ کوئی ماپ ہوگا یہاں لاتقربونی نہی ہے۔ کیونکہ اس کا عطف فلا کیل پر ہے۔ یعنی تمہیں کوئی غلہ نہ ملے گا۔ اور نہ میرے قریب آنا۔

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ۝

انہوں نے کہا ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں ضرور آمادہ کریں گے اور بے شک ہم ضرور کرنے والے ہیں۔

بنیامین کو قافلہ میں ساتھ لانے کی کوشش کا بیان

"قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ" سَنَجْتَهِدُ فِي طَلَبِهٖ مِنْهُ "وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ" ذٰلِكَ،

انہوں نے کہا ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں ضرور آمادہ کریں گے یعنی ہم اس کو لانے کی کوشش ضرور کریں گے اور بے شک ہم ضرور کرنے والے ہیں۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○

اوراس نے اپنے جوانوں سے کہاان کا مال ان کے کجاووں میں رکھ دو، تا کہ وہ اسے پہچان لیں جب اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں، شاید وہ پھر آ جائیں۔

غلہ کے ساتھ اس کی قیمت بھی لوٹا دینے کا بیان

"وَقَالَ لِفِتْيَتِهِ " وَفِيْ قِرَاءَةٍ لِفِتْيَانِهِ غِلْمَانه "اجْعَلُوْا بِضَاعَتهمْ " الَّتِيْ اَتَوْا بِهَا ثَمَن الْمِيْرَة وَكَانَتْ دَرَاهِم "فِيْ رِحَالهمْ " اَوْعِيَتهمْ "لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَا اِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلهمْ" وَفَرَّغُوا اَوْعِيَتهمْ "لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ" اِلَيْنَا لِاَنَّهُمْ لَا يَسْتَحِلُّوْنَ اِمْسَاكهَا،

اوراس نے اپنے جوانوں سے کہا، یہاں پر ایک قرأت کے مطابق لفتیانہ آیا ہے یعنی غلاموں سے کہاان کا مال ان کے کجاووں میں رکھ دو، اوران کی ادا کردہ قیمت والے دراہم بھی انہی میں رکھ دو، تا کہ وہ اسے پہچان لیں جب اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں، شاید وہ پھر آ جائیں۔ یعنی وہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں کیونکہ وہ اس قیمت کو روک لینا حلال نہیں ٹھہرائیں گے۔

غلہ کی قیمت کی واپسی کا بیان

سیّدنا یوسف نے ان کی اچھی طرح مہمان نوازی کی اور غلہ بھرنے والوں کو یہ اشارہ بھی کر دیا کہ جو رقم غلہ کی قیمت کے طور پر ان سے وصول کی گئی ہے وہ بھی ان کے غلہ میں رکھ دی جائے اور یہ کام انہوں نے اس غرض سے کیا کہ ممکن ہے کہ انھیں دوبارہ آنے کے لیے رقم میسر نہ ہو اور وہ آ ہی نہ سکیں یا بڑی دیر بعد میسر ہو تو اس صورت میں بڑی دیر سے میرے پاس دوبارہ ان کے چھوٹے حقیقی بھائی بن یمین کو ساتھ لے کر آئیں۔ قرآن کے الفاظ سے تو رقم واپس کرنے کی یہی اصل غرض معلوم ہوتی ہے۔ تاہم بعض مفسرین کہتے ہیں کہ رقم کی واپسی سے ان کا دوسرا مقصد یا تابع مقصد یہ بھی تھا کہ وہ بھائیوں سے غلہ کی قیمت لینا پسند نہیں کرتے تھے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○

تو جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انھوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہم سے ماپ روک لیا گیا ہے، سو تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج کہ ہم ماپ لائیں اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کو لے جانے کا مطالبہ کرنے کا بیان

"فَلَمَّا رَجَعُوا اِلٰى اَبِيهِمْ قَالُوْا يَا اَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْل " اِنْ لَّمْ تُرْسِل اَخَانَا اِلَيْهِ "فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَكْتَلْ" بِالنُّوْنِ وَالْيَاء ، وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

تو جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہم سے ماپ روک لیا گیا ہے، یعنی اگر آپ ہمارے

ساتھ بھائی کو نہ بھیجیں۔لہٰذا تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج کہ ہم غلے کا ماپ لائیں، یہاں پر نکتل نون اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔

برادران یوسف باپ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ اب ہمیں تو غلہ مل نہیں سکتا تاوقتیکہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو نہ بھیجیں اگر انہیں ساتھ کر دیں تو البتہ مل سکتا ہے آپ بیفکر رہیئے ہم اس کی نگہبانی کرلیں گے نکتل کی دوسری قرأت یکتل بھی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بس وہی تم ان کے ساتھ کرو گے جو اس سے پہلے ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کر چکے ہو کہ یہاں سے لے گئے اور یہاں پہنچ کر کوئی بات بنادی۔حافظا کی دوسری قرأت حفظا بھی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہترین حافظ اور نگہبان ہے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝
یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں، تم پر اسی طرح اعتماد کرلوں جیسے اس سے قبل میں نے
اس کے بھائی (یوسف علیہ السلام) کے بارے میں تم پر اعتماد کرلیا تھا؟ تو اللہ ہی بہتر حفاظت فرمانے والا ہے
اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خدشہ پر بنیامین کے خدشہ کو قیاس کرنے کا بیان

"قَالَ هَلْ" مَا "آمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اَمِنْتُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ" يُوسُف "مِنْ قَبْل" وَقَدْ فَعَلْتُمْ بِهٖ مَا فَعَلْتُمْ "فَاللّٰه خَيْر حَافِظًا" وَفِیْ قِرَاءَة حِفْظًا تَمْيِيز كَقَوْلِهِمْ لِلّٰهِ دَرّه فَارِسًا "وَهُوَ اَرْحَم الرَّاحِمِيْنَ" فَاَرْجُو اَنْ يَّمُنّ بِحِفْظِهٖ،

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں بھی تم پر اسی طرح اعتماد کرلوں جیسے اس سے قبل میں نے اس کے بھائی (یوسف علیہ السلام) کے بارے میں تم پر اعتماد کرلیا تھا؟ یعنی تم اسی طرح کرو گے جیسے تم پہلے کر چکے ہو۔تو اللہ ہی بہتر حفاظت فرمانے والا ہے یہاں پر حافظا ایک قرأت میں حفظا آیا ہے۔جو تمیز ہے یعنی جس طرح ان کے قول 'لِلّٰهِ دَرّه فَارِسًا'' ہے۔اور، وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔پس تم اسی کی طرف رجوع کروتا کہ اس کی حفاظت کے ساتھ امن پاؤ۔

اور ہے بھی وہ ارحم الراحمین میرے بڑھاپے پر میری کمزوری پر رحم فرمائے گا اور جو غم ورنج مجھے اپنے بچے کا ہے وہ دور کردے گا مجھے اس کی پاک ذات سے امید ہے کہ وہ میرے یوسف کو مجھ سے پھر ملا دے گا اور میری پریشانی کو دور کردے گا۔اس پر کوئی کام مشکل نہیں وہ اپنے بندوں سے اپنے رحم وکرم کو نہیں روکتا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِىْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا
رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝

جب انہوں نے اپنا سامان کھولا، اپنی رقم پائی (جو) انہیں لوٹا دی گئی تھی، وہ کہنے لگے، اے ہمارے والد گرامی! ہمیں اور
کیا چاہئے؟ یہ ہماری رقم ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے اور (اب تو) ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے اور ہم
اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لائیں گے، اور یہ تھوڑی مقدار ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے بادشاہ مصر کی اعزاز نوازی کا بیان

"وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعهمْ وَجَدُوا بِضَاعَتهمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ قَالُوْا يَا اَبَانَا مَا نَبْغِي " مَا اسْتِفْهَامِيَّة اَیْ اَیّ شَیْء نَطْلُب مِنْ اِكْرَام الْمَلِك اَعْظَم مِنْ هٰذَا وَقُرِءَ بالفوقانية خِطَابًا لِيَعْقُوْب وَكَانُوْا ذَكَرُوْا لَهٗ اِكْرَامًا لَهُمْ "هٰذِهٖ بِضَاعَتنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَنَمِير اَهْلنَا" نَاْتِي بِالْمِيْرَةِ لَهُمْ وَهِيَ الطَّعَام "وَنَحْفَظ اَخَانَا وَنَزْدَاد كَيْل بَعِير" لِاَخِينَا "ذٰلِكَ كَيْل يَسِير" سَهْل عَلَى الْمَلِكِ لِسَخَائِهٖ،

جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں اپنی رقم پائی جو انہیں لوٹا دی گئی تھی، وہ کہنے لگے: اے ہمارے والد گرامی! ہمیں اور کیا چاہئے؟ یہاں پر ما استفہامیہ ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر اور کیا ہماری عزت ہوسکتی ہے کہ بادشاہ نے قیمت بھی واپس کر دی ہے یہاں پر نبغی کو تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور یہ یعقوب علیہ السلام سے خطاب ہے۔ جو انہوں نے اپنے اکرام کا بیان کیا ہے۔ اور اب تو ہم اپنے گھر والوں کے لئے ضرور ہی غلہ لائیں گے، یہاں لفظ میرۃ کا معنی غلہ ہے۔ اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لائیں گے، جو ہمارے اس بھائی کے لئے ہوگا۔ اور یہ غلہ جو ہم پہلے لائے ہیں تھوڑی مقدار میں ہے۔ کیونکہ ہمارے اس بھائی کی وجہ سے بادشاہ ہم پر زیادہ سخاوت کرے گا۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ
فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○
یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے پختہ وعدہ دو
کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤ گے سوائے اس کے کہ تم کو کہیں گھیر لیا جائے، پھر جب انہوں نے یعقوب (علیہ السلام)
کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بنیامین کو ساتھ بھیجنے کے لئے عہد لینے کا بیان

"قَالَ لَنْ اُرْسِلهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُونِيْ مَوْثِقًا" عَهْدًا "مِنَ اللّٰه" بِاَنْ تَحْلِفُوْا "لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖ اِلَّا اَنْ يُّحَاط بِكُمْ" بِاَنْ تَمُوْتُوا اَوْ تُغْلَبُوا فَلَا تُطِيقُوا الْاِتْيَان بِهٖ فَاَجَابُوْهُ اِلٰى ذٰلِكَ "فَلَمَّا اٰتَوْهُ مَوْثِقهمْ" بِذٰلِكَ "قَالَ اللّٰه عَلٰى مَا نَقُوْل" نَحْنُ وَاَنْتُمْ "وَكِيل" شَهِيد وَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ،

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے پختہ وعدہ دو کہ تم اسے ضرور میرے پاس واپس لے آؤ گے سوائے اس کے کہ تم سب کو کہیں گھیر لیا جائے یا ہلاک کر دیا جائے، یا تم مغلوب ہو کر اس کو لانے کی طاقت نہ رکھ سکو۔ پھر جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔ یعنی اللہ گواہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ اس کو بھیج رہا ہوں۔

وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝
اور فرمایا: اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمہیں اللہ
(کے اَمر) سے کچھ نہیں بچا سکتا کہ حکم (تقدیر) صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور
بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

مصر کے ایک ہی دروازے سے اکٹھے جمع ہو کر گزرنے کی ممانعت کرنے کا بیان

"وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا" مِصْر "مِنْ بَاب وَاحِد وَادْخُلُوا مِنْ اَبْوَاب مُتَفَرِّقَة" لِئَلَّا تُصِيبكُمْ الْعَيْن "وَمَا اُغْنِي" اَدْفَع "عَنْكُمْ" بِقَوْلِي ذٰلِكَ "مِنْ اللّٰه مِنْ" زَائِدَة "شَيْء" قَدَّرَهُ عَلَيْكُمْ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ شَفَقَة "اِنْ" مَا "الْحُكْم اِلَّا لِلّٰهِ" وَحْده "عَلَيْهِ تَوَكَّلْت" بِهِ وَثِقْت،

اور فرمایا اے میرے بیٹو! مصر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے تقسیم ہو کر داخل ہونا، تاکہ ان کی نظر تم تک نہ پہنچ پائے۔ اور میں تمہیں اللہ کے اَمر سے کچھ نہیں بچا سکتا کہ حکم تقدیر صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہاں پر من زائدہ ہے۔ میں نے اسی کی رحمت پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ حکم صرف اللہ وحدہ لاشریک کا ہے۔

نظر بد سے بچنے کے لئے اولاد کو نصیحت کرنے کا بیان

چونکہ اللہ کے نبی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بچوں پر نظر لگ جانے کا کھٹکا تھا کیونکہ وہ سب اچھے، خوبصورت، تنو مند، طاقتور، مضبوط دیدہ رونو جوان تھے اس لئے بوقت رخصت ان سے فرماتے ہیں کہ پیارے بچو تم سب شہر کے ایک دروازے سے شہر میں نہ جانا بلکہ مختلف دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے جانا۔ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ گھوڑ سوار کو یہ گرا دیتی ہے۔ پھر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ یہ میں جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ یہ تدبیر تقدیر میں ہیر پھیر نہیں کر سکتی۔ اللہ کی قضا کو کوئی شخص کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا۔ اللہ کا چاہا پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ حکم اسی کا چلتا ہے۔ کون ہے جو اس کے ارادے کو بدل سکے؟ اس کے فرمان کو ٹال سکے؟ اس کی قضا کو لوٹا سکے؟ میرا بھروسہ اسی پر ہے اور مجھ پر ہی کیا موقوف ہے۔ ہر ایک توکل کرنے والے کو اسی پر توکل کرنا چاہئے

چنانچہ بیٹوں نے باپ کی فرماں برداری کی اور اسی طرح کئی ایک دروازوں میں بٹ گئے اور شہر میں پہنچے۔اس طرح وہ اللہ کی قضا کو لوٹا نہیں سکتے تھے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک ظاہری تدبیر پوری کی کہ اس سے وہ نظر بد سے بچ جائیں۔وہ ذی علم تھے، الہامی علم ان کے پاس تھا۔ہاں اکثر لوگ ان باتوں کو نہیں جانتے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

اور بادشاہ کے حسن سلوک اور اس کے احسان کا ذکر کیا، کہا کہ اس نے ہماری وہ عزت وتکریم کی کہ اگر آپ کی اولاد میں سے کوئی ہوتا تو وہ بھی ایسا نہ کرسکتا، فرمایا اب اگر تم بادشاہ مصر کے پاس جاؤ تو میری طرف سے سلام پہنچانا اور کہنا کہ ہمارے والد تیرے حق میں تیرے اس سلوک کی وجہ سے دعا کرتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِىْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ اِلَّا حَاجَةً
فِىْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اور جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا، وہ انہیں اللہ (کی تقدیر) سے کچھ نہیں بچا سکتا تھا مگر یہ یعقوب
(علیہ السلام) کے دل کی ایک خواہش تھی جسے اس نے پورا کیا، اور (اس خواہش وتدبیر کو لغو بھی نہ سمجھنا، تمہیں کیا خبر!) بیشک یعقوب
(علیہ السلام) صاحبِ علم تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علمِ (خاص) سے نوازا تھا مگر اکثر لوگ (ان حقیقتوں کو) نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے علم کی تعریف کا بیان

"وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ " اَىْ مُتَفَرِّقِيْنَ "مَا كَانَ يُغْنِىْ عَنْهُمْ مِنَ اللّٰه " اَىْ قَضَائِهٖ "مِنْ" زَائِدَة "شَىْءٍ اِلَّا" لٰكِنَّ "حَاجَة فِىْ نَفْس يَعْقُوْب قَضَاهَا" وَهِىَ اِرَادَة دَفْع الْعَيْن شَفَقَة "وَاِنَّهٗ لَذُو عِلْم لِمَا عَلَّمْنَاهُ" لِتَعْلِيمِنَا اِيَّاهُ "وَلٰكِنَّ اَكْثَر النَّاس" وَهُمْ الْكُفَّار "لَا يَعْلَمُوْنَ" اِلْهَام اللّٰه لِاَصْفِيَائِهٖ،

اور جب وہ مصر میں داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم دیا تھا، یعنی الگ الگ دروازوں سے گزرنا، وہ حکم انہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ نہیں بچا سکتا تھا، یہاں پر بھی من زائدہ ہے۔مگر یہ یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جسے اس نے پورا کیا، اور یہ بہ طور نظر سے دور رکھنے کے لئے حکم تھا۔(اس خواہش وتدبیر کو لغو بھی نہ سمجھنا، تمہیں کیا خبر!) بیشک یعقوب (علیہ السلام) صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم دیا ہے۔اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علمِ خاص سے نوازا تھا مگر اکثر لوگ یعنی کفار نہیں جانتے۔جو اللہ اپنے پاکیزہ بندوں کی طرف الہام کرتا ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
اور جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے تو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی کہا،
بیشک میں ہی تیرا بھائی (یوسف) ہوں پس تو غمزدہ نہ ہو ان کاموں پر جو یہ کرتے رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بنیامین کے ساتھ ملاقات کا بیان

"وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی " ضَمَّ "اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ " تَحْزَنْ "بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" مِنَ الْحَسَدِ لَنَا وَاَمَرَهُ اَنْ لَّا یُخْبِرَهُمْ وَتَوَاطَا مَعَهُ عَلٰی اَنَّهُ سَیَحْتَالُ عَلٰی اَنْ یُّبْقِیَهُ عِنْدَهُ،

اور جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی اسے آہستہ سے کہا، بیشک میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں پس تو غمزدہ نہ ہو ان کاموں پر جو یہ کرتے رہے ہیں۔ یعنی ان کو ہمارے ساتھ حسد ہے اور اس بات کو ان کو خبر نہ ہونے دینا۔ اسی بات پر دونوں نے اتفاق کیا کہ اچانک تمہیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے کوئی وسیلہ بنالیتے ہیں۔

برادران یوسف کا ایک ساتھ کھانا کھانے کا بیان

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس اپنے بھائی بنیامین کو لے آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا پھر انھیں عزت کے ساتھ مہمان بنایا اور جا بجا دستر خوان لگائے گئے اور ہر دستر خوان پر دو دو صاحبوں کو بٹھایا گیا، بنیامین اکیلے رہ گئے تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ آج اگر میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتے، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تمہارا ایک بھائی اکیلا رہ گیا اور آپ نے بنیامین کو اپنے دستر خوان پر بٹھایا۔

اور فرمایا کہ تمہارے ہلاک شدہ بھائی کی جگہ میں تمہارا بھائی ہو جاؤں تو کیا تم پسند کرو گے؟ بنیامین نے کہا کہ آپ جیسا بھائی کس کو میسر آئے لیکن یعقوب (علیہ السلام) کا فرزند اور راحیل (مادرِ حضرت یوسف علیہ السلام) کا نور نظر ہونا تمہیں کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام رو پڑے اور بنیامین کو گلے سے لگایا اور کہا بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں خیر کے ساتھ جمع فرمایا اور ابھی اس راز کی بھائیوں کو اطلاع نہ دینا، یہ سن کر بنیامین فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے اب میں آپ سے جدا نہ ہوں گا، آپ نے فرمایا والد صاحب کو میری جدائی کا بہت غم پہنچ چکا ہے اگر میں نے تمہیں بھی روک لیا تو انھیں اور زیادہ غم ہوگا علاوہ بریں روکنے کی بجز اس کے اور کوئی سبیل بھی نہیں ہے کہ تمہاری طرف کوئی غیر پسندیدہ بات منسوب ہو۔ بنیامین نے کہا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، بیروت)

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○
پھر جب (یوسف علیہ السلام نے) ان کا سامان انہیں مہیا کر دیا تو (شاہی) پیالہ اپنے بھائی (بنیامین) کی بوری میں رکھ دیا
بعد ازاں پکارنے والے نے آواز دی: اے قافلہ والو! (ٹھہرو) یقیناً تم لوگ ہی چور ہو۔

اہل قافلہ سے چوری شدہ شاہی پیالہ پوچھنے کا بیان

"فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ" هِیَ صَاعٌ مِنَ الذَّهَبِ مُرَصَّعٌ بِالْجَوْهَرِ "فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ"

بِنْيَامِين "ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّن" نَادٰی مُنَادٍ بَعْد انْفِصَالهِمْ عَنْ مَّجْلِس يُوسُف "اَيَّتُهَا الْعِير" الْقَافِلَة، اِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ،

پھر جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان انہیں مہیا کر دیا تو شاہی پیالہ جو سونے کے جواہرات سے سجا ہوا تھا اپنے بھائی بنیامین کی بوری میں رکھ دیا بعد ازاں یعنی یوسف علیہ السلام کی مجلس سے چلے جانے کے بعد پکارنے والے نے آواز دی، اے قافلہ والو! ٹھہرو، یقیناً تم لوگ ہی چور معلوم ہوتے ہو۔

جب آپ اپنے بھائیوں کو حسب عادت ایک ایک اونٹ غلے کا دینے لگے اور ان کا اسباب لدنے لگا تو اپنے چالاک ملازموں سے چپکے سے اشارہ کر دیا کہ چاندی کا شاہی کٹورا بنیامین کے اسباب میں چپکے سے رکھ دیں۔ بعض نے کہا ہے یہ کٹورا سونے کا تھا۔ اسی میں پانی پیا جاتا تھا اور اسی سے غلہ بھر کے دیا جاتا تھا بلکہ ویسا ہی پیالہ تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھی تھا۔ پس آپ کے ملازمین نے ہوشیاری سے وہ پیالہ آپ کے بھائی حضرت بنیامین کی خورجی میں رکھ دیا۔ جب یہ چلنے لگے تو سنا کہ پیچھے سے منادی ندا کرتا آرہا ہے کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ ان کے کان کھڑے، رک گئے، ادھر متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ آپ کی کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ جواب ملا کہ شاہی پیمانہ جس سے اناج ناپا جاتا تھا، سنو شاہی اعلان ہے کہ اس کے ڈھونڈ لانے والے کو ایک بوجھ غلہ ملے گا اور میں خود ضامن ہوں۔

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ۝
وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے۔

تمہاری کیا چیز چوری ہوئی ہے

"قَالُوْا وَ" قَدْ "اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ" مَا الَّذِیْ "تَفْقِدُوْنَ" ـ ہُ،

وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے۔

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝
وہ بولے، ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں مل رہا اور جو کوئی اسے (ڈھونڈ کر) لے آئے اس کے لئے ایک اونٹ کا غلہ ہے
اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

شاہی پیالہ کی برآمدگی پر انعام دینے کا بیان

"قَالُوْا نَفْقِد صُوَاع" صَاع "الْمَلِك وَلِمَنْ جَاءَ بِهٖ حِمْل بَعِير" مِنْ الطَّعَام "وَاَنَا بِهٖ" بِالْحِمْلِ "زَعِيم" كَفِيل،

وہ (درباری ملازم) بولے، ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں مل رہا اور جو کوئی اسے ڈھونڈ کر لے آئے اس کے لئے ایک اونٹ کا غلہ

انعام ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ یعنی اس کو انعام دوں گا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ۝
وہ کہنے لگے، اللہ کی قسم! بیشک تم جان گئے ہو (گے) ہم اس لئے نہیں آئے تھے کہ (جرم کا ارتکاب کر کے)
زمین میں فساد بپا کریں اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

چوری کے الزام سے برأت کے اظہار کا بیان

"قَالُوْا تَاللّٰهِ" قَسَم فِيْهِ مَعْنَى التَّعَجُّب "لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ" مَا سَرَقْنَا قَطُّ،

وہ کہنے لگے، اللہ کی قسم، یہاں پر قسم میں تعجب کا معنی پایا جاتا ہے۔ بیشک تم جان گئے ہو گے، ہم اس لئے نہیں آئے تھے کہ جرم کا ارتکاب کر کے زمین میں فساد بپا کریں اور نہ ہی ہم چور ہیں۔ کیونکہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی۔

اپنے اوپر چوری کی تہمت سن کر برادران یوسف کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے تم ہمیں جان چکے ہو ہمارے عادات وخصائل سے واقف ہو چکے ہو ہم ایسے نہیں کہ کوئی فساد اٹھائیں ہم ایسے نہیں ہیں کہ چوریاں کرتے پھریں۔ شاہی ملازموں نے کہا اچھا اگر جام و پیمانے کا چور تم میں سے ہی کوئی ہو اور تم جھوٹے پڑو تو اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ جواب دیا کہ دین ابراہیمی کے مطابق اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اس شخص کے سپرد کر دیا جائے، جس کا مال اس نے چرایا ہے، ہماری شریعت کا یہی فیصلہ ہے۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کا مطلب پورا ہو گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کی تلاشی لی جائے چنانچہ پہلے بھائیوں کے اسباب کی تلاشی لی، حالانکہ معلوم تھا کہ ان کی خورجیاں خالی ہیں لیکن صرف اس لئے کہ انہیں اور دوسرے لوگوں کو کوئی شبہ نہ آپ نے یہ کام کیا۔ جب بھائیوں کی تلاشی ہو چکی اور جام نہ ملا تو اب بنیامین کے اسباب کی تلاشی شروع ہوئی چونکہ ان کے اسباب میں رکھوایا تھا اس لئے اس میں سے نکلنا ہی تھا، نکلتے ہی حکم دیا کہ انہیں روک لیا جائے۔ یہ تھی وہ ترکیب جو جناب باری نے اپنی حکمت اور حضرت یوسف کی اور بنیامین وغیرہ کی مصلحت کے لئے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو سکھائی تھی۔ کیونکہ شاہ مصر کے قانون کے مطابق تو باوجود چور ہونے کے بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے لیکن چونکہ بھائی خود یہی فیصلہ کر چکے تھے، اس لئے یہی فیصلہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جاری کر دیا۔ آپ کو معلوم تھا کہ شرع ابراہیمی کا فیصلہ چور کی بابت کیا ہے۔ اس لئے بھائیوں سے پہلے ہی منوا لیا تھا۔ جس کے درجے اللہ بڑھانا چاہے، بڑھا دیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے تم میں سے ایمانداروں کے درجے ہم بلند کریں گے۔ ہر عالم سے بالا کوئی اور عالم بھی ہے یہاں تک کہ اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ اسی سے علم کی ابتدا ہے اور اسی کی طرف علم کی انتہا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فوق کل عالم علیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝
وہ بولے کہ اس (چور) کی کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے نکلے۔

اس زمانے کے مطابق چور کی سزا کا بیان

"قَالُوْا" اَیْ الْمُؤَذِّن وَاَصْحَابہ "فَمَا جَزَاؤُهٗ" اَیْ السَّارِق "اِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِيْنَ" فِیْ قَوْلِكُمْ مَا كُنَّا سَارِقِيْنَ وَوُجِدَ فِيْكُمْ،

وہ آواز دینے والے اور اس کے ساتھی بولے، تم خود ہی بتاؤ کہ اس چور کی کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے نکلے۔ یعنی اگر تمہاری بات جو چوری سے بری الذمہ ہونے کی ہے اگر یہ جھوٹ ہوئی تو سزا کیا ہوگی۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝
انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے وہ (پیالہ) برآمد ہو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے
(یعنی اسی کو اس کے بدلہ میں رکھ لیا جائے)، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

چوری شدہ مال کی برآمدگی کے لئے تلاشی لینے کا بیان

"قَالُوْا جَزَاؤُهٗ" مُبْتَدَأ خَبَره "مَنْ وُجِدَ فِیْ رَحْلِه" يُسْتَرَق ثُمَّ اُكِّدَ بِقَوْلِهٖ "فَهُوَ" اَیْ السَّارِق "جَزَاؤُهٗ" اَیْ الْمَسْرُوق لَا غَيْر وَكَانَتْ سُنَّة اٰل يَعْقُوْب "كَذٰلِكَ" الْجَزَاء "نَجْزِی الظَّالِمِيْنَ" بِالسَّرِقَةِ فَصَرَّحُوْا لِيُوْسُف بِتَفْتِيْشِ اَوْعِيَتهمْ،

یہاں پر جزاوہ مبتداء اور من وجد فی رحلہ اس کی خبر ہے۔ انہوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے وہ پیالہ برآمد ہو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے یعنی اسی کو اس کے بدلہ میں رکھ لیا جائے، آل یعقوب کے ہاں یہی قانون ہے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح چوری سزا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تلاشی کے لئے ان کو یوسف علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ
كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ
نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝
تو اس نے اس کے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اسے اس کے بھائی کے تھیلے سے نکال لیا۔
اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی، ممکن نہ تھا کہ بادشاہ کے قانون میں وہ اپنے بھائی کو رکھ لیتا مگر یہ کہ اللہ چاہے،
ہم جسے چاہتے ہیں درجوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔

آل یعقوب کے مطابق چوری کی سزا پر اجرائے قانون کا بیان

"فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ" فَفَتَّشَهَا "قَبْلَ وِعَاءِ اَخِيهِ" لِئَلَّا يُتَّهَمَ "ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا" اَىِ السِّقَايَةَ "كَذٰلِكَ" الْكَيْدَ "كِدْنَا لِيُوسُفَ" عَلَّمْنَاهُ الِاحْتِيَالَ فِىْ اَخْذِ اَخِيهِ "مَا كَانَ" يُوسُفُ "لِيَاْخُذَ اَخَاهُ" رَقِيقًا عَنِ السَّرِقَةِ "فِىْ دِيْنِ الْمَلِكِ" حُكْمِ مَلِكِ مِصْرَ لِاَنَّ جَزَاءَهُ عِنْدَهُ الضَّرْبُ وَتَغْرِيمُ مِثْلَىِ الْمَسْرُوقِ لَا الِاسْتِرْقَاقُ "اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ" اَخْذَهُ بِحُكْمِ اَبِيهِ اَىْ لَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْ اَخْذِهِ اِلَّا بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ بِاِلْهَامِهِ سُؤَالَ اِخْوَتِهِ وَجَوَابَهُمْ بِسُنَّتِهِمْ "نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ" بِالْاِضَافَةِ وَالتَّنْوِينِ فِى الْعِلْمِ كَيُوسُفَ "وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ" مِنَ الْمَخْلُوقِيْنَ "عَلِيْمٌ" اَعْلَمُ مِنْهُ حَتّٰى يَنْتَهِىَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى،

تو اس نے اس کے بھائی یعنی اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کے تھیلے سے نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی، یعنی بھائی کو اپنے پاس رکھ سکنے کی تدبیر بتائی۔ ممکن نہ تھا کہ بادشاہ یعنی بادشاہ مصر کے قانون میں وہ اپنے بھائی کو رکھ لیتا کیونکہ ان کے ہاں چور کی سزا اس کو مارنا پیٹنا اور چوری شدہ چیز سے دوگنا قیمت تھی مگر یہ کہ اللہ چاہے، یعنی انہوں نے اپنے والد گرامی کا قانون ان کو بتایا، لہٰذا یوسف علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق الہام کے ذریعے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے جوابی بیان کردہ قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرا سکنے پر قادر ہو گئے۔ ہم جسے چاہتے ہیں درجوں میں بلند کر دیتے ہیں یہاں درجات یہ اضافت اور تنوین دونوں طرح آیا ہے۔ اور ہر علم والے سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔ یعنی ہر علم والے سے اوپر بھی بڑا علم والا ہوتا ہے حتی کہ یہ علم کا عروج اللہ کی ذات پر جا کر مکمل ہو جاتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِىْ نَفْسِهٖ
وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝
انھوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو بے شک اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ تو یوسف نے اسے اپنے دل
میں پوشیدہ رکھا اور اسے ان کے لیے ظاہر نہیں کیا، کہا تم مرتبے میں زیادہ برے ہو اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

شاہی پیالہ کی چوری کے سبب سابقہ حسد کے اظہار کا بیان

"قَالُوْا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ" اَىْ يُوسُفُ وَكَانَ سَرَقَ لِاَبِىْ اُمِّهٖ صَنَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَكَسَرَهٗ لِئَلَّا يَعْبُدَهٗ "فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِىْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا" يُظْهِرْهَا "لَهُمْ" وَالضَّمِيرُ لِلْكَلِمَةِ الَّتِىْ فِىْ قَوْلِهٖ قَالُوْا "قَالَ" فِىْ نَفْسِهٖ "اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا" مِنْ يُوسُفَ وَاَخِيهِ لِسَرِقَتِكُمْ اَخَاكُمْ مِنْ اَبِيكُمْ وَظُلْمِكُمْ لَهٗ "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ" عَالِمٌ "بِمَا تَصِفُوْنَ" تَذْكُرُوْنَ مِنْ اَمْرِهٖ،

انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو بے شک اس سے پہلے اس کے ایک بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ یعنی اس

نے اپنے نانا کو سونے کا بت چوری کر کے توڑ دیا تھا تاکہ اس کی کوئی عبادت نہ کرے۔تو یوسف نے اسے اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اسے ان کے لیے ظاہر نہیں کیا، یہاں پر ہاء ضمیر اس کلمہ کی طرف لوٹنے والی ہے جو ان کے قول سے مفہوم اخذ کیا جاتا ہے کہا تم مرتبے میں زیادہ برے ہو یعنی تم اپنے بھائی یوسف کو اپنے باپ سے چوری کیا اور اس پر ظلم کیا۔اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔یعنی جس بات کا تم ذکر کر رہے ہو اس کو اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جس کو انہوں نے چوری قرار دے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف نسبت کیا،وہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نانا کا ایک بت تھا جس کو وہ پوجتے تھے،حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے وہ بت لیا اور توڑ کر راستہ میں نجاست کے اندر ڈال دیا،یہ حقیقت میں چوری نہ تھی بت پرستی کا مٹانا تھا۔بھائیوں کا اس ذکر سے یہ مدعا تھا کہ ہم لوگ بنیامین کے سوتیلے بھائی ہیں،یہ فعل ہو تو شاید بنیامین کا ہو،نہ ہماری اس میں شرکت،نہ ہمیں اس کی اطلاع۔اس سے جس کی طرف چوری کی نسبت کرتے ہو کیونکہ چوری کی نسبت حضرت یوسف کی طرف تو غلط ہے،فعل تو شرک کا ابطال اور عبادت تھا اور تم نے جو یوسف کے ساتھ کیا وہ بڑی زیادتیاں ہیں۔

بچپن میں یوسف علیہ السلام کے پاس کمر بند رکھنے کا بیان

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک بڑی بہن تھیں،جن کے پاس اپنے والد اسحاق علیہ السلام کا ایک کمر پٹہ تھا جو خاندان کے بڑے آدمی کے پاس رہا کرتا تھا۔حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوتے ہی اپنی ان پھوپھی صاحبہ کی پرورش میں تھے۔انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے کمال درجے کی محبت تھی۔ جب آپ کچھ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو لے جانا چاہا۔بہن صاحبہ سے درخواست کی۔لیکن بہن نے جدائی و ناقابل برداشت بیان کر کے انکار کر دیا۔ادھر آپ کے والد صاحب حضرت یعقوب علیہ السلام کے شوق کی بھی انتہا نہ تھی،سر ہو گئے۔آخر بہن صاحبہ نے فرمایا اچھا کچھ دنوں رہنے دو پھر لے جانا۔اسی اثنا میں ایک دن انہوں نے وہی کمر پٹہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے چھپا دیا،پھر تلاش شروع کی۔گھر بھر چھان مارا،نہ ملا،شور مچا،آخر یہ ٹھری کہ گھر میں جو ہیں،ان کی تلاشیاں لی جائیں۔تلاشیاں لی گئیں۔کسی کے پاس ہو تو نکلے آخر حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاشی لی گئی،ان کے پاس سے برآمد ہوا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر دی گئی۔اور ملت ابراہیمی کے قانون کے مطابق آپ اپنی پھوپھی کی تحویل میں کر دئے گئے۔ اور پھوپھی نے اس طرح اپنے شوق کو پورا کیا۔انتقال کے وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ چھوڑا۔اسی بات کا طعنہ آج بھائی دے رہے ہیں۔جس کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے اپنے دل میں کہا کہ تم بڑے خانہ خراب لوگ ہو اس کے بھائی کی چوری کا حال اللہ خوب جانتا ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم،سورہ یوسف،بیروت)

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○
وہ بولے: اے عزیزِ مصر! اس کے والد بڑے معمر بزرگ ہیں، آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں،
بیشک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں پاتے ہیں۔

بنیامین کی جگہ کسی دوسرے بھائی کو بہ طور سزا رکوانے کا مطالبہ کرنا

"قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا" يُحِبُّهُ اَكْثَر مِنَّا وَيَتَسَلّٰى بِهٖ عَنْ وَّلَده الْهَالِك وَيُحْزِنُهٗ فِرَاقه "فَخُذْ اَحَدَنَا" اسْتَعْبِدْهُ "مَكَانه" بَدَلًا مِنْهُ "اِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ" فِيْ اَفْعَالك،

وہ بولے، اے عزیزِ مصر! اس کے والد بڑے معمر بزرگ ہیں، وہ ہم سب سے بڑھ کر اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ اپنے جدا ہونے والے بیٹے کے فراق و غم کو اسی سے تسلی لے کر درد ہلکا کرتے ہیں۔ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں، جو اس کے بدلے میں ہوگا۔ بیشک ہم آپ کو اپنے اعمال میں احسان کرنے والوں میں پاتے ہیں۔

جب بنیامین کے پاس سے شاہی مال برآمد ہوا اور ان کے اپنے اقرار کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھہر چکے تو اب انہیں رنج ہونے لگا۔ عزیزِ مصر کو پرچانے لگے اور اسے رحم دلانے کے لئے کہا کہ ان کے والدان کے بڑے ہی دلدادہ ہیں۔ ضعیف اور بوڑھے شخص ہیں۔ ان کا ایک سگا بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے۔ جس کے صدمے سے وہ پہلے ہی سے چور ہیں اب جو یہ سنیں گے تو ڈر ہے کہ زندہ نہ بچ سکیں۔ آپ ہم میں سے کسی کو ان کے قائم مقام اپنے پاس رکھ لیں اور اسے چھوڑ دیں آپ بڑے محسن ہیں، اتنی عرض ہماری قبول فرما لیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھلا یہ سنگدلی اور ظلم کیسے ہو سکتا ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ چور کو روکا جائے گا نہ کہ شاہ کو نا کردہ گناہ کو سزا دینا اور گنہگار کو چھوڑ دینا یہ تو صریح ناانصافی اور بدسلوکی ہے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ○
یوسف (علیہ السلام) نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا اس کے سوا کسی (اور) کو پکڑ لیں
تب تو ہم ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

سزا کے لئے صرف برآمدگی والے کے انتخاب کا بیان

"قَالَ مَعَاذَ اللّٰه" نُصِبَ عَلَى الْمَصْدَر حُذِفَ فِعْله وَاُضِيْفَ اِلَى الْمَفْعُوْل اَىْ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ "اَنْ نَّاْخُذ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعنَا عِنْده" لَمْ يَقُلْ مَنْ سَرَقَ تَحَرُّزًا مِنَ الْكَذِب "اِنَّاۤ اِذًا لَظَالِمُوْنَ" اِنْ اَخَذْنَا غَيْره،

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا، اللہ کی پناہ، یہاں پر معاذ للہ مصدر منصوب ہے جبکہ اس عامل ناصب محذوف فعل نعوذ ہے۔ اس کی مصدر کی اضافت مفعولی ہے۔ کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں، یہاں پر حضرت یوسف

علیہ السلام نے جھوٹ سے بچنے کے لئے سرق کا لفظ استعمال نہیں کیا۔تب تو ہم ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔یعنی اگر اس کے سوا کسی اور کو سزا دیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ
عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ
حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝
پھر جب وہ یوسف (علیہ السلام) سے مایوس ہو گئے تو علیحدگی میں (باہم) سرگوشی کرنے لگے،ان کے بڑے (بھائی) نے کہا:
کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم اٹھوا کر پختہ وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے حق میں جو
زیادتیاں کر چکے ہو (تمہیں وہ بھی معلوم ہیں)،سو میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا جب تک مجھے میرا باپ اجازت
(نہ) دے یا میرے لئے اللہ کوئی فیصلہ فرما دے،اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

بنیامین کے بغیر کنعان جانے سے ایک بھائی کے انکار کا بیان

"فَلَمَّا اسْتَيَاسُوا" يَئِسُوْا "مِنْهُ خَلَصُوا " اعْتَزَلُوْا "نَجِيًّا" مَصْدَر يَصْلُح لِلْوَاحِدِ وَغَيْره اَیْ يُنَاجِی بَعْضهمْ بَعْضًا "قَالَ كَبِيْرهمْ " سِنًّا روبيل اَوْ رَاْيًا: يَهُوْذَا "اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا" عَهْدًا "مِنَ اللّٰه" فِیْ اَخِيكُمْ "وَمِنْ قَبْل مَا" زَائِدَة وَقِيْلَ مَا مَصْدَرِيَّة مُبْتَدَأ خَبَره مِنْ قَبْل "فَلَنْ اَبْرَح" اُفَارِق "الْاَرْض" اَرْض مِصْر "حَتّٰى يَاْذَن لِیْ اَبِی " بِالْعَوْدِ اِلَيْهِ "اَوْ يَحْكُم اللّٰه لِی " بِخَلَاصِ اَخِی "وَهُوَ خَيْر الْحَاكِمِيْنَ" اَعْدَلهمْ،

پھر جب وہ یوسف علیہ السلام سے خلاصی پانے میں مایوس ہو گئے تو علیحدگی میں باہم سرگوشی کرنے لگے،نجیا یہ مصدر ہے جو واحد وغیرہ کے لئے آتا ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ان کے بڑے بھائی نے کہا یعنی جو عمر کے لحاظ سے یا مشورے کے لحاظ سے بڑا تھا جس کا نام روبیل یا یہودا تھا۔کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے تمہارے بھائی کے بارے میں اللہ کی قسم اٹھوا کر پختہ وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے حق میں جو زیادتیاں کر چکے ہو تمہیں وہ بھی معلوم ہیں،یہاں پر ما زائدہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصدر یہ ہے مبتداء ہے اور اس کی خبر من قبل ہے۔لہٰذا میں اس سرزمین مصر سے ہرگز نہیں جاؤں گا یعنی جدا نہ ہوں گا۔جب تک مجھے میرا باپ واپس آنے اجازت نہ دے یا میرے لئے اللہ کوئی میرے بھائی کی نجات کا فیصلہ فرما دے،اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔یعنی سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے۔

جب برادران یوسف اپنے بھائی کے چھٹکارے سے مایوس ہو گئے،انہیں اس بات نے کشمکش وپیچ میں ڈال دیا کہ ہم والد سے سخت عہد پیمان کر کے آئے ہیں کہ بنیامین کو آپ کے حضور میں پہنچا دیں گے۔اب یہاں سے یہ کسی طرح چھوٹ نہیں سکتے۔الزام ثابت

ہو چکا ہماری اپنی قرارداد کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھہر چکے اب بتاؤ کیا کیا جائے اس آپس کے مشورے میں بڑے بھائی نے اپنا خیال ان لفظوں میں ظاہر کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس زبردست ٹھوس وعدے کے بعد جو ہم ابا جان سے کر کے آئے ہیں، اب انہیں منہ دکھانے کے قابل تو نہیں رہے نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے کہ کسی طرح بنیامین کو شاہی قید سے آزاد کر لیں پھر اس وقت ہمیں اپنا پہلا قصور اور نادم کر رہا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم سے اس سے پہلے سرزد ہو چکا ہے پس اب میں تو یہیں رک جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ یا تو والد صاحب میرا قصور معاف فرما کر مجھے اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دیں یا اللہ تعالیٰ مجھے کوئی فیصلہ بجھا دے کہ میں یا تو لڑ بھڑ کر اپنے بھائی کو لے کر جاؤں یا اللہ تعالیٰ کوئی اور صورت بنا دے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام روبیل تھا یا یہودا تھا یہی تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اور بھائیوں نے قتل کرنا چاہا تھا انہوں نے روکا تھا۔ اب یہ اپنے اور بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ تم ابا جی کے پاس جاؤ۔ انہیں حقیقت حال سے مطلع کرو۔ ان سے کہو کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ چوری کر لیں گے اور چوری کا مال ان کے پاس موجود ہے ہم سے تو مسئلے کی صورت پوچھی گئی ہم نے بیان کر دی۔ آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو اہل مصر سے دریافت فرما لیجئے جس قافلے کے ساتھ ہم آئے ہیں اس سے پوچھ لیجئے۔ کہ ہم نے صداقت، امانت، حفاظت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اور ہم جو کچھ عرض کر رہے ہیں، وہ بالکل راستی پر مبنی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤی اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ۝
تم اپنے باپ کی طرف لوٹ جاؤ پھر کہو، اے ہمارے باپ! بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے فقط
اسی بات کی گواہی دی تھی جس کا ہمیں علم تھا اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔

بوریوں رکھے گئے پیالے کے مشاہدے کا بیان

"ارْجِعُوا اِلٰی اَبِیکُمْ فَقُولُوا یا اَبَانَا اِنَّ ابْنك سَرَق وَمَا شَهِدْنَا" عَلَيْهِ "اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا" تَيَقَّنَّا مِنْ مُشَاهَدَة الصَّاع فِيْ رَحْله "وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ" لِمَا غَابَ عَنَّا حِين اِعْطَاء الْمَوْثِق "حَافِظِينَ" وَلَوْ عَلِمْنَا اَنَّهُ يَسْرِق لَمْ نَأْخُذهُ،

تم اپنے باپ کی طرف لوٹ جاؤ پھر جا کر کہو: اے ہمارے باپ! بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اس لئے وہ گرفتار کر لیا گیا اور ہم نے فقط اسی بات کی گواہی دی تھی یعنی ہم نے خود پیالہ کی برآمدگی کا اس کے پاس سے مشاہدہ کیا ہے۔ جس کا ہمیں علم تھا اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔ یعنی جو کچھ ہم سے غائب ہے۔ اور یہ اگر ہمیں اس بات کا پتہ ہوتا کہ وہ چوری کرے گا تو ہم اس کو اپنے ساتھ ہی نہ لے جاتے۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝
اور اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے (معلوم کر لیں) جس میں ہم آئے ہیں، اور بیشک ہم یقیناً سچے ہیں۔

برادران یوسف کا اپنی صفائی پیش کرنے کا بیان

"وَاسْاَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا " هِيَ مِصْر اَیْ اَرْسِلْ اِلٰی اَهْلِهَا فَاسْاَلْهُمْ "وَالْعِيرَ" اَصْحَابَ الْعِيرِ "الَّتِي اَقْبَلْنَا فِيهَا" وَهُمْ قَوْمٌ مِنْ كَنْعَانَ "وَاِنَّا لَصَادِقُونَ" فِي قَوْلِنَا فَرَجَعُوا اِلَيْهِ وَقَالُوْا لَهُ ذٰلِكَ،

اور اس بستی والوں سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے۔ جو مصر ہے یعنی کسی کو بھیج کر اہل مصر پوچھ کرا کے تحقیق کرالیں اور اس قافلہ والوں سے معلوم کرلیں جس میں ہم آئے ہیں، یعنی کنعان کے لوگ ہیں۔ اور بیشک ہم اپنے قول میں یقیناً سچے ہیں۔ لہٰذا وہ لوٹ کر آئے اور انہوں نے اسی طرح کہہ دیا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِي
بِهِمْ جَمِيعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ٥
یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا (ایسا نہیں) بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ بات تمہارے لئے مرغوب بنا دی ہے، اب صبر (ہی)
اچھا ہے، قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، بیشک وہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

برادران یوسف کو سابقہ واقعہ یوسف پر تنبیہ کرنے کا بیان

"قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ" زَيَّنَتْ "لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا" فَفَعَلْتُمُوْهُ اتَّهَمَهُمْ لِمَا سَبَقَ مِنْهُمْ مِنْ اَمْرِ يُوسُفَ "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ" صَبْرِي "عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِي بِهِمْ" بِيُوسُفَ وَاَخَوَيْهِ "جَمِيعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيمُ" بِحَالِي "الْحَكِيمُ" فِي صُنْعِهِ،

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ بات تمہارے لئے مرغوب بنا دی ہے، یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ قول ان کو یوسف علیہ السلام کے معاملہ پر تنبیہ کرنا ہے۔ اب صبر ہی اچھا ہے، قریب ہے کہ اللہ ان سب کو یعنی یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو میرے پاس لے آئے، بیشک وہ میرے حال کو جاننے والا، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

بھائیوں کی زبانی یہ خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہی فرمایا جو اس سے پہلے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے پیراہن یوسف خون آلود پیش کر کے اپنی گھڑی ہوئی کہانی سنائی تھی کہ صبر ہی بہتر ہے۔ آپ سمجھے کہ اسی کی طرح یہ بات بھی ان کی اپنی بنائی ہوئی ہے بیٹوں سے یہ فرما کر اب اپنی امید ظاہر کی جو اللہ سے تھی کہ بہت ممکن ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ میرے تینوں بچوں کو مجھ سے ملا دے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور آپ کے بڑے صاحبزادے روبیل کو جو مصر میں ٹھر گئے تھے اس امید پر کہ اگر موقعہ لگ جائے تو بنیامین کو خفیہ طور نکال لے جائیں یا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حکم دے اور یہ اس کی رضامندی کے ساتھ واپس لوٹیں۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے میری حالت کو خوب جان رہا ہے۔ حکیم ہے اس کی قضا و قدر اور اس کا کوئی کام حکمت

سے خالی نہیں ہوتا۔ اب آپ کے اس نئے رنج نے پرانا رنج بھی تازہ کر دیا اور حضرت یوسف کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انا للہ الخ پڑھنے کی ہدایات صرف اسی امت کو کی گئی ہے اس نعمت سے اگلی امتیں مع اپنے نبیوں کے محروم تھیں۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۝
اور یعقوب (علیہ السلام) نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے افسوس! یوسف (علیہ السلام کی جدائی) پر اور ان کی آنکھیں
غم سے سفید ہو گئیں سو وہ غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔

فراق یوسف میں آنکھوں کی بینائی کے چلے جانے کا بیان

"وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ" تَارِكًا خِطَابهمْ "وَقَالَ يَا اَسَفٰى" اَلْاَلِف بَدَل مِنْ يَآء الْإِضَافَة اَیْ يَا حُزْنِیْ "عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ" اِنْمَحَقَ سَوَادهمَا وَبُدِّلَ بَيَاضًا مِنْ بُكَائِهِ "مِنَ الْحُزْنِ" عَلَيْهِ "فَهُوَ كَظِيْم" مَغْمُوْم مَكْرُوْب لَا يُظْهِر كَرْبه،

اور یعقوب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا یعنی ان سے کلام کرنا چھوڑ دیا، اور کہا ہائے افسوس، یہاں پر اسفیٰ میں الف یاء سے تبدیل ہو کر آیا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی جدائی پر اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں یعنی ان کی آنکھوں کی سیاہی رونے کے وجہ سے سفید ہو گئی، لہٰذا وہ غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔ یعنی وہ مغموم ہیں یعنی اس حد درجہ کے درد کو ظاہر نہیں کرتے۔

آنکھوں سے کی کیفیت سے غم آگے بڑھ گیا

روتے روتے آنکھ کی سیاہی کا رنگ جاتا رہا اور بینائی ضعیف ہو گئی۔ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ و السلام کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اسّی ۸۰ برس روتے رہے اور احباء کے غم میں رونا جو تکلیف اور نمائش سے نہ ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی شکایت و بے صبری نہ پائی جائے رحمت ہے۔ ان غم کے ایام میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان مبارک پر کبھی کوئی کلمہ بے صبری کا نہ آیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ لوگ تجھ سے یہ کہہ کر دعا مانگتے ہیں کہ اے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے رب، تو تو ایسا کر کہ ان تین ناموں میں چوتھا نام میرا بھی شامل ہو جائے۔ جواب ملا کہ اے داؤد حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور صبر کیا۔ تیری آزائش ابھی ایسی نہیں ہوئی۔ اسحاق علیہ السلام نے خود اپنی قربانی منظور کر لی اور اپنا گلا کٹوانے بیٹھ گئے۔ تجھ پر یہ بات بھی نہیں آئی۔ یعقوب علیہ السلام سے میں نے ان کے لخت جگر کو الگ کر دیا اس نے بھی صبر کیا تیرے ساتھ یہ واقعہ بھی نہیں ہوا۔ بنی اسرائیل کی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو اس موقعہ پر جب کہ بنیامین قید میں تھے۔ ایک خط لکھا تھا جس میں انہیں رحم دلانے کے لئے لکھا تھا کہ ہم مصیبت

زدہ لوگ ہیں۔میرے دادا حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے۔میرے والد حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح کے ساتھ آزمائے گئے میں خود فراق یوسف میں مبتلا ہوں۔لیکن یہ روایت بھی سنداً ثابت نہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ یوسف، بیروت)

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ○

وہ بولے، اللہ کی قسم! آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ قریب مرگ ہو جائیں گے یا آپ وفات پا جائیں گے۔

وقت وصال تک فراق یوسف میں روتے رہنے کا بیان

"قَالُوْا تَاللّٰهِ" لَا "تَفْتَأُ" تَزَالُ "تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا" مُشْرِفًا عَلَى الْهَلَاكِ لِطُوْلِ مَرَضِكَ وَهُوَ مَصْدَرٌ يَسْتَوِي فِيْهِ الْوَاحِدُ وَغَيْرُهُ "اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ" الْمَوْتٰى،

وہ بولے، اللہ کی قسم! آپ ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ قریب مرگ ہو جائیں گے یعنی اتنی طویل مدت تک ان کے غم میں رہیں گے یہاں پر حرضا یہ مصدر ہے جو واحد وغیرہ سب کے لئے آتی ہے۔یا آپ وفات پا جائیں گے۔یعنی آپ کا وصال ہو جائے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور ان سے ملنے کی توقع رکھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا خواب حق ہے، ضرور واقع ہوگا۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت ملک الموت سے دریافت کیا کہ تم نے میرے بیٹے یوسف کی روح قبض کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، اس سے بھی آپ کو ان کی زندگانی کا اطمینان ہوا اور آپ نے اپنے فرزندوں سے فرمایا۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، بیروت)

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○

انہوں نے فرمایا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد صرف اللہ کے حضور کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے معلوم ہونے کا بیان

"قَالَ" لَهُمْ "اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي" هُوَ عَظِيْمُ الْحُزْنِ الَّذِيْ لَا يُصْبَرُ عَلَيْهِ حَتّٰى يُبَثَّ اِلَى النَّاسِ "وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ" لَا اِلٰى غَيْرِهِ فَهُوَ الَّذِيْ تَنْفَعُ الشَّكْوٰى اِلَيْهِ "وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" مِنْ اَنَّ رُؤْيَا يُوْسُفَ صِدْقٌ وَهُوَ حَيٌّ ثُمَّ قَالَ:

انہوں نے فرمایا میں تو اپنی پریشانی اور غم یعنی وہ بڑا دکھ جس پر انسانوں میں سے کوئی انسان صبر نہیں کر سکتا۔میں اسی لئے صبر کرتا ہوں تاکہ کو معلوم ہو جائے۔اس کے سوا کسی کے سامنے کی ہوئی فریاد کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔یعنی میں یوسف علیہ السلام کے خواب کی سچی تعبیر جانتا ہوں لہٰذا وہ زندہ ہیں اور پھر اس کے بعد

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَ لَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۝
اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کی خبر لے آؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو،
بیشک اللہ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

جاؤ یوسف و بنیامین کو تلاش کرو

"یَا بَنِیَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوسُفَ وَاَخِیهِ" اُطْلُبُوا خَبَرهمَا "وَلَا تَیْاَسُوا" تَقْنَطُوا "مِنْ رَوْحِ اللّٰه" رَحْمَته فَانْطَلَقُوا نَحْو مِصْر لِیُوسُف،

اے میرے بیٹو! جاؤ کہیں سے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کی خبر لے آؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ پس برادران یوسف مصر کی طرف چلے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ تم ادھر ادھر جاؤ اور حضرت یوسف اور بنیامین کی تلاش کرو۔ عربی میں تحسس کا لفظ بھلائی کی جستجو کے لئے بولا جاتا ہے اور برائی کی ٹٹول کے لئے تجسس کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ساتھ میں فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہیے اس کی رحمت سے مایوس وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ تم تلاش بند نہ کرو، اللہ سے نیک امید رکھو اور اپنی کوشش جاری رکھو۔ چنانچہ یہ لوگ چلے، پھر مصر پہنچے، حضرت یوسف کے دربار میں حاضر ہوئے، وہاں اپنی خستہ حالی ظاہر کی کہ قحط سالی نے ہمارے خاندان کو ستا رکھا ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں رہا، جس سے غلہ خریدتے اب ردی، واہی، ناقص، بیکار، کھوٹی اور قیمت نہ بننے والی کچھ یونہی سی رکھی رکھائی چیزیں لے کر آپ کے پاس آئے ہیں گو یہ بدلہ نہیں کہا جا سکتا نہ قیمت بنتی ہے لیکن تاہم ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں وہی دیجئے جو سچی صحیح اور پوری قیمت پر دیا کرتے ہیں۔ ہمارے بوجھ بھر دیجئے، ہماری بوریاں بھر کر دیجئے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ
فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۝
پس جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے، اے عزیز مصر! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر
مصیبت آن پڑی ہے اور ہم یہ تھوڑی سی رقم لے کر آئے ہیں سو ہمیں (غلہ کا) پورا پورا ناپ دے دیں اور ہم پر
کچھ صدقہ بھی کر دیں۔ بیشک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے برادران یوسف کا خیرات طلب کرنے کا بیان

"فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰاَيُّهَا الْعَزِيز مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرّ " الْجُوْع "وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاة" مَدْفُوعَة يَدْفَعهَا كُلّ مَنْ رَآهَا لِرَدَاءَ تِهَا وَكَانَتْ دَرَاهِم زُيُوفًا اَوْ غَيْرهَا "فَاَوْفِ" اَتِمّ "لَنَا الْكَيْل وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا " بِالْمُسَامَحَةِ عَنْ رَدَاءَة بِضَاعَتنَا "اِنَّ اللّٰه يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ " يُثِيبهُمْ فَرَقَّ لَهُمْ وَاَدْرَكَتْهُ الرَّحْمَة وَرَفَعَ الْحِجَاب بَيْنه وَبَيْنهمْ،

لہٰذا جب وہ دوبارہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے، اے عزیز مصر! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر مصیبت آن پڑی ہے ہم شدید قحط میں مبتلا ہیں اور ہم یہ تھوڑی سی رقم لے کر آئے ہیں یعنی جس نے بھی اس رقم کو دیکھا ہے اس کو ٹھکرادیا ہے۔ کیونکہ یہ کھوٹے سکے وغیرہ ہیں۔ اس کے بدلے ہمیں غلہ کا پورا پورا ناپ دے دیں اور اس کے علاوہ یعنی سکوں کی قیمت کے سوا ہم پر کچھ صدقہ بھی کر دیں۔ بیشک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ یعنی ان کو ثواب دیتا ہے پس یوسف علیہ السلام کو ان پر ترس آیا تو اسی ترس نے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان حجاب دور کر دیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام ہوا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر استدلال کیا کہ نہیں ہوا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ کیا کسی شخص کا اپنی دعا میں یہ کہنا مکروہ ہے کہ یا اللہ مجھ پر صدقہ کر۔ فرمایا ہاں اس لئے کہ صدقہ وہ کرتا ہے جو طالب ثواب ہو۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○
یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا
سلوک کیا تھا کیا تم اس وقت نادان تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا برادران یوسف سے احوال یوسف پوچھنے کا بیان

ثُمَّ "قَالَ" لَهُمْ تَوْبِيخًا "هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُف" مِنْ الضَّرْب وَالْبَيْع وَغَيْر ذٰلِكَ "وَاَخِيه" مِنْ هَضْمكُمْ لَهُ بَعْد فِرَاق اَخِيه "اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ" مَا يَئُول اِلَيْهِ اَمْر يُوسُف

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف کو مار پیٹ کر اور فروخت کر کے کیا سلوک کیا۔ اور اس کی جدائی کے بعد اس کے بھائی کے ساتھ کیا ظالمانہ سلوک کیا تھا کیا تم اس وقت نادان تھے۔ پس جب ان پر یوسف علیہ السلام کا معاملہ ظاہر ہوگیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی بھائیوں پر سب واقعہ ظاہر کردیا

جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اس عاجزی اور بیبسی کی حالت میں پہنچے اپنے تمام دکھ رونے لگے 'اپنے والد

کی اور اپنے گھر والوں کی مصیبتیں بیان کیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا نہ رہا گیا۔ اپنے سر سے تاج اتار دیا اور بھائیوں سے کہا کچھ اپنے کرتوت یاد بھی ہیں کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ نری جہالت کا کرشمہ تھا اسی لئے بعض سلف فرماتے ہیں کہ اللہ کا ہر گنہگار جاہل ہے۔ قرآن فرماتا ہے آیت (ثم ان ربک للذین عملوا السوء بجھالتہ) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی دو دفعہ کی ملاقات میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا حکم اللہ نہ تھا۔ اب کی مرتبہ حکم ہو گیا۔ آپ نے معاملہ صاف کر دیا۔ جب تکلیف بڑھ گئی' سختی زیادہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے راحت دے دی اور کشادگی عطا فرما دی۔ جیسے ارشاد ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی ہے یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ اب بھائی چونک پڑے' کچھ اس وجہ سے کہ تاج اتارنے کے بعد پیشانی کی نشانی دیکھ لی اور کچھ اس قسم کے سوالات' کچھ حالات' کچھ اگلے واقعات سب سامنے آ گئے' تاہم اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ آپ نے اس سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہاں میں خود یوسف ہوں اور یہ میرا سگا بھائی ہے' اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا' بچھڑنے کے بعد ملا دیا' تفرقہ کے بعد اجتماع کر دیا' تقویٰ اور صبر رائگاں نہیں جاتے۔ نیک کاری پھل لائے نہیں رہتی۔ اب تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی کا اقرار کر لیا کہ واقعی صورت سیرت دونوں اعتبار سے آپ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ملک و مال کے اعتبار سے بھی اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اسی طرح بعض کے نزدیک نبوت کے اعتبار سے بھی کیونکہ حضرت یوسف نبی تھے اور یہ بھائی نبی نہ تھے۔ اس اقرار کے بعد اپنی خطا کاری کا بھی اقرار کیا۔ اسی وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں آج کے دن کے بعد سے تمہیں تمہاری یہ خطا یاد بھی نہ دلاؤں گا' میں تمہیں کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنا نہیں چاہتا نہ تم پر الزام رکھتا ہوں نہ تم پر اظہار خفگی کرتا ہوں بلکہ میری دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرمائے وہ ارحم الراحمین ہے۔ بھائیوں نے عذر پیش کیا' آپ نے قبول فرما لیا اللہ تمہاری پردہ پوشی کرے اور تم نے جو کیا ہے اسے بخش دے۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ یوسف، بیروت)

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِىْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ
اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝
وہ بولے کیا واقعی تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے فرمایا: (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بیشک اللہ نے
ہم پر احسان فرمایا ہے، یقیناً جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو بیشک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف کے درمیان پہچان ہو جانے کا بیان

"قَالُوا" بَعْدَ اَنْ عَرَفُوهُ لِمَا ظَهَرَ مِنْ شَمَائِلِه مُتَثَبِّتِينَ "اَاِنَّكَ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَة وَاِدْخَال اَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ "لَاَنْتَ يُوسُف قَالَ اَنَا يُوسُف وَهٰذَا اَخِي قَدْ مَنَّ" اَنْعَمَ "اللّٰه عَلَيْنَا" بِالِاجْتِمَاعِ "اِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ" يَخَفِ اللّٰه "وَيَصْبِر" عَلٰى مَا يَنَالهُ "فَاِنَّ اللّٰه لَا يُضِيع اَجْر

الْمُحْسِنِينَ" فِيهِ وَضع الظَّاهِر مَوْضِعِ الْمُضْمَر،

حضرت یوسف علیہ السلام کے اوصاف ظاہر ہو جانے کے بعد جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو وہ بولے، کیا واقعی تم ہی یوسف ہو؟ یہاں پر اانک یہ دو ہمزوں کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں دوسرے کی تسہیل ہے یعنی دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بیشک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے، یعنی ہم کو اکٹھا کیا ہے۔ یقیناً جو شخص اللہ سے ڈرتا اور پہنچنے والی سختی پر صبر کرتا ہے تو بیشک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہاں پر بھی اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۝
وہ بول اٹھے، اللہ کی قسم! بیشک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔

برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کے مرتبے کا اعتراف کرلیا

"قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ" فَضَّلَكَ "اللّٰهُ عَلَيْنَا" بِالْمُلْكِ وَغَيْرِه "وَاِنْ" مُخَفَّفَة اَیْ اِنَّا "كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ" اٰثِمِيْنَ فِیْ اَمْرِكَ فَاَذْلَلْنَاكَ،

وہ بول اٹھے، اللہ کی قسم! بیشک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے یعنی بادشاہت وغیرہ عطا کی ہے۔ اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔ یہاں پر اِن مخففہ ہے یعنی اس معاملے میں ہم ہی غلطی کرنے والے ہیں۔ پس اللہ نے ہمیں تیرے سامنے رسوا کر دیا۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝
یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا، آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہیں معاف فرما دے
اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

یوم ملامت کو خاص طور پر ذکر کرنے کا بیان

"قَالَ لَا تَثْرِيْبَ" عَتْبَ "عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" خَصَّهُ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُ مَظِنَّةُ التَّثْرِيْب فَغَيْرُه اَوْلٰى وَسَاَلَهُمْ عَنْ اَبِيْهِ فَقَالُوْا ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ،

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا آج کے دن تم پر کوئی ملامت اور گرفت نہیں ہے، یہاں پر یوم اس لئے خاص ذکر کیا ہے کیونکہ وہ دن ملامت کا دن تھا۔ اللہ تمہیں معاف فرما دے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے اپنے والد گرامی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کی آنکھوں کی بینائی جا چکی ہے۔ تو اس پر آپ نے فرمایا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
میرا یہ قمیص لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے، اور (پھر)
اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے آنکھوں کی بینائی لوٹ آنے کا بیان

"اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا" وَهُوَ قَمِيص اِبْرَاهِيم الَّذِيْ لَبِسَهُ حِيْن اُلْقِيَ فِي النَّار كَانَ فِيْ عُنُقه فِي الْجُبّ وَهُوَ مِنَ الْجَنَّة اَمَرَهُ جِبْرِيْل بِاِرْسَالِهِ وَقَالَ اِنَّ فِيْهِ رِيحهَا وَلَا يُلْقٰى عَلٰى مُبْتَلًى اِلَّا عُوفِيَ "فَاَلْقُوهُ عَلٰى وَجْه اَبِيْ يَاْتِ" بَصِيْرًا، وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ،

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہ قمیص لے جاؤ، اور یہ وہی قمیص تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت پہنا تھا جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ آپ نے کنوئیں میں بھی اسی کو پہنا ہوا تھا۔ اور یہ جنتی لباس تھا۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اس قمیص کو بھیجنے کے لئے کہا تھا۔ اور آپ نے فرمایا تھا کہ اس میں ایک خوشبو ہے جب کسی پریشانی میں مبتلاء شخص پر ڈالی جائے تو اس کے لئے عافیت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے، اور پھر اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

جسم نبوت والے لباس کی شان کا بیان

ضحاک اور مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہ اس کرُتے کی خصوصیت تھی کیونکہ یہ عام کپڑوں کی طرح نہ تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جب ان کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا پھر یہ جنت کا لباس ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس محفوظ رہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا آپ نے اس کو ایک بڑی متبرک شے کی حیثیت سے ایک نلکی میں بند کر کے یوسف علیہ السلام کے گلے میں بطور تعویذ کے ڈال دیا تھا تا کہ نظر بد سے محفوظ رہیں برادران یوسف نے جب ان کا کرتہ والد کو دھوکہ دینے کے لئے اتار لیا اور وہ کنویں میں ڈال دیئے گئے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی کھول کر اس سے یہ کرُتہ برآمد کیا اور یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا اور یہ ان کے پاس برابر محفوظ چلا آیا اس وقت بھی جبرئیل امین ہی نے یوسف علیہ السلام کو یہ مشورہ دیا کہ یہ جنت کا لباس ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ نابینا کے چہرے پر ڈال دو تو وہ بینا ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ اس کو اپنے والد کے پاس بھیج دیجئے تو وہ بینا ہو جائیں گے۔ (تفسیر خازن، سورہ یوسف، بیروت)

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝
اور جب قافلہ روانہ ہوا ان کے والد نے (کنعان میں بیٹھے ہی) فرمادیا، بیشک میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں

اگر تم مجھے بڑھاپے کے باعث بہکا ہوا خیال نہ کرو۔

سرزمین مصر سے کنعان پہنچنے والی خوشبو کا بیان

"وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِير " خَرَجَتْ مِنْ عَرِيش مِصْر "قَالَ اَبُوْهُمْ " لِمَنْ حَضَرَ مِنْ بَنِيهِ وَاَوْلَادهمْ "اِنِّي لَاَجِد رِيح يُوسُف" اَوْصَلَته اِلَيْهِ الصِّبَا بِاِذْنِهِ تَعَالٰى مِنْ مَّسِير ثَلَاثَة اَيَّام اَوْ ثَمَانِيَة اَوْ اَكْثَر "لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ" تُسَفِّهُوْنِ لَصَدَّقْتُمُوْنِي،

اور جب قافلہ مصر کی سرحدوں سے روانہ ہوا ان کے والد یعقوب علیہ السلام یعنی جب وہ جوان پوتوں کے پاس موجود تھے، ان سے کنعان میں بیٹھے ہی فرما دیا بیشک میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، یعنی اللہ کے حکم سے ہوا نے تین دن یا آٹھ دن یا اس سے زیادہ کی مسافت میں خوشبو پہنچا دی تھی اگر تم مجھے بڑھاپے کے باعث بہکا ہوا خیال نہ کرو۔ یعنی میری صداقت کو بڑھاپے کی نذر اگر نہ کرو تو حقیقت یہی ہے۔

ادھر یہ قافلہ مصر سے نکلا، ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کی خوشبو پہنچا دی تو آپ نے اپنے ان بچوں سے جو آپ کے پاس تھے فرمایا کہ مجھے تو میرے پیارے فرزند یوسف کی خوشبو آ رہی ہے لیکن تم تو مجھے کم عقل بوڑھا کہہ کر میری اس بات کو باور نہیں کرنے کے۔ ابھی قافلہ کنعان سے آٹھ دن کے فاصلے پر تھا جو بحکم الٰہی ہوا نے حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کے پیراہن کی خوشبو پہنچا دی۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کی مدت اسی سال کی گزر چکی تھی اور قافلہ اسی فرسخ آپ سے دور تھا۔ لیکن بھائیوں نے کہا آپ تو یوسف کی محبت میں غلطی میں پڑے ہوئے ہیں نہ غم آپ کے دل سے دور ہو نہ آپ کو تسلی ہو۔ ان کا یہ کلمہ بڑا سخت تھا کسی لائق اولاد کو لائق نہیں کہ اپنے باپ سے یہ کہہ دے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝
وہ بولے، اللہ کی قسم یقیناً آپ اپنی اسی پرانی محبت کی خودرفتگی میں ہیں۔

زمانوں کی طوالت کے باوجود محبت یوسف کا بیان

"قَالُوا" لَهٗ "تَاللّٰهِ اِنَّكَ فِيْ ضَلَالِكَ" خَطَئِكَ "الْقَدِيم" مِنْ اِفْرَاطِكَ فِيْ مَحَبَّته وَرَجَاء لِقَائِهِ عَلٰى بُعْد الْعَهْد،

وہ بولے، اللہ کی قسم یقیناً آپ اپنی اسی پرانی محبت کی خودرفتگی میں ہیں۔ یعنی آپ محبت میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور ایک طویل مدت کے بعد بھی ان سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ
اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیص یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ
آئی، یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

آنکھوں کو بینائی بخشنے والی قمیص شفا کا بیان

"فَلَمَّا اَنْ " زَائِدَة "جَاءَ الْبَشِير " يَهُوذَا بِالْقَمِيصِ وَكَانَ قَدْ حَمَلَ قَمِيص الدَّم فَاَحَبَّ اَنْ يُفْرِحهُ كَمَا اَحْزَنَهُ "اَلْقَاهُ" طَرَحَ الْقَمِيص "عَلٰى وَجْهه فَارْتَدَّ" رَجَعَ،قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّىْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ،

پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا، یہاں پر اَن زائدہ ہے۔ مراد اس سے یہودا ہے کیونکہ خون آلودہ قمیص بھی وہی لے گیا تھا تو اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں جس طرح ان کو غم میں نے پہنچایا ہے اسی طرح خوشی کی خبر بھی میں ہی ان کو پہنچاؤں، اس نے وہ قمیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی، یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرطِ شوق کے سبب راستے میں کھانا بھی نہ کھایا

لشکر کے آگے آگے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہودا تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس خون آلودہ قمیص بھی میں ہی لے کر گیا تھا، میں نے ہی کہا تھا کہ یوسف (علیہ السلام) کو بھیڑیا کھا گیا، میں نے ہی انھیں غمگین کیا تھا ، آج کرتا بھی میں ہی لے کر جاؤں گا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی زندگانی کی فرحت انگیز خبر بھی میں ہی سناؤں گا، تو یہودا بَرَہنہ سر، بَرَہنہ پا، کرتا لے کر اسّی ۸۰ فرسنگ دوڑتے آئے، راستہ میں کھانے کے لئے سات روٹیاں ساتھ لائے تھے، فرطِ شوق کا یہ عالم تھا کہ ان کو بھی راستہ میں کھا کر تمام نہ کر سکے۔

- حضرت یعقوب علیہ السلام نے دریافت فرمایا یوسف کیسے ہیں؟ یہودا نے عرض کیا حضور وہ مصر کے بادشاہ ہیں۔ فرمایا میں بادشاہی کو کیا کروں، یہ بتاؤ کس دین پر ہیں؟ عرض کیا دین اسلام پر ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، بیروت)

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ۝
وہ بولے، اے ہمارے باپ! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے، بیشک ہم ہی خطا کار تھے۔

توجہ اور دعا کر کے خدا سے ہمارے گناہ معاف کرائیے ہم سے بڑی بھاری خطائیں ہوئی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف کر دیں۔ پھر صاف دل ہو کر بارگاہ رب العزت سے معافی دلوائیں کیونکہ جو خود نہ بخشے وہ خدا سے کہاں بخشوائے گا۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝
یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا،

بیشک وہی بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

برادران یوسف کی توبہ کا بیان

"قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْم " اَخَّرَ ذٰلِكَ اِلَى السَّحَرِ لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى الْاِجَابَةِ اَوْ اِلٰى لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ ثُمَّ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِصْرَ وَخَرَجَ يُوْسُفُ وَالْاَكَابِرُ لِتَلَقِّيْهِمْ،

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا، بیشک وہی بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ پس آپ نے سحری کے وقت تک مؤخر کیا تاکہ بخشش کا وقت قریب آجائے۔ یا آپ نے جمعرات تک مؤخر کیا اس کے بعد وہ مصر کی طرف چلے اور حضرت یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے اکابرین مصر کے ساتھ باہر آئے۔

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فوراً ہی دعاء کرنے کے بجائے وعدہ کیا کہ عن قریب دعاء کروں گا اس کی وجہ عام مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ مقصود اس سے یہ تھا کہ اہتمام کے ساتھ آخر شب کے وقت میں دعاء کریں کیونکہ اس وقت کی دعاء خصوصیت سے قبول کی جاتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں زمین سے قریب تر آسمان پر نزول اجلال فرماتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کو قبول کرلوں کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کردوں۔

حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کی ملاقات میں سلام کی ابتداء کا بیان

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت سحر بعد نماز ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے صاحبزادوں کے لئے دعا کی، وہ قبول ہوئی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی فرمائی گئی کہ صاحبزادوں کی خطا بخش دی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو مع ان کے اہل و اولاد کے بلانے کے لئے اپنے بھائیوں کے ساتھ دوسو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل کو جمع کیا، کل مرد و زن بہتّر یا تہتّر تن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ برکت فرمائی کہ ان کی نسل اتنی بڑھی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اس سے صرف چار سو سال بعد ہے۔ الحاصل جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر آپ اپنے والد صاحب کے استقبال کے لئے صدہا ریشمی پھریرے اڑاتے، قطاریں باندھے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یہودا کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے جب آپ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ صحرا زرق برق سواروں سے پر ہو رہا ہے، فرمایا اے یہودا کیا یہ فرعونِ مصر ہے جس کا لشکر اس شوکت و شکوہ سے آ رہا ہے؟ عرض کیا نہیں یہ حضور کے فرزند یوسف ہیں علیہم السلام۔

حضرت جبریل نے آپ کو متعجب دیکھ کر عرض کیا، ہوا کی طرف نظر فرمائیے، آپ کے سرور میں شرکت کے لئے ملائکہ حاضر ہوئے ہیں جو مدّتوں آپ کے غم کے سبب روتے رہے ہیں، ملائکہ کی تسبیح نے اور گھوڑوں کے ہنہنانے نے اور طبل و بوق کی آوازوں نے عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی یہ محرّم کی دسویں تاریخ تھی جب دونوں حضرات والد و ولد، پدر و پسر قریب ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام عرض کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ توقّف کیجئے اور والد صاحب کو ابتداءً بسلام کا موقع دیجئے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَامُذْهِبَ الْاَحْزَانِ" (یعنی اے غم واندوہ کے دور کرنے والے سلام) اور دونوں صاحبوں نے اتر کر معانقہ کیا اور مل کر خوب روئے پھر اس مزین فرودگاہ میں داخل ہوئے جو پہلے سے آپ کے استقبال کے لئے نفیس خیمے وغیرہ نصب کر کے آراستہ کی گئی تھی، یہ دخول حدود مصر میں تھا اس کے بعد دوسرا دخول خاص شہر میں ہے جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، لاہور)

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ٥
پھر جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس آئے (تو) یوسف (علیہ السلام) نے اپنے ماں باپ کو تعظیماً اپنے قریب جگہ دی اور
(خوش آمدید کہتے ہوئے) فرمایا آپ مصر میں داخل ہو جائیں اگر اللہ نے چاہا، توامن وعافیت کے ساتھ (یہیں قیام کریں)۔

حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کی سرزمین مصر میں ملاقات کا بیان

"فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ" فِیْ مَضْرِبه "آوٰی" ضَمَّ "اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ" اَبَاهُ وَاُمّه اَوْ خَالَته "وَقَالَ" لَهُمْ "اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰه اٰمِنِیْنَ" فَدَخَلُوْا وَجَلَسَ یُوْسُفُ عَلٰی سَرِیْره،

پھر جب وہ سب اَفرادِ خانہ یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو یوسف علیہ السلام نے (شہر سے باہر آ کر ہزار ہا سواریوں، فوجیوں اور لوگوں کے ہمراہ شاہی جلوس کی صورت میں ان کا استقبال کیا اور) اپنے ماں باپ یعنی والد گرامی اور والدہ یعنی خالہ کو تعظیماً اپنے قریب جگہ دی (یا انہیں اپنے گلے سے لگا لیا) اور (خوش آمدید کہتے ہوئے) فرمایا آپ مصر میں داخل ہو جائیں اگر اللہ نے چاہا (تو) امن وعافیت کے ساتھ (یہیں قیام کریں)۔ اور یوسف علیہ السلام ایک تخت پر جلوہ فرما ہوئے۔

بھائیوں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے فرمایا تھا کہ اباجی کو اور گھر کے سب لوگوں کو یہیں لے آؤ۔ بھائیوں نے یہی کیا، اس بزرگ قافلے نے کنعان سے کوچ کیا جب مصر کے قریب پہنچے تو نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ خود شاہ مصر بھی استقبال کے لئے چلے اور حکم شاہی سے شہر کے تمام امیر امرا اور ارکان دولت بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ مروی ہے کہ خود شاہ مصر بھی استقبال کے لئے شہر سے باہر آیا تھا۔

عبد الرحمن کہتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت آپ کے والد صاحب کے ہمراہ آپ کی خالہ صاحبہ آئی تھیں۔ لیکن امام ابن جریر اور امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ کی والدہ خود ہی زندہ موجود تھیں، ان کی موت پر کوئی صحیح دلیل نہیں اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ اس بات کو چاہتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ زندہ

موجود تھیں، یہی بات ٹھیک بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یوسف، بیروت)

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ
جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○
اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے میں گرے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے
پہلے خواب کی تعبیر ہے، بیشک اسے میرے رب نے سچا کیا، اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ
سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی، بیشک میرا رب
جس بات کو چاہے آسان کردے، بیشک وہی علم وحکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے تعظیمی سجدے کا بیان

"وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ" اَجْلَسَهُمَا مَعَهُ "عَلَى الْعَرْشِ" السَّرِير "وَخَرُّوا" اَیْ اَبَوَاهُ وَاِخْوَته "لَهٗ سُجَّدًا" سُجُوْد انْحِنَاء لَا وَضْع جَبْهَة وَكَانَ تَحِيَّتهم فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَان "وَقَالَ يَا اَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْل رُؤْيَايَ مِنْ قَبْل قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْ" اِلَيَّ "اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنْ السِّجْن" لَمْ يَقُلْ مِنْ الْجُبّ تَكَرُّمًا لِئَلَّا تَخْجَل اِخْوَته "وَجَاءَ بِكُمْ مِنْ الْبَدْو" الْبَادِيَة "مِنْ بَعْد اَنْ نَزَغَ" اَفْسَدَ "الشَّيْطَان بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيف لِمَا يَشَاء اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْم" بِخَلْقِهِ "الْحَكِيْم" فِيْ صُنْعه وَاَقَامَ عِنْده اَبُوْهُ اَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ سَنَة اَوْ سَبْع عَشْرَة سَنَة وَكَانَتْ مُدَّة فِرَاقه ثَمَانِيْ عَشْرَة اَوْ اَرْبَعِيْنَ اَوْ ثَمَانِيْنَ سَنَة وَحَضَرَهُ الْمَوْت فَوَصَّى يُوسُفَ اَنْ يَحْمِلهُ وَيَدْفِنهُ عِنْد اَبِيْهِ فَمَضٰى بِنَفْسِهِ وَدَفَنَهُ ثَمَّةَ ثُمَّ عَادَ اِلٰى مِصْر وَاَقَامَ بَعْده ثَلَاثًا وَعِشْرِيْنَ سَنَة وَلَمَّا تَمَّ اَمْره وَعَلِمَ اَنَّهٗ لَا يَدُوم تَاقَتْ نَفْسه اِلَى الْمُلْك الدَّائِم فَقَالَ:

اور اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور سب یعنی آپ کے والدین اور بھائی آپ کے لیے سجدے میں گرے یعنی یہ جھکنے والا سجدہ ہے جبکہ پیشانی کے ذریعے زمین پر سر رکھنے والا سجدہ نہیں تھا، اور یہ اس زمانے کی شریعت کے مطابق تعظیمی سجدہ تھا۔ اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے، بیشک اسے میرے رب نے سچا کیا، یعنی میرے رب اس کو سچ کر دکھایا۔ اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ نے یہاں کنوئیں کا ذکر بہ طور اکرام ذکر نہ کیا تاکہ بھائیوں کو ندامت نہ ہو۔ اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی، بیشک میرا رب جس بات کو چاہے آسان کردے، بیشک وہی اپنی مخلوق کو جاننے والا، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس ۲۴ سال یا ۲۷ سال ٹھہرایا جبکہ ان کے فراق کا زمانہ ۱۸ سال یا

چالیس سال یا ۸۰ سال ہے۔اس کے بعد یعقوب علیہ السلام کا وصال ہوا۔تو یوسف علیہ السلام نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو والد گرامی اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدفین خود کی اس کے بعد واپس مصر آئے اور اس کے بعد آپ یہاں ۲۳ سال رہے جب آپ نے دیکھا حکم مکمل ہو گیا ہے۔اور جان لیا کہ یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ہے تو آپ نے دائمی بادشاہت کی طرف جانا پسند فرما لیا۔اور کہا۔

تعظیمی سجدہ اور ملاقات کے رقت انگیز مناظر کا بیان

آپ نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھا لیا۔اس وقت ماں باپ بھی اور گیارہ بھائی کل کے کل آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔آپ نے فرمایا ابا جی لیجئے میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی یہ ہیں گیارہ ستارے اور یہ ہیں سورج چاند جو میرے سامنے سجدے میں ہیں۔ان کی شرع میں یہ جائز تھی کہ بڑوں کو سلام کے ساتھ سجدہ کرتے تھے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ بات جائز ہی رہی لیکن اس ملت محمدیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی اور کے لئے سوائے اپنی ذات پاک کے سجدے کو مطلقاً حرام کر دیا۔اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اپنے لئے ہی مخصوص کر لیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے قول کا ماحصل مضمون یہی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ملک شام گئے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ شامی لوگ اپنے بڑوں کو سجدے کرتے ہیں یہ جب لوٹے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، آب نے پوچھا، معاذ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔آپ نے فرمایا اگر میں کسی کے لئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سجدہ کرے۔یہ سبب اس کے بہت بڑے حق کے جواس پر ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کے ابتدائی زمانے میں راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کے سامنے سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا سلمان مجھے سجدہ نہ کرو۔سجدہ اس اللہ کو کرو جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جو کبھی نہ مرے گا۔الغرض چونکہ اس شریعت میں جائز تھا اس لئے انہوں نے سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا لیجئے ابا جی میرے خواب کا ظہور ہو گیا۔ میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔اس کا انجام ظاہر ہو گیا۔چنانچہ اور آیت میں قیامت کے دن کے لئے بھی یہی لفظ بولا گیا ہے آیت (یوم یاتی تاویلہ) پس یہ بھی اللہ کا مجھ پر ایک احسان عظیم ہے کہ اس نے میرے خواب کو سچا کر دکھایا اور جو میں نے سوتے سوتے دیکھا تھا، الحمد للہ مجھے جاگنے میں بھی اس نے دکھا دیا۔اور احسان اس کا یہ بھی ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نجات دی اور تم سب کو صحرا سے یہاں لا کر مجھ سے ملا دیا۔آپ چونکہ جانوروں کے پالنے والے تھے، اس لئے عموماً بادیہ میں ہی قیام رہتا تھا، فلسطین بھی شام کے جنگلوں میں ہے اکثر اوقات پڑاؤ رہا کرتا تھا۔کہتے ہیں کہ یہ اولاج میں حسمی کے نیچے رہا کرتے تھے اور مویشی پالتے تھے، اونٹ بکریاں وغیرہ ساتھ رہتی تھیں۔

فرماتے ہیں اس کے بعد کہ شیطان نے ہم میں پھوٹ ڈلوا دی تھی، اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کے ویسے ہی

اسباب مہیا کر دیتا ہے اور اسے آسان اور سہل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اپنے افعال اقوال قضا وقدر مختار و مراد میں وہ با حکمت ہے۔ سلیمان کا قول ہے کہ خواب کے دیکھنے اور اس کی تاویل کے ظاہر ہونے میں چالیس سال کا وقفہ تھا۔ عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں خواب کی تعبیر کے واقع ہونے میں اس سے زیادہ زمانہ لگتا بھی نہیں یہ آخری مدت ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ باپ بیٹے اسی برس کے بعد ملے تم خیال تو کرو کہ زمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام سے زیادہ اللہ کا کوئی محبوب بندہ نہ تھا۔ پھر بھی اتنی مدت انہیں فراق یوسف میں گزری، ہر وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور دل میں غم کی موجیں اٹھتیں اور روایت میں ہے کہ یہ مدت تراسی سال کی تھی۔

فرماتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے گئے اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اسی برس تک آپ باپ کی نظروں سے اوجھل رہے۔ پھر ملاقات کے بعد تیئس برس زندہ رہے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ بقول قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ترپن برس کے بعد باپ بیٹا ملے۔ ایک قول ہے کہ اٹھارہ سال ایک دوسرے سے دور رہے اور ایک قول ہے کہ چالیس سال کی جدائی رہی اور پھر مصر میں باپ سے ملنے کے بعد سترہ سال زندہ رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل جب مصر پہنچے ہیں ان کی تعداد صرف تریسٹھ کی تھی اور جب یہاں سے نکلے ہیں اس وقت ان کی تعداد ایک لاکھ ستر ہزار کی تھی۔ مسروق کہتے ہیں آنے کے وقت یہ مع مرد و عورت تین سو نوے تھے، عبداللہ بن شداد کا قول ہے کہ جب یہ لوگ آئے کل چھیاسی تھے یعنی مرد عورت بوڑھے بچے سب ملا کر اور جب نکلے ہیں اس وقت ان کی گنتی چھ لاکھ سے اوپر اوپر تھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ یوسف، بیروت)

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

اے میرے رب! بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں، مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وقت وصال دعا کا بیان

"رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ" تَعْبِیْرِ الرُّؤْیَا "فَاطِر" خَالِق "السَّمٰوَات وَالْاَرْض اَنْتَ وَلِیّ" مُتَوَلِّی مَصَالِحِی "فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَة تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ" مِنْ اٰبَائِی فَعَاشَ بَعْد ذٰلِكَ اُسْبُوعًا اَوْ اَكْثَر وَمَاتَ وَلَهٗ مِائَة وَعِشْرُوْنَ سَنَة وَتَشَاحَّ الْمِصْرِیُّوْنَ فِیْ قَبْره فَجَعَلُوْهُ فِیْ صُنْدُوق مِنْ مَّرْمَر وَدَفَنُوْهُ فِیْ اَعْلَی النِّیل لِتَعُمّ الْبَرَكَة جَانِبَیْهِ فَسُبْحَان مَنْ لَّا انْقِضَاء لِمُلْكِهٖ،

اے میرے رب! بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام یعنی خوابوں کی تعبیر نکالنا سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو ہی دنیا وآخرت میں میرا کام بنانے والا ہے، مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔ یعنی جو میرے آباؤ اجداد ہیں۔ پس اس کے بعد آپ نے ایک ہفتہ یا زیادہ عرصہ گزارا ہوگا کہ آپ نے ۱۲۰ سال کی عمر مبارک میں وصال فرمایا۔ تو اہل مصر نے آپ کی تدفین وقبر میں اختلاف کیا۔ تو انہوں نے سنگ مرمر کے ایک صندوق میں جسد مبارک کو رکھ کر دریائے نیل کے اوپر والی جانب میں دفن کیا تا کہ دونوں اجانب کے لوگوں کے لئے باعث برکت ہو۔ پس وہی ذات پاک ہے جس کی بادشاہت ختم ہونے والی نہیں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے چار سو برس بعد موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا بیان

حضرت ابراہیم واسحٰق وحضرت یعقوب علیہم السلام، انبیاء سب معصوم ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا تعلیمِ امّت کے لئے ہے کہ وہ حسن خاتمہ کی دعا مانگتے رہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد ماجد کے بعد تیس سال رہے اس کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے مقامِ دفن میں اہل مصر کے اندر سخت اختلاف واقع ہوا، ہر محلّہ والے حصولِ برکت کے لئے اپنے ہی محلّہ میں دفن کرنے پر مصر تھے، آخر یہ رائے قرار پائی کہ آپ کو دریائے نیل میں دفن کیا جائے تا کہ پانی آپ کی قبر سے چھوتا ہوا گزرے اور اس کی برکت سے تمام اہل مصر فیضیاب ہوں چنانچہ آپ کو سنگِ رخام یا سنگِ مرمر کے صندوق میں دریائے نیل کے اندر دفن کیا گیا اور آپ وہیں رہے یہاںتک کہ چار سو برس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کا تابوت شریف نکالا اور آپ کو آپ کے آبائے کرام کے پاس ملک شام میں دفن کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، لاہور)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ۝
یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام
پکا کیا تھا اور وہ داؤ چل رہے تھے۔

انبیائے کرام کو وحی کے ذریعے علم غیب عطاء فرمانے کا بیان

"ذٰلِكَ" الْمَذْكُوْرِ مِنْ اَمْرِ یُوْسُفَ "مِنْ اَنْبَاءِ" اَخْبَارِ "الْغَیْبِ" مَا غَابَ عَنْكَ یَا مُحَمَّدُ "نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ" لَدٰی اِخْوَةِ یُوْسُفَ "اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ" فِیْ كَیْدِهٖ اَیْ عَزَمُوْا عَلَیْهِ "وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ" بِهٖ اَیْ لَمْ تَحْضُرْهُمْ فَتَعْرِفَ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرَ بِهَا وَاِنَّمَا حَصَلَ لَكَ عِلْمُهَا مِنْ جِهَةِ الْوَحْیِ،

یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام پکا کیا تھا اور وہ داؤ چل رہے تھے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود اور قریش نے مل کر آزمائش کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا

کہ اگر آپ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہیں تو یوسف علیہ السلام کا واقعہ بتلایئے کہ کیا اور کس طرح ہوا جب آپ نے وحی الٰہی یہ سب بتلا دیا اور وہ پھر بھی اپنے کفر وانکار پر جمے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا اس پر اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ آپ کی نبوت ورسالت کے دلائل واضح ہونے کے باوجود بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں آپ کتنی ہی کوشش کریں مطلب یہ ہے کہ آپ کا کام پہنچا دینا ہے۔ (تفسیر بغوی، سورہ یوسف، بیروت)

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۝
اور اکثر آدمی تم کتنا ہی چاہو ایمان نہ لائیں گے۔

کفار مکہ کا دلائل کے باوجود ایمان نہ لانے کا بیان

"وَمَا اَكْثَر النَّاس" اَیْ اَهل مَكَّة "وَلَوْ حَرَصْت" عَلٰى اِيْمَانهم،

اور اکثر آدمی یعنی اہل مکہ تم کتنا ہی چاہو کہ وہ ایمان لے آئیں لیکن وہ ایمان نہ لائیں گے۔

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۝
اور آپ ان سے اس پر کوئی صلہ تو نہیں مانگتے، یہ قرآن جملہ جہان والوں کے لئے نصیحت ہی تو ہے۔

قرآن کا جہان والوں کے لئے نصیحت ہونے کا بیان

"وَمَا تَسْاَلهُمْ عَلَيْهِ" اَیْ الْقُرْاٰن "مِنْ اَجْر" تَاْخُذهُ "اِنْ" مَا "هُوَ" اَیْ الْقُرْاٰن "اِلَّا ذِكْر" عِظَة،

اور آپ ان سے اس قرآن کا پیغام بتانے پر کوئی صلہ تو نہیں مانگتے، یہ قرآن جملہ جہان والوں کے لئے نصیحت یعنی وعظ کے طور پر تو ہے۔

قرآن وعلم دین کو ذریعہ دولت بنانے کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ یعنی دین کا علم حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جا کر ان کی دنیا اور (دولت) میں سے اپنا حصّہ حاصل کریں گے اور اپنے دین کو ان سے یکسو رکھیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا (کہ دین و دنیا ایک جگہ جمع ہو جائیں اور امراء کی صحبت میں بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے) جیسا کہ جس طرح خاردار درخت سے صرف کانٹا ہی حاصل ہو سکتا ہے اسی طرح امراء کی صحبت سے نہیں حاصل ہوتا مگر! حضرت محمد ابن صباح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد (لفظ الا کے بعد) خطایا تھی۔ (سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 250)

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں ایسے بھی عالم پیدا ہوں گے جن کا مقصد حصول علم سے محض یہ ہوگا کہ وہ علم حاصل کر کے اور قرآن پڑھ کر امراء کے پاس جائیں اور ان کے سامنے اپنی بزرگی وفضیلت کا اظہار کر کے ان سے مال و دولت

حاصل کریں اور علم کی جو حقیقی منشاء و مدعا ہو گی یعنی اللہ کی مخلوق کی ہدایت اور عوام الناس کی بغیر کسی لالچ اور طمع کے دینی راہبری اس سے انہیں قطعاً کوئی مطلب نہ ہو گا۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت تفقہ فی الدّین اور امراء کی قربت و صحبت جمع ہو جائے؟ تو وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم ان سے مال و دولت تو حاصل کریں گے مگر اپنے دین کو ان سے بچائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے حالانکہ یہ امر محال ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ٥
اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان سے صرف نظر کئے ہوئے ہیں۔

اہل عقل کے لئے زمین وآسمان میں کثیر نشانیوں کے ہونے کا بیان

"وَكَاَيِّنْ" وَكَمْ "مِنْ اٰيَة" دَالَّة عَلٰى وَحْدَانِيَّة اللّٰه "فِى السَّمَوَات وَالْاَرْض يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا" يُشَاهِدُوْنَهَا "وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ" لَا يَتَفَكَّرُوْنَ بِهَا،

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ جن پر ان لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے یعنی وہ ایسی نشانیوں کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ ان سے صرف نظر کئے ہوئے ہیں۔ یعنی ان میں غور وفکر نہیں کرتے۔

بیان ہو رہا ہے قدرت کی بہت سی نشانیاں، وحدانیت کی بہت سے گواہیاں، دن رات ان کے سامنے ہیں، پھر بھی اکثر لوگ نہایت بےپرواہی اور سبک سری سے ان میں کبھی غور وفکر نہیں کرتے۔ کیا یہ اتنا وسیع آسمان، کیا یہ اس قدر پھیلی ہوئی، زمین، کیا یہ روشن ستارے یہ گردش والا سورج، چاند، یہ درخت اور یہ پہاڑ، یہ کھیتیاں اور سبزیاں، یہ تلاطم برپا کرنے والے سمندر، یہ بزور چلنے والی ہوائیں، یہ مختلف قسم کے رنگا رنگ میوے، یہ الگ الگ غلے اور قدرت کی بیشمار نشانیاں ایک عقل مند کو اس قدر بھی کام نہیں آ سکتیں؟ کہ وہ ان سے اپنے اللہ کی جو احد ہے، صمد ہے، فرد ہے، واحد ہے، لاشریک ہے، قادر و قیوم ہے، باقی اور کافی ہے اس ذات کو پہچان لیں اور اس کے ناموں اور صفتوں کے قائل ہو جائیں؟

بلکہ ان میں سے اکثریت کی ذہنیت تو یہاں تک بگڑ چکی ہے کہ اللہ پر ایمان ہے پھر شرک سے دست برداری نہیں۔ آسمان وزمین پہاڑ اور درخت کا انسان اور دن کا خالق اللہ مانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کے سوا دوسروں کو اس کے ساتھ اس کا شریک ٹھراتے ہیں۔ یہ مشرکین حج کو آتے ہیں، احرام باندھ کر لبیک پکارتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تیرا کوئی شریک ہیں، جو بھی شریک ہیں، ان کا خود کا مالک بھی تو ہے اور ان کی ملکیت کا مالک بھی تو ہی ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ٥
اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔

مشرکین کا تلبیہ میں شریک معبود ماننے کا بیان

"وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ" حَیْثُ یُقِرُّوْنَ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ "اِلَّا وَهُمْ مُشْرِکُوْنَ" بِهٖ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَلِذَا کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ فِیْ تَلْبِیَتِهِمْ: لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ یَعْنُوْنَهَا،

اوران میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، حالانکہ وہ اس کے خالق ورازق ہونے کا اقرار کرتے ہیں مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔یعنی بتوں کی عبادت کر کے شرک کرتے ہیں۔اوراسی طرح وہ اپنے تلبیہ میں کہتے ہیں ''لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ یَعْنُوْنَهَا،''یعنی اس تلبیہ میں شریکا سے بت مراد لیتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب وہ اتنا کہتے ہیں کہ ہم حاضر ہیں الٰہی تیرا کوئی شریک نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس، یعنی اب آگے کچھ نہ کہو۔ فی الواقع شرک ظلم عظیم ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسرے کی بھی عبادت۔ بخاری ومسلم میں ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تیرا اللہ کے ساتھ شریک ٹھرانا حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔اسی طرح اسی آیت کے تحت میں منافقین بھی داخل ہیں۔ان کے عمل اخلاص والے نہیں ہوتے بلکہ وہ ریاکار ہوتے ہیں اور ریاکاری بھی شرک ہے۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝
تو کیا وہ بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانک لینے والی آفت آپڑے،
یا ان پر قیامت اچانک آجائے اور وہ سوچتے بھی نہ ہوں۔

کیا مشرکین اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو چکے ہیں

"اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ "نِقْمَةٌ تَغْشَاهُمْ "مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً" فَجْاَةً "وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ" بِوَقْتِ اِتْیَانِهَا قَبْلَهٗ،

تو کیا وہ بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب میں سے کوئی ڈھانک لینے والی آفت آپڑے، یا ان پر قیامت اچانک آجائے اور وہ سوچتے بھی نہ ہوں۔یعنی وہ اس کے آنے کے وقت سے پہلے نہیں جانتے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ؔ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝
فرمادیجئے، یہی میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر ہوں، میں اور وہ شخص بھی
جس نے میری اتباع کی، اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی سنت وشریعت کا راستہ ہر شرک سے پاک ہے

"قُلْ" لَهُمْ "هٰذِهٖ سَبِيْلِي" وَفَسَّرَهَا بِقَوْلِهٖ "اَدْعُوْ اِلَى" دِيْنِ "اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ" حُجَّةٍ وَاضِحَةٍ "اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي" اٰمَنَ بِيْ عُطِفَ عَلٰى اَنَا الْمُبْتَدَأُ الْمُخْبَرُ عَنْهُ بِمَا قَبْلَهٗ "وَسُبْحَانَ اللّٰهِ" تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنِ الشُّرَكَاءِ "وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" مِنْ جُمْلَةِ سَبِيْلِهٖ اَيْضًا،

اے حبیب مکرم ﷺ آپ فرمادیجئے، یہی میری راہ ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس قول سے اس کی تفسیر کی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر قائم ہوں، میں بھی اور وہ شخص بھی جس نے میری اتباع کی، یہاں پر امن بی کا عطف انا پر ہے جو مبتداء ہے اس کا ماقبل اس کی خبر ہے۔ اور اللہ پاک ہے یعنی وہ شریکوں سے پاک ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ یعنی شرک کے جتنے راستے ہیں ان سے بری ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب احسن طریق اور افضل ہدایت پر ہیں، یہ علم کے معدن، ایمان کے خزانے، رحمٰن کے لشکر ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا طریقہ اختیار کرنے والوں کو چاہئے کہ گزرے ہوؤں کا طریقہ اختیار کریں۔ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں جن کے دل امت میں سب سے زیادہ پاک علم میں سب سے عمیق، تکلف میں سب سے کم، ایسے حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور ان کے دین کی اشاعت کے لئے برگزیدہ کیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
اور ہم نے آپ سے پہلے بھی بستیوں والوں میں سے مردوں ہی کو بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے،
کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ (خود) دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا، اور بیشک
آخرت کا گھر پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کے لئے بہتر ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

انبیائے کرام کی مختلف علاقوں کی جانب بعثت کا بیان

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا يُوْحٰى" وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ "اِلَيْهِمْ" لَا مَلَائِكَةً "مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى" الْاَمْصَارِ لِاَنَّهُمْ اَعْلَمُ وَاَحْلَمُ بِخِلَافِ اَهْلِ الْبَوَادِيْ لِجَفَائِهِمْ وَجَهْلِهِمْ "اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا" اَهْلُ مَكَّةَ "فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" اَيْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ "وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ" اَيِ الْجَنَّةُ "خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا" اللّٰهَ "اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَا اَهْلَ مَكَّةَ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ،

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی بستیوں یعنی شہر والوں میں سے مردوں ہی کو بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، ایک قرأت میں وحی نون کے ساتھ حاء کے کسرہ کے ساتھ آئی ہے۔ کیونکہ شہر والے علم و حلم والے ہوتے ہیں جبکہ گاؤں والے جفاکش اور جاہل ہوتے ہیں۔ کیا ان لوگوں یعنی اہل مکہ نے زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ خود دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کے ساتھ ان کا انجام کیا ہوا، کیونکہ انہوں نے اپنے رسولان گرامی کی تکذیب کی۔ اور بیشک آخرت کا گھر یعنی جنت پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کے لئے بہتر ہے، یعنی جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ اے اہل مکہ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ تاکہ تم ایمان لے آتے۔ یہاں پر یعقلون یاء اور تاء کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے۔

رسول اور نبی صرف مرد ہی ہوئے ہیں

بیان فرماتا ہے کہ رسول اور نبی مرد ہی بنتے رہے نہ کہ عورتیں۔ جمہور اہل اسلام کا یہی قول ہے کہ نبوت عورتوں کو کبھی نہیں ملی۔ اس آیت کریمہ کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن بعض کا قول ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بھی نبیہ تھیں۔ ملائکہ نے حضرت سارہ کو ان کے لڑکے اسحاق اور پوتے یعقوب کی بشارت دی۔ موسیٰ کی ماں کی طرف انہیں دودھ پلانے کی وحی ہوئی۔ مریم کو حضرت عیسیٰ کی بشارت فرشتے نے دی۔ فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پسندیدہ پاک اور برگزیدہ کرلیا ہے تمام جہان کی عورتوں پر۔ اے مریم اپنے رب کی فرماں برداری کرتی رہو، اس کے لئے سجدے کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اتنا تو ہم مانتے ہیں، جتنا قرآن نے بیان فرمایا۔ لیکن اس سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ صرف اتنا فرمان یا اتنی بشارت یا اتنے حکم کسی کی نبوت کے لئے دلیل نہیں۔ اہل سنت و جماعت کا اور سب کا مذہب یہ کہ عورتوں میں سے کوئی نبوت والی نہیں۔ ہاں ان میں صدیقات ہیں جیسے کہ سب سے اشرف و افضل عورت حضرت مریم کی نسبت قرآن نے فرمایا ہے آیت (وامہ صدیقۃ) پس اگر وہ نبی ہوتیں تو اس مقام میں وہی مرتبہ بیان کیا جاتا۔

حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ
مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ○
یہاں تک کہ جب رسولان گرامی مایوس ہو گئے اور ان منکر قوموں نے گمان کرلیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے تو ان رسولوں کو
ہماری مدد آ پہنچی پھر ہم نے جسے چاہا نجات بخش دی، اور ہمارا عذاب مجرم قوم سے پھیرا نہیں جاتا۔

دلائل کے باوجود مشرکین کے ایمان نہ لانے کا بیان

"حَتّٰی" غَایَةٌ لِمَا دَلَّ عَلَیْهِ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا" اَیْ فَتَرَاخٰی نَصْرُهُمْ حَتّٰی "اسْتَیْاَسَ" یَئِسَ "الرُّسُل وَظَنُّوا" اَیْقَنَ الرُّسُل "اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا" بِالتَّشْدِیْدِ تَكْذِیْبًا لَا اِیْمَان بَعْده وَالتَّخْفِیْف اَیْ ظَنَّ الْاُمَم اَنَّ الرُّسُل اُخْلِفُوْا مَا وُعِدُوا بِهٖ مِنَ النَّصْر "جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُنَجِّی" بِنُوْنَیْنِ مُشَدَّدًا

وَمُخَفَّفًا وَبِنُوْنٍ مُشَدَّدًا مَاضٍ "بَأْسنَا" عَذَابنَا "عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ" الْمُشْرِكِيْنَ،

یہاں پر حتیٰ انتہائے غایب کے لئے آیا ہے جس پر ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ''اس کی دلالت ہے۔ یہاں تک کہ جب رسولان گرامی اپنی نافرمان قوموں سے مایوس ہو گئے۔ اور ان منکر قوموں نے گمان کر لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے (یعنی ان پر کوئی عذاب نہیں آئے گا) یہاں کذبوا یہ تشدید کے ساتھ آیا ہے جس معنی یہ ہے اس کے بعد بھی ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوگی اور کذبوا تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی ان لوگوں نے گمان کیا کہ رسولان گرامی نے جو ان سے مدد کا وعدہ کیا ہے اس کا خلاف ہوا ہے۔ ان رسولوں کو ہماری مدد آ پہنچی پھر ہم نے جسے چاہا اسے نجات بخش دی، یہاں پر ننجی ، یہ دونوں کے ساتھ مشدد آیا ہے یہ ایک ماضی کی صورت میں ایک نون مخفف کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ہمارا عذاب مجرم قوم یعنی مشرک قوم سے پھیرا نہیں جاتا۔

سورہ یوسف آیت ۱۱۰ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسولان گرامی ناامید ہو کر یہ خیال کرنے لگے تھے کہ لوگوں سے جو وعدہ مدد کا کیا ہے اس کی خلاف ورزی ہوگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اس کے بعد یہ آیت پڑھی حتی یقول الرسول الخ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ میں نے عروہ بن زبیر سے یہ بات بیان کی تو انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسولوں سے کبھی غلط وعدہ نہیں فرمایا ہے البتہ انبیاء کرام کو یہ پریشانی ضرور پہنچی کہ ان کی قوم کے لوگ انہیں جھٹلاتے رہے چنانچہ جب آپ کو مایوسی ہوئی اور یہ خیال کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں جھوٹا ثابت ہوں تو اس وقت اللہ نے فتح عنایت فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت میں کذبوا کی دال کو مشدد پڑھتی ہیں۔ اور ابن عباس بلا تشدید پڑھتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1704)

سیّدنا عروہ بن زبیر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کو جن لوگوں نے مانا اور ان کی تصدیق کی۔ جب ایک مدت دراز تک ان پر آفت اور مصیبت آتی رہی اور اللہ کی مدد آنے میں دیر ہوگئی اور پیغمبر جھٹلانے والوں کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اب وہ بھی ہمیں جھوٹا سمجھنے لگیں گے۔ اس وقت اللہ کی مدد آن پہنچی۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

بیشک ان کے قصوں میں سمجھداروں کے لئے عبرت ہے، یہ ایسا کلام نہیں جو گھڑ لیا جائے بلکہ ان کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لے آئے۔

قصص میں سمجھ رکھنے والوں کے لئے عبرت ہونے کا بیان

"لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ" اَیْ الرُّسُل "عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَاب" اَصْحَاب الْعُقُول "مَا كَانَ" هٰذَا الْقُرْاٰن "حَدِيثًا يُفْتَرَى" يُخْتَلَق "وَلٰكِنْ" كَانَ "تَصْدِيق الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ" قَبْله مِنْ الْكُتُب "وَتَفْصِيل" تَبْيِين "كُلّ شَيْء" يُحْتَاج اِلَيْهِ فِي الدِّيْن "وَهُدًى" مِنْ الضَّلَالَة "وَرَحْمَة لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ" خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهِمْ بِهٖ دُوْن غَيْرهمْ،

بیشک ان رسولان گرامی کے قصوں میں سمجھ داروں یعنی عقل رکھنے والوں کے لئے عبرت ہے، یہ قرآن ایسا کلام نہیں ہے جو گھڑ لیا جائے، بلکہ ان کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے کتابیں نازل ہوئی ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے دین میں جس کی ضرورت ہوتی ہے اور گمراہی سے ہدایت ہے اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لے آئے۔ یہاں اہل ایمان کا ذکر خصوصی طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ دوسروں کے سوا وہی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کا آزمائشوں پر صبر کرنے کا بیان

شیخ ابو منصور نے فرمایا کی پوری سورہ یوسف اور اس میں درج شدہ قصہ یوسف کے بیان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے کہ آپ کو جو کچھ ایذائیں اپنی قوم کے ہاتھوں پہنچ رہی ہیں پچھلے انبیاء علیہم السلام کو بھی پہنچتی ہیں مگر انجام کار اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو غالب فرمایا آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ سے بڑے بڑے نتائج نکلتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ صبر کا نتیجہ سلامت و کرامت ہے اور ایذا رسانی و بدخواہی کا انجام ندامت اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والا کامیاب ہوتا ہے اور بندے کو سختیوں کے پیش آنے سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ رحمت الٰہی دست گیری کرے تو کسی کی بدخواہی کچھ نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد قرآن پاک کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔ ان کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے کتابیں نازل ہوئی ہیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے دین میں جس کی ضرورت ہوتی ہے اور گمراہی سے ہدایت ہے اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لے آئے۔ یہاں اہل ایمان کا ذکر خصوصی طور پر اس لئے کیا گیا ہے کہ دوسروں کے سوا وہی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یوسف، لاہور)

اہل جنت کے چہرے ستاروں کی مانند چمکتے ہوں گے

محدث امام محمد علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں نے اس بات پر آپس میں جھگڑا کیا کہ جنت میں مردوں کی تعداد زیادہ ہوگی یا عورتوں کی؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہنے لگے کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جو گروہ سب سے پہلے داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہروں والا ہوگا اس کے بعد داخل ہونے والا گروہ آسمان کے سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح ہوگا ان میں سے ہر ایک کی دو دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے باہر سے نظر آجائے گا اور جنت میں کوئی شخص کنوارہ نہیں ہوگا۔ (مسند احمد: جلد چہارم: حدیث نمبر 3367)

سورہ یوسف کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ یوسف کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت رعد ہے

سورہ رعد کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الرَّعْد (مَكِّيَّة اِلَّا "وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" اَلْاٰيَة "وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا" اَلْاٰيَة اَوْ مَدَنِيَّة اِلَّا "وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا" اَلْاٰيَتَيْنِ 43 اَوْ 44 اَوْ 45 اَوْ 46 اٰيَة)

سورہ رعد مکی ہے۔اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ دو آیتوں (لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ 31)-13 الرعد: 31) اور (وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا 43)-13 الرعد:43) کے سوا سب مکی ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔اس میں چھ رکوع تینتالیس یا پینتالیس آیتیں اور آٹھ سو پچپن کلمے اور تین ہزار پانچ سو چھ حرف ہیں۔

سورہ رعد کی وجہ تسمیہ کا بیان

رعد ایک فرشتے کا نام ہے جو اللہ کی تسبیح کرتا ہے بعض نے کہا ہے کہ رعد کڑک کی آواز کا نام ہے۔یا بادل کی گرج کا نام ہے۔ اس سورت کے شانِ نزول سے جس طرح واضح ہے کہ جب آپ ﷺ سے رعد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک فرشتہ ہے۔پس یہی لفظ رعد ہی اس سورت کے نام کی وجہ تسمیہ ہے۔

سورہ رعد کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ابوقاسم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں رعد کے متعلق بتائیے کہ یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کے ذمہ بادل ہیں اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں۔جن سے وہ بادلوں کو اللہ کی مشیت کے مطابق ہانکتا ہے۔وہ کہنے لگے تو پھر یہ آواز جو ہم سنتے ہیں یہ کس کی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اس کی ڈانٹ ہے وہ بادلوں کو ڈانٹتا ہے یہاں تک کہ وہ حکم کے مطابق چلیں۔

وہ کہنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اوپر کونسی چیز حرام کی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں عرق النساء کا مرض ہو گیا تھا

اور انہوں نے اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کے علاوہ کوئی چیز مناسب نہیں پائی۔ اس لئے اپنے اوپر حرام کرلیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1061)

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور یہ پڑھنے لگتے۔ "پاک ہے وہ ذات جس کی "رعد" تسبیح کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے اس کے خوف سے۔"

(مالک، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1498)

رعد "فرشتے کا نام ہے جو بادل ہنکانے پر مقرر ہے۔ چنانچہ گرج درحقیقت اس کی تسبیح کی آواز ہے حضرت عبداللہ ابن عباس کی یہ روایت منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت عمر کے ہمراہ سفر میں تھے گرج، بجلی کی چمک اور سردی نے ہمیں آلیا، حضرت کعب نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ جو آدمی گرج کی آواز سن کر تین مرتبہ یہ پڑھے، **سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکہ من خیفتہ** تو وہ ان چیزوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا۔" اس سے معلوم ہوا کہ اسے موقع پر جب کہ بادل کی چمک و گرج اور بجلی کی تڑپ و کڑک، خوب واضطرب کی لہر پیدا کردے ان مقدس الفاظ کا ورد سکون قلب اور حفاظت کے لئے بہت موثر ہے۔

یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سوالات پوچھے تھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ کچھ یہودی آئے اور کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے پانچ سوالات پوچھنا چاہتے ہیں، اگر آپ نے ہمیں ان کا جواب دے دیا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ واقعی نبی ہیں اور ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سے اس بات پر وعدہ لیا جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا، جب وہ یہ کہہ چکے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اللہ اس پر وکیل ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اپنے سوالات پیش کرو۔

انہوں نے پہلا سوال یہ پوچھا کہ نبی کی علامت کیا ہوتی ہے؟ نبی صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا۔ انہوں نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ یہ بتائیے کہ بچہ مؤنث اور مذکر کس طرح بنتا ہے؟ فرمایا دو پانی ملتے ہیں، اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ مذکر ہوجاتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچی پیدا ہوتی ہے، انہوں نے تیسرا سوال پوچھا کہ یہ بتائیے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں عرق النساء نامی مرض کی شکایت تھی، انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں اونٹ کا دودھ سب سے زیادہ پسند ہے اس لئے انہوں نے اس کے (دودھ اور) گوشت کو اپنے اوپر حرام کرلیا، وہ کہنے لگے کہ آپ نے سچ فرمایا۔

پھر انہوں نے چوتھا سوال یہ پوچھا کہ یہ رعد (بادلوں کی گرج چمک) کیا چیز ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے، جسے بادلوں پر مقرر کیا گیا ہے، اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے جس سے یہ بادلوں کو

مارتا ہے اور اللہ نے جہاں لے جانے کا حکم دیا ہوتا ہے انہیں وہاں تک لے کر جاتا ہے، وہ کہنے لگے کہ ہم جو آواز سنتے ہیں وہ کہاں سے آتی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی آواز ہوتی ہے، انہوں نے اس پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور کہنے لگے کہ اب ایک سوال باقی رہ گیا ہے، اگر آپ نے اس کا جواب دے دیا تو ہم آپ کی بیعت کر لیں گے۔

ہر نبی کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو ان کے پاس وحی لے کر آتا ہے، آپ کے پاس کون سا فرشتہ آتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل! وہ کہنے لگے کہ وہی جبرئیل جو جنگ لڑائی اور سزا لے کر آتا ہے، وہ تو ہمارا دشمن ہے، اگر آپ میکائیل کا نام لیتے جو رحمت، نباتات اور بارش لے کر آتا ہے تب بات بن جاتی، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت بقرہ کی یہ آیت نازل فرمائی قل من کان عدا لجبرئیل، الخ، (مسند احمد: جلد دوم: حدیث نمبر 613)

الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
الف، لام، میم، را یہ کتابِ الٰہی کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی جانب نازل کیا گیا ہے
حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

قرآن کی آیات کے حق ہونے کا بیان

"المر" اللّٰه اَعلَم بِمُرَادِهِ بِذٰلِك "تِلْكَ" هٰذِهِ الْاٰيَات "اٰيَات الْكِتَاب" الْقُرْاٰن وَالْإِضَافَة بِمَعْنٰى مِنْ "وَالَّذِىْ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبّك" اَىْ الْقُرْاٰن مُبْتَدَأ خَبَره "الْحَقّ" لَا شَكّ فِيْهِ "وَلٰكِنَّ اَكْثَر النَّاس" اَىْ اَهْل مَكَّة "لَا يُؤْمِنُوْنَ" بِاَنَّهُ مِنْ عِنْده تَعَالٰى

الف، لام، میم، را (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں)، یہ کتابِ الٰہی کی آیات ہیں، یہاں پر آیات الکتاب یہ اضافت من کے ذریعے ہوئی ہے۔ اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی جانب سے قرآن نازل کیا گیا ہے وہ قرآن حق ہے یہاں قرآن مبتداء اور حق اس کی خبر ہے۔ اور حق کا معنی جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اکثر لوگ یعنی اہل مکہ ایمان نہیں لاتے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جبکہ وہ اہل مکہ ہیں۔

قرآن مجید میں دلائل وعجائب قدرت ہونے کا بیان

مشرکینِ مکہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے انہوں نے خود بنایا، اس آیت میں ان کا رد فرمایا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے دلائل اور اپنے عجائبِ قدرت بیان فرمائے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

اسی پر عطف ڈال کر اور صفتیں اس پاک کتاب کی بیان فرمائیں کہ یہ سراسر حق ہے اور اللہ کی طرف سے تجھ پر اتارا گیا ہے۔

الحق خبر ہے اس کا مبتدا پہلے بیان ہوا ہے یعنی الذی انزل الیک لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول لائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ با وجود حق ہونے کے پھر بھی اکثر لوگ ایمان سے محروم ہیں اس سے پہلے گزرا ہے کہ گو تو حرص کرے۔

لیکن اکثر لوگ ایمان قبول کرنے والے نہیں۔ یعنی اس کی حقانیت واضح ہے لیکن ان کی ضد، ہٹ دھری اور سرکشی انہیں ایمان کی طرف متوجہ نہ ہونے دے گی۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ رعد، بیروت)

اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ
وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○
اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے، جنھیں تم دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر بلند ہوا اور اس نے سورج
اور چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک ایک مقرر وقت کے لیے چل رہا ہے، وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، کھول کھول کر آیات بیان کرتا ہے،
تا کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔

آسمانوں کے بغیر ستونوں کے قیام سے دلیل قدرت کا بیان

"اللّٰه الَّذِىْ رَفَعَ السَّمَاوَات بِغَيْرِ عَمَد تَرَوْنَهَا " اَىْ الْعَمَد جَمع عِمَاد وَهُوَ الْاُسْطُوَانَة وَهُوَ صَادِق بِاَنْ لَّا عَمَد اَصْلًا "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْش " اسْتِوَاء يَلِيْق بِهٖ "وَسَخَّرَ" ذَلَّلَ "الشَّمْس وَالْقَمَر كُلّ" مِنْهُمَا "يَجْرِى" فِىْ فَلَكه "لِاَجَلٍ مُسَمًّى" يَوْم الْقِيَامَة "يُدَبِّر الْاَمْر" يَقْضِى اَمْر مُلْكه "يُفَصِّل" يُبَيِّن "الْاٰيَات" دِلَالَات قُدْرَته "لَعَلَّكُمْ" يَا اَهْل مَكَّة "بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ" بِالْبَعْثِ،

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے، عمد کی جمع عماد ہے اور اس کو ستون کہتے ہیں۔ سچائی بھی تب ہی ہے جب وہ بغیر ستون بالکل ہو ہی ناں۔ جنہیں تم دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، کیونکہ عرش اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر یعنی تابع کیا۔ ہر ایک ایک مقرر وقت کے لیے چل رہا ہے، یعنی وہ آسمان پر مقررہ وقت یعنی قیامت کے دن تک کے لئے چل رہے ہیں۔ وہ ہر کام کی تدبیر یعنی اپنی بادشاہت کا فیصلہ کرتا ہے، کھول کھول کر آیات بیان کرتا ہے، یعنی اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتا ہے۔ اے اہل مکہ تا کہ تم دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔

آسمانوں کے اندر عجائب قدرت کا بیان

ایاس بن معاویہ فرماتے ہیں آسمان زمین پر مثل قصبے کے ہے یعنی بغیر ستون کے ہے۔ قرآن کے طرز عبارت کے لائق بھی یہی بات ہے اور آیت (ویمسك السماء ان تقع علی الارض) سے بھی ظاہر ہے پس ترونھا اس نفی کی تاکید ہوگی یعنی آسمان بلاستون اس قدر بلند ہے اور تم آپ دیکھ رہے ہو، یہ ہے کمال قدرت۔ امیہ بن ابوصلت کے اشعار میں ہے، جس کے اشعار کی بابت حدیث میں ہے کہ اس کے اشعار ایمان لائے ہیں اور اس کا دل کفر کرتا ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ اشعار حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کے ہے جن میں ہے تو وہ اللہ ہے جس نے اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو مع ہارون علیہ السلام کے فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور ان سے فرما دیا کہ اس سرکش کو قائل کرنے کے لئے اس سے کہیں کہ اس بلند و بالا بے ستون

آسمان کو کیا تو نے بنایا ہے؟ اور اس میں سورج چاند ستارے تو نے پیدا کئے ہیں؟ اور مٹی سے دانوں کو اگانے والا پھر ان درختوں میں بالیں پیدا کر کے ان میں دانے پکانے والا کیا تو ہے؟ کیا قدرت کی یہ زبردست نشانیاں ایک گہرے انسان کے لئے اللہ کی ہستی کی دلیل نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا۔ (تفسیر محمدی، سورہ رعد، بیروت)

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور ندیاں بنائیں اور اس میں تمام پھلوں میں سے ایک ایک جوڑا دو، دو قسم کا
بنایا، وہ رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

زمین و اشیائے زمین سے استدلال توحید کا بیان

"وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ" بَسَطَ "الْاَرْضَ وَجَعَلَ" خَلَقَ "فِيْهَا رَوَاسِىَ" جِبَالًا ثَوَابِت "وَاَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَات جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ" مِنْ كُلّ نَوْع "يُغْشِى" يُغَطِّى "اللَّيْل" بِظُلْمَتِهِ "النَّهَار اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ" الْمَذْكُور "لَآيَات" دِلَالَات عَلٰى وَحْدَانِيّته تَعَالٰى "لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ" فِىْ صُنْع اللّٰه،

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور ندیاں بنائیں یہاں پر رواسی سے مراد مضبوط پہاڑ اور اس میں تمام پھلوں میں سے ایک ایک جوڑا دو، دو قسم کا بنایا، یعنی ہر قسم کا ایک ایک جوڑا۔ وہ رات کو دن پر اوڑھا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں یعنی یہ بیان کردہ دلائل اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہیں۔ جو اللہ کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

زمین چشموں اور پہاڑوں کے ذریعے قدرت کے عجائب کا بیان

اوپر کی آیت میں عالم علوی کا بیان تھا، یہاں علم سفلی کا ذکر ہو رہا ہے، زمین کو طول عرض میں پھیلا کر اللہ ہی نے بچھایا ہے۔ اس میں مضبوط پہاڑ بھی اسی کے گاڑے ہوئے ہیں، اس میں دریاؤں اور چشموں کو بھی اسی نے جاری کیا ہے۔ تاکہ مختلف شکل و صورت، مختلف رنگ، مختلف ذائقوں کے پھل پھول کے درخت اس سے سیراب ہوں۔ جوڑا جوڑا میوے اس نے پیدا کئے، کھٹے میٹھے وغیرہ رات دن ایک دوسرے کے پے درپے برابر آتے جاتے رہتے ہیں، ایک کا آنا دوسرے کا جانا ہے پس مکان سکان اور زمان سب میں تصرف اسی قادر مطلق کا ہے۔ اللہ کی ان نشانیوں، حکمتوں، اور دلائل کو جو غور سے دیکھے وہ ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے۔

وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى
بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے مختلف ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت کئی تنوں والے

اور ایک تنے والے، جنھیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو پھل میں بعض پر فوقیت دیتے ہیں۔
بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔

ایک طرح کے پانی سے سیراب ہونے والے پھلوں میں میٹھے وکڑوے پھل ہونے کا بیان

"وَفِی الْاَرْضِ قِطَع " بِقَاعٍ مُختَلِفَة "مُتَجَاوِرَات" مُتَلاصِقَات فَمِنْهَا طَيِّب وَسَبْخ وَقَلِيل الرِّيع وَكَثِيره وَهُوَ مِنْ دَلَائِل قُدْرَته تَعَالٰى "وَجَنَّات" بَسَاتِين "مِنْ اَعْنَاب وَزَرْع " بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى جَنَّات وَالْجَرّ عَلٰى اَعْنَاب وَكَذَا قَوْله "وَنَخِيل صِنْوَان" جَمْع صِنْو وَهِيَ النَّخَلات يَجْمَعهَا اَصْل وَاحِد وَتَتَشَعَّب فُرُوعهَا "وَغَير صِنْوَان " مُنْفَرِدَة "تُسْقٰى" بِالتَّاءِ اَیْ الْجَنَّات وَمَا فِيهَا وَالْيَاء اَیْ الْمَذْكُوْر "وَبِمَاءٍ وَاحِد وَنُفَضِّل " بِالنُّوْنِ وَالْيَاء "بَعْضهَا عَلٰى بَعْض فِی الْاُكُل " بِضَمِّ الْكَاف وَسُكُوْنهَا فَمِنْ حُلْو وَحَامِض وَهُوَ مِنْ دَلَائِل قُدْرَته تَعَالٰى "اِنَّ فِیْ ذٰلِك" الْمَذْكُوْر "لَاٰيَات لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ" يَتَدَبَّرُوْنَ،

اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے مختلف ٹکڑے ہیں زمین میں الگ الگ جگہ پائی جاتی ہے۔یعنی ان میں سے بعض بہت فوائد والے ہیں اور بعض کم فوائد والے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ہیں۔اور انگوروں کے باغ اور کھیتی، یہاں پر لفظ زرع مرفوع ہے جب اس کا عطف جنات پر ہو اور مجرور ہے جب اس کا عطف اعناب پر ہو۔اور اسی طرح یہ قول کھجور کے درخت کئی تنوں والے، یہاں پر لفظ صنوان یہ صنو کی جمع ہے یعنی ایسے کھجور کے درخت جن کی جڑ ایک ہوتی ہے لیکن تنے اور شاخیں متعدد ہوتی ہیں۔اور ایک تنے والے، جنہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، یہاں پر تسقی تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے یعنی باغات اور جو کچھ ان میں ہے اس کو سیراب کیا جاتا ہے۔ جبکہ یاء کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ اور ہم ان میں سے بعض کو پھل میں بعض پر فوقیت دیتے ہیں۔ یہاں پر نفضل نون اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔یعنی ایک دوسرے پر کھانے میں فوقیت دیتے ہیں۔ یہاں پر الاکل یہ کاف کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔یعنی اسی سے میٹھا اور اسی سے کڑوا پھل بنتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ہیں۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔یعنی اہل عقل کے لئے ذکر کردہ نشانیوں میں دلائل و سمجھداری ہے۔

سورہ رعد آیت ۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ،الرعد:4) (اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں پر فضیلت دیتے ہیں)۔کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد ردی کھجوریں ہیں یا پھر میٹھا اور کڑوا مراد ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس روایت کو زید بن انیسہ نے بھی اعمش سے

اسی کے مثل نقل کیا ہے۔ سیف بن محمد عمار بن محمد کے بھائی ہیں اور عمار ان سے ثقہ ہیں۔ یہ سفیان ثوری کے بھانجے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1062)

زمین سے نباتات پیدا ہونے والی چیزوں اختلاف وعجائب کا بیان

زمین کے ٹکڑے ملے جلے ہوئے ہیں، پھر قدرت کو دیکھے کہ ایک ٹکڑے سے تو پیداوار ہو اور دوسرے سے کچھ نہ ہو۔ ایک کی مٹی سرخ، دوسرے کی سفید، زرد، وہ سیاہ، یہ پتھریلی، وہ نرم، یہ میٹھی، وہ شور۔ ایک ریتلی، ایک صاف، غرض یہ بھی خالق کی قدرت کی نشانی ہے اور بتاتی ہے کہ فاعل، خودمختار، مالک الملک، لاشریک ایک وہی اللہ خالق کل ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی معبود، نہ پالنے والا۔ زرع ونخیل کو اگر جنات پر عطف ڈالیں تو پیش سے مرفوع پڑھنا چاہئے اور اعناب پر عطف ڈالیں تو زیر سے مضاف الیہ مان کر مجرور پڑھنا چاہئے۔ ائمہ کی جماعت کی دونوں قرأت یں ہیں۔ صنوان کہتے ہیں ایک درخت جو کئی تنوں اور شاخوں والا ہو جیسے انار اور انجیر اور بعض کھجوریاں۔ غیر صنوان جو اس طرح نہ ہو ایک ہی تنا ہو جیسے اور درخت ہوتے ہیں۔ اسی سے انسان کے چچا کو صنوالاب کہتے ہیں حدیث میں بھی یہ آیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انسان کا چچا مثل باپ کے ہوتا ہے۔ برا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک جڑ یعنی ایک تنے میں کئی ایک شاخدار درخت کھجور ہوتے ہیں اور ایک تنے پر ایک ہی ہوتا ہے یہی صنوان اور غیر صنوان ہے یہی قول اور بزرگوں کا بھی ہے۔ سب کے لئے پانی ایک ہی ہے یعنی بارش کا لیکن ہر مزے اور پھل میں کمی بیشی میں بے انتہا فرق ہے، کوئی میٹھا ہے، کوئی کھٹا ہے۔ حدیث میں بھی یہ تفسیر ہے ملاحظہ ہو ترمذی شریف۔ الغرض قسموں اور جنسوں کا اختلاف، شکل صورت کا اختلاف، رنگ کا اختلاف، بو کا اختلاف، مزے کا اختلاف، پتوں کا اختلاف، تروتازگی کا اختلاف، ایک بہت ہی میٹھا، ایک سخت کڑوا، ایک نہایت خوش ذائقہ، ایک بیحد بدمزہ، رنگ کسی کا زرد، کسی کا سرخ، کسی کا سفید، کسی کا سیاہ۔ اسی طرح تازگی اور پھل میں بھی اختلاف، حالانکہ غذا کے اعتبار سے سب یکساں ہیں۔ یہ قدرت کی نیرنگیاں ایک ہوشیار شخص کے لئے عبرت ہیں۔ اور فاعل مختار اللہ کی قدرت کا بڑا زبردست پتہ دیتی ہیں کہ جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے۔ عقل مندوں کے لئے یہ آیتیں اور یہ نشانیاں کافی وافی ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ رعد، بیروت)

انسانوں کے دلوں کی مثال زمین سے بیان کرنے کا بیان

حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں بنی آدم کے قلوب کی ایک تمثیل ہے کہ جس طرح زمین ایک تھی اس کے مختلف قطعات ہوئے، ان پر آسمان سے ایک ہی پانی برسا، اس سے مختلف قسم کے پھل پھول بیل بوٹے اچھے برے پیدا ہوئے۔ اسی طرح آدمی حضرت آدم سے پیدا کئے گئے ان پر آسمان سے ہدایت اتری، اس سے بعض دل نرم ہوئے ان میں خشوع خضوع پیدا ہوا، بعض سخت ہو گئے اور لہو ولغو میں مبتلا ہوئے تو جس طرح زمین کے قطعات اپنے پھول پھل میں مختلف ہیں اس طرح انسانی قلوب اپنے آثار وانوار واسرار میں مختلف ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ رعد، لاہور)

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ج
وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ج وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ٥
اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا کہنا عجیب ہے کہ کیا جب ہم خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو تخلیق کئے جائیں گے؟
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ اہلِ جہنم ہیں،
وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

دوبارہ زندہ ہونے پر کفار مکہ کے انکار کا بیان

"وَاِنْ تَعْجَبْ" يَا مُحَمَّد مِنْ تَكْذِيْبِ الْكُفَّارِ لَكَ "فَعَجَبٌ" حَقِيْقٌ بِالْعَجَبِ "قَوْلُهُمْ" مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ "ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْد" لِاَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنْشَاءِ الْخَلْقِ وَمَا تَقَدَّمَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِهِمْ وَفِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَحْقِيْقُ الْاُوْلٰى وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكُهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِسْتِفْهَامِ فِي الْاَوَّلِ وَالْخَبَرِ فِي الثَّانِيْ وَاُخْرٰى وَعَكْسُهُ ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ،

یا محمد ﷺ اور اگر آپ کفار کے انکار پر تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا عجیب تر ہے کہ کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے یعنی وہ دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔تو کیا ہم از سرِ نو تخلیق کئے جائیں گے؟ کیونکہ جب وہ پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو اب تخلیق ہو جانے کے بعد ان کو لوٹانے پر بھی قادر ہے۔یہاں پر دونوں مقامات پر ہمزہ تحقیق کے لئے آیا ہے۔ جبکہ پہلا تحقیق جبکہ دوسرا تسہیل کے لئے بھی آیا ہے۔اور دونوں صورتوں میں ان دونوں کے درمیان الف داخل ہے۔اور ترک الف بھی ہے اور ایک قرأت کے مطابق پہلا استفہام کے لئے جبکہ دوسرا خبر کے لئے اور اس کا برعکس بھی آیا ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق (پڑے) ہوں گے اور یہی لوگ اہلِ جہنم ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

عقل کے اندھے کفار کو دوبارہ زندہ ہونے کی سمجھ نہ آنے کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ ان کے جھٹلانے کا کوئی تعجب نہ کریں یہ ہیں ہی ایسے اس قدر نشانیاں دیکھتے ہوئے، اللہ کی قدرت کا ہمیشہ مطالعہ کرتے ہوئے، اسے مانتے ہوئے کہ سب کا خالق اللہ ہی ہے پھر بھی قیامت کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر روزمرہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر دیتا ہے۔ ہر عاقل جان سکتا ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے۔اور دوبارہ پیدا کرنا بہ نسبت اول بار پیدا کرنے کے

بہت آسان ہے۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
اور یہ لوگ رحمت سے پہلے آپ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے کئی عذاب گزر چکے ہیں، اور (اے
حبیب!) بیشک آپ کا رب لوگوں کے لئے ان کے ظلم کے باوجود بخشش والا ہے اور یقیناً آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے۔

سورہ رعد آیت ۶ سبب نزول کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ اسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ اسْتِهْزَاءً "وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ" الْعَذَابِ "قَبْلَ الْحَسَنَةِ" الرَّحْمَةِ "وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمُثُلَاتُ" جَمْعُ الْمَثُلَةِ بِوَزْنِ الثَّمُرَةِ اَيْ عُقُوْبَاتُ اَمْثَالِهِمْ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ اَفَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهَا ؟ "وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى" مَعَ "ظُلْمِهِمْ" وَاِلَّا لَمْ يَتْرُكْ عَلٰى ظَهْرِهَا دَابَّةً "وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ" لِمَنْ عَصَاهُ،

یہ آیت ان کفار کا عذاب کو بہ طور مذاق جلدی طلب کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ لوگ رحمت سے پہلے آپ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں، یعنی اچھائی سے پہلے برائی طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے کئی عذاب گزر چکے ہیں، یہاں پر مثلث یہ مثلۃ کی جمع ہے۔ جس کا وزن ثمرۃ ہے۔ یعنی ان کی سزاؤں کی مثالیں گزر چکی ہیں کیا تم ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اور (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب لوگوں کے لئے ان کے ظلم کے باوجود بخشش والا ہے ورنہ اس روئے زمین پر چلنے والے کسی بھی جاندار کو زندہ نہ رہنے دے۔ اور یقیناً آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ یعنی جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔

کفار بہ طور مذاق جلد عذاب طلب کرنے کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ اس میں ہے کہ اس آیت کے اترنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کا معاف فرمانا اور درگزر فرمانا نہ ہوتا تو کسی کی زندگی کا لطف باقی نہ رہتا اور اگر اس کا دھمکانا ڈرانا اور سزا کرنا نہ ہوتا تو ہر شخص بے پرواہی سے ظلم و زیادتی میں مشغول ہو جاتا۔

ابن عساکر میں ہے کہ حسن بن عثمان ابو حسان راوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اللہ تعالیٰ عزوجل کا دیدار کیا دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے کھڑے اپنے ایک امتی کی شفاعت کر رہے ہیں۔ جس پر فرمان باری ہوا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ میں نے سورہ رعد میں آپ پر نازل کیا ہے۔ اور یہ لوگ رحمت سے پہلے آپ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے کئی عذاب گزر چکے ہیں، اور (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب لوگوں کے لئے ان کے ظلم کے باوجود بخشش

والا ہے اور یقیناً آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ رعد، بیروت)

یہ منکرین قیامت کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب جلد ہی کیوں نہیں لاتے؟ کہتے تھے کہ اے اپنے آپ پر اللہ کی وحی نازل ہونے کا دعویٰ کرنے والے، ہمارے نزدیک تو تو پاگل ہے۔ اگر بالفرض سچا ہے تو عذاب کے فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟ اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ فرشتے حق کے اور فیصلے کے ساتھ ہی آیا کرتے ہیں، جب وہ وقت آئے گا اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت ومہلت نہیں ملے گی۔ اسی طرح اور آیت میں ہے آیت (ویستعجلونك دو آیتوں تک۔ اور جگہ ہے سال سائل الخ اور آیت میں ہے کہ بے ایمان اس کی جلدی مچا رہے ہیں اور ایماندار اس سے خوف کھا رہے ہیں اور اسے برحق جان رہے ہیں۔ اسی طرح اور آیت میں فرمان ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور المناک عذاب نازل فرما۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کفر وانکار کی وجہ سے اللہ کے عذاب کا آنا محال جان کر اس قدر نڈر اور بے خوف ہو گئے تھے کہ عذاب کے اترنے کی آرزو اور طلب کیا کرتے تھے۔ یہاں فرمایا کہ ان سے پہلے کے ایسے لوگوں کی مثالیں ان کے سامنے ہیں کہ کس طرح وہ عذاب کی پکڑ میں آ گئے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ رعد، بیروت)

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۠ ۝
اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ (اے رسولِ مکرّم!)
آپ تو فقط ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے لئے ہدایت بہم پہنچانے والے ہیں۔

اللہ کے عطاء کردہ معجزات سے استدلال نبوت وحق ہونے کا بیان

"وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا " هَلَّا "اُنْزِلَ عَلَیْهِ " عَلٰی مُحَمَّد "آیَة مِنْ رَبّه " كَالْعَصَا وَالْیَد وَالنَّاقَة "اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِر " مُخَوِّف الْكَافِرِیْنَ وَلَیْسَ عَلَیْكَ اِتْیَان الْاٰیَات "وَلِكُلِّ قَوْم هَادٍ" نَبِیّ یَدْعُوهُمْ اِلٰی رَبّهمْ بِمَا یُعْطِیه مِنْ الْاٰیَات لَا بِمَا یَقْتَرِحُونَ

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول یعنی حضرت محمد ﷺ پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ جس طرح عصا، ید بیضاء اور صالح علیہ السلام کی طرف اونٹنی آئی۔ (اے رسولِ مکرّم ﷺ) آپ تو فقط کفار کو انجامِ بد سے ڈرانے والا ہوں آیات کا لانا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ اور دنیا کی ہر قوم کے لئے ہدایت بہم پہنچانے والے ہیں۔ کیونکہ نبی مکرم علیہ السلام ان کو رب کی جانب ان معجزات کے سبب بلاتا ہے۔ جو اللہ کی جانب سے عطا ہوئے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزات کے ذریعے ان کو دعوت دی جائے۔

قیام حجت کے باوجود کفار کے ایمان نہ لانے کا بیان

کافروں کا یہ قول نہایت بے ایمانی کا قول تھا جتنی آیات نازل ہو چکی تھیں اور معجزات دکھائے جا چکے تھے سب کو انہوں نے

کالعدم قرار دے دیا یہ انتہا درجہ کی ناانصافی اور حق دشمنی ہے جب حجت قائم ہو چکے اور ناقابلِ انکار براہین پیش کر دیئے جائیں اور ایسے دلائل سے مدعا ثابت کر دیا جائے جس کے جواب سے مخالفین کے تمام اہل علم و ہنر عاجز و متحیر رہیں اور انھیں لب ہلانا اور زبان کھولنا محال ہو جائے۔ ایسے آیات بیّنہ اور براہینِ واضحہ و معجزات ظاہرہ دیکھ کر یہ کہہ دینا کہ کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی! روز روشن میں دن کا انکار کر دینے سے بھی زیادہ بدتر اور باطل تر ہے اور حقیقت میں یہ حق کو پہچان کر اس سے عناد و فرار ہے۔ کسی مدعا پر جب برہان قوی قائم ہو جائے پھر اس پر دوبارہ دلیل قائم کرنی ضروری نہیں رہتی اور ایسی حالت میں طلبِ دلیل عناد و مکابرہ ہوتا ہے جب تک کہ دلیل کو مجروح نہ کر دیا جائے کوئی شخص دوسری دلیل کے طلب کرنے کا حق نہیں رکھتا اور اگر یہ سلسلہ قائم کر دیا جائے کہ ہر شخص کے لئے نئی برہان قائم کی جائے جس کو وہ طلب کرے اور وہی نشانی لائی جائے جو وہ مانگے تو نشانیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس لئے حکمت الٰہیہ یہ ہے کہ انبیاء کو ایسے معجزات دیئے جاتے ہیں جن سے ہر شخص ان کے صدق و نبوت کا یقین کر سکے اور بیشتر وہ اس قبیل سے ہوتے ہیں جس میں ان کی امّت اور ان کے عہد کے لوگ زیادہ مشق و مہارت رکھتے ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں علم سحر اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا اور اس زمانہ کے لوگ سحر کے بڑے ماہر کامل تھے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ معجزہ عطا ہوا جس نے سحر کو باطل کر دیا اور ساحروں کو یقین دلا دیا کہ جو کمال حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دکھایا وہ ربانی نشان ہے، سحر سے اس کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طب انتہائی عروج پر تھی، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو شفائے امراض واحیائے اموات کا وہ معجزہ عطا فرمایا گیا جس سے طب کے ماہر عاجز ہو گئے اور وہ اس یقین پر مجبور تھے کہ یہ کام طب سے ناممکن ہے۔

ضرور یہ قدرت الٰہی کا زبردست نشان ہے اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عرب کی فصاحت و بلاغت اوجِ کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور وہ لوگ خوش بیانی میں عالم پر فائق تھے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ معجزہ عطا فرمایا جس نے انھیں عاجز و حیران کر دیا اور ان کے بڑے سے بڑے لوگ اور ان کے اہل کمال کی جماعتیں قرآن کریم کے مقابل ایک چھوٹی سی عبارت پیش کرنے سے بھی عاجز و قاصر رہیں اور قرآن کے اس کمال نے یہ ثابت کر دیا کہ بیشک یہ ربانی عظیم نشان ہے اور اس کا مثل بنالانا بشری قوت کے امکان میں نہیں۔ اس کے علاوہ اور صدہا معجزات سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش فرمائے جنہوں نے ہر طبقہ کے انسانوں کو آپ کے صدق رسالت کا یقین دلا دیا۔ ان معجزات کے ہوتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ کوئی نشانی کیوں نہیں اتری کس قدر عناد اور حق سے مکرنا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ رعد، لاہور)

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَىْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝
اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے اور رحم جس قدر سکڑتے اور جس قدر بڑھتے ہیں،
اور ہر چیز اس کے ہاں مقرر حد کے ساتھ ہے۔

ارحام سے متعلق علوم حقیقت کا بیان

"اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى" مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰى وَوَاحِدٍ وَمُتَعَدِّدٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ "وَمَا تَغِيْضُ" تَنْقُصُ "الْاَرْحَامُ" مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ "وَمَا تَزْدَادُ" مِنْهُ "وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ" بِقَدَرٍ وَحَدٍّ لَا يَتَجَاوَزُهُ،

اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے یعنی وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے وہ ایک ہے یا زیادہ ہیں۔ اسی طرح دیگر احوال وغیرہ ہیں۔ اور رحم جس قدر سکڑتے یعنی حمل کی مدت کو جانتا ہے۔ اور جس قدر بڑھتے ہیں، یا اور ہر چیز اس کے ہاں مقرر حد کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اس کی مقرر کردہ مقدار کسی چیز کا تجاوز نہیں ہے۔

سورہ رعد آیت ۸ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ آئے تو عامر نے کہا اگر میں اسلام لے آؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ آپ نے فرمایا تیرے حق وہی کچھ ہوگا جو عام مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے اور تیرے خلاف وہی کچھ ہوگا جو عام مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے۔

اس نے کہا کیا آپ اپنے بعد مجھے حکومت نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا حکومت نہ تجھے ملے گی نہ تیری قوم کو چنانچہ یہ آپ کے پاس سے نکلے اسی دوران عامر نے اربد سے کہا میں باتوں سے محمد ﷺ کی توجہ پھیروں گا تو انہیں تلوار سے قتل کر دینا چنانچہ آپ اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور اس سے گفتگو کرنے لگے دوسری طرف اربد اپنی تلوار سونتنے لگا جب اس نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا تو اس کا ہاتھ وہیں رک گیا رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے دیکھا تو آپ ان کے پاس سے نکل گئے وہ بھی نکلے جب وہ مقام رقم پر پہنچے تو اللہ نے اربد پر آسمانی بجلی بھیجی اور اسے ہلاک کر دیا اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ۔ (سیوطی 157، معجم طبرانی 10-312، مجمع الزوائد 7-43)

پیٹ میں بچے کے سکڑنے کے مفہوم کا بیان

مدت میں کس کا حمل جلد وضع ہوگا کس کا دیر میں۔ حمل کی کم سے کم مدت جس میں بچہ پیدا ہو کر زندہ رہ سکے چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال۔ یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اور اسی کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے پیٹ کے گھٹنے بڑھنے سے بچہ کا قوی، تام الخلقت اور ناقص الخلقت ہونا مراد ہے۔

ماؤں کے رحم میں انسان کی تقدیر و احوال لکھے جانے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ صادق و مصدوق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا۔ تم میں سے ہر آدمی کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) اس کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بنتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں کے بعد وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو

چار باتوں کے لکھنے کے لئے بھیجتا ہے۔

چنانچہ وہ فرشتہ اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بد بخت و نیک بخت ہونا اللہ کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنت والوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا سامنے آتا ہے اور وہ جنت والوں کے سے کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 79)

ایسا کم ہوتا ہے کہ لوگ بھلائی کے راستہ کو چھوڑ کر برائی کا راستہ اختیار کرتے ہوں لیکن اللہ کی رحمت کاملہ کے صدقے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو لوگ بدبختی و برائی کے راستہ کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھلائی کی طرف آجاتے ہیں اور نیکی کے راستہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ابدی نجات وعذاب کا دارو مدار خاتمہ پر ہے، اگر کسی کی پوری زندگی گناہ و معصیت یا کفر و شرک میں گزری لیکن اس نے آخر وقت میں صدق دل سے اپنی بداعمالیوں اور گمراہی پر نادم و شرمسار ہو کر نیک بختی و سعادت کے راستہ کو اختیار کر لیا تو وہ نجات پا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی تمام عمر نیکی و بھلائی کرتا رہا اور اس کی تمام زندگی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزری لیکن آخر وقت میں وہ شیطان کی گمراہی یا اپنے نفس کی شرارت سے گمراہ ہو گیا اور اس نے اپنی حیات کے آخری لمحوں کو برائی و بدبختی کی بھینٹ چڑھا دیا تو وہ اپنی زندگی بھر کی نیکیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

لہٰذا اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ بھلائی و بہتری اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ بندہ ہمیشہ اطاعت الٰہی اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بجا آوری میں مصروف رہے، اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی حدود شریعت سے تجاوز کرنے نہ پائے اور ہر آنے والے لمحہ کو یہ سوچ کر کہ شاید میری زندگی کا یہ آخری لمحہ ہو نیکی و بھلائی میں صرف کرتا رہے تا کہ خاتمہ بالخیر کی سعادت سے نوازا جائے۔ اس موقع پر اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو لوگ قضا و قدر کے مسئلوں کو دیکھ کر یہ نظریہ قائم کر بیٹھے ہیں کہ جب نجات وعذاب، نیک بختی و بدبختی اور جنت و دوزخ کا ملنا تقدیری چیز ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے؟ وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

چنانچہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جو اس مسئلہ کی حقیقت کو نہیں سمجھ پائے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کی بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عمل کئے جاؤ کیونکہ جس کے مقدر میں جو کچھ لکھا ہے اس پر اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔ یعنی قضا و قدر پر بھروسہ کر کے تمہارا عمل میں توقف کرنا یا عمل سے انکار کرنا کوئی کارآمد نہیں ہوگا اس لئے کہ احکام شارع کی جانب سے وارد ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تم کو سوچنے سمجھنے کی قابلیت اور نیکی و بدی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی دی گئی ہے، نیز تمہارے اندر قصد و جہد کا مادہ بھی پیدا کیا گیا ہے تا کہ تم ان اسباب کے ذریعہ عمل کر سکو، لہٰذا اب اگر تم

قضاوقدر کا سہارا لے کر اسباب سے قطع نظر کرو گے اور اعمال کو چھوڑ دو گے تو تباہی و بربادی کے غار میں جا گرو گے۔ ہاں یہ اللہ کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگئی جس کی حقیقت وحکمت کو تو وہی جانتا ہے کہ ایک طرف تو اس نے قضاوقدر کے مسئلہ کو سامنے کر دیا دوسری طرف اعمال وافعال کے کرنے کا حکم دیا۔

اور پھر اس مسئلہ میں تحقیق وتفتیش کرنے سے بھی منع فرما دیا اور پھر قضاوقدر کے سہارے اعمال کی ضرورت سے انکار کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ اللہ کی جانب سے شریعت کا اتارنا، احکام بھیجنا اور رسولوں کی بعثت جن کا مقصد احکام الٰہی پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہوتا تھا بلاوجہ ہوئی کیونکہ جب محض تقدیر پر بھروسہ ہوگا کہ جس کے مقدر میں جنت میں جانا لکھا ہوگا وہ جنت میں یقیناً جائے گا اور جس کے مقدر میں دوزخ لکھی ہوگی اور دوزخ میں یقیناً جائے گا تو ان رسولوں کی بعثت اور احکام واعمال کی بجا آوری کی تاکید کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا اس حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو یہ خیال غلط ثابت ہوگا۔ بہرحال جس طرح اور بہت سے اسرار الٰہی ہیں کہ ان کی بندوں کو خبر نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ایک راز ہے جو بندوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، اس لئے کسی کے ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ یہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے یعنی وہ جس کو چاہے بداعمالیوں کی بنا پر عذاب میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے فضل وکرم سے بخش دے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ۝
وہ ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے سب سے برتر، اعلیٰ رتبہ والا ہے۔

غائب اور موجود کا علم اللہ کے پاس ہونے کا بیان

"عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَة " مَا غَابَ وَمَا شُوهِدَ "الْكَبِیْرُ" الْعَظِیْم "الْمُتَعَالِی" عَلٰی خَلْقه بِالْقَهْرِ بِیَاءٍ وَدُوْنهَا،

وہ ہر نہاں اور عیاں کو جاننے والا ہے یعنی جو غائب اور جو موجود ہے سب سے برتر اور اعلیٰ رتبہ والا ہے۔ یعنی مخلوق پر اپنی قوت کے ساتھ غالب ہے یہاں پر لفظ متعال یہ یاء اور بغیر یاء دونوں طرح آیا ہے۔

شہادت اس کے بالمقابل وہ چیزیں ہیں جن کو انسانی حواس مذکورہ کے ذریعہ معلوم کیا جا سکے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کی خاص صفت کمال یہ ہے کہ وہ ہر غیب کو اس طرح جانتا ہے جس طرح حاضر وموجود کو جانتا ہے

الکبیر کے معنی بڑا اور متعال کے معنی بالا و بلند مراد ان دونوں لفظوں سے یہ ہے وہ مخلوقات کی صفات سے بالا و بلند اور اکبر ہے کفار ومشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اجمالی طور بڑائی اور کبریائی کا تو اقرار کرتے تھے مگر اپنے قصور فہم سے اللہ تعالیٰ کو بھی عام انسانوں پر قیاس کر کے اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت کرتے تھے جو اس کی شان سے بہت بعید ہیں جیسے یہود ونصاریٰ نے اللہ کے لئے بیٹا ثابت کیا کسی نے اللہ کے لئے انسان کی طرح جسم اور اعضاء ثابت کئے کسی نے جہت اور سمت کو ثابت کیا حالانکہ وہ ان تمام حالات وصفات سے بالا و بلند اور منزہ ہے قرآن کریم نے ان کی بیان کردہ صفات سے برات کے لئے بار بار فرمایا پاک ہے اللہ ان صفات

سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّيۡلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝
تم میں سے جو شخص آہستہ بات کرے اور جو بلند آواز سے کرے اور جو رات میں چھپا ہوا اور جو دن میں چلتا پھرتا ہو، سب برابر ہیں۔

ظاہر و پوشیدہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہونے کا بیان

"سَوَاءٌ مِنۡكُمۡ" فِىۡ عِلۡمِه تعَالٰى "مَنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بَهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍ" مُسۡتَتِر "بِاللَّيۡلِ" بِظَلَامِهٖ "وَسَارِب" ظَاهِر بِذَهَابِهٖ فِىۡ سِرۡبِه اَىۡ طَرِيۡقِه،

تم میں سے جو شخص آہستہ بات کرے اور جو بلند آواز سے کرے اور جو رات کی تاریکی میں چھپا ہوا اور جو دن کی روشنی میں چلتا پھرتا ہو، یعنی روشنی یا اندھیرے میں چلنے والے سب اللہ کے علم میں ہیں۔ اس کے لئے سب برابر ہیں۔

اللہ کا علم تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، پست اور بلند ہر آواز وہ سنتا ہے چھپا کھلا سب جانتا ہے۔ تم چھپاؤ یا کھولو اس سے مخفی نہیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ اللہ پاک ہے جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیرا ہوا ہے قسم اللہ کی اپنے خاوند کی شکایت لے کر آنے والی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کانا پھوسی کی کہ میں پاس ہی گھر میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن میں پوری طرح نہ سن سکی لیکن اللہ تعالیٰ نے آیتیں (قد سمع اللہ) الخ اتاریں یعنی اس عورت کی یہ تمام سرگوشی اللہ تعالیٰ سن رہا تھا۔ وہ سمیع و بصیر ہے، جو اپنے گھر کے تہ خانے میں راتوں کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہو وہ اور جو دن کے وقت کھلم کھلا آباد راستوں میں چلا جا رہا ہو وہ علم اللہ میں برابر ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى
يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ۝
انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے (فرشتے) ہیں جو اس کے آگے اور اس کے پیچھے اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے
ہیں۔ بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں، اور جب اللہ کسی قوم کے
ساتھ عذاب کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، اور نہ ہی ان کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مددگار ہوتا ہے۔

عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد کوئی عذاب سے بچانے والا نہیں ہے

"لَهٗ" لِلۡاِنۡسَانِ "مُعَقِّبَات" مَلَائِكَة تَتَعَقَّبُهٗ "مِنۡ بَيۡنِ يَدَيۡهِ" قُدَّامه "وَمِنۡ خَلۡفه" وَرَائِهٖ "يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰه" اَىۡ بِاَمۡرِهٖ مِنَ الۡجِنّ وَغَيۡرهمۡ "اِنَّ اللّٰه لَا يُغَيِّر مَا بِقَوۡمٍ" لَا يَسۡلُبهُمۡ نِعۡمَته "حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ" مِنَ الۡحَالَة الۡجَمِيۡلَة بِالۡمَعۡصِيَة "وَاِذَا اَرَادَ اللّٰه بِقَوۡمٍ سُوۡءًا" عَذَابًا "فَلَا مَرَدَّ لَهٗ" مِنۡ

اَلْمُعَقِّبَات وَلَا غَیْرُهَا "وَمَا لَهُمْ" لِمَنْ اَرَادَ اللّٰه بِهِمْ سُوْءً ا "مِنْ دُوْنِه" اَیْ غَیْرُ اللّٰه "مِنْ" زَائِدَة "وَّالٍ" یَمْنَعُهُ عَنْهُمْ

انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں جو اس کے آگے اور اس کے پیچھے اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے حکم وہ جنات وغیرہ سے حفاظت کرتے ہیں۔ بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یعنی اس سے نعمت سلب نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں، یعنی اچھی حالت سے گناہوں کی حالت میں لیکر چلے جائیں۔ اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ اس کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے کوئی یعنی فرشتوں وغیرہ یا اور کوئی بھی ٹال نہیں سکتا، اور نہ ہی ان کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی غیر اللہ مددگار ہوتا ہے۔ جن کے لئے اللہ نے عذاب کا فیصلہ کرلیا یہاں پر من زائدہ ہے یعنی کو عذاب روکنے والا نہیں ہے۔

دن رات انسانوں کے ساتھ مقرر فرشتوں کے احوال کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس (آسمان سے) فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں (جو تمہارے اعمال لکھتے ہیں اور انہیں بارگاہ الوہیت میں پہنچاتے ہیں) اور فجر وعصر کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال واعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 591)

ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال کو لکھنے اور انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے لئے (فرشتوں کی دو جماعتیں بندوں کے ہمراہ رہتی ہیں۔ ایک جماعت تو دن کے اعمال لکھتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس جا کر بارگاہ الوہیت میں اپنی رپورٹ پیش کر دیتی ہے۔ دوسری جماعت رات کے اعمال لکھتی ہے۔ یہ فجر کی نماز کے بعد واپس جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کے رات کے اعمال کی رپورٹ دیتی ہے چنانچہ دن اور رات میں دو وقت ایسے ہوتے ہیں جب کہ یہ دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ تو فجر کے وقت جب کہ رات کے فرشتے واپس جاتے ہیں اور دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسری مرتبہ ان دونوں جماعتوں کا اجتماع عصر کے وقت ہوتا ہے جب کہ دن کے فرشتے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس جاتے ہیں اور رات کے فرشتے اپنے کام پر حاضر ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اس کا علم زمین وآسمان کے ذرے ذرے کو محیط ہے۔ وہ زمین و آسمانوں کے رہنے والوں کے ایک ایک عمل کو جانتا ہے مگر جب فرشتے بندوں کے اعمال کی رپورٹ لے کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو ان سے پوچھتا ہے کہ جب تم اپنی ڈیوٹی پوری کر کے واپس لوٹ رہے تھے تو بتاؤ کہ اس وقت میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اور اس کا یہ پوچھنا (نعوذ باللہ) علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سوال سے اس کا مقصد فرشتوں کے سامنے اپنی

بندوں کی فضیلت وعظمت کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو بھیجنا چاہا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ پروردگار کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو دنیا میں فساد اور خون ریزی وغارت گری کا بازار گرم کرے گی۔ اور پھر انہوں نے اپنی برتری و بڑائی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ تیری عبادت کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں اور ہم ہی تیری عبادت و پرستش کر بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ سوال کر کے ان پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ دیکھو! جس مخلوق کے بارے میں تمہارا یہ خیال تھا کہ وہ دنیا میں سوائے فتنہ وفساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کرے گی اب تم خود دیکھ آئے ہو کہ وہ میری عبادت اور میری پرستش کس پابندی اور کس ذوق وشوق سے کرتی ہے۔ بہر حال! اس حدیث کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو رغبت دلا رہے ہیں کہ ان دونوں اوقات میں ہمیشہ پابندی سے نماز پڑھتے رہو تا کہ وہ فرشتے اللہ کے سامنے تمہارے اچھے اور بہتر اعمال ہی پیش کرتے رہیں اور رب قدوس تمہاری فضیلت و بڑائی اسی طرح فرشتوں کے سامنے ظاہر کرتا رہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ○
وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے، ڈرانے اور امید دلانے کے لیے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔

آسمانی بجلی کی کڑک و بارش کے ذریعے نصیحت کا پیغام

"هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا" لِلْمُسَافِرِیْنَ مِنَ الصَّوَاعِقِ "وَطَمَعًا" لِلْمُقِیْمِ فِی الْمَطَرِ "وَیُنْشِئُ" یَخْلُقُ "السَّحَابَ الثِّقَالَ" بِالْمَطَرِ،

وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے، ڈرانے یعنی مسافر کڑک سے ڈر جاتے ہیں۔ اور امید دلانے کے لیے یعنی مقیم بارش میں امید لگا بیٹھتے ہیں۔ اور وہی بھاری بادل بارش کے لئے پیدا کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا کہ برق پانی ہے۔ مسافر اسے دیکھ کر اپنی ایذاء اور مشقت کے خوف سے گھبراتا ہے اور مقیم برکت ونفع کی امید پر رزق کی زیادتی کا لالچ کرتا ہے، وہی بوجھل بادوں کو پیدا کرتا ہے جو بوجہ پانی کے بوجھ کے زمین کے قریب آجاتے ہیں۔ پس ان میں بوجھ پانی کا ہوتا ہے۔

بادل کی آواز سن کر دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے کا بیان

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک آدمی جنگل میں جا رہا تھا۔ اس نے بادل سے ایک آواز سنی جیسے کوئی کہہ رہا ہے کہ جا کر فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ وہ بادل ایک طرف چلا۔ پھر وہاں ایک پتھریلی زمین پر برسا۔ ایک نالی نے وہ سب پانی جمع کیا۔ وہ آدمی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلا۔ آگے چل کر اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغ کو سیراب کرنے کے لیے بیلچہ سے اس کی نالی درست کر رہا ہے۔ نالی درست ہوئی تھی کہ بارش کا یہ پانی وہاں پہنچ گیا۔ پیچھے پیچھے چلنے والا یہ شخص اللہ کی

قدرت پر بہت متعجب ہوا اور باغ والے سے پوچھا اللہ کے بندے! تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتلایا جو اس نے بادل سے سنا تھا۔ اب باغ والے نے اس شخص سے پوچھا: اللہ کے بندے! تم میرا نام کیوں پوچھتے ہو۔ وہ کہنے لگا: میں نے اس بادل سے جس کے پانی سے تو اپنا کھیت سیراب کر رہا ہے۔ یہ آواز سنی تھی کہ جا کر فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو۔ اس میں تمہارا ہی نام لیا گیا تھا۔ اب تم یہ بتلاؤ کہ تمہارا وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ تم پر اتنا مہربان ہے؟ باغ والا کہنے لگا: اب جبکہ تم نے یہ بات سن ہی لی ہے تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس باغ سے جو پیداوار ہوتی ہے اس کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ میں لوٹا دیتا ہوں (یعنی اگلی فصل کے خرچ اخراجات پر صرف کرتا ہوں)۔ (مسلم، کتاب الزہد)

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا
مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۞
گرج (یا اس پر متعین فرشتہ) اور تمام فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور وہ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے
پھر جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے، اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، اور وہ سخت تدبیر وگرفت والا ہے۔

رعد فرشتے کی تسبیح کرنے کا بیان

"وَيُسَبِّح الرَّعْد " هُوَ مَلَك مُوَكَّل بِالسَّحَابِ يَسُوقهُ مُتَلَبِّسًا "بِحَمْدِهِ" اَىْ يَقُوْل سُبْحَان اللّٰه وَبِحَمْدِهِ "و" يُسَبِّح "الْمَلَائِكَة مِنْ خِيفَته " اَىْ اللّٰه "وَيُرْسِل الصَّوَاعِق " وَهِيَ نَار تَخْرُج مِنْ السَّحَاب "فَيُصِيْب بِهَا مَنْ يَّشَاء " فَتُحْرِقهُ نَزَلَ فِيْ رَجُل بَعَثَ اِلَيْهِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّدْعُوهُ فَقَالَ مَنْ رَسُولُ اللّٰه وَمَا اللّٰه اَمِنْ ذَهَب هُوَ اَمْ مِنْ فِضَّة اَمْ نُحَاس فَنَزَلَتْ بِهٖ صَاعِقَة فَذَهَبَتْ بِقِحْفِ رَاْسه "وَهُمْ" اَىْ الْكُفَّار "يُجَادِلُوْنَ" يُخَاصِمُوْنَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فِي اللّٰه وَهُوَ شَدِيْد الْمِحَال" الْقُوَّة اَوْ الْاَخْذ،

گرج یا اس پر متعین فرشتہ جو بادلوں کو چلاتا ہے اور تمام فرشتے اس کے خوف یعنی اللہ کے خوف سے اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، یعنی "سُبْحَان اللّٰه وَبِحَمْدِهٖ" اور وہ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو بادلوں سے نکلتی ہے۔ پھر جس پر چاہتا ہے اسے گرا دیتا ہے، تو وہ اس کا جلا ڈالتی ہے۔

اس شخص کے بارے میں آیت نازل ہوئی جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعوت اسلام کے لئے بھیجا تو اس نے کہا اللہ کا رسول کون ہے؟ اللہ کیا ہے؟ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا تانبے کا ہے؟ تو اس گستاخ پر آسمانی بجلی گری اور اس کی کھوپڑی کو اچک کر لے گئی۔

اور وہ کفار قدرت کی ان نشانیوں کے باوجود اللہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرتے ہیں، اور وہ سخت تدبیر وگرفت

والا ہے۔

سورہ رعد آیت ۱۳ کے شانِ نزول کا بیان

حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے ایک نہایت سرکش کافر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے اپنے اصحاب کی ایک جماعت بھیجی، انہوں نے اس کو دعوت دی کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب کون ہے جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو، کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا یا تانبے کا؟ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری اور انہوں نے واپس ہو کر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ایسا اکفر، سیاہ دل، سرکش دیکھنے میں نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے پاس پھر جاؤ، اس نے پھر وہی گفتگو کی اور اتنا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کر کے ایسے رب کو مان لوں جسے نہ میں نے دیکھا نہ پہچانا۔ یہ حضرات پھر واپس ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور اس کا خُبث تو اور ترقی پر ہے، فرمایا پھر جاؤ، بہ تعمیل ارشاد پھر گئے جس وقت اس سے گفتگو کر رہے تھے اور وہ ایسی ہی سیاہ دلی کی باتیں بک رہا تھا، ایک ابر آیا اس سے بجلی چمکی اور کڑک ہوئی اور بجلی گری اور اس کافر کو جلا دیا۔ یہ حضرات اس کے پاس بیٹھے رہے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راہ میں انھیں اصحاب کرام کی ایک اور جماعت ملی وہ کہنے لگے کہیے وہ شخص جل گیا، ان حضرات نے کہا آپ صاحبوں کو کیسے معلوم ہو گیا؟ انہوں نے فرمایا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی آئی ہے۔ (وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاءُ '13)-13 الرعد)۔ (تفسیر خازن، سورہ رعد، بیروت)

بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ عامر بن طفیل نے اربد بن ربیعہ سے کہا محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چلو میں انھیں باتوں میں لگاؤں گا تو پیچھے سے تلوار سے حملہ کرنا، یہ مشورہ کر کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عامر نے حضور سے گفتگو شروع کی بہت طویل گفتگو کے بعد کہنے لگا کہ اب ہم جاتے ہیں اور ایک بڑا جرّار لشکر آپ پر لائیں گے یہ کہہ کر چلا آیا، باہر آ کر اربد سے کہنے لگا کہ تو نے تلوار کیوں نہیں ماری؟ اس نے کہا جب میں تلوار مارنے کا ارادہ کرتا تھا تو تو درمیان میں آ جاتا تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے نکلتے وقت یہ دعا فرمائی۔ "اَللّٰھُمَّ اکْفِھِمَا بِمَا شِئْتَ" جب یہ دونوں مدینہ شریف سے باہر آئے تو ان پر بجلی گری اربد جل گیا اور عامر بھی اسی راہ میں بہت بدتر حالت میں مرا۔ (تفسیر حسینی، سورہ رعد، لاہور)

صاعقہ وہ شدید آواز ہے جو جَوّ (آسمان و زمین کے درمیان) سے اترتی ہے پھر اس میں آگ پیدا ہو جاتی ہے یا عذاب یا موت اور وہ اپنی ذات میں ایک ہی چیز ہے اور یہ تینوں چیزیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ رعد، بیروت)

گرج و کڑک کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا بیان

پھر فرمایا کہ کڑک بھی اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے۔ ایک اور جگہ ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بادل پیدا کرتا ہے جو اچھی طرح بولتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ ممکن ہے بولنے سے مراد گرجنا اور ہنسنے سے مراد بجلی کا ظاہر ہونا ہے۔ سعد بن ابراہیم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے اس سے اچھی بولی اور اس سے اچھی ہنسی والا کوئی اور نہیں۔ اس کی ہنسی بجلی ہے

اور اس کی گفتگو گرج ہے۔محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں ایک انسان جیسا ایک بیل جیسا ایک گدھے جیسا، ایک شیر جیسا، وہ جب دم ہلاتا ہے تو بجلی ظاہر ہوتی ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ رعد، بیروت)

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ
كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝
اسی کے لئے حق کی دعوت ہے، اور وہ لوگ جو اس کے سوا کی عبادت کرتے ہیں، وہ انہیں کسی چیز کا جواب بھی نہیں دے سکتے۔
ان کی مثال تو صرف اس شخص جیسی ہے جو اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائے ہو کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے
اور وہ اس تک پہنچنے والا نہیں، اور کافروں کا دعا کرنا گمراہی میں بھٹکنے کے سوا کچھ نہیں۔

کفار کی مثال کنوئیں کے کنارے ہاتھ پھیلا کر پانی طلب کرنے کا بیان

"لَهٗ" تَعَالٰی "دَعْوَةُ الْحَقِّ" اَیْ كَلِمَته وَهِیَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه "وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء يَعْبُدُوْنَ "مِنْ دُوْنِه" اَیْ غَيْرِه وَهُمُ الْاَصْنَام "لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ" مِمَّا يَطْلُبُوْنَهٗ "اِلَّا" اسْتِجَابَة "كَبَاسِطِ" اَیْ كَاسْتِجَابَةِ بَاسِط "كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاء" عَلٰی شَفِيْرِ الْبِئْر يَدْعُوهُ "لِيَبْلُغَ فَاهُ" بِارْتِفَاعِه مِنَ الْبِئْر اِلَيْهِ "وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ" اَیْ فَاهُ اَبَدًا فَكَذٰلِكَ مَا هُمْ بِمُسْتَجِيْبِيْنَ لَهُمْ "وَمَا دُعَاء الْكَافِرِيْنَ" عِبَادَتُهُمُ الْاَصْنَام اَوْ حَقِيْقَة الدُّعَاء "اِلَّا فِیْ ضَلَال" ضَيَاع،

اسی کے لئے حق یعنی توحید کی دعوت ہے، اور وہ کلمہ ہے "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" اور وہ کافر لوگ جو اس کے سوا معبودانِ باطلہ یعنی بتوں کی عبادت کرتے ہیں، یہاں پر یدعوھم یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔وہ انہیں کسی چیز کا جواب بھی نہیں دے سکتے۔یعنی جو جواب وہ طلب کرتے ہیں۔سوائے اس کے کہ ان کی مثال تو صرف اس شخص جیسی ہے جو اپنی دونوں ہتھیلیاں کنوئیں کے کنارے پر پانی کی طرف پھیلائے بیٹھا ہو کہ وہ کنوئیں کا پانی خود اس کے منہ تک پہنچ جائے اور یوں تو وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں، یعنی جس طرح اس کا منہ ہمیشہ ایسے ہی خالی رہتا ہے اسی طرح کافروں کا بتوں کی عبادت اور ان سے دعا کرنا گمراہی میں بھٹکنے کے سوا کچھ نہیں۔یعنی ان کو بھی بتوں کی عبادت اور ان سے دعا وغیرہ سے کچھ نہیں ملے گا۔بس وقت کا ضیاع ہے۔

چشمے کا پانی خود بہ خود منہ میں پہنچ کی طرح مشرکین کی حالت کا بیان

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کے لئے دعوت حق ہے، اس سے مراد توحید ہے۔محمد بن منکدر کہتے ہیں مراد لا الہ الا اللہ ہے۔پھر مشرکوں کافروں کی مثال بیان ہوئی کہ جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں خود بخود پہنچ جائے تو ایسا نہیں ہونے کا۔اسی طرح یہ کفار جنہیں پکارتے ہیں اور جن سے امیدیں رکھتے ہیں، وہ ان کی امیدیں پوری نہیں کرنے کے۔اور یہ مطلب بھی ہے کہ جیسے کوئی اپنی مٹھیوں میں پانی بند کر لے تو وہ رہنے کا نہیں۔پس باسط قابض کے معنی

میں ہے۔عربی شعر میں بھی قابض ماء آیا ہے پس جیسے پانی مٹھی میں روکنے والا اور جیسے پانی کی طرف ہاتھ پھیلانے والا پانی سے محروم ہے، ایسے ہی یہ مشرک اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کریں گے لیکن رہیں گے محروم ہی دین دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نہ پہنچے گا۔ ان کی پکار بے سود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ رعد، بیروت)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۝
اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتا ہے خوشی سے اور مجبوراً اور انکے سائے صبح وشام سجدہ کرتے ہیں۔

زمین وآسمان کی ساری مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کا بیان

"وَلِلّٰهِ يَسْجُد مَنْ فِي السَّمَاوَات وَالْاَرْض طَوْعًا" كَالْمُؤْمِنِينَ "وَكَرْهًا" كَالْمُنَافِقِينَ وَمَنْ اُكْرِهَ بِالسَّيْفِ "و" "يَسْجُد "ظِلَالهمْ بِالْغُدُوِّ" الْبُكَر "وَالْاٰصَال" الْعَشَايَا،

اور جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کے لئے سجدہ کرتا ہے بعض خوشی سے جیسے اہل ایمان ہیں اور بعض مجبوراً جیسے منافقین یا جس کو تلوار سے مجبور کیا جائے۔اور ان کے سائے بھی صبح وشام اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

کافر کا سجدہ غیر اللہ کو مگر اس کے سائے کا سجدہ اللہ کو ہوتا ہے

ان کی تبعیت میں ہر مخلوق اللہ کو سجدہ کرتی ہیں۔زُجاج نے کہا کہ کافر غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور اس کا سایہ اللہ کو۔ابن انباری نے کہا کہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ پرچھائیوں میں ایسی فہم پیدا کرے کہ وہ اس کو سجدہ کریں۔بعض کا قول ہے سجدے سے سایہ کا ایک طرف سے دوسری طرف مائل ہونا اور آفتاب کے ارتفاع ونزول کے ساتھ دراز وکوتاہ ہونا مراد ہے۔(تفسیر خازن، سورہ رعد)

تو پھر ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی سجدہ ریزی کیوں شروع کر لی ہے؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا
يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ
تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ
عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝
فرمائیے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ فرما دیجئے: اللہ ہے۔آپ فرمائیے، کیا تم نے اس کے سوا کو کارساز بنا لیا ہے جو
نہ اپنی ذاتوں کے لئے کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ کسی نقصان کے۔آپ فرما دیجئے: کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں یا کیا
تاریکیاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں۔کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح خود بھی پیدا
کی ہو، سو اس مخلوق سے ان کو تشابہ ہو گیا ہو، فرما دیجئے، اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے، وہ سب پر غالب ہے۔

مخلوق پر عبادت کا حق صرف اللہ کے لئے ہونے کا بیان

"قُلْ" یَا مُحَمَّد لِقَوْمِكَ "مَنْ رَبّ السَّمَاوَات وَالْاَرْض قُلْ اللّٰه" اِنْ لَّمْ یَقُوْلُوْهُ لَا جَوَاب غَیْرہ "قُلْ" لَهُمْ "اَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنه" اَیْ غَیْرہ "اَوْلِیَاء" اَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا "لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا" وَتَرَكْتُمْ مَالِكهمَا ؟ اسْتِفْهَام تَوْبِیخ "قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمَی وَالْبَصِیر" الْكَافِر وَالْمُؤْمِن "اَمْ هَلْ تَسْتَوِی، الظُّلُمَات" الْكُفْر "وَالنُّور" الْاِیْمَان ؟ لَا "اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاء خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْق" اَیْ خَلْق الشُّرَكَاء بِخَلْقِ اللّٰه اسْتِفْهَام اِنْكَار ؟ اَیْ لَیْسَ الْاَمْر كَذٰلِكَ وَلَا یَسْتَحِقّ الْعِبَادَة اِلَّا الْخَالِق "عَلَیْهِمْ" فَاعْتَقَدُوا اسْتِحْقَاق عِبَادَتهمْ بِخَلْقِهِمْ ؟ "قُلْ اللّٰه خَالِق كُلّ شَیْء" لَا شَرِیْك لَهٗ فِیْهِ فَلَا شَرِیْك لَهٗ فِی الْعِبَادَة "وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّار" لِعِبَادِہٖ۔

یا محمد ﷺ اپنی قوم سے فرمایئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ اگر وہ اس بات کا جواب نہ دیں تو آپ خود ہی فرما دیجئے، اللہ ہے۔ پھر آپ ان سے دریافت فرمایئے۔ کیا تم نے اس کے سوا ان بتوں کو کارساز بنالیا ہے جو نہ اپنی ذاتوں کے لئے کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ کسی نقصان کے۔ یعنی تم نے ان کے مالک کو چھوڑ دیا ہے یہ استفہام بہ طور توبیخ ہے۔ آپ فرمادیجئے، کیا اندھا اور بینا یعنی کافر اور مؤمن برابر ہو سکتے ہیں یا کیا تاریکیاں یعنی کفر اور روشنی یعنی ایمان برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں، کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح کچھ مخلوق خود بھی پیدا کی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی اللہ کے سوا یہ عبادت کے حقدار نہیں ہے۔، ان بتوں کی پیدا کردہ اس مخلوق سے ان کو تشابہ یعنی مغالطہ ہو گیا ہو، فرمادیجئے، اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے یعنی اس کے لئے عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور وہ ایک ہے، وہ عبادت میں سب پر غالب ہے۔

صفت خلق کے ذریعے دلیل عبادت کا بیان

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ مشرکین بھی اس کے قائل ہیں کہ زمین وآسمان کا رب اور مدبر اللہ ہی ہے۔ اس کے باوجود دوسرے اولیا کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب عاجز بندے ہیں۔ ان کے تو کیا خود اپنے بھی نفع نقصان کا انہیں کوئی اختیار نہیں پس یہ اور اللہ کے عابد یکساں نہیں ہو سکتے۔ یہ تو اندھیروں میں ہیں اور بندہ رب نور میں ہے۔ جتنا فرق اندھے میں اور دیکھنے والے میں ہے، جتنا فرق اندھیروں اور روشنی میں ہے اتنا ہی فرق ان دونوں میں ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کیا ان مشرکین کے مقرر کردہ شریک اللہ ان کے نزدیک کسی چیز کے خالق ہیں؟ کہ ان پر تمیز مشکل ہو گئی کہ کسی چیز کا خالق اللہ ہے؟ اور کس چیز کے خالق ان کے معبود ہیں؟ حالانکہ ایسا نہیں اللہ کے مشابہ اس جیسا اس کے برابر کا اور اس کی مثل کا کوئی نہیں۔ وہ وزیر سے، شریک سے، اولاد سے، بیوی سے، پاک ہے اور ان سب سے اس کی ذات بلند و بالا ہے۔ یہ تو مشرکین کی پوری بیوقوفی ہے کہ اپنے چھوٹے معبودوں کو اللہ کا پیدا کیا ہوا، اس کی مملوک سمجھتے ہوئے پھر بھی ان کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ لبیک پکارتے ہوئے کہتے ہیں

کہ یا اللہ ہم حاضر ہوئے تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ وہ خود تیری ملکیت میں ہے اور جس چیز کا وہ مالک ہے، وہ بھی دراصل تیری ہی ملکیت ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ رعد، بیروت)

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ
فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ
فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ
اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا تو وادیاں اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں، پھر سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا،
اور جن چیزوں کو آگ میں تپاتے ہیں، زیور یا دوسرا سامان بنانے کے لئے اس پر بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے، اس طرح اللہ حق
اور باطل کی مثالیں بیان فرماتا ہے، سو جھاگ تو بے کار ہو کر رہ جاتا ہے اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے
وہ زمین میں باقی رہتا ہے، اللہ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

حق وباطل درمیان فرق کرنے کے لئے مثال بیان کرنے کا بیان

ثُمَّ ضَرَبَ مَثَلًا لِلۡحَقِّ وَالۡبَاطِلِ فَقَالَ: "اَنۡزَلَ" تَعَالٰى "مِنَ السَّمَاء مَاء" مَطَرًا "فَسَالَتۡ اَوۡدِيَة بِقَدَرِهَا" بِمِقۡدَارِ مِلۡئِهَا "فَاحۡتَمَلَ السَّيۡل زَبَدًا رَابِيًا" عَالِيًا عَلَيۡهِ هُوَ مَا عَلٰى وَجۡهه مِنۡ قَذَر وَنَحۡوه "وَمِمَّا يُوقِدُوۡنَ" بِالتَّاءِ وَالۡيَاء "عَلَيۡهِ فِي النَّار" مِنۡ جَوَاهِر الۡاَرۡض كَالذَّهَبِ وَالۡفِضَّة وَالنُّحَاس "ابۡتِغَاء" طَلَب "حِلۡيَة" زِينَة "اَوۡ مَتَاع" يُنۡتَفَع بِهٖ كَالۡاَوَانِي اِذَا اُذِيبَتۡ "زَبَد مِثۡله" اَيۡ مِثۡل زَبَد السَّيۡل وَهُوَ خَبَثه الَّذِيۡ يَنۡفِيه الۡكِير "كَذٰلِكَ" الۡمَذۡكُور "يَضۡرِب اللّٰه الۡحَقّ وَالۡبَاطِل" اَيۡ مَثَلهمَا "فَاَمَّا الزَّبَد" مِنَ السَّيۡل وَمَا اُوقِدَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡجَوَاهِر "فَيَذۡهَب جُفَاء" بَاطِلًا مَرۡمِيًّا بِهٖ "وَاَمَّا مَا يَنۡفَع النَّاس" مِنَ الۡمَاء وَالۡجَوَاهِر "فَيَمۡكُث" يَبۡقٰى "فِي الۡاَرۡض" زَمَانًا كَذٰلِكَ الۡبَاطِل يَضۡمَحِلّ وَيَنۡمَحِق وَاِنۡ عَلَا عَلَى الۡحَقّ فِيۡ بَعۡض الۡاَوۡقَات وَالۡحَقّ ثَابِت بَاقٍ "كَذٰلِكَ" الۡمَذۡكُور "يَضۡرِب" يُبَيِّن،

اس کے بعد اس نے حق اور باطل کی مثال کو بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ اس نے آسمان کی جانب سے پانی یعنی بارش کو اتارا تو وادیاں اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں، یعنی ان کے اندر گنجائش تھی۔ پھر سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا، یعنی وہ کوڑا کرکٹ جو پانی کی سطح پر آجاتا ہے۔ اور جن چیزوں کو آگ میں تپاتے ہیں، یہاں پر یوقدون یہ تاء اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے یعنی جس کو آگ میں ڈال کر زمینی جواہر سے زیور یا دوسرا سامان بنانے کے لئے اس پر بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے، جس طرح سونا چاندی اور تانبا ہے۔ یا خوبصورتی کے لئے زیور یا سامان بنایا جاتا ہے۔ جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے جس طرح برتن وغیرہ ہیں اور جب اس دھات کو پگھلایا جائے تو اس پر جھاگ اٹھتی ہے۔ جس کو بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ بھٹی کی بیکار مائل ہوتی

ہے۔اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثالیں بیان فرماتا ہے،سوجھاگ تو پانی والا ہو یا آگ والا یا جواہر والا سب بے کار ہو کر رہ جاتا ہے اسی طرح باطل بھی دیکھائی دیتا ہے اور مٹ جاتا ہے۔اور البتہ پانی اور جواہر سے لوگوں کے لئے نفع ہوتا ہے وہ زمین میں ایک مدت تک باقی رہتا ہے، جبکہ باطل مٹ جانے والا ہے۔اور حق ثابت و باقی رہنے والا ہے۔اور ذکر کردہ مثل حق و باطل کے درمیان فرق واضح کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے۔اللہ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

یقین کا فائدے مند ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلی مثال میں بیان ہے ان لوگوں کا جن کے دل یقین کے ساتھ علم الٰہی کے حامل ہوتے ہیں اور بعض دل وہ بھی ہیں، جن میں رشک باقی رہ جاتا ہے پس شک کے ساتھ کا علم بے سود ہوتا ہے۔یقین پورا فائدہ دیتا ہے۔ابد سے مراد شک ہے جو کمتر چیز ہے، یقین کار آمد چیز ہے، جو باقی رہنے والی ہے۔جیسے زیور جو آگ میں تپایا جاتا ہے تو کھوٹ جل جاتا ہے اور کھری چیز رہ جاتی ہے، اسی طرح اللہ کے ہاں یقین مقبول ہے شک مردود ہے۔پس جس طرح پانی رہ گیا اور پینے وغیرہ کا کام آیا اور جس طرح سونا چاندی اصلی رہ گیا اور اس کے ساز و سامان بنے، اسی طرح نیک اور خالص اعمال عامل کو نفع دیتے ہیں اور باقی رہتے ہیں۔ہدایت وحق پر جو عامل رہے، وہ نفع پاتا ہے جیسے لوہے کی چھری تلوار بغیر تپائے بن نہیں سکتی۔اسی طرح باطل، شک اور ریاکاری والے اعمال اللہ کے ہاں کار آمد نہیں ہو سکتے۔قیامت کے دن باطل ضائع ہو جائے گا۔ اور اہل حق کو حق نفع دے گا۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا
وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا حکم قبول کیا بھلائی ہے، اور جنہوں نے اس کا حکم قبول نہیں کیا اگر ان کے پاس
وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو سو وہ اسے فدیہ دے ڈالیں۔انہی لوگوں کا حساب برا ہوگا،
اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔

اہل ایمان کے لئے جنت جبکہ کفار کے لئے دوزخ ہونے کا بیان

"لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ" اَجَابُوْهُ بِالطَّاعَةِ "الْحُسْنَى" الْجَنَّة "وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوا لَهُ" وَهُمُ الْكُفَّار "لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَا فِى الْاَرْض جَمِيْعًا وَمِثْله مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ" مِنَ الْعَذَاب "اُولٰئِكَ لَهُمْ سُوء الْحِسَاب" وَهُوَ الْمُؤَاخَذَة بِكُلِّ مَا عَمِلُوْهُ لَا يُغْفَر مِنْهُ شَيْء "وَمَاْوَاهُمْ جَهَنَّم وَبِئْسَ الْمِهَاد" الْفِرَاش هِيَ،

ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا حکم یعنی اطاعت کے ساتھ قبول کیا بھلائی یعنی جنت ہے، اور جنہوں نے اس کا حکم قبول نہیں کیا اور وہ کفار ہیں اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو سو وہ اسے عذاب

سے نجات کے لئے فدیہ دے ڈالیں تب بھی انہی لوگوں کا حساب برا ہوگا، یعنی وہ ہر ان کے عمل کا مؤاخذہ کرے گا۔ ان کے لئے کچھ بھی بخشش نہ ہوگی۔ اوران کا ٹھکانا دوزخ ہے، اوروہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔ یعنی وہ کتنا برا بچھونا ہے۔

قیامت کے دن ایمان کے فدیے میں روئے زمین کا سونا بھی کام نہ آئے گا

نیکوں بدوں کا انجام بیان ہورہا ہے۔ اللہ رسول کو ماننے والے، احکام کے پابند، خبروں پر یقین رکھنے والے تو نیک بدلہ پائیں گے۔ ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ظلم کرنے والے کو ہم بھی سزا دیں گے اور اللہ کے ہاں بھی سخت عذاب دیا جائے گا اور ایماندار اور نیک اعمال لوگ بہترین بدلہ پائیں گے اور ہم بھی ان سے نرمی کی باتیں کریں گے۔ اور آیت میں فرمان ربی ہے نیکوں کے لئے نیک بدلہ ہے اور زیادتی بھی۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ اللہ کی باتیں نہیں مانتے یہ قیامت کے دن ایسے عذابوں کو دیکھیں گے کہ اگر ان کے پاس ساری زمین بھر کر سونا ہو تو وہ اپنے فدیے میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں بلکہ اس جتنا اور بھی۔ مگر قیامت کے روز نہ فدیہ ہوگا، نہ بدلہ، نہ عوض، نہ معاوضہ۔ ان سے سخت باز پرس ہوگی ایک ایک چھلکے اور ایک ایک دانے کا حساب لیا جائے گا حساب میں پورے نہ اتریں کم تو عذاب ہوگا۔ جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا جو بدترین جگہ ہوگی۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے حق ہے، اس شخص کے
مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے، بات یہی ہے کہ نصیحت عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔

سورہ رعد آیت ۱۹ کے سبب نزول کا بیان

وَنَزَلَ فِيْ حَمْزَة وَاَبِيْ جَهْل "اَفَمَنْ يَّعْلَم اَنَّمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّك الْحَقّ" فَآمَنَ بِه "كَمَنْ هُوَ اَعْمَى" لَا يَعْلَمهُ وَلَا يُؤْمِن بِه لَا "اِنَّمَا يَتَذَكَّر" يَتَّعِظ "اُولُو الْاَلْبَاب" اَصْحَاب الْعُقُوْل،

یہ آیت حضرت حمزہ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے حق ہے، اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے، یعنی نہیں جانتا اور نہ ایمان لاتا ہے۔ بات یہی ہے کہ نصیحت عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔ یعنی اہل عقل کے لئے وعظ ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ابو جہل کو ملامت کرنے کا بیان

اعلان نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو ایسی ہستیاں دامن اسلام میں آ گئیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ جلال، اور ان کے عزت واقبال کا پرچم بہت ہی سر بلند ہو گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچاؤں میں حضرت حمزہ کو آپ سے بڑی والہانہ محبت تھی اور وہ صرف دو تین سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عمر میں زیادہ تھے اور چونکہ انہوں نے بھی حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے اور شکار کے بہت ہی شوقین تھے ۔ روزانہ صبح سویرے تیر کمان لے کر گھر سے نکل جاتے اور شام کو واپس لوٹ کر حرم میں آ جاتے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور قریش کے سرداروں کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے ۔ ایک دن حسب معمول شکار سے واپس لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی اور خود ان کی بہن حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو بتایا کہ آج ابو جہل نے کس کس طرح تمہارے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کی ہے یہ ماجرا سن کر مارے غصہ کے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون کھولنے لگا ایک دم تیر کمان لئے ہوئے مسجد حرام میں پہنچ گئے اور اپنی کمان سے ابو جہل کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟ تجھے خبر نہیں کہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں ۔ یہ دیکھ کر قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابو جہل نے یہ سوچ کر کہ کہیں بنو ہاشم سے جنگ نہ چھڑ جائے یہ کہا کہ اے بنی مخزوم! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجئے واقعی آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی خراب خراب قسم کی گالیاں دی تھیں ۔ ایک وہ شخص جو اللہ کے کلام کو جو آپ کی جانب اترا سراسر حق مانا ہو، سب پر ایمان رکھتا ہو ۔

ایک کو دوسرے کی تصدیق کرنے والا اور موافقت کرنے والا جانا ہو، سب خبروں کو سچ جانتا ہو، سب حکموں کو مانتا ہو، سب برائیوں کو جانتا ہو، آپ کی سچائی کا قائل ہو ۔ اور دوسرا وہ شخص جو نابینا ہو، بھلائی کو سمجھتا ہی نہیں اور اگر سمجھ بھی لے تو مانتا نہ ہو، نہ سچا جانتا ہو، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ جیسے فرمان ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ۔ جنتی خوش نصیب ہیں، یہی فرمان یہاں ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ۔ (مدراج النبوۃ ج 2 ص 44 وزرقانی ج 1 ص 256)

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ٥
جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ عہد کو نہیں توڑتے ۔

عہد کو پورا کرنے والوں کا بیان

"اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰه" اَلْمَاْخُوذ عَلَیْهِمْ وَهُمْ فِیْ عَالَم الذَّرّ اَوْ کُلّ عَهْد "وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاق" بِتَرْكِ الْاِیْمَان اَوْ الْفَرَائِض،

جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں یعنی جو ان سے عہد لیا گیا ہے جب وہ چیونٹیوں کے عالم میں تھے یا اس سے مراد ہر عہد ہے ۔ اور ایمان اور فرائض کو چھوڑ کر پختہ عہد کو نہیں توڑتے ۔

عہد وغیرہ کو پورا کرنے میں اہل ایمان کے اوصاف کا بیان

ان بزرگوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں اور ان کے بھلے انجام کی خبر دی جا رہی ہے جو آخرت میں جنت کے مالک بنیں گے اور یہاں بھی جو نیک انجام ہیں ۔ وہ منافقوں کی طرح نہیں ہوتے کہ عہد شکنی، غداری اور بیوفائی کریں ۔ یہ منافق کی خصلت ہے کہ وعدہ کر کے توڑ دیں ۔ جھگڑوں میں جھوٹ بولیں، امانت میں خیانت کریں ۔ صلہ رحمی کا، رشتہ داروں

سے سلوک کرنے کا، فقیر محتاج کو دینے کا، بھلی باتوں کے نباہ نے کا، جو حکم الٰہی ہے یہ اس کے عامل ہیں۔ رب کا خوف دل میں رکھتے ہوئے فرمان الٰہی سمجھ کر نیکیاں کرتے ہیں، بدیاں چھوڑتے ہیں۔ آخرت کے حساب سے ڈرتے ہیں، اسی لئے برائیوں سے بچتے ہیں، نیکیوں کی رغبت کرتے ہیں۔ اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑتے۔ ہر حال میں فرمان الٰہی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ گو نفس حرام کاموں اور اللہ کی نافرمانیوں کی طرف جانا چاہے لیکن یہ اسے روک لیتے ہیں اور ثواب آخرت یاد دلا کر مرضی مولا رضائے رب کے طالب ہو کر نافرمانیوں سے باز رہتے ہیں۔ نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ رکوع، سجدہ، قعدہ، خشوع خضوع شرعی طور بجالاتے ہیں۔ جنہیں دینا اللہ نے فرمایا ہے انہیں اللہ کی دی ہوئی چیزیں دیتے رہتے ہیں۔ فقرا، محتاج، مساکین اپنے ہوں یا غیر ہوں۔ ان کی برکتوں سے محروم نہیں رہتے۔ چھپے کھلے، دن رات، وقت بیوقت، برابر راہ اللہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ قباحت کو احسان سے، برائی کو بھلائی سے، دشمنی کو دوستی سے ٹال دیتے ہیں۔ دوسرا سرکشی کرے یہ نرمی کرتے ہیں۔ دوسرا سر چڑھے یہ سر جھکا دیتے ہے۔ دوسروں کے ظلم سہ لیتے ہیں اور خود نیک سلوک کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝
اور وہ جو اس چیز کو ملاتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں
اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایمان وصلہ رحمی کا حکم دینے والا ہے

"وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰه بِهٖ اَنْ يُّوْصَل " مِنَ الْاِيْمَان وَالرَّحِم وَغَيْر ذٰلِك "وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ" اَىْ وَعِيده "وَيَخَافُوْنَ سُوء الْحِسَاب" تَقَدَّمَ مِثْله،

اور وہ جو اس چیز کو ملاتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے یعنی ایمان وصلہ رحمی وغیرہ ہے۔ اور اپنے رب سے یعنی اس کی وعید سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

ایمان وصلہ رحمی کے سبب رزق میں اضافہ ہونے کا بیان

بخاری ومسلم کی حدیث میں روایت انس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی رزق میں وسعت اور کاموں میں برکت عطا فرماویں تو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کے معنی یہی ہیں کہ جن سے رشتہ داری کے خصوصی تعلقات ہیں ان کی خبر گیری اور بقدر گنجائش امداد واعانت کرے۔

اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں والا اعرابی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر حاضر ہوا اور سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ وہ عمل کون سا ہے جو جنت سے قریب اور جہنم سے دور کر دے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔ (تفسیر بغوی، سورہ رعد، بیروت)

اور صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلہ رحمی اتنی بات کا نام نہیں کہ تم دوسرے عزیز کے احسان کا بدلہ ادا کر دو اور اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے تو تم اس پر احسان کر دو بلکہ اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ تمہارے رشتہ دار عزیز تمہارے حقوق میں کوتاہی کرے تم سے تعلق نہ رکھے تم پھر بھی محض اللہ کے لئے اس سے تعلق کو قائم رکھو اور اس پر احسان کرو۔

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے تعلقات کو نبھانے ہی کے خیال سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نسب ناموں کو محفوظ رکھو جن کے ذریعہ تمھارے اپنے رشتہ دار محفوظ رہ سکیں اور تم ان کے حقوق ادا کر سکو پھر ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی کے فوائد یہ ہیں کہ اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور مال میں برکت اور زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے یہ حدیث ترمذی نے روایت کی ہے۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی صلہ رحمی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں سے وہی تعلقات قائم رکھے جو باپ کے سامنے تھے۔ (صحیح مسلم)

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝
اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں دیا ہے
اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ (دونوں طرح) خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے رہتے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا گھر ہے۔

اطاعت وتکالیف پر صبر کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا " عَلَى الطَّاعَة وَالْبَلَاء وَعَنِ الْمَعْصِيَة "ابْتِغَاء " طَلَب "وَجْه رَبّهمْ " لَا غَيْره مِنْ اَعْرَاض الدُّنْيَا "وَاَقَامُوا الصَّلَاة وَاَنْفَقُوا " فِي الطَّاعَة "مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَة وَيَدْرَءُوْنَ " يَدْفَعُوْنَ "بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَة" كَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاَذَى بِالصَّبْرِ "اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّار " اَيْ الْعَاقِبَة الْمَحْمُوْدَة فِي الدَّار الْاٰخِرَة هِيَ:

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے اطاعت اور آزمائش اور معصیت سے بچنے پر صبر کرتے ہیں یعنی دنیا سے اعراض کر کے اپنے رب کی رضا تلاش کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے اطاعت میں پوشیدہ اور اعلانیہ دونوں طرح خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے رہتے ہیں، جس طرح جہل کا بدلہ حلم کے ساتھ ہے اور تکلیف پر صبر ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا حسین گھر ہے۔ یعنی وہ تعریف کیا گیا گھر آخرت کا گھر ہے۔

تکالیف پر صبر کے مفہوم واقسام کا بیان

وہ لوگ جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضائی جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں صبر کے معنی عربی زبان میں اس مفہوم سے بہت عام ہیں جو اردو زبان میں سمجھا جاتا ہے کہ کسی مصیبت اور تکلیف پر صبر کریں کیونکہ اس کے اصلی معنی خلاف طبع چیزوں سے پریشان نہ ہونا بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنے کام پر لگے رہنا ہے اسی لئے اس کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں ایک صبر اعلی الطاعۃ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل پر ثابت قدم رہنا دوسرے صبر میں عن المعصیۃ یعنی گناہوں سے بچنے پر ثابت قدم رہنا صبر کے ساتھ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کی قید میں یہ بتلایا کہ متعلقہ صبر کوئی فضیلت کی چیز نہیں کیونکہ کبھی نہ کبھی تو بے صبرے انسان کو بھی انجام کار ایک مدت کے بعد صبر آ ہی جاتا ہے جو صبر غیر اختیاری ہو اس کی کوئی خاص فضیلت نہیں نہ ایسی غیر اختیاری کفیت کا اللہ تعالیٰ کسی کو حکم دیتے ہیں اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی اصلی اور معتبر صبر تو وہی ہے جو ابتدائے صدمہ کے وقت اختیار کر لیا جائے ورنہ بعد میں تو کبھی نہ کبھی جبری طور پر انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے بلکہ قابل مدح وثناء وہ صبر ہے کہ اپنے اختیار سے خلاف طبع امر کو برداشت کرے خواہ وہ فرائض وواجبات کی ادائیگی ہو یا محرمات ومکروہات سے بچنا ہو اسی لئے اگر کوئی شخص چوری کی نیت سے کسی مکان میں داخل ہو گیا مگر وہاں چوری کا موقع نہ ملا صبر کر کے واپس آ گیا تو یہ غیر اختیاری صبر کوئی مدح وثواب کی چیز نہیں ثواب جب ہے کہ گناہ سے بچنا خدا کے خوف اور اس کی رضائی جوئی کے سبب سے ہو۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۝
ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے
جو نیک ہوئے اور فرشتے ہر دروازے میں سے ان پر داخل ہوں گے۔

اہل جنت کے لئے جنت میں فرشتوں کی مبارک باد دینے کا بیان

"جَنَّات عَدْن" اِقَامَة "يَدْخُلُوْنَهَا" هُمْ "وَمَنْ صَلَحَ" اٰمَنَ "مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتهمْ" وَاِنْ لَّمْ يَعْمَلُوْا بِعَمَلِهِمْ يَكُوْنُوْنَ فِيْ دَرَجَاتهمْ تَكْرِمَة لَهُمْ "وَالْمَلَائِكَة يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلّ بَاب" مِنْ اَبْوَاب الْجَنَّة اَوْ الْقُصُور اَوَّل دُخُولهمْ لِلتَّهْنِئَةِ،

ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولادوں میں سے جو نیک یعنی صالحین ہوئے ہیں اور اگر انہوں نے ان کے اعمال کی طرح اعمال نہ کیے تب بھی وہ ان جیسے درجات میں ہوں گے اور یہ ان کے اعزاز کے لئے ہے۔ اور فرشتے ہر جنت کے دروازے یا جنت کے محلات میں سے ان پر داخل ہوں گے۔ تاکہ پہلے انہیں مبارک پیش کریں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت کعب بن اسلمیؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رات گذارتے تھے، ایک رات تہجد کے وقت کعب اسلمیؓ نے آپ ﷺ کے لئے وضو کا پانی اور مسواک وغیرہ ضروریات لاکر رکھی، تو آپ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا، مانگو کیا مانگتے ہو، کعب اسلمی نے عرض کیا، میں جنت میں آپ کی صحبت چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اور کچھ؟ تو انھوں نے عرض کیا اور کچھ نہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو "اعنی علی نفسك بكثرة السجود" یعنی تمھارا مقصد حاصل ہو جائے گا لیکن اس میں تم بھی میری مدد اس طرح کرو کہ کثرت سے سجدے کیا کرو، یعنی نوافل کی کثرت کرو۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان بات کی شہادت دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں، اور میں پانچ وقت کی نماز کا بھی پابند ہوں اور زکوۃ بھی ادا کرتا ہوں، اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے وہ انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، بشرطیکہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے۔ (مسند احمد بن حنبل)

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝
تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں، پس آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔

اہل جنت کے لئے فرشتوں کا سلام کہنے کا بیان

يَقُولُونَ "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" هٰذَا الثَّوَابُ "بِمَا صَبَرْتُمْ" بِصَبْرِكُمْ فِي الدُّنْيَا "فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ" عُقْبَاكُمْ،

انہیں خوش آمدید کہتے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے، تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں جو صبر تم نے دنیا میں کیا پس اب دیکھو آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کے لئے سلام آنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی اپنی حاصل شدہ نعمتوں سے لذت وکیف اٹھانے میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک عظیم نور پھیل جائے گا وہ اس نور کو دیکھنے کے لئے اپنا سر اٹھائیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ ان کے اوپر پروردگار جلوہ گر ہے اور پروردگار ان سے فرمائے گا کہ اہل جنت اسلام علیکم اور یہ (یعنی اس وقت پروردگار کا جنتیوں کو سلام کرنا) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سلام قولا من رب رحیم سے ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کی طرف دیکھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور وہ دیدار الٰہی میں اس قدر محو ہوں گے کہ اس وقت جنتیوں کی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف توجہ والتفات نہیں کریں گے تا آنکہ پروردگار ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا اور اس کا نور باقی رہ جائے گا۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 229)

تا آنکہ ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا الخ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب تک چاہے گا ان کی نظروں کے سامنے خود کو جلوہ گر

رکھے گا اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے حجاب حائل کردے گا لیکن اس کے جلوے کی نورانیت اور اس کے دیدار سے حاصل ہونے والے کیف وسرور کا خمار باقی رہے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ حجاب اور جنتیوں کی نظر سے پروردگار کا مخفی ہو جانا بھی اس کی طرف سے اپنے بندوں پر ایک طرح کا لطف وکرم ہی ہوگا کیونکہ پروردگار کا اہل جنت کو برابر اپنی درگاہ اور حضور وشہود میں رکھنا اور ہر وقت ان کی نظر کے سامنے جلوہ گر رہنا ایک ایسی صورت حال ہوگی جو جنتیوں کی تاب وطاقت سے باہر ہوگی، ظاہر ہے ایک دفعہ دیدار کرنے کے بعد پھر ان کو اتنے عرصہ کی ضرورت ہوگی جس میں وہ خود کو سنبھال سکیں اور اپنی اصل حالت پر واپس آجائیں تاکہ جنت کی دوسری نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر ذات باری تعالیٰ کی تجلی کا استحقاق نئے سرے سے حاصل کرسکیں اور ہر بار دیدار الٰہی کا نیا ذوق اور نیا کیف وسرور حاصل کریں۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝
اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے
کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے اس گھر کی خرابی ہے۔

زمین میں کفر وسرکشی کر کے فساد کرنے والوں پر لعنت ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰه مِنْ بَعْد مِيثَاقه وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰه بِه اَنْ يُّوصَل وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْض" بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي "اُولٰئِكَ لَهُمْ اللَّعْنَة" الْبُعْد مِنْ رَحْمَة اللّٰه "وَلَهُمْ سُوء الدَّار" الْعَاقِبَة السَّيِّئَة فِي الدَّار الْاٰخِرَة وَهِيَ جَهَنَّم،

اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں کفر اور معاصی کے ذریعے فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ اور انھی کے لیے اس گھر کی خرابی ہے۔ یعنی انجام کے طور پر کتنا برا آخرت میں گھر ہے اور وہ جہنم ہے۔

مومنین ومنافقین کی صفات کا بیان

مومنوں کی صفتیں اوپر بیان ہوئیں کہ وہ وعدے کے پورے، رشتوں ناتوں کے ملانے والے ہوتے ہیں۔ پھر ان کا اجر بیان ہوا کہ وہ جنتوں کے مالک بنیں گے۔ اب یہاں ان بدنصیبوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کے خلاف خصائل رکھتے تھے نہ اللہ کے وعدوں کا لحاظ کرتے تھے نہ صلہ رحمی اور احکام الٰہی کی پابندی کا خیال رکھتے تھے یہ لعنتی گروہ ہے اور برے انجام والا ہے۔ حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں باتوں میں جھوٹ بولنا، وعدوں کا خلاف کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔ ایک حدیث میں ہے جھگڑوں میں گالیاں بکنا اس قسم کے لوگ رحمت الٰہی سے دور ہیں ان کا انجام برا ہے یہ جہنمی گروہ ہے۔ یہ چھ خصلتیں ہوئیں جو منافقین سے اپنے

غلبہ کے وقت ظاہر ہوتی ہیں باتوں میں جھوٹ، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، اللہ کے عہد کو توڑ دینا اللہ کے ملانے کے حکم کی چیزوں کو نہ ملانا۔ ملک میں فساد پھیلانا۔ اور یہ دبے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی جھوٹ وعدہ خلافی اور خیانت کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝
اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے،
حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں تھوڑے سے سامان کے سوا کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت و تنگی کرنے والا ہے

"اللّٰه يَبْسُطُ الرِّزْق" يُوَسِّعهُ "لِمَنْ يَّشَاء وَيَقْدِر" يُضَيِّقهُ لِمَنْ يَّشَاء "وَفَرِحُوا" اَیْ اَهْل مَكَّة فَرِح بَطَر "بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا" اَیْ بِمَا نَالُوهُ فِيْهَا "وَمَا الْحَيَاة الدُّنْيَا فِی" جَنْب حَيَاة "الْاٰخِرَة اِلَّا مَتَاع" شَیْء قَلِيل يُتَمَتَّع بِهٖ وَيَذْهَب،

اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے اور اہل مکہ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں تھوڑے سے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی اس دنیاوی زندگی میں جو فائدہ اٹھایا ہے جو آخرت کے فائدے کے مقابلے میں قلیل وحقیر ہے۔

اللہ جس کی روزی میں کشادگی دینا چاہے قادر ہے، جسے تنگ روزی دینا چاہے قادر ہے، یہ سب کچھ حکمت وعدل سے ہو رہا ہے۔ کافروں کو دنیا پر ہی سہارا ہو گیا۔ یہ آخرت سے غافل ہو گئے سمجھنے لگے کہ یہاں رزق کی فراوانی حقیقی اور بھلی چیز ہے حالانکہ دراصل یہ مہلت ہے اور آہستہ پکڑ کی شروع ہے لیکن انہیں کوئی تمیز نہیں۔ مومنوں کو جو آخرت ملنے والی ہے اس کے مقابل تو یہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں یہ نہایت ناپائیدار اور حقیر چیز ہے آخرت بہت بڑی اور بہتر چیز۔ لیکن عموماً لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے کوئی سمندر میں ڈبو لے اور دیکھے کہ اس میں کتنا پانی آتا ہے؟ جتنا یہ پانی سمندر کے مقابلے پر ہے اتنی ہی دنیا آخرت کے مقابلے میں ہے۔ (مسلم)

ایک چھوٹے چھوٹے کانوں والے بکری کے مرے ہوئے بچے کو راستے میں پڑا ہوا دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جن کا یہ تھا اس سے بھی زیادہ بیکار اور ناچیز اللہ کے سامنے ساری دنیا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝

اور کافر لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری، فرما دیجئے: بیشک اللہ جسے
چاہتا ہے (نشانیوں کے باوجود) گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنی جانب رہنمائی فرما دیتا ہے

کفار اہل مکہ کا عصائے موسوی کی طرح معجزہ طلب کرنے کا بیان

"وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا " مِنْ اَهْلِ مَكَّة "لَوْلَا" هَلَّا "اُنْزِلَ عَلَيْهِ " عَلٰى مُحَمَّد "آيَة مِنْ رَبّه" كَالْعَصَا وَالْيَد وَالنَّاقَة "قُلْ" لَهُمْ "اِنَّ اللّٰه يُضِلّ مَنْ يَّشَاء " اِضْلَالـه فَلَا تُـغْنِيْ عَنْهُ الْاٰيَات شَيْئًا "وَيَهْدِي" يُرْشِد "اِلَيْهِ" اِلٰى دِيْنه "مَنْ اَنَابَ" رَجَعَ اِلَيْهِ وَيُبْدَلُ مِنْ مَّنْ،

اور کافر لوگ یعنی اہل مکہ یہ کہتے ہیں کہ اس رسول یعنی حضرت محمد ﷺ پر اس کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری، جس طرح عصاء، ید بیضا، اور اونٹنی ہے۔ فرما دیجئے، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے نشانیوں کے باوجود گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنی جانب رہنمائی یعنی اپنے دین کی طرف بلاتا ہے۔ اور یہاں پر مَن یہ الذین امنوا سے بدل ہے۔

معجزات کے باوجود کفار کا ایمان نہ لانے کا بیان

مشرکین کا ایک اعتراض بیان ہو رہا ہے کہ اگلے نبیوں کی طرح یہ ہمیں ہمارا کہا ہوا کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتا؟ اس کی پوری بحث کئی بار گزر چکی کہ اللہ کو قدرت تو ہے لیکن اگر پھر بھی یہ ٹس سے مس نہ ہوئے تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ ان کی چاہت کے مطابق میں صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیتا ہوں، زمین عرب میں میٹھے دریاؤں کی ریل پیل کر دیتا ہوں، پہاڑی زمین کو زراعتی زمین سے بدل دیتا ہوں لیکن پھر بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو انہیں وہ سزا دوں گا جو کسی کو نہ ہوتی ہو۔ اگر چاہوں تو یہ کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دوں تو آپ نے دوسری صورت پسند فرمائی۔ سچ ہے ہدایت ضلالت اللہ کے ہاتھ ہے وہ کسی معجزے کے دیکھنے پر موقوف نہیں بے ایمانوں کے لئے نشانات اور ڈراوے سب بے سود ہیں جن پر کلمہ عذاب صادق ہو چکا ہے وہ تمام تر نشانات دیکھ کر بھی مان کر نہ دیں گے ہاں عذابوں کو دیکھ تو پورے ایماندار بن جائیں گے لیکن وہ محض بیکار چیز ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝
جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اللہ کے ذکر سے اہل ایمان کے اطمینان قلوب کا بیان

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنّ " تَسْكُنُ "قُلُوْبهم بِذِكْرِ اللّٰه " اَیْ وَعْده "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب" اَیْ قُلُوْب الْمُؤْمِنِيْنَ،

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر یعنی اس کے وعدہ سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں

یعنی اہل ایمان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مقام قرب نصیب ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے۔

تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں (یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا) اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 785)

میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں، کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان و خیال رکھتا ہے میں اس کے لئے ویسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔ اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اور اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد و حفاظت کرتا ہوں۔

اللہ کا ذکر کرنا والا مثل زندہ جبکہ نہ کرنے والا مثل مردہ ہے

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ شخص اور مردہ شخص کی سی ہے۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 784)

مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ ذاکر کے قلب کی حیات ہے اور اس سے غفلت قلب کی موت ہے اور جس طرح کہ زندہ شخص اپنی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے اسی طرح ذکر کرنے والا اپنے عمل سے بہرہ ور ہوتا ہے اور جس طرح مرنے کے بعد کے مردہ کو اپنی زندگی

سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ذکر اللہ سے غافل رہنے والا اپنے عمل سے بہرہ مند نہیں ہوتا کسی نے کیا خوب کہا ہے زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد،

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ○
جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے۔

ایمان وعمل صالح والوں کے لئے طوبیٰ ہونے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات" مُبْتَدَأ خَبَره "طُوبَى" مَصْدَر مِنْ الطِّيب أَوْ شَجَرَة فِي الْجَنَّة يَسِير الرَّاكِب فِي ظِلّهَا مِائَة عَام مَا يَقْطَعهَا "لَهُمْ وَحُسْن مَآب" مَرْجِع،

جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے۔ یہ مبتداء ہے اور طوبیٰ اس کی خبر ہے۔ جو طیب سے مصدر ہے یا جنت کا درخت ہے۔ جس کے سائے میں ایک سو سال چلے تو تب بھی وہ ختم نہ ہوگا۔ ان کے لیے خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے۔ جہاں انہوں نے لوٹ کر جانا ہے۔

سو سال کی مسافت والے جنتی درخت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کہ کافر کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تیز رفتار سوار کے تین دن کی مسافت ہوگی اور اسحاق بن ابراہیم نے بواسطہ مغیرہ بن سلمہ، وہیب، ابوحازم، سہل رضی اللہ عنہ بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہوگا کہ جس کے سایہ میں سوار سو سال تک چلے گا اور اس کا سفر کبھی ختم نہ ہوگا۔

ابوحازم کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث نعمان بن ابی عیاش سے بیان کی تو انہوں نے بیان کیا، کہ مجھ سے ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہوگا کہ (اس کے سایہ میں) تیز رفتار، پھرتیلے گھوڑے پر سوار سو سال تک چلے پھر بھی اس کا سفر ختم نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1498)

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ
وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ○
(اے حبیب!) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے کہ جس سے پہلے حقیقت میں امتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ
ان پر وہ پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمان کا انکار کر رہے ہیں، آپ فرما دیجیے: وہ میرا رب ہے
اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

کفار کا رحمٰن کو سجدہ کرنے سے انکار کر دینے کا بیان

"کَذٰلِكَ" كَمَا اَرْسَلْنَا الْاَنْبِيَاءَ قَبْلَكَ "اَرْسَلْنَاكَ فِیْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ لِتَتْلُوَ" تَقْرَأَ "عَلَيْهِمُ الَّذِیْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ" اَیِ الْقُرْاٰنَ "وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ" حَيْثُ قَالُوْا لَمَّا اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لَهٗ وَمَا الرَّحْمٰنُ ؟ "قُلْ" لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ، رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ،

اے حبیب ﷺ اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ جس سے پہلے حقیقت میں ساری امتیں گزر چکی ہیں اب یہ سب سے آخری امت ہے تاکہ آپ ان پر وہ کتاب یعنی قرآن پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمان کا انکار کر رہے ہیں، کیونکہ جب ان کو رحمٰن کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے۔ تو آپ فرما دیجئے، وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

سورہ رعد آیت ۳۰ کے شانِ نزول کا بیان

قتادہ و مقاتل وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ میں نازل ہوئی جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ سہیل بن عمرو جب صلح کے لئے آیا اور صلح نامہ لکھنے پر اتفاق ہو گیا تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کفار نے اس میں جھگڑا کیا اور کہا کہ آپ ہمارے دستور کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھوائیے۔ اس کے متعلق آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ رحمٰن کے منکر ہو رہے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب فریقین نے صلح لکھنے کا ارادہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو تو سہیل بن عمرو اور مشرکین نے کہا کہ ہم صاحب یمامہ یعنی مسیلمہ کذاب کے سوا کسی رحمان کو نہیں جانتے تو باسمك اللهم ۔(اے اللہ ہم تیرے نام سے شروع کرتے ہیں) لکھ اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اسی طرح لکھا کرتے تھے تو اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے کفار کے متعلق نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ رحمان کے سامنے سجدہ کرو تو انہوں نے کہا کون رحمان کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا ان سے کہو بے شک رحمٰن جس کو پہچاننے سے تم انکار کرتے ہو وہ میرا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (طبری 13، 101، زاد المسیر 4۔329)

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِىَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے پہاڑ چلا دیئے جاتے یا اس سے زمین پھاڑ دی جاتی یا اس کے ذریعے مردوں سے بات کرا

دی جاتی (تب بھی وہ ایمان نہ لاتے)، بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، تو کیا ایمان والوں کو (یہ) معلوم نہیں کہ اگر اللہ چاہتا
تو سب لوگوں کو ہدایت فرما دیتا، اور ہمیشہ کافر لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث کوئی (نہ کوئی) مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے
گھروں (یعنی بستیوں) کے آس پاس اترتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ (عذاب) آ پہنچے، بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اہل مکہ کا اپنی مرضی سے معجزات طلب کرنے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوْا لَهُ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَسَيِّرْ عَنَّا جِبَالَ مَكَّةَ وَاجْعَلْ لَنَا فِيْهَا اَنْهَارًا وَعُيُوْنًا لِنَغْرِسَ وَنَزْرَعَ وَابْعَثْ لَنَا اٰبَاءَ نَا الْمَوْتٰى يُكَلِّمُوْنَا اَنَّكَ نَبِيٌّ "وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ" نُقِلَتْ عَنْ اَمَاكِنِهَا "اَوْ قُطِّعَتْ" شُقِّقَتْ "بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى" بِاَنْ يُّحْيَوْا لَمَّا اٰمَنُوْا "بَلْ لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا" لَا لِغَيْرِهٖ فَلَا يُؤْمِنُ اِلَّا مَنْ شَاءَ اِيْمَانَهُ دُوْنَ غَيْرِهٖ اِنْ اُوْتُوْا مَا اقْتَرَحُوْا وَنَزَلَ لَمَّا اَرَادَ الصَّحَابَةُ اِظْهَارَ مَا اقْتَرَحُوْا طَمَعًا فِيْ اِيْمَانِهِمْ "اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ" يَعْلَمِ "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ" مُخَفَّفَةٌ اَيْ اَنَّهُ "لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا" اِلَى الْاِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ اٰيَةٍ "وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ "تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا" بِصُنْعِهِمْ اَيْ كُفْرِهِمْ "قَارِعَةٌ" دَاهِيَةٌ تَقْرَعُهُمْ بِصُنُوْفِ الْبَلَاءِ مِنَ الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ وَالْحَرْبِ وَالْجَدْبِ "اَوْ تَحُلُّ" يَا مُحَمَّدُ بِجَيْشِكَ "قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ" مَكَّةَ "حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ" بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" وَقَدْ حَلَّ بِالْحُدَيْبِيَةِ حَتّٰى اَتٰى فَتْحَ مَكَّةَ،

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نے نبی ہیں تو مکہ کے پہاڑوں اپنی جگہ سے ہٹا دو تا کہ ہم یہاں نہریں بنالیں اور چشمے جاری کردو۔ تا کہ ہم یہاں درخت لگائیں اور زراعت کرلیں۔ اور ہمارے باپ دادا کو زندہ کردیں تا کہ وہ ہم سے کلام کریں کہ یقیناً آپ نبی ہیں۔

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے پہاڑ چلا دیئے جاتے یعنی ان کو اپنی جگہ سے منتقل کردیا جائے یا اس سے زمین پھاڑ دی جاتی یا اس کے ذریعے مردوں سے بات کرادی جاتی تب بھی وہ ایمان نہ لاتے، بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، لہٰذا ایمان اس کی توفیق کے بغیر نہیں ہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل مکہ کے ایمان لانے کی امید رکھی تو ان کا خیال تھا کہ مطلوبہ نشانیاں دیکھا دی جائیں۔

تو کیا ایمان والوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت فرما دیتا، یہاں پر اَن مخفف ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ بغیر کسی معجزے کے سب کو ایمان کی توفیق عطا کردیتا۔ اور ہمیشہ کافر لوگوں یعنی اہل مکہ کو ان کے اپنے کرتوتوں کے باعث کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یعنی ان کو احساس دلانے کے لئے جس طرح قتل وقید اور جنگ وبلائیں وغیرہ ہیں۔ یا ان کے گھروں یعنی بستیوں کے آس پاس اترتی رہے گی۔ یعنی یا محمد ﷺ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ کے قریب تشریف لائیں

گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ یعنی ان کے خلاف مدد آ پہنچے، بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ لہٰذا آپ ﷺ حدیبیہ تشریف لائے حتیٰ کہ فتح مکہ کا موقع بھی آ گیا۔

سورہ رعد آیت ۳۱ کے شانِ نزول کا بیان

کفار قریش نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہیں کہ ہم آپ کی نبوت مانیں اور آپ کا اِتباع کریں تو آپ قرآن شریف پڑھ کر اسکی تاثیر سے مکّہ مکرّمہ کے پہاڑ ہٹا دیجئے تاکہ ہمیں کھیتیاں کرنے کے لئے وسیع میدان مل جائیں اور زمین پھاڑ کر چشمہ جاری کیجئے تاکہ ہم کھیتوں اور باغوں کو ان سے سیراب کریں اور قصی بن کلاب وغیرہ ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کر دیجئے وہ ہم سے کہہ جائیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور بتا دیا گیا کہ یہ حیلے حوالے کرنے والے کسی حال میں بھی ایمان لانے والے نہیں۔

کفار مکہ کا پہاڑوں کو ہٹوانے کا مطالبہ کرنے کا بیان

زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ قریش نے کہا کہ آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے سلیمان کے لیے ہوا مسخر کر دی گ ءتھی، موسی کے لیے سمندر تابع کر دیا گیا تھا اور عیسی مردوں کو زندہ کر دیتے تھے پس آپ بھی دعا کریں کہ ہم سے یہ پہاڑ تھوڑی مسافت پر ہو جائیں اور وہ زمین سے ہمارے لیے نہریں جاری کر دے تاکہ ہم زمین میں کھیت بنائیں اور ان سے کھائیں اگر یہ نہیں تو پھر آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کے نیچے جو چٹان ہے اسے سونے کا بنا دے کہ ہم اس سے سونا کھرچ کر لیں اور ہم گرمی اور جاڑے کے سفر سے بے پرواہ ہو جائیں کیونکہ آپ گمان کرتے ہیں کہ آپ ان ہی کی طرح کے نبی ہیں اس دوران کہ ہم آپ کے گرد تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جب آپ سے وحی کی کیفیت چلی گئی تو آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اللہ نے مجھے وہ کچھ عطا فرمایا ہے جس کا تم سوال کرتے ہو اگر میں چاہوں تو ایسا ہو جائے لیکن اس ذات نے مجھے اختیار دیا ہے کہ تم رحمت کے دروازے میں داخل ہو جاؤ اور تم میں سے ایمان لانے والا ایمان لے آئے اور یا یہ کہ اللہ تمہیں اس چیز کے سپرد کر دے جو تم نے اپنے لیے پسند کی ہے اور تم رحمت کے دروازے سے گمراہ ہو جاؤ تو میں نیر حمت کے دروازے کو اختیار کر لیا اور اللہ نے مجھے خبر دی اگر اللہ نے تمہیں یہ کچھ (جس کا تم مطالبہ کرتے ہو) دے دیا پھر بھی تم نے کفر کیا تو وہ تمہیں عذاب دے گا کہ سارے جہان میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھاالاولون (سورہ اسراء 59)

اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ۔ (مجمع الزوائد 7-43)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ٥
اور بلاشبہ یقیناً تجھ سے پہلے کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تو میں نے ان لوگوں کو مہلت دی جنھوں نے کفر کیا،
پھر میں نے انھیں پکڑ لیا تو میرا عذاب کیسا تھا۔

کفار کا انبیائے کرام کی تعلیمات کا مذاق اڑانے کا بیان

"وَلَقَدْ اُسْتُهْزِءَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ " كَمَا اُسْتُهْزِءَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَاَمْلَيْتُ" اَمْهَلْتُ "لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ " بِالْعُقُوْبَةِ "فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ " اَىْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهُ فَكَذٰلِكَ اَفْعَلُ بِمَنْ اسْتَهْزَاَ بِكَ،

اور بلاشبہ یقیناً تجھ سے پہلے کئی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا یعنی جس طرح آپ ﷺ کا مذاق اڑایا گیا اور یہ نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی ہے۔ تو میں نے ان لوگوں یعنی کفار کو مہلت دی جنھوں نے کفر کیا، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا تو میرا عذاب ان کے ساتھ تھا۔ یعنی وہ عذاب ان کے عمل مذاق کے سبب ان پر واقع ہوا ہے۔

مہلت کے بعد عذاب الٰہی کی گرفت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے غلط رویہ سے رنج وفکر نہ کریں آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا بھی یونہی مذاق اڑایا گیا تھا میں نے اُن کافروں کو بھی کچھ دیر تو ڈھیل دی تھی آخرش بری طرح پکڑ لیا تھا اور نام ونشان تک مٹا دیا تھا۔ تجھے معلوم ہے کہ کس کیفیت سے میرے عذاب ان پر آئے؟ اور ان کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ جیسے فرمان ہے، بہت سی بستیاں ہیں جو ظلم کے باوجود ایک عرصہ سے دنیا میں مہلت لئے رہیں لیکن آخرش اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں عذابوں کا شکار ہوئیں۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ
اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ٥
کیا وہ جو ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہبانی فرما رہا ہے اور لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے، آپ فرما دیجئے کہ ان کے نام بتاؤ۔
(نادانو!) کیا تم اس کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جس کو وہ ساری زمین میں نہیں جانتا یا ظاہری باتیں ہی ہیں بلکہ کافروں کے لئے ان کا
فریب خوش نما بنا دیا گیا ہے اور وہ راہ سے روک دیئے گئے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہو سکتا۔

شیطان کا کفار کے لئے کفر کو سجا دیئے جانے کا بیان

"اَفَمَنْ هُوَ قَائِم " رَقِيب "عَلٰى كُلِّ نَفْس بِمَا كَسَبَتْ" عَمِلَتْ مِنْ خَيْرِ وَشَرّ وَهُوَ اللّٰه كَمَنْ لَّيْسَ كَذٰلِكَ مِنَ الْاَصْنَام لَا دَلِيل عَلٰى هٰذَا "وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاء قُلْ سَمُّوهُمْ" لَهُ مَنْ هُمْ ؟ "اَمْ" بَلْ اَ "تُنَبِّئُوْنَهُ" تُخْبِرُوْنَ اللّٰه "بِمَا" اَیْ بِشَرِيْكٍ "لَا يَعْلَم" ـهُ "فِي الْاَرْض" اسْتِفْهَام اِنْكَار اَیْ لَا شَرِيْك لَهُ اِذْ لَوْ كَانَ لِعِلْمِهِ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِك "اَمْ" بَلْ تُسَمُّونَهُمْ شُرَكَاء "بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ" بِظَنٍّ بَاطِل لَا حَقِيقَة لَهُ فِي الْبَاطِن "بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرهمْ" كُفْرهمْ "وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيل" طَرِيْق الْهُدٰى، وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ،

کیا وہ اللہ جو ہر جان پر اس کے اعمال کی نگہبانی فرما رہا ہے اور وہ بت جو کافر لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے جن کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ (ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں)۔ آپ فرما دیجئے کہ ان کے نام تو بتاؤ۔ وہ کون ہیں؟ (نادانو!) کیا تم اس اللہ کو اس چیز یعنی شرک کی خبر دیتے ہو جس کے وجود کو وہ ساری زمین میں نہیں جانتا یہاں استفہام انکاری ہے۔ یا یہ صرف ظاہری باتیں ہی ہیں۔ یعنی اگر کوئی شریک ہوتا بھی تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا جبکہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اور باطل کے گمان سے باطن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے ان کا فریب یعنی کفر خوش نما بنا دیا گیا ہے اور وہ ہدایت کی راہ سے روک دیئے گئے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا اعمال انسانی سے باخبر ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کا محافظ ہے ہر ایک کے اعمال کو جانتا ہے، ہر نفس پر نگہبان ہے، ہر عامل کے خیر و شر کے علم سے باخبر ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر حالت کا اسے علم ہے ہر عمل پر وہ موجود ہے ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے ظاہر و باطن ہر بات کو وہ جانتا ہے تم جہاں ہو وہاں اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے ان صفتوں والا اللہ کیا تمہارے ان جھوٹے معبودوں جیسا ہے؟ جو نہ سنیں، نہ دیکھیں، نہ اپنے لئے کسی چیز کے مالک، نہ کسی اور کے نفع نقصان کا انہیں اختیار۔ اس جواب کو حذف کر دیا کیونکہ دلالت کلام موجود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ رعد، بیروت)

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝
ان کے لئے دنیوی زندگی میں عذاب ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے، اور انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں۔

کفار کے لئے دنیا و آخرت کے عذاب کا بیان

"لَهُمْ عَذَاب فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا" بِالْقَتْلِ وَالْاَسْر "وَلَعَذَاب الْاٰخِرَة اَشَقّ" اَشَدّ مِنْهُ "وَمَا لَهُمْ مِنَ اللّٰه"

اَیْ عَذَابِه "مِنْ وَّاقٍ" مَانِع،

ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب یعنی قتل وقید ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے، اور انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔

کفار کی سزا اور نیک کاروں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کافروں کا کفر و شرک بیان فرما کر ان کی سزا بیان فرمائی کہ وہ مومنوں کے ہاتھوں قتل وغارت ہوں گے، اس کے ساتھ ہی آخرت کے سخت تر عذابوں میں گرفتار ہوں گے جو اس دنیا کی سزا سے درجہا بدتر ہیں ملاعنہ کرنے والے میاں بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے یہاں کا عذاب فانی وہاں کا باقی اور اس آگ کا عذاب جو یہاں کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہے پھر قید وہ جو تصور میں بھی نہ آسکے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ
تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ۝
اس جنت کا حال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، اس کا پھل بھی ہمیشہ رہنے والا
ہے اور اس کا سایہ، یہ ان لوگوں کا انجام ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، اور کافروں کا انجام آتشِ دوزخ ہے۔

شرک سے بچ کر پرہیزگاری اختیار کرنے والوں کا بیان

"مَثَل" صِفَة "الْجَنَّة الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ" مُبْتَدَأ خَبَره مَحْذُوْف اَیْ فِیْمَا نَقُصّ عَلَیْكُمْ "اُكُلهَا" مَا يُؤْكَل فِیْهَا "دَائِم" لا يفنى "وَظِلُّهَا" دَائِم لَا تَنْسَخهُ شَمْس لِعَدَمِهَا فِیْهَا "تِلْكَ" اَیْ الْجَنَّة "عُقْبَى" عَاقِبَة "الَّذِیْنَ اتَّقَوْا" الشِّرْك، وَعُقْبَى الْكَافِرِیْنَ النَّارُ

اس جنت کا حال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی جو ہم تم پر قصہ بیان کر رہے ہیں۔ کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، اس کا پھل بھی ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس کا سایہ بھی ہمیشہ ہوگا کیونکہ اس کو کوئی سورج ختم نہ کر سکے گا۔ اور جنت میں سورج نہیں ہوتا، یہ ان لوگوں کا حسنِ انجام یعنی جنت ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، یعنی جو شرک سے بچ گئے۔ اور کافروں کا انجام آتشِ دوزخ ہے۔

اہل جنت کے لئے آخرت کی نعمتوں کا بیان

پھر نیکوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ ان سے جن جنتوں کا وعدہ ہے اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نہریں جاری ہیں جہاں چاہیں پانی لے جائیں پانی نہ بگڑنے والا پھر دودھ کی نہریں ہیں اور دودھ بھی ایسا جس کا مزہ کبھی نہ بگڑے اور شراب کی نہریں ہیں جس میں صرف لذت ہے۔ نہ بدمزگی، نہ بے ہودہ نشہ، اور صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں اور

ساتھ ہی رب کی رحمت مالک معرفت اس کے پھل ہمیشگی والے اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا ہونے والی نہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھی تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پچھلے پاؤں پیچھے کو ہٹنے لگے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے جنت کو دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ ایک خوشہ توڑلوں اگر لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے۔ ابو یعلی میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ ناگاہ آگے بڑھے اور ہم بھی بڑھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا پھر آپ پیچھے ہٹ آئے۔ نماز کے خاتمہ کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج تو ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا کہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا ہاں میرے سامنے جنت پیش کی گئی جو تروتازگی سے مہک رہی تھی میں نے چاہا کہ اس میں سے ایک خوشہ انگور کا توڑلاؤں لیکن میرے اور اس کے درمیان آڑ کردی گئی اگر میں اسے توڑلاتا تو تمام دنیا پوری دنیا تک اسے کھاتی رہتی اور پھر بھی ذرا سا بھی کم نہ ہوتا۔ ایک دیہاتی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جنت میں انگور ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس نے کہا کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ فرمایا اتنے بڑے کا اگر کوئی کالا کوا مہینہ بھر اڑتا رہے تو بھی اس خوشے سے آگے نہ نکل سکے۔

اور حدیث میں ہے کہ جنتی جب کوئی پھل توڑیں گے اسی وقت اس کی جگہ دوسرا لگ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی خوب کھائیں پئیں گے لیکن نہ تھوک آئے گی نہ ناک آئے گی نہ پیشاب نہ پاخانہ مشک جیسی خوشبو والا پسینہ آئے گا اور اسی سے کھانا ہضم ہو جائے گا۔ جیسے سانس بے تکلف چلتا ہے اس طرح تسبیح وتقدیس الہام کی جائے گی (مسلم وغیرہ)

ایک اہل کتاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں جنتی کھائیں پئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ ہر شخص کو کھانے پینے، جماع اور شہوت کی اتنی قوت دی جائے گی جتنی یہاں سو آدمیوں کو مل کر ہو۔ اس نے کہا اچھا تو جو کھائے گا پئے گا اسے پیشاب پاخانے کی بھی حاجت لگے گی پھر جنت میں گندگی کیسی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ پسینے کے راستے سب ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ مشک بو ہوگا۔ (مسند ونسائی)

فرماتے ہیں کہ جس پرندے کی طرف کھانے کے ارادے سے جنتی نظر ڈالے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا اس کے سامنے گر پڑے گا بعض روایتوں میں ہے کہ پھر وہ اسی طرح بحکم الٰہی زندہ ہو کر اڑ جائے گا، قرآن میں ہے وہاں بکثرت میوے ہوں گے کہ نہ کٹیں نہ، ٹوٹیں نہ ختم ہوں نہ گھٹیں سایے جھکے ہوئے شاخین نیچی۔ سائے بھی دائمی ہوں گے جیسے فرمان ہے ایماندار نیک کردار بہتی نہروں والی جنتوں میں جائیں گے وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور بہترین لمبے چوڑے سائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کے ایک درخت کے سائے تلے تیز سواری والا سوار سو سال تک تیز دوڑتا ہوا جائے لیکن پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو گا۔ قرآن میں ہے سائے ہیں پھیلے اور بڑھے ہوئے۔ عموماً قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ سے ڈر لگے یہاں بھی جنت کا اور وہاں کی چند نعمتوں کا ذکر فرما کر فرمایا کہ یہ ہے انجام پرہیزگار اور تقویٰ

شعار لوگوں کا اور کافروں کا انجام جہنم ہے جیسے فرمان ہے کہ جہنمی اور جنتی برابر نہیں جنتی بامراد ہیں۔

خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے بندگان رب کیا تمہارے کسی عمل کی قبولیت کا یا کسی گناہ کی معافی کا کوئی پروانہ تم میں سے کسی کو ملا؟ کیا تم سے کسی کو ملا؟ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم بیکار پیدا کئے گئے ہو؟ اور تم اللہ کے بس میں آنے والے نہیں ہو؟

واللہ اگر اطاعت ربانی کا بدلہ دنیا میں ہی ملتا تو تم تمام نیکیوں پر جم جاتے۔ کیا تم دنیا پر ہی فریفتہ ہو گئے ہو؟ کیا اسی کے پیچھے مر مٹو گے؟ کیا تمہیں جنت کی رغبت نہیں جس کے پھل اور جس کے سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم، سورہ رعد، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰـهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ
قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ○
اور جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان فرقوں میں سے بعض
ایسے بھی ہیں جو اس کے کچھ حصہ کا انکار کرتے ہیں، فرما دیجئے کہ بس مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں
اور اس کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ ٹھہراؤں، اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن کو انصاف پسندی سے دیکھنے والے اہل کتاب کے ایمان لانے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَاب" كَعَبْدِ اللّٰه بْن سَلَام وَغَيْره مِنْ مُّؤْمِنِي الْيَهُوْد "يَفْرَحُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْك" لِمُوَافَقَتِهِ مَا عِنْدهمْ "وَمِنَ الْاَحْزَاب" الَّذِيْنَ تَحَزَّبُوا عَلَيْك بِالْمُعَادَاةِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْيَهُوْد "مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضه" كَذِكْرِ الرَّحْمَن وَمَا عَدَا الْقَصَص "قُلْ اِنَّمَا اُمِرْت" فِيْمَا اُنْزِلَ اِلَيَّ "اَنْ" اَيْ بِاَنْ "اَعْبُدَ اللّٰه وَلَا اُشْرِك بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُو وَاِلَيْهِ مَآب" مَرْجِعِي،

اور جن لوگوں کو ہم کتاب تورات دے چکے ہیں، جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور اس کے ساتھ دوسرے یہودی ایمان لانے والے ہیں۔ وہ اس قرآن سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان کے مطابق ہے۔ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور ان ہی کے فرقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں یعنی یہود اور مشرکین میں بعض ایسے گروہ ہیں جو قصص کے سوا اس کے کچھ حصہ کا انکار کرتے ہیں، جس طرح خاص طور رحمٰن کیا ذکر کیا گیا۔ فرما دیجئے کہ بس مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ یعنی اسی کے ہاں ٹھکانہ ہے۔

یہود و نصاریٰ اس کتاب یعنی قرآن سے اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ یہ ان کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کے انبیاء کی تعظیم و تکریم سکھلاتی ہے۔ اس لحاظ سے تو سارے اہل کتاب قرآن سے خوش ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ منصف مزاج ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور جن باتوں سے وہ انکار کرتے ہیں۔ وہ وہی باتیں ہیں جن میں انہوں نے تحریف کر ڈالی تھی۔

کتاب کے کچھ احکام چھپا جاتے تھے اور کچھ باتیں انہوں نے خود ہی تصنیف کر کے اللہ سے منسوب کر دی تھیں۔ قرآن نے ایسی تمام باتوں سے پردہ اٹھا دیا اور جو حقیقت تھی اسے واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے قرآن کے بعض حصوں کا انکار کیا پھر بعد میں پورے قرآن ہی سے انکار کر دیا۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ۝
اور اسی طرح ہم نے اسے عربی فرمان بنا کر اتارا ہے اور یقیناً اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس کے بعد جو
تیرے پاس علم آ چکا تو اللہ کے مقابلے میں نہ تیرا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا۔

قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کرنے کے مقصد کا بیان

"وَ كَذٰلِكَ" اَلْاِنْزَال "اَنْزَلْنَاهُ" اَیْ الْقُرْاٰن "حُكْمًا عَرَبِيًّا" بِلُغَةِ الْعَرَب تَحْكُم بِهٖ بَيْن النَّاس "وَلَئِنْ اتَّبَعْت اَهْوَاءَ هُمْ" اَیْ الْكُفَّار فِيمَا يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهِ مِنْ مِلَّتهمْ فَرْضًا "بَعْدَمَا جَاءَ كَ مِنْ الْعِلْم" بِالتَّوْحِيْدِ "مَا لَكَ مِنْ اللّٰه مِنْ" زَائِدَة "وَلِیّ" نَاصِر "وَلَا وَاقٍ" مَانِع مِنْ عَذَابه،

اور اسی طرح ہم نے اسے یعنی قرآن کو عربی فرمان بنا کر اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان لغت عرب کے مطابق فیصلہ کریں، اور یقیناً اگر آپ نے ان کی یعنی کفار کی خواہشات جن کی طرف وہ بلاتے ہیں اس کی پیروی کی، اس کے بعد جو آپ کے پاس توحید کا علم آ چکا تو اللہ کے مقابلے میں نہ تیرا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا۔ یہاں پر من زائدہ ہے۔ یعنی اس کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

جس طرح پہلے انبیاء کو ان کی زبانوں میں احکام دیئے تھے اسی طرح ہم نے یہ قرآن اے سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی زبان عربی میں نازل فرمایا۔ قرآن کریم کو حکم اس لئے فرمایا کہ اس میں اللہ کی عبادت اور اس کی توحید اور اس کے دین کی طرف دعوت اور تمام تکالیف و احکام اور حلال و حرام کا بیان ہے۔ بعض علماء نے فرمایا چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام خلق پر قرآن شریف کے قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا اس لئے اس کا نام حکم رکھا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ
اَنْ يَّاْتِیَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝
بیشک ہم نے آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لئے بیویاں بنائیں اور اولاد (بھی)، اور کسی رسول کا یہ کام نہیں
کہ وہ نشانی لے آئے مگر اللہ کے حکم سے، ہر ایک میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے۔

اس دنیا میں کثیر انبیائے کرام کی بعثت کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا عَيَّرُوهُ بِكَثْرَةِ النِّسَاء: "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلك وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَذُرِّيَّة" اَوْلَادًا وَاَنْتَ مِثْلهم "وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ" مِنْهُمْ "اَنْ يَّاْتِيَ بِآيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ الله" لِاَنَّهُمْ عَبِيدٌ مَرْبُوبُونَ "لِكُلِّ اَجَلٍ" مُدَّة "كِتَاب" مَكْتُوب فِيهِ تَحْدِيدُه،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی خواتین کی کثرت کا عیب لگایا گیا۔ اور (اے رسول ﷺ) بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لئے بیویاں بھی بنائیں اور اولاد بھی، اور آپ بھی انہی کی طرح ہیں۔ اور کسی رسول کا یہ کام نہیں کہ وہ نشانی لے آئے مگر اللہ کے حکم سے، کیونکہ وہ اسی کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ ہر ایک میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے۔ یعنی کتاب میں اس کی حد لکھی گئی ہے۔

سورہ رعد آیت ۳۸ کے سبب نزول کا بیان

مفسر کلبی یہاں پر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ پر عیب لگایا کہ اور کہا ہم نے اس شخص کا اہم کام عورتیں اور نکاح دیکھا ہے اگر یہ شخص نبی ہوتا جیسا کہ اس کا دعوی ہے تو امر نبوت اسے عورتوں سے بے پرواہ کر دیتا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 231، سیوطی 158، زادالمسیر 4۔332)

کافروں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ عیب لگایا تھا کہ وہ نکاح کرتے ہیں اگر نبی ہوتے تو دنیا ترک کر دیتے، بی بی بچّے سے کچھ واسطہ نہ رکھتے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ بی بی بچّے ہونا نبوت کے منافی نہیں لہٰذا یہ اعتراض محض بیجا ہے اور پہلے جو رسول آچکے ہیں وہ بھی نکاح کرتے تھے، ان کے بھی بیبیاں اور بچے تھے۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ۝
اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

اللہ کی توفیق کے سبب ثابت قدم رہنے کا بیان

"يَمْحُو الله" مِنْهُ "مَا يَشَاء وَيُثْبِت" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيْد فِيهِ مَا يَشَاء مِنْ الْاَحْكَام وَغَيْرهَا "وَعِنْده اُمّ الْكِتَاب" اَصْله الَّذِي لَا يَتَغَيَّر مِنْهُ شَيْء وَهُوَ مَا كَتَبَهُ فِي الْاَزَل

اللہ اس سے مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے یہاں یثبت یہ تخفیف اور تشدید دونوں طرح آیا ہے یعنی احکام وغیرہ میں سے جس قدر چاہتا ہے۔ اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔ یعنی وہ اصل کتاب جس میں کوئی تبدیلی نہیں اور وہ ازل میں لکھی ہوئی تقدیر ہے۔

احکام میں ناسخ و منسوخ کے ائمہ تفاسیر کے اقوال کا بیان

ائمہ تفسیر میں سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس آیت کو بھی احکام و شرائع کے محو و اثبات یعنی

مسئلہ نسخ کے متعلق قرار دیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں جن میں احکام شریعت اور فرائض کا بیان ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب احکام دائمی ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے مناسب اپنی حکمت کے ذریعہ جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ثابت اور باقی رکھتے ہیں اور اصل کتاب بہر حال ان کے پاس محفوظ ہے جس میں پہلے ہی سے یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے یہ ایک میعاد کے لئے یا خاص حالات کی بنا پر ہے جب وہ میعاد گذر جائیگی یا وہ حالات بدل جائیں گے تو یہ حکم بھی بدل جائے گا اس ام الکتب میں اس کی میعاد اور وقت مقرر بھی پوری تعیین کے ساتھ درج ہے اور یہ بھی کہ اس حکم کو بدل کو کونسا حکم لایا جائے گا اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ احکام خداوندی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا علامت اس کی ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہ تھا اس لئے حالات دیکھنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہو کیونکہ تقریر مذکور سے معلوم ہو گیا کہ جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لئے جاری کیا گیا ہے اس کے بعد بدلا جائے گا اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی مریض کا حال دیکھ کر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا اس وقت کے مناسب حال تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا اس کے بعد اس دوا کو بدل کر فلاں دوسری دوا دی جائے گی خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر کے مطابق آیت میں محو و اثبات سے مراد احکام کا منسوخ ہونا اور باقی رہنا ہے۔

اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سفیان ثوری وکیع وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کی دوسری تفسیر نقل کی جس میں مضمون آیت کو نوشتہ تقدیر کے متعلق قرار دیا ہے اور معنٰی آیت کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والا رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کی مقداریں اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہیں پھر بچہ کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا چٹھا فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر فرد مخلوق کی عمر رزق حرکات وسکنات سب متعین ہیں اور لکھے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس نوشتہ تقدیر میں سے جس کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی اصل کتاب جس کے مطابق محو و اثبات کے بعد انجام کار عمل ہونا ہے وہ اللہ کے پاس ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں بعض سے گھٹ جاتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں زیادتی کا سبب بنتی ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بعض اوقات آدمی کوئی ایسا گناہ کرتا ہے کہ اس کے سبب رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت سے عمر بڑھ جاتی ہے اور تقدیر الٰہی کو کوئی چیز بجز دعاء کے ٹال نہیں سکتی۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیر کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں اور دعا کی وجہ سے بھی تقدیر بدلی جاسکتی ہے اس آیت میں اسی مضمون کا بیان اس طرح کیا گیا کہ کتاب تقدیر

میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر وتبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس سے مراد وہ کتاب ہے تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا اور پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے بعض اوقات لکھی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تصریح کے مطابق محو واثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کے آخری جملہ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ نے بتلا دیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ صرف علم الٰہی کے لئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط اعمال یا دعاء کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسی لئے وہ محو واثبات اور کمی بیشی سے بالکل بری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ رعد، بیروت)

وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○
اور اگر ہم کچھ حصہ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے آپ کو دکھا دیں یا ہم آپ کو اٹھا لیں آپ پر تو صرف پہنچا دینے
کی ذمہ داری ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

دنیا میں یا آخرت میں جانے تک کے لئے عذاب میں مہلت ہونے کا بیان

"وَاِمَّا" فِيْهِ اِدْغَام نُوْن اِنْ الشَّرْطِيَّة فِيْ مَا الْمَزِيدَة "نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ" بِهِ مِنْ الْعَذَاب فِيْ حَيَاتك وَجَوَاب الشَّرْط مَحْذُوْف اَىْ فَذَاكَ "اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ" قَبْل تَعْذِيْبهمْ "فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغ" مَا عَلَيْكَ اِلَّا التَّبْلِيغ "وَعَلَيْنَا الْحِسَاب" اِذَا صَارُوْا اِلَيْنَا فَنُجَازِيهِمْ،

یہاں لفظ ،اما، میں ان شرطیہ کے نون کا مازائدہ کے اندر ادغام ہے۔ اور اگر ہم اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ہم نے ان کافروں سے وعدہ کیا ہے۔ یہ شرط محذوف کا جواب ہے۔ جو فذاک ہے یعنی ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ آپ کو حیات ظاہری میں ہی دکھا دیں یا ہم آپ کو انہیں عذاب دینے سے قبل اٹھا لیں آپ پر تو صرف احکام کے پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ یعنی جب وہ ہماری جانب آئیں گے تو ہم انہیں جزاء دیں گے۔

نیک لوگوں کے وصال سے برکتوں کے اٹھ جانے کا بیان

تیرے دشمنوں پر جو ہمارے عذاب آنے والے ہیں وہ ہم تیری زندگی میں لائیں تو اور تیرے انتقال کے بعد لائے تو تجھے کیا؟ تیرا کام تو صرف ہمارے پیغام پہنچا دینا ہے وہ تو کر چکا۔ ان کا حساب ان کا بدلہ ہمارے ہاتھ ہے۔ تو صرف انہیں نصیحت کر دے تو ان پر کوئی جاروغہ اور نگہبان نہیں۔ جو منہ پھیرے گا اور کفر کرے گا اسے اللہ ہی بڑی سزاؤں میں داخل کر دے گا ان کا لوٹنا تو ہماری طرف ہی ہے اور ان کا حساب بھی ہمارے ذمے ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو تیرے قبضے میں دیتے آ رہے ہیں؟ کیا وہ نہیں

دیکھتے کہ آباد اور عالی شان محل کھنڈر اور ویرانے بنتے جا رہے ہیں؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان کافروں کو دباتے چلے آ رہے" کیا وہ نہیں دیکھتے کہ برکتیں اٹھتی جا رہی ہیں خرابیاں آتی جا رہی ہیں؟ لوگ مرتے جا رہے ہیں زمین اجڑتی جا رہی ہے؟ خود زمین ہی اگر تنگ ہوتی جاتی تو تو انسان کو چھپڑ ڈالنا بھی محال ہو جاتا مقصد انسان کا اور درختوں کا کم ہوتے رہنا ہے۔ مراد اس سے زمین کی تنگی نہیں بلکہ لوگوں کی موت ہے علماء فقہا اور بھلے لوگوں کی موت بھی زمین کی بربادی ہے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ یَحۡکُمُ لَا
مُعَقِّبَ لِحُکۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ۝
اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم زمین کی طرف آتے ہیں، اسے اس کے کناروں سے کم کرتے آتے ہیں
اور اللہ فیصلہ فرماتا ہے، اس کے فیصلے پر کوئی نظر ثانی کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ کے فیصلے رد کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے

"اَوَلَمۡ یَرَوۡا" اَیۡ اَهۡل مَکَّة "اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡض" نَقۡصِد اَرۡضهمۡ "نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافهَا" بِـالۡفَتۡحِ عَلَی النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ "وَاللّٰه یَحۡکُم" "فِیۡ خَلۡقه بِمَا یَشَاء "لَا مُعَقِّب" لَا رَادّ، لِحُکۡمِهٖ وَهُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ،

اور کیا انہوں یعنی اہل مکہ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم زمین کی طرف آتے ہیں، اسے اس کے کناروں سے کم کرتے آتے ہیں یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنی مخلوق کے بارے میں فیصلہ فرماتا ہے، جیسے چاہتا ہے۔ اس کے فیصلے پر کوئی نظر ثانی کرنے والا نہیں یعنی اس کا رد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

سرزمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا اور کفر کی عملداری گھٹتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قبائل اور اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سکہ بیٹھ رہا ہے۔ اوس وخزرج کے دل حق وصداقت کے سامنے مفتوح ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہم آہستہ آہستہ کفر کی حکومت کو دباتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا یہ روشن آثار ان مکذبین کو نہیں بتلاتے کہ خدا کا فیصلہ ان کے مستقبل کے متعلق کیا ہو چکا ہے۔ ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام آج جس رفتار سے بڑھ رہا ہے وہ کسی طاقت سے رکنے والا نہیں۔ لہٰذا انجام بینی اسی میں ہے کہ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھیں۔

وَقَدۡ مَکَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَکۡرُ جَمِیۡعًا ؕ یَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُ کُلُّ نَفۡسٍ ؕ
وَسَیَعۡلَمُ الۡکُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَی الدَّارِ۝
اور بیشک ان لوگوں نے بھی مکر وفریب کیا تھا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو ان سب تدبیروں کو توڑنا (بھی) اللہ کے اختیار
میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ ہر شخص کما رہا ہے، اور کفار جلد ہی جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے۔

کفار کا انبیائے کرام سے فریب کرنے کا بیان

"وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" مِنَ الْاُمَمِ بِاَنْبِيَائِهِمْ كَمَا مَكَرُوْا بِكَ "فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا" وَلَيْسَ مَكْرُهُمْ كَمَكْرِهٖ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى "يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ" فَيُعِدُّ لَهَا جَزَاءَهٗ وَهٰذَا هُوَ الْمَكْرُ كُلُّهٗ لِاَنَّهٗ يَاْتِيْهِمْ بِهٖ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ "وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ" الْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ الْكُفَّارُ "لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ" اَيِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ اَلَهُمْ اَمْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ،

اور بیشک ان لوگوں نے بھی مکر وفریب کیا تھا یعنی سابقہ امم کے لوگوں نے اپنے اپنے انبیائے کرام سے فریب کیا جس طرح ان کفار مکہ نے آپ سے فریب کیا ہے۔ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو ان سب تدبیروں کو توڑنا بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ یعنی وہ ہر جان کے لئے تدبیر تیار رکھتا ہے۔ وہ اس کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو اس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ کافر کو خوب جانتا ہے یہاں کافر سے مراد جنس کفر اور ایک قرأت میں کفار ہے۔ جو کچھ ہر شخص کما رہا ہے، یعنی جن کا آخرت میں اچھا انجام ہوگا۔ یعنی ان کفار کا انجام اچھا ہوتا ہے یا نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اور کفار جلد ہی جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے۔

کافروں کے شرمناک سازشوں کا بیان

اگلے کافروں نے بھی اپنے نبیوں کے ساتھ مکر کیا، انہیں نکالنا چاہا، اللہ نے ان کے مکر کا بدلہ لیا۔ انجام کار پرہیز گاروں کا ہی بھلا ہوا۔ اس سے پہلے آپ کے زمانے کے کافروں کی کارستانی بیان ہو چکی ہے کہ وہ آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا دیس سے نکال دینے کا مشورہ کر رہے تھے وہ گھات میں تھے اور اللہ ان کی گھات میں تھا۔ بھلا اللہ سے زیادہ اچھی پوشیدہ تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ ان کے مکر پر ہم نے بھی یہی کیا اور یہ بے خبر رہے۔ دیکھ لے کہ ان کے مکر کا انجام کیا ہوا؟ یہی کہ ہم نے انہیں غارت کر دیا اور ان کی ساری قوم کو برباد کر دیا انکے ظلم کی شہادت دینے والے ان کی غیر آباد بستیوں کے کھنڈرات ابھی موجود ہیں۔ ہر ایک کے ہر ایک عمل سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے پوشیدہ عمل دل کے خوف اس پر ظاہر ہیں ہر عامل کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا الکفار کی دوسری قرأت الکافر بھی ہے۔ ان کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کا اچھا رہتا ہے، ان کا یا مسلمانوں کا؟ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ حق والوں کو ہی غالب رکھا ہے انجام کے اعتبار سے یہی اچھے رہتے ہیں دنیا آخرت انہی کی سنورتی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝
اور کافر کہتے ہیں تم رسول نہیں، تم فرماؤ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور وہ جسے کتاب کا علم ہے۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت سے انکار کرنے کا بیان

"وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" لَكَ "لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ" لَهُمْ "كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ" عَلٰى صِدْقِيْ

"وَمَنْ عِنْدہ عِلم الْکِتَاب" مِنْ مُّؤْمِنِی الْیَهُوْد وَالنَّصَارٰی

اور کافر آپ ﷺ سے کہتے ہی تم رسول نہیں، آپ ﷺ ان سے فرمادیں میرے سچائی اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کیونکہ اس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ یعنی جو یہود ونصاریٰ سے ایمان لائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا آمد مصطفیٰ ﷺ پر اظہار خوشی کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے علمائے یہود سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے باپ ابراہیم واسماعیل کی مسجد میں جا کر عید منائیں مکے پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں تھے یہ لوگ جب حج سے لوٹے تو آپ سے ملاقات ہوئی اس وقت آپ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور لوگ بھی آپ کے پاس تھے یہ بھی مع اپنے ساتھیوں کے کھڑے ہوگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ آپ ہی عبداللہ بن سلام ہیں کہا ہاں فرمایا قریب آؤ جب قریب گئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میرا ذکر تورات میں نہیں پاتے ؟ انہوں نے کہا آپ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میرے سامنے بیان فرمایئے اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور حکم دیا کہ کہو آیت (قل هو الله احد) آپ نے پوری سورت پڑھ سنائی۔ ابن سلام نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا، مسلمان ہوگئے، مدینے واپس چلے آئے لیکن اپنے اسلام کو چھپائے رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے پہنچے اس وقت آپ کھجور کے ایک درخت پر چڑھے ہوئے کھجوریں اتار رہے تھے جو آپ کو خبر پہنچی اسی وقت درخت سے کود پڑے۔ ماں کہنے لگیں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آجاتے تو تم درخت سے نہ کودتے۔ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ اماں جی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے بھی زیادہ خوشی مجھے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں تشریف آوری سے ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ رعد، بیروت)

سورہ رعد کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ رعد کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوْرَۃُ اِبْرَاهِیْم

یہ قرآن مجید کی سورت ابراھیم ھے

سورت ابراہیم کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ اِبْرَاهِیْم (مَکِّیَّۃٌ اِلَّا اٰیَتَی 28 و 29 فَمَدَنِیَّتَانِ وَاٰیَاتُهَا 52 اَوْ 54 اَوْ 55 اٰیَۃً)

سورہ ابراہیم مکی ہے اس میں صرف آیت ۲۸، ۲۹ مدنی ہیں اور اس کی آیات ۵۲، یا ۵۴، یا ۵۵ ہیں۔ س سورت میں سات رکوع باون آیات آٹھ سو اکسٹھ کلمے تین ہزار چار سو چونتیس حرف ہیں۔

سورہ ابراہیم کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورۃ کے شروع میں رسالت ونبوت اور ان کی کچھ خصوصیات کا بیان ہے پھر توحید کا مضمون اور اس کے شواہد کا ذکر ہے اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے اور اسی مناسبت سے سورۃ کا نام سورہ ابراہیم رکھا گیا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝
الف، لام، را، یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی جانب
لے آئیں، ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف جو غلبہ والا سب خوبیوں والا ہے۔

قرآن مجید کے ذریعے کفر کی تاریکیوں سے نکل نور ایمان کی طرف آنے کا بیان

"الر" اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِكَ "كِتَاب" هٰذَا الْقُرْاٰن "اَنْزَلْنَاهُ اِلَیْكَ" یَا مُحَمَّد "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَات" الْكُفْر "اِلَى النُّور" الْاِیْمَان "بِاِذْنِ" بِاَمْرِ "رَبِّهِمْ" وَیُبْدَلُ مِنْ: اِلَى النُّور "اِلٰى صِرَاط" طَرِیْق "الْعَزِیْز" الْغَالِب "الْحَمِیْد" الْمَحْمُوْد

الف، لام، را، ان حروف کی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ قرآن مجید ایک کتاب ہے یا محمد ﷺ جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں یعنی کفر سے نکال کر نور یعنی ایمان کی جانب لے آئیں، ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ یعنی نور کی طرف جو دین ہے جو غلبہ والا سب خوبیوں والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نور مخلوق کو اندھیرے سے نکالا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن وانس) کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھران پر اپنے نور کا پرتو ڈالا، لہٰذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آ گئی وہ راہ راست پر لگ گیا اور جو اس کی مقدس شعاعوں سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الٰہی پر قلم خشک ہو چکا ہے (کہ اب تقدیر میں تغیر وتبدل ممکن نہیں۔ (مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 97)

اندھیرے سے مراد نفس امارہ کی ظلمت ہے کہ انسان کی جبلت میں خواہشات نفسانی اور غفلت کا مادہ رکھا تھا لہٰذا جس کا قلب و دماغ ایمان واحسان کی روشنی سے منور ہو گیا اور اس نے طاعت الٰہی سے اللہ کی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو وہ نفس امارہ کے مکرو فریب اور اس کی ظلمت سے نکل کر اللہ پرستی و نیکوکاری کے لالہ زار میں آ گیا اور جو اپنے نفس کے مکروفریب میں پھنس کر طاعت الٰہی کے نور سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہ گیا۔

اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ِۙ ۝
اللہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور ایک سخت عذاب سے کافروں کی خرابی ہے۔

زمین وآسمان کی تمام مخلوق کا اس کی ملکیت ہونے کا بیان

"اللّٰه" بِالْجَرِّ بَدَل اَوْ عَطْف بَیَان وَمَا بَعْده صِفَة وَالرَّفْع مُبْتَدَأ خَبَره "الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْاَرْض" مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا، وَوَیْلٌ لِّلْكَافِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ،

اللہ کہ اسی کا ہے، یہاں پر لفظ اللہ مجرور ہے جبکہ یہ بدل یا عطف بیاں ہوا اور اس کا مابعد اس کی صفت ہوگا اور مبتداء ہونے کے سبب مرفوع جبکہ بعد والا جملہ اس کی خبر ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں بادشاہت، مخلوق اور غلام ہیں اور ایک سخت عذاب سے کافروں کی خرابی ہے۔

وہ سب کا خالق و مالک ہے، سب اس کے بندے اور مملوک تو اس کی عبادت سب پر لازم اور اس کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں۔

الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝
وہ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں،
یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔

غلط راستے تلاش کرنے والوں کا حق سے دور ہونے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ" نَعت "يَسْتَحِبُّوْنَ" يَخْتَارُوْنَ "الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ" النَّاس "عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ" دِيْنِ الْإِسْلَام "وَيَبْغُوْنَهَا" اَیْ السَّبِيل "عِوَجًا" مُعْوَجَّة "اُوْلَئِكَ فِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ" عَنِ الْحَقّ

وہ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں پسند کرتے یعنی اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں، یعنی غلط راستہ تلاش کرتے ہیں یہ لوگ حق سے بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔

کفار آخرت کو نہیں بلکہ دنیا کو پسند کرتے ہیں

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس آیت میں صراحۃً یہ تین خصلتیں کفار کی بیان کی گئی ہیں اور انہی کا یہ انجام ذکر کیا گیا ہے کہ وہ گمراہی میں دور چلے گئے ہیں لیکن اصول کی رو سے جس مسلمان میں بھی یہ تین خصلتیں موجود ہوں وہ بھی اس وعید کا مستحق ہے ان تین خصلتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) دنیا کی محبت کو آخرت پر غالب رکھیں یہاں تک کہ دین کی روشنی میں نہ آئیں۔ (۲) دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک رکھنے کے لئے اللہ کے راستہ سیر وکیں۔ (۳) قرآن وسنت کو ہیر پھیر کر کے اپنے خیالات پر منطبق کرنے کی کوشش کریں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ رعد، بیروت)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے" اور جو مسلمان اس قید خانہ کی تکلیف ومصائب کو خندہ پیشانی کے ساتھ انگیز کر لے ان کے لئے اللہ نے آخرت کی بے پایاں انعامات کا وعدہ کیا ہے قرآن کریم میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ آیت (لایغرنك تقلب الذین کفروا فی البلاد)

اے مومن تجھ کو ان کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈالے کیونکہ یہ چند روزہ بہار ہے پھر ان کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے دوزخ ہوگا وہ براہی مقام ہے لیکن جو لوگ اللہ سے ڈریں اور مسلمان ہو جائیں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ ان کی مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو چیزیں اللہ کے پاس ہیں یہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں۔ منقول ہے کہ بعض صحابہ جب کفار مشرکین کی تجارتی سرگرمیوں ان کے یہاں مال ودولت کی ریل پیل کو دیکھتے اور ان کو دنیا کی راحت وآسائش میں دیکھتے تو ان کی زبان پر یہ الفاظ آجاتے تھے کہ یہ لوگ جو اللہ کے دشمن ہیں ان کا حال تو ہم بڑا اچھا دیکھتے ہیں لیکن ہم محنت ومشقت کی سختیوں اور افلاس بھوک کی جانکاہیوں سے دم توڑتے نظر آرہے ہیں اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو بتایا گیا کہ دنیا کا یہ آرام وچین اور یہاں کی ساری عیاشی چند روزہ ہے ان کو جلد ہی فنا ہو جانا ہے لیکن تمہیں آخرت کا جو آرام وچین اور وہاں کی جو آسائشیں اور راحت نصیب ہونے والی ہے وہ لازوال ہیں جن کو کبھی فنا نہیں آئے گی لہٰذا تم لوگ فنا ہونے والے چین اور چند روزہ کی راحت کی تمنا نہ کرو بلکہ ان نعمتوں کے امیدوار رہو جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ جس طرح فقر وافلاس بسا اوقات کفر کی حد تک پہنچا دیتا ہے اسی طرح بسا اوقات مال ودولت کی زیادتی بھی گمراہ کر دیتی ہے دولت مندی کا نشہ انسان کو تمرد وسرکشی میں مبتلا کر دیتا ہے اور حد سے زیادہ راحت وآسائش کا فتنہ گناہ معصیت کے اندھیروں میں

پھینک دیتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خواہ مالداری ہو یا افلاس ان دونوں کا معتدل طور پر رہنا زندگی کو گمراہی کی ضلالت سے بچا سکتا ہے چنانچہ وہ فقر افلاس جس کو انگیز کیا جا سکتا ہو مایوسی اور کفر کی حد تک پہنچنے سے روکے رکھتا ہے اور بقدر ضرورت مال و دولت کا ملنا سرمایہ داری کے نشہ سے محفوظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے تمرد سرکشی اور گناہ و معصیت کا خدشہ نہیں رہتا لہٰذا خیر الامور اوسطھا کا اصول ان دونوں پر بھی صادق آتا ہے۔ حدیث کے دوسرے جز اور حسد قریب ہے کہ تقدیر الٰہی پر غالب آجائے گا مطلب یہ ہے کہ بفرض محال کوئی ایسی چیز ہوتی جو تقدیر پر غالب آجاتی اور اس کو بدل دینے کی طاقت رکھتی تو وہ حسد ہوتا اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حسد، حاسد کو اس گمراہ کن گمان تک لے جاتا ہے کہ وہ تقدیر الٰہی کو بھی بدل سکتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝
اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے، پھر اللہ گمراہ کر دیتا ہے
جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

انبیائے کرام کا اپنی قوم کی زبان میں دعوت حق دینے کا بیان

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ" بِلُغَةِ "قَوْمه لِيُبَيِّنَ لَهُمْ" لِيُفَهِّمهُمْ مَا اَتٰى بِهٖ "فَيُضِلّ اللّٰه مَنْ يَّشَاء وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَاء وَهُوَ الْعَزِيز" فِيْ مُلْكه "الْحَكِيْم" فِيْ صُنْعه

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے، یعنی ان کے لئے نازل کردہ حکم کو پہچان لیں۔ پھر اللہ گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہی اپنے ملک میں سب پر غالب، اپنی صنعت میں کمال حکمت والا ہے۔

عربی زبان کے مقبول ہونے کا بیان

اول یہ کہ عربی زبان آسمان کی دفتری زبان ہے فرشتوں کی زبان عربی ہے لوح محفوظ کی زبان عربی ہے جیسا کہ (آیت) قرآن بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ سے معلوم ہوتا ہے اور جنت جو انسان کا وطن اصلی ہے اور جہاں اس کو لوٹ کر جانا ہے اس کی زبان بھی عربی ہے۔

طبرانی، مستدرک حاکم، شعب الایمان بیہقی میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احبوا العرب لثلاث لانی عربی والقران عربی و کلام اهل الجنة عربی، (اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے معنی حدیث کے یہ ہیں کہ تم لوگ تین وجہ سے عرب سے محبت کرو ایک یہ کہ میں عربی ہوں دوسرے یہ کہ قرآن عربی ہے تیسرے یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

امام قرطبی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی زمین پر نازل ہونے اور توبہ قبول ہونے کے بعد عربی ہی زبان میں کچھ تغیرات ہوکر سریانی زبان پیدا ہوگئی اس سے ان روایات کی بھی تائید وتقویت ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں ان کی اصلی زبان عربی ہی تھی جبرئیل امین نے قومی زبان میں ترجمہ کر کے پیغمبروں کو بتلایا اور انہوں نے اپنی قومی زبان میں امتوں کو پہنچایا

یہ روایات علامہ سیوطی نے اتقان میں اور آیت مذکورہ کے ذیل میں اکثر مفسرین نے نقل کی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب آسمانی کتابوں کی اصل زبان عربی ہے مگر قرآن کریم کے سوا دوسری کتابیں ملکی اور قومی زبانوں میں ترجمہ کر کے دی گئی ہیں اس لئے ان کے معانی تو سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر الفاظ بدلے ہوئے ہیں یہ صرف قرآن کی خصوصیت ہے کہ اس کے معانی کی طرح الفاظ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے آئے ہوئے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا کہ سارا جہان جن وانس جمع ہوکر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سورۃ بلکہ ایک آیت کی مثال نہیں بنا سکتے کیونکہ وہ معنوی اور لفظی حیثیت سے کلام الٰہی اور ایک صفت الٰہی ہے جس کی کوئی نقل نہیں اتار سکتا معنوی حیثیت سے تو دوسری آسمانی کتابیں بھی کلام الٰہی ہیں مگر ان میں شاید اصل عربی الفاظ کے بجائے ترجمہ ہونے ہی کی وجہ سے یہ دعویٰ کسی دوسری آسمانی کتاب نے نہیں کیا ورنہ قرآن کی طرح کلام الٰہی ہونے کی حیثیت سے ہر کتاب کی یکتائی اور بے مثال ہونا یقینی تھا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ رعد، بیروت)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ
وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال اور انھیں اللہ کے دن
یاد دلا، بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو بہت صبر کرنے والا، بہت شکر کرنے والا ہے۔

اللہ کے دنوں کو یاد کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسَى بِاٰيَاتِنَا" التِّسع وَقُلْنَا لَهُ "اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَك" بَنِیْ اِسْرَائِیل "مِنَ الظُّلُمَات" الْكُفْر "اِلَى النُّور" الْاِيْمَان "وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ الله" بِنِعَمِهِ "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ" التَّذْكِير "لَاٰيَات لِكُلِّ صَبَّار" عَلَى الطَّاعَة "شَكُوْر" لِلنِّعَمِ،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی ۹ نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کو اندھیروں یعنی کفر سے روشنی یعنی ایمان کی طرف نکال لیں اور انہیں اللہ کے دن یعنی اس کی نعمت کے دن یاد دلا، بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو اس کی طاعت پر بہت صبر کرنے والا، اس کی نعمتوں کا بہت شکر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعام والے دنوں کو یاد رکھنے کا بیان

قاموس میں ہے کہ ایّامُ اللہ سے اللہ کی نعمتیں مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس واُبی بن کعب ومجاہد وقتادہ نے بھی ایامُ اللہ کی تفسیر (اللہ کی نعمتیں) فرمائیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ ایّامُ اللہ سے وہ بڑے بڑے وقائع مراد ہیں جو اللہ کے امر سے واقع ہوئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایامُ اللہ سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں پر انعام کئے جیسے کہ بنی اسرائیل کے لئے مَن و سلوٰی اتارنے کا دن، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا میں راستہ بنانے کا دن (خازن ومدارک ومفردات راغب)

ان ایامُ اللہ میں سب سے بڑی نعمت کے دن سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ومعراج کے دن ہیں، ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے اسی طرح اور بزرگوں پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوئیں یا جن ایام میں، واقعاتِ عظمیہ پیش آئے جیسا کہ دسویں محرم کو کربلا کا واقعہ ہائلہ، ان کی یادگاریں قائم کرنا بھی تذکیر بایّامِ اللہ میں داخل ہے۔ بعض لوگ میلاد شریف معراج شریف اور ذکرِ شہادت کے ایام کی تخصیص میں کلام کرتے ہیں انھیں اس آیت سے نصیحت پذیر ہونا چاہیئے۔

صابروشاکر رہنے کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبر نصف ایمان ہے اور صحیح مسلم اور مسند احمد میں بروایت حضرت صہیب مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا ہر حال خیر ہی خیر اور بھلا ہی بھلا ہے اور یہ بات سوائے مؤمن کے اور کسی کو نصیب نہیں کیونکہ مؤمن کو اگر کوئی راحت نعمت یا عزت ملتی ہے تو یہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوتا ہے جو اس کے لئے دین و دنیا میں خیر اور بھلائی کا سامان ہو جاتا ہے (دنیا میں تو حسب وعدہ الٰہی نعمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور قائم رہتی ہے اور آخرت میں اس کے شکر کا اجر عظیم اس کو ملتا ہے) اور اگر مؤمن کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آجائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اس کے صبر کی وجہ سے وہ مصیبت بھی اس کے لئے نعمت وراحت کا سامان ہو جاتی ہے بیہقی نے بروایت انس نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے دو حصے آدھا صبر اور آدھا شکر ہے۔ (سنن بیہقی)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝
اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جب اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی جو تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے اور تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔

فرعون کے قتل اولاد والے ظلم سے نجات ملنے والی نعمت کا بیان

"و" اُذْكُرْ "اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجَاكُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَ كُمْ "الْمَوْلُودِيْنَ "وَيَسْتَحْيُونَ" يَسْتَبْقُونَ "نِسَاءَ كُمْ" لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ إِنَّ مَوْلُودًا يُولَدُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ يَكُونُ سَبَبَ ذَهَابِ مُلْكِ فِرْعَوْنَ "وَفِي ذَلِكُمْ" الْإِنْجَاءِ أَوِ الْعَذَابِ "بَلَاءٌ" إِنْعَامٌ أَوِ ابْتِلَاءٌ ،

اور وہ وقت یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جب اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی جو تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے اور تمہارے پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے، یعنی بعض کاہنوں کے قول کی وجہ سے کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو فرعون کے ملک سے اس کی بادشاہت کو ختم کر دے گا۔ اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی بھاری آزمائش یا سختی تھی۔ یا انعام یا آزمائش تھی۔ (اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے)

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ٥
اور جب تمہارے رب نے آگاہ فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے
تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے۔

نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے سبب نعمتوں میں اضافہ کا بیان

"وَإِذْ تَأَذَّنَ" أَعْلَمَ "رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ" نِعْمَتِي بِالتَّوْحِيدِ وَالطَّاعَةِ "لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ" جَحَدْتُمُ النِّعْمَةَ بِالْكُفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ لَأُعَذِّبَنَّكُمْ دَلَّ عَلَيْهِ "إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ"

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے آگاہ فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے یعنی توحید و اطاعت کرو گے تو میں تم پر نعمتوں میں ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم کفر و نافرمانی کے سبب ناشکری کرو گے تو میں اس پر تمہیں عذاب دوں گا۔ بے شک میرا عذاب سخت ہے۔

شکرانہ نعمت سے متعلق بنی اسرائیل کے تین بندوں کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی ایک ابرص دوسرا نابینا تیسرے گنجے کو اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا وہ فرشتہ ابرص کے پاس آکر کہنے لگا کون سی چیز تجھ کو زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا مجھ کو اچھی رنگت اور خوبصورت چمڑہ مل جائے جس سے لوگ مجھ کو اپنے پاس بیٹھنے دیں اور گھن نہ کریں۔ فرشتہ نے اپنا ہاتھ اس کے بدن پر پھیر دیا تو وہ فوراً اچھا ہو گیا اور خوبصورت رنگت اور اچھی کھال نکل آئی پھر اس سے دریافت کیا تجھ کو کون سا مال محبوب ہے؟ اس نے کہا اونٹ یا گائے (راوی کو اس میں شک ہے کہ کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ مانگا اور دوسرے نے گائے) لہٰذا ایک گابھن اونٹنی اس کو عطا کی فرشتہ نے کہا اللہ تعالیٰ برکت دے پھر گنجے کے پاس آیا آکر کہا کہ تجھ کو کون سی چیز مرغوب ہے؟ اس نے کہا میرے اچھے بال نکل آئیں اور یہ بلا مجھ سے دور ہو جائے

کہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں پھر پوچھا تجھ کو کونسا مال پسند ہے؟ اس نے کہا کہ گائے ایک گابھن گائے اس کو دے دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عنایت کرے پھر اندھے کے پاس آ کر پوچھا تجھ کو کیا چیز مطلوب ہے؟ کہا میری آنکھوں کو درست کر دو کہ تمام لوگوں کو دیکھ سکوں فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ درست کر دی پھر دریافت کیا تجھ کو کیا مال پیارا ہے؟ کہا بکری لہٰذا اس کو ایک گابھن بکری عطا کر دی تینوں کے جانوروں نے بچے دیئے تھوڑے دنوں میں ان کے اونٹوں سے جنگل بھر گیا اس کی گائیوں سے اور اس کی بکریوں سے پھر بحکم الٰہی فرشتہ اسی پہلی صورت میں کوڑھی کے پاس آیا اور کہا میں ایک مسکین آدمی ہوں میرے سفر کا تمام سامان ختم ہو گیا ہے آج میرے پہنچنے کا اللہ کے سوا کوئی ذریعہ نہیں پھر میں اللہ کے نام پر جس نے تجھے اچھی رنگ اور عمدہ کھال عنایت کی تجھ سے ایک اونٹ کا خواستگار ہوں کہ اس پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچ جاؤں وہ بولا یہاں سے آگے بڑھ دور ہو مجھے اور بھی بہت سے حقوق ادا کرنے ہیں میرے پاس تیرے دینے کی گنجائش نہیں ہے فرشتہ نے کہا شاید میں تجھ کو پہچانتا ہوں کیا تو کوڑھی نہ تھا کہ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے؟ کیا تو مفلس نہیں تھا؟ پھر تجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مال عنایت فرمایا اس نے کہا واہ! کیا خوب! یہ مال تو کئی پشتوں سے باپ دادا کے وقت سے چلا آتا ہے فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ویسا ہی کر دے جیسے پہلے تھا پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی صورت میں آیا اور اسی طرح اس سے بھی سوال کیا اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا فرشتہ نے جواب دیا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ویسا ہی کرے جس طرح پہلے تھا پھر اندھے کے پاس اسی پہلی صورت میں آیا اور کہا میں مسافر ہوں بے سامان ہو گیا ہوں آج اللہ کے سوا اور تیرے سوا کوئی ذریعہ میرے مکان تک پہنچنے کا نہیں ہے میں اس کے نام پر جس نے دوبارہ تمہیں بینائی بخشی ہے تجھ سے ایک بکری مانگتا ہوں کہ اس سے اپنی کاروائی کر کے سفر پورا کروں اس نے کہا بیشک میں اندھا تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرام سے مجھ کو بینائی عنایت فرمائی جتنا تیرا دل چاہے لے جا اور جتنا چاہے چھوڑ جا واللہ میں تجھ کو کسی چیز سے منع نہیں کرتا فرشتہ نے کہا تو اپنا مال اپنے پاس رکھ مجھ کو کچھ نہ چاہئے مجھے تو فقط تم تینوں کی آزمائش منظور تھی سو ہو چکی اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوا اور ان دونوں سے ناراض ہوا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 721)

دنیاوی نعمتوں کی محرومی پر صبر وشکر کے سبب جنت ملنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی (خفی) بھیجی ہے کہ جو طلب علم کے لئے راستہ اختیار کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کر دوں گا اور جس آدمی کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں (یعنی کوئی آدمی نابینا ہو گیا ہو) تو اس دنیاوی نعمت سے محرومی اور اس پر صبر وشکر کی بناء پر میں اس کا بدلہ اسے جنت دوں گا اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیزگاری ہے۔"

(بیہقی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 243)

ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی علم دین کے حصول کے لئے کسی راستہ کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی راہ آسان کر دے گا یعنی دنیا میں معرفت وحقیقت کی دولت سے نوازا جائے گا اور عبادت الٰہی کی توفیق عنایت فرمائی جائے گی تاکہ وہ اس کے سبب

جنت میں داخل ہو سکے، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے آدمی پر آخرت میں جنت کے دروازے کا راستہ اور جنت میں جو محل اہل علم کے لئے مخصوص ہے اس کی راہ آسان کردی جائے گی۔ گو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں علم کی جو راہ ہے وہی آخرت میں جنت کی بھی راہ ہے اور علم کے دروازوں کے علاوہ جنت کی تمام راہیں بند ہیں یعنی بغیر علم کے جنت میں داخل ہونا مشکل ہے مگر شرط یہی ہے کہ علم خلوص نیت اور للہیت کے جذبہ سے حاصل کیا گیا ہو اور پھر اس عمل کی توفیق بھی ہوتی ہو ورنہ علم بغیر خلوص اور بغیر عمل کے کوئی حقیقت نہیں رکھے گا اور اس کا مصداق ہوگا کہ چار پایہ بروکتا بے چند آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دین کی اصل اور جڑ ورع (یعنی پرہیزگاری) ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حرام، منکرات اور طمع سے بچنا چاہئے تاکہ عبادات میں ریاء اور عدم اخلاص پیدا نہ ہو۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤی اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝
اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر تم اور وہ سب کے سب لوگ جو زمین میں ہیں کفر کرنے لگیں تو بیشک اللہ یقیناً بے نیاز لائقِ حمد وثنا ہے۔

روئے زمین کے لوگوں کفر اپنائیں تب بھی اللہ بے نیاز ہے

"وَقَالَ مُوسَى" لِقَوْمِهِ "اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰه لَغَنِیٌّ" عَنْ خَلْقه "حَمِید" مَحْمُود فِیْ صُنْعه بِهِمْ،

اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اگر تم اور وہ سب کے سب لوگ جو زمین میں ہیں کفر کرنے لگیں تو بیشک اللہ ان سب سے یعنی مخلوق سے یقیناً بے نیاز لائقِ حمد وثنا ہے۔ جو ان کے بنانے میں تعریف کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم سب اور روئے زمین کی تمام مخلوق بھی ناشکری کرنے لگے تو اللہ کا کیا بگاڑے گا؟ وہ بندوں سے اور ان کی شکر گزاری سے بےنیاز اور بےپرواہ ہے۔ تعریفوں کا مالک اور قابل وہی ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ
لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا
اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝
کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، قوم نوح اور عاد اور ثمود تھے اور لوگ جو ان کے بعد ہوئے،
انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ آئے تھے پس انہوں نے اپنے ہاتھ
اپنے مونہوں میں ڈال لئے اور کہنے لگے، ہم نے اس کا انکار کر دیا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور یقیناً ہم اس چیز کی
نسبت اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔

دین حق کا پیغام سن کر سخت غیظ میں آنے والے کفار کا بیان

"اَلَمْ يَاْتِكُمْ" اسْتِفْهَام تَقْرِير "نَبَأ" خَبَر "الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْم نُوح وَعَادٍ" قَوْم هُوْد "وَثَمُوْد" قَوْم صَالِح "وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰه" لِكَثْرَتِهِمْ "جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَة عَلٰى صِدْقِهِمْ "فَرَدُّوْا" اَیْ الْاُمَم "اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ" اَیْ اِلَيْهَا لِيَعَضُّوا عَلَيْهَا مِنْ شِدَّة الْغَيْظ "وَقَالُوْا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ" فِیْ زَعْمِكُمْ "وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَا اِلَيْهِ مُرِيْب" مُوْقِع فِي الرِّيْبَة،

کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی ، یہ استفہام تقریری ہے۔نباء کا معنی خبر ہے۔جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، وہ قوم نوح اور عاد جو قوم ھود تھی اور ثمود کی قوموں کے لوگ جو صالح علیہ السلام کی قوم تھے اور کچھ لوگ جو ان کے بعد ہوئے ،انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (کیونکہ وہ صفحہ ہستی سے بالکل نیست ونابود ہو چکے ہیں)، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ یعنی اپنی صداقت کے دلائل لے کر آئے تھے پس انہوں نے (ازراہِ تمسخر وعناد) اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈال لئے یعنی اس پیغام حق پر سخت برہم ہوئے۔اور بڑی جسارت کے ساتھ کہنے لگے ،ہم نے اس دین کا انکار کر دیا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور یقیناً ہم اس چیز کی نسبت اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو۔

کفار مکہ کا حق کو سن کر غصے میں ہاتھ منہ پر رکھ لینے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ غصہ میں آ کر اپنے ہاتھ کاٹنے لگے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہوں نے کتاب اللہ سن کر تعجب سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ،غرض یہ کوئی نہ کوئی انکار کی ادا تھی۔

وہ اپنے ہاتھ ان کے منہ تک لوٹا لیے گئے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ رسولوں کے منہ بند کرنے لگے۔ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھنے لگے کہ محض جھوٹ ہے جو رسول کہتے ہیں۔ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جواب سے لاچار ہو کر انگلیاں منہ پر رکھ لیں۔ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اپنے منہ سے انہیں جھٹلانے لگے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر فی معنی میں "بے" کے ہو جیسے بعض عرب کہتے ہیں ادخلك الله بالجنة یعنی فی الجنة شعر میں بھی یہ محاورہ مستعمل ہے۔اور بقول مجاہد اس کے بعد کا جملہ اسی کی تفسیر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے مارے غصے کے اپنی انگلیاں اپنے منہ میں ڈال لیں۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ
مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ
تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝
ان کے پیغمبروں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، جو تمہیں بلاتا ہے کہ تمہارے

گناہوں کوتمہاری خاطر بخش دے اور تمہیں ایک مقرر میعاد تک مہلت دیئے رکھتا ہے۔وہ بولے:تم تو صرف ہمارے جیسے بشر ہی ہو،تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان سے روک دو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے،سوتم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤ۔

کفار کا انبیائے کرام کو اپنی مثل بشر کہہ کر ان کی نبوت کے انکار کا بیان

"قَالَتْ رُسُلهم اَفِی اللّٰه شَكّ" اسْتِفْهَام اِنْكَار اَیْ لَا شَكَّ فِیْ تَوْحِیْده لِلدَّلَائِلِ الظَّاهِرَة عَلَيْهِ "فَاطِر" خَالِق "السَّمَاوَات وَالْاَرْض يَدْعُوكُمْ" اِلٰى طَاعَته. "لِيَغْفِر لَكُمْ مِنْ ذُنُوبكُمْ" مِنْ زَائِدَة فَاِنَّ الْاِسْلَام يُغْفَر بِهٖ مَا قَبْله اَوْ تَبْعِيْضِيَّةٌ لِاِخْرَاجِ حُقُوق الْعِبَاد "وَيُؤَخِّركُمْ" بِلَا عَذَاب "اِلٰى اَجَل مُسَمًّى" اَجَل الْمَوْت "قَالُوْا اِنْ" مَا "اَنْتُمْ اِلَّا بَشَر مِثْلنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُد اٰبَاؤُنَا" مِنْ الْاَصْنَام "فَاْتُوْنَا بِسُلْطَانٍ مُبِيْن" حُجَّة ظَاهِرَة عَلٰى صِدْقكُمْ،

ان کے پیغمبروں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے یہ استفہام انکاری ہے یعنی اس کی توحید کے دلائل کے ظاہر ہو جانے کے بعد تو کوئی شک رہا ہی نہیں ہے۔جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے،جو تمہیں اپنی اطاعت کی طرف بلاتا ہے کہ تمہارے گناہوں کو تمہاری خاطر بخش دے،یہاں پر بھی من زائدہ ہے۔کیونکہ اسلام لانے کے سبب پہلے گناہوں کی بخشش ہو جات ہے۔یا یہاں پر من تبعیضیہ ہے۔تا کہ حقوق العباد کو خارج کیا جائے۔اور تمہاری نافرمانیوں کے باوجود تمہیں ایک مقرر میعاد تک عذاب سے مہلت یعنی موت تک مہلت دیئے رکھتا ہے۔وہ کافر بولے،تم تو صرف ہمارے جیسے بشر ہی ہو،تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان بتوں سے روک دو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے،سوتم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لاؤ۔یعنی اپنی صداقت پر کوئی ظاہری دلیل لاؤ۔

رسولوں کی اور ان کی قوم کے کافروں کی بات چیت بیان ہو رہی ہے۔قوم نے اللہ کی عبادت میں شک شبہ کا اظہار کیا اس پر رسولوں نے کہا اللہ کے بارے میں شک؟ یعنی اس کے وجود میں شک کیسا؟ فطرت اس کی شاہد عدل ہے انسان کی بنیاد میں اس کا اقرار موجود ہے۔عقل سلیم اس کے ماننے پر مجبور ہے۔اچھا اگر دلیل کے بغیر اطمینان نہیں تو دیکھ لو کہ یہ آسمان وزمین کیسے پیدا ہو گئے؟ موجود کے لئے موجد کا ہونا ضروری ہے۔انہیں بغیر نمونہ پیدا کرنے والا وہی وحدہ لاشریک لہ ہے اس عالم کی تخلیق تو مطیع و مخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے اس سے کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں آتی ؟ کہ اس کا صانع اس کا خالق ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جو ہر چیز کا خالق مالک اور معبود برحق ہے۔یا کیا تمہیں اس کی الوہیت اور اس کی وحدانیت میں شک ہے؟ جب تمام موجودات کا خالق اور موجود وہی ہے تو پھر عبادت میں تنہا وہی کیوں نہ ہو؟ چونکہ اکثر امتیں خالق کے وجود کے قائل تھیں پھر اوروں کی عبادت انہیں واسطہ اور وسیلہ جان کر اللہ سے نزدیک کرنے والے اور نفع دینے والے سمجھ کر کرتی تھیں اس لئے رسول اللہ انہیں ان کی عبادتوں سے یہ سمجھا کر روکتے ہیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ
وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝
ان کے رسولوں نے ان سے کہا اگر چہ ہم تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا
ہے، اور یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

عطائے نبوت کے سبب انبیائے کرام کا مقام انسانیت سے ممتاز ہونے کا بیان

"قَالَتْ لَهُمْ رُسُلهم اِنْ "مَا "نَحْنُ اِلَّا بَشَر مِثْلُكُمْ" كَمَا قُلْتُمْ "وَلٰكِنَّ اللّٰه يَمُنّ عَلٰى مَنْ يَّشَاء مِنْ عِبَاده" بِالنُّبُوَّةِ "وَمَا كَانَ" مَا يَنْبَغِي "لَنَا اَنْ نَاْتِيكُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰه" بِاَمْرِهٖ لِاَنَّنَا عَبِيْد مَرْبُوْبُوْنَ "وَعَلَى اللّٰه فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" يَثِقُوا بِهٖ،

ان کے رسولوں نے ان سے کہا اگر چہ ہم (نفسِ بشریت میں) تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن (اس فرق پر بھی غور کرو کہ) اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان یعنی نبوت عطا فرماتا ہے (پھر برابری کیسی؟)، اور (رہ گئی روشن دلیل کی بات) یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف بلا رہا ہے کہ آخرت میں تمہارے گناہ معاف فرما دے اور جو وقت مقرر ہے اس تک تمہیں اچھائی سے پہنچادے ہر ایک فضیلت والے کو وہ اس کی فضیلت عنایت فرمائے گا۔اب امتوں نے پہلے مقام کو تسلیم کرنے کے بعد جواب دیا کہ تمہاری رسالت ہم کیسے مان لیں" تم میں انسانیت تو ہم جیسی ہی ہے اچھا اگر سچے ہو تو زبردست معجزہ پیش کرو جو انسانی طاقت سے باہر ہو؟ اس کے جواب میں پیغمبران رب نے فرمایا کہ یہ تو بالکل مسلم ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں۔لیکن رسالت ونبوت اللہ کا عطیہ ہے وہ جسے چاہے دے۔انسانیت رسالت کے منافی نہیں۔اور جو چیز تم ہمارے ہاتھوں سے دیکھنا چاہتے ہو اس کی نسبت بھی سن لو کہ وہ ہمارے بس کی بات نہیں ہاں ہم اللہ سے طلب کریں گے اگر ہماری دعا مقبول ہوئی تو بیشک ہم دکھا دیں گے مومنوں کو تو ہر کام میں اللہ ہی پر توکل ہے۔اور خصوصیت کے ساتھ ہمیں اس پر زیادہ توکل اور بھروسہ ہے اس لئے بھی کہ اس نے تمام راہوں میں سے بہترین راہ دکھائی۔تم جتنا چاہو دکھ دو لیکن انشاء اللہ دامن توکل ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے کا نہیں۔متوکلین کے گروہ کے لئے اللہ کا توکل کافی وافی ہے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝
اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں درآنحالیکہ اسی نے ہمیں راہیں دکھائی ہیں، اور ہم ضرور تمہاری اذیت رسانیوں
پر صبر کریں گے اور اہلِ توکل کو اللہ ہی پر توکل کرنا۔

آزمائشوں کی صورت میں اللہ پر توکل کرنے کا بیان

"وَمَا لَنَا اَلَّا اَ" نْ "لا نَتَوَکَّل عَلَی اللّٰه" اَیْ لَا مَانِع لَنَا مِنْ ذٰلِكَ "وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَا اٰذَیْتُمُوْنَا" عَلٰی اَذَاکُمْ،

اورہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں درآنحالیکہ اسی نے ہمیں (ہدایت وکامیابی کی) راہیں دکھائی ہیں، اور ہم ضرور تمہاری اذیت رسانیوں پر صبر کریں گے اور اہلِ توکل کو اللہ ہی پر توکل کرنا۔یعنی انہیں آزمایا جائے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ
فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۝
اور کافر لوگ اپنے پیغمبروں سے کہنے لگے: ہم بہرصورت تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تمہیں ضرور ہمارے مذہب
میں لوٹ آنا ہوگا، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔

کفار کا اپنے نظریے طرف بلانے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ " لَتَصِیْرُنَّ "فِیْ مِلَّتِنَا" دِیْنِنَا "فَاَوْحَی اِلَیْهِمْ رَبّهمْ لَنُهْلِکَنَّ الظَّالِمِیْنَ" الْکَافِرِیْنَ،

اور کافر لوگ اپنے پیغمبروں سے کہنے لگے: ہم بہرصورت تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تمہیں ضرور ہمارے مذہب یعنی دین میں لوٹ آنا ہوگا، تو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں یعنی کافروں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔

کفار کی انبیائے کرام سے عداوت کا بیان

کافر جب تنگ ہوئے، کوئی حجت باقی نہ رہی تو نبیوں کو دھمکانے لگے اور دیس نکالنے سے ڈرانے لگے۔قوم شعیب نے بھی اپنے نبی اور مومنوں سے یہی کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔لوطیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو۔ وہ اگرچہ مکر کرتے تھے لیکن اللہ بھی ان کے داؤ میں تھا۔اپنے نبی کو سلامتی کے ساتھ مکے سے لے گیا مدینے والوں کو آپ کا انصار و مددگار بنا دیا وہ آپ کے لشکر میں شامل ہوکر آپ کے جھنڈے تلے کافروں سے لڑے اور بتدریج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترقیاں دیں یہاں تک کہ بالآخر آپ نے مکہ بھی فتح کرلیا اب تو دشمنان دین کے منصوبے خاک میں مل گئے ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی ان کی آرزویں پامال ہوگئیں۔اللہ کا دین لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہوگیا، جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں، تمام روئے زمین کے ادیان پر دین اسلام چھا گیا، کلمہ حق بلند و بالا ہوگیا اور تھوڑے سے زمانے میں مشرق سے مغرب تک اشاعت اسلام ہوگئی فالحمدللہ۔ یہاں فرمان ہے کہ ادھر کفار نے نبیوں کو دھمکایا ادھر اللہ نے ان سے سچا وعدہ فرمایا کہ یہی ہلاک ہوں گے اور زمین کے مالک تم بنو گے۔جیسے فرمان ہے کہ ہمارا کلمہ ہمارے رسولوں کے بارے میں سبقت کر چکا ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور

ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ○
اور ان کے بعد ہم تمہیں ضرور ملک میں آباد فرمائیں گے۔ یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا
اور میرے وعدہ سے خائف ہوا۔

اللہ کے حضور کھڑے ہونے خوف کھانے کا بیان

"وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ" اَرْضَهُمْ "مِنْ بَعْدِهِمْ" بَعْدَ هَلَاكِهِمْ "ذٰلِكَ" النَّصْر وَاِيرَاث الْاَرْض "لِمَنْ خَافَ مَقَامِي" اَيْ مَقَامه بَيْنَ يَدَيَّ "وَخَافَ وَعِيد" بِالْعَذَابِ،

اور ان کے بعد ہم تمہیں ضرور اسی ملک میں ہلاکت کے بعد آباد فرمائیں گے۔ یہ مدد اور ملک کی بادشاہت ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے۔ اور میرے وعدہ عذاب سے خائف ہوا۔

یہ تم کو کیا نکالیں گے ہم ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لیے یہاں سے نکال دیں گے کہ پھر کبھی واپس نہ آ سکیں۔ اور ان کی جگہ تم کو اور تمہارے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کریں گے۔ دیکھو کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے مکہ سے نکالنا چاہا، وہ ہی نکلنا آخر اس کا سبب بن گیا کہ وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی تسلط ہوا اور کافر کا نشان باقی نہ رہے۔

مذکورہ بالا کامیابی ان لوگوں کے لیے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں یہ خیال کر کے کہ وہ ہماری تمام حرکتوں کو برابر دیکھ رہا ہے اور ایک دن حساب دینے کے لیے اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے جہاں اس کے بیپناہ عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ○
اور رسولوں نے فتح مانگی اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوگیا۔

متکبر و سرکش لوگوں کے نامراد ہونے کا بیان

"وَاسْتَفْتَحُوا" اسْتَنْصَرَ الرُّسُل بِاللّٰهِ عَلٰى قَوْمهمْ "وَخَابَ" خَسِرَ "كُلّ جَبَّار" مُتَكَبِّر عَنْ طَاعَة اللّٰه "عَنِيد" مُعَانِد لِلْحَقِّ،

اور رسولوں نے اپنی اقوام کے لئے اللہ سے فتح یعنی مدد مانگی اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوگیا۔ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ اطاعت سے تکبر کرتے ہوئے حق کا انکار کرنے والا ہے۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَیُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ○
اس کے پیچھے جہنم ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔

اہل جہنم کوخون اور پیپ سے ملا ہوا پانی پلانے کا بیان

"مِنْ وَّرَائِهٖ" اَیْ اَمَامه "جَهَنَّم" يَدْخُلهَا "وَيُسْقَى" فِيهَا "مِنْ مَّاء صَدِيْد" هُوَ مَا يَسِيل مِنْ جَوْف اَهْل النَّار مُخْتَلِطًا بِالْقَيْحِ وَالدَّم،

اس کے پیچھے یعنی سامنے بھی جہنم ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔یعنی ایسا پیپ والا پانی جس میں اہل جودوزخیوں کے پیٹ سے جاری ہوگا جس میں خون اور قئے ملی ہوئی ہوگی۔

وراء یہاں پر معنی "امام" سامنے کے ہیں جیسے آیت (وکان وراءھم ملک) میں ہے ابن عباس کی قرأت ہی وکان اماھم ملک ہے غرض سامنے سے جہنم اس کی تاک میں ہوگی جس میں جا کر پھر نکلنا ناممکن ہوگا قیامت کے دن تک تو صبح شام وہ پیش ہوتی رہی اب وہی ٹھکانا بن گئی پھر وہاں اس کے لئے پانی کے بدلے آگ جیسا پیپ ہے اور حد سے زیادہ ٹھنڈا اور بدبودار وہ پانی ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے رستا ہے۔جیسے فرما آیت (هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ،ص:57) پس ایک گرمی میں حد سے گزرا ہوا ایک سردی میں حد سے گزرا ہوا۔

صدید کہتے ہیں پیپ اور خون کو جو دوزخیوں کے گوشت سے اور ان کی کھالوں سے بہا ہوا ہوگا۔اسی کو طینۃ الخبال بھی کہا جاتا ہے۔مسند احمد میں ہے کہ جب اس کے پاس لایا جائے گا تو اسے سخت تکلیف ہوگی منہ کے پاس پہنچتے ہی سارے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر پڑے گی۔ایک گھونٹ لیتے ہی پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○
جسے وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ پیئے گا اور اسے حلق سے نیچے اتار نہ سکے گا، اور اسے ہر طرف سے موت آ گھیرے گی
اور وہ مرنہ سے گا، اور اس کے پیچھے بڑا ہی سخت عذاب ہوگا۔

اہل جہنم پر عذاب درعذاب آنے کا بیان

"يَتَجَرَّعُهُ" يَتَبَلَّعهُ مَرَّة بَعْد مَرَّة لِمَرَارَتِهِ "وَلَا يَكَاد يُسِيغهُ" يَزْدَرِدهُ لِقُبْحِهِ وَكَرَاهَته "وَيَأْتِيه الْمَوْت" اَيْ اَسْبَابه الْمُقْتَضِيَة لَهُ مِنْ اَنْوَاع الْعَذَاب "مِنْ كُلّ مَكَان وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَائِهٖ" بَعْد ذٰلِكَ الْعَذَاب "عَذَاب غَلِيظ" قَوِيّ مُتَّصِل،

جسے وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ پیئے گا یعنی اس کی قباحت وکراہت کے سبب تھوڑا تھوڑا کر کے پینے کی کوشش کرے گا، اور اسے حلق سے نیچے اتار نہ سکے گا، اور اسے ہر طرف سے موت آ گھیرے گی یعنی عذاب کے ہر قسم کے اسباب جو عذاب کی اقسام میں ہیں جو اس کی موت کا تقاضہ کریں لیکن وہ مر بھی نہ سکے گا۔اور پھر اس کے پیچھے ایک اور بڑا ہی سخت عذاب ہوگا۔یعنی ہر عذاب کے بعد ملا ایک اور سخت عذاب تیار ہوگا۔

اہل جہنم کے لئے کھولتا ہوا گرم پانی پینے کا بیان

اللہ کا فرمان ہے کہ وہ کھولتا ہوا گرم پانی پلائے جائیں گے جو چہرہ جھلسا دے الخ۔ جبرا گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا، فرشتے لوہے کے گرز مار مار کر پلائیں گے، بدمزگی، بدبو، حرارت، گرمی کی تیزی یا سردی کی تیزی کی وجہ سے گلے سے اترنا محال ہوگا۔ بدن میں، اعضا میں، جوڑ جوڑ میں وہ درد اور تکلیف ہوگی کہ موت کا مزہ آئے لیکن موت آنے کی نہیں۔ رگ رگ پر عذاب ہے لیکن جان نہیں نکلتی۔ ایک ایک رواں نا قابل برداشت مصیبت میں جکڑا ہوا ہے لیکن روح بدن سے جدا نہیں ہو سکتی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں سے موت آ رہی ہے لیکن آتی نہیں۔ طرح طرح کے عذاب دوزخ کی آگ گھیرے ہوئے ہے مگر موت بلائے سے بھی نہیں آتی۔ نہ موت آئے نہ عذاب جائے۔ ہر سزا ایسی ہے کہ موت کے لئے کافی سے زیادہ ہے لیکن وہاں تو موت کو موت آ گئی ہے تا کہ سزا دوام والی ہوتی رہے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ پھر سخت تر مصیبت ناک الم افزا عذاب اور ہیں۔ جیسے زقوم کے درخت کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے جس کے شگوفے شیطانوں کے سروں جیسے ہیں وہ اسے کھائیں گے اور پیٹ بھر کے کھائیں گے پھر کھولتا ہوا تیز گرم پانی پیٹ میں جا کر اس سے ملے گا پھر ان کا لوٹنا جہنم کی جانب ہے۔ الغرض کبھی زقوم کھانے کا کبھی آگ میں جلنے کا کبھی صدید پینے کا عذاب انہیں ہوتا رہے گا۔ اللہ کی پناہ۔ فرمان رب عالیشان ہے آیت (هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ، الرحمٰن:43) یہی وہ جہنم ہے جسے کافر جھٹلاتے رہے۔ آج جہنم کے اور ابلتے ہوئے تیز گرم پانی کے درمیان وہ چکر کھاتے پھریں گے۔ اور آیت میں ہے کہ زقوم کا درخت گنہگاروں کی غذا ہے جو پگھلتے ہوئے تانبے جیسا ہوگا، پیٹ میں جا کر ابلے گا اور ایسے جوش مارے گا جیسے گرم پانی کھول رہا ہو۔ اسے پکڑو اور اسے بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر گرم پانی کے تریڑے کا عذاب بہاؤ مزہ چکھ تو اپنے خیال میں بڑا عزیز تھا اور اکرام والا تھا یہی جس سے تم ہمیشہ شک شبہ کرتے رہے۔ سورہ واقعہ میں فرمایا کہ وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دئے جائیں گے یہ بائیں ہاتھ والے کیسے بدلوگ ہیں گرم ہوا اور گرم پانی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ابراہیم، بیروت)

مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ
لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ۝
جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے، ان کی مثال یہ ہے کہ ان کے اعمال راکھ کی مانند ہیں جس پر تیز آندھی کے دن سخت ہوا کا
جھونکا آ گیا، وہ ان میں سے جو انہوں نے کمائے تھے کسی چیز پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ یہی بہت دور کی گمراہی ہے۔

کفار کے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا راکھ کی مثل بن جانے کا بیان

"مَثَل" صِفَة "الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ" مُبْتَدَأ وَیُبْدَل مِنْهُ "اَعْمَالهمْ" الصَّالِحَة كَصِلَةٍ وَصَدَقَة فِیْ عَدَم الِانْتِفَاع بِهَا "كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیح فِیْ یَوْم عَاصِف" شَدِیْد هُبُوْب الرِّیح فَجَعَلَتْهُ هَبَاء مَنْثُورًا لَا

يَقْدِر عَلَيْهِ وَالْمَجْرُوْر خَبر الْمُبْتَدَأ "لَا يَقْدِرُوْنَ" اَیْ الْكُفَّار "مِمَّا كَسَبُوا" عَمِلُوْا فِی الدُّنْيَا "عَلٰی شَیْءٍ" اَیْ لَا يَجِدُوْنَ لَهُ ثَوَابًا لِعَدَمِ شَرْطه "ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَال" الْهَلَاك ،

جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے، یہ مبتداء ہے اور اعمالھم اس سے بدل ہے۔ ان کی مثال یہ ہے کہ ان کے اعمال یعنی نیک کام جیسے صلہ رحمی اور صدقہ جس سے انہوں نے کوئی نفع حاصل نہ کیا ہو، اس راکھ کی مانند ہیں، جس پر تیز آندھی کے دن سخت ہوا کا جھونکا آ گیا، جس نے اس کو اڑتا ہوا غبار بنا کر رکھ دیا وہ ان اعمال میں سے جو انہوں نے کمائے تھے کسی چیز پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ یعنی ان کے ثواب کے حاصل کرنے پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ یہاں رماد مجرور یہ مبتداء کی خبر ہے۔ یعنی وہ کفار جنہوں نے دنیا میں اعمال کیے ہیں۔ شرط ایمان نہ پائے جانے کے سبب وہ ثواب حاصل نہ کرسکیں گے۔ یہی بہت دور کی گمراہی یعنی ہلاکت ہے۔

کافر جو اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادتوں کے خوگر تھے پیغمبروں کی نہیں مانتے تھے جن کے اعمال ایسے تھے جیسے بنیاد کے بغیر عمارت ہو جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ سخت ضرورت کے وقت خالی ہاتھ کھڑے رہ گئے۔ پس فرمان ہے کہ ان کافروں کی یعنی ان کے اعمال کی مثال۔ قیامت کے دن جب کہ یہ پورے محتاج ہوں گے سمجھ رہے ہوں گے کہ اب ابھی ہماری بھلائیوں کا بدلہ ہمیں ملے گا لیکن کچھ نہ پائیں گے، مایوس رہ جائیں گے، حسرت سے منہ تکنے لگیں گے جیسے تیز آندھی والے دن ہوا راکھ کو اڑا کر ذرہ ذرہ ادھر ادھر بکھیر دے اسی طرح ان کے اعمال محض اکارت ہو گئے جیسے اس بکھری ہوئی اور اڑی ہوئی راکھ کا جمع کرنا محال ایسے ہی ان کے بے سود اعمال کا بدلہ محال ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اگر وہ چاہے تمہیں نیست و نابود
فرما دے اور نئی مخلوق لے آئے۔

ایک مخلوق کو نیست و نابود کر کے نئی مخلوق پر قدرت کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَنْظُر يَا مُخَاطَب اسْتِفْهَام تَقْرِير "اَنَّ اللّٰه خَلَقَ السَّمَوَات وَالْاَرْض بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِخَلَقَ "اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ" اَيُّهَا النَّاس "وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْد" بَدَلكُمْ،

(اے سننے والے! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق پر مبنی حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ یہاں حق خلق سے متعلق ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں نیست و نابود فرما دے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔

قیامت کے دن دوبارہ زندگی پر دلائل کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ قیامت کے دن کی دوبارہ پیدائش پر میں قادر ہوں۔ جب میں نے آسمان زمین کی پیدائش کر دی تو انسان کی پیدائش مجھ پر کیا مشکل ہے۔ آسمان کی اونچائی کشادگی بڑائی پھر اس میں ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے ستارے۔ اور یہ

زمین پہاڑوں اور جنگلوں درختوں اور حیوانوں والی سب اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے جو ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا وہ کیا مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے۔ سورہ یاسین میں فرمایا کہ کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ جھگڑالو بن بیٹھا۔ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اپنی پیدائش بھول گیا اور کہنے لگا ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دے کہ وہی اللہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا وہ ہر چیز کی پیدائش کو بخوبی جانتا ہے اسی نے سبز درخت سے تمہارے لئے آگ بنائی ہے کہ تم اسے جلاتے ہو۔ کیا آسمان وزمین کا خالق ان جیسوں کی پیدائش پر قادر نہیں؟ بیشک ہے، وہی بڑا خالق اور بہت بڑا عالم ہے اس کے ارادے کے بعد اس کا صرف اتنا حکم بس ہے کہ ہو جا اسی وقت وہ ہو جاتا ہے وہ اللہ پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تمہارا سب کا لوٹنا ہے۔ اس کے قبضے میں ہے کہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق تمہارے قائم مقام یہاں آباد کر دے اس پر یہ کام بھی بھاری نہیں تم اس کے امر کا خلاف کرو گے تو یہی ہوگا جیسے فرمایا اگر تم منہ موڑ لو گے تو وہ تمہارے بدلے اور قوم لائے گا جو تمہاری طرح کی نہ ہوگی۔ اور آیت میں ہے اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا جو اس کی پسندیدہ ہوگی اور اس سے محبت رکھنے والی ہوگی۔ اور جگہ ہے اگر وہ چاہے تمہیں برباد کر دے اور دوسرے لائے اللہ اس پر قادر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ابراہیم، بیروت)

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝
اور ایسا کرنا اللہ پر مشکل نہیں ہے۔

اللہ کے لئے کسی بھی امر کے مشکل نہ ہونے کا بیان

"وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰه بِعَزِيزٍ" شَدِيْد،

اور ایسا کرنا اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝
اور اللہ کے سامنے سب حاضر ہوں گے تو کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے، ہم تو تمہارے تابع رہے تو کیا تم اللہ کے عذاب سے بھی ہمیں کسی قدر بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے، اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں بھی ضرور ہدایت کی راہ دکھاتے، ہم پر برابر ہے خواہ ہم آہ وزاری کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔

قیامت کے دن گمراہ کن رہنماؤں سمیت کفار کی آہ وزاری کا بیان

"وَبَرَزُوا" اَیْ الْخَلَائِق وَالتَّعْبِير فِيهِ وَفِيمَا بَعْده بِالْمَاضِي لِتَحَقُّقِ وُقُوعه . "لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاء " الْاَتْبَاع "لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوا" الْمَتْبُوعِيْنَ "اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا " جَمْع تَابِع "فَهَلْ اَنْتُمْ مُغْنُوْنَ"

دَافِعُوْنَ "عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ " مِنَ الْاُوْلٰی لِلتَّبْیِیْنِ وَالثَّانِیَۃِ لِلتَّبْعِیْضِ "قَالُوْا" اَلْمَتْبُوْعُوْنَ "لَوْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَھَدَیْنَاکُمْ" لَدَعَوْنَاکُمْ اِلَی الْھُدٰی "سَوَاءٌ عَلَیْنَا اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ" زَائِدَۃٌ "مَحِیْصٍ" مَلْجَاٌ،

یہاں پر برزوا سے مراد خلائق اور اس کو ماضی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ ماضی میں تحقق یقینی ہوتا ہے۔ اور روزِ محشر اللہ کے سامنے سب چھوٹے بڑے حاضر ہوں گے تو پیروی کرنے والے کمزور لوگ طاقتور متکبروں سے کہیں گے، ہم تو عمر بھر تمہارے تابع رہے تو کیا تم اللہ کے عذاب سے بھی ہمیں کسی قدر بچا سکتے ہو؟ یہاں پر پہلا من بیانیہ ہے جبکہ دوسرا تبعیضیہ ہے۔ وہ اُمراء اپنے پیچھے لگنے والے غریبوں سے کہیں گے، اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں بھی ضرور ہدایت کی راہ دکھاتے۔ ہم خود بھی گمراہ تھے سو تمہیں بھی گمراہ کرتے رہے، ہم پر برابر ہے خواہ آج ہم آہ وزاری کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔ یہاں پر من زائدہ ہے کوئی بچنے کی جگہ نہیں ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روکنے والوں کے انجام کا بیان

صاف چٹیل میدان میں ساری مخلوق نیک و بد اللہ کے سامنے موجود ہوگی۔ اس وقت جو لوگ ماتحت تھے ان سے کہیں گے جو سردار اور بڑے تھے۔ اور جو انہیں اللہ کی عبادت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روکتے تھے۔ کہ ہم تمہارے تابع فرمان تھے جو حکم تم دیتے تھے ہم بجالاتے تھے۔ جو تم فرماتے تھے ہم مانتے تھے پس جیسے کہ تم ہم سے وعدے کرتے تھے اور ہمیں تمنائیں دلاتے تھے کیا آج اللہ کے عذابوں کو ہم سے ہٹاؤ گے؟ اس وقت یہ پیشوا اور سردار کہیں گے کہ ہم تو خود راہ راست پر نہ تھے تمہاری رہبری کیسے کرتے؟ ہم پر اللہ کا کلمہ سبقت کر گیا، عذاب کے مستحق ہم سب ہو گئے اب نہ ہائے وائے اور نہ بے قراری نفع دے اور نہ صبر و برداشت۔ عذاب کے بچاؤ کی تمام صورتیں ناپید ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ دوزخی لوگ کہیں گے کہ دیکھو یہ مسلمان اللہ کے سامنے روتے دھوتے تھے اس وجہ سے وہ جنت میں پہنچے، آؤ ہم بھی اللہ کے سامنے روئیں گڑگڑائیں۔ خوب روئیں پیٹیں گے، چیخیں چلائیں گے لیکن بے سود رہے گا تو کہیں گے جنتیوں کے جنت میں جانے کی ایک وجہ صبر کرنا تھی۔ آؤ ہم بھی خاموش اور صبر اختیار کریں اب ایسا صبر کریں گے کہ ایسا صبر کبھی دیکھا نہیں گیا لیکن یہ بھی لاحاصل رہے گا اس وقت کہیں گے ہائے صبر بھی بے سود اور بے قراری بھی ہوگی۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ ابراہیم، بیروت)

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ ؕ
وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ
وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ
اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اور شیطان کہے گا جبکہ فیصلہ ہو چکے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے (بھی) تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم
سے وعدہ خلافی کی ہے، اور مجھے (دنیا میں) تم پر کسی قسم کا زور نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (باطل کی طرف) بلایا سو تم
نے (اپنے مفاد کی خاطر) میری دعوت قبول کی، اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ (خود) اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج)
تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اس سے پہلے جو تم مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہراتے رہے ہو
بیشک میں (آج) اس سے انکار کرتا ہوں۔ یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

قیامت کے دن شیطان کا اپنے متبوعین سے بری الذمہ ہونے کا بیان

"وَقَالَ الشَّيْطَانُ " اِبْلِيس "لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ " وَاُدْخِلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَاجْتَمَعُوا عَلَيْهِ "اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ " بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَصَدَقَكُمْ "وَوَعَدْتُكُمْ" اَنَّهُ غَيْرُ كَائِنٍ "فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ " زَائِدَة "سُلْطَانٍ" قُوَّة وَقُدْرَة اَقْهَرُكُمْ عَلٰى مُتَابَعَتِي "اِلَّا" لٰكِنْ "اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ " عَلٰى اِجَابَتِيْ "مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ " بِمُغِيثِكُمْ "وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ " بِفَتْحِ الْيَاء وَكَسْرِهَا "اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنِيْ " بِاِشْرَاكِكُمْ اِيَّايَ مَعَ اللّٰهِ "مِنْ قَبْلُ "فِي الدُّنْيَا "اِنَّ الظَّالِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ "لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" مُؤْلِم،

اور شیطان یعنی ابلیس کہے گا جبکہ فیصلہ ہو چکے گا۔ یعنی جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی جہنم میں چلے جائیں گے تو کہے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے سچا وعدہ بعث و جزاء کا کیا تھا وہ پورا کر دیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ہے، اور مجھے دنیا میں تم پر کسی قسم کا زور نہیں تھا، یہاں پر من زائدہ ہے۔ سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں باطل کی طرف بلایا سو تم نے اپنے مفاد کی خاطر میری دعوت قبول کی، اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں آج تمہاری فریاد رسی یعنی مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ یہاں پر لفظ مصرخی یہ یاء کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اس سے پہلے یعنی دنیا میں جو تم مجھے اللہ کا شریک یعنی شرک کر کے شریک ٹھہراتے رہے ہو بیشک میں آج اس سے انکار کرتا ہوں۔ یقیناً ظالموں یعنی کافروں کے لئے تکلیف پہنچانے والا دردناک عذاب ہے۔

شیطان کا قیامت کے گمراہ لوگوں سے بیزار ہو جائے گا

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جہنمی اپنا صبر اور بے صبری یکساں بتلائیں گے اس وقت ابلیس ان سے یہ کہے گا اس وقت وہ اپنی جانوں سے بھی بیزار ہو جائیں گے ندا آئے گی کہ تمہاری اس وقت کی اس بیزاری سے بھی زیادہ بیزاری اللہ کی تم سے اس وقت تھی جب کہ تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے۔

عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام لوگوں کے سامنے اس دن دو شخص خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ

بن مریم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا یہ آیتیں (ھذا یوم ینفع الصادقین) الخ تک اسی بیان میں ہیں اور ابلیس کھڑا ہو کر کہے گا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ (خود) اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ابراہیم، بیروت)

وَاُدۡخِلَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ؕ تَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ۝
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں
ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے، اس میں ان کا دعائیہ کلمہ سلام ہوگا۔

اہل جنت کے لئے اللہ اور فرشتوں کی جانب سے سلامتی کا بیان

"وَاُدۡخِلَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات جَنَّات تَجۡرِی مِنۡ تَحۡتهَا الۡاَنۡهَار خَالِدِيۡنَ" حَال مُقَدَّرَة "فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبّهمۡ تَحِيَّتهمۡ فِيۡهَا" مِنۡ اللّٰه وَمِنۡ الۡمَلَائِكَة وَفِيۡمَا بَيۡنهمۡ،

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے، یہاں پر خالدین جنات حال مقدرہ ہے۔ ان کا دعائیہ کلمہ سلام ہوگا۔ یعنی اس میں اللہ اور فرشتوں اور خود ان کی ملاقات کے وقت آپس میں سلامتی کی مبارک بادیاں ہوں گی۔

حمید راوی کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی روایت کرتے ہوئے سنا کہ اللہ کی راہ میں صبح و شام کو تھوڑی دیر بھی چلنا تمام دنیا و مافیہا سے اچھا ہے اور بیشک جنت میں تمہارا ایک چھوٹا سا مقام جو ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر ہو تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر اہل جنت میں سے کوئی عورت زمین کی طرف رخ کرے تو وہ تمام فضا کو جو آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے روشن کر دے گی اور اس کو خوشبو سے بھرے گی اور بے شک اس کا دوپٹہ جو اس کے سر پر ہے تمام دنیا و مافیہا سے اعلیٰ و افضل ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 71)

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ۝
کیا آپ نے نہیں دیکھا، اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کہ پاکیزہ بات اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ
(زمین میں) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

مؤمن کی مثال پاکیزہ درخت سے بیان کرنے کا بیان

"اَلَمۡ تَرَ" تَنۡظُر "كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰه مَثَلًا" وَيُبۡدَل مِنۡهُ "كَلِمَة طَيِّبَة" اَیۡ لَا اِلٰه اِلَّا اللّٰه "كَشَجَرَةٍ طَيِّبَة" هِیَ النَّخۡلَة "اَصۡلهَا ثَابِت" فِی الۡاَرۡض "وَفَرۡعهَا" غُصۡنهَا،

کیا آپ نے نہیں دیکھا، اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے یعنی کلمہ طیبہ "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" یہ مثلا سے بدل ہے۔ کہ پاکیزہ بات اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے اور وہ کھجور کا درخت ہے۔ جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

لا الہ الا اللہ کی شہادت کا بیان

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے مراد لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ پاکیزہ درخت کی طرح کا مومن ہے اس کی جڑ مضبوط ہے۔ یعنی مومن کے دل میں لا الہ الا اللہ جما ہوا ہے اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ یعنی اس توحید کے کلمہ کی وجہ سے اس کے اعمال آسمان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہیں۔ کہ مراد اس سے مومن کے اعمال ہیں اور اس کے پاک اقوال اور نیک کام۔ مومن مثل کھجور کے درخت کے ہے۔ ہر وقت ہر صبح ہر شام اس کے اعمال آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا ایک خوشہ لایا گیا۔ تو آپ نے اسی آیت کا پہلا حصہ تلاوت فرمایا اور فرمایا کہ پاک درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جو آپ نے فرمایا مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ جس کے پتے نہیں جھڑتے نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ درخت کھجور کا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابوبکر ہیں حضرت عمر ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ کا ہو رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ درخت کھجور کا ہے۔ جب یہاں سے اٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا پیارے بچے اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ شریف تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا لیکن سوائے ایک حدیث کے اور کوئی روایت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہوئے نہیں سنا اس میں ہے کہ یہ سوال آپ نے اس وقت کیا۔ جب آپ کے سامنے کھجور کے درخت کے بیچ کا گودا لایا گیا تھا۔ میں اس لئے خاموش رہا کہ میں اس مجلس میں سب سے کم عمر تھا۔ اور روایت میں ہے کہ جواب دینے والوں کا خیال اس وقت جنگلی درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور مالدار لوگ درجات میں بہت بڑھ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یاد رکھو اگر تمام دنیا کی چیزیں لگ کر انبار لگا دو تو بھی وہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ تجھے ایسا عمل بتلاؤں جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں آسمان میں ہیں اس نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا دعا (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و سبحان اللہ والحمد للہ) ہر فرض نماز کے بعد دس بار کہہ لیا کرو جس کی اصل مضبوط اور جس کی فرع آسمان میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ پاکیزہ درخت جنت میں ہے۔ ہر وقت اپنا پھل لائے یعنی صبح شام یا ہر ماہ میں یا ہر دو ماہ میں یا ہر ششماہی میں یا ہر ساتویں مہینے یا ہر سال۔ لیکن الفاظ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ مومن کی مثال اس درخت جیسی ہے جس کے پھل ہر وقت جاڑے گرمی میں دن رات میں اترتے رہتے ہیں اسی طرح مومن کے

نیک اعمال دن رات کے ہر وقت چڑھتے رہتے ہیں اس کے رب کے حکم سے یعنی کامل، اچھے، بہت اور عمدہ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبرت ان کی سوچ سمجھ اور ان کی نصیحت کے لئے مثالیں واضح فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر و خازن، سورہ ابراہیم، بیروت)

تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ۝
وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے، اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

مؤمن کے اعمال کی برکت نازل ہوتے رہنے کا بیان

"تُؤْتِی" تُعْطِی "اُکُلَهَا" ثَمرهَا "کُلّ حِیْن بِاِذْنِ رَبّهَا" بِاِرَادَتِهِ کَذٰلِكَ کَلِمَة الْاِیْمَان ثَابِتَة فِیْ قَلْب الْمُؤْمِن وَعَمَله یَصْعَد اِلَی السَّمَاء وَیَنَالهُ بَرَکَته وَثَوَابه کُلّ وَقْت "وَیَضْرِب" یُبَیِّن "اللّٰه الْاَمْثَال لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ" یَتَّعِظُوْنَ فَیُؤْمِنُوْنَ،

وہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہے، یعنی جب وہ ارادہ کرتا ہے۔ اسی کلمہ ایمان مومن کے دل میں ثابت رہتا ہے۔ اور اس کا عمل آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور اس کو برکت وثواب ہر وقت ملتا رہتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پس وہ ایمان لے آئیں۔

سورہ رعد آیت ۲۵ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا گیا۔ اس میں کھجیاں بھی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آیت وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ پاک کی ایک مثال بیان کی ہے۔ گویا وہ ایک پاک درخت ہے کہ کس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے۔ ابراہیم۔ آیت)۔

پھر فرمایا کہ یہ درخت کھجور کا درخت ہے پھر یہ آیت پڑھی (وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ، اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے۔ اسے کچھ ٹھہراؤ نہیں ہے)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد تمہ ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1063)

وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝
اور ناپاک بات کی مثال اس ناپاک درخت کی سی ہے جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اسے ذرا بھی قرار (وبقا) نہ ہو۔

کلمہ کفر میں کوئی ثبات و برکت نہ ہونے کا بیان

"وَمَثَل کَلِمَة خَبِیْثَة" هِیَ کَلِمَة الْکُفْر "کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَة" هِیَ الْحَنْظَل "اُجْتُثَّتْ" اُسْتُؤْصِلَتْ "مِنْ فَوْق الْاَرْض مَا لَهَا مِنْ قَرَار" مُسْتَقَرّ وَثَبَات کَذٰلِكَ کَلِمَة الْکُفْر لَا ثَبَات لَهَا وَلَا فَرْع وَلَا بَرَکَة،

اور ناپاک بات یعنی کلمہ کفر کی مثال اس ناپاک درخت کی سی ہے اور حنظل کا درخت ہے۔ جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اسے ذرا بھی قرار و بقا نہ ہو۔ یعنی اسی طرح کلمہ کفر ہے جس کے لئے کوئی ثبات و نمود اور نہ ہی کوئی برکت ہے۔

پھر برے کلمہ کی یعنی کافر کی مثال بیان فرمائی۔ جس کی کوئی اصل نہیں، جو مضبوط نہیں، اس کی مثال اندرائن کے درخت سے دی۔ جسے حنظل اور شریان کہتے ہیں۔ ایک موقوف روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے اور یہی روایت مرفوعا بھی آئی ہے۔ اس درخت کی جڑ زمین کی تہ میں نہیں ہوتی جھٹکا مارا اور اکھڑ آیا۔ اسی طرح سے کفر بے جڑ اور بیشاخ ہے، کافر کا نہ کوئی نیک عمل چڑھے نہ مقبول ہو۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ
وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝
اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ ظالموں کو
گمراہ ٹھہرا دیتا ہے۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

قبر کے سوالات و جوابات میں مؤمن کی ثابت قدمی کا بیان

"يُثَبِّت اللّٰه الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِت" هِيَ كَلِمَة التَّوْحِيد "فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَة" اَیْ فِی الْقَبْر لَمَّا يَسْاَلهُمْ الْمَلَكَانِ عَنْ رَبّهمْ وَدِينهمْ وَنَبِيّهمْ فَيُجِيبُوْنَ بِالصَّوَابِ كَمَا فِي حَدِيْث الشَّيْخَيْنِ "وَيُضِلّ اللّٰه الظَّالِمِيْنَ" الْكُفَّار فَلَا يَهْتَدُوْنَ لِلْجَوَابِ بِالصَّوَابِ بَلْ يَقُوْلُوْنَ لَا نَدْرِي كَمَا فِي الْحَدِيْث،

اللہ ایمان والوں کو اس مضبوط بات یعنی کلمہ توحید کی برکت سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی، یعنی قبر جب اس سے دو فرشتے اس سے رب، دین اور نبی مکرم ﷺ کے بارے میں سوال کریں گے تو یہ ثابت قدمی سے ان کا جواب دینے والا ہوگا۔ جس طرح بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ اور اللہ ظالموں یعنی کافروں کو گمراہ ٹھہرا دیتا ہے۔ یعنی وہ ثابت قدمی سے جواب نہیں دے سکیں گے بلکہ یوں کہیں گے کہ ہم نہیں جانتے جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

سورہ رعد آیت ۲۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ اس آیت (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ)، ابراہیم: 27) (اللہ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں سچی بات پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے)۔ کی تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قبر میں ہوگا جب اس سے (یعنی مردے سے) پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا نبی کون ہے۔؟ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1064)

قبر کے عذاب کے برحق ہونے کا بیان

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور یہی مطلب ہے اس ارشاد ربانی کا یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (القرآن) ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت وقائم رکھتا ہے جو ایمان لاتے ہیں مضبوط ومحکم طریقہ پر ثابت رکھنا دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت (يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ 14۔ابراہیم:27) عذاب قبر کے بیان میں نازل ہوئی ہے (چنانچہ قبر میں مردہ سے) سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 122)

آیت مذکورہ میں بالقول الثابت سے مراد کلمہ شہادتے ہے یعنی جب مومن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے اور تیرا دین کیا تو ان تینوں سوالوں کا جواب اسی کلمہ شہادت میں ہے۔ آیت کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے جو لوگ ایمان ویقینی کی روشنی سے اپنے قلوب کو منور کر لیتے ہیں اور جن کے دل میں ایمان واسلام کی حقانیت راسخ اور پختہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دونوں جگہ ان پر رحمت الٰہی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دنیاوی زندگی کا اس کا فضل تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان نیک بندوں کو کلمہ اسلام کی حقانیت کے اعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان کے دل میں ایمان واسلام کی وہ روح اور طاقت بھر دیتا ہے کہ دنیاوی امتحان وآزمائش کے سخت سے سخت موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی وہ اپنی جانوں کو قربان کر دینا اور آگ میں ڈالے جانا پسند کرتے ہیں لیکن اپنے ایمان واعتقاد میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کرنا گوارہ نہیں کرتے۔ اخروی زندگی میں اس کی رحمت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی بے شمار نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں اور عالم برزخ میں جب قبر کے اندر ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ ٹھیک ٹھیک جواب دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کی نجات اور اکرام الٰہی کے مستحق قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ٥
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا اور انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔

نعمت ایمان کو کفر کے ساتھ بدل دینے والے کفار کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَنْظُر "اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰه" اَیْ شُكْرهَا "كُفْرًا" هُمْ كُفَّار قُرَيْش "وَاَحَلُّوْا" اَنْزَلُوْا "قَوْمهمْ" بِاِضْلَالِهِمْ اِيَّاهُمْ "دَار الْبَوَار" الْهَلَاك،

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتِ یعنی شکر کو کفر سے بدل ڈالا اور وہ کفار قریش ہیں۔ اور انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔ یعنی ان کو ہلاکت کے گھر لے آئے ہیں۔

اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلنے والوں کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کیا مجھ سے قرآن کی بابت کوئی کچھ بات دریافت نہیں کرتا؟ واللہ میرے علم میں اگر آج کوئی مجھ سے زیادہ قرآن کا عالم ہوتا تو چاہے وہ سمندروں پار ہوتا لیکن میں ضرور اس کے پاس پہنچتا۔ یہ سن کر عبداللہ بن کوا کھڑا ہوگیا اور کہا یہ کون لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمان الٰہی ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمت ایمان پہنچی لیکن اس نعمت کو کفر سے بدلا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا آپ نے فرمایا یہ مشرکین قریش ہیں ان کے پاس اللہ کی نعمت ایمان پہنچی لیکن اس نعمت کو انہوں نے کفر سے بدل دیا۔ اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر ہیں بنوامیہ اور بنومغیرہ بنو مغیرہ نے اپنی قوم کو بدر میں لا کھڑا کیا اور انہیں ہلاکت میں ڈالا اور بنوامیہ نے احد والے دن اپنے والوں کو غارت کیا۔ بدر میں ابو جہل تھا اور احد میں ابوسفیان اور ہلاکت کے گھر سے مراد جہنم ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بنومغیرہ تو بدر میں ہلاک ہوئے اور بنوامیہ کو کچھ دنوں کا فائدہ مل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ دونوں قریش کے بدکار ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ ابراہیم، بیروت)

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ○
دوزخ ہے جس میں جھونکے جائیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

دوزخ کتنی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے

"جَهَنَّمَ" عَطف بَيَان "يَصْلَوْنَهَا" يَدْخُلُوْنَهَا "وَبِئْسَ الْقَرَار" الْمَقَرّ هِيَ،

یہاں پر لفظ جہنم یہ عطف بیان ہے۔ دوزخ ہے جس میں جھونکے جائیں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ یعنی ٹھہرنے کی جگہ کتنی بری ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عتبہ بن غزوان نے ہمارے اس منبر یعنی بصرہ کے منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر جہنم کے کنارے سے ایک بڑا پتھر پھینکا جائے اور ستر برس تک نیچے گرتا رہے تب بھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچے گا۔ پھر عقبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ جہنم کو بکثرت یاد کرو اس لئے کہ اس کی گرمی بہت شدید، اس کی گہرائی انتہائی بعید اور اس کے کوڑے حدید (لوہے) کے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ حسن نے عتبہ بن غزوان سے کوئی حدیث سنی ہو کیونکہ وہ بصرہ، حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں آئے تھے اور حسن، حضرت عمر کی خلافت ختم ہونے سے صرف دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 479)

وَ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ۝
اورانہوں نے اللہ کے لیے کچھ شریک بنالیے، تاکہ اس کے راستے سے گمراہ کریں۔فرمادیں فائدہ اٹھالو،
پس بے شک تمھارا لوٹنا آگ کی طرف ہے۔

دین اسلام سے روکنے والے لوگوں کا بیان

"وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا" شُرَكَاء "لِيُضِلُّوۡا" بِفَتۡحِ الۡيَاء وَضَمّهَا "عَنۡ سَبِيله" دِيۡن الۡإِسۡلَام "قُلۡ" لَهُمۡ "تَمَتَّعُوۡا" بِدُنۡيَاكُمۡ قَلِيلًا "فَاِنَّ مَصِيرَكُمۡ" مَرۡجِعكُمۡ،

اورانہوں نے اللہ کے لیے کچھ شریک بنالیے، تاکہ اس کے راستے یعنی دین سے گمراہ کریں۔یہاں پر یضلوا یہ یاء کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔آپ ان سے فرمادیں اپنی دنیا میں فائدہ اٹھالو، پس بے شک تمہارا لوٹنا آگ کی طرف ہے۔یعنی تم آگ کی طرف لوٹائے جاؤگے۔

انداد، ند کی جمع ہے جس کے معنی مثل اور برابر کے ہیں بتوں کو انداد اس لئے کہا جاتا ہے کہ مشرکین نے ان کو اپنے عمل میں خدا کی مثل یا برابر قرار دے رکھا تھا تمتع کے معنی کس چیز سے چندروزہ عارضی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں اس آیت میں مشرکین کے اس غلط نظریہ پر نکیر ہے کہ انہوں نے بتوں کو خدا کے مثل اور اس کا شریک ٹھہرادیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کو جتلادیں کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے فرمایا کہ چندروزہ دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھالو مگر تمہارا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے۔

(31) قُلۡ لِعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنۡفِقُوا مِمَّا رَزَقۡنَاهُمۡ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَ يَوۡمٌ لَا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلَالٌ

قُلۡ لِّعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝
میرے بندوں سے جو ایمان لائے ہیں، فرمادیں کہ وہ نماز قائم کریں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے، پوشیدہ
اور ظاہر خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی۔

نماز اور انفاق مال کا بیان

"قُلۡ لِعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنۡفِقُوا مِمَّا رَزَقۡنَاهُمۡ سِرًّا وَعَلَانِيَة مِنۡ قَبۡل اَنۡ يَّاۡتِيَ يَوۡم لَا بَيۡع" فِدَاء "فِيۡهِ وَلَا خِلَال" مُخَالَّة اَيۡ صَدَاقَة تَنۡفَع هُوَ يَوۡم الۡقِيَامَة،

میرے بندوں سے جو ایمان لائے ہیں، فرمادیں کہ وہ نماز قائم کریں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا ہے، پوشیدہ اور ظاہر

خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی یعنی وہ دوستی جو قیامت کے دن فائدہ دے وہ نہ ہوگی۔

احسان اور نیکی کے سوا قیامت دن کچھ کام نہ آنے کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت کا اور اپنے حق ماننے کا اور مخلوق رب سے احسان وسلوک کرنے کا حکم دے رہا ہے فرماتا ہے کہ نماز برابر پڑھتے رہیں جو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت ہے اور زکوٰۃ ضرور دیتے رہیں قرابت داروں کو بھی اور انجان لوگوں کو بھی۔ اقامت سے مراد وقت کی، حد کی، رکوع کی، خشوع کی، سجدے کی حفاظت کرنا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی روزی اس کی راہ میں پوشیدہ اور کھلے طور پر اس کی خوشنودی کے لئے اوروں کو بھی دینی چاہئے تا کہ اس دن نجات ملے جس دن کوئی خرید وفروخت نہ ہوگی نہ کوئی دوستی آشنائی ہوگی۔ کوئی اپنے آپ کو بطور فدیے کے بیچنا بھی چاہے تو بھی ناممکن ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝
اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے کچھ پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ تمھارے لیے پھلوں میں سے کچھ رزق نکالا اور تمھارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا، تا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور تمھاری خاطر دریاؤں کو مسخر کر دیا۔

سمندروں میں کشتیوں کے چلنے کو تمہارے لئے مسخر کرنے کا بیان

"اللّٰه الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوَات وَالْاَرْض وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَات رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ" السُّفُن "لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْر" بِالرُّكُوبِ وَالْحَمْل "بِاَمْرِهٖ" بِاِذْنِهٖ،

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے کچھ پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ تمھارے لیے پھلوں میں سے کچھ رزق نکالا اور تمھارے لیے کشتیوں کو مسخر یعنی ان میں سوار ہونا اور بوجھ لادنے کے لئے مسخر کیا، تا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور تمھاری خاطر دریاؤں کو مسخر کر دیا۔

اللہ کی کثیر نعمتوں کا بیان

اللہ کی طرح طرح کی بیشمار نعمتوں کو دیکھو۔ آسمان کو اس نے ایک محفوظ چھت بنا رکھا ہے زمین کو بہترین فرش بنا رکھا ہے آسمان سے بارش برسا کر زمین سے مزے مزے کے پھل کھیتیاں باغات تیار کر دیتا ہے۔ اسی کے حکم سے کشتیاں پانی کے اوپر تیرتی پھرتی ہیں کہ تمہیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچائیں تم وہاں کا مال یہاں، یہاں کا وہاں لے جاؤ، لے آؤ، نفع حاصل کرو، تجربہ بڑھاؤ۔ نہریں بھی اسی نے تمہارے کام میں لگا رکھی ہیں، تم ان کا پانی پیو، پلاؤ، اس سے کھیتیاں کرو، نہاؤ دھوؤ اور طرح طرح کے فائدے حاصل کرو۔ ہمیشہ چلتے پھرتے اور کبھی نہ تھکتے سورج چاند بھی تمہارے فائدے کے کاموں میں

مشغول ہیں مقرر چال پر مقرر جگہ پر گردش میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ ان میں تکرار ہونہ آگا پیچھا، دن رات انہی کے آنے جانے سے پے درپے آتے جاتے رہتے ہیں ستارے اسی کے حکم کے ماتحت ہیں اور رب العالمین بابرکت ہے۔ کبھی دنوں کو بڑے کر دیتا ہے کبھی راتوں کو بڑھا دیتا ہے، ہر چیز اپنے کام میں سر جھکائے مشغول ہے، وہ اللہ عزیز وغفار ہے۔ تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں اس نے تمہارے لئے مہیا کر دی ہیں تم اپنے حال وقال سے جن جن چیزوں کے محتاج تھے، اس نے سب کچھ تمہیں دے دی ہیں، مانگنے پر بھی وہ دیتا ہے اور بیمانگے بھی اس کا ہاتھ نہیں رکھتا۔ تم بھلا رب کی تمام نعمتوں کا شکریہ تو ادا کرو گے؟ تم سے تو ان کی پوری گنتی بھی محال ہے۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۝
اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ پے درپے چلنے والے ہیں اور تمہاری خاطر رات اور دن کو مسخر کر دیا۔

سورج، چاند، دن اور رات کو مسخر کرنے کا بیان

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمس وَالْقَمَر دَائِبَيْنِ" جَارِيَيْنِ فِيْ فَلَكِهِمَا لَا يَفْتُرَانِ "وَسَخَّرَ لَكُمُ الليل" لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ "وَالنَّهَار" لِتَبْتَغُوا فِيْهِ مِنْ فَضْله،

اور تمہاری خاطر سورج اور چاند کو مسخر کر دیا کہ پے درپے چلنے والے ہیں یعنی جو اپنی منازل میں رواں دواں ہیں اور وہ سستی نہیں کرتے اور تمہاری خاطر رات مسخر کیا تاکہ تم اس میں سکون کرو اور دن کو مسخر کر دیا۔ تاکہ تم اس میں رزق تلاش کرو۔

طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا حق اس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے ادا کر سکیں اور اللہ کی نعمتیں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ بندے ان کی گنتی کر سکیں لوگو صبح شام توبہ استغفار کرتے رہو۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تیرے ہی لئے سب حمد وثنا سزاوار ہے، ہماری ثنائیں ناکافی ہیں، پوری اور بیپرواہ کرنے والی نہیں اے اللہ تو معاف فرما۔ بزار میں آپ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن انسان کے تین دیوان نکلیں گے ایک میں نیکیاں لکھی ہوئی ہوں گی اور دوسرے میں گناہ ہوں گے، تیسرے میں اللہ کی نعمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ اٹھ اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال سے لے لے، اس سے اس کے سارے ہی عمل ختم ہو جائیں گے پھر بھی وہ یکسو ہو کر کہے گی کہ باری تعالیٰ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی خیال کیجئے ابھی گناہوں کا دیوان یونہی الگ تھلگ رکھا ہوا ہے۔ اگر بندے پر اللہ کا ارادہ رحم وکرم کا ہوا تو اب وہ اس کی نیکیاں بڑھا دے گا اور اس کے گناہوں سے تجاوز کر لے گا اور اس سے فرما دے گا کہ میں نے اپنی نعمتیں تجھے بغیر بدلے کے بخش دیں۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝
اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا فرما دی جو تم نے اس سے مانگی، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو (تو) پورا شمار نہ کر سکو گے۔
بیشک انسان بڑا ہی ظالم بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہ کر سکنے کا بیان

"وَاٰتـٰکُمْ مِنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ" عَلٰی حَسَبِ مَصَالِحِکُمْ "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰه " بِمَعْنٰی اِنْعَامِه "لَا تُحْصُوْهَا " لَا تُطِیقُوا عَدَّهَا "اِنَّ الْاِنْسَان " الْکَافِر "لَظَلُوم کَفَّار" کَثِیر الظُّلْم لِنَفْسِهِ بِالْمَعْصِیَةِ وَالْکُفْر لِنِعْمَةِ رَبِّه،

اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز تمہاری مصلحت کے مطابق عطا فرمادی جو تم نے اس سے مانگی، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو یعنی اس کے انعامات کو تو پورا شمار نہ کر سکو گے، یعنی تم ان کو گننے کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ بیشک انسان یعنی ناشکرا بڑا ہی ظالم بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔ یعنی اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کر کے معصیت کے ساتھ کثیر ظلم کرنے والا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل وعلا سے دریافت کیا کہ میں تیرا شکر کیسے ادا کروں؟ شکر کرنا خود بھی تو تیری ایک نعمت ہے جواب ملا کہ داؤد اب تو شکر ادا کر چکا جب کہ تو نے یہ جان لیا اور اس کا اقرار کر لیا کہ تو میری نعمتوں میں سے ایک نعمت کا شکر بھی بغیر ایک نئی نعمت کے ہم ادا نہیں کر سکتے کہ اس نئی نعمت پر پھر ایک شکر واجب ہو جاتا ہے پھر اس نعمت کی شکر گزاری کی ادائیگی کی توفیق پر پھر نعمت ملی، جس کا شکر یہ واجب ہوا۔

ایک شاعر نے یہی مضمون اپنے شعروں میں باندھا ہے کہ رونگٹے رونگٹے پر زبان ہو تو بھی تیری ایک نعمت کا شکر بھی پورا ادا نہیں ہو سکتا تیرے احسانات اور انعامات بیشمار ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ابراہیم، بیروت)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○
اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔

دعائے ابراہیم سے حرم شریف کے حرم بن جانے کا بیان

"و" اُذْکُرْ "اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیم رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَد" مَکَّة "آمِنًا" ذَا اَمْن وَقَدْ اَجَابَ اللّٰه دُعَاءَهُ فَجَعَلَهُ حَرَمًا لَا یُسْفَكُ فِیهِ دَم اِنْسَان وَلَا یُظْلَم فِیهِ اَحَد وَلَا یُصَاد صَیْده وَلَا یُتَخَلّٰی خَلَاهُ "وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ" بَعِّدْنِیْ عَنْ،"اَنْ نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ،

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس شہر یعنی مکہ کو امن والا بنا دے تو اللہ نے ان کی دعا قبول کیا اور اس کو حرم بنا دیا یہاں تک کہ اس میں کسی انسان کو خون بہانہ اور اس میں کسی پر ظلم کرنا حرام قرار دیا اور نہ یہ اس کا شکار کیا جائے۔ اور نہ وہاں کی گھاس کو اکھاڑا جائے۔ اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا یعنی ہمیں دور رکھ، کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔

مکہ مکرمہ کی حرمت کا بیان

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمرو بن سعید (والی مدینہ) جب ابن زبیر سے لڑنے کے لئے لشکروں کو مکہ کی

طرف روانہ کر رہا تھا تو میں نے اس سے کہا اے امیر! مجھے اجازت دیں، تو میں تجھ سے ایک ایسی بات کہوں جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح کے دوسرے دن کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے اور اس کو میرے دل نے یاد رکھا ہے اور جب آپ اس کو بیان فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر فرمایا کہ مکہ (میں جدال وقتال وغیرہ) کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے آدمیوں سے نہیں حرام کیا، پس جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ مکہ میں خون ریزی کرے اور نہ (یہ جائز ہے کہ) وہاں کوئی درخت کاٹا جائے پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑنے سے (ان چیزوں کا) جواز بیان کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دے دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی ایک گھڑی بھر دن کی وہاں اجازت دی تھی پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی ہوگئی جیسی کل تھی، پھر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو (یہ خبر) پہنچا دے، ابوشریح سے کہا گیا کہ (اس حدیث کو سن کر) عمرو نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے کہا کہ (یہ جواب دیا کہ) اے ابوشریح میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی باغی کو اور خون کر کے بھاگ جانے والے کو پناہ نہیں دیتا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 107)

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔ پس جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہوگا
اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

بتوں کی پوجا کے سبب لوگوں کے گمراہ ہو جانے کا بیان

"رَبِّ اِنَّهُنَّ" اَیْ الْاَصْنَام "اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاس" بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا "فَمَنْ تَبِعَنِي" عَلَى التَّوْحِيْد "فَاِنَّهٗ مِنِّي" مِنْ اَهْل دِيْنِيْ "وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّك غَفُوْر رَحِيْم" هٰذَا قَبْل عِلْمه اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يَغْفِر الشِّرْك،

اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔ یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں پس جس نے عقیدہ توحید کے مطابق میری پیروی کی وہ تو میرا یعنی میرے دین پر ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ یہ قول اس علم سے پہلے کا ہے کہ جب اللہ نے ان کو علم عطا فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○
اے ہمارے رب! بیشک میں نے اپنی اولاد (اسماعیل علیہ السلام) کو (مکہ کی) بے آب وگیاہ وادی میں تیرے حرمت والے
گھر کے پاس بسا دیا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم رکھیں پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ شوق ومحبت
کے ساتھ ان کی طرف مائل رہیں اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما، تاکہ وہ شکر بجا لاتے رہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام وحضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا بیان

"رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی" اَیْ بَعْضَهَا وَهُوَ اِسْمَاعِیل مَعَ اُمِّه هَاجَر "بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" هُوَ مَکَّة "عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ" الَّذِیْ کَانَ قَبْلَ الطُّوفَان "رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً" قُلُوْبًا "مِنَ النَّاسِ تَهْوِیْ" تَمِیْلُ وَتَحِنُّ "اِلَیْهِمْ" قَالَ ابْنُ عَبَّاس لَوْ قَالَ اَفْئِدَةَ النَّاسِ لَحَنَّتْ اِلَیْهِ فَارِسُ وَالرُّوْمُ وَالنَّاسُ کُلُّهُمْ "وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ" وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ اِلَیْهِ،

اے ہمارے رب! بیشک میں نے اپنی اولاد یعنی اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ کے ساتھ لے کر مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر یعنی مکہ کے پاس بسا دیا ہے، یہ گھر طوفان نوح سے پہلے کا ہے۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم رکھیں پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ وہ شوق ومحبت کے ساتھ ان کی طرف مائل رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام افئدۃ الناس کو لفظ استعمال کردیتے تو فارس وروم اور سارے لوگ مائل ہوجاتے۔ اور انھیں ہر طرح کے پھلوں کا رزق عطا فرما، تاکہ وہ شکر بجالاتے رہیں۔ اہل طواف کے منتقل ہوجانے پر یہ دعا قبول ہوگئی۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے صبر واستقامت کا بیان

اس وادی میں جہاں اب مکّہ مکرمہ ہے اور ذُرّیّت سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں، آپ سرزمین شام میں حضرت ہاجرہ کے بطنِ پاک سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی بیوی حضرت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس وجہ سے انھیں رشک پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو میرے پاس سے جدا کردیجئے۔ حکمت الٰہی نے یہ ایک سبب پیدا کیا تھا چنانچہ وحی آئی کہ آپ حضرت ہاجرہ واسمٰعیل کو اس سرزمین میں لے جائیں (جہاں اب مکّہ مکرمہ ہے) آپ ان دونوں کو اپنے ساتھ براق پر سوار کرکے شام سے سرزمین حرم میں لائے اور کعبہ مقدسہ کے نزدیک اتارا، یہاں اس وقت نہ کوئی آبادی تھی، نہ کوئی چشمہ نہ پانی، ایک توشہ دان میں کھجوریں اور ایک برتن میں پانی انھیں دے کر آپ واپس ہوئے اور مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھا، حضرت ہاجرہ والدہ اسمٰعیل نے عرض کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور ہمیں اس وادی میں بے انیس ورفیق چھوڑے جاتے ہیں لیکن آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور اس کی طرف التفات نہ فرمایا، حضرت ہاجرہ نے چند مرتبہ یہی عرض کیا اور جواب نہ پایا تو کہا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس وقت انھیں اطمینان ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے اور انہوں نے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی جو آیت میں مذکور ہے۔ حضرت ہاجرہ اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دودھ پلانے لگیں جب وہ پانی ختم ہوگیا اور پیاس کی شدّت ہوئی اور صاحب زادے کا حلق شریف بھی پیاس سے خشک ہوگیا تو آپ پانی کی جستجو یا آبادی کی تلاش میں صفا ومروہ کے درمیان دوڑیں، ایسا سات مرتبہ ہوا یہاں تک کہ فرشتے کے پر مارنے سے یا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم مبارک سے اس خشک زمین میں ایک چشمہ (زمزم) نمودار ہوا۔

آیت میں حرمت والے گھر سے بیت اللہ مراد ہے جو طوفان نوح سے پہلے کعبہ مقدسہ کی جگہ تھا اور طوفان کے وقت آسمان پر اٹھالیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ آپ کے آگ میں ڈالے جانے کے بعد ہوا، آگ کے واقعہ میں آپ نے دعا نہ فرمائی تھی اور اس واقعہ میں دعا کی اور تضرُّع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر اعتماد کر کے دعا نہ کرنا بھی توکُّل اور بہتر ہے لیکن مقامِ دعا اس سے بھی افضل ہے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس آخر واقعہ میں دعا فرمانا اس لئے ہے کہ آپ مدارجِ کمال میں دمبدم ترقی پر ہیں۔

یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد اس وادی بیزراعت میں تیرے ذکر و عبادت میں مشغول ہوں اور تیرے بیت حرام کے پاس۔

اطراف و بلاد سے یہاں آئیں اور ان کے قلوب اس مکان طاہر کی شوقِ زیارت میں کھینچیں۔ اس میں ایمانداروں کے لئے یہ دعا ہے کہ انھیں بیت اللہ کا حج میسر آئے اور اپنی یہاں رہنے والی ذُرِّیّت کے لئے یہ کہ وہ زیارت کے لئے آنے والوں سے منتفع ہوتے رہیں، غرض یہ دعا دینی دنیوی برکات پر مشتمل ہے۔ حضرت کی دعا قبول ہوئی اور قبیلہ جرہم نے اس طرف سے گزرتے ہوئے ایک پرند دیکھا تو انھیں تعجب ہوا کہ بیابان میں پرندہ کیسا، شاید کہیں چشمہ نمودار ہوا، جستجو کی تو دیکھا کہ زمزم شریف میں پانی ہے یہ دیکھ کر ان لوگوں نے حضرت ہاجرہ سے وہاں بسنے کی اجازت چاہی، انہوں نے اس شرط سے اجازت دی کہ پانی میں تمہارا حق نہ ہوگا وہ لوگ وہاں بسے اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہوئے تو ان لوگوں نے آپ کے صلاح و تقویٰ کو دیکھ کر اپنے خاندان میں آپ کی شادی کر دی اور حضرت ہاجرہ کا وصال ہو گیا اس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا پوری ہوئی اور آپ نے دعا میں یہ بھی فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ ابراہیم، لاہور)

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ۝
اے ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے اور اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔

ہر ظاہر و پوشیدہ کو اللہ جاننے والا ہے

"رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِی" نُسِرّ "وَمَا نُعْلِن وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ" زَائِدَة "شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاء" یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ مِنْ کَلَامِه تَعَالٰی اَوْ کَلَامِ اِبْرَاهِیْم،

اے ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے اور اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔ یہاں پر لفظ من زائدہ ہے۔ یہاں پر دونوں احتمال ہیں ممکن یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۝
سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق دیئے بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کو بیان کرنا

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ" اَعْطَانِیْ "عَلَی" مَعَ "الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ" وُلِدَ وَلَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ سَنَةً "وَاِسْحٰقَ" وُلِدَ وَلَهٗ مِائَةٌ وَاثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً،

سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق دیئے بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی عمر مبارک ۹۹ سال تھی اور جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی عمر مبارک ۱۱۲ سال تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بیان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں کہ اے اللہ تو میرے ارادے اور میرے مقصود کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے میری چاہت ہے کہ یہاں کے رہنے والے تیری رضا کے طالب اور فقط تیری طرف راغب رہیں۔ ظاہر و باطن تجھ پر روشن ہے زمین و آسمان کی ہر چیز کا حال تجھ پر کھلا ہے۔ تیرا احسان ہے کہ اس پورے بڑھاپے میں تو نے میرے ہاں اولاد عطا فرمائی اور ایک پر ایک بچہ دیا۔ اسماعیل بھی، اسحاق بھی۔ تو دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے میں نے مانگا تو نے دیا پس تیرا شکر ہے۔ اے اللہ مجھے نمازوں کا پابند بنا اور میری اولاد میں بھی یہ سلسلہ قائم رکھ۔ میری تمام دعائیں قبول فرما۔

ولوادی کی قرأت بعض نے والوالدی بھی کی ہے یہ بھی یاد رہے کہ یہ دعا اس سے پہلے کی ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے معلوم ہو جائے کہ آپ کا والد اللہ کی دشمنی پر ہی مرا ہے۔ جب یہ ظاہر ہو گیا تو آپ اپنے والد سے بیزار ہو گئے۔ پس یہاں آپ اپنے ماں باپ کی اور تمام مومنوں کی خطاؤں کی معافی اللہ سے چاہتے ہیں کہ اعمال کے حساب اور بدلے کے دن قصور معاف ہوں۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۝
اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم رکھنے والا بنا دے، اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرمالے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کے لئے دعا مانگنے کا بیان

"رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلَاةِ وَ" اجْعَلْ "مِنْ ذُرِّیَّتِیْ" مَنْ یُّقِیْمُهَا وَاَتٰی بِمَنْ لِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَهٗ اَنَّ مِنْهُمْ کُفَّارًا "رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ" الْمَذْکُوْرَ،

اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم رکھنے والا بنادے، یہاں پر لفظ من استعمال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ ان میں بعض کفار ہوں گے۔ اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرمالے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس حدیث کو پہنچاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس آئے تو اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا کہہ دے، پھر ان دونوں کے درمیان کوئی لڑکا مقدر کیا جائے، تو اس کو شیطان ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 145)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور ایمان والوں کو، جس دن حساب قائم ہوگا۔

والدین کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا بیان

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ" هٰذَا قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ عَدَاوَتُهُمَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقِيْلَ اَسْلَمَتْ اُمُّهٗ وَقُرِءَ وَالِدِيْ مُفْرَدًا وَوَلَدِيْ "وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ" يَثْبُتُ ،الْحِسَابُ،

اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو، یہ دعا اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنے سے قبل تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی والدہ ایمان لائیں۔ اور ایک قرأت میں والدی مفرد پڑھا گیا ہے۔ اور ایمان والوں کو، جس دن حساب قائم ہوگا۔ یعنی وہ ثابت قدم رہیں۔

وفات کے بعد کن لوگوں کو ثواب پہنچتا ہے

حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد کے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل (جو کہ کافر تھے) نے وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے ۱۰۰ غلاموں کو آزاد کیا جائے، پس ان کے بیٹے ہشام نے ۵۰ غلام آزاد کر دیئے اور یہ ارادہ کیا کہ بقیہ پچاس حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آزاد کریں، تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں گا۔ پس وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ ۱۰۰ غلام آزاد کرنے کی وصیت کر گیا تھا اور ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے ہیں اور بقیہ پچاس کیا میں ان کی طرف سے آزاد کر دوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتے تو تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا ان کی طرف سے صدقہ کرتے یا ان کی طرف سے حج کرتے تو وہ ان کو پہنچتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، بحوالہ ابوداؤد شریف، ج۱، ص۲۶۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد کی اس مشہور حدیث میں دوٹوک فیصلہ فرما دیا ہے کہ مرنے کے بعد اگر میت کو ثواب پہنچانا ہو تو یہ قانون یاد رکھنا چاہیے کہ اگر مرنے والا مسلمان ہے تو اسے ثواب پہنچے گا اور اگر مرنے والا کافر ہے تو اسے کسی قسم کا ثواب نہیں پہنچے گا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ○

اور اللہ کو ان کاموں سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا جو ظالم انجام دے رہے ہیں، بس وہ تو ان کو فقط اس دن کے لئے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔

کفار کی آنکھوں کا پھٹی کی پھٹی رہ جانے کا بیان

"وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ" الْكَافِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ "اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ" بِلَا عَذَابٍ

"لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ" لِهَوْلِ مَا تَرَى يُقَالُ شَخَصَ بَصَرُ فُلَانٍ اَىْ فَتَحَهُ فَلَمْ يُغْمِضْهُ،

اور اللہ کو ان کاموں سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا جو ظالم یعنی کفار مکہ انجام دے رہے ہیں، بس وہ تو ان ظالموں کو عذاب سے فقط اس دن کے لئے مہلت دے رہا ہے جس میں خوف کے مارے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ یعنی سختیوں کے باعث وہ دیکھ نہ سکیں گے اور یہ محاورہ بھی بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جس کو وہ بند نہ کر سکا۔

قیامت کے ہولناک منظر کا بیان

کوئی یہ نہ سمجھے کہ برائی کرنے والوں کی برائی کا اللہ کو علم ہی نہیں اس لئے یہ دنیا میں پھل پھول رہے ہیں، نہیں اللہ ایک ایک کے ایک ایک گھڑی کے برے بھلے اعمال سے بخوبی واقف ہے یہ ڈھیل خود اسکی دی ہوئی ہے کہ یا تو اس میں واپس ہو جائے یا پھر گناہوں میں بڑھ جائے یہاں تک کہ قیامت کا دن آ جائے۔ جس دن کی ہولناکیاں آنکھیں پتھرا دیں گی، دیدے چڑھا دیں گی، سر اٹھائے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جائیں گے، کہیں ادھر ادھر نہ ہوں گے۔ سب کے سب پورے اطاعت گزار بن جائیں گے، دوڑے بھاگے حضور کی حاضری کے لئے بے تابانہ آئیں گے، آنکھیں نیچے کو نہ جھکیں گی، گھبراہٹ اور فکر کے مارے پلک سے پلک نہ جھپکے گی۔ دلوں کا یہ حال ہوگا کہ گویا اڑے جاتے ہیں۔ خالی پڑے ہیں۔ خوف کے سوا کوئی چیز نہیں۔ وہ حلقوم تک پہنچے ہوئے ہیں، اپنی جگہ سے ہٹے ہوئے ہیں، دہشت سے خراب ہو رہے ہیں۔

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۝
اس حال میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے، ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں لوٹے گی
اور ان کے دل خالی ہونگے۔

کفار کے لئے قیامت کی سختیوں کا بیان

"مُهْطِعِينَ" مُسْرِعِينَ حَالٌ "مُقْنِعِي" رَافِعِي "رُءُوسِهِمْ" إِلَى السَّمَاءِ "لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ" بَصَرُهُمْ "وَأَفْئِدَتُهُمْ" قُلُوبُهُمْ "هَوَاءٌ" خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ لِفَزَعِهِمْ،

اس حال میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر یعنی آسمان کی طرف اٹھانے والے ہوں گے، ان کی نگاہ یعنی نظر ان کی طرف نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہونگے۔ یعنی خوف کے سبب عقل سے خالی ہوں گے۔

شدّت حیرت و دہشت سے۔ قتادہ نے کہا کہ دل سینوں سے نکل کر گلوں میں آ پھنسیں گے، نہ باہر نکل سکیں نہ اپنی جگہ واپس جا سکیں گے، معنی یہ ہیں کہ اس دن کی شدت ہول و دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ سر اوپر اٹھے ہوں گے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، دل اپنی جگہ پر قرار نہ پا سکیں گے۔

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ
دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝
اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آ پہنچے گا تو وہ لوگ جو ظلم کرتے رہے ہوں گے کہیں گے: اے ہمارے
رب! ہمیں تھوڑی دیر کے لئے مہلت دے دے کہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کر لیں۔ (ان سے کہا
جائے گا) کہ کیا تم ہی لوگ پہلے قسمیں نہیں کھاتے رہے کہ تمہیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔

قیامت کے دن دنیا کی زندگی کے لئے مہلت مانگنے والے کفار کا بیان

"وَاَنْذِرْ" خَوِّفْ يَا مُحَمَّد "النَّاس" الْكُفَّار "يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَاب" هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَة "فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" كَفَرُوْا "رَبَّنَا اَخِّرْنَا" بِاَنْ تَرُدَّنَا اِلَى الدُّنْيَا "اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْب نُجِبْ دَعْوَتَك" بِالتَّوْحِيْدِ "وَنَتَّبِع الرُّسُل" فَيُقَال لَهُمْ تَوْبِيْخًا: "اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ" حَلَفْتُمْ "مِنْ قَبْل" فِي الدُّنْيَا "مَا لَكُمْ مِنْ" زَائِدَة "زَوَال" عَنْهَا اِلَى الْاٰخِرَة،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں یعنی کفار کو اس دن کے عذاب سے ڈرائیں جو قیامت کا دن ہے جب ان پر عذاب آ پہنچے گا تو وہ لوگ یعنی کافر جو ظلم کرتے رہے ہوں گے کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی دیر کے لئے مہلت دے دے یعنی ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دے، کہ ہم تیری دعوت کو یعنی توحید کو قبول کر لیں اور رسولوں کی پیروی کر لیں۔ ان سے بہ طور توبیخ کہا جائے گا کہ کیا تم ہی لوگ پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھاتے رہے کہ تمہیں آخرت میں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ یہاں پر من زائدہ ہے۔

قریش کا قسم کھانا کہ انھیں کبھی زوال نہیں آئے گا

زبان حال سے یا قال سے گویا انھیں اس بات کا دل میں اس قدر پختہ یقین تھا جیسے کوئی قسم کھا کر وثوق سے کہتا ہے اور وہ یہ بات تھی کہ ہماری اس شان وشوکت کو کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ صورت حال سامنے لائیے کہ ابتدائے اسلام میں ایک طرف تو روٴسائے قریش تھے جنہیں کعبہ کی تولیت اور بعض دوسری وجوہ سے عرب بھر میں قیادت وسیادت حاصل تھی۔ سارے عرب میں انھیں عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا خوشحال اور کھاتے پیتے لوگ تھے اور ان کی عزت اور ناموری کا ڈنکا بجتا تھا۔ دوسری طرف گنتی کے چند بے بس اور ناتواں مسلمان تھے جو ان کے ظلم واستبداد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اس صورت میں ان سرداران قریش کو کبھی یہ خیال آ سکتا تھا کہ کسی وقت یہ سارا نقشہ الٹ بھی سکتا ہے۔ جب کہ ہم مجبور ومحکوم ہوں گے اور یہ مسلمان ہم پر حاکم اور بالا دست ہوں گے۔ اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے زبان حال سے قسمیں کھانے سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی سرکش اور متکبر کافر نے فی الواقع ایسی قسم کھائی بھی ہو۔

وَّسَكَنْتُمْ فِىْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ○
اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد رہے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمھارے لیے خوب واضح ہوگیا کہ
ہم نے ان کے ساتھ کس طرح کیا اور ہم نے تمھارے لیے کئی مثالیں بیان کیں۔

سابقہ ہلاک شدہ امتوں کی عبرت ناک امثلہ کو بتانے کا بیان

"وَسَكَنْتُمْ" فِيْهَا "فِىْ مَسَاكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ " بِالْكُفْرِ مِنَ الْاُمَمِ السَّابِقَة "وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ" مِنَ الْعُقُوْبَة فَلَمْ تَنْزَجِرُوْا "وَضَرَبْنَا" بَيَّنَّا "لَكُمُ الْاَمْثَال" فِى الْقُرْاٰن فَلَمْ تَعْتَبِرُوْا،

اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد رہے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی سابقہ امتوں میں سے کفر کرنے والے لوگ، اور تمہارے لیے خوب واضح ہوگیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کس طرح کیا یعنی ان کو عذاب نے کس طرح پکڑلیا۔ اور ہم نے تمہارلئے قرآن میں کئی مثالیں بیان کیں۔

حالانکہ ہم نے سابقہ امتوں کے انجام کی مثالیں دے دے کر تم پر یہ بات واضح کردی تھی کہ ایسا انقلاب آسکتا ہے۔ پہلے بھی آتا رہا ہے اور اب بھی آکے رہے گا اور ان کے قصے تمہارے ہاں زبان زد بھی تھے اور ان کے ہلاک کردہ علاقے تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے بھی رہتے تھے اور انھیں کے علاقوں میں تم میں سے کچھ لوگ آج بھی آباد ہیں۔ لہٰذا یہ بھی عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں سے ہٹا کر دوسرے لوگوں کو آگے لے آئے۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ○
اورانہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں جبکہ اللہ کے پاس ان کے ہر فریب کا توڑ تھا، اگرچہ ان کی مکّارانہ
تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اکھڑ جائیں۔

کفار مکہ کی فریب کاریوں کا بیان

"وَقَدْ مَكَرُوا" بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَكْرهمْ" حَيْثُ اَرَادُوا قَتْله اَوْ تَقْيِيده اَوْ اِخْرَاجه "وَعِنْدَ اللّٰه مَكْرهمْ" اَىْ عِلْمه اَوْ جَزَاؤُهُ "وَاِنْ" مَا "كَانَ مَكْرهمْ" وَاِنْ عَظُمَ "لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَال" الْمَعْنٰى لَا يُعْبَأُ بِهٖ وَلَا يَضُرّ اِلَّا اَنْفُسهمْ وَالْمُرَاد بِالْجِبَالِ هُنَا قِيْلَ حَقِيْقَتهَا وَقِيْلَ شَرَائِع الْاِسْلَام الْمُشَبَّهَة بِهَا فِى الْقَرَار وَالثَّبَات وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ لَام لِتَزُوْلَ وَرَفْع الْفِعْل فَاِنْ مُخَفَّفَة وَالْمُرَاد تَعْظِيْم مَكْرهمْ وَقِيْلَ الْمُرَاد بِالْمَكْرِ كُفْرهمْ وَيُنَاسِبهُ عَلَى الثَّانِيَة "تَكَاد السَّمَاوَات يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقّ الْاَرْض وَتَخِرّ الْجِبَال هَدًّا" وَعَلَى الْاَوَّل مَا قُرِءَ وَمَا كَانَ،

اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں یعنی آپ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل یا قید یا جلاوطن کرنے کے منصوبے بنائے۔ جبکہ اللہ کے پاس ان کے ہر فریب کا توڑ تھا، اگر چہ ان کی مکّارانہ تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اکھڑ جائیں۔ معنی یہ ہے کہ ان کی چالیں اتنی بڑی ہونے کے باوجود اللہ کی طاقت کے مقابلے میں کچھ نہ تھیں اور حقیقت میں وہ اپنا ہی نقصان کررہے تھے۔ اور پہاڑ سے مراد یہاں حقیقی پہاڑ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد اسلام کے احکام ہیں۔ اور اس کے ثابت و برقرار رہنے میں پہاڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ایک قرأت میں تزول کے لام کو فتحہ اور فعل کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور یہاں پر اِن مخففہ ہے۔ مراد ان کے مکر کے بڑا ہونے بتانا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا مکر ان کا کفر ہے۔ لہٰذا دوسرا معنی کے مناسب یہ آیت ''تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا'' ہے جبکہ پہلا معنی وہی ہے جو پڑھا گیا ہے۔

اثبات حق وابطال باطل کا بیان

یہ جملہ حالیہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ جو کیا وہ کیا، درآنحالیکہ انہوں نے باطل کے اثبات اور حق کے رد کرنے کے لئے مقدور بھر حیلے اور مکر کیے اور اللہ کو ان تمام چالوں کا علم ہے یعنی اس کے پاس درج ہے جس کی وہ ان کو سزا دے گا۔

کیونکہ اگر پہاڑ ٹل گئے ہوتے تو اپنی جگہ برقرار نہ ہوتے، جب کہ سب پہاڑ اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار ہیں۔ یہ ان نافیہ کی صورت میں ہے دوسرے معین ان مخففہ من المثقلۃ کے لیے گئے ہیں یعنی یقیناً ان کے مکر تو اتنے بڑے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان کے مکروں کو کامیاب نہیں ہوتے دیا جیسے مشرکین کے شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا ۔ ان دعوا للرحمن ولدا ۔سورہ مریم۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں اس بات پر کہ انہوں نے کہا اللہ رحمان کی اولاد ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝
پس تو ہرگز گمان نہ کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ سب پر غالب، بدلہ لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انبیائے کرام سے مدد کے وعدہ کے برحق ہونے کا بیان

"فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِه رُسُلَه " بِالنَّصْرِ "اِنَّ اللّٰهَ عَزِيز " غَالِب لَا يَعْجِزهُ شَیْء "ذُو انْتِقَام" مِمَّنْ عَصَاهُ ۔

پس آپ ہرگز گمان نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے اپنی مدد کے وعدے کے خلاف کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ سب پر غالب ہے لہٰذا اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرے وہ اس سے بدلہ لینے والا ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل دی جائے گی اور سب آسمان بھی اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔

قیامت کے دن صاف ستھری زمین پر اللہ کی بارگاہ میں سب لوگوں کے جمع ہونے کا بیان

اذْكُر "يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ" هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَة فَيُحْشَر النَّاس عَلٰى اَرْض بَيْضَاء نَقِيَّة كَمَا فِيْ حَدِيْث الصَّحِيحَيْنِ وَرَوٰى مُسْلِم حَدِيْث: سُئِلَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ النَّاس يَوْمئِذٍ قَالَ: "عَلَى الصِّرَاط" "وَبَرَزُوْا" خَرَجُوا مِنْ الْقُبُوْر "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"

آپ یاد کریں جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل دی جائے گی اور سب آسمان بھی اور وہ قیامت کا دن ہے اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، یعنی لوگوں کو ایک صاف ستھری زمین پر جمع کیا جائے گا جس طرح بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگ اس دن کہاں ہوں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا پل صراط پر ہوں گے اور وہ لوگ قبروں سے نکالے جائیں گے۔ اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔

سورہ رعد آیت ۴۸ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت (يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ، جس دن اس زمین سے اور زمین بدلی جائے گی۔ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پل صراط پر۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1065)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ زمین بدل دی جائے گی اور اس کی جگہ چاندی کی زمین کر دی جائے گی جہاں نہ کبھی حرام خون بہایا گیا ہوگا اور نہ ہی گناہ کیا گیا ہوگا۔ حاکم نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور ساری مخلوق کو اس پر جمع کر دیا جائے گا۔

قیامت کے دن زمین و آسمان کے تبدیل ہو جانے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر کی زمین بالکل نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور یہ زمین ایسی ہوگی جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا جس پر کسی کا ناحق خون نہیں گرایا گیا اسی طرح مسند احمد اور تفسیر ابن جریر کی حدیث میں یہی مضمون بروایت حضرت انس مذکور ہے۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ ایک ایسی زمین پر اٹھائے جائیں گے جو ایسی صاف و سفید ہوگی جیسے میدے کی روٹی اس میں کسی کی کوئی علامت (مکان،

باغ، درخت، پہاڑ، ٹیلہ وغیرہ کی) کچھ نہ ہوگی یہی مضمون بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور حاکم نے سند قوی کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز یہ زمین اس طرح کھینچی جائے جیسے چمڑے کو کھینچا جائے جس سے اس کی سلوٹیں اور شکن نکل جائیں (اس کی وجہ سے زمین کے غار اور پہاڑ سب برابر ہو کر ایک سطح مستوی بن جائے گی اور اس وقت تمام اولاد آدم اس زمین پر جمع ہوگی اس ہجوم کی وجہ سے ایک انسان کے حصہ میں صرف اتنی ہی زمین ہوگی جس پر وہ کھڑا ہو سکے پھر محشر میں سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا میں رب العزت کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی تو میں تمام مخلوق کے لئے شفاعت کروں گا کہ ان کا حساب کتاب جلد ہو جائے۔

تفسیر مظہری میں مسند عبد ابن حمید سے حضرت عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ زمین سمٹ جائے گی اور اس کے پہلو میں ایک دوسری زمین ہوگی جس پر لوگوں کو حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری، سورہ ابراہیم، لاہور)

حضرت ثوبان نے یارسول اللہ نہ کہنے والے یہودی کو دھکا دیکر سمجھایا

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا ایک یہودی عالم آیا اور اس نے آپ کا نام لے کر سلام علیک کہا میں نے اسے ایسے زور سے دھکا دیا کہ قریب تھا کہ گر پڑے اس نے مجھ سے کہا تو نے مجھے دھکا دیا؟ میں نے کہا بے ادب یارسول اللہ ﷺ نہیں کہتا؟ اور آپ کا نام لیتا ہے اس نے کہا ہم تو جو نام ان کا ان کے گھرانے کے لوگوں نے رکھا ہے اسی نام سے پکاریں گے آپ نے فرمایا میرے خاندان نے میرا نام محمد ﷺ ہی رکھا ہے۔ یہودی نے کہا سنئے میں آپ سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا پھر میرا جواب تجھے کوئی نفع بھی دے گا؟ اس نے کہا سن تو لوں گا آپ کے ہاتھ میں جو تنکا تھا اسے آپ نے زمین پر پھراتے ہوئے فرمایا کہ اچھا دریافت کرلو اس نے کہا سب سے پہلے پل صراط سے پار کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا مہاجرین فقراء اس نے پوچھا انہیں سب سے پہلے تحفہ کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی۔ اس نے پوچھا اس کے بعد انہیں کیا غذا ملے گی۔؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے اطراف میں چرتا چگتا رہا تھا۔ اس نے پوچھا پھر پینے کو کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنتی نہر سلسبیل کا پانی۔ یہودی نے کہا آپ کے سب جواب برحق ہیں۔ اچھا اب میں ایک بات اور پوچھتا ہوں جسے یا تو نبی جانتا ہے یا دنیا کے اور دو ایک آدمی آپ نے فرمایا کیا میرا جواب تجھے کچھ فائدہ دے گا؟ اس نے کہا سن تو لوں گا۔ بچے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا مرد کا خاص پانی سفید رنگ کا ہوتا ہے اور جب عورت کا خاص پانی زرد رنگ کا۔ جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو اگر مرد کا پانی غالب آجائے تو بحکم الٰہی لڑکا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے لڑکی ہوتی ہے۔ یہودی نے کہا بیشک آپ سچے ہیں اور یقیناً آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جواب سکھا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ابراہیم، بیروت)

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ٥

اور آپ مجرموں کو اس دن زنجیروں میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے دیکھیں گا۔

قیامت کے دن کفار کا اپنے شیطانوں کے ساتھ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہونے کا بیان

"وَتَرَى" يَا مُحَمَّد تُبْصِر "الْمُجْرِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ "يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِيْنَ" مَشْدُوْدِيْنَ مَعَ شَيَاطِيْنهمْ "فِي الْاَصْفَاد" الْقُيُوْد اَوْ الْاَغْلَال،

یا محمد ﷺ آپ مجرموں یعنی کفار کو اس دن زنجیروں میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے دیکھے گا۔ یعنی اپنے شیطانوں کے ساتھ بیڑیوں میں باندھے ہوئے ہوں گے۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ٥

ان کی قمیصیں گندھک کی ہوں گی اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپے ہوگی۔

کفار کے چہروں کو آگ کے ڈھانپ لینے کا بیان

"سَرَابِيلهمْ" قُمُصُهُمْ "مِنْ قَطِرَان" لِاَنَّهُ اَبْلَغ لِاشْتِعَالِ النَّار "وَتَغْشَى" تَعْلُو،

ان کی قمیصیں گندھک کی ہوں گی اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپے ہوگی۔ کیونکہ گندھک آگ جلانے میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

قطران سے مراد ہر وہ جلنے والا غلیظ مادہ ہے جو بدبودار، گاڑھا اور سیاہ دھواں چھوڑتا ہوا جلتا ہے اور تادیر جلتا رہتا ہے اور بجھنے میں نہیں آتا۔ اس کی آگ کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ آگ مجرموں کے تمام جسم سے لپٹ رہی ہوگی اور چہرہ کا نام بالخصوص اس لیے لیا گیا کہ بدن کی ظاہری ساخت میں سب سے اشرف حصہ چہرہ ہی ہوتا ہے اور چہرہ کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ دوسرے جسم کی نسبت سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ٥

تاکہ اللہ ہر جان کو اس کا بدلہ دے جو اس نے کمایا ہے۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ہر جان کو بھلائی یا برائی کا بدلہ ملنے کا بیان

"لِيَجْزِيَ" مُتَعَلِّق بِبَرَزُوا "اللّٰه كُلّ نَفْس مَا كَسَبَتْ" مِنْ خَيْر وَشَرّ "اِنَّ اللّٰه سَرِيع الْحِسَاب" يُحَاسِب جَمِيْع الْخَلْق فِيْ قَدْر نِصْف نَهَار مِنْ اَيَّام الدُّنْيَا لِحَدِيْثٍ بِذٰلِكَ،

یہاں پر لفظ یجزی یہ برزوا کے متعلق ہے۔ تاکہ اللہ ہر جان کو اس کا بدلہ دے جو اس نے نیکی یا برائی کے ذریعے کمایا ہے۔ بے

شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔حدیث مبارکہ کے مطابق وہ دنیا کے دن کے حساب سے آدھے دن میں ساری مخلوق کا حساب کرلے گا۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝
یہ لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور تا کہ انہیں اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ حقیقت یہی ہے کہ
وہ ایک ہی معبود ہے اور تا کہ عقلوں والے نصیحت حاصل کریں۔

قرآن کا لوگوں کے لئے باعث نصیحت ہونے کا بیان

"هٰذَا" الْقُرْاٰن "بَلَاغ لِلنَّاسِ" اَیْ اُنْزِلَ لِتَبْلِیغِهِمْ "وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوا" بِمَا فِیْهِ مِنَ الْحُجَج "اَنَّمَا هُوَ" اَیْ اللّٰه "اِلٰه وَاحِد وَلِیَذَّكَّرَ" بِاِدْغَامِ التَّاء فِی الْاَصْل فِی الذَّال یَتَّعِظ "اُولُو الْاَلْبَاب" اَصْحَاب الْعُقُوْل

یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے یعنی پیغام کے لئے نازل کیا گیا ہے۔اور تا کہ انہیں اس کے ساتھ یعنی جو اس میں دلائل ہیں ان کے ذریعے ڈرایا جائے اور تا کہ وہ جان لیں کہ حقیقت یہی ہے کہ وہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تا کہ عقلوں والے نصیحت حاصل کریں۔یہاں پر یذکر میں اصل میں ایک تاء کا ذال میں ادغام ہے تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

ارشاد ہے کہ یہ قرآن دنیا کی طرف اللہ کا کھلا پیغام ہے جسے اور آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا گیا ہے کہ لا نذر کم بہ ومن بلغ یعنی تا کہ میں اس قرآن سے تمہیں بھی ہوشیار کر دوں اور جسے یہ پہنچے یعنی کل انسان اور تمام جنات جیسے اس سورت کے شروع میں فرمایا کہ اس کتاب کو ہم نے ہی تیری طرف نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے الخ۔اس قرآن کریم کی غرض یہ ہے کہ لوگ ہوشیار کر دئے جائیں ڈرا دئے جائیں۔اور اس کی دلیلیں حجتیں دیکھ سن کر پڑھ پڑھا کر تحقیق سے معلوم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور عقلمند لوگ نصیحت وعبرت وعظ و پند حاصل کر لیں۔

سورہ ابراہیم کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورت ابراہیم کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے ،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت حجر ہے

سورت حجر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

الْحِجْر (مَکِّیَّۃ وَاٰیَاتُھَا 99)

سورہ حجر مکی ہے اس میں چھ رکوع ننانوے آیات، چھ سو چون کلمات، دو ہزار سات سو ساٹھ حروف ہیں۔

سورہ حجر کے نام کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں اصحاب حجر کے واقعہ اور ان کی ہلاکت کا بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے طویل القامت، مضبوط جسم اور لمبی عمروں والے تھے۔ سنگ تراش اور انجینئر قسم کے لوگ تھے۔ اور اس فن میں اتنے ماہر تھے کہ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنے گھر بنا لیتے تھے۔ اور یہ گھر اتنے مضبوط ہوتے تھے جو ہر طرح کی ارضی وسماوی آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب، طوفان بادوباراں وغیرہ کا مقابلہ کر سکتے تھے لہٰذا ہر طرح کے خوف وخطر سے نڈر ہو کر ان میں رہتے تھے۔ پس اسی سبب سے سورت کا نام حجر رکھا گیا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ○
الف، لام، را یہ کتاب اور روشن قرآن کی آیات ہیں۔

کتاب مبین کی آیات کا بیان

"الر" اللّٰہ اَعْلَم بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ "تِلْکَ" ھٰذِہِ الْاٰیَات "اٰیَات الْکِتَاب" الْقُرْاٰن وَالْاِضَافَۃ بِمَعْنٰی مِنْ "وَقُرْاٰن مُبِیْن" مُظْھِر لِلْحَقِّ مِنْ الْبَاطِل عَطْف بِزِیَادَۃِ صِفَۃ،

الف، لام، را، ان حروف کی مراد کو اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔، یہ کتاب یعنی قرآن کی آیات، یہاں پر اضافت حرف من کے ذریعے ہوئی ہے۔ اور روشن قرآن کی آیات ہیں۔ یعنی جو حق کو باطل کے اندھیروں سے ظاہر کرنے والا ہے۔ اور یہاں زیادتی صفت کے ساتھ بہ طور عطف ہے۔

اس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں، لہٰذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہیے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ○

کفار بار بار آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔

کفار کا قیامت کے دن بار بار مسلمان ہونے کی آرزو کا بیان

"رُبَمَا" بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ "يَوَدّ" يَتَمَنَّى "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" يَوْمَ الْقِيَامَة إذَا عَايَنُوْا حَالهمْ وَحَال الْمُسْلِمِيْنَ "لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ" وَرُبَّ لِلتَّكْثِيرِ فَإِنَّهُ يَكْثُر مِنْهُمْ تَمَنِّي ذٰلِكَ وَقِيْلَ لِلتَّقْلِيْلِ فَإِنَّ الْاَهْوَال تُدْهِشهُمْ فَلَا يُفِيقُوْنَ حَتّٰى يَتَمَنَّوْا ذٰلِكَ إِلَّا فِيْ أَحْيَان قَلِيْلَة،

یہاں پر لفظ ربما یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ کفار قیامت کے دن مومنوں پر اللہ کی رحمت کے مناظر دیکھ کر بار بار آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔ لفظ رب کثرت کے لئے آتا ہے کیونکہ وہ اہل ایمان سے زیادہ کثرت میں ہوں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رب تقلیل کے لئے آتا ہے۔ یعنی قیامت کی سختیوں کے سبب ان کے ہوش سلامت نہ ہوں گے اور ان کو پتہ نہیں ہوگا کہ وہ کیا تمنا کریں۔ یہاں تک کہ وہ بہت تھوڑی تمنا کریں گے۔

امام طبرانی لکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا الہ الا اللہ کے کہنے والوں میں بعض لوگ بہ سبب اپنے گناہوں کے جہنم میں جائیں گے پس لات وعزیٰ کے پجاری ان سے کہیں گے کہ تمہارے لا الہ الا اللہ کہنے نے تمہیں کیا نفع دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ ہی جہنم میں جل رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا اللہ ان سب کو وہاں سے نکال لے گا۔ اور نہر حیات میں غوطہ دے کر انہیں ایسا کر دے گا جیسے چاند گہن سے نکلا ہو۔ پھر یہ سب جنت میں جائیں گے وہاں انہیں جہنمی کہا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سن کر کسی نے کہا کیا آپ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔ باوجود اس کے میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرک لوگ اہل قبلہ سے کہیں گے کہ تم تو مسلمان تھے پھر تمہیں اسلام نے کیا نفع دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ جہنم میں جل رہے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ ہمارے گناہ تھے جن کی پاداش میں ہم پکڑے گئے الخ اس میں یہ بھی ہے کہ ان کے چھٹکارے کے وقت کفار کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اور ان کی طرح جہنم سے چھٹکارا پاتے۔ (طبرانی)

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○

انہیں چھوڑ دیں، وہ کھائیں اور فائدہ اٹھائیں اور انھیں امید غافل رکھے، پھر جلدی جان لیں گے۔

دنیا میں کفار کے لئے دنیاوی نفع کے قلیل ہونے کا بیان

"ذَرْهُمْ" اُتْرُكْ الْكُفَّار يَا مُحَمَّد "يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا" بِدُنْيَاهُمْ "وَيُلْهِهِمْ" يَشْغَلهُمْ "الْاَمَل" بِطُوْلِ

الْعُمْر وَغَيْره عَنْ الْإِيمَان "فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ" عَاقِبَة أَمْرهمْ وَهٰذَا قَبْل الْأَمْر بِالْقِتَالِ،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں یعنی کفار کو چھوڑ دیں وہ کھائیں اور دنیا میں فائدہ اٹھائیں اور انہیں امید غافل رکھے، یعنی وہ لمبی عمروں میں ایمان وغیرہ سے مصروف رہیں۔ پھر جلدی اپنے انجام کو جان لیں گے۔ اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

شاندار محلات والوں کے مکانوں کا قبروں میں تبدیل ہونے کا بیان

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جامع مسجد دمشق کے منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے اہل دمشق کیا تم اپنے ایک ہمدرد خیر خواہ بھائی کی بات سنو گے سن لو کہ تم سے پہلے بہت بڑے بڑے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے مال ومتاع بہت جمع کیا اور بڑے بڑے شان دار محلات تعمیر کئے اور دور دراز کے طویل منصوبے بنائے آج وہ سب ہلاک ہو چکے ہیں ان کے مکانات ان کی قبریں ہیں اور ان کی طویل امیدیں سب دھوکہ اور فریب ثابت ہوئیں قوم عاد تمہارے قریب تھی جس نے اپنے آدمیوں سے اور ہر طرح کے مال ومتاع سے اور اسلحہ اور گھوڑوں سے ملک کو بھر دیا تھا آج کوئی ہے جو ان کی وراثت مجھ سے دو درہم میں خریدنے کو تیار ہو جائے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں طویل امیدیں باندھتا ہے اس کا عمل ضرور خراب ہو جاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حجر، بیروت)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○
اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس حال میں کہ اس کے لیے ایک مقرر لکھا ہوا وقت تھا۔

بستیوں کی ہلاکتوں کی مدت کے تقرر کا بیان

"وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ" زَائِدَة "قَرْيَة" أُرِيدَ أَهْلهَا "إِلَّا وَلَهَا كِتَاب" أَجَل "مَعْلُوم" مَحْدُود لِإِهْلَاكِهَا،

اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا یہاں پر لفظ من زائدہ ہے۔ یعنی ہلاکت کا ارادہ ویسے نہیں کیا مگر اس حال میں کہ اس کے لیے ایک مقرر لکھا ہوا وقت تھا۔ یعنی اس بستی کی ہلاکت محدود ہے۔

جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں، خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معین تھا جس میں نہ بھول چوک ہو سکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا جب کسی قوم کی میعاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آ پہنچا، ایک دم میں غارت کر دی گئی۔ موجودہ کفار بھی امہال وتاخیر عذاب پر مغرور نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئے گا خدائی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔ جو تاخیر کی جا رہی ہے اس میں خدا کی بہت حکمتیں ہیں۔ مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہے۔ فوری عذاب کی صورت میں اس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○
کوئی امت اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہتے ہیں۔

کسی بھی امت کا وقت سے تقدم وتاخر نہ ہونے کا بیان

"مَا تَسْبِقُ مِنْ" زَائِدَة "اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ" يَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ،

کوئی امت اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہتے ہیں۔ یہاں پر بھی من زائدہ ہے۔

وَقَالُوْا يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝
اور کہتے ہیں، اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے! بیشک تم دیوانے ہو۔

کفار کا قرآن کو نہ مان کر گستاخی کرنے کا بیان

"وَقَالُوا" اَیْ كُفَّار مَكَّة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْر" الْقُرْاٰن فِيْ زَعْمه، اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ،

اور کفار نبی کریم سے گستاخی کرتے ہوئے کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن جو تیرے خیال میں اتارا گیا ہے، بیشک تم دیوانے ہو۔

سرکش و متکبر ہلاک ہوں گے

کافروں کا کفر، ان کی سرکشی تکبر اور ضد کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ بطور مذاق اور ہنسی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اے وہ شخص جو اس بات کا مدعی ہے کہ تجھ پر قرآن اللہ کا کلام اتر رہا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو سراسر پاگل ہے کہ اپنی تابعداری کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اور ہم سے کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے دین کو چھوڑ دیں۔ اگر سچا ہے تو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا جو تیری سچائی ہم سے بیان کریں۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ آیت (فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ، الزخرف:53) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ اس کے ساتھ مل کر فرشتے کیوں نہیں آئے؟ رب کی ملاقات کے منکروں نے آواز اٹھائی کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے جاتے؟ یا یہی ہوتا کہ ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے دراصل یہ گھمنڈ میں آگئے اور بہت ہی سرکش ہو گئے۔ فرشتوں کو دیکھ لینے کا دن جب آجائے گا اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی یہاں بھی فرمان ہے کہ ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں یعنی رسالت یا عذاب کے ساتھ اس وقت پھر کافروں کو مہلت نہیں ملے گی۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
تم ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔

دلیل نبوت کے طور پر فرشتوں کو طلب کرنے کا بیان

"لَوْ مَا" هَلَّا "تَاْتِيْنَا بِالْمَلَائِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ" فِيْ قَوْلك اِنَّكَ نَبِيّ وَاَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰن مِنْ عِنْد

اللّٰہ،

تم ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔یعنی اگر اپنے قول نبی اور یہ کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے اگر میں سچے ہو۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا کَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ ○
ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر حق کے ساتھ اور اس وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے۔

فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والوں کے عذاب میں مہلت نہ ہونے کا بیان

"مَا نُنَزِّلُ " فِیْہِ حَذْفُ اِحْدَی التَّاءَیْنِ "الْمَلَائِکَۃَ اِلَّا بِالْحَقِّ" بِالْعَذَابِ "وَمَا کَانُوْٓا اِذًا" اَیْ حِیْنَ نُزُوْلِ الْمَلَائِکَۃِ بِالْعَذَابِ "مُنْظَرِیْنَ" مُؤَخَّرِیْنَ،

ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے ، یہاں پر ننزل میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔مگر حق یعنی عذاب کے ساتھ اور اس وقت یعنی عذاب والے فرشتوں کے نزول کے وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے۔یعنی تب ان کو عذاب دینے میں کوئی تاخیر نہیں کی جاتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ○
بیشک یہ ذکرِ عظیم ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

قرآن کا تبدیلی سے محفوظ ہونے کا بیان

"اِنَّا نَحْنُ " تَاْکِیْدٌ لِاسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ "نَزَّلْنَا الذِّکْرَ " الْقُرْاٰن "وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ" مِنَ التَّبْدِیْل وَالتَّحْرِیْف وَالزِّیَادَۃ وَالنَّقْص،

بیشک یہ ذکرِ عظیم یعنی قرآن ،ہم نے ہی اتارا ہے یہاں ان کے اسم کی تاکید ہے۔یا فصل ہے۔اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔یعنی اس کو تبدیل نہ ہونے دیں گے۔

کہ تحریف وتبدیل وزیادتی وکمی سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔تمام جن وانس اور ساری خَلق کے مقدور میں نہیں ہے کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی کرے یا تغیر وتبدیل کر سکے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے یہ خصوصیت صرف قرآن شریف ہی کی ہے دوسری کسی کتاب کو یہ بات میسر نہیں۔یہ حفاظت کئی طرح پر ہے ایک یہ کہ قرآن کریم کو معجزہ بنایا کہ بشر کا کلام اس میں مل ہی نہ سکے ،ایک یہ کہ اس کو معارضے اور مقابلہ سے محفوظ کیا کوئی اس کی مثل کلام بنانے پر قادر نہ ہو، ایک یہ کہ ساری خَلق کو اس کے نیست و نابود اور معدوم کرنے سے عاجز کر دیا کہ کفار باوجود کمال عداوت کے اس کتاب مقدس کو معدوم کرنے سے عاجز ہیں۔(تفسیر خزائن العرفان ،سورہ حجر ،لاہور)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ٥
اور بیشک ہم نے آپ سے قبل پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے۔

سابقہ گروں کی طرف انبیائے کرام کی بعثت کا بیان

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ" رُسُلًا "فِيْ شِيَعِ" فِرَق،

اور بیشک ہم نے آپ سے قبل پہلی امتوں یعنی کئی گروہوں میں بھی رسول بھیجے تھے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دیتا ہے کہ جس طرح لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے کے نبیوں کو بھی وہ جھٹلا چکے ہیں۔ ہر امت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوئی ہے اور اسے مذاق میں اڑایا گیا ہے۔ ضدی اور متکبر گروہ کے دلوں میں بہ سبب ان کے حد سے بڑھے ہوئے گناہوں کے تکذیب رسول سمو دی جاتی ہے یہاں مجرموں سے مراد مشرکین ہیں۔ وہ حق کو قبول کرتے ہی نہیں، نہ کریں۔ اگلوں کی عادت ان کے سامنے ہے جس طرح وہ ہلاک اور برباد ہوئے اور ان کے انبیاء نجات پا گئے اور ایمان دار عافیت حاصل کر گئے۔ وہی نتیجہ یہ بھی یاد رکھیں۔ دنیا آخرت کی بھلائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں اور دونوں جہان کی رسوائی نبی مکرم ﷺ کی مخالفت میں ہے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ٥
اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا تھا مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔

بدبخت اقوام کا اپنے انبیائے کرام کا مذاق بنانے کا بیان

"وَمَا" كَانَ "يَاْتِيْهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ " كَاسْتِهْزَاءِ قَوْمِكَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَة لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا تھا مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ یعنی جس آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ جس طرح کفار مکہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاہلانہ باتیں کیں اور بے ادبی سے آپ کو مجنون کہا۔ قدیم زمانہ سے کفار کی انبیاء کے ساتھ یہی عادت رہی ہے اور وہ رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے رہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسکینِ خاطر ہے۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ٥
اسی طرح ہم یہ بات مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔

کفارِ مکہ کے دلوں میں مقام نبوت کی تکذیب ہونے کا بیان

"كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ" اَیْ مِثْلَ اِدْخَالِنَا التَّكْذِيْبَ فِيْ قُلُوْبِ اُولٰٓئِكَ نُدْخِلُهُ "فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ" اَیْ كُفَّارِ مَكَّةَ،

اسی طرح ہم یہ بات مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔یعنی ان کے دلوں میں تکذیب کو چلا دیتے ہیں یہی وہ لوگ یعنی کفار مکہ ہیں جن کے دلوں میں تکذیب داخل کر دی گئی ہے۔

عام طور پر مترجمین ومفسرین نے نَسْلُکُہ کی ضمیر استہزاء کی طرف اور لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ کی ضمیر ذکر کی طرف پھیری ہے، اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم اسی طرح اس استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں داخل کرتے ہیں اور وہ اس ذکر پر ایمان نہیں لاتے۔ اگرچہ نحوی قاعدے کے لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن ہمارے نزدیک نحو کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں ضمیریں ذکر کی طرف پھیری جائیں۔

سلک کے معنی عربی زبان میں کسی چیز کو دوسری چیز میں چلانے، گزارنے اور پرونے کے ہیں، جیسے تاگے کو سوئی کے ناکے میں گزارنا۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے اندر تو یہ ذکر قلب کی ٹھنڈک اور روح کی غذا بن کر اترتا ہے، مگر مجرموں کے دلوں میں یہ شتابہ بن کر لگتا ہے اور اس کے اندر اسے سن کر ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے گویا کہ ایک گرم سلاخ تھی جو سینے کے پار ہوگئی۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۝
وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اگلوں کی راہ پڑ چکی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے سابقہ امتوں میں عذاب سے ہلاک ہونے والوں کی طرح ہیں

"لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ" اَیْ سُنَّةُ اللّٰهِ فِيْهِمْ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَاءَ هُمْ وَهٰٓؤُلَاءِ مِثْلُهُمْ،

وہ آپ پر یعنی نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے اور اگلوں کی راہ پڑ چکی ہے۔یعنی جن قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کا فیصلہ کیا کیونکہ انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی تکذیب کی۔لہٰذا یہ لوگ بھی انہی کی طرح ہیں۔

جس طرح منکرین حق اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں۔کبھی آپ پر اختراع کا الزام لگاتے ہیں کبھی کہتے ہیں یہ محض جادوگری اور جادو بیانی ہے۔کبھی کسی معجزہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور کبھی فرشتوں کے نزول کا، کبھی بشر ہونے کی بنا پر آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور کبھی جادوگر اور کبھی دیوانہ کہہ دیتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کے آیات الٰہی کو نہ ماننے کے لیے کٹ حجتیاں ہیں اور ایسا استہزاء صرف آپ سے ہی نہیں کیا جا رہا بلکہ منکرین حق پہلے رسولوں سے بھی یہی کچھ کرتے چلے آئے ہیں۔اللہ کی آیات سن لینے کے بعد انھیں سوجھتا ہی یہی کچھ ہے۔ایسی آیات کو نازل کرنے کا ایک اہم مقصد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دینا بھی ہے جو

سخت سنگین حالات سے دوچار تھے اور چونکہ یہ تیرہ سال کا طویل عرصہ تھا لہٰذا ایسی آیات کا نزول بھی وقتاً فوقتاً بہ تکرار ہوتا رہا۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ۝
اور اگر ہم ان پر آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں، پس وہ دن بھر اس میں چڑھتے رہیں۔

آسمان کے دروازہ کھول دینے کا بیان

"وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ" فِي الْبَاب "يَعْرُجُوْنَ" يَصْعَدُوْنَ،

اور اگر ہم ان پر آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں، پس وہ اس دروازے میں دن بھر اس میں چڑھتے رہیں۔

ان کی سرکشی، ضد، ہٹ، خود بینی اور باطل پرستی کی تو یہ کیفیت ہے کہ بالفرض اگر ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے اور انہیں وہاں چڑھا دیا جائے تو بھی یہ حق کو حق کہہ کر نہ دیں گے بلکہ اس وقت بھی ہانک لگائیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے ، آنکھیں بہکا دی گئی ہیں، جادو کر دیا گیا ہے، نگاہ چھین لی گئی ہے، دھوکہ ہو رہا ہے، بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ۝
وہ یقیناً کہیں گے کہ بات یہی ہے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں، بلکہ ہم جادو کیے ہوئے لوگ ہیں۔

آنکھوں کو بند سمجھنے والوں کا بیان

"لَقَالُوْا اِنَّمَا سُكِّرَتْ" سُدَّتْ "اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُوْرُوْنَ" يُخَيَّلُ اِلَيْنَا ذٰلِكَ،

وہ یقیناً کہیں گے کہ بات یہی ہے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں، بلکہ ہم جادو کیے ہوئے لوگ ہیں۔یعنی آسمان پر چڑھنا ہمارے خیال میں ڈال دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمان میں کئی برج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا ہے۔

آسمان میں ہونے والے بارہ بروج کا بیان

"وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا" اِثْنَىْ عَشَرَ: الْحَمَل وَالثَّوْر وَالْجَوْزَاء وَالسَّرَطَان وَالْاَسَد وَالسُّنْبُلَة وَالْمِيزَان وَالْعَقْرَب وَالْقَوْس وَالْجَدْي وَالدَّلْو وَالْحُوت وَهِيَ مَنَازِل الْكَوَاكِب السَّبْعَة السَّيَّارَة: الْمِرِّيخ وَلَهُ الْحَمَل وَالْعَقْرَب وَالزُّهَرَة وَلَهَا الثَّوْر وَالْمِيزَان وَعُطَارِد وَلَهُ الْجَوْزَاء وَالسُّنْبُلَة وَالْقَمَر وَلَهُ السَّرَطَان وَالشَّمْس وَلَهَا الْاَسَد وَالْمُشْتَرَى وَلَهُ الْقَوْس وَالْحُوت وَزُحَل وَلَهُ الْجَدْي وَالدَّلْو "وَزَيَّنَّاهَا" بِالْكَوَاكِبِ،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمان میں کئی برج بنائے۔ وہ بارہ ہیں۔ (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت، جو کواکب سیارہ کے منازل ہیں۔ مریخ کے لئے حمل اور عقرب ہے اور زہرہ کے لئے ثور اور میزان ہے اور عطارد کے لئے جوزاء اور سنبلہ ہے اور قمر کے لئے سرطان اور سورج کے لئے اسد اور مشتری ہے۔ مشتری کے لئے قول اور حوت ہے اور زحل کے لئے جدی اور دلو ہے۔ اور اسے دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا ہے۔

"برجوں" سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس وقمر کا ارادہ کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔

آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ رات کے وقت جب بادل اور گرد و غبار نہ ہو، بیشمار ستاروں کے قمقموں سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اتارنے یا ان کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان و زمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھ دار آدمی توحید کا سبق بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آئندہ توقع رکھی جائے۔

سیاروں کی طرف حقیقی تاثیر کو منسوب کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

اللہ نے فرمایا کہ میرے بعض بندے صبح ایمان پر اور بعض کفر پر کرتے ہیں جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوتی ہے تو یہ مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے ہم پر بارش ہوتی ہے تو وہ میرا انکار کرنے والے اور ستارے پر ایمان لانے والے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 233)

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝
اور ہم نے اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔

شیاطین کے شر سے حفاظت کرنے کا بیان

"وَحَفِظْنَاهَا" بِالشُّهُبِ "مِنْ كُلّ شَيْطَان رَجِيم" مَرْجُوم،

اور ہم نے اسے شہاب کے ذریعے ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔ یعنی جس کو رجم کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شیاطین آسمانوں میں داخل ہوتے تھے اور وہاں کی خبریں کاہنوں کے پاس لاتے تھے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو شیاطین تین آسمانوں سے روک دیئے گئے۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو تمام آسمانوں سے منع کر دیئے گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حجر، لاہور)

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝
مگر جو سنی ہوئی بات چرالے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

شہاب ثاقب۔ کے ذریعے شیاطین کو روکنے کا بیان

"اِلَّا" لٰكِنْ "مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ" خَطِفَهٗ "فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ" كَوْكَبٌ يُضِيءُ وَيُحْرِقُهٗ اَوْ يَثْقُبُهٗ اَوْ يَخْبِلُهٗ،

مگر جو سنی ہوئی بات چرالے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ یعنی اس کے پیچھے ایک سیارہ لگ جاتا ہے جو اس کی روشنی ختم کر دیتا ہے یا اس کو جلا دیتا ہے۔ یا بدحواس کر دیتا ہے۔ یا خراب کر دیتا ہے۔

شہاب ثاقب کے مفہوم کی وضاحت کا بیان

شہاب اس ستارے کو کہتے ہیں جو رات کے وقت ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ زمانہ حال کے مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کے ستارے جو خلا سے زمین کی طرف آتے ہیں ان کی تعداد کا اوسط دس کھرب روزانہ ہے جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شہابوں کی یہی بارش عالم بالا کی طرف شیاطین کی پرواز میں مانع ہوتی ہو۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود آنخضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ صحابہ کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ پیدا ہونے والا ہے یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا آپ نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمام آسمان میں جب کسی حکم کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کا حکم بجالانے کے لیے نہایت عاجزی سے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی صاف پتھر پر زنجیر ماری جا رہی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں تک اپنا پیغام پہنچا دیتا ہے پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو دور والے فرشتے

نزدیک والوں سے پوچھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا؟ وہ کہتے ہیں جو فرمایا بجا ارشاد فرمایا۔ فرشتوں کی یہ باتیں چوری چھپے سے سننے والے (شیطان) سن لیتے ہیں اور اوپر تلے رہ کر وہاں تک جاتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے اس بات کو سننے والے شیطان پر آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں جو اسے نیچے والے شیطان کو بات پہنچانے سے پہلے ہی جلا ڈالتا ہے۔ اور کبھی یہ شعلہ اسے بات پہنچانے کے بعد پہنچتا ہے تو اوپر والا شیطان نچلے کو بات پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ بات زمین تک آ پہنچتی ہے۔ پھر وہ بات ساحر (کاہن، نجومی) کے منہ پر جاری ہوتی ہے۔ تو اس میں وہ سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے پھر اگر اس کی کوئی بات سچی نکل آئے تو لوگ کہتے ہیں دیکھو اس نجومی نے ہمیں خبر دی کہ فلاں وقت ایسا ایسا ہوگا اور وہ بات سچ نکلی۔ یہ وہ بات ہوتی ہے جو آسمان سے چرائی گئی تھی۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ سبا)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝
اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور ہم نے اس میں مضبوط پہاڑ بنا دیئے اور ہم نے اس میں ہر جنس کو توازن کے مطابق نشو و نما دی۔

زمین کو مخلوق کے لئے پھیلا دینے کا بیان

"وَالْاَرْضَ مَدَدْنَاهَا" بَسَطْنَاهَا "وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ" جِبَالًا ثَوَابِت لِئَلَّا تَتَحَرَّكَ بِاَهْلِهَا "وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْء مَوْزُون" مَعْلُوم مُقَدَّر،

اور زمین کو ہم نے گولائی کے باوجود پھیلا دیا اور ہم نے اس میں مضبوط پہاڑ بنا دیئے تاکہ اس میں رہنے والے متحرک نہ ہوں اور ہم نے اس میں ہر جنس کو توازن کے مطابق نشو و نما دی ہے۔

ہر چیز کی پیدائش اور افزائش اللہ کے مقررہ اندازے کے مطابق ہی ہو سکتی ہے

موجودہ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نباتات کی ہر نوع میں تناسل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر صرف ایک ہی پودے کو زمین میں بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے تو چند ہی سالوں میں اسی جنس کے پودے تمام روئے زمین پر پھیل جائیں اور کسی دوسری قسم کے پودے کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہے اور یہ حکیم و علیم اور قادر مطلق کا سوچا سمجھا اندازہ ہی ہے جس کے مطابق بیشمار قسم کی نباتات اس زمین پر اگ رہی ہے اور ہر نوع کی پیداوار اپنی ایک مخصوص حد تک پہنچ کر رک جاتی ہے مزید یہ کہ ہر نوع کی پیداوار کو اس علاقہ کی ضرورت اور وہاں کے لوگوں کی طبیعت کے مطابق پیدا کیا جاتا ہے۔ بالکل یہی صورت انسان کے نطفہ کی ہے۔ اس کے ایک دفعہ کے انزال میں بارآور کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں جرثومے پائے جاتے ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کو بارآور کر سکتے ہیں۔ یہ بس اللہ کی حکمت ہی ہے کہ وہ جتنے انسان پیدا کرنا چاہتا ہے اتنے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ہر چیز زمین سے خوراک حاصل کر کے بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے لیکن وہ بھی ایک مخصوص حد تک پہنچ کر رک جاتی ہے مثلاً آج کل انسان عموماً پانچ سے چھ فٹ تک لمبا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان دوگنی خوراک کھا کر بارہ فٹ لمبا ہو جائے۔ یہی حال دوسری مخلوق کا ہے

خواہ یہ نباتات کی قسم سے ہو یا حیوانات کی قسم سے یا انسان ہو۔ غرض جاندار کیا اور بے جان کیا۔ ہر چیز کے ہر ہر پہلو سے تعلق رکھنے والی اللہ نے حدیں مقرر کر رکھی ہیں جن سے وہ تجاوز نہیں کر سکتیں۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرٰزِقِيْنَ۝
اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسباب معیشت پیدا کئے اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق مہیا نہیں کرتے۔

تمہارے لئے زمین میں اسباب معیشت پیدا کرنے کا بیان

"وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِش " بِالْيَاءِ مِنَ الثِّمَار وَالْحُبُوْب "وَ" جَعَلْنَا لَكُمْ "مَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ" مِنَ الْعَبِيْد وَالدَّوَابّ وَالْاَنْعَام فَاِنَّمَا يَرْزُقُهُمُ اللّٰه،

اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسباب معیشت پیدا کئے یہاں پر معایش یاء کے ساتھ آیا ہے یعنی پھل اور غلہ ہیں۔ اور ان انسانوں، جانوروں اور پرندوں کے لئے بھی جنہیں تم رزق مہیا نہیں کرتے۔

ایسی مخلوق بھی انسانوں کی تعداد سے زیادہ ہے اور اس میں ہر قسم کے چرند، پرند، درندے اور تمام حشرات الارض وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کی روزی بھی اسی طرح زمین کے ساتھ ہی وابستہ ہے جیسے تمہاری وابستہ ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝
اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور ہم اسے صرف معیّن مقدار کے
مطابق ہی اتارتے رہتے ہیں۔

حسب مصلحت رزق اتارنے کا بیان

"وَاِنْ" مَا "مِنْ" زَائِدَة "شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنه" مَفَاتِيح خَزَائِنه "وَمَا نُنَزِّلُهُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوم" عَلٰى حَسَب الْمَصَالِح

یہاں پر بھی لفظ من زائدہ ہے۔ اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے یعنی خزانوں کی چابیاں ہیں اور ہم اسے صرف معیّن مقدار کے مطابق ہی اتارتے رہتے ہیں۔ یعنی جس قدر مصلحت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خزانے حسب مصلحت مخلوق کے لئے بہ طور نعمت آتے ہیں

تمام چیزوں کا تنہا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر کام اس پر آسان ہے۔ ہر قسم کی چیزوں کے خزانے اس کے پاس موجود ہیں۔ جتنا، جب اور جہاں چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے۔ اپنی حکمتوں کا عالم وہی ہے۔ بندوں کی مصلحتوں سے بھی واقف ہے۔ یہ محض اس کی مہربانی ہے ورنہ کون ہے جو اس پر جبر کر سکے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر سال بارش برابر ہی برستی ہے۔ ہاں تقسیم اللہ

کے ہاتھ ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حکم بن عیینہ سے بھی یہی قول مروی ہے، کہتے ہیں کہ بارش کے ساتھ اس قدر فرشتے اترتے ہیں، جن کی گنتی کل انسانوں اور جنات سے زیادہ ہوتی ہے، ایک ایک قطرے کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ کہاں برسا اور اس سے کیا اگا۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝
اور ہم ہواؤں کو بادلوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے بھیجتے ہیں پھر ہم آسمان کی جانب سے پانی اتارتے ہیں پھر ہم اسے
تم ہی کو پلاتے ہیں اور تم اس کے خزانے رکھنے والے نہیں ہو۔

ہواؤں کو ذریعہ بارش بنانے کا بیان

"وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ " تُلَقِّحُ السَّحَابَ فَيَمْتَلِءُ مَاءً "فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ " السَّحَابِ "مَاءً " مَطَرًا "فأسقيناكموه وَمَا اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِيْنَ" اَیْ لَيْسَتْ خَزَائِنُهُ بِاَيْدِيكُمْ،

اور ہم ہواؤں کو بادلوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے بھیجتے ہیں یعنی جن میں پانی بھرا ہوا ہے۔ پھر ہم آسمان کی جانب سے پانی یعنی بارش اتارتے ہیں پھر ہم اسے تم ہی کو پلاتے ہیں اور تم اس کے خزانے رکھنے والے نہیں ہو۔ یعنی ایسے خزانے تمہارے پاس نہیں ہیں۔

پانی سے بھرے بوجھل بادلوں کا بیان

ہوا چلا کر ہم بادلوں کو پانی سے بوجھل کر دیتے ہیں، اس میں پانی برسنے لگتا ہے۔ یہی ہوائیں چل کر درختوں کو باردار کر دیتی ہیں کہ پتے اور کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں، اس وصف کو بھی خیال میں رکھئے کہ یہاں جمع کا صیغہ لائے ہیں اور ریح عقیمہ میں وصف وحدت کے ساتھ کیا ہے تا کہ کثرت سے نتیجہ برآمد ہو۔ بارداری کم از کم دو چیزوں کے بغیر ناممکن ہے۔ ہوا چلتی ہے وہ آسمان سے پانی اٹھاتی ہے اور بادلوں کو پر کر دیتی ہے۔ ایک ہوا ہوتی ہے جو زمین میں پیداوار کی قوت پیدا کرتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو بادلوں کو ادھر ادھر سے اٹھاتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو انہیں جمع کر کے تہ بہ تہ کر دیتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو انہیں پانی سے بوجھل کر دیتی ہے، ایک ہوا ہوتی ہے جو درختوں کو پھل دار ہونے کے قابل کر دیتی ہے۔ ابن جریر میں ایک حدیث مروی ہے کہ جنوبی ہوا جنتی ہے اس میں لوگوں کے منافع ہیں اور اسی کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔

مسند حمیدی کی حدیث میں ہے کہ ہواؤں کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک ہوا پیدا کی ہے جو ایک دروازے سے رکی ہوئی ہے۔ اسی بند دروازے سے تمہیں ہوا پہنچتی رہتی ہے، اگر وہ کھل جائے تو زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہوا سے الٹ پلٹ ہو جائیں۔ اللہ کے ہاں اس کا نام اذیب ہے، تم اسے جنوبی ہوا کہتے ہو، پھر فرماتا ہے کہ اس کے بعد ہم تم پر میٹھا پانی برساتے ہیں کہ تم پیو اور کام میں لاؤ۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا اور کھاری کر دیں۔ جیسے سورہ واقعہ میں فرمان ہے کہ جس میٹھے پانی کو تم

پیا کرتے ہو اسے بادل سے برسانے والے بھی کیا تم ہی ہو؟ یا ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا کردیں تعجب ہے کہ تم ہماری شکر گزاری نہیں کرتے؟ اور آیت میں ہے اسی اللہ نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا ہے۔ الخ۔ تم اس کے خازن یعنی مانع اور حافظ نہیں ہو۔ ہم ہی برساتے ہیں ہم ہی جہاں چاہتے ہیں، پہنچاتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں، محفوظ کردیتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں زمین میں دھنسادیں۔ یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ اسے برسایا، بچایا، میٹھا کیا، ستھرا کیا تا کہ تم پیو، اپنے جانوروں کو پلاؤ۔ اپنی کھیتیاں اور باغات بساؤ، ؟ اپنی ضرورتیں پوری کرو۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝
اور بے شک ہم، یقیناً ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔

زندگی اور موت کی ملکیت کا بیان

"وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیِی وَنُمِیت وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ" اَلْبَاقُونَ نَرِث جَمِیْعِ الْخَلْق،

اور بے شک ہم، یقیناً ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔ یعنی باقی رہنے والی ساری مخلوق کے ہم وارث ہیں۔

ہم مخلوق کی ابتدا اور پھر اس کے اعادہ پر قادر ہیں۔ سب کو عدم سے وجود میں لائے۔ سب کو پھر معدوم ہم کریں گے۔ پھر قیامت کے دن سب کو اٹھا بٹھائیں گے۔ زمین کے اور زمین والوں کے وارث ہم ہی ہیں۔ سب کے سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ ہمارے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ اول آخر سب ہمارے علم میں ہے۔ پس آگے والوں سے مراد تو اس زمانے سے پہلے کے لوگ ہیں حضرت آدم علیہ السلام تک کے۔ اور پچھلوں سے مراد اس زمانے کے اور آئندہ زمانے کے لوگ ہیں۔ مروان بن حکم سے مروی ہے کہ بعض لوگ بوجہ عورتوں کے پچھلی صفوں میں رہا کرتے تھے پس یہ آیت اتری۔ اس بارے میں ایک بہت ہی غریب حدیث بھی وارد ہوئی ہے ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بہت ہی خوش شکل عورت نماز میں آیا کرتی تھی تو بعض مسلمان اس خیال سے کہ اس پر نگاہ نہ پڑے۔ آگے بڑھ جاتے تھے اور بعض ان کے خلاف اور پیچھے ہٹ آتے تھے اور سجدے کی حالت میں اپنے ہاتھوں تلے سے دیکھتے تھے پس یہ آیت اتری لیکن اس روایت میں سخت نکارت ہے۔ عبدالرزاق میں ابوالجواز کا قول اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ نماز کی صفوں میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے۔ یہ صرف ان کا قول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس میں ذکر نہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی مشابہ ہے۔

محمد بن کعب کے سامنے عون بن عبداللہ جب یہ کہتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں یہ مطلب نہیں بلکہ اگلوں سے مراد وہ ہیں جو مر چکے اور پچھلوں سے مراد اب پیدا شدہ اور پیدا ہونے والے ہیں۔ تیرا رب سب کو جمع کرے گا وہ حکمت و علم والا ہے۔ یہ سن کر حضرت عون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ آپ کو توفیق اور جزائے خیر دے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ۝

اور بیشک ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے اور بیشک ہم بعد میں آنے والوں کو بھی جانتے ہیں۔

اولین و آخرین انسانوں کو ہم جانتے ہیں

"وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ" اَیْ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْخَلْقِ مِنْ لَّدُنْ اٰدَم "وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ" الْمُتَاَخِّرِيْنَ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَة،

اور بیشک ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے یعنی اولاد آدم علیہ السلام جو پہلے گزر گئی ہے۔اور بیشک ہم بعد میں آنے والوں یعنی قیامت تک آنے والوں کو بھی جانتے ہیں۔

(ف30) یعنی پہلی اُمّتیں اور امت محمّدیہ جو سب اُمّتوں میں پچھلی ہے یا وہ جو طاعت و خیر میں سبقت کرنے والے ہیں اور جو سُستی سے پیچھے رہ جانے والے ہیں یا وہ جو فضیلت حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھنے والے ہیں اور جو عذر سے پیچھے رہ جانے والے ہیں۔

سورہ حجر آیت ۲۴ کے شانِ نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت نماز کی صف اول کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ صف اول حاصل کرنے میں نہایت کوشاں ہوئے اور ان کا اژدہام ہونے لگا اور جن حضرات کے مکان مسجد شریف سے دور تھے وہ اپنے مکان بیچ کر قریب مکان خریدنے پر آمادہ ہو گئے تاکہ صف اوّل میں جگہ ملنے سے کبھی محروم نہ ہوں۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انھیں تسلی دی گئی کہ ثواب نیتوں پر ہے اور اللہ تعالیٰ اگلوں کو بھی جانتا ہے اور جو عذر سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی جانتا ہے اور ان کی نیتوں سے بھی خبردار ہے اور اس پر کچھ مخفی نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حجر، لاہور)

سورہ حجر آیت ۲۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی وہ بہت حسین بلکہ حسین ترین لوگوں میں سے تھی۔بعض لوگ پہلی صف میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے جب کہ بعض لوگ پچھلی صفوں کی طرف آتے تاکہ اُسے دیکھ سکیں۔چنانچہ وہ جب رکوع کرتے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے دیکھتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ،، اور ہمیں تم میں سے اگلے اور پچھلے سب معلوم ہیں اور بے شک تیرا رب ہی انہیں جمع کرے گا۔بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے)۔جعفر بن سلیمان یہ حدیث عمرو بن مالک سے وہ ابوجوزاء سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لیکن اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں اور یہ نوح کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1066)

وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○

اور بیشک آپ کا رب ہی تو انھیں جمع فرمائے گا۔ بیشک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع فرمائے گا

"وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْم" فِيْ صُنْعِه "عَلِيْم" بِخَلْقِهٖ،

اور بیشک آپ کا رب ہی تو انھیں جمع فرمائے گا۔ بیشک اپنی صنعت میں وہ بڑی حکمت والا، اپنی مخلوق کو خوب جاننے والا ہے

کافر یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی بن جائیں گے یا ہماری خاک کا ذرہ ذرہ منتشر ہو جائے گا تو ہم دوبارہ کیسے پیدا کیے جائیں گے۔ یہ اعتراض کرنے والے لوگ نہ تو اللہ کی صفت حکمت کی معرفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے لامحدود علم کی وسعت کی۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سب سے کو دوبارہ پیدا کرے پھر انھیں ان کے اچھے یا برے اعمال کی جزا و سزا دے اور اس کا علم اس قدر وسیع ہے کہ وہ ان کی خاک کے منتشر شدہ ذرات تک کو جانتا ہے اور انھیں اکٹھا کر کے انھیں دوبارہ زندگی بخش کر اپنے پاس حاضر کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا، جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے تھی۔

انسان کی تخلیق مٹی سے ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ " اٰدم "مِنْ صَلْصَال " طِيْن يَابِس يُسْمَع لَهٗ صَلْصَلَة اِذَا نُقِرَ "مِنْ حَمَاٍ" طِيْن اَسْوَد "مَسْنُوْن" مُتَغَيِّر،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا، یعنی ایسی کالی سڑی ہوئی خشک مٹی سے جس کو اگر بجائیں تو آواز آنے لگے۔ جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے تھی۔ یعنی تبدیلی ہوئی تھی۔

خشک مٹی سے انسان کی تخلیق کا بیان

صلصال سے مراد خشک مٹی ہے۔ اسی جیسی آیت (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ، الرحمٰن: 14) ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بودار مٹی کو حما کہتے ہیں۔ چکنی مٹی کو مسنون کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں تر مٹی۔ اوروں سے مروی ہے بودار مٹی اور گندھی ہوئی مٹی۔ انسان سے پہلے ہم نے جنات کو جلا دینے والی آگ سے بنایا ہے۔ سموم کہتے ہیں آگ کی گرمی کو اور حرور کہتے ہیں دن کی گرمی کو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس گرمی کی لوئیں اس گرمی کا سترہواں حصہ ہیں۔ جس سے جن پیدا کئے گئے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جن آگ کے شعلے سے بنائے گئے ہیں یعنی آگ سے بہت بہتر۔ عمرو کہتے ہیں سورج کی آگ سے۔ صحیح میں وارد ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جن شعلے والی آگ سے اور آدم علیہ السلام اس سے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا

ہے۔اس آیت سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت وشرافت اوران کے عنصر کی پاکیزگی اورطہارت کا بیان ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ○
اوراس سے پہلے ہم نے جنّوں کوشدید جلادینے والی آگ سے پیدا کیا جس میں دھواں نہیں تھا۔

ابلیس اور جنات کی تخلیق آگ سے ہونے کا بیان

"وَالْجَانّ" اَبَا الْجَانّ وَهُوَ اِبْلِيس "خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْل " اَیْ قَبْل خَلْق اٰدَم "مِنْ نَار السَّمُوم " هِیَ نَار لَا دُخَان لَهَا تَنْفُذ مِنْ الْمَسَامّ،

اوراس سے پہلے ہم نے جنّوں کوشدید جلادینے والی آگ سے پیدا کیا اور جنات کا باپ ابلیس ہے۔جس کو ہم نے آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا۔جوایسے شعلے سے پیدا ہوا جس میں دھواں نہیں تھا۔

جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی

جنوں کوایسی آگ سے پیدا کیا گیا جس میں ہوا ملی ہوئی تھی۔سموم بمعنی سخت گرم ہوا۔یعنی اتنی گرم ہوا سے جو آگ جیسی گرم ہو اور ہر چیز کو جھلس کر رکھ دے۔جس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی پیدائش میں غالب عنصر آگ تھا۔ابلیس اصل میں جنوں کی جنس سے تعلق رکھتا تھا۔مگر اپنی ہمہ وقت عبادت گزاری کی وجہ سے فرشتوں کی صفوں میں شامل ہو گیا تھا۔

جانّ اور جن کا لغوی مفہوم اور مراد

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جس طرح آدمیوں یا انسانوں کے جدامجد کا نام آدم علیہ السلام ہے۔اسی طرح جنوں کے جدامجد جانّ ہے۔اور جن کا لغوی معنی کسی چیز کو ڈھانپ کر چھپا دینا ہے کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے۔اور جنوں کو بھی جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کے لیے غیر مرئی مخلوق ہے جو انسانوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔جن اپنی شکل وصورت بدل سکتے ہیں کبھی یہ دیو، بھوت پریوں کی شکل میں انسانوں کے سامنے نمودار ہوتے ہیں اور کبھی سانپ کی شکل میں۔چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم گھروں میں سانپ دیکھو تو مارنے سے پہلے اسے کہہ لو کہ اگر وہ جن ہے تو چلا جائے۔قرآن میں بھی جان کا لفظ سانپ کے لیے استعمال ہوا ہے۔(۲۷:۱۰) اور جان صرف ایسے سانپ کو کہتے ہیں جو عصا کی طرح لمبا اور پتلا ہو۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ○
اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آدمی کو بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔

انسان کی تخلیق کا ذکر فرشتوں سے کرنے کا بیان

"و" اُذْكُرْ "اِذَا قَالَ رَبّك لِلْمَلَائِكَةِ اِنِّی خَالِق بَشَرًا مِنْ صَلْصَال مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْن"

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آدمی کو بنانے والا ہوں بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے۔

ابلیس لعین کا تعظیم نبوت سے انکار کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کی پیدائش کا ذکر اس نے فرشتوں میں کیا اور پیدائش کے بعد سجدہ کرایا۔ اس حکم کو سب نے تو مان لیا لیکن ابلیس لعین نے انکار کر دیا اور کفر وحسد انکار وتکبر فخر وغرور کیا۔ صاف کہا کہ میں آگ کا بنایا ہوا یہ خاک کا بنایا ہوا۔ میں اس سے بہتر ہوں اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ تو نے اسے مجھ پر بزرگی دی لیکن میں انہیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ ابن جریر نے یہاں پر ایک عجیب وغریب اثر وارد کیا ہے۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا ان سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں، تم اسے سجدہ کرنا انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا اور تسلیم کیا۔ مگر ابلیس جو پہلے کے منکروں میں سے تھا۔ اپنے پر جما رہا، لیکن اس کا ثبوت ان سے نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حجر، بیروت)

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۝
پھر جب میں اس کی تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکرِ میں اپنی روح پھونک دوں
تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لئے سجدے کا حکم دینے کا بیان

"فَاِذَا سَوَّيْتُه" اَتْمَمْته "وَنَفَخْت" اَجْرَيْت "فِيْهِ مِنْ رُوْحِي" فَصَارَ حَيًّا وَاِضَافَة الرُّوْح اِلَيْهِ تَشْرِيْف لِآدَم "فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ" سُجُوْد تَحِيَّة بِالِانْحِنَاءِ،

پھر جب میں اس کی ظاہری تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکرِ بشری کے باطن میں اپنی نورانی روح پھونک دوں، یہاں روح کی اضافت اپنی جانب کرنا آدم علیہ السلام کے شان کے لئے تھا۔ تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔ یعنی ان کو بہ طور تعظیم سجدہ کرنا۔

فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا بیان

جب انسان کا پتلا تیار ہو گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ "میں کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے لگا ہوں جب میں اس کی نوک پلک درست کر کے اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم اسی وقت اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا" روح پھونکنے سے مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ہلکا سا پرتو انسان میں پیدا ہو جائے اور انسان کو جو دوسری تمام جانداروں سے زیادہ عقل وتمیز، قوت ارادہ واختیار، مختلف اشیاء کے خواص معلوم کرنے کا علم نیز غور وفکر کے ذریعہ استنباط یا نتائج حاصل کرنے کا علم

دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اسی نفخہ کا نتیجہ ہے اور اسی بنا پر انسان زمین میں اللہ کا خلیفہ بنایا گیا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝
تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لئے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

"فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" فِيهِ تَاْكِيدَانِ،

تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب سجدے میں گرے۔ اس میں دو تاکیدیں ہیں۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝
سوائے ابلیس کے، اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم سے شیطان نے انکار کر دیا

"اِلَّا اِبْلِيْس" هُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَة "اَبٰى" اِمْتَنَعَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِيْنَ،

سوائے ابلیس کے، جو ابو الجن فرشتوں کے درمیان تھا اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔

سورہ اعراف میں ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا اسی لئے اس سورت کی جو آیات ابھی آپ نے پڑھی ہیں جن سے بظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لئے مخصوص ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اصالۃً یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں کے اندر موجود تھا اس لئے تبعاً وہ بھی اس حکم میں شامل تھا کیونکہ آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے لئے جب اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین مخلوق فرشتوں کو حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق کا تبعاً اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر تھا اسی لئے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم مجھ پر عائد نہیں ہوتا اور شاید قرآن کریم کے الفاظ (آیت)

اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ میں اس کی طرف اشارہ ہو کہ اَبٰٓى اَنْ يسجُدَ کے بجائے اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ،

ذکر فرمایا جس سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصل ساجدین تو فرشتے ہی تھے مگر عقلاً لازم تھا کہ ابلیس بھی جب ان میں موجود تھا تو وہ بھی ملائکہ ساجدین کے ساتھ شامل ہو جاتا اس کے عدم شمول پر عتاب فرمایا گیا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝
ارشاد فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا؟

شیطان سے سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھنے کا بیان

"قَالَ" تَعَالٰی "یَا اِبْلِیسُ مَا لَکَ" مَا مَنَعَکَ "اَ" اَنْ "لَا" زَائِدَۃ

اللہ نے ارشاد فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا؟ یہاں پر لا زائدہ ہے۔

قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ٥
اس نے کہا میں کبھی ایسا نہیں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے، جو بد بودار، سیاہ کیچڑ سے ہے۔

شیطان نے بشر سمجھ کر سجدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا

"قَالَ لَمْ اَکُنْ لِاَسْجُدَ" لَا یَنْبَغِی لِیْ اَنْ اَسْجُدَ

اس نے کہا میں کبھی ایسا نہیں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے، جو بد بودار، سیاہ کیچڑ سے ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ٥
فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔

شیطان کو جنت سے نکالنے کا بیان

"قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا" اَیْ مِنَ الْجَنَّۃِ وَقِیلَ مِنَ السَّمَاوَاتِ "فَاِنَّکَ رَجِیمٌ" مَطْرُودٌ

فرمایا تو جنت سے نکل جا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمانوں سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔ یعنی رد کر دیا گیا ہے۔

وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ٥
اور بیشک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔

قیامت تک کے لئے شیطان پر لعنت ہونے کا بیان

"وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ" اَلْجَزَاءِ

اور بیشک قیامت یعنی جزاء کے دن تک تجھ پر لعنت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکومت کا ارادہ کیا جو نہ ٹلے، نہ ٹالا جا سکے کہ تو اس بہترین اور اعلیٰ جماعت سے دور ہو جا تو پھٹکارا ہوا ہے قیامت تک تجھ پر ابدی اور دوامی لعنت برسا کرے گی۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت اس کی صورت بدل گئی اور اس نے نوحہ خوانی شروع کی، دنیا میں تمام نوحے اسی ابتدا سے ہیں۔ مردود و مطرود ہو کر پھر آتش حسد سے جلتا ہوا آرزو کرتا ہے کہ قیامت تک کی اسے ڈھیل دی جائے اسی کو یوم البعث کہا گیا ہے۔ پس اس کی یہ درخواست منظور کی گئی اور مہلت مل گئی۔

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ○

اُس نے کہا: اے پروردگار! پس تو مجھے اُس دن تک مہلت دے دے لوگ اٹھائے جائیں گے۔

شیطان کا مہلت لینے کا بیان

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ○

اللہ نے فرمایا سو بیشک تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے۔

اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ○

وقتِ مقررہ کے دن (قیامت) تک

"اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡت الۡمَعۡلُوم" وَقۡت النَّفۡخَة الۡاُوۡلٰی

وقتِ مقررہ کے دن (قیامت) یعنی جب پہلی بار سور پھونکا جائے گا۔

جس میں تمام خلق مرجائے گی اور وہ نفخہ اُولیٰ ہے تو شیطان کے مردہ رہنے کی مدت نفخہ اُولیٰ ہے، نفخہ ثانیہ تک چالیس برس ہے اور اس کو اس قدر مہلت دینا اس کے اکرام کے لئے نہیں بلکہ اس کی بلا وشقاوت اور عذاب کی زیادتی کے لئے ہے، یہ سن کر شیطان کہنے لگا۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ○

ابلیس نے کہا اے پروردگار! اس سبب سے جو تو نے مجھے گمراہ کیا میں یقیناً ان کے لئے زمین میں (گناہوں اور نافرمانیوں کو) خوب آراستہ وخوش نما بنادوں گا اور ان سب کو ضرور گمراہ کرکے رہوں گا۔

کہ آسمان وزمین والے تجھ پر لعنت کریں گے اور جب قیامت کا دن آئے گا تو اس لعنت کے ساتھ ہمیشگی کے عذاب میں گرفتار کیا جائے گا، جس سے کبھی رہائی نہ ہوگی یہ سُن کر شیطان کہنے لگا۔

شیطان کا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے قسم اٹھانے کا بیان

"قَالَ رَبِّ بِمَا اَغۡوَیۡتَنِی" اَیۡ بِاِغۡوَائِكَ لِیۡ وَالۡبَاء لِلۡقَسَمِ وَجَوَابه "لَاُزَیِّنَن لَهُمۡ فِی الۡاَرۡض" الۡمَعَاصِی،

ابلیس نے کہا اے پروردگار! اس سبب سے جو تو نے مجھے گمراہ کیا، یہاں پر باء قسمیہ ہے۔ اور اس کے بعد جواب قسم ہے۔ میں بھی یقیناً ان کے لئے زمین میں خوب آراستہ وخوش نما بنادوں گا اور ان سب کو ضرور گمراہ کرکے رہوں گا۔

حضرت ابوسعید سے مرفوع روایت ہے کہ ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم میں بنی آدم کو اس وقت تک بہکاتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں تو حق تعالیٰ نے فرمایا اور مجھے میری عزت اور جلال کی

قسم میں انہیں اس وقت معاف کرتا رہوں گا جب تک یہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ (قرطبی 10-27)

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ٥
سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو خلاصی پا چکے ہیں۔

اہل ایمان کا شیطان کے شر سے نجات پانے کا بیان

"اِلَّا عِبَادكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" اَیْ الْمُؤْمِنِيْنَ

سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں یعنی اہل ایمان کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پا چکے ہیں۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ٥
اللہ نے ارشاد فرمایا: یہ (اخلاص ہی) راستہ ہے جو سیدھا میرے در پر آتا ہے۔

شیطان سے نجات ہی صراط مستقیم ہے

"قَالَ" تَعَالٰی، هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ،

اللہ نے ارشاد فرمایا: یہ (اخلاص ہی) راستہ ہے جو سیدھا میرے در پر آتا ہے۔

وہ سیدھا راستہ جو اللہ تک پہنچتا ہے یہ ہے کہ انسان خالصتاً اسی کی عبادت کرے اور اسی پر توکل کرے اور ایمان لانے کے بعد کما حقہ اس کے تقاضوں کو پورا کرے اور اپنے ایمان میں مستقل اور ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگ جو اس راہ پر چلتے جائیں کبھی شیطان کے پھندے میں نہیں آ سکتے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ٥
بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان بھٹکے ہوؤں کے جنہوں نے تیری راہ اختیار کی۔

کفار پر شیطان کا داؤ چلنے کا بیان

وَهُوَ "اِنَّ عِبَادِیْ" اَیْ الْمُؤْمِنِيْنَ "لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَان" قُوَّة "اِلَّا" لٰكِنْ "مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ،

بیشک میرے ایمان والے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان بھٹکے ہوؤں کے جنہوں نے تیری راہ اختیار کی۔ جو کفار ہیں۔

شیطان کا انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے اندر شیطان اس طرح دوڑتا پھرتا ہے

جیسے رگوں میں خون گردش کرتا رہتا ہے۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 64)

مطلب یہ کہ شیطان انسان کو بہکانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں اچھے انسانوں اور نیک بندوں کو نیکی و بھلائی کے راستہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کی داخلی کائنات میں گھس کر اس کے ذہن وفکر اور اس کے قلب و دماغ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
اور بیشک ان سب کے لئے وعدہ کی جگہ جہنم ہے۔

شیطان کے تابعین کے لئے جہنم میں جگہ ہونے کا بیان

"وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ" اَیْ مَنْ اتَّبَعَكَ مَعَكَ،

اور بیشک ان سب کے لئے وعدہ کی جگہ جہنم ہے۔ یعنی جنہوں نے تیری اتباع کی۔

حقیقت اس سے یہ واضح فرمادی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلتا۔ اس کا زور انہی گمراہوں پر چلتا ہے جو اسکے پیچھے چلتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کا انجام بھی واضح فرما دیا گیا کہ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جس میں ان سب کو داخل ہونا ہوگا کہ وہی ٹھکانا ہے ایسے سرکشوں متکبروں، منکروں، اور راہ حق سے بہکے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کا ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝
جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان میں سے الگ حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔

جہنم کے سات دروازوں کا بیان

"لَهَا سَبْعَة اَبْوَاب" اَطْبَاق "لِكُلِّ بَاب" مِنْهَا "مِنْهُمْ جُزْء" نَصِيْب،

جس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان میں سے الگ حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔

دوزخ کے سات دروازوں کے نام و تفصیل کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا جہنم کے دروازے اس طرح ہیں یعنی ایک پر ایک۔ اور وہ سات ہیں ایک کے بعد ایک کر کے ساتوں دروازے پر ہو جائیں گے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سات طبقے ہیں۔ ابن جریر سات دروازوں کے یہ نام بتلاتے ہیں۔ جهنم ۔ نطی ۔ حطمه ۔ سعير ۔ سقر ۔ حجيم ۔ هاويه ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ باعتبار اعمال ان کی منزلیں ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں مثلا ایک دروازہ یہود کا، ایک نصاری کا، ایک صابیوں کا، ایک مجوسیوں کا، ایک مشرکوں کافروں کا، ایک منافقوں کا، ایک اہل توحید کا، لیکن توحید والوں کو چھٹکارے کی امید ہے

باقی سب ناامید ہو گئے ہیں۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض دوزخیوں کے ٹخنوں تک آگ ہوگی، بعض کی کمر تک، بعض کی گردنوں تک، غرض گناہوں کی مقدار کے حساب سے ہوگا۔ (تفسیر ابن جریر، سورہ حجر، بیروت)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝
بیشک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔

اہل تقویٰ کے لئے جنت میں رہنے کا بیان

"اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّات" بَسَاتِين "وَعُيُوْن" تَجْرِي فِيْهَا،

بیشک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔ یعنی جس میں چشمے جاری ہیں۔

اہل جنت کا اعلیٰ نعمتوں میں رہنے کا بیان

دوزخیوں کا ذکر کر کے اب جنتیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ باغات، نہروں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کو بشارت سنائی جائے گی کہ اب تم ہر آفت سے بچ گئے ہر ڈر اور گھبراہٹ سے مطمئن ہو گئے نہ نعمتوں کے زوال کا ڈر، نہ یہاں سے نکالے جانے کا خطرہ نہ فنا نہ کمی۔ اہل جنت کے دلوں میں گو دنیوی رنجشیں باقی رہ گئی ہوں مگر جنت میں جاتے ہی ایک دوسرے سے مل کر تمام گلے شکوے ختم ہو جائیں گے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝
ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔

اہل جنت کا ہر قسم کے خوف سے امن وسلامتی میں رہنے کا بیان

يُقَال لَهُمْ "اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ" اَيْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلّ مَخُوف اَوْ مَعَ سَلَام اَيْ سَلِّمُوْا وَادْخُلُوْا "آمِنِيْنَ" مِنْ كُلّ فَزَع،

ان سے کہا جائے گا ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ۔ یعنی ہر قسم کے خوف سے سلامتی پاتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ اور ہر قسم کے خوف سے امن میں رہو۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝
اور ہم وہ ساری کدورت باہر کھینچ لیں گے جو ان کے سینوں میں تھی، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اہل جنت سے دنیاوی کدورتوں کو دور کر دینے کا بیان

"وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرهمْ مِنْ غِلٍّ" حِقْد "اِخْوَانًا" حَال مِنْهُمْ "عَلٰى سُرُر مُتَقَابِلِيْنَ" حَال اَيْضًا اَيْ لَا

يَنْظُر بَعْضُهُمْ اِلٰى قَفَا بَعْضٍ لِدَوَرَانِ الْاَسِرَّةِ بِهِمْ،

اور ہم وہ ساری کدورت باہر کھینچ لیں گے جو دنیا میں ان کے سینوں میں مغالطہ کے باعث ایک دوسرے سے تھی، وہ جنت میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

سورہ حجر آیت ۴۷ کی تفسیر بہ روایات کا بیان

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ کسی نے حضرت عمر سے دریافت کیا کون سی کدورت تو آپ نے فرمایا زمانہ جاہلیت کی ۔ کیونکہ بنوتمیم، بنوعدی، بنوہاشم کے درمیان جاہلیت میں عداوت تھی جب یہ لوگ اسلام لائے اور ان میں آپس میں محبت پیدا ہوگئی میں نے ابوبکر کے پہلو کو پکڑا اور علی اپنا ہاتھ گرم کر کے ابوبکر کے پہلو کو سینکنے لگے تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیوطی 160، درمنثور 4۔101)

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سینے بیکینہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ مرفوع حدیث میں بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن جہنم سے نجات پا کر جنت دوزخ کے درمیان کے پل پر روک لئے جائیں گے جو ناچاقیاں اور ظلم آپس میں تھے، ان کا ادلہ بدلہ ہو جائے گا اور پاک دل صاف سینہ ہو کر جنت میں جائیں گے۔ اشتر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت مانگی، اس وقت آپ کے پاس حضرت طلحہ کے صاحبزادے بیٹھے تھے تو آپ نے کچھ دیر کے بعد اسے اندر بلایا اس نے کہا کہ شاید ان کی وجہ سے مجھے آپ نے دیر سے اجازت دی؟ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ کہا پھر تو اگر آپ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہوں گے، جن کی شان میں یہ ہے کہ ان کے دلوں میں جو کچھ خفگی تھی ہم نے دور کر دی، بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تخت شاہی پر جلوہ فرما ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عمران بن طلحہ اصحاب جمل سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ نے انہیں مرحبا کہا اور فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ان میں سے ہیں جن کے دلوں کے غصے اللہ دور کر کے بھائی بھائی بنا کر جنت کے تختوں پر آمنے سامنے بٹھائے گا، ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سن کر فرش کے کونے پر بیٹھے ہوئے دو شخصوں نے کہا، اللہ کا عہد اس سے بہت بڑھا ہوا ہے کہ جنہیں آپ قتل کریں ان کے بھائی بن جائیں؟ آپ نے غصے سے فرمایا اگر اس آیت سے مراد میرے اور طلحہ جیسے لوگ نہیں تو اور کون ہوں گے؟ اور روایت میں ہے کہ قبیلہ ہمدان کے ایک شخص نے یہ کہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دھمکی اور بلند آواز سے یہ جواب دیا تھا کہ محل ہل گیا۔ اور روایت میں ہے کہ کہنے والے کا نام حارث اعور تھا اور اس کی اس بات پر آپ نے غصے ہو کر جو چیز آپ کی ہاتھ میں تھی وہ اس کے سر پر مار کر یہ فرمایا تھا۔

ابن جرموز جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا جب دربار علی رضی اللہ عنہ میں آیا تو آپ نے بڑی دیر بعد اسے داخلے کی اجازت دی۔ اس نے آ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بلوائی کہہ کر برائی سے یاد کیا تو آپ نے فرمایا تیرے منہ

میں مٹی ۔ میں اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ تو انشاء اللہ ان لوگوں میں ہیں جن کی بابت اللہ کا یہ فرمان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہم بدریوں کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

کثیر کہتے ہیں میں ابوجعفر محمد بن علی کے پاس گیا اور کہا کہ میرے دوست آپ کے دوست ہیں اور مجھ سے مصالحت رکھنے والے آپ سے مصالحت رکھے والے ہیں، میرے دشمن آپ کے دشمن ہیں اور مجھ سے لڑائی رکھنے والے آپ سے لڑائی رکھنے والے ہیں ۔ واللہ میں ابوبکر اور عمر سے بری ہوں ۔ اس وقت حضرت ابوجعفر نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو یقیناً مجھ سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں ۔ ناممکن کہ میں اس وقت ہدایت پر قائم رہ سکوں۔

ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو اے کثیر محبت رکھ، اگر اس میں تجھے گناہ ہو تو میری گردن پر۔ پھر آپ نے اسی آیت کے آخری حصہ کی تلاوت فرمائی ۔ اور فرمایا کہ یہ ان دس شخصوں کے بارے میں ہے ابوبکر، عمر عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ یہ آمنے سامنے ہوں گے تا کہ کسی کی طرف کسی کی پیٹھ نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک مجمع میں آ کر اسے تلاوت فرما کر فرمایا یہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے ۔ وہاں انہیں کوئی مشقت، تکلیف اور ایذاء نہ ہوگی۔

بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت کے سونے کے محل کی خوشخبری سنا دوں جس میں نہ شور وغل ہے نہ تکلیف و مصیبت ۔ یہ جنتی جنت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے حدیث میں ہے ان سے فرمایا جائے گا کہ اے جنتیو تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے اور ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ بنو گے اور ہمیشہ یہیں رہو گے کبھی نکالے نہ جاؤ گے ۔ اور آیت میں ہے وہ تبدیلی مکان کی خواہش ہی نہ کریں گے نہ ان کی جگہ ان سے چھنے گی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں ارحم الراحمین ہوں ۔ اور میرے عذاب بھی نہایت سخت ہیں اسی جیسی آیت اور بھی گزر چکی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کو امید کے ساتھ ڈر بھی رکھنا چاہئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس آتے ہیں اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر فرماتے ہیں جنت دوزخ کی یاد کرو، اس وقت یہ آیتیں اتریں ۔ یہ مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔

آپ بنوشیبہ کے دروازے سے صحابہ کے پاس آ کر کہتے ہیں میں تو تمہیں ہنستے ہوئے دیکھ رہا ہوں یہ کہہ کر واپس مڑ گئے اور حطیم کے پاس سے ہی الٹے پاؤں پھرے ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ ابھی میں جا ہی رہا تھا، جو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرے بندوں کو ناامید کر رہا ہے؟ انہیں مرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے المناک ہونے کی خبر دے دے ۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر بندے اللہ تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ کے عذاب کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حجر، بیروت)

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ○

انہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ ہی وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

اہل جنت ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے

"لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ" تَعَب "وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ" اَبَدًا،

انہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ ہی وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

دنیوی زندگی کی طرح اپنا پیٹ پالنے کے لیے وہاں کچھ محنت ومشقت نہیں کرنی پڑے گی۔ ہر مطلوبہ چیز طلب کرنے پر فوراً حاضر کردی جائے گی۔ انھیں ان چیزوں کے حصول کے لیے نقل مکانی کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اوران کے لیے یہ سب نعمتیں دائمی ہوں گی اوران کی زندگی بھی دائمی زندگی ہوگی۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○

آپ میرے بندوں کو بتادیجئے کہ میں ہی بیشک بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہوں۔

اہل ایمان کے لئے بخشش ومہربانی کا بیان

"نَبِّئْ" خَبِّرْ يَا مُحَمَّد "عِبَادِي اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْر" لِلْمُؤْمِنِيْنَ "الرَّحِيْم" بِهِمْ،

یامحمد ﷺ آپ میرے بندوں کو بتادیجئے کہ میں ہی بیشک مومنوں کو بڑا بخشنے والا، ان کے ساتھ نہایت مہربان ہوں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ہنس رہے تھے تو آپ نے فرمایا کیا تم ہنستے ہو جبکہ تمہارے جنت اور دوزخ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی ۔نَبِّیءْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ، اے پیغمبر میرے بندوں کو بتادو کہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی درددینے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم پر رسول اللہ ﷺ اس دروازے سے تشریف لائے جس دروازے سے بنوشیبہ آیا کرتے تھے آپ نے فرمایا میں تمہیں ہنستا ہوا دیکھتا ہوں پھر آپ نے رخ تبدیل کیا اور الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے پھر آپ نے فرمایا میں تمہارے پاس سے نکلا ابھی میں اس پتھر کے قریب ہی تھا کہ میرے پاس جبرائیل تشریف لائے اور کہا اے محمد ﷺ اللہ آپ سے فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو ناامید نہ کیجیے۔ (نیسابوری 233، سیوطی 161، قرطبی 10-34)

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ○

اور کہ میرا ہی عذاب بڑا دردناک عذاب ہے۔

نافرمانوں کے لئے سخت عذاب ہونے کا بیان

"وَاَنَّ عَذَابِی" لِلْعُصَاةِ "هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْم" الْمُؤْلِم،

اور کہ میرا ہی عذاب نافرمانوں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ۝
اور انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کی خبر سنائیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا بہ طور مہمان آنے کا بیان

"وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْف اِبْرَاهِيْم" وَهُمْ الْمَلَائِكَة اثْنَا عَشَر اَوْ عَشْرَة اَوْ ثَلَاثَة مِنْهُمْ جِبْرِيْل،

اور انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر بھی سنائیے۔ وہ بارہ یا دس یا تین فرشتے تھے جن میں جبرائیل بھی تھے۔

فرشتوں کا بہ صورت انسان آنے کا بیان

لفظ ضیف واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے زور اور سفر۔ یہ فرشتے تھے جو بصورت انسان سلام کر کے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ آپ نے بچھڑا کاٹ کر اس کا گوشت بھون کر ان مہمانوں کے سامنے لا رکھا۔ جب دیکھا کہ وہ ہاتھ نہیں ڈالتے تو ڈر گئے اور کہا کہ ہمیں تو آپ سے ڈر لگنے لگا۔ فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ڈرو نہیں، پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت سنائی۔ جیسے کہ سورہ ہود میں ہے۔ تو آپ نے اپنے اور اپنی بیوی صاحبہ کے بڑھاپے کو سامنے رکھ کر اپنا تعجب دور کرنے اور وعدے کو ثابت کرنے کے لئے پوچھا کہ کیا اس حالت میں ہمارے ہاں بچہ ہوگا؟ فرشتوں نے دوبارہ زوردار الفاظ میں وعدے کو دہرایا اور ناامیدی سے دور رہنے کی تعلیم کی۔ تو آپ نے اپنے عقیدے کا اظہار کر دیا کہ میں مایوس نہیں ہوں۔ ایمان رکھتا ہوں کہ میرا رب اس سے بھی بڑی باتوں پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ۝
جب وہ ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ ہم آپ سے کچھ ڈر محسوس کر رہے ہیں۔

فرشتوں کا کھانا کھانے سے بے نیاز ہونے کا بیان

"اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلَامًا" اَیْ هٰذَا اللَّفْظ "قَالَ" اِبْرَاهِيْم لَمَّا عَرَضَ عَلَيْهِمْ الْاَكْل فَلَمْ يَاْكُلُوْا "اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ" خَائِفُوْنَ

جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا۔ یعنی لفظ سلام کہا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں کھانا پیش کیا جبکہ انہوں نے نہیں کھایا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ہم آپ سے کچھ ڈر محسوس کر رہے ہیں۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۝
آپ خائف نہ ہوں ہم آپ کو ایک دانش مند لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت فرشتوں کے ذریعے آئی

"قَالُوْا لَا تَوْجَلْ " لَا تَخَفْ "اِنَّا" رُسُل رَبّك "نُبَشِّرك بِغُلَامٍ عَلِيْم " ذِیْ عِلْم كَثِيْر هُوَ اِسْحَاق كَمَا ذَكَرْنَا فِیْ سُوْرَة هُوْد،

مہمان فرشتوں نے کہا آپ خائف نہ ہوں ہم آپ کو ایک دانش مند لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری سناتے ہیں۔اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جن کی تفسیر ہم سورہ ہود میں بیان کر آئے ہیں۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ۝
ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: تم مجھے اس حال میں خوشخبری سنا رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے
سو اب تم کس چیز کی خوشخبری سناتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حالت ضعف میں بیٹے کی بشارت آنے کا بیان

"قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ " بِالْوَلَدِ "عَلٰی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَر " حَال اَیْ مَعَ مَسّه اِيَّایَ "فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ " فَبِاَیِّ شَیْء اسْتِفْهَام تَعَجُّب،

ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم مجھے اس حال میں خوشخبری سنا رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے۔یعنی بڑھاپے کی حالت میں ہوں لہٰذا اب تم کس چیز کی خوشخبری سناتے ہو۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ۝
انہوں نے کہا: ہم آپ کو سچی بشارت دے رہے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں۔

"قَالُوْا بَشَّرْنَاك بِالْحَقِّ" بِالصِّدْقِ "فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِيْنَ" الْاٰيِسِيْنَ،

انہوں نے کہا ہم آپ کو سچی بشارت دے رہے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں۔

سورہ ہود میں اور اس مقام میں قدرے اختلاف ہے سورہ ہود کے مطابق فرشتوں نے یہ خوشخبری سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو دی تھی جو پاس ہی کھڑی فرشتوں اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ سن رہی تھی۔اس نے بھی اس بڑھاپے کی عمر میں بچہ پیدا ہونے کی بشارت پر تعجب کا اظہار کیا تھا اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی از راہ تعجب فرشتوں سے یہی بات پوچھی کہ یہ کیا خوشخبری دے رہے ہو؟ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ تعجب اس لیے نہ تھا کہ وہ اس بات کو ناممکن سمجھتے تھے یا اللہ کی رحمت سے مایوس

ہو چکے تھے بلکہ اس لیے تھا کہ وہ اس تکرار سے تاکید مزید اور اسی نسبت سے اپنی مسرت میں مزید اضافہ کے خواہشمند تھے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ۝
ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون مایوس ہوسکتا ہے۔

اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفار کا کام ہے

"قَالَ وَمَنْ" اَیْ لَا "یَقْنَطُ" بِکَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا "مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ" الْکَافِرُوْنَ،

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں یعنی کافروں کے سوا اور کون مایوس ہوسکتا ہے۔ یہاں پر لفظ یقنط یہ نون کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح آیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون مایوس ہوسکتا ہے۔ تو پھر میں اس واہب مطلق جل جلالہ۔ کی رحمت وعنایت سے مایوس وناامید کیسے ہوسکتا ہوں؟ سو میں اس کی قدرت وعنایت سے مایوس نہیں۔ بلکہ مجھے اس کی قدرت وعنایت پر پورا یقین واعتماد ہے کہ وہ قادر مطلق جب ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر اس کے لیے بڑھاپے میں کسی کو اولاد سے نوازنا کیونکر اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ بلکہ میں تو صرف عالم اسباب کے اعتبار سے اپنے تعجب کا ذکر اور اظہار کرتا ہوں۔ (تفسیر بیضاوی، سورہ حجر، لاہور)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ۝
ابراہیم (علیہ السلام) نے دریافت کیا: بھیجے ہوئے فرشتو! اور تمہارا کیا کام ہے۔

فرشتوں سے آنے کا مقصد پوچھنے کا بیان

"قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ" شَاْنُكُمْ،

ابراہیم (علیہ السلام) نے دریافت کیا اے (اللہ کے) بھیجے ہوئے فرشتو! اور تمہارا کیا کام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب ڈر خوف جاتا رہا بلکہ بشارت بھی مل گئی تو اب فرشتوں سے ان کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے بتلایا کہ ہم لوطیوں کی بستیاں الٹنے کے لئے آئے ہیں۔ مگر حضرت لوط علیہ السلام کی آل نجات پالے گی۔ ہاں اس آل میں سے ان کی بیوی بچ نہیں سکتی؛ وہ قوم کے ساتھ رہ جائے گی اور ہلاکت میں ان کے ساتھ ہی ہلاک ہوگی۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۝
انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

مجرم قوم کی جانب عذاب لیکر فرشتوں کے آنے کا بیان

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں کہا کہ ہمیں بھیجا گیا ہے ایک مجرم قوم کی طرف، یعنی قوم لوط کی طرف جس نے اپنے جرم کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے۔ اور وہ ایسی مجرم قوم ہے کہ اب اس کا تعارف ہی اسی وصف جرم سے کرایا جاتا ہے۔ سو ہمیں دراصل اسی مجرم قوم کا کام تمام کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے کہ اب ان کی مدت مہلت ختم ہو چکی ہے۔ بہر کیف حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیٹے کی خوشخبری سے متعلق مطمئن ہو گئے تو آپ کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ محض ایک بیٹے کی خوشخبری کے لیے فرشتوں کی پوری ایک جماعت کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے اصل مہم کوئی اور ہے۔ اس لئے آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہاری اصل مہم کیا ہے اے فرستادگان خدا؟ تو اس کے جواب میں فرشتوں نے اپنے اصل مہم کے اظہار و بیان کے لیے کہا کہ ہمیں دراصل حضرت لوط علیہ السلام کی اس مجرم قوم کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا ہے جن کی خرمستی اب اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ ان کی مدت مہلت اب ختم ہوگئی ہے اور ان کے آخری انجام کا وقت آ گیا ہے۔ جس کے انہوں نے اب ہمکنار ہو کر رہنا ہے۔

فرشتوں کا قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آنے کا بیان

"قَالُوْا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ" کَافِرِیْنَ اَیْ قَوْمِ لُوْطٍ لِاِهْلَاكِهِمْ،

انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم یعنی کافروں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ۝
سوائے لوط (علیہ السلام) کے گھرانے کے، بیشک ہم ان سب کو ضرور بچا لیں گے۔

اہل ایمان کا عذاب سے نجات پانے کا بیان

"اِلَّا اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ" لِاِیْمَانِهِمْ،

سوائے لوط علیہ السلام کے گھرانے کے، بیشک ان کے ایمان کی وجہ سے ہم ان سب کو ضرور بچا لیں گے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ۝
سوائے ان کی بیوی کے، ہم طے کر چکے ہیں کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

"اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَا اِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِیْنَ" الْبَاقِیْنَ فِی الْعَذَابِ لِکُفْرِهَا،

بجز ان کی بیوی کے، ہم طے کر چکے ہیں کہ وہ ضرور اپنے کفر کے سبب عذاب کے لئے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝
پھر جب لوط (علیہ السلام) کے خاندان کے پاس وہ فرستادہ آئے۔

"فَلَمَّا جَاءَ اٰلَ لُوطٍ" اَیْ لُوطًا،

پھر جب لوط (علیہ السلام) کے خاندان کے پاس وہ فرستادہ (فرشتے) آئے۔

یہ فرشتے نوجوان حسین لڑکوں کی شکل میں حضور لوط علیہ السلام کے پاس گئے۔ تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا تم بالکل ناشناس اور انجان لوگ ہو۔ تو فرشتوں نے راز کھول دیا کہ ہم اللہ کا عذاب لے کر آئے ہیں جسے آپ کی قوم نہیں مانتی اور جس کے آنے میں شک شبہ کر رہی تھی۔ ہم حق بات اور قطعی حکم لے کر آئے ہیں اور فرشتے حقانیت کے ساتھ ہی نازل ہوا کرتے ہیں اور ہم ہیں بھی سچے۔ جو خبر آپ کو دے رہے ہیں وہ ہو کر رہے گی کہ آپ نجات پائیں اور آپ کی یہ کافر قوم ہلاک ہوگی۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
لوط (علیہ السلام) نے کہا: بیشک تم اجنبی لوگ ہو۔

"قَالَ" لَهُمْ "اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ" لَا اَعْرِفُكُمْ،

لوط (علیہ السلام) نے کہا: بیشک تم اجنبی لوگ ہو۔

یہ فرشتے جب لوط علیہ السلام کے ہاں آئے تو خوبصورت اور بے ریش نوجوانوں کی صورت میں آئے۔ سیّدنا لوط علیہ السلام کے یہ مہمان بالکل اجنبی مہمان تھے۔ آپ کو بھی ان کی آمد سے خطرہ محسوس ہوا لیکن آپ کے خطرہ کی نوعیت بالکل الگ تھی۔ آپ اپنی قوم کا حال بھی جانتے تھے اور یہ نوجوان لڑکے بہت خوبصورت تھے لہٰذا دل ہی دل میں آپ پیش آنے والے حالات سے سخت خوفزدہ تھے۔ فرشتوں نے آپ کو اصل صورت حال بتلا کر آپ کے اس خوف کو دور کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اس مجرم قوم کے گناہوں کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہم ان کے مکمل استیصال کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اب آپ ایسا کریں کہ جب گہری رات چھا جائے تو آپ اپنے گھر والوں اور ایمان دار لوگوں کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جائیں۔ البتہ تمہاری بیوی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ کیونکہ وہ ان لوگوں کے گناہوں میں برابر کی شریک ہے۔ صبح دم ان پر عذاب آنے والا ہے اور جب تم نکلو تو خود سب سے پیچھے رہو اور تم لوگوں میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے کیونکہ یہ نہ تو تماشا دیکھنے کا وقت ہے اور نہ مجرم قوم کی ہلاکت پر آنسو بہانے کا بلکہ اگر کوئی آدمی پیچھے کھڑا رہ گیا تو ممکن ہے اسے بھی کچھ گزند پہنچ جائے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝
انہوں نے کہا بلکہ ہم آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے رہے ہیں۔

عذاب کا شک کرنے والوں کے لئے عذاب لانے کا بیان

"قَالُوْا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا" أَیْ قَوْمَكَ "فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ" يَشُكُّوْنَ وَهُوَ الْعَذَاب،

انہوں نے کہا ایسا نہیں بلکہ ہم آپ کے پاس وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے رہے ہیں۔

وَ اَتَیْنٰکَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○
اور ہم آپ کے پاس حق (کا فیصلہ) لے کر آئے ہیں اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

"وَاَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصَادِقُوْنَ" فِيْ قَوْلِنَا

اور ہم آپ کے پاس حق کا فیصلہ لے کر آئے ہیں اور ہم اپنے قول میں یقیناً سچے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○
پس آپ اپنے اہلِ خانہ کو رات کے کسی حصہ میں لے کر نکل جایئے اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے اور
آپ میں سے کوئی مڑ کر (بھی) پیچھے نہ دیکھے اور آپ کو جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے (وہاں) چلے جایئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا شام طرف رات کو ہجرت کرنے کا بیان

"فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ" امْشِ خَلْفَهُمْ . "وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَد" لِئَلَّا يَرَى عَظِيْم مَا يَنْزِل بِهِمْ "وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ" وَهُوَ الشَّام،

پس آپ اپنے اہلِ خانہ کو رات کے کسی حصہ میں لے کر نکل جایئے اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے اور آپ میں سے کوئی مڑ کر (بھی) پیچھے نہ دیکھے اور آپ کو جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں شام چلے جایئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا مقام عذاب سے ہجرت کرنے کا بیان

حضرت لوط علیہ السلام سے فرشتے کہہ رہے ہیں کہ رات کا کچھ حصہ گزرتے ہی آپ اپنے والوں کو کر یہاں سے چلے جائیں خود آپ ان سب کے پیچھے رہیں تاکہ ان کی اچھی طرح نگرانی کر چکیں۔ یہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ آپ لشکر کے آخر میں چلا کرتے تھے تاکہ کمزور اور گرے پڑے لوگوں کا خیال رہے۔ پھر فرمادیا کہ جب قوم پر عذاب آئے اور ان کا شور وغل سنائی دے تو ہرگز ان کی طرف نظریں نہ اٹھانا، انہیں اسی عذاب وسزا میں چھوڑ کر تمہیں جانے کا حکم ہے، چلے جاؤ گویا ان کے ساتھ کوئی تھا جو انہیں راستہ دکھاتا جائے۔ ہم نے پہلے ہی سے لوط (علیہ السلام) سے فرمادیا تھا کہ صبح کے وقت یہ لوگ مٹا دیئے جائیں گے۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے عذاب کا وقت صبح ہے جو بہت ہی قریب ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ۝

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اس فیصلہ سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا کہ بیشک اُن کے صبح کرتے ہی اُن لوگوں کی جڑ کٹ جائے گی۔

قوم لوط کے پاس صبح کے وقت عذاب آجانے کا بیان

"وَقَضَيْنَا" اَوْحَيْنَا "اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ" وَهُوَ "اَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِيْنَ" حَالٌ اَىْ يَتِمّ اسْتِئْصَالُهُمْ فِى الصَّبَاحِ،

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اس فیصلہ سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا کہ بیشک اُن کے صبح کرتے ہی اُن لوگوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ یہاں پر مصبحین یہ حال ہے یعنی صبح ہوتے ہی عذاب نے ان کو تباہ کر دیا۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ۝

اور اہلِ شہر (اپنی بدمستی میں) خوشیاں مناتے ہوئے (لوط علیہ السلام کے پاس) آپہنچے۔

"وَجَاءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ" مَدِيْنَةُ سدوم وَهُمْ قَوْمُ لُوط لَمَّا اُخْبِرُوْا اَنَّ فِى بَيْتِ لُوط مُرْدًا حِسَانًا وَهُمُ الْمَلَائِكَة "يَسْتَبْشِرُوْنَ" حَالٌ طَمَعًا فِى فِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ،

اور اہلِ شہر اپنی بدمستی میں خوشیاں مناتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آپہنچے۔ یعنی وہ بستی سدوم کے لوگ تھے اور یہی قوم لوط تھی جب ان پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر خوبصورت مرد آئے ہیں حالانکہ وہ فرشتے تھے۔ تو بے حیائی کرنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آئے۔

قوم لوط کو جب معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر نوجوان خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ اپنے بد ارادے سے خوشیاں مناتے ہوئے چڑھ دوڑے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھانا شروع کیا کہ اللہ سے ڈرو، میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ اس وقت خود حضرت لوط علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ فرشتے ہیں۔ جیسے کہ سورہ ہود میں ہے۔ یہاں گو اس کا ذکر بعد میں ہے اور فرشتوں کا ظاہر ہو جانا پہلے ذکر ہوا ہے لیکن اس سے ترتیب مقصود نہیں۔ واؤ ترتیب کے لئے ہوتا بھی نہیں اور خصوصاً ایسی جگہ جہاں اس کے خلاف دلیل موجود ہو۔ آپ ان سے کہتے ہیں کہ میری آبروریزی کے درپے ہو جاؤ۔ لیکن وہ جواب دیتے ہیں کہ جب آپ کو یہ خیال تھا تو انہیں آپ نے اپنا مہمان کیوں بنایا؟ ہم تو آپ کو اس سے منع کر چکے ہیں۔ تب آپ نے انہیں مزید سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری عورتیں جو میری لڑکیاں ہیں، وہ خواہش پوری کرنے کی چیزیں ہیں نہ کہ یہ۔ اس کا پورا بیان نہایت وضاحت کے ساتھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لئے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ یہ بدلوگ اپنی خرمستی میں تھے اور جو قضا اور عذاب ان کے سروں پر جھوم رہا تھا اس سے غافل تھے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر ان کی یہ حالت بیان فرما رہا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تکریم اور تعظیم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی جتنی مخلوق پیدا کی ہے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں۔ اللہ نے آپ کی حیات کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہیں کھائی۔ سکرۃ سے مراد ضلالت وگمراہی ہے، اسی میں وہ کھیل رہے تھے اور تردد میں تھے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ۝
لوط (علیہ السلام) نے کہا: بیشک یہ لوگ میرے مہمان ہیں پس تم مجھے شرم سار نہ کرو۔

"قَالَ" لُوط "اِنَّ هٰؤُلاءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ"

لوط (علیہ السلام) نے کہا: بیشک یہ لوگ میرے مہمان ہیں پس تم مجھے (ان کے بارے میں) شرم سار نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ۝
اور اللہ (کے غضب) سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا تقویٰ کی تعلیم دینے کا بیان

"وَاتَّقُوا اللّٰه وَلَا تُخۡزُوۡنِ" بِقَصۡدِكُمۡ اِيَّاهُمۡ بِفِعۡلِ الۡفَاحِشَة بِهِمۡ،

اور اللہ کے غضب سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ یعنی ان کے ساتھ بے حیائی کا کام کر کے مجھے شرمندہ نہ کرو۔

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝
بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہ کیا تھا کہ اوروں کے معاملہ میں دخل نہ دو۔

"قَالُوۡا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعَالَمِيۡنَ" عَنۡ اِضَافَتهمۡ،

بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہ کیا تھا کہ اوروں کے معاملہ میں دخل نہ دو۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝
کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔

"قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِى اِنۡ كُنۡتُمۡ فَاعِلِينَ" مَا تُرِيۡدُوۡنَ مِنۡ قَضَاء الشَّهۡوَة فَتَزَوَّجُوهُنَّ،

کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر قضائے شہوت تمہیں کرنا ہے۔ تو ان سے نکاح کرو۔

آیت کریمہ کا یہ مفہوم سلف وخلف میں سے بہت سے حضرات اہل علم نے لیا ہے کہ آیت کریمہ میں وارد لفظ (بناتی) سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قومی بیٹیاں تھیں۔ یعنی ان بدفطرت لوگوں کی وہ بیویاں جو کہ ان کے گھروں میں موجود تھیں، نہ کہ آپ کی حقیقی اور صلبی بیٹیاں۔ جبکہ دوسرا قول اس ضمن میں حضرات اہل علم کا یہ ہے کہ لفظ (بناتی) کو اپنے ظاہر اور متبادر معنی ومفہوم پر ہی رکھا

ذریعے ان کو کڑک نے آلیا۔

قوم لوط کے عبرتناک انجام کا بیان

سورج نکلنے کے وقت آسمان سے ایک دل دہلانے والی اور جگر پاش پاش کر دینے والی چنگھاڑ کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی ان کی بستیاں اوپر کو اٹھیں اور آسمان کے قریب پہنچ گئیں اور وہاں سے الٹ دی گئیں اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا ساتھ ہی ان پر آسمان سے پتھر برسے ایسے جیسے پکی مٹی کے کنکر آلود پتھر ہوں۔ سورہ ھود میں اس کا مفصل بیان ہو چکا ہے۔ جو بھی بصیرت و بصارت سے کام لے، دیکھے، سنے، سوچے، سمجھے اس کے لئے ان بستیوں کی بربادی میں بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ ایسے پاکباز لوگ ذرا ذرا سی چیزوں سے بھی عبرت ونصیحت حاصل کرتے ہیں پند پکڑتے ہیں اور غور سے ان واقعات کو دیکھتے ہیں اور لم تک پہنچ جاتے ہیں۔ تامل اور غور وخوض کر کے اپنی حالت سنوار لیتے ہیں۔

ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کی عقلمندی اور دور بینی کا لحاظ رکھو وہ اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات تلاوت فرمائی۔ اور حدیث میں ہے کہ وہ اللہ کے نور اور اللہ کی توفیق سے دیکھتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ کے بندے لوگوں کو ان نشانات سے پہچان لیتے ہیں۔ یہ بستی شارع عام پر موجود ہے جس پر ظاہری اور باطنی عذاب آیا، الٹ گئی، پتھر کھائے، عذاب کا نشانہ بنی۔ اب ایک گندے اور بدمزہ کھائی کی جھیل سے بنی ہوئی ہے تم رات دن وہاں سے آتے جاتے ہو تعجب ہے کہ پھر بھی عقلمندی سے کام نہیں لیتے۔ غرض صاف واضح اور آمدورفت کے راستے پر یہ الٹی ہو بستی موجود ہے۔ یہ بھی معنی کئے ہیں کہ کتاب موبین میں ہے لیکن یہ معنی کچھ زیادہ بند نہیں بیٹھتے واللہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کے لئے یہ ایک کھلی دلیل اور جاری نشانی ہے کہ کس طرح اللہ اپنے والوں کو نجات دیتا ہے اور اپنے دشمنوں کو غارت کرتا ہے۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○
سو ہم نے ان کی بستی کو زِیروزَبر کر دیا اور ہم نے ان پر پتھر کی طرح سخت مٹی کے کنکر برسائے۔

قوم لوط کی بستیوں کو زیروزبر کر دینے کا بیان

"فَجَعَلْنَا عَالِيهَا" "اَىْ قُرَاهُمْ" "سَافِلَهَا" بِاَنْ رَفَعَهَا جِبْرِيْلُ اِلَى السَّمَاءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ "وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيْل" طِيْن طُبِخَ بِالنَّارِ،

سو ہم نے ان کی بستی کو زِیروزَبر کر دیا اور ہم نے ان پر پتھر کی طرح سخت مٹی کے کنکر برسائے۔ یعنی حضرت جبرائیل نے ان کو آسمانوں کی طرف بلند کیا اور وہاں سے الٹا کر کے زمین پر دے مارا اور اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ یعنی وہ مٹی جس کو آگ سے پکایا گیا تھا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝
بیشک اس واقعہ میں اہلِ فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔

مؤمن کی فراست کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ" الْمَذْکُوْر "لَاٰیٰتٍ" دَلَالَاتٍ عَلٰی وَحْدَانِیَّةِ اللّٰهِ "لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ" لِلنَّاظِرِیْنَ الْمُعْتَبِرِیْنَ،

بیشک اس (واقعہ) میں اہلِ فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔یعنی دیکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلائل ہیں۔

سورہ حجر آیت ۷۵ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے بچو کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ، (حجر) بے شک اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے کئی نشانیاں ہیں۔بعض علماء نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا ہے کہ متوسمین کے معنی فراست والوں کے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1071)

وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ۝
اور بیشک وہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے۔

قوم لوط کی تباہ شدہ بستیوں کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

"وَاِنَّهَا" اَیْ قُرٰی قَوْمِ لُوْط "لَبِسَبِیْلٍ مُقِیْم" طَرِیْق قُرَیْشٍ اِلَی الشَّام لَمْ تَنْدَرِس اَفَلَا یَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ ؟

اور بیشک وہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے۔قوم لوط یہ بستیاں شام کی طرف جانے والے قریش کے راستے میں پڑتی ہیں کیا تم ان میں غور وفکر نہیں کرتے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝
بیشک اس (واقعہ قوم لوط) میں اہلِ ایمان کے لئے نشانی ہے۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِك لَآیَة" لَعِبْرَة،

بیشک اس (واقعہ قوم لوط) میں اہلِ ایمان کے لئے نشانی ہے۔

وَاِنْ کَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ لَظٰلِمِیْنَ ۝
اور بیشک باشندگانِ اَیکہ (یعنی گھنی جھاڑیوں کے رہنے والے) بھی بڑے ظالم تھے۔

اصحاب ایکہ کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

"وَإِنْ" مُخَفَّفَة اَىْ اِنَّهٗ "كَانَ اَصْحَابُ الْاَيْكَة " هِىَ غَيْضَة شَجَرٍ بِقُرْبِ مَدْيَن وَهُمْ قَوْم شُعَيْب "لَظَالِمِيْنَ" بِتَكْذِيْبِهِمْ شُعَيْبًا،

اور بیشک باشندگانِ اَیکہ یعنی گھنی جھاڑیوں کے رہنے والے بھی بڑے ظالم تھے۔اور یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے تھے۔ جو مدین کے قریب سخت گھنی جھاڑیوں میں رہتے تھے۔اور انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی۔

اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے۔ ایکہ کہتے ہیں درختوں کے جھنڈ کو۔ان کا ظلم علاوہ شرک وکفر کے غارت گری اور ناپ تول کی کمی بھی تھی۔ان کی بستی لوطیوں کے قریب تھی اور ان کا زمانہ بھی ان سے بہت قریب تھا۔ان پر بھی ان کی شراتوں کی وجہ سے عذاب الٰہی آیا۔ یہ دونوں بستیاں بر سر شارع عام تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے فرمایا تھا کہ لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝
پس ہم نے ان سے (بھی) انتقام لیا، اور یہ دونوں (بستیاں) کھلے راستہ پر (موجود) ہیں۔

اصحاب ایکہ کی ہلاکت کا بیان

"فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ" بِاَنْ اَهْلَكْنَاهُمْ بِشِدَّةِ الْحَرِّ "وَاِنَّهُمَا" اَىْ قُرَى قَوْم لُوط وَالْاَيْكَة "لَبِاِمَامٍ" طَرِيْق "مُبِيْن" وَاضِح اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ يَا اَهْل مَكَّة،

پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا، اور یہ دونوں بستیاں کھلے راستہ پر موجود ہیں۔لہٰذا ہم نے ان کو گرمی کی شدت سے ہلاک کر دیا۔ یہ قوم لوط اور اصحاب ایکہ کی بستیاں تمہارے لئے عبرت کے طور پر واضح نشانیاں ہیں اے اہل مکہ تم ان میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
اور بیشک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اصحاب حجر کا رسولان گرامی کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحَاب الْحِجْر " وَادٍ بَيْن الْمَدِيْنَة وَالشَّام وَهُمْ ثَمُوْد "الْمُرْسَلِيْنَ" بِتَكْذِيْبِهِمْ صَالِحًا لِاَنَّهٗ تَكْذِيْب لِبَاقِى الرُّسُل لِاشْتِرَاكِهِمْ فِى الْمَجِىْء بِالتَّوْحِيْد،

اور بیشک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔حجر ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان میں ہے اور یہاں قوم ثمود تھی

جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کی تکذیب کی۔ کیونکہ ان سب کا مقصد پیغام توحید لانا تھا۔

اصحاب حجر کی عذاب سے ہلاکت کا بیان

حجر والوں سے مراد ثمودی ہیں جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک نبی کا جھٹلانے والا گویا سب نبیوں کا انکار کرنے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا۔ ان کے پاس ایسے معجزے پہنچے جن سے حضرت صالح علیہ السلام کی سچائی ان پر کھل گئی۔ جیسے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان سے اونٹنی کا نکلنا جوان کے شہروں میں چرتی چگتی تھی اور ایک دن وہ پانی پیتی تھی ایک دن شہروں کے جانور۔ مگر پھر بھی یہ لوگ گردن کش ہی رہے بلکہ اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس وقت حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا بس اب تین دن کے اندر اندر قہرے الٰہی نازل ہوگا۔ یہ بالکل سچا وعدہ ہے اور اٹل عذاب ہے ان لوگوں نے اللہ کی بتلائی ہوئی راہ پر بھی اپنے اندھاپے کو ترجیح دی۔ یہ لوگ صرف اپنی قوت جتانے اور ریا کاری ظاہر کرنے کے واسطے تکبر و تجبر کے طور پر پہاڑوں میں مکان تراشتے تھے۔ کسی خوف کے باعث یا ضرورتا یہ چیز نہ تھی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے ان کے مکانوں سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا ڈال لیا اور سواری کو تیز چلایا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جن پر عذاب الٰہی اترا ہے ان کی بستیوں سے روتے ہوئے گزرو۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی شکل بنا کر چلو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں عذابوں کا شکار تم بھی بن جاؤ۔

آخر ان پر ٹھیک چوتھے دن کی صبح عذاب الٰہی بصورت چنگھاڑ آیا۔ اس وقت ان کی کمائیاں کچھ کام نہ آئیں۔ جن کھیتوں اور پھلوں کی حفاظت کے لئے اور انہیں بڑھانے کے لئے ان لوگوں نے اونٹنی کا پانی پینا نہ پسند کر کے اسے قتل کر دیا وہ آج بے سود ثابت ہوئے اور امر رب اپنا کام کر گیا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ حجر، بیروت)

وَاٰتَیۡنٰهُمۡ اٰیٰتِنَا فَکَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ۝
اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے منہ پھیرنے والے تھے۔

"وَاٰتَیۡنَاهُمۡ اٰیَاتِنَا" فِی النَّاقَة "فَکَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ" لَا یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡهَا،

اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں یعنی معجزاتی اونٹنی دی تو وہ ان سے منہ پھیرنے والے تھے۔

یہ نشانیاں اللہ کی اونٹنی اور اس کا بچہ تھیں۔ اور یہ معجزہ ان کے مطالبہ پر انھیں عطا ہوا تھا علاوہ ازیں رسولوں پر منزل من اللہ تعلیم پر بھی ان الفاظ یعنی آیات اللہ کا اطلاق ہوتا ہے ان کے انکار کا قصہ بھی پہلے سورہ اعراف اور سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔

وَکَانُوۡا یَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا اٰمِنِیۡنَ۝
اور وہ پہاڑوں سے مکان تراشتے تھے، اس حال میں کہ بے خوف تھے۔

یہ لوگ بڑے طویل القامت، مضبوط جسم اور لمبی عمروں والے تھے۔ سنگ تراش اور انجینئر قسم کے لوگ تھے۔ اور اس فن میں

اتنے ماہر تھے کہ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنے گھر بنا لیتے تھے۔ اور یہ گھر اتنے مضبوط ہوتے تھے جو ہر طرح کی ارضی وسماوی آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب، طوفان بادو باراں وغیرہ کا مقابلہ کر سکتے تھے لہٰذا ہر طرح کے خوف وخطر سے نڈر ہو کر ان میں رہتے تھے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ○
پس انہیں صبح ہوتے ہی چیخ نے پکڑ لیا۔

صبح کے وقت انہیں عذاب نے آلیا

"فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ" وَقْت الصَّبَاح،

پس انہیں صبح ہوتے ہی چیخ نے پکڑ لیا۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○
پھر ان کے کسی کام نہ آیا، جو وہ کمایا کرتے تھے۔

"فَمَا اَغْنَى" دَفَعَ "عَنْهُمْ" الْعَذَاب "مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" مِنْ بِنَاء الْحُصُون وَجَمْع الْاَمْوَال،

پھر ان کے کسی کام نہ آیا، جو وہ کمایا کرتے تھے۔ یعنی ان کے مضبوط قلعے اور جمع شدہ اموال بھی ان کے کسی کام نہ آئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ○
اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے عبث پیدا نہیں کیا، اور یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے،
سو (اے اخلاقِ مجسّم!) آپ بڑے حسن وخوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہئے۔

قیامت کے یقینی آنے اور اعمال کی جزاء کا بیان

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَات وَالْاَرْض وَمَا بَيْنهمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَة لَآتِيَة" لَا مَحَالَة فَيُجَازَى كُلّ اَحَد بِعَمَلِهِ "فَاصْفَحْ" يَا مُحَمَّد عَنْ قَوْمك "الصَّفْح الْجَمِيْل" اَعْرِضْ عَنْهُمْ اِعْرَاضًا لَا جَزَع فِيْهِ وَهٰذَا مَنْسُوخ بِآيَةِ السَّيْف،

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے عبث پیدا نہیں کیا، اور یقیناً قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، یعنی قیامت یقیناً آئے گی اور اس میں ہر عمل کی جزاء دی جائے گی۔ یا محمد ﷺ آپ بڑے حسن وخوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہئے۔ یعنی ان سے ہر ایسی چیز سے صرف نظر فرمائی جس میں کوئی جزع نہ ہو۔ اور یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہے۔

اللہ نے تمام مخلوق عدل کے ساتھ بنائی ہے، قیامت آنے والی ہے، بروں کو برے بدلے نیکوں کو نیک بدلے ملنے والے ہیں مخلوق باطل سے پیدا نہیں کی گئی۔ ایسا گمان کافروں کا ہوتا ہے اور کافروں کے لئے ویل دوزخ ہے۔ اور آیت میں ہے کیا تم سمجھتے

ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آ ؤ گے؟ بلندی والا ہے اللہ مالک حق جس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں عرش کریم کا مالک وہی ہے۔

پھر اپنے نبی مکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ مشرکوں سے چشم پوشی کیجئے، ان کی ایذا اور جھٹلانا اور برا کہنا برداشت کر لیجئے۔ جیسے اور آیت میں ہے ان سے چشم پوشی کیجئے اور سلام کہہ دیجئے انہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے تھا یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد بعد از ہجرت مقرر اور شروع ہوا ہے۔ تیرا رب خالق ہے اور خالق مار ڈالنے کے بعد بھی پیدائش پر قادر ہے، اسے کسی چیز کی بار بار کی پیدائش عاجز نہیں کر سکتی۔ ریزوں کو جب بکھر جائیں وہ جمع کر کے جان ڈال سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حجر، بیروت)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○
بیشک تمہارا رب ہی بہت پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے

"اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ" لِكُلِّ شَیْءٍ "الْعَلِيْمُ" بِكُلِّ شَیْءٍ،

بیشک تمہارا رب ہی بہت پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔

سورت فاتحہ اور قرآن عظیم کی شان کا بیان

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِیْ" قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِیَ الْفَاتِحَةُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ لِاَنَّهَا تُثَنّٰی فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ سورت فاتحہ ہے۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کیونکہ اس کو ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے۔

سورہ حجر آیت ۸۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حسن بن فضل کہتے ہیں کہ بصری اور اذرعات سے یہود قریظہ اور نضیر کے سات قافلے ایک ہی دن میں آ گئے ان کے پاس مختلف اشیاء مثلاً کپڑے، خوشبو کے برتن قیمتی موتی، سمندری سامان تھا مسلمانوں نے کہا اگر یہ اموال ہمارے پاس ہوتے تو ہم ان کے ذریعے قوت وطاقت حاصل کرتے اور انہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں ایسی سات آیات عطا فرمائی ہیں جو ان سات قافلوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اس سبب نزول کی صحت پر اس آیت کے بعد یہ فرمان باری تعالیٰ بھی دلالت کرتا ہے۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ، اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں کو جو (فوائد دنیاوی سے) متمتع کیا ہے تم

ان کی طرف (رغبت سے) آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا۔ (نیسابوری 233، زاد المسیر 4-412)

سورہ فاتحہ کی منفرد شان کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نماز میں تم کس طرح یعنی کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے سورت فاتحہ پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسی سورت نہ تو توریت انجیل زبور میں اتاری گئی ہے اور نہ ہی قرآن مین نازل کی گئی ہے سورت فاتحہ سبع مثانی ہے (یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) اور یہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ ترمذی دارمی نے اس روایت کو ماانزلت سے نقل کیا اور ان کی روایت میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 653)

حضرت سعید بن معلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا، اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر (نماز سے فارغ ہو کر) جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ (اس وقت) میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لئے میں نے آپ کا جواب نہیں دیا تھا) آپ نے فرمایا کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ اور رسول ﷺ کا جواب دو جب کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بلائے اور ان کے حکم کی اطاعت کرو؟ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قبل اس کے ہم اس مسجد سے نکلیں کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی یعنی افضل سورت نہ سکھلاؤں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور جب ہم مسجد سے نکلنے کو ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی سورت نہ سکھلاؤں؟ آپ نے فرمایا وہ سورت الحمد للہ رب العالمین ہے وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 630)

ارشاد گرامی **استجیبوا** (جواب دو) سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی حالت میں جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی جیسا کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرنے سے نماز فاسد نہ ہوئی۔ سورت فاتحہ کو ایک بہت بڑی سورت اس لئے فرمایا کہ وہ اللہ رب العزت کے نزدیک بڑی قدر رکھتی ہے اور الفاظ کے اختصار کے باوجود اس کے فوائد و معانی بہت زیادہ ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سورت فاتحہ کے صرف ایک جزء کے تحت دین و دنیا کے تمام مقاصد آجاتے ہیں بلکہ بعض عارفین نے تو یہ کہا ہے کہ جو کچھ سابق آسمانی کتابوں میں ہے وہ سب قرآن مجید میں ہے اور جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سب سورت فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورت فاتحہ میں ہے وہ سب بسم اللہ میں ہے۔ وہ سات آیتیں ہیں۔ جن سے دراصل قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ آیت (وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ، الحجر: 87) یعنی اے محمد! ہم نے آپ کو وہ سات آیتیں عطا کی ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں یا یہ کہ ان سات آیتوں کی ثنا عطا کی گئی ہے ساتھ فصاحت اور

اعجاز کے اور ان سات آیتوں سے مراد سورت فاتحہ ہے) اور دیا ہے ہم نے آپ کو قرآن عظیم۔ یہاں قرآن عظیم سے بھی سورت فاتحہ مراد ہے کیونکہ سورت فاتحہ باعتبار معانی وفوائد کے قرآن کا جزو اعظم ہے اس لئے مبالغۃً فرمایا کہ یہ قرآن عظیم ہے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝
آپ ان چیزوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے گروہوں کو (چندروزہ) عیش کے لئے
بہرہ مند کیا ہے، اور ان (کی گمراہی) پر رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں اور اہل ایمان (کی دل جوئی) کے لئے اپنے
(شفقت والتفات کے) بازو جھکائے رکھئے۔

کفار کی ظاہر نمود ونمائش کو خاطر میں نہ لانے کا بیان

"لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا" اَصْنَافًا "مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ" اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ" اَلِنْ جَانِبَكَ،

آپ ان چیزوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کافروں کے گروہوں کو (چندروزہ) عیش کے لئے بہرہ مند کیا ہے، اور ان (کی گمراہی) پر رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں اور اہل ایمان (کی دل جوئی) کے لئے اپنے (شفقت والتفات کے) بازو جھکائے رکھئے۔

اے سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جن کے سامنے دنیوی نعمتیں حقیر ہیں تو آپ متاع دنیا سے مستغنی رہیں جو یہود ونصاریٰ وغیرہ مختلف قسم کے کافروں کو دی گئیں۔ حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کی بدولت ہر چیز سے مستغنی نہ ہو گیا یعنی قرآن ایسی نعمت ہے جس کے سامنے دنیوی نعمتیں ہیچ ہیں۔

وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ۝
اور فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا (اس عذاب سے)۔

- "وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ" مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَنْ يَّنْزِلَ عَلَيْكُمْ "الْمُبِيْنُ" الْبَيِّنُ الْاِنْذَارِ،

اور فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا (اس عذاب سے)،

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ سورج گہن ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح گھبرائے ہوئے کھڑے ہوئے جیسے قیامت گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں آئے اور طویل ترین قیام ورکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں جو اللہ بزرگ و برتر بھیجتا ہے، یہ کسی کی موت اور حیات کے سبب سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب تم اس کو دیکھو تو ذکر الٰہی اور دعا واستغفار کی طرف

دوڑو۔ (صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 1017)

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝
جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر اتارا تھا۔

"كَمَا اَنْزَلْنَا" الْعَذَاب "عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ" الْيَهُوْد وَالنَّصَارَى،

جیسا عذاب کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں یعنی یہود ونصارٰی پر اتارا تھا۔

یہود ونصاریٰ کی تقسیم پر عذاب کا بیان

بعض مفسرین کے نزدیک انزلنا کا مفعول العذاب محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھل کر ڈرانے والا ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کے، جنہوں نے کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش قوم مراد ہے، جنہوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کردیا، اس کے بعض حصے کے شعر، بعض کو سحر (جادو) بعض کو کہانت اور بعض کو پہلوں کی کہانیاں قرار دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو رات کے اندھیرے میں قتل کردیں گے (تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ، النمل:49) اور آسمانی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ عضین کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝
جنہوں نے کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا (کوئی مان لیا، کوئی نہ مانا)۔

یہود ونصاریٰ کی طرح کفار مکہ کی تقسیم عداوت کا بیان

"الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰن" اَیْ كُتُبهمْ الْمُنَزَّلَة عَلَيْهِمْ "عِضِيْنَ" اَجْزَاء حَيْثُ اٰمَنُوْا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوْا بِبَعْضٍ وَقِيْلَ الْمُرَاد بِهِمْ الَّذِيْنَ اقْتَسَمُوْا طُرُق مَكَّة يَصُدُّوْنَ النَّاس عَنْ الْاِسْلَام وَقَالَ بَعْضهمْ فِي الْقُرْاٰن سِحْر وَبَعْضهمْ كَهَانَة وَبَعْضهمْ شِعْر،

جنہوں نے کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا (کوئی مان لیا، کوئی نہ مانا)۔ یعنی جنہوں نے مکہ کے راستوں سے آنے والے لوگوں کو تقسیم کرلیا تھا کہ بعض یہ کہیں کہ قرآن جادو ہے جبکہ بعض کہیں کہانت ہے اور بعض کہیں کہ شعر ہے لہٰذا اس طرح وہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے۔

راستوں کی ناکہ بندی کرکے اسلام کی راہ سے روکنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بانٹنے والوں سے یہود ونصارٰی مراد ہیں چونکہ وہ قرآن کریم کے کچھ حصہ پر ایمان لائے جو ان کے خیال میں ان کی کتابوں کے موافق تھا اور کچھ کے منکر ہو گئے۔ قتادہ وابن سائب کا قول ہے کہ بانٹنے والوں

سے کفار قریش مراد ہیں جن میں بعض قرآن کو سحر، بعض کہانت، بعض افسانہ کہتے تھے اس طرح انہوں نے قرآن کریم کے حق میں اپنے اقوال تقسیم کر رکھے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ بانٹنے والوں سے وہ بارہ اشخاص مراد ہیں جنہیں کفار نے مکّہ مکرمہ کے راستوں پر مقرر کیا تھا، حج کے زمانہ میں ہر ہر راستہ پر ان میں کا ایک ایک شخص بیٹھ جاتا تھا اور وہ آنے والوں کو بہکانے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منحرف کرنے کے لئے ایک ایک بات مقرر کر لیتا تھا کہ کوئی آنے والوں سے یہ کہتا تھا کہ ان کی باتوں میں نہ آنا کہ وہ جادوگر ہیں، کوئی کہتا وہ کذّاب ہیں، کوئی کہتا وہ مجنون ہیں، کوئی کہتا وہ کاہن ہیں، کوئی کہتا وہ شاعر ہیں یہ سن کر لوگ جب خانہ کعبہ کے دروازہ پر آتے وہاں ولید بن مغیرہ بیٹھا رہتا اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کرتے اور کہتے کہ ہم نے مکہ مکرمہ آتے ہوئے شہر کے کنارے ان کی نسبت ایسا سنا وہ کہہ دیتا کہ ٹھیک سنا۔ اس طرح خلق کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالٰی نے ہلاک کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حجر، لاہور)

فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○
تو تمہارے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔

"فَوَرَبِّكَ لَنَسْاَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ" سُؤَال تَوْبِيخ،

تو تمہارے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے۔ یہ سوال بہ طور توبیخ ہوگا۔

سورہ حجر آیت ۹۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ، الحجر ۔ پھر تیرے رب کی قسم! ہم ان سب سے سوال کریں گے۔ الحجر، آیت) کی تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد کلمہ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1072)

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
ان اعمال سے متعلق جو وہ کرتے رہے تھے
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○
پس آپ وہ اعلانیہ کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔

حق بات علی الاعلان بیان کر دینے کا بیان

"فَاصْدَعْ" يَا مُحَمَّد "بِمَا تُؤْمَر" بِهِ اَیْ اجْهَرْ بِهِ وَامْضِهِ "وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" هٰذَا قَبْلَ الْاَمْر بِالْجِهَادِ،

یا محمد ﷺ آپ وہ باتیں اعلانیہ کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔ یہ حکم بھی جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا مذاق اڑانے والوں کے عبرتناک انجام کا بیان

حکم ہو رہا ہے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کی باتیں لوگوں کو صاف صاف بجھجک پہنچا دیں نہ کسی کی رو رعایت کیجئے نہ کسی کا ڈر خوف کیجئے۔ اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ اور آپ کے اصحاب نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کر دی۔ ان مذاق اڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کر یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ کی طرف سے دیکھیں تو خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقا خوف نہ کر اللہ تعالیٰ تیری جانب اتارا گیا لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھ لے گا۔

چنانچہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے جا رہے تھے کہ بعض مشرکوں نے آپ سے مذاق کیا اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہیں نشتر مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں اسی میں وہ مر گئے اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا تھے۔ بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گنے جاتے تھے۔ بنو اسد کے قبیلے میں تو اسود بن عبد المطلب ابوزمعہ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہی دشمن تھا۔ ایذائیں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا آپ نے تنگ آ کر اس کے لئے بددعا بھی کی تھی کہ اے اللہ اسے اندھا کر دے بے اولاد کر دے۔

بنی زہرہ میں سے اسود تھا اور بنی مخزوم میں سے ولید تھا اور بنی سہم میں سے عاص بن وائل تھا۔ اور خزاعہ میں سے حارث تھا۔ یہ لوگ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء رسائی کے درپے لگے رہتے تھے اور لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی آپ کو پہنچایا کرتے جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آیت (فاصدع سے یعلمون) تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے بیت اللہ شریف میں آپ کے پاس کھڑے ہو گئے اتنے میں اسود بن عبد یغوث آپ کے پاس سے گزرا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا۔ اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا اس کی ایڑی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ یونہی سی چھل گئی تھی اور اسے بھی دو سال گزر چکے تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی، پکی اور اسی میں وہ مرا۔ پھر عاص بن وائل گزرا۔ اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لئے اپنے گدھے پر سوار چلا۔ راستے میں گر پڑا اور تلوے میں کیل گھس گئی جس نے اس کی جان لی۔ حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون آنے لگا اور اسی میں مرا۔

ان سب موذیوں کو سردار ولید بن مغیرہ تھا اسی نے انہیں جمع کیا تھا پس یہ پانچ یا سات شخص تھے جو جڑتے تھے اور ان کے اشاروں

سے اور ذلیل لوگ بھی کمینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ اس لغو حرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ انہیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آ جائے گا۔ اور بھی جو رسول کا مخالف ہو اللہ کے ساتھ شرک کرے اس کا یہی حال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ حجر، بیروت)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۝
بیشک مذاق کرنے والوں کے لئے ہم آپ کو کافی ہیں۔

اللہ کی طرف کفار کے لئے ہلاکت کا بیان

"اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ " بِكَ بِاِهْلَاكِنَا كُلًّا مِنْهُمْ بِآفَةٍ وَهُمُ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَالْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَعَدِيُّ بْنُ قَيْسٍ وَالْاَسْوَدُ بْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْاَسْوَدُ بْنُ عَبْدِ يَغُوْثَ،

بیشک مذاق کرنے والوں کے لئے ہم آپ کو کافی ہیں۔ یعنی ہم ان سب کو کسی بلاء سے ہلاک کر دیں گے اور وہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس اور اسود بن مطلب اور اسود بن عبد یغوث ہیں۔

سورہ حجر آیت ۹۵ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ کے پیچھے اشارے کرنا شروع کر دیے اور یہ کہنے لگے کہ یہی وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں اور میرے ساتھ جبرائیل ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ ان کے جسم میں ناخن کی طرح چبھی اور سب کے جسم میں زخم بن گیا یہاں تک کہ ان سے سخت بدبو آنے لگی اور کوئی ان کے قریب نہیں آتا تھا۔ ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۔ (سیوطی 161، زادالمسیر 4_426، قرطبی 10_62)

اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۝
جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو عنقریب وہ جان لیں گے۔

اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ " صِفَةٌ وَقِيْلَ مُبْتَدَاٌ وَلِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى الشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِيْ خَبَرِهٖ وَهُوَ "فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ" عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ،

جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو عنقریب وہ جان لیں گے۔ یہ وصف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مبتداء ہے کیونکہ یہ معنی شرط کو لازم کیے ہوئے ہے اسی وجہ سے اس کی خبر پر فاء داخل ہوئی ہے اور وہ "فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ" یعنی وہ اپنے انجام کو جان

لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا شرک سے پاک ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ تورات کے عالموں میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تورات میں پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھائے گا پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے گویا اس یہودی عالم کی بات کی تصدیق کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ اور ان لوگوں نے اللہ کی قدرت کا پورے طور پر اندازہ نہ کیا اور زمین ساری قیامت کے دن اس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں تہ کیا ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ پاک و برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2020)

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ٥
اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ (اقدس) ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔

"وَلَقَدْ" لِلتَّحْقِيقِ "نَعْلَم اَنَّك يَضِيق صَدْرك بِمَا يَقُوْلُوْنَ" مِنْ الِاسْتِهْزَاء وَالتَّكْذِيْب،

یہاں پر لقد یہ تحقیق کے لئے آیا ہے۔ اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ (اقدس) ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو وہ مذاق یا تکذیب کے طور پر کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑانے والے کفار کی بدترین ہلاکت کا بیان

کُفّارِ قریش کے پانچ سردار (۱) عاص بن وائل سہمی اور (۲) اسود بن مطلب اور (۳) اسود بن عبد یغوث اور (۴) حارث بن قیس اور ان سب کا افسر (۵) ولید ابن مغیرہ مخزومی۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ایذا دیتے اور آپ کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرتے تھے۔ اسود بن مطلب کے لئے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تھی کہ یاربّ اس کو اندھا کر دے۔ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے، یہ پانچوں آئے اور انہوں نے حسبِ دستور طعن و تمسخر کے کلمات کہے اور طواف میں مشغول ہو گئے۔ اسی حال میں حضرت جبریلِ امین حضرت کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی کی طرف اور عاص کے کفِ پا کی طرف اور اسود بن مطلب کی آنکھوں کی طرف اور اسود بن عبد یغوث کے پیٹ کی طرف اور حارث بن قیس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور کہا میں ان کا شر دفع کروں گا چنانچہ تھوڑے عرصہ میں یہ ہلاک ہو گئے۔ ولید بن مغیرہ تیر فروش کی دوکان کے پاس سے گزرا اس کے تہ بند میں ایک پیکان چبھا مگر اس نے تکبّر سے اس کو نکالنے کے لئے سر نیچا نہ کیا اس سے اس کی پنڈلی میں زخم آیا اور اسی میں مر گیا۔

عاص ابن وائل کے پاؤں میں کانٹا لگا اور نظر نہ آیا اس سے پاؤں ورم کر گیا اور یہ شخص بھی مر گیا۔ اسود بن مطلب کی آنکھوں میں ایسا درد ہوا کہ دیوار میں سر مارتا تھا اسی میں مر گیا اور یہ کہتا مرا کہ مجھ کو محمد نے قتل کیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اسود بن عبد یغوث کو استسقاء ہوا اور کلبی کی روایت میں ہے کہ اس کو لُو لگی اور اس کا منہ اس قدر کالا ہو گیا کہ گھر والوں نے نہ پہچانا اور نکال دیا اسی حال میں یہ کہتا مر گیا کہ مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب نے قتل کیا اور حارث بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہوا، اسی میں ہلاک ہو گیا۔ انھیں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، سورہ حجر، بیروت)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝
پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرنے کا بیان

"فَسَبِّحْ" مُلْتَبِسًا "بِحَمْدِ رَبِّكَ" اَیْ قُلْ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ "وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ" الْمُصَلِّيْنَ

پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں یعنی نمازیوں میں سے ہو جائیں۔ اور تسبیح یہ ہے۔ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ،

میزان میں بھاری ہونے والے دو کلمات تسبیح کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت محبوب ہیں اور زبان پر نہایت ہلکے ہیں مگر میزان (تول) میں بہت بھاری ہیں، وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2456)

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝
اور اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ تیرے پاس یقین آ جائے۔

موت آنے تک عبادت میں رہنے کا بیان

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" الْمَوْتُ

اور اپنے رب کی عبادت کریں یہاں تک کہ تیرے پاس یقین یعنی موت آ جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو پھر یہ دعا پڑھتے۔ میری نماز میری عبادت میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) پروردگار عالم ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (یعنی فرمانبردار) ہوں۔ اے اللہ! نیک اعمال اور حسن اخلاق کی طرف میری رہنمائی کر کیونکہ بہترین اعمال واخلاق کی طرف تو ہی رہنمائی کر سکتا ہے اور مجھے برے اعمال و بد اخلاقی سے بچا کیونکہ برے اعمال واخلاق

سے تو ہی بچا سکتا ہے۔ (سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 784)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" حالت مسافرت کی موت شہادت ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 72)

موت کے بعد اللہ کی بارگاہ سے اچھا گمان رکھنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نہ مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھتا ہو۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 83)

مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور بخشش پر کامل اعتقاد اور اس کے وعدہ رحم وکرم پر اعتقاد رکھنا چاہئے اور ہمہ وقت اس کے کرم اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہے۔ نیز یہ کہ ہر شخص اللہ کے ساتھ ہر وقت اچھا گمان رکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ بد گمانی رحمت مایوسی کی حالت میں مرجائے اور وہ مبتلائے قہر الٰہی ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ اخروی سعادت کی علامت یہ ہے کہ زندگی کے پورے عرصے میں خوف غالب رہے اور جب مرنے کے قریب پہنچے تو اس کی رحمت وبخشش کی امید غالب رہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ "اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھنے" سے مراد نیک اعمال کرنا ہے۔ یعنی اپنی زندگی میں اچھے اعمال کرنے چاہئیں تا کہ موت کے وقت اللہ کے ساتھ اچھا گمان رہے کیونکہ جس کی زندگی اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کی خاطر عبادات ونیک اعمال میں گزاری ہوگی۔ وہ مرنے کے وقت اللہ کے ساتھ یہی نیک گمان قائم کئے رہے گا کہ انشاء اللہ میرے ساتھ اچھا ہی معاملہ ہوگا اس کے برخلاف جس کی زندگی اللہ کی نافرمانی اور برے اعمال میں گزری ہوگی وہ موت کے وقت اللہ کے ساتھ براہی گمان رکھے گا کیونکہ جب موت سر پر کھڑی ہوگی تو اسے اپنی زندگی کے برے اعمال یاد آئیں گے اس وقت اسے یہ خیال پیدا ہوگا کہ میرے ساتھ اچھا معاملہ نہیں ہوگا۔ نیز علماء لکھتے ہیں کہ "امید" کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے اور امید رکھے خدمت مولیٰ کرے اور نظر اس کی عطا پر رکھے نہ کہ جھوٹی امید جو عمل سے باز رکھے اور گناہوں کا باعث ہو، یہ امید نہیں ہے بلکہ آرزو اور غرور ہے۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول منقول ہے کہ "اگر تم میں سے کوئی شخص (جو بے عمل ہے) یہ کہتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہوں تو وہ جھوٹ کہتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا تو نیک عمل بھی کرتا۔

عبادت کی حالت میں آنے والی موت کا بیان

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بطریق مرسل روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس آدمی کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو اور (وہ علم) اس غرض سے (حاصل کر رہا ہو) کہ وہ اس کے ذریعہ اسلام کو رائج کرے گا تو جنت میں اس کے اور انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا اور وہ مرتبہ نبوت

ہے۔(سنن دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 237)

حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے خواہ وہ باوضو ہوں یا بے وضو اور انہوں نے یہ عمل کس سے حاصل کیا تھا؟ حضرت عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ ابی عامر الغسیل رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کا وضو کرنے کے لئے حکم دیا گیا تھا۔

خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوضو ہوں یا بے وضو جب آپ کے لئے یہ مشکل ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو کو موقوف کیا گیا (یعنی ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا واجب نہ رہا، جب تک وضو ٹوٹ نہ جائے۔ حضرت عبداللہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ مجھ میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کی قوت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر موت کے وقت تک عمل کیا۔(مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 401)

سورہ حجر کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ حجر کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی